نعرۂ حق

جلد دوم

نعرۂ حق

سوامی ویویکانند

کی

تقاریر اور تصانیف سے انتخاب



جلد دوم

2

NÂRA-É-HÂQ

Selections from speeches and writings of

SWAMI VIVEKANANDA

VOLUME : II
FIRST EDITION : 1964



Published by
SWAMI SWAHANANDA
Secretary
Sri Ramakrishna Mission
NEW DELHI

Ordinary Binding
Rs. 8-00

Deluxe Binding
Rs. 10-00

Kapur Printing Press, Delhi





پبلشر

سوامی سواہ آنند

سیکرٹری

شری رام کرشن مشن۔ نئی دہلی

پہلا ایڈیشن

قیمت

عام جلد آٹھ روپیہ

مجلّد، فُل کلاتھ دس روپیہ

مؤلّف اور مترجم

دھرم پال

جرنلسٹ

فہرست مضامین



उत्तिष्ठत जाग्रत प्राप्य वरान्निबोधत

اُٹھو! جاگو! اور تب تک نہ رُکو جب تک منزل نہ پالو



دیباچہ

سوامی وویکانند جی کی صد سالہ سالگرہ کی تقریب کے سلسلہ میں میرے ایما پر سوامی جی کی تقاریر اور تصانیف سے چند منتخب شدہ مضامین کا پہلا گلدستہ اُردو دان طبقہ کی خدمت میں "نعرۂ حق" جلد اوّل کے زیرِ عنوان پیش کیا جا چکا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اِس سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ اس کا نام "نعرۂ حق" جلد دوم ہے اور یہ سوامی جی کے کلام کا دُوسرا انتخاب ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ پہلے انتخاب کی طرح یہ بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

اِس کتاب میں سوامی وویکانند کی تقاریر اور تصانیف سے مرتب شدہ ایسی انگریزی کتابوں کا ترجمہ شامل کیا گیا ہے جو گردشِ زمانہ کے انقلابی تقاضوں کو پُورا کرتی ہیں اور مُلک و قوم، بلکہ کُل بنی نوعِ انسان کے لئے ایک ایسا لاثانی سرمدی پیغام ہیں جو اس کی جملہ آفتوں، مشکلوں اور کلفتوں کو دُور کرنے کا واحد علاج ہے۔

کتابوں کی اِس فہرست میں سب سے پہلے کتاب "تعلیم" لی گئی ہے، جسے انگریزی میں شری ٹی۔ایس۔ اوناشی لنگم نے مرتب کیا تھا۔ دوسری کتاب "ہندوستان اور اس کے مسائل" ہے۔ جس کو مرتب کرنے کا سہرا شری سوامی نرویدآنند کے سر ہے۔ تیسری کتاب "ذات پات، تمدن اور سوشلزم" ہے۔ چوتھی کتاب "راج یوگ" ہے جو سوامی وویکانند جی کی شہرۂ آفاق

تصنیف ہے۔ اس کے بعد سوامی وویکانند جی کے کچھ منتخب خطوط اور مضامین شامل کیے گئے ہیں۔

سوامی وویکانند جی تقریر و تحریر دونوں کے دھنی تھے۔ ان کی نوکِ قلم پر آیا ہوا اور شعلہ نوا زبان سے ادا کیا ہوا ایک ایک لفظ حیات بخش اور جادوئی اثر سے معمور ایسا جواہر پارہ ہے جس کی ہر نور افشاں ضیا میں پرشباب انفرادی اور قومی تعمیر کا پیغام مضمر ہے۔

اِس کتاب کو اردو لباس پہنانے کا کام شری دھرم پال جرنلسٹ کو سونپا گیا تھا جنہیں سوامی وویکانند جی سے والہانہ عشق و عقیدت ہے اور جو اردو اور انگریزی کے ممتاز لکھنے والوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

اگرچہ مترجم کی ہر چند کوشش یہی رہی ہے کہ سوامی وویکانند جی کی سحر طرازیاں اور گل ریزیاں اردو ترجمہ میں بھی بکھری رہیں اور سوامی جی کا کلام جس بے مثال بلاغت اور لازوال آب و تاب کا حامل ہے اردو ترجمہ اس کی حتی المقدور عکاسی اور آئینہ داری کر سکے۔ لیکن مترجم کی مودبانہ التجا ہے کہ اگر ناظرین کرام کو اس کتاب سے کچھ لطف و سرور حاصل ہو تو وہ اسے شری سوامی جی کا فیض، ان کی رحمت سمجھ کر سینہ سے لگا لیں اور اگر کہیں کوئی خامی، کمی یا تشنگی نظر آئے تو اسے مترجم کی کوتاہی اور لغزش سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔

6 جنوری 1964
سوامی وویکانند جی کا
102 واں جنم دن

سوامی سواہ آنند
سیکریٹری
شری رام کرشن مشن، نئی دہلی

تعلیم



EDUCATION

تعلیم

فلسفہ تعلیم

تعلیم اس لیاقت وخوبی کے جمال و کمال کا نام ہے، جو پہلے سے ہی انسان کے اندر موجود ہوتی ہے۔ علم انسان کو ورثہ میں ملتا ہے جب ہم کہتے ہیں کہ ایک انسان اتنا کچھ جانتا ہے تو نفسیاتی زبان میں اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ انسان نے اتنا کچھ دریافت یا منکشف کیا ہے۔ انسان وہی کچھ سیکھتا ہے جو وہ دریافت کرتا ہے، معلوم کرتا ہے۔ وہ اپنی رُوح اور آتما سے، جو بے پایاں علم کی کان اور خزینہ ہے، پردہ ہٹا کر، کچھ دریافت کرتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نیوٹن نے اصُول کششِ ثقل دریافت کیا۔ کیا یہ اصُول کششِ ثقل کسی کونہ میں سمٹا بیٹھا نیوٹن کا انتظار کر رہا تھا؟ نہیں، یہ اس کے اپنے دل میں موجود تھا۔ وقت آیا اس نے اسے پہچان لیا۔ معلوم کر لیا۔ دُنیا نے جس قدر علم و ہنر حاصل کیا ہے، وہ اُسکے دماغ سے اُترا ہے کائنات کی بے پایاں لائبریری (کتب خانہ) آپ کے دل ودماغ میں ہے۔ خارجی دُنیا تو محض ایک تحریک، ایک ترغیب ہے، جو آپ کے دل و دماغ کو مطالعہ اور تحقیق وجستجو کے لئے اُکساتی ہے۔ سیب کے درخت سے گرنے سے نیوٹن کو تحریک ملی۔ اس نے اپنے دل ودماغ کا مطالعہ کیا۔ سلسلۂ خیال کی پہلی تمام کڑیوں کو اُس نے ازسرنو آراستہ کیا اور اس عمل میں ایک نئی کڑی، ایک نئی زنجیر کو پالیا۔ جسے ہم قانونِ کششِ ثقل کہتے ہیں۔ یہ اصُول نہ سیب میں تھا اور نہ ہی کرۂ ارض کے مرکز میں پنہاں تھا

اس لئے تمام علم کیا دُنیاوی اور کیا رُوحانی، انسان کے دل ودماغ میں پہلے سے ہی موجُود ہوتا ہے۔ بیشتر حالتوں میں اس کو دریافت نہیں کیا جاتا۔ یہ ڈھکا، چھُپا، پڑا رہتا ہے، جب پردۂ جہالت کو آہستہ سے پرے سرکایا جاتا ہے تو ہم پکار اُٹھتے ہیں کہ ہم سیکھ رہے ہیں۔ علم کی ترقی اس پردہ

کو دور ہٹانے کے عمل کا ہی دوسرا نام ہے۔جس انسان کے ہاتھوں یہ پردہ اور ڈھکنا پرے ہٹایا جاتا ہے وہ زیادہ صاحبِ علم اور واقفِ راز انسان ہوتا ہے۔جس انسان پر یہ پردہ پڑا رہتا ہے وہ انجان ہے، جاہل ہے۔جس کا پردہ کلیتاً ہٹ جائے وہ سب کچھ جاننے والا ہمہ بین انسان ہوتا ہے۔چقماق میں چھپی آگ کی طرح، علم دل و دماغ میں پنہاں رہتا ہے۔ذہنی تحریک وہ رگڑ ہے جس سے یہ آگ روشن ہو جاتی ہے۔تمام علم، طاقت اور قوت انسان کے اندر پنہاں ہے۔ہم سب جنہیں قدرت کی قوتیں، قدرت کے راز کہتے ہیں ، یہ سب اندر ہی پنہاں ہیں۔تمام علم انسان کے دل و دماغ سے اُترتا ہے بندہ تو محض اس علم کا اظہار کرتا ہے۔اس کو اپنے اندر دریافت کر لیتا ہے۔یہ ازلی ذخیرہ ہے، پہلے بھی وہیں موجود تھا۔

حقیقت میں کوئی کسی کو نہیں پڑھاتا۔ہم میں سے ہر ایک کو خود اپنے آپ کو پڑھانا ہوتا ہے۔ بیرونی اُستاد تو محض ایک تحریک پیدا کر سکتا ہے۔ یہ ترغیب و تحریک اندرونی اُستاد کو چیزیں سمجھنے کے کام پر مامور کرتی ہے تب ہمارے اپنے ہی شعور اور اپنے ہی خیال کی قوت سے یہ چیزیں ہمیں صاف سمجھ میں آنے لگ جاتی ہیں۔اور ہم اُنہیں اپنے ہی دل و دماغ کے اندر معلوم کر لیتے ہیں۔بڑ کا اتنا بڑا درخت جو کئی سو گز زمین پر پھیلا ہوا ہے، کبھی اس چھوٹے سے بیج کے اندر موجود تھا جو سرسوں کے ایک دانے کے آٹھویں حصہ سے بڑا نہیں ہوتا۔بے پناہ قوت کا یہ ذخیرہ وہاں پنہاں تھا۔اسی طرح عظیم الشان عقل مادۂ حیات کے ایک ذرّہ میں لپٹی پڑی تھی۔آپ کو یہ بات مہمل سی لگتی ہو، لیکن ہے یہ بالکل درست۔ ہم میں سے ہر ایک اسی مادۂ حیات کے ایک ذرّہ کی تخلیق ہے۔اور تمام طاقتیں جو ہمیں حاصل ہیں، اس مادہ کے ذرّہ کے اندر سانپ کی طرح کنڈل مارے لپٹی پڑی تھیں۔ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ طاقتیں غذا سے بنیں تھیں۔کیونکہ اناج اور غلّہ کے پہاڑ جیسے ڈھیر لگا دو، کیا وہاں سے طاقت ملے گی؟ حق تو یہ ہے کہ تمام قوت احتمالی طور پر وہاں موجود تھی۔یہ دوسری بات ہے کہ انسان اسے جانے یا نہ جانے ۔کیفیت انسانی رُوح کی بے پایاں طاقت کی ہے۔

نورِ حق، بیشتر انسانوں کے اندر اسی طرح چُھپا ہوتا ہے۔جیسے کوئی لیمپ لوہے کے ڈبّہ میں بند ہو، روشنی کی ایک بھی شعاع جس کے باہر نہ جھانک سکتی ہو۔آہستہ آہستہ نفس کشی اور ایثارِ نفسی سے ہم اس ڈھکنے اور پردے کو رقیق و شفّاف بناتے ہیں اور بالآخر یہ غلاف، یہ پردہ شیشہ کی طرح شفاف ہو جاتا ہے۔شری رام کرشن لوہے کے ایک ایسے ہی غلاف تھے، جو شیشے کی طرح اِس قدر منوّر اور شفاف بن چکے تھے کہ ان کے اندر کے نور و جمال کو جوں کا توں دیکھا جا سکتا تھا۔

بچہ کو پڑھانا پودے کو بونے جیسا عمل ہے جیسے پودہ اپنی فطرت سے نشو و نما پاتا ہے۔اسی

طرح بچہ اپنے آپ کو پڑھاتا ہے بس آپ اسے اپنے راستہ پر آگے بڑھنے میں مدد دے سکتے ہیں جو کچھ بھی آپ کریں گے۔ مثبت نوعیت کا نہیں منفی نوعیت کا ہوگا۔ آپ رکاوٹیں اور اڑچنیں دور کردیں گے تو علم اپنے آپ آجائے گا۔ زمین کو ذرا نرم بنادو۔ تاکہ بیج کو اگنے میں سہولت ہوجائے۔ اس کے آس پاس باڑ لگادو تاکہ کوئی اُسے تباہ نہ کردے آپ اُگ رہے بیج کو ایسا ضروری سامان بہم پہنچا دیں جس سے اس کا جسم اور تن بن سکے اس مقصد کے لئے اسے مٹی، پانی اور ہوا جس چیز کی بھی ضرورت ہو بہم پہنچایئے یہاں آپ کا کام ختم ہوجاتا ہے اب جس جس چیز کی اسے ضرورت ہوگی، یہ خود بخود فطری طور پر حاصل کرتا چلا جائے گا یہی کیفیت بچہ کی تعلیم کی ہے۔ بچہ اپنے آپ کو پڑھاتا ہے۔ استاد کا یہ سوچنا کہ وہ بچہ کو پڑھا رہا ہے، سب کچھ بگاڑ دیتا ہے۔ انسان کے اندر ہی سب علم پنہاں ہے اسے محض جگانے اور بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ استاد کو فقط اتنا ہی کام کرنا ہوتا ہے کہ بچے اس قدر علم سیکھ لیں کہ وہ اپنے ہاتھوں، پاؤں، کانوں اور آنکھوں، سب اعضا کا درست استعمال کر سکیں۔ ایسا نظام تعلیم، جس کا مقصد ہمارے بچوں کو اسی طرح کی تعلیم و تربیت دینا ہے جس طرح ایک شخص نے کسی کے کہنے پر اپنے گدھے کو اس لئے زدو کوب کرنا شروع کردیا کہ شاید ایسا کرنے سے گدھا گھوڑا بن جائے گا، ختم کردینا چاہیئے اپنے والدین کے غیر ضروری دباؤ اور دبدبہ کی وجہ سے ہمارے بچے ترقی کے لئے آزادانہ مواقع نہیں حاصل کرپاتے۔ ان میں سے ہر ایک بچہ میں عظیم رجحانات پنہاں ہوتے ہیں جو اپنی تشنگی بجھانے کے لئے مناسب اور سازگار ماحول کے حاجت مند رہتے ہیں۔ اصلاح کی متشددانہ کوشش ہمیشہ اصلاح کو روک دیتی ہیں۔ اگر آپ کسی کو شیر بننے کی اجازت نہیں دیں گے، وہ لومڑی بن کر رہ جائے گا

ہمیں بچوں کو مثبت اور حقیقی خیال و فکر دینا چاہیئے۔ منفی خیال و فکر انسان کو کمزور بنا دیتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جہاں کہیں والدین اپنے بچوں کو سخت سُست کہہ کر پڑھنے لکھنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ جہاں والدین بچوں کو ہر وقت یہ کہتے رہتے ہیں کہ تم کبھی کچھ بھی نہیں سیکھ سکتے۔ جہاں بچوں کو ہر وقت بیوقوف اور نکما کہہ کر پکارا جاتا ہے، وہاں بچے فی الحقیقت ایسے ہی بن جاتے ہیں۔ اگر آپ ان سے شفقت سے پیش آئیں۔ میٹھے بول سے ان کا حوصلہ بڑھائیں، تو یقینی طور پر بچے وقت پاکر بہتر بن جائیں گے اور ترقی کر جائیں گے۔ اگر آپ انہیں مثبت خیالات دیں تو وہ یہ سیکھ جائیں گے کہ اپنے پاؤں پر کس طرح کھڑا ہوا جاتا ہے ان کی نثر و نظم میں۔ زبان و ادب میں۔ ہمیں غلطیوں کا شمار نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی اُن پر نکتہ چینی کرنی چاہیئے بلکہ انہیں بتانا چاہیئے کہ وہ کس طرح اپنی اصلاح کر سکتے ہیں۔ بچے کی ضرورتوں کے مطابق طریقۂ تعلیم میں اصلاح کی جانی چاہیئے۔ پہلی زندگیوں نے ہمارے رجحانات کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالا ہے۔ اس لئے طالب علموں کو ان کے رجحانات کے مطابق تعلیم دینی چاہیئے۔ جہاں کوئی کھڑا ہے، اُسے وہاں سے سنبھالئے اور آگے کی طرف ڈھکیلئے، آگے بڑھایئے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ شری اما کرشن نے کس طرح ایسے افراد کی بھی حوصلہ افزائی کی جنہیں ہم نکمے سمجھا کرتے تھے۔ اور کس طرح انہوں نے ان افراد کی زندگیوں کا رُخ

موڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے ایک بھی فردِ واحد کے مخصوص رجحانات کو تباہ و تلف نہ کیا۔ وہ ہمیشہ حوصلہ اور اُمید دلاتے تھے ایسے افراد کو بھی جو انتہائی بگڑے ہوئے تھے، اُنہوں نے اِسی طرح ان کا بیڑا پار کر دیا۔

آزادی، ترقی کی پہلی شرط ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں عورت یا بچہ کی نجات کے لئے محنت کروں گا تو یہ غلط بات کہتا ہے۔ سو فی صدی غلط۔ خاطر جمع رکھئے، یہ بچے اپنے مسائل کو خود حل کریں گے آپ کون ہوتے ہیں جو یہ سوچنے لگ جائیں کہ آپ سب کچھ جانتے ہیں؟ کس طرح آپ یہ سوچنے کی جرأت کرتے ہیں کہ آپ کو نظامِ قدرت پر کوئی حق و اختیار حاصل ہے؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہر روح، خُدا کی رُوح ہے۔ ہر ایک کو خدا کو سمجھو۔ آپ صرف خدمت کر سکتے ہو۔ آپ میں ہمت و توفیق ہو تو خدا کے بندوں، ایشور کے بچوں کی خدمت کرو۔ اگر بھگوان نے آپ کو اس قابل بنایا ہے کہ آپ اس کے کسی بچہ کی خدمت کر سکیں تو آپ مُبارک اور خوش نصیب ہیں کہ یہ ہمت و توفیق آپ کے حصہ آ ئی ہے، دوسروں کو نہیں ملی۔ اس خدمت کو پرستش اور پُوجا سمجھ کر کرو۔

تعلیم سے مُراد اطلاعات کے اس انبار سے نہیں ہوتی جو آپ کسی کے دل و دماغ میں بھر دیتے ہیں اور ایک محشر برپا کر دیتے ہیں۔ اس سے مُراد ایسے علم سے بھی نہیں جو زندگی بھر ہضم نہ ہو سکے۔ ہمیں تو تعمیرِ زندگی کرنا ہے، تعمیرِ اخلاق کرنا ہے، تعمیرِ مزاج کرنا ہے۔ بلند اور عظیم خیالات کو زندگی میں جذب کرنا ہے۔ آپ نے اگر صرف پانچ خیالات کو اپنا لیا، انہیں زندگی میں جذب کر لیا۔ اپنی زندگی اور اپنا اخلاق ان کے مُطابق ڈھال لیا تو آپ ایسے شخص سے زیادہ علم رکھتے ہیں جس نے سارے کُتب خانہ کو حفظ اور ازبر کر لیا ہو۔ اگر تعلیم کا مطلب واقفیت اور علم سے ہی ہوتا تو کتب خانے، دُنیا کے سب سے زیادہ دانش ور اور دانا ہوتے اور قاموس العلوم (انسائیکلوپیڈیا) رشی اور فرزانے ہوتے۔

دوسروں کے خیالات کو غیر ملکی زبان میں حِفظ کر لینے اور انہیں دماغ میں کوٹ کوٹ کر بھر لینے یا کسی یونیورسٹی سے چند سندیں اور ڈگریاں حاصِل کرنے سے ہی کیا آپ، اپنے آپ کو تعلیم یافتہ سمجھنے لگے ہیں؟ کیا یہ تعلیم ہے؟ آپ کی تعلیم کا مقصد اور نصب العین کیا ہے؟ کلرک یا وکیل بننا اور بہت ہوا تو ڈپٹی مجسٹریٹ کا عہدہ سنبھالنا جو دراصل کلرکی کا ہی دوسرا نام ہے۔ کیا یہی ہے آپ کا نصب العین؟ اس سے آپ کا یا ملک و قوم کا کیا بھلا ہوگا؟ اپنی آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ کس طرح بھارت ورش میں اناج اور روٹی کے لئے بلکنے والوں کی دردناک چیخیں اُٹھ رہی ہیں۔ کیا آپ کی تعلیم اُن کی شکم پروری کر سکے گی؟ جو ایسی تعلیم جس سے عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، جس سے وہ زندگی کی جد و جہد کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہو پاتے، جس سے اخلاق کی قوت نہیں ملتی۔ جس سے خدمتِ خلق کا ولولہ پیدا نہیں ہوتا اور آپ کے دل کو شیر جیسی ہمت نہیں ملتی، کیا یہ تعلیم، تعلیم کہلانے کی مستحق ہے؟

ہم تو ایسی تعلیم چاہتے ہیں جس سے اخلاق بن سنور سکے۔ دل کی قوت بڑھ سکے، فہم و فراست وسیع

ہوسکے اور ہر شخص اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہو سکے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم غیر ملکی اقتدار اور غلبہ دور کرکے اپنے علم و ہنر کی مختلف شاخوں کا مطالعہ کریں اور اس کے ساتھ ہی انگریزی زبان اور مغربی سائنس پڑھیں ہمیں ٹیکنیکل تعلیم اور ایسی ہر دوسری تعلیم کی ضرورت ہے جس کی بدولت صنعتیں ترقی کر سکیں۔ تاکہ آدمی نوکری اور ملازمت کی خاطر سرگرداں ہونے کے بجائے اتنا کما سکے کہ نہ صرف اس کا گذارہ چل سکے بلکہ مصیبت کے لئے بھی کچھ جوڑ سکے۔

ساری تعلیم، ساری تربیت کا مقصد انسان سازی اور اخلاق سازی ہونا چاہیئے۔ کُل تربیت کا مقصد اور انجام یہی ہے کہ انسان ترقی کر سکے۔ جس تعلیم کی بدولت انسان اپنی قوتِ ارادی کی روانی اور اس کے اظہار کو قابو میں رکھ سکے اور مفید بن سکے، صحیح تعلیم کہلاتی ہے۔ ہمارے ملک کو اس وقت ضرورت ہے لوہے کے پٹھوں اور فولاد کی نسوں کی جو ایسی عظیم الشان قوتِ ارادی کی جس کے آگے کچھ بھی نہ ٹھہر سکے۔ جو کائنات کے سربستہ رازوں اور اسراروں کو کھول سکے اور جو اپنے ہر مقصد کو حاصل کرے خواہ اُس کا مطلب غوطہ لگا کر سمندر کی گہرائیوں میں موت کی آنکھوں سے آنکھیں ڈالنا ہی کیوں نہ ہو۔ ہر سو، ہر جگہ، ہمیں اسی انسان ساز، تعمیرِ اخلاق کرنے والی تعلیم کی ضرورت ہے۔



ایک بے مثال مُتَعلّم

تعلیم کا واحد طریقہ

علم حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے یکسوئی قلب۔ جوہرِ تعلیم کیا ہے؟ دل کی یکسوئی، من کی ایکاگرتا انتہائی بلندیوں سے ادنیٰ ترین انسان تک، سب کو علم حاصل کرنے کے لئے اسی طریقۂ تعلیم کو بروئے کار لانا ہوتا ہے۔ ایک کیمسٹ (کیمیاگر) جو اپنی لیبارٹری (تجربہ گاہ) میں کام کرتا ہے جب اپنے دل ودماغ کی سب طاقتیں ایک ہی نکتہ پر اکٹھی کر دیتا ہے اور اسے مختلف اجزاؤں اور عناصروں پر مرکوز کرتا ہے تو سب عناصر کا صحیح صحیح تجزیہ ہوجاتا ہے اسے ایک نیا علم حاصِل ہوتا ہے جب ایک ہیت دان اپنے دل ودماغ کی قوتوں کو ایک ہی مرکز پر جمع کرتا ہے۔ اور اپنی دُوربین کے ذریعہ انہیں سیّاروں پر ڈالتا ہے تو یہ ستارے اور سیارے یہ سارا اجرام فلکی دلیوانہ وار آگے بڑھ کر اپنے رازوں کو اس ہیت دان پر افشا کر دیتا ہے۔ یہی کیفیت ہے کرسی پر بیٹھے ہوئے پروفیسر کی کتاب پر جھکے ہوئے طالب علم کی، اور ہر اُس انسان کی جو کچھ جاننے کے لئے کوشاں ہے۔

یہ قوت یکسوئی جتنی زیادہ ہوگی، اسی قدر زیادہ علم حاصِل ہوگا۔ حتّٰی کہ ادنیٰ بوٹ پالش کرنے والا بھی اگر زیادہ توجّہ سے کام لے تو جوتوں کو زیادہ چمکا سکے گا۔ یکسُوئی قلب کے ساتھ باورچی کہیں بہتر کھانا پکا سکے گا۔ روپیہ کماتے ہوئے یا یادِ خُدا اور عبادت و ریاضت کرتے ہوئے غرض کہ ہر ایک کام کرتے ہوئے یکسوئیِ قلب جتنی زیادہ ہوگی، اتنا ہی وہ کام بہتر ہوگا۔ یہی وہ ایک صدا اور دستک ہے جس سے اسرار قدرت کے دروازے کُھلتے ہیں، اور روشنی کا سیلاب اُمڈ آتا ہے۔

عام آدمی نوّے فی صدی قوّتِ خیال ضائع کر دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ پیہم غلطیاں کرتا ہے تربیت یافتہ انسان کا دل ودماغ کبھی غلطی نہیں کرتا۔ انسانوں اور حیوانوں کے درمیان سب سے بڑا فرق ان کی قوّتِ

یکسوئی میں ہے۔ جانور کی قوت یکسوئی بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ جو لوگ جانوروں کو سدھاتے ہیں اکثر وہ اس بات سے پریشان رہتے ہیں کہ جو کچھ جانوروں کو پڑھایا جاتا ہے، وہ اُسے بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ ادنیٰ ترین اور اعلےٰ ترین انسان کا مقابلہ کر دیکھئے۔ فرق یکسوئیِ قلب کی مقدار اور درجہ میں ہوتا ہے۔

کسی بھی پختہ کار کو لیجئے، کامیابی اسی (یکسوئی قلب) کی مرہونِ منت ہے۔ علوم وفنون، موسیقی اور مصوری میں جو عظیم کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں یکسوئی قلب کے طفیل حاصل ہوئی ہیں جب دل و دماغ یکسو ہوجائیں جب دل و دماغ دوسری سب باتوں سے بیگانہ اور بے تعلق سے بن جائیں، تب اندر کی سب طاقتیں ہماری غلام اور فرمانبردار ہوتی ہیں۔ آقا نہیں ہوتیں۔

یونانیوں نے یکسوئی قلب کو خارجی دنیا پر استعمال کیا اور نتیجہ نکلا کہ انہوں نے فنونِ لطیفہ، اور علم، ادب میں کمال کر دکھایا۔ ہندوؤں نے یہ یکسوئی اندرونی دنیا پر انسانی ذات کی ان دیکھی کائناتوں کے اسرار و رموز جاننے پر مرکوز کردی، اور یوگ کی سائنس کو پروان چڑھایا۔ دُنیا اپنا ہر راز ہم پر کھولنے کو تیار ہے بشرطیکہ ہم یہ جانتے ہوں کہ صدا کس طرح بلند کرنی ہے۔ دستک کس طرح دینی ہے اور دروازہ کھولنے کے لئے ضرب کس طرح لگانی ہے قوتِ ضرب یکسوئی سے ملتی ہے۔

یکسوئی کی قوت ہی علم کے خزانہ کی واحد کنجی ہے۔ اس وقت ہم بہت پریشان وحیران ہیں اور اپنی قوتوں کو سینکڑوں باتوں پر ضائع کر رہے ہیں جونہی ہم خیالات کو ایک مرکز پر لانے اور اپنے دل ودماغ کو علم کے ایک گوشے پر یکسو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہزاروں غیر پسندیدہ موجیں سطحِ دماغ پر اُبھرنی شروع ہوجاتی ہیں۔ دل و دماغ میں ہزاروں خیالات کا طوفان آجاتا ہے اور یکسوئی قلب درہم برہم ہوجاتی ہے۔ اسے کیسے روکا جائے، اور کس طرح دل ودماغ کو قابو میں لایا جائے؟ راج یوگ اسی سے عبارت ہے۔ ریاضت وعبادت کی مشق اور طہارت سے یکسوئی قلب حاصل ہوجاتی ہے۔

میرے نزدیک تعلیم کا جوہر محض حقائق کو جمع کرنا نہیں، بلکہ یکسوئیِ قلب حاصل کرنا ہے۔ اگر مجھے ایک بار پھر سے تعلیم حاصل کرنی ہو تو میں بھُول کر بھی حقائق کا مطالعہ نہیں کروں گا۔ بلکہ میں یکسوئی اور بے تعلقی کی طاقت میں اضافہ کروں گا اور بعدازاں اس سلیم العقلی سے سب حقائق فراہم کروں گا۔

گراں بہا طاقت اور قوت اُس فرد کو نصیب ہوتی ہے جو مسلسل بارہ برس تک برہمچریہ اور پاک دامن رہے مکمل نفس کشی سے بے پناہ ذہنی اور رُوحانی طاقت ملتی ہے۔ باضبط خواہش اعلےٰ ترین نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ اپنی جنسی اور شہوانی قوت کو رُوحانی طاقت میں تبدیل کرلو جتنی مضبوط یہ طاقت ہوگی، اتنا ہی زیادہ کام اس سے لیا جاسکے گا۔ بالکل ایسے جس طرح پانی کی صرف تیز و تند روانی سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ یہ پرہیزگاری

اور ایثار نفسی کی کمی ہے جس کی وجہ سے ہمارے ملک میں ہر چیز تباہی کے دہانہ تک پہنچ چکی ہے نفس کشی کرنے اور برہمچریہ رہنے سے سب علم بہت تھوڑے وقت میں حاصل کیا جا سکتا ہے اس کی بدولت کبھی نہ دھوکہ دینے والی ایسی قوتِ حافظہ حاصل ہو جاتی ہے کہ جو ایک بار سُنا یا دیکھا' اسے پھر کبھی نہ بھولیں۔ پارسا اور نیک دل و دماغ بے پناہ طاقت اور غضبناک قوت ارادی رکھتا ہے۔ پرہیزگاری اور پارسائی کے بنا کوئی روحانی پیشوائی نہیں مِل سکتی۔ اس ضبط و پرہیز سے بنی نوع انسان کو حیران کُن اختیارات مِل جاتے ہیں۔ رُوحانی پیشوا اور رہنما پُرش بہت سخت پرہیزگار اور پارسا ہوا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ انہیں اس قدر طاقت حاصل ہوتی تھی۔

ہر ایک بچے کو تربیت دی جانی چاہیئے کہ وہ مکمّل پرہیزگار رہنے ایسا کرنے اور صرف ایسا کرنے سے ہی اُسے صدق و ایمان وشواس اور شردھا نصیب ہوگی۔ من بچن کرم سے مکمل پرہیزگاری کا نام برہمچریہ ہے۔ نفس پروری کا خیال اتنا ہی خراب اور مضر ہے جس قدر غیر پرہیزگاری۔ برہمچاری کو من بچن اور کرم سے مکمل طور پر پرہیزگار ہونا چاہیئے۔ اسے اپنے دل' اپنی زبان اور اپنے فعل پر قادر ہونا چاہیئے۔ شردھا ایمان و اعتقاد کا نظریہ اور خیال ایک بار ہمیں پھر سے زندہ کرنا ہوگا ۔ ہمیں اس جذبہ خود اعتمادی کو پھر سے بیدار کرنا ہوگا۔ تب کہیں جاکر وہ تمام مسائل جو ملک کو درپیش ہیں' حل ہو سکینگے۔ ہمیں اِس وقت ضرورت صدق و ایمان کی ہے۔ ایک انسان اور دوسرے انسان میں جو فرق و امتیاز ہے' وہ شردھا کی کمی بیشی کا فرق ہے' اور کچھ نہیں۔ کوئی بڑا بن گیا۔ کوئی چھوٹا بن گیا۔ یہ سب کم و بیش شردھا و اعتقاد کی کرشمہ سازی ہے میرے استادِ کامل گورُو دیو کہا کرتے تھے۔ کہ جو اپنے آپ کو کمزور اور ناتواں کہتا ہے۔ وہ ناتواں اور کمزور بن جائے گا۔ اس سچائی میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں' یہی شردھا ہمارے خُون میں رَچ جانی چاہیئے۔ مغربی نسلوں نے جس قدر مادّی ترقی کی ہے۔ وہ صرف شردھا کا ہی نتیجہ اور ثمر ہے کیونکہ وہ اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ رکھتے ہیں ۔ اگر آپ رُوح میں وشواس رکھیں' تو دیکھیئے کہ یہ رُوح کس قدر زیادہ کام کرتی ہے میں آپ سے پرزور درخواست کرتا ہوں کہ اسی نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔ اس آدمی سے کوئی بھلائی اور اچھائی نہیں ہوسکتی جو دن رات یہی کہتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ اگر کوئی آدمی دن رات یہی سوچتا رہے گا کہ وہ ادنے' حقیر اور ہیچ ہے تو ایک دن وہ ضرور ادنےٰ بن جائے گا۔ آپ شام و سحر جو کچھ کہتے رہیں گے۔ ایک دن وہی کچھ بن جائیں گے۔ یہ بڑے گُر کی بات ہے جو آپ کو ذہن نشین کرلینی چاہیئے۔ ہم ایشور کی سنتان' اللہ کی اولاد ہیں۔ ہم بے پناہ خدائی آگ کے شعلے ہیں۔ ہم حقیر و ناچیز کیسے ہو سکتے ہیں؟ ہم سب کچھ ہیں اور سب کچھ کرنے کے درپے ہیں۔ ہم سب کچھ کرسکتے ہیں۔ اپنے آپ میں یہ وشواس اور اعتقاد ہی ہمارے بزرگوں اور آبا و اجداد کے دلوں میں تھا۔ یہ وشواس اور اعتقاد ہی وہ محرک قوّت بنا جس کے بل بوتے پر اُنہوں نے دُنیا کے تہذیب و تمدن میں تہلکہ مچا دیا اگر کہیں ابتری نمودار ہوئی اگر کہیں ناکامی یا تخریب دیکھنی پڑی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے اپنے آپ میں بھروسہ کر ترک کر دیا تھا۔ وہ دولت خود اعتمادی

سے محروم ہو گئے۔

شردھا کا یہی اصول پڑھانا اور حقیقی جذبہ خود اعتمادی پیدا کرنا ہی میری زندگی کا نصب العین ہے۔ میں مکرر کہتا ہوں کہ، یہ اعتقاد اور بھروسہ ہی بنی نوع انسان کی سب سے بڑی، بے پناہ قوت کا سرچشمہ رہا ہے۔ پہلا آپ اپنے پر بھروسہ رکھنا سیکھو۔ یہ جان لو کہ خواہ ایک شخص بلبلہ ہو اور دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں کوہ پیکر لہر ہو، لیکن ہر لہر اور بلبلہ کے پیچھے ایک بحر بیکراں ہے۔ یہی بحر بیکراں میری پشتِ پناہ ہے، وہی آپ کی پشت پناہ ہے۔ جس طرح میرے لئے یہ سرچشمۂ حیات، قوت اور معرفت ہے۔ اسی طرح آپ کے لئے ہے۔ اس لئے میرے بھائیو! اپنے بچوں کو یہی حیات بخش، عظیم، خوبیاں پیدا کرنے والا عالیشان اصولِ پیدائش کے ساتھ ہی پڑھانا شروع کردو۔



سوامی وویکانند کی ماتا، بھوبنیشوری دیوی

سیرت و اخلاق کے لئے تعلیم

آدمی کا اخلاق اور اس کی سیرت کیا ہے؟ اس کے چند رجحانات کا مجموعہ؛ اس کے دل و دماغ کے میلان کا میزان جیسے جیسے خوشی اور غمی کے پرتو اس کی رُوح کے سامنے سے گذرتے چلے جاتے ہیں ویسے ویسے اس کی رُوح پر مختلف نقوش بنتے چلے جاتے ہیں۔ ان ملے جلے نقوش، اور خاکوں کے مجموعہ کو ہم انسان کا اخلاق کہتے ہیں۔ ہم وہی ہیں جو کچھ ہمیں ہمارے خیالات نے بنایا ہے۔ گویا ہر خیال ہتھوڑے کی ایک چوٹ، ضرب ہے جو ہمارے جسموں پر پڑتی ہے اور ہمیں وہی کچھ بناتی جاتی ہے جو کچھ ہم بننا چاہتے ہیں۔ الفاظ تو محض ثانوی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ خیالات زندہ رہتے ہیں اور بہت دُور تک سفر کرتے ہیں۔ اس لئے جو کچھ آپ سوچتے ہیں، اس کا بہت دھیان رکھیئے اور اسے اولین اہمیت دیجئے۔

سیرت و اخلاق کی تعمیر میں رحمت بھی اتنی ہی ذمے وار ہے جتنی زحمت۔ بلکہ بعض حالتوں میں لطف و کرم کی نسبت رنج والم بہت زیادہ تعلیم دیتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے انسانوں کی زندگی کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں میں دعوے سے کہتا ہوں کہ بیشتر حالتوں میں آپ دیکھیں گے کہ یہ رنج و عذاب تھا جس نے لطف و کرم کی نسبت ان کو زندگی کو عظمتوں سے سرفراز کیا۔ یہ غربت تھی جس نے انہیں فارغ البالی سے کہیں زیادہ بڑھایا۔ اور یہ مخالفت و مزاحمت کی پیہم ضربیں اور چوٹیں تھیں جنہوں نے تعریف سے کہیں زیادہ اندرونی آگ کو بھڑکایا۔ نازو اداؤں سے پلنے والا۔ اور پھولوں کی سیج پر سونے والا، جس نے عمر بھر ایک آنسو نہ بہایا ہو، بھلا کہیں ایسا شخص بھی بڑا انسان بنا ہے؟ جب انسان کے دل میں درد محبت جاگتا ہے جب رنج والم کی ضربیں مارنے والا طوفان چاروں طرف سے گھر آتا ہے جب محسوس ہوتا ہے کہ اب شاید کبھی روشنی کی صُورت دیکھنی نصیب نہیں ہوگی۔ جب اُمید و ہمت

کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ جب انساں ہیبت ناک روحانی طوفان میں محصور ہو جاتا ہے۔ تب اس وقت، اس کے اندر، خانۂ دل میں روشنی پھوٹتی ہے

ذہن ایک جھیل کی طرح ہے۔ دل ودماغ میں جو جو لہریں اٹھتی ہیں جب فرو ہوتی ہیں تو کلیتاً نہیں مرتیں، بلکہ کچھ نقوش چھوڑ جاتی ہیں۔ کچھ ایسے نقوش جو مستقبل میں نہ جانے کس وقت اجاگر ہو جائیں۔ ہر فعل جو ہم کرتے ہیں اور ہر حرکت جو جسم کرتا ہے، ہر خیال جو ہم سوچتے ہیں۔ اسی طرح دنیا پر ایک نقش جماتا چلا جاتا ہے۔ یہ نقوش اور تاثرات خواہ سطحی طور پر بہت نمایاں نہ ہوں، باطنی طور پر بہت پائیدار ہوتے ہیں۔ ہم کیا ہیں، انہی نقوش اور تاثرات کا میزان اور مجموعہ۔ اگر اچھے تاثرات غالب ہوں گے تو سیرت اچھی بن جائے گی اگر خراب ہوں گے تو سیرت خراب بن جائے گی۔ اگر ایک انسان پیہم برے الفاظ سنتا ہے، برے خیالات سنتا ہے، برے کام کرتا ہے تو اس دل ودماغ پراگندہ تاثرات اور نقوش سے معمور ہوگا اور یہ تاثرات اور نقوش لازمی طور پر اس کے اخلاق وکردار پر اثر انداز ہوں گے، خواہ وہ فرد اس امر سے آگاہ ہو یا نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ یہ برے تاثرات ہمیشہ کام کرتے رہتے ہیں۔ ان برے تاثرات کا کل میزان کسی دن ایک ایسی محرک قوت بن جائے گا جس سے انسان خواہ مخواہ برے کام کرنے لگ جائے گا وہ اپنے ان تاثرات کے ہاتھوں میں ایک آلۂ کار بن کر رہ جائے گا

اسی طرح اگر ایک شخص اچھی باتیں سوچتا ہو، اچھے کام کرتا ہو تو ان کل تمام تاثرات کا میزان اچھا ہوگا، اسی طرح اسے اچھے کام کرنے پر مجبور کر دے گا، خواہ اس کی مرضی ہو یا نہ ہو جب ایک فرد اس قدر اچھے کام کر لیتا ہے اور اچھے خیالات سوچ لیتا ہے تو اس کے اندر اچھے کام کرنے کا ایک ناقابلِ مزاحمت، قدرتی میلان اور رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ کبھی کوئی بدی کرنا بھی چاہے تو اس کا من، اس کا دل و دماغ، جو اس کے اپنے رجحانات کا ہی مجموعہ اور میزان ہے، اسے بدی نہیں کرنے دیگا۔ وہ مکمل طور پر اچھے اور نیک رجحانات کے زیر اثر ہوگا۔ جب ایسی حالت ہو جائے، تب انسان نیک چلن اور نیک سیرت بن جاتا ہے اگر آپ ایک آدمی کی سیرت کا پتہ لگانا چاہتے ہیں تو آپ اس کے بڑے بڑے کارہائے نمایاں پر نہ جایئے بلکہ دیکھئے کہ یہ انسان اپنے بیشتر کام کس طرح کرتا ہے۔ اس طرح آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس بڑے آدمی کی اصل سیرت کیسی ہے۔ بڑے حالات اور مواقع نے انتہائی بدطینت آدمیوں سے بڑے کام کروا دئے۔ لیکن حقیقی معنوں میں صرف وہی شخص بڑا ہوگا جس کا اخلاق ہمیشہ ہمیشہ اچھا اور نیک رہے۔ صرف ایسا آدمی، خواہ وہ کہیں رہے، بڑی بات کریگا۔

جب ایسے بہت سے تاثرات دِل میں رہیں تو عادت بن جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عادت، فطرتِ ثانی ہے۔ یہی انسان کی پہلی اور اصلی کیفیت ہے۔ ہم جو کچھ بھی ہیں، اس عادت کا نتیجہ ہیں اس سے ہمیں ایک

ڈھارس سی ملتی ہے کیونکہ ہم جب چاہیں اس عمارت کو بنا بگاڑ بھی سکتے ہیں اور رد و قبول بھی کر سکتے ہیں بُری عادت کا واحد علاج' ان کے متضاد ـــــ اچھی عادتیں ہیں۔ اچھے کام کرتے جاؤ۔ اچھی باتیں سوچتے چلو' مُسلسل اور پیہم۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ تاثرات کو ختم کیا جا سکتا ہے کبھی کسی آدمی کو نکمّا نامراد اور نااُمید نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ صرف ایک سیرت و کردار کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ چند عادتوں کا مجموعہ ہے جنہیں نئی اور بہتر عادتوں سے روکا اور بدلا جا سکتا ہے کردار اور سیرت پیہم اور تمام تر عادتوں کا ہی نام ہے اور صرف متواتر اور پیہم عادتیں ایک کردار اور سیرت کی اصلاح کر سکتی ہیں۔

ہر واقع بدی اور بُرائی کی وجہ ہم خود ہوتے ہیں' اس کے لئے کسی غیر قدرتی اور بالا تر قوت پر الزام نہ لگایئے۔ نہ ہی نااُمید اور مایوس بنیئے۔ اور نہ ہی کبھی یہ سوچیئے کہ ہم ایک ایسی پستی میں آگرے ہیں جس سے ہم اُس وقت تک نہیں نکل سکتے جب تک کوئی آکر ہماری امداد نہ کرے۔

ہم ریشم کے کیڑوں کی مانند ہیں۔ ہم اپنے ہی آپ خیالات کا ایک جال بُن کر اپنے آپ کو اس میں گرفتار کر لیتے ہیں۔ کڑیوں کا بندھن ہم نے اسی طرح اپنے اردگرد ڈال لیا ہے لیکن ہم جہالت اور ناسمجھی کی وجہ سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم گرفتار اور بندھے ہوتے ہیں' اسی لئے ہم مدد کے لئے روتے اور آہ و زاری کرتے ہیں۔ لیکن مدد کہیں باہر سے نہیں آئے گی۔ یہ جب آئے گی' ہمارے اندر سے ہی آئے گی۔ دُنیا بھر کے خداؤں اور دیوتاؤں کو پُکار دیکھو۔ میں نے برسوں پُکارا اور بالآخر میں نے محسوس کیا کہ میری مدد کی گئی ہے لیکن جب آئی یہ مدد اندر سے آئی۔ اور میں نے غلطی سے جو کچھ پہلے کیا تھا' اس کی تلافی کرنی پڑی مجھے وہ جال' اور بندھن تار تار کرنے پڑے جو میں نے اپنے اردگرد بُن لئے تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت سی غلطیاں کیں۔ لیکن آپ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ان غلطیوں کے بغیر میں کچھ نہیں بن سکتا تھا جو میں آج ہوں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ گھر میں جا کر دیدہ و دانستہ طور پر غلطیاں شروع کر دیں میرا مطلب ہرگز یہ نہیں میرے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ محض اس لئے افسردہ خاطر اور دلگیر نہ ہو جاؤ کہ تم سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں پشیمان ہونے کی کیا بات ہے؟ ان کی اصلاح کیجئے۔

ہم غلطیاں اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کمزور اور ناسمجھ ہوتے ہیں لیکن ہمیں نادان کون بناتا ہے؟ ہم خود! ہم اپنے ہاتھوں سے آنکھوں پر پردے ڈال لیتے ہیں اور یہ کہہ کر آہ و زاری شروع کر دیتے ہیں کہ ہم اندھیرے میں مر گئے۔ اپنے ہاتھ پرے ہٹا دو' روشنی ہو جائے گی۔ یہ روشنی اور جیوتی تو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتی ہے کیونکہ انسان کی رُوح اور اس کی آتما سبھاؤ سے ہی جیوتر مئے اور منور ہے کیا آپ نے نہیں سُنا کہ عصرِ جدید کے سائنس دان کیا کہتے ہیں؟ وجہ ارتقا کیا ہے؟ خواہش۔ جانور' حیوان ایک کام کرنا چاہتا ہے لیکن نہیں

کرپاتا کیونکہ سازگار ماحول نہیں پاتا۔اس لئے وہ ایک نئے جسم کو اپنا لیتا ہے۔نیا جسم کون دیتا ہے؟ یہ جانور خود، اس کی قوتِ ارادی قائم بھی نہیں قوتِ ارادی سے کام لیجئے تو یہ آپ کو اونچا لے جائے گی۔یہ قوت ارادی ہی سروشکتی مان، قادرِ مطلق ہے۔آپ کہیں گے کہ اگر یہ قادرِ مطلق اور سروشکتی مان ہی ہے تو پھر میں سب کچھ کیوں نہیں کرلیتا! لیکن آپ صرف اپنی محدود سی ذات کے متعلق سوچ رہے ہیں! اپنی اس حالت پر غور کریں جب آپ محض انسانی وجود کے پرمیبا جیسے ایک کیڑے تھے پھر کس نے یہ سب کچھ بنا دیا۔یہ کائنات کہاں سے بن گئی۔جس نے آپ کو اس قدر لمبے قامت بنا دیا؟ وہ آپ کو اور بھی اُوپر لے جائے گی جس چیز کی آپ کو ضرورت ہے وہ ہے آپ اپنی سیرت کردار اور قوتِ ارادی کو مضبوط و مستحکم بنائے۔

اگر آپ گھر جا کر کفارہ، توبہ اور پرائسچت کے لئے ٹاٹ کا جامہ پہن کر، راکھ اور بھسم جسم پر رما کر اس لئے رونا دھونا شروع کر دیتے ہیں کہ آپ سے بعض غلط کاریاں سرزد ہو گئی ہیں تو اس سے آپ کا کچھ نہیں بنے گا۔ بلکہ اس سے آپ اور بھی کمزور ہو جائیں گے۔اگر یہ کمرہ ہزاروں برسوں سے تاریک ہے اور آپ اس کمرے میں آکر اس کی تاریکی کا ماتم کرنا شروع کر دیتے ہیں تو کیا اس گریہ زاری سے تاریکی مٹ جائے گی؟ نہیں اندھیرا مٹانا چاہتے ہو تو دیا سلائی جلاؤ۔جھٹ سے روشنی ہو جائے گی۔زندگی بھر یہ گریہ زاری کرتے رہو کچھ نہیں بنے گا افسوس! صد افسوس! میں نے بدی کر دی۔میں نے من مانی غلطیاں کی ہیں۔ایسا سوچنے سے کیا بنے گا؟ روشنی جلاؤ اور دیکھو! ایک دم اُجالا ہو جائے گا۔اپنی سیرت بناؤ۔اپنا اخلاق تعمیر کرو اور اپنی اصل کیفیت کو آشکار کرو۔ اور دیکھو کہ آپ کی اصل کیفیت کیا ہے جگمگاتی روشنی، نورِ ازلی روحِ پاک، ابدی طہارت جسے بھی دیکھو ایسا ہی سمجھو اسی جگمگاتی روشنی، نورِ ازل روحِ پاک اور ابدی طہارت کو ہی دیکھو۔اور اسے ہی پکارو۔



تعمیرِ شخصیت

آپ دیکھ رہے ہو کہ ہمارے اردگرد کیا کچھ ہو رہا ہے۔ یہ دنیا دراصل ایک تاثر ہے ہماری قوت کا کچھ حصہ تو اپنے جسموں کو برقرار رکھنے کی نذر ہو جاتا ہے۔ جو باقی بچتا ہے، اس قوت کا ہر حصہ شام و سحر دوسروں کو متاثر کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ ہمارے جسم، ہماری خوبیاں، ہماری فہم و فراست، عقل و دانش اور رُوحانیت ہماری یہ سب چیزیں دوسروں کو متاثر کرنے پر ہی صرف ہو رہی ہیں اور اسی طرح ہم اُلٹا دوسروں سے بہم متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے اردگرد یہی کچھ ہو رہا ہے آیئے ایک ٹھوس مثال لے لیں۔ ایک آدمی آپ کے سامنے آیا ہے، آپ جانتے ہیں کہ وُہ بہت دانا اور بینا، عالم اور فاضل ہے۔ اس کی زبان بہت شگفتہ ہے چاہے تو گھنٹوں بول سکتا ہے لیکن وہ آپ کے دِل و دماغ پر کوئی خاص اثر پیدا نہیں کر پاتا۔ تب ایک دوسرا انسان آتا ہے وہ بہت کم بولتا ہے اور اس کے الفاظ ٹوٹے پھوٹے اور بے قرینہ اور شاید صرف و نحو کے اعتبار سے غلط بھی ہوتے ہیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ آپ کے دل و دماغ پر بہت گہرا اثر پیدا کرتا ہے۔ آپ میں سے اکثر نے ایسا دیکھا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ صرف الفاظ ہی تاثر پیدا نہیں کرتے! الفاظ اور خیالات صرف ایک تہائی تاثر پیدا کر سکتے ہیں۔ دو تہائی تاثر تو انسان پیدا کرتا ہے۔ وہ انسان جسے آپ شخصی مقناطیسیت اور شخصی کشش کہتے ہیں، وہ آگے بڑھ کر آپ کے دل و دماغ پر تاثر پیدا کر دیتی ہے۔

مشاہیرِ عالم کو لے لیجئے۔ ہم ہمیشہ دیکھتے چلے آئے ہیں کہ یہ ان انسانوں کی جادوئی شخصیت تھی جس کا بول بالا ہُوا۔ عہدِ ماضی کے تمام عظیم مصنّفوں کو اور عظیم مفکّروں کو لے لیجئے، حق یہ ہے کہ انہوں نے کس قدر حقیقی اور دیرپا خیالات سوچے؟ اسی طرح عہدِ سلف کے تمام بڑے بڑے لیڈروں نے ہمارے لئے جو کتابیں

لکھیں، انہیں دیکھ لیجئے۔ ان کی ایک ایک کتاب کو لے لیجئے، اور ان کا وزن کر دیکھیں۔ وہ حقیقی اور اصلی خیالات جو اس دُنیا میں اب تک سوچے گئے ہیں محدود سے چند، ہیں۔ ان کے وہ خیالات پڑھ لیجئے جو اُنہوں نے کتابوں میں لکھے ہیں۔ ان کے مُصنّفین ہماری نگاہوں میں غیر معمولی طور پر عظیم نظر نہیں آتے لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ اپنے عہد میں وہ لاجواب انسان تھے۔ کِس بات نے انہیں عظیم المرتبہ بنایا؟ محض ان خیالوں نے نہیں، جو انہوں نے سوچے۔ نہ ہی اِن تقریروں نے، جو انہوں نے کیں۔ نہ ہی ان کتابوں نے جو انہوں نے لکھیں۔ وہ کوئی اور چیز تھی جس نے انہیں غیر معمولی طور پر عظیم بنایا، وہ چیز اب نابود ہو چکی ہے وہ تھی ان کی شخصیت جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہُوں انسان کی شخصیت دو تہائی ہوتی ہے اور اس کے الفاظ اور اس کی عقل و دانش صرف ایک تہائی ہوتی ہے۔ یہ انسان کی اصل حقیقت، انسان کی اصل شخصیت ہوتی ہے جو ہم پر اثر پیدا کرتی ہے۔ ہمارے انعال کیا ہیں، محض تاثرات جب انسان زندہ ہو تو افعال لازمی طور پر سرزد ہونگے کیونکہ علت سے فعل ہونا لازم و ملزوم ہے ساری تعلیم، ساری تربیت کا نصب العین، آدرش، انسان سازی ہونا چاہیئے لیکن اس کی بجائے ہم ہمیشہ باہر کو چمکانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اگر اندر ہی کچھ نہیں تو باہر کو چمکانے سے کیا حاصل ہو گا؟ ساری تربیت کا مقصد اور انجام یہ ہے کہ انسان ترقی کرے، پھلے پھُولے، ایک ایسا انسان بنے جو دوسروں کو متاثر کر سکے، جو دوسروں پر اپنا جادو ڈال سکے۔ ایسا انسان ایک بجلی گھر ہوتا ہے جو دوسروں کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ جب انسان اس طرح بن جاتا ہے تو وہ جو چاہے کر سکتا ہے ایسی شخصیت جس شے پر پڑے گی، وہ یہ شے حرکت کرنے لگ جائے گی۔

اگرچہ مندرجہ بالا بات ایک مُسلّمہ حقیقت ہے لیکن کوئی بھی فطری قاعدہ قانون، جو ہم دیکھتے ہیں، اس کی وضاحت اور تشریح نہیں کر سکتا ہے۔ ہم اس حقیقت کو کیمیائی اور جسمانی علم کے ذریعے کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ کتنی آکسیجن (oxygen) کتنی ہائیڈروجن (hydrogen) کتنی کاربن (carbon) کتنے ذرّوں، کتنے مسامّوں سے یہ شخصیت بنی کیا اس طرح کہیں ہم کسی شخصیت کی تعریف کر سکتے ہیں؟ لیکن اس کے باوجود ہم شخصیت کو دیکھتے ہیں، یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور صرف یہی نہیں، یہی شخصیت حقیقی انسان ہوتی ہے اور یہی حقیقی انسان زندہ رہتا ہے، حرکت کرتا ہے۔ کام کرتا ہے، دوسروں کو متاثر کرتا ہے اپنے ساتھیوں کو حرکت دیتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ اس کی عِلم و دانش بھری باتیں اور کتابیں کیا ہیں؟ ایسے چند نقوش جنہیں وہ باقی چھوڑ جاتا ہے۔ اس حقیقت پر غور کرو۔ مذہب کے برگزیدہ رہبروں اور رہنماؤں کا مقابلہ بڑے بڑے فلاسفروں سے کرو۔ فلاسفروں نے شاید ہی کسی کے اندر کے، اصل انسان کو متاثر کیا ہو۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے کمال کی کتابیں لکھ ڈالیں۔ دوسری طرف مذہبی رہنما ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی میں ملکوں اور مملکتوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ فرق و امتیاز شخصیت نے پیدا کیا۔ فلاسفروں میں وہ شخصیت دبی سی ہوتی ہے

جو متاثر کرتی ہے پیغمبروں میں یہ شخصیت بے پناہ ہوتی ہے۔ فلاسفروں میں ہم صرف عقل و دانش کو دیکھتے ہیں لیکن مؤخرالذکر (مذہبی پیغمبروں) میں ہم حقیقی زندگی کو چھوتے ہیں۔ ایک حالت میں یہ ایک کیمیائی تجربہ سا ہوتا ہے جیسے چند کیمیائی اشیا کو اکٹھا کر ملا دیا جائے۔ آہستہ آہستہ محض سازگار حالات میں شاید روشنی کی ایک شعاع پیدا ہو جائے یا ممکن ہے کہ تجربہ ہی ناکام رہ جائے۔ لیکن دوسری طرف یہ ایک ٹارچ اور بیٹری ہوتی ہے جس سے جھٹ دوسروں کو روشنی ملنے لگ جاتی ہے۔ یوگ ودیا دعوے کرتی ہے کہ اس نے ایسے قاعدے، قانون دریافت کر لئے ہیں جن سے شخصیت بنائی جا سکتی ہے اور ان قوانین وضوابط پر پوری توجہ دیکر ہر ایک شخص اپنی شخصیت کی نشوونما کر سکتا ہے، اس کو مضبوط و توانا بنا سکتا ہے۔ یہ نہایت اہم عملی حقیقتوں میں میں سے ایک حقیقت ہے اور یہی تمام تعلیم کا ماحصل ہے یہ کل عالم پر حاوی ہونے والی حقیقت ہے۔ گھر گھرہستی کی زندگی میں۔ امیر اور فقیر کی زندگی میں، شاہ و گدا کی زندگی میں ہر کسی کی زندگی میں سب سے اہم بات یہی ہے کہ شخصیت کو مضبوط و توانا بنایا جائے۔ جیسا کہ ہمیں پتہ ہے، ایسے قوانین، اچھے قوانین ہیں جو مادی قوانین کے پیچھے کارفرما ہوتے ہیں۔ لیکن، مادی، ذہنی اور روحانی دنیاؤں میں، پراکرتک مانک اور ادھیاتمک حکمت میں ایسی حقیقتیں نہیں ہوتیں۔ یہاں تو روح کے اوپر پڑے ہوئے غلافوں کو اتارنا اور روح کو لطیف تر بنانا ہے۔ جہاں کہیں اس پر زیادہ موٹا پردہ ہوگا وہاں ان پردوں کو تحلیل کرنے یا اتارنے کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ ستھول کو سوکھشم بنانا ہے۔ لطیف ترین، سب سے زیادہ سوکھشم روح ہے۔ سب سے زیادہ کثیف اور ستھول جسم ہے یہی نہیں جو کچھ اس براہمنڈ میں ہے وہی پنڈ میں ہے یہی کیفیت کل کائنات کی ہے سنسار کی ہے۔ اسے اتنا لطیف بنانا ہوگا کہ یہ ایشور بن جائے۔

ہم جانتے ہیں کہ عظیم ترین طاقت لطیف شے میں ہے کثیف میں نہیں آپ نے کسی آدمی کو بھاری بوجھ اٹھاتے دیکھا ہوگا۔ اس کا سارا جسم مشقت کرتا ہے لیکن یہ اس کے پٹھے ہوتے ہیں جو بہت مضبوط ہوتے ہیں اور بوجھ اٹھاتے ہیں یہ لیکن دھاگے کی طرح پتلی نسیں اور رگیں ہوتی ہیں جو طاقت کو پٹھوں تک لے جاتی ہیں۔ ان چھوٹی سی باریک سی نسوں اور رگوں میں سے کسی ایک کو کاٹ دیں۔ یہ پٹھے کام نہیں کرینگے۔ جس طرح پٹھوں کو طاقت رگیں اور نسیں پہنچاتی ہیں، اسی طرح نسوں اور رگوں کو طاقت اور بھی لطیف مخزن یعنی خیالات سے ملتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ لطیف شے ہی طاقت کا خزانہ اور سرچشمہ ہے۔ حالانکہ حرکت ہم کثیف سی ہی دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن جب لطیف حرکتیں ہوتی ہیں۔ ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ کوئی جسیم چیز حرکت کرے۔ ہم دیکھنے لگ جاتے ہیں اور اس طرح ہم حرکت کی نسبت کثیف چیزوں سے کر دیتے ہیں۔ لطیف چیزوں کی حرکات کو تو ہم دیکھ ہی نہیں سکتے، شاید اس لئے کہ یہ حرکات اس قدر شدید ہوتی ہیں کہ ہماری آنکھ ان کا مشاہدہ کر ہی نہیں سکتی لیکن اگر کہیں سائنس یا کسی تجربہ اور نئی کھوج

کی بدولت ہم ان لطیف قوتوں کو دیکھنے لگ جائیں جو گویائی کا سرچشمہ ہیں تو ہماری قوت گویائی ان کی تعریف کرنے میں بے بس اور بے زبان ہو کر رہ جائے گی جھیل کی پہنائیوں سے اُٹھ رہے چھوٹے سے بلبلہ کو ہم اس وقت تک نہیں دیکھ سکتے جب تک یہ سطح آب پر پہنچ کر پھٹ نہیں جاتا یہی کیفیت خیالات کی ہے۔ ہم ان کی طاقت کا اس وقت تک کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اور نہ خیالوں کی قوت کو محسوس کر سکتے ہیں تا وقتیکہ وہ کافی حد تک پنپ نہ جائیں یا وہ اعمال و افعال کی صُورت اختیار نہ کریں۔ ہم ہمیشہ ہمیشہ یہی شکوہ شکایت کرتے ہیں کہ نہ ہمیں اپنے اعمال و افعال پر قابو ہے نہ اپنے خیالات اور افکار پر۔ ہو بھی کیسے؟ ان پر قابو تبھی پایا جا سکتا ہے اگر ہم لطیف حرکات پر قابو پا سکیں۔ اگر ہم خیال کو اس سے پہلے کہ وہ عمل کی صُورت اختیار کرے، اسے پکڑ سکیں تب ہم سب کچھ قابو میں کر سکتے ہیں۔ اگر ہمیں کوئی ایسا طریقہ آتا ہو جس سے ہم لطیف قوتوں اور لطیف حرکات کی تحقیقات کر سکیں۔ ان کی جانچ پڑتال کر سکیں۔ اور ان قوتوں کو مطیع کر سکیں صرف اسی صُورت میں ہم اپنے آپ پر قابو پا سکتے ہیں۔ ایک انسان جس نے اپنے من پر قابو پا لیا ہو یقینی طور پر دوسرے دلوں پر قابو پا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کا نشان ہمیشہ ایثار نفسی اور نفس کشی، نیکوکاری اور حسنِ عمل رہا ہے۔ کیونکہ ایک صاف، نیکوکار، پارسا انسان اپنے اُوپر قابو رکھ سکتا ہے۔ اور تمام دل ایک سے ہیں۔ ایک بڑی آتما پر آتما کے حصّے ہیں جس کسی نے مٹّی کے بنے ہوئے ایک ذرّے کی حقیقت کو جان لیا اس نے گویا دُنیا بھر کی مٹّی کو پہچان لیا۔ وہ جو اپنے من کو جانتا ہے اور اُسے قابو میں رکھتا ہے دوسرے دلوں پر قابو پانے کا راز بھی جانتا ہے۔ اور ہر ایک دل کے اُوپر طاقت و قدرت رکھتا ہے۔

ہر انسان اپنے بچپن میں ایسے مراحل سے گذرتا ہے جن مرحلوں سے اس کی ساری نسل گذری ہے نسل نے ان مرحلوں میں سے گذرنے پر ہزاروں لاکھوں برس لگا دیئے جبکہ بچّے نے انہیں چند برسوں میں ہی طے کر لیا بچّہ ایک قدیم بے رحم جنگلی جیسا ہوتا ہے جو تتلیوں کو اپنے پاؤں تلے مسل دیتا ہے کیونکہ وہ شروع میں اپنی نسل کے قدیم ترین آبا و اجداد کی طرح بیباک ہوتا ہے آہستہ آہستہ وہ بڑھتا ہے پھلتا پھولتا ہے، مختلف مراحل میں سے گذرتا چلا جاتا ہے حتّٰی کہ وہ اپنی نسل کے نکتہ عُروج تک پہنچ جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ وہ اُن مراحل کو بہت عجلت و سُرعت کے ساتھ طے کر لیتا ہے۔ ساری انسانی نسل کو لے لیں یا پھر انسانوں، حیوانوں، کیڑے مکوڑوں سب پر مشتمل دُنیا کو لے لیں۔ کُل کائنات جس طرف جا رہی ہے، اس کا ایک نکتہ انجام ہے۔ جسے نکتہ کاملیّت کہا جاتا ہے۔ محض ایسے مرد اور ایسی عورتیں پیدا ہوتی ہیں جو بنی نوع انسان کی ساری ترقی کی پیش دستی کر لیتی ہیں۔ انتظار کرنے اور مدتوں اس وقت تک جب ساری انسانی نسل درجہ کمال تک نہ پہنچ جائے، بار بار جنم لینے کی بجائے، اپنی زندگی کے چند مختصر سے برسوں میں ہی وہ لگ بھی تیزی کے ساتھ ان تمام مرحلوں میں سے گذر جاتے ہیں۔ ایسا ہم نے

اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اگر ہم میں حق دوبینی ہو تو ان ترقیوں کو جلدی حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر چند انسانوں کو جو کسی تہذیب سے بہرہ ور نہ ہوں۔ ایک دور افتادہ جزیرہ پر زندگی بسر کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے اور انہیں صرف روٹی، کپڑا اور سر چھپانے کو جگہ دیدی جائے، تو وہ رفتہ رفتہ انسانیت اور تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ منزلوں کو حاصل کرنے میں جُٹ جائیں گے۔ ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس ترقی اور نشوونما کو مزید سامان و لوازمات سے تیز تر کیا جاسکتا ہے ہم درختوں کو جلدی نشوونما کرنے میں سامان مہیا کرتے ہیں یا نہیں؟ نظامِ قدرت پر چھوڑ دینے سے بھی یہ ترقی کر لیتے، لیکن اس طرح انہیں بہت لمبا عرصہ لگتا۔ لیکن ہم ان کی مدد کرتے ہیں تاکہ وہ عام وقت سے پہلے، جلدی نشوونما پائیں۔ ہم ہر وقت یہی کام کرتے رہتے ہیں یعنی مصنوعی محرکات اور لوازمات سے دوسروں کی نشوونما تیز تر کرتے رہتے ہیں۔ ہم چاہیں تو یہ کام بطور نسل بھی کر سکتے ہیں دوسرے ملکوں میں استادوں کو کیوں بھیجا جاتا ہے؟ تاکہ ہم اس طریقہ سے ان نسلوں کی ترقی و نشوونما کو تیز تر کر سکیں۔ کیا ہم اس طرح افراد کی نشوونما کو بڑھاوا نہیں دے سکتے؟ بلاشبہ ہم دے سکتے ہیں کیا اس سریع رفتاری اور ترقی کی کوئی حد و قید مقرر کی جاسکتی ہے؟ نہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایک انسان اپنی زندگی میں کس قدر ترقی حاصل کر سکے گا کوئی وجہ نہیں کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ اتنے عرصہ میں فلاں انسان اتنا کچھ ہی سیکھ سکے گا اور اس سے آگے ترقی نہیں کر پائے گا؟ ساز گار و موافق حالات کی مدد سے یہ انسان حیرت انگیز ترقی کر سکتا ہے۔ کیا درجۂ کمال تک پہنچنے تک کوئی حد و قید لگائی جاسکتی ہے؟ اس سے کیا نتیجہ حاصل ہوگا؟ ایک مردِ کامل، جو اس نسل میں مدتوں کے بعد، شاید کروڑوں برسوں کے بعد پیدا ہونا تھا، ایسا مردِ کامل آج بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

تمام بڑے بڑے اوتار، اولیا اور پیغمبر ایسے ہی کامل انسان تھے، اُنہوں نے درجۂ کمال ایک ہی زندگی میں حاصل کر لیا۔ دنیا کی تاریخ کے ہر دور میں، ہر ملک میں، ہر نسل میں ایسے کامل انسان آتے رہے ہیں حال ہی میں ایک ایسا ہی مردِ کامل زندہ تھا جس نے ساری نسلِ انسانی کی زندگی پر عبور پالیا اور اپنی اسی زندگی میں معراجِ حیات ــــ درجۂ کمال کو ــــ حاصل کر لیا تھا۔

قاعدے قانون لیکن نشوونما کو تیز تر کرنے کا عمل بھی تو محض قواعد و ضوابط کے ماتحت ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ہم اس قاعدے قانون کی کھوج کرتے ہیں اور ان رازوں کو جان لیتے ہیں اور ان کا اطلاق اپنی ضرورتوں پر کرتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم ترقی کر جائیں گے۔ ہماری نشوونما سُرعت پذیر ہو گی۔ ہماری ترقی تیز تر ہو جائے گی اور ہم اسی زندگی میں کامل انسان بن جائیں گے۔ یہ ہماری زندگی اور دلوں کی ترقی کے علم کا اعلیٰ ترین مقصد ہے۔ اس علم کا مقصد یہی ہے کہ دل کی قوتوں کا مطالعہ کیا جائے اور ان میں کمال پیدا کیا جائے۔

اس سائنس اور اس علم کا فائدہ تو اسی بات میں مضمر ہے کہ ایک مردِ کامل پیدا کیا جائے، اور اُسے نہ مدتوں تک انتظار کرنا پڑے اور نہ ہی مادی دُنیا کے ہاتھوں میں آلہ کار بنکر ٹھوکریں کھانا پڑے یا اس بحرِ بیکراں میں لکڑی کے ایک تختہ کی طرح غضبناک موجوں کے تھپیڑے سہنے پڑیں۔ سائنس مُطالبہ کرتی ہے اور علم یہ تقاضا کرتا ہے کہ آپ مضبُوط بنیں۔ اپنے کام کو خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیں اور اسے کسی دوسرے کے رحم و کرم پر نہ چھوڑیں اور نہ ہی اس کی تکمیل کسی دوسری زندگی کے لئے اُٹھا رکھیں ؛







اُستاد اور شاگرد

تعلیم کے متعلق میرا نظریہ ہے "گورو گرہیہ واس"۔ اُستاد اور مدرّس کی ذاتی زندگی کے بغیر کوئی تعلیم ممکن نہیں ہو سکتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان بچپن سے ہی ایک ایسے نیک نام اور با سیرت انسان کے ساتھ رہے جس کی فطرت اور جس کا کردار شعلہ زن، بھڑکتی ہوئی آگ کی مانند ہو۔ انسان کے سامنے اعلیٰ ترین تعلیم و تربیت کی جیتی جاگتی تصویر رہنی چاہیئے۔ ہمارے مُلک میں تعلیم و تدریس کا کام شروع سے ہی نفس کش اور تارک الدُّنیا انسانوں کے سپرد تھا۔ ضرورت ہے کہ تعلیم و تربیت دینے کا کام ایک بار پھر تیاگیوں کے کندھوں پر ڈال دیا جائے۔

ہندوستان میں قدیم طریقۂ تعلیم جدید طریقہ سے بالکل مختلف تھا۔ اس وقت طلبا کو کچھ دینا نہیں پڑتا تھا۔ نظریہ یہ تھا کہ علم و حکمت اس قدر مقدّس ہے کہ کسی انسان کو اُسے بیچنا نہیں چاہیئے۔ علم و حکمت کی دولت مُفت، اور بے قیمت دی جانی چاہیئے۔ اُستاد یا گورو شاگردوں کو مُفت پڑھایا کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اپنے شاگردوں کو روٹی کپڑا بھی مہیا کیا کرتے تھے۔ اُستادوں کی خاطر امیر کُنبے نذرانے اور بھینٹ وغیرہ دیا کرتے تھے اور اس کے عوض یہ ان کے بچوں کو رکھا کرتے تھے۔ عہدِ قدیم کا شاگرد گورو کے حجرہ اُس کے آشرم کی سیوا کیا کرتا، اپنے ہاتھوں سے ایندھن وغیرہ اُٹھا کر تا یا مویشیوں کی دیکھ بھال کرتا۔ گورو شاگرد اور چیلے کی استعداد اور صلاحیتوں کو دیکھ کر اُسے ویدوں کی تعلیم دیتا، اسکی کمر کے ساتھ تین ریشوں کی مُنج (ایک قسم کی گھاس) کی ڈوری اس بات کی نشاندہی کے لیئے باندھ دیتا تھا کہ شاگرد اپنے مَن، بچن اور کرم سے پاک و صاف رہے گا۔

شاگرد اور اُستاد، دونوں کو بعض شرائط پوری کرنا لازمی ہے۔ شاگرد کے لئے لازم ہے کہ وہ نیک نفس اور پاک دامن ہو، تحصیلِ علم کی سچی جستجو رکھتا ہو، اور ثابت قدم ہو۔ مَن چَن اور کرم سے اس کی نفس کُشی انتہائی ضروری ہے۔ جہاں تک علم و حکمت حاصل کرنے کی سچی جستجو رکھنے کی بات ہے یہ ایک ازلی دستورِ حیات ہے کہ ہمیں وہی کچھ ملتا ہے جس کی ہمیں تلاش ہوتی ہے ہم جس شئے کو دل کی آرزؤں کا مسکن بنا دیتے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ حاصل ہی نہیں کرتے۔ جب تک اعلیٰ درجہ کی خواہش پیدا نہیں ہوتی۔ اور ہمیں فتح و کامرانی نہیں مِل جاتی، اِس وقت مُسلسل جدوجہد کرنے، پیہم کشمکش جاری رکھنے اور اپنی ادنیٰ فطرت کے خلاف بر سرِ پیکار رہنے کی اشد ضرورت ہے۔ وہ طالب علم جو اس ثابت قدمی سے تحصیلِ علم میں جُٹ جاتا ہے۔ بالآخر کامیابی اور کامرانی حاصل کرلیتا ہے۔

جہاں تک مدرس اور اُستاد کا تعلق ہے ہمیں اس بات کا اطمینان کرلینا چاہئے کہ وہ مقدس کتابوں کی رُوحِ تحریر سے بہرہ ور ہے۔ یوں تو ساری دُنیا بائیبل، وید اور قرآن پڑھتی ہے لیکن وہ صرف الفاظ، اُن کی نحوی ترکیب، علم زبان، اور فلسفہ کو پڑھتی ہے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں روحِ تحریر نہیں، بلکہ مذہب کی خُشک، سُوکھی ہوئی ہڈیاں ہیں۔ وہ اُستاد جو لفظوں پر بہت زیادہ زور دیتا ہے اور دلوں کو قوت الفاظ کے تیز و تند روانی میں بہا دیتا ہے، روحِ تحریر سے کورا اور خالی رہ جاتا ہے۔ صرف مذہبی کتابوں کی رُوحِ تحریر کا علم ہی کسی کو سچّا اُستاد بناتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہمیں اُستاد کے کردار اور شخصیت کو جاننے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایک غلط سی بات ہے ایسا جاننا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ جس کی بدولت انسان اپنا آپ جان سکتا ہے یا دوسروں کو سچّائی اور پاکیزگی کی خدائی دولت دے سکتا ہے۔ وہ شئے ہے دل و دماغ، رُوح و قلب کی پاکیزگی اور نفس کُشی۔ اس لیئے اُستاد کو لازمی طور پر نیک نفس اور پاک دامن ہونا چاہیئے۔ اس کے الفاظ میں ایثار نفسی سے ہی عظمت قیمت۔ وقعت اور تاثیر پیدا ہوگی۔ اُستاد کا کام محض شاگرد کی موجودہ دماغی یا دوسری صلاحیتوں کو تیز تر کرنا ہی نہیں ہوتا، بلکہ اپنے پلّے سے کچھ دینا بھی ہوتا ہے۔ اُستاد کو اپنے اثرات سے طالب علم کو ایک حقیقی اور قابل قدر علم و دانش سے سرفراز کرنا ہوتا ہے۔ اس لیئے اُستاد کو پرہیزگار، نفس کُش اور نیک باطن ہونا چاہیئے۔

تیسری شرط نیت اور مقصدِ تعلیم کے متعلق ہے۔ اُستاد کو کسی در پردہ یا خود غرضانہ مقصد کے لیئے یا دولت، شہرت اور عزّت کی خاطر تعلیم و تدریس نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کا ہر کام خلوص و محبّت بنی نوع انسان کی بے لوث محبت کے سرچشمہ سے موجزن ہونا چاہیئے۔ وہ واحد طریقہ جس کے ذریعہ

رُوحانی قوت دوسرے کے قلب و جگر میں منتقل کی جا سکتی ہے۔ عشق و محبت ہے، ظاہر ہے کہ شہرت و عزّت کا خود غرضانہ جذبہ اس محبت کو جڑ سے ہی قلم کر کے رکھ دے گا۔

شاگرد بننا آسان نہیں۔ ایسے طالب علم اور شاگرد کے لئے جو متلاشیِ حق ہو، اوّلین شرط یہ ہے کہ وہ شہرت و دولت کی تمام آرزوؤں کو اپنے دل سے نکال باہر کرے۔ کیونکہ جب تک ہمارے دِلوں میں کوئی نہ کوئی خواہشیں موجزن رہتی ہے، تب تک ہم حقیقت اور سچائی کا جمالیاتی رُخ دیکھ ہی نہیں سکتے۔ جب تک دل کے کسی نہ کسی گوشے میں دُنیا کی ایک یا دوسری تمنّا چٹکیاں لیتی رہتی ہے، تب تک سچائی نہیں ملے گی۔ یہی وجہ ہے کہ غریبوں کی نسبت امیر سچائی کو بہت کم سمجھ پاتے ہیں۔ امیر کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ اپنی دولت و امارت، شان و شوکت، طاقت و حکومت نفس پرستی اور سامانِ عیش کے سوا کچھ اور سوچے۔ میں اس پر کبھی اعتبار نہیں کرتا جس کی آنکھیں کبھی نمناک نہ ہوئی ہوں۔ کیونکہ ایسا شخص اپنے سینہ میں دل نہیں، پتھر کی بے حس سِل رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سچی خوشیاں اور حقیقی مسرّت سے ہمکنار ہونے کے لئے، انسان کو ان دُنیاوی خواہشوں کو خیرباد کہنا ہوگا۔ اور سچائی کی اور صرف سچائی کی جستجو کرنی چاہیئے۔ بے غرضی ہی زیادہ ثمرآور سودمند ہے، صرف انسان ہی اس کو مشعلِ عمل بنانے کا حوصلہ اور صبر نہیں رکھتے۔ صحت کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو زیادہ مفید ہے۔ محبت، سچائی اور بے غرضی صرف کہنے ہی کی اخلاقی باتیں نہیں بلکہ فی الحقیقت وہ انتہائی بلند نصب العین اور آدرش ہے، کیونکہ یہ تمام قوتوں کی مخزن اور خزانہ ہیں۔ اندھا دُھند جو کچھ مَن میں آئے کر گزرنے کی بجائے برداشت اور ایثارِ نفس کہیں زیادہ طاقت ور ہے خود غرضی کے اندر نفس پرستی کے لئے خرچ کی گئی ہر قوت رائیگاں چلی جاتی ہے۔ برباد ہو جاتی ہے۔ اس کی بدولت قُوّت آپ کو واپس نہیں مل سکتی لیکن اگر اُسے ضبط میں رکھا جائے تو طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا خود ضبطی عظیم الشان قوتِ ارادی پیدا کرتی ہے ایک ایسے کردار اور ایک ایسی سیرت کو جنم دیتی ہے جو عیلے اور بُدھ بنا دیتی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ شاگرد لازمی طور پر اندرونی اور بیرونی قوتوں، حواس پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مسلسل اور کٹھن محنت، ریاضت اور طہارت سے اُسے اس مقام تک پہنچ جانا چاہیئے جہاں سے وہ اپنے نفسیاتی اور قدرتی تقاضوں اور محرکات کے خلاف اپنے اعلیٰ ضمیر کی بات مانے اس میں اتنی ہمت اور طاقت ہونی چاہیئے کہ اپنے مَن اور دل سے کہہ سکے کہ "تم میرے ہو، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم کچھ بھی نہ سُنو، کچھ نہ بھی دیکھو"۔ اس کے بعد ہی مَن کی اُچھل کُود بند ہوتی ہے۔ سیمابی فطرت کا یہ پُتلا اِدھر اُدھر کی دَوڑ بھاگ میں ہلکان ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ مکروہ اور نفرت انگیز ہے۔ مَن ایسے دچار

ہی کیوں سوچتا ہے جنہیں میں سوچنا نہیں چاہتا۔ میں تو دل کا غلام بن کر رہ گیا۔ جب تک مَن بے چین اور بے قابو ہے، کوئی بھی شخص علم معرفت نہیں سیکھ سکتا۔ اِس لئے شاگرد کو لازم ہے کہ وُہ مَن کو قابو کرنا سیکھے۔

اور پھر شاگرد میں بُردباری اور تحمل مزاجی ہونی چاہیئے۔ آپ سُکھ چین کی زندگی بسر کر رہے ہوں، اور سب کچھ معمول کے مطابق ظہور پذیر ہو رہا ہو۔ آپ مسرّتوں کے گہوارے میں جھُول رہے ہوں لیکن جونہی ذرا گڑبڑ ہوئی۔ آپ کے دل و دماغ نے توازن کھو دیا۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں۔ رنج و غم کو لبوں پر حرفِ شکایت لائے بغیر اور گلہ و شکوہ کیئے بغیر برداشت کرو۔ درد و کرب کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دو۔ مزاحمت، علاج یا انتقام کی کیوں سوچتے ہو؟ سچا اور حقیقی تحمل مزاجی اور بُردباری تو یہی ہے۔ جب میرے ست گُورو اور پیر و مُرشد شری رام کرشن بیمار ہوئے، ایک برہمن نے اُن سے کہا کہ وہ اپنی آتمک شکتی رُوحانی قوّت کو استعمال کرکے صحت یاب کیوں نہیں ہو جاتے۔ اس برہمن کا کہنا تھا کہ پرم ہنس جی کو اور کچھ کرنے کرانے کی ضرورت ہی کیا ہے، صرف اپنا دھیان اور اپنی توجہ جسم کے بیمار حصہ پر لگانا اور مرتکز کرنا ہے، بیماری مٹ جائے گی شری رام کرشن بولے:۔ "کیا کہا آپ نے؟ جس مَن کو ایشور ارپن کر چکا ہوں، اُسے پھر سے اس حقیر جسم میں لاؤں؟" اُنہوں نے جسم اور بیماری کی بات تک سوچنے سے انکار کر دیا اُن کا مَن ہر وقت ایشور چنتن میں لگا رہتا تھا۔ دل و دماغ خدا کے ہی ذکر و فکر میں محو رہتا تھا۔ مکمل طور پر حوالہ خدا کیا جا چکا تھا۔ وہ اُسے اور کسی مقصد کے لیے استعمال ہی نہیں کرنا چاہیئے تھے اور پھر حضرت یسوع مسیح کو ہی دیکھ لیجئے جنہوں نے انھیں تختۂ دار پر لٹکایا اور سُولی پر چڑھایا، حضرت عیسٰے نے ان پر بھی ترس و رحم کھایا۔ سب کا بوجھ اپنے ذمے لیتے ہوئے اُنہوں نے فرمایا۔ میری پناہ میں آجاؤ۔ آپ سب جو محنت و مشقت کرتے ہیں اور بھاری بوجھ اٹھانے سے مرے جا رہے ہو۔ میری شرن میں آجاؤ۔ میں تمہیں آرام و سکون دے دوں گا"۔ یہ ہے سچّا تحمل اور اعلیٰ ترین قوت برداشت حضرت یسوع مسیح اس زندگی سے کتنے بلند و بالا تھے، اتنے بلند اور بالا کہ ہم اس کا پُورا احساس تک بھی نہیں کر سکتے۔

شاگرد کے لیئے اگلی شرط یہ ہے کہ اس میں آزاد اور مُکت ہونے کی انتہائی شدید خواہش ہونی چاہیئے لیکن جسے دیکھیئے۔ اس جسم و جان سے پرے کی کوئی خواہش و تمنا ہی نہیں رکھتا۔ یہ دُنیا کیا ہے؟ جسم و جنس کا مرکب اور اتحاد ہی تو ہے۔ کروڑہا مردوں اور عورتوں کو دیکھیئے وہ اسی نفس پرستی میں غلطاں ہیں جسم و جنس ان سے چھن جائے تو زندگی ان کے لئے سُونی، بے چین اور ناقابل برداشت بن کر رہ جائے آیسے ہیں ہم۔ اور ایسا ہے ہمارا دل، یہ دن رات ہر وقت جسم و جنس کی کبھی نہ مٹنے بجھنے والی بھوک اور تشنگی دُور کرنے کے ہی حیلے وسیلے سوچتا رہتا ہے۔ لیکن نفس پرستی، جسمانی خواہشات کی تکمیل سے صرف ایک عارضی

سی، مختصر سی راحت و تسکین ملتی ہے ۔ حالانکہ ان کا انجام ہے، کبھی نہ ختم ہونے والی آفت و اذیت ۔ ایک مسلسل عذاب ۔ یہ تو ایک ایسا جام پینے کے مترادف ہے جس کی سطح پر تو امرت ہو لیکن زیرِ سطح زہر ہو لیکن اس کے باوجود ہم ہر وقت ان کے ذکر و فکر میں ہی ہلکان ہوئے جاتے ہیں ۔ خوابوں اور خواہشوں سے دست کشی اور نفس کُشی واحد ذریعہ ہے جس سے ہم آفت و عذاب سے بچ سکیں ۔ یہی آپ کا مُنتہائے مقصود ہونا چاہیئے خواہشوں اور خوابوں کی اس دُنیا سے کنارہ کش ہو جاؤ ۔

حقیقی طلب و آرزو صرف ایک ہے اور وُہ ہے تلاشِ حق، رُوحانیت کو اثاثۂ حیات بنالو تو کوئی مادہ پرستی، نفس پروری، یا خود ستائی باقی نہیں رہے گی ۔ میں پرستارِ رُوحانیت بنوں گا ۔ یہی آرزو اور یہی تمنا شدید اور مضبوط ہونی چاہیئے ۔ اگر ایک انسان کی مُشکیں کَس دی جائیں ۔ اس کے ہاتھ پاؤں اس طرح باندھ دیئے جائیں کہ یہ جنبش تک نہ کر سکے ۔ اس وقت اگر جلتا ہوا دہکتا انگارہ اس کے جسم پر رکھ دیا جائے تو وہ اپنی تمام قوت کے ساتھ اُسے دُور ہٹانے کی تدبیر کرے گا ۔ میں اسی طرح کی انتہائی شدید تمنا سے کب روشناس ہوں گا ؟ اس جلتی ہوئی دُنیا کو دُور پھینک دینے والی بے قرار کشمکش اور جدّوجہد کب میرے دل میں موجزن ہوگی ۔ جب تک یہ آرزو دل و جان میں نہیں بس جاتی ۔ تب تک وہ مبارک گھڑی نہیں آئے گی ۔ جب میں خُدائی حقیقت کی صُورت دیکھ سکوں گا ۔

ہماری زندگیوں کا واحد مطلب و مقصد یہی ہونا چاہیئے کہ ہم عظیم ترین حقیقت سے روشناس ہو جائیں ہمارا مقصدِ حیات شاندار ترین بَن جائے ۔ آیئے ہم اِس آتما (رُوح) ، یں اُس آتما کی پُوجا کریں ۔ سچ تو یہ ہے کہ دُنیا و بندگی بھی ہو تو رُوح ہو ۔ وسطی حصہ میں بھی آتما ہونی چاہیئے ۔ اور بلندی اور معراج بھی آتما ہونی چاہیئے ۔ آتما میں ہی دھیان لگایئے ۔ یہی نصب العین ہونا چاہیئے ۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم اس مقام کو ابھی نہیں پا سکتے ۔ لیکن کوئی مضائقہ نہیں اُمید مت چھوڑ و ۔ ہمت ہار کر مت بیٹھو ۔ اور نہ ہی اپنے مرکزِ تصور اور نصب العین کو پسِ پشت ہونے دُو اہم بات تو یہ ہے کہ آپ کتنا کم وقت اس سوچ و فکر میں کھوئے رہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا یہ جسم مُردہ، بے جان اور بے روح مادّہ ہے اور کتنا زیادہ آپ کے دل و دماغ میں یہ خیال سمایا رہتا ہے کہ میں ایک جگمگاتی ہوئی امر آتما (لافنا رُوح) ہوں ۔ جس قدر آپ کے دل و دماغ پر ایسے خیالات مُحیط و حاوی رہیں گے ۔ آپ اتنی جلدی مکمل طور پر، مادہ، جسم اور حواسوں سے آزاد ہو جائیں گے ۔ آزاد و مُکت ہونے کی یہی آرزو انتہائی شدید آرزو ہونی چاہیئے ۔

یہ ہیں وہ شرطیں جو ایک شاگرد کو پُوری کرنی چاہیئے ۔ اُن کو پُورا کیئے بِنا کوئی شخص ست گورو کے چرنوں تک، پیرو مُرشد کے قدموں تک نہیں پہنچ سکتا ۔ اور اگر خوش قسمتی سے ایسا ست گورو مل بھی

جائے تو بھی گُورُو جو برتی رد اور ربی قوت اُس کے اندر پھُونکے گا، اس سے شاگرد متاثر نہیں ہو گا۔ اِن شرطوں میں کمی بیشی یا رعایت کا کوئی سوال نہیں، ان شرطوں کو پُورا کر لینے سے ہی شاگرد کے دل کا کنول کھُلے گا اور تبھی اس پر منڈلانے کے لئے بھنورا کھچا چلا آئے گا۔ اسی وقت شاگرد کو یہ معلوم ہو گا کہ مُرشد اور گُورُو تو اس کے اندر ہی تھا۔ تب اس کے اندر نئی کائناتیں اور نئی دُنیائیں کھُل جاتی ہیں۔ وہ واصلِ حقیقت ہو جاتا ہے۔ انبھو کر لیتا ہے۔ وہ زندگی کے بحرِ بے کراں کو پھاند کر دُور پرے کی دُنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر رحم و کرم کرتا ہوا شہرت یا سُود و زیاں کے متعلق تمام خیالوں سے اوپر اُٹھ کر دوسروں کو اس سنسار ساگر سے پار ہونے میں مدد دیتا ہے۔

اُستاد اور گُورُو کے ساتھ ہمارا رشتہ ناطہ ویسا ہی ہے جیسے جدِّ امجد اولاد کا جب تک ہمارے دِلوں میں اُستاد اور گُورُو کے لئے وشواس، اعتماد و اعتقاد، حلیمی اور انکساری، اطاعت اور فرمانبرداری، عزت اور تعظیم نہیں ہوگی، تب تک ہم کوئی ترقی نہیں کر سکتے۔ جن ممالک میں اس قسم کے رشتہ کو پسِ پُشت ڈال دیا گیا ہے، وہاں اُستاد محض ایک لیکچرار بن کر رہ جاتا ہے۔ اُستاد کی نظریں حقِ خدمت اور تنخواہ کے روپیوں پر رہتی ہے اور شاگرد چند پیسے دے کر چاہتا ہے کہ اس کے دل و دماغ میں دُنیا بھر کے علم بھر دیئے جائیں۔ اُستاد روپے اور شاگرد چند الفاظ لے کر اپنی اپنی راہ لگتے ہیں لیکن اس حقیقت کو فراموش مت کیجئے کہ کسی شخصیت پر بے حد وشواس کمزوری اور بُت پرستی ہوتی ہے۔ اپنے گُورُو کو ایشور اور خدا سمجھ کر اس کی پرستش اور پُوجا کیجئے، لیکن اندھ وشواسی نہ بن جایئے، ہزار دل سے اللہ سے محبت کیجئے لیکن اپنی سوچ و فکر کے کواڑ بند نہ کر دیجئے۔ انہیں کھُلا رہنے دیجئے۔

اُستاد کو اپنی پوری قوت شاگرد کے میلانِ طبیعت پر لگا دینی چاہیئے۔ دِلی ہمدردی کے بنا، ہم اچھی طرح نہ پڑھا سکتے ہیں اور نہ پڑھ سکتے ہیں۔ کسی انسان کے اعتقاد اور وشواس کو درہم برہم نہ کیجئے۔ آپ میں ہمت اور توفیق ہو تو اسے کچھ بہتر شئے دیجئے لیکن جو کچھ پہلے ہی اس کے پاس موجود ہے اُسے تباہ و برباد نہ کیجئے۔ سچا اُستاد وہی ہے۔ جو ایک لمحہ کے اندر اندر اپنے آپ کو ہزار شخصیتوں میں ڈھال لیتا ہے۔ سچا اُستاد وہی ہے جو اپنے آپ کو شاگرد کی سطح پر لے آتا ہے۔ اپنی رُوح کو شاگرد کی رُوح میں منتقل کر دیتا ہے۔ اور اس کے دل و دماغ کی کیفیتوں سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ صرف ایسا اُستاد ہی حقیقی معنوں میں تعلیم دے سکتا ہے۔ دوسرا کوئی یہ کام نہیں کر سکتا۔

مذہبی تعلیم

تعلیم کا حقیقی لُب لباب اور حقیقی مقصد دین و مذہب ہے۔ مذہب سے میری مُراد یہ نہیں کہ میں یا آپ مذہب کے متعلق کیا فکر و نظر رکھتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ لوگوں کے سامنے حقیقی اور ابدی اُصول رکھے جائیں۔ سب سے پہلے ہمیں بڑے بڑے سنتوں۔ درویشوں اور خدا رسیدہ انسانوں کی تعظیم و پرستش شروع کرنی چاہیئے۔ وہ عظیم المرتبہ روحیں، وہ مہاپرش، جنہوں نے ان ابدی سچائیوں کو پالیا تھا جیسے کہ شری رام چندر، شری کرشن، مہاویر، ہنومان پرم ہنس رام کرشن تھے، ہمیں لوگوں کے سامنے پیش کرنے ہیں۔ تاکہ لوگ ان کے نقشِ قدم پر چل سکیں۔ اور ان کی تقلید کرسکیں۔ بھگوان کرشن کی سوانح حیات کے ونداربن کے باب کو سرِدست بالائے طاق رکھ دیجئے اور صرف ایسے بھگوان کرشن کی پُوجا، پرستش کو قرب وجوار میں پھیلا دیجئے جو گیتا میں شیر کی طرح گرج رہے ہیں اور اپنی روزمرہ کی زندگی کو شکتی رشی دیوی ماں کو جو سب طاقت قوت کا سرچشمہ ہے کی پُوجا کے سانچے میں ڈھال دیجئے۔ آج ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ایک ایسے آدرش ہیرو کی ہے جس میں رجس کی بے پناہ شکتی، ہو ایسے سرتاپا، جس کے جسم کی رگ رگ اور نس نس میں جوش، ہمت کے چشمے پھوٹ رہے ہوں۔ ایک ایسے ہیرو کی جو تلاشِ حق کی خاطر جان تک کی بازی لگا دینے کی ہمت رکھتا ہو، ایک ایسے ہیرو کی جس کا زرہ بکتر نفس کشی اور تیاگ ہو۔ اور جس کی تلوار حکمت و دانش، فہم و فراست کی ہو۔ اس وقت ہمیں ضرورت ایسے ہیرو، شور بیر اور مردِ شجاعت کی ہے جو زرہ بکتر پہنے میدان جنگ میں اُتر چکا ہو۔

ہنومان کو اپنا آدرش اور اپنا نصب العین بنایئے۔ شری رام چندر کے حکم کی تعمیل میں وہ سمندروں کو چیرتے چلے گئے۔ انہیں اپنی زندگی یا موت کا کوئی خیال تک نہیں تھا۔ انہیں اپنی خواہشوں اور خوابوں پر

مکمل قابو حاصل تھا۔ اور بے حد زیرک اور کمال کے صاحب عقل و ہوش تھے اس آدرش کی بدولت دوسرے اعلےٰ ارفع خیالات اور بلند مقاصد زندگی میں اوجاگر ہونے شروع ہو جائیں گے گورو کی غیر مشروط اور بے حیل وحجت۔ فرمانبرداری اور برھمچریہ پر سختی کے ساتھ پابندی ۔۔۔ ان دونوں باتوں میں کامیابی کی کنجی ہے۔ ہنومان جہاں سیوا اور خدمت کی علمبرداری کرتے ہیں وہاں وہ ایسی شیر ہمتی اور ہمت و شجاعت کے پرچم بردار بھی ہیں جس سے دنیا میں تہلکہ سا مچ گیا۔ بھگوان رامؔ کی سیوا کی خاطر انہیں جان تک کھیل جانے میں بھی عار نہیں تھی۔ بھگوان رام کی خدمت و اطاعت کے سوا دوسری ہر بات سے وہ بیگانہ اور غیر آشنا تھے۔ انہوں نے قسم کھا رکھی تھی کہ میں بھگوان رام کی ہی آگیا پالن کروں گا۔ ان کی زندگی وقفِ رام تھی۔ ہمیں بھی ایسی ہی عقیدت، بندگی، بھگتی اور ریاضت کی ضرورت ہے۔

اس مرحلہ پر ہمیں بھگوان کرشن کی گوپیوں کے ساتھ لیلا کو یاد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں محض بانسری بجانے یا ایسے دوسرے کام کرنے سے ملک و قوم کی مردہ رگوں میں حیات نو نہیں پھونکی جا سکتی۔ ہاتھوں میں کھڑتالیں لیکر، گلے میں ڈھولک لٹکا کر کیرتن کے وجد و کیف میں ناچنے سے ساری قوم ذلیل و خوار ہو کر رہ گئی۔ بلند ترین زہد، تقویٰ اور سب اونچی ریاضت اور عبادت، جس کے لئے شرط اولین مکمل پرہیزگاری، نفس کشی اور صفائی باطن ہے۔ کی نقل اتارتے ہوئے یہ لوگ تمراندھکار گہرے تامس یعنی بدترین نفس پروری کا شکار بن کر رہ گئے ہیں۔ کیا ہمارے دیش میں نقارے اور ڈھول نہیں بنتے؟ کیا یہ نقارے اور ڈھول ہمیں نہیں مل سکتے؟ اپنے بچوں کو ان چنگ و رباب کی آوازوں میں گم مت ہونے دیجئے، بلکہ انہیں طبل و نقارے کی روح پرور آوازوں سے مانوس ہونے دیجئے۔ بچپن سے ہی ایسے زنانہ سازوں کی موسیقی سننے کی وجہ سے یہ ملک ہیجڑوں اور عورتوں کا ملک بن کر رہ گیا ہے لیکن وقت آگیا ہے کہ ڈمرو اور ڈھول، طبل و نقارہ پر چوٹ لگا کر دلوں میں جوش اور ولولہ بھر دینے والے رزمیہ نغموں کو چھیڑا جائے۔ اور دھا دیر، دھا دیر، کہتے ہوئے ہم ہر ہر مہادیو کے ایسے فلک شگاف نعرے لگائیں کہ در و دیوار تک گونج اٹھیں۔ اس سنگیت اور موسیقی کو کچھ وقت کے لئے بند کر دیجئے جسے سن کر کمزوری اور بزدلی جاگے۔ ضرورت اس امر ہے کہ ہماری لوگ دھرو پد راگ، رزمیہ موسیقی کے عادی بن جائیں۔

ہمیں مقدس وید منتروں کے ہنگامہ خیز نغموں کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں ایک بار پھر زندگی پھونکنی ہے ہمیں اپنی ایک بات میں شیر دلی اور مردانگی، سختی اور توانائی پیدا کرنی ہو گی۔ اگر آپ اس آدرش کو نصب العین بنا کر اپنے کردار اور اپنی سیرت کی تعمیر کر اسکیں تو ہزاروں آپ کے نقش قدم پر چلنے کو تیار ہو جائیں گے لیکن یہ بات ملحوظ نگاہ رہنی چاہیئے کہ آپ اپنے آدرش کی راہ سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ ہونے پائیں

تعلیم صفو 20

آپ کے قدموں میں کسی وقت بھی لغزش نہیں آنی چاہیئے اور نہ ہی دل میں شکستہ پائی کا احساس آنا چاہیے۔ کھاتے پیتے، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، گاتے ہنستے، مسرور کن شاداب گھڑیاں ہوں یا رنج وکرب کی المناک برساتیں آپ کے ہر قول وفعل سے اعلےٰ ترین اخلاقی جرأت برسنی چاہیئے۔ مہابیر کو یاد رکھئے، دیوی ماں کو یاد رکھئے، آپ دیکھیں گے کہ ہر قسم کی کمزوری، شکستہ پائی، بزدلی اور کم ہمتی فوراً کافور ہو جائے گی۔

پُرانے مذاہب کہتے تھے کہ جو شخص ایشور پر وشواس نہیں رکھتا وہ ناستک اور دہریہ ہے۔ لیکن نیا مذہب کہتا ہے کہ ناستک وہ ہے جسے اپنے اُوپر وشواس نہیں۔ وشواس سے مُراد خود غرضانہ وشواش سے نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ کُل میں اعتماد ہونا چاہیئے، کیونکہ آپ سبھی کچھ ہیں۔ آپ کے لئے مہر ومحبّت کے معنی ہیں سب کے لئے مہر ومحبّت، حیوانوں تک کے لئے پیار۔ ہر ایک شے سے محبّت۔ کیونکہ آپ سب ایک ہیں۔ صرف اعلےٰ اعتماد اور یقین ہی آپ کی دُنیا میں جانفزا انقلاب لاتے گا۔ خود اعتمادی کا آدرش ہی ہمارے لئے سب سے اعلےٰ ترین سہارا ہے۔ اگر ہمیں خود اعتمادی کا درس زور وشور سے بڑھایا گیا ہوتا اور اس خود اعتمادی اور آتم وشواش کو مشعل راہ بنایا گیا ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ بیشتر بدعتیں بدعنوانیاں اور برائیاں جو اس وقت ہمارے دامن سے لپٹ کر رہ گئی ہیں، کافور ہو چکی ہوتیں۔ بنی نوع انسان کی ساری تاریخ کی ورق گردانی کر لیجئے، اگر بڑے انسانوں کی زندگیوں میں کوئی محرک اور دلولہ انگیز مقصدِ حیات دوسرے تمام مقاصد سے کہیں زیادہ قوی اور عظیم الشان تھا تو وہ جذبۂ خود اعتمادی تھا اور پیدائش سے ہی انہیں یہ شعور تھا کہ وہ بڑے بنیں گے، اور وہ بڑے بن گئے۔

مذہب وایمان بے پایاں قوّت ہے۔ طاقت نیکی ہے، کمزوری گناہ۔ تمام گناہوں اور تمام بدیوں کو اگر ایک ہی ساتھ بیان کرنا ہو تو وہ لفظ ہے، کمزوری۔ یہ کمزوری اور ناتوانی ہوتی ہے جو ہر بدی اور برائی کی محرک بنتی ہے۔ یہ کمزوری اور ناتوانی ہوتی ہے جو سب خود غرضیوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ کمزوری اور ناتوانی ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان دوسروں کو تکلیف وضرر پہنچاتا ہے۔ سب انسانوں کو اس حقیقت سے روشناس کرا دیجئے کہ وہ کون ہیں۔ شب وروز انہیں اس حقیقت کا ورد کرنا چاہیے کہ وہ کون ہیں "سوہنگ" یہ نام انہیں شیرِ مادر کے ساتھ لوریوں کے ذریعہ پلا دینا چاہیئے۔ بے پناہ بھگتی کے اس وچار کو گھٹی میں ہی دینا چاہیئے کہ میں وہی کچھ ہوں جو وہ ہے۔ پہلے اس بات کو دھیان دیکر سُنئے۔ پھر اس پر سوچئے اس خیال وفکر سے ایسے ایسے معرکے سر ہوں گے کہ دُنیا دنگ رہ جائے گی سچ بخوبی اور جرأت سے بولئے کُل حقیقت ابدی اور آفاقی ہے۔ سب آتمائیں ست ہیں۔ سب رُوحوں کی فطرت صداقت ہے۔ اور صداقت کی پرکھ یہ ہے کہ جو بات آپ کو جسمانی طور پر، دماغی طور پر کمزور بناتے، اسے زہر کی طرح

تعلیم

صفحہ 30

ترک و مسترد کر دیجئے۔ اس میں حیات و بقا کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ حق و صداقت بھی نہیں ہو سکتی، صداقت قوت بخش اور طاقتور ہوتی ہے۔ پرہیز گاری اور نفس کشی حق و صداقت ہے۔ سب علم و گیان حق و صداقت ہے۔ حق و صداقت کو لازمی طور پر قوت بخش، بصیرت افروز اور رُوح پرور اور فرحت بخش ہونا چاہیئے۔ پھر اپنے اپنشدوں کی طرف رجوع کیجئے جن کا فلسفہ نور افشاں، حیات پرور اور آب و تاب والا ہے۔ اس فلسفہ کو اپنائیے۔ عظیم ترین صداقتیں دُنیا کی سہل ترین، آسان ترین زبان میں درج ہیں۔ اس طرح کی سہل اور آسان جس طرح آپ کی ہستی ہے اُپنشدوں کی سچّائیاں اور صداقتیں آپ کے سامنے ہیں۔ انہیں مشعل عمل بنا لیجئے۔ زندگی ان کے سانچے میں ڈھال لیجئے۔ پھر ہندوستان کی نجات اور رستگاری میں دیر نہیں لگے گی۔

ہماری ایک تہائی تباہیوں اور مصیبتوں کی وجہ جسمانی کمزوری ہے۔ ہم سُست کاہل اور کام چور ہیں۔ اور پھر ہم اکٹھے اور متحد نہیں ہو سکتے۔ ہم طوطے کی طرح رٹی ہوئی بہت سی باتوں کا فکر و ذکر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان باتوں پر کبھی عمل نہیں کرتے۔ ہم باتوں کے غازی ہیں، کردار کے نہیں۔ زبان سے کچھ کہنا، ہاتھوں سے کچھ نہ کرنا، یہ ہمارا دستورِ زندگی بن چکا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ جسمانی کمزوری۔ اس طرح کا کمزور دماغ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ہمیں اسے توانا بنانا ہوگا۔ اوّلین ضرورت اس بات کی یہ ہے کہ ہمارے دیش کے نوجوان مضبوط اور ہمّت والے بنیں۔ مذہب کی ضرورت ثانوی ضرورت ہے۔ میرے نوجوان دوستو! میری آپ کے لئے یہی نصیحت ہے، میری آپ کے لئے یہی تعلیم و تلقین ہے کہ آپ مضبوط بنیں۔ گیتا کے مطالعہ کی نسبت فٹ بال کھیلتے ہوئے آپ ایشور کے زیادہ قریب پہنچ سکیں گے۔ اپنی رگ و پے میں ذرا جواں ہمتی اور اپنے جسم میں ذرا توانائی پیدا کر لیجئے، پھر آپ بھگوان کرشن کی عظیم الشان عالی ہمتی اور ان کی غیر معمولی ذہنیت و فہم و فراست کو بہتر سمجھ سکینگے۔ اگر آپ کے جسم میں زیادہ ہمت ہوگی، اور آپ خود کو مردِ میدان سمجھنے لگیں گے تو اپنشدوں کے اسرارِ حقیقت آپ پر سہل سے کھلنے لگیں گے اور آتما کے نورانی حُسن و جمال اور اس کی رفعتوں سے بہتر شناسا ہو سکینگے۔

اُپنشدوں کا ایک ایک ورق مجھ سے یہی کہتا ہے۔ کل عالم میں یہی وہ واحد تصنیف ہے جس میں 'ابھے' بے خوفی اور نڈرتا کا لفظ بار بار استعمال کیا گیا ہے دُنیا کی کسی دوسری رُوحانی کتاب میں ایشور یا انسان، کے لئے اس صفت کا استعمال نہیں کیا گیا۔

میرے پردہ ذہن پر عہد رفتہ کے عظیم مغربی شہنشاہ سکندر اعظم کی تصویر اُبھرتی جا رہی ہے۔ اور یوں لگتا ہے جیسے کہ نگاہیں اِس تصویر کو دیکھ رہی ہیں، اس عظیم فرمانروا کو دریائے سندھ پر کھڑا جنگلوں میں رہنے والے ایک سنیاسی سے محوِ گفتگو دیکھ رہا ہوں۔ وہ ایک عمر رسیدہ انسان سے ہم کلام ہے۔ جو شاید ننگا ہے۔ بالکل برہنہ۔ ایک پتھر کی چٹان پر بیٹھا ہوا۔ شہنشاہ اِس صاحب دانش کی فہم و فراست پر حیران

دشتشدر ہوا۔ اسے دولت اور شہرت کا لالچ دیکر یونان جانے کے لئے آمادہ کررہا ہے۔ لیکن یہ شخص اس کی دولت وامارت اور اس کے لالچ اور اسکی ، ترغیب وتحریص کی ہنسی اُڑا دیتا ہے۔ اور یونان جانے سے انکار کر دیتا ہے تب فرمانبروا حکومت اور تاج تخت کے بل بوتے پر تکبر کے ساتھ کہتا ہے:" اگر تم یونان نہیں چلوگے تو میں تمہیں موت کے گھاٹ اُتار دوں گا"۔ یہ الفاظ سن کر دہ شخص قہقہہ لگا تا ہے اور کہتا ہے کہ" جتنی دروغ بیانی تم نے اس وقت کی ہے' اس سے پہلے کبھی اس قدر جھوٹ نہ بولا ہوگا۔ مجھے کون مار سکتا ہے؟ کون قتل کرسکتا ہے؟ کیونکہ میں ایک' اجر' امر' اجنما'انادی' آتما ہوں جسے فنا نہیں قضا نہیں"۔

یہ ہے طاقت اور قوت!

ہمیں کمزور ناتواں بنانے والے ہزاروں ہیں۔ ان کے قصے کہانیوں کو دہرانے سے کیا حاصل؟ اس لئے میرے دوستو! آپ کا ہم وطن ہونے کے ناطے سے' ایک ایسے شخص ہونے کے ناطے سے جس کا جینا اور مرنا آپ کے ساتھ ہے میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں طاقت' قوت اور ہر وقت توانائی کی ضرورت ہے۔ اُپنشد طاقت قوت اور توانائی کی عظیم کان اور سرچشمہ ہیں۔ ان میں اتنی طاقت بھری پڑی ہے کہ ساری دُنیا میں تہلکہ مچ جائے اور کل عالم میں نئی روح پھونکی جا سکے۔ ان کے ذریعہ ساری دُنیا میں مضبوط اور توانا بنایا جا سکتا ہے اور اس میں نئی روح ڈالی جا سکتی ہے۔

یہ اُپنشد بہ بانگِ دہل کمزوروں ' ناتوانوں اور تمام نسلوں اور قوموں کے نامرادوں' پسے ہوئے پسماندہ لوگوں اور تمام فرقوں اور تمام گروہوں کو اس بات کی دعوتِ عمل دے رہے ہیں کہ اُٹھو' اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ اور آزاد آتما ہو جاؤ۔ آزادی' جسمانی' ذہنی اور قلبی آزادی' رُوحانی اور دینی آزادی' یہ ہے انشدوں کا لُب لباب' ان کی تعلیم کے حقیقی معنی۔

لیکن میں یہ بات واضح کردوں کہ مقدس رُوحانی کتابیں ہمیں مذہبی اور روحانی نہیں بنا سکتیں۔ بھلے ہی ہم دُنیا بھر کی تمام کتابوں کا مطالعہ کریں۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ ہم پھر بھی مذہب وخدا' دھرم اور ایشور کے متعلق ایک حرف تک نہ سمجھ پائیں۔ زندگی بھر اس موضوع پر گفتگو کرنے یا ان کے متعلق بحث مباحثہ کرتے رہیں۔ ان باتوں کو عقل ودلیل کی کسوٹی پر پرکھتے رہیں لیکن اس کے باوجود حق وصداقت کو اس وقت تک سمجھ ہی نہیں سکتے۔ تاوقتیکہ ہم اس کا تجربہ خود نہ کریں۔ اور یہ حقیقت ہماری آزمائش اور مشاہدہ میں نہیں آجاتی۔ کسی انسان کو چند کتابیں دیکر اُسے ڈاکٹر نہیں بنایا جا سکتا۔ کسی ملک کے دیکھنے کے متعلق جو شوق میرے دل میں انگڑائیاں لے رہا ہے اس ملک کے مجھے محض نقشے دکھا کر مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔ نقشوں سے تو دہن اور قلب میں مزید واقفیت اور علم حاصل کرنے کی پیاس اور بھڑک اُٹھے گی۔

اس سے زیادہ نقشوں کی کوئی وقعت نہیں۔ مندر اور مسجدیں، کلیسے اور گرجا گھر، کتابیں اور رسم و رواج تو مذہب کے ابتدائی مرحلے ہیں۔ ایسے مکتب اور مدرسے، جہاں بچوں کو کھلونوں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کا مقصد اور ان کی غرض و غایت صرف اتنی ہے کہ بچہ روحانی منزل کی خاطر قدم اٹھانے کے قابل اور اہل بن جائے۔ مذہب و دین نہ اصول شرع میں ہے، نہ ہی کسی عقیدہ میں ہے اور نہ ہی یہ کسی بحث یا ذہنی دلیل بازی میں پنہاں ہے مذہب تو جاننا اور سننا ہے اس کا مشاہدہ تو کیا جا سکتا ہے مناظرہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو انبھو ہے اور ذاتی علم و مشاہدہ ہے۔

ہم بھلے ہی دنیا کے سب سے بڑے عالم و فاضل بن جائیں، لیکن ممکن ہے کہ اس علم و دانش کے باوجود ہم خدا سے کوسوں دور رہیں اور ہمارے دل خدائی صداقت سے ناآشنا رہ جائیں۔ اور پھر یہ ہماری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ اعلیٰ ترین ذہنی تعلیم و تربیت نے بسا اوقات لا مذہبی انسان ہی پیدا کئے۔ مغربی تہذیب و تمدن کی خام کاریوں اور بدعتوں میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں ذہنی اور دماغی تعلیم تو دی جاتی ہے۔ لیکن قلب و روح پر دھیان ہی نہیں دیا جاتا۔ ایسی تعلیم سے انسان دس گناہ زیادہ خود غرض بن جاتے ہیں جب کبھی ذہن اور قلب میں ٹکراؤ اور کشمکش پیدا ہو تو ہمیشہ قلب و روح کا کہا مانیئے اور جس ڈگر پر وہ ڈالے، اس پر قدم بڑھائیے، ذہن کی پہنچ ان رفعتوں اور بلندیوں تک کہاں ہو سکتی ہے۔ جن تک قلب و روح کی پرواز ہے۔ قلب و روح، عقل و فہم سے بہت پرے، بہت اوپر نکل کر مشاہدہ، محبا ہذہ اور الہام کی دنیا تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ قلب و روح کے ذریعہ طہارت میں لگے رہیئے۔ کیونکہ خدا دل کے ذریعہ گفتگو کرتا ہے۔ اور قلب و روح کے ذریعہ ہمکلام ہوتا ہے۔ وہ شدید ترین جذبۂ عشق و محبت جس سے بنی آدم اور نوع انساں شاید ہی کبھی روشناس ہوئی ہو، مذہب کی ہی تخلیق و پیداوار تھا۔ امن و آشتی کے متعلق نفیس ترین الفاظ جب کبھی دنیا نے سنے، مذہب و دین کے پرستاروں کی زبانِ مبارک سے سنے۔

لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ دنیا نے اگر بدترین قسم کی ملامت خیز تلخ نوائی سنی تو مذہبی انسانوں سے سنی کیونکہ ہر مذہب و فرقہ نے اپنے ہی اصولوں پر زور دیا اور اس بات کو ہٹ دھرمی سے کہا کہ صرف ان کے اصول ہی درست اور صحیح ہیں۔ کئی ایک نے تو دوسروں کو ہم عقیدہ اور ہم مذہب بنانے کی خاطر تلواریں سونت لیں۔ اور خنجر ہاتھوں میں تھام لئے۔ کسی خباثت یا دماغی خرابی کی وجہ سے نہیں بلکہ انسانی دل و دماغ کے اس مرض کی وجہ سے جسے تشدد آمیز تعصب کہتے ہیں۔ لیکن اس جنگ و جدل، مذہبی فرقوں اور گروہوں کے تعصب اور حسد و عناد کے باوجود گاہے گاہے بے پناہ تاثیر رکھنے والی آوازیں امن و آشتی، اتحاد اور میل ملاپ کے لئے بلند ہوتی رہی ہیں۔

اور پھر وہ مبارک زمانہ آ پہونچا جب ایک شخص اس عالم رنگ و بو میں پیدا ہوا جو سب مذہبوں، سب فرقوں اور سب گروہوں اور سب انسانوں میں ایک ہی روح اور ایک ہی آتما کو جلوہ گرہ اور

حرکت پذیر دیکھے۔ سب میں ایک ہی ایشور کو کارفرما دیکھے جس کے لیے ہر فرد و بشر خدا کا تصور ہو جو دُکھیوں اور غریبوں کو دیکھے تو اس کا دل پگھل کر آنسوؤں کے ذریعہ بہنے لگ جائے جو کمزوروں اور ناتوانوں کو دیکھے تو ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ اُٹھے جو پسماندہ اور ٹھکرائے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر رونے لگ جائے۔ ایک ایسا انسان جو اس قدر ذی حِس اور نرم دل ہوتا ہوا بھی اِس بے پناہ، جگمگاتی، نُور افشاں فہم و فراست سے مالا مال تھا جو نہ صرف ہندوستان کے بلکہ ہندوستان کے باہر کے تمام متصادم اور مصروف کش مکش مذہبوں اور فرقوں میں رشتۂ یگانگت و رفاقت پیدا کر سکے، اور حیرت خیز اخوّت، عالمگیر مذہب کی داغ بیل ڈال سکے۔ ایسا انسان پیدا ہوا تھا۔ اور مجھے اس کے قدموں میں برسوں تک بیٹھنے کا فخر و اعزاز نصیب ہوا ہے۔ میں نے اپنے پیر و مُرشد اور ست گورو سے یہی حقیقت سیکھی کہ دنیا کے مذہبوں اور فرقوں میں تضاد و عناد نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب ایک ابدی مذہب کی مختلف صورتیں اور مختلف پہلو ہیں۔ پرم ہنس شری رام کرشن نے کبھی کسی کے خلاف ایک بھی تلخ و ترش لفظ اپنے مُنہ سے نہیں نکالا تھا۔ وہ اس قدر فراخ دل، بردبار اور متحمل اور شیریں مزاج تھے کہ ہر فرقہ اور ہر مذہب والے یہی سوچتے تھے کہ وہ اُن کے ہیں وہ ہر ایک سے ہمدرد محبت سے پیش آتے تھے۔ ان کے نزدیک تمام مذاہب سچّے اور درست تھے۔ اُن کی ساری زندگی ان دیواروں کو گرانے اور ہٹانے میں ہی بیت گئی جو دیواریں تنگ نظریوں اور رکیک اصولوں پر کھڑی کی گئی تھیں۔

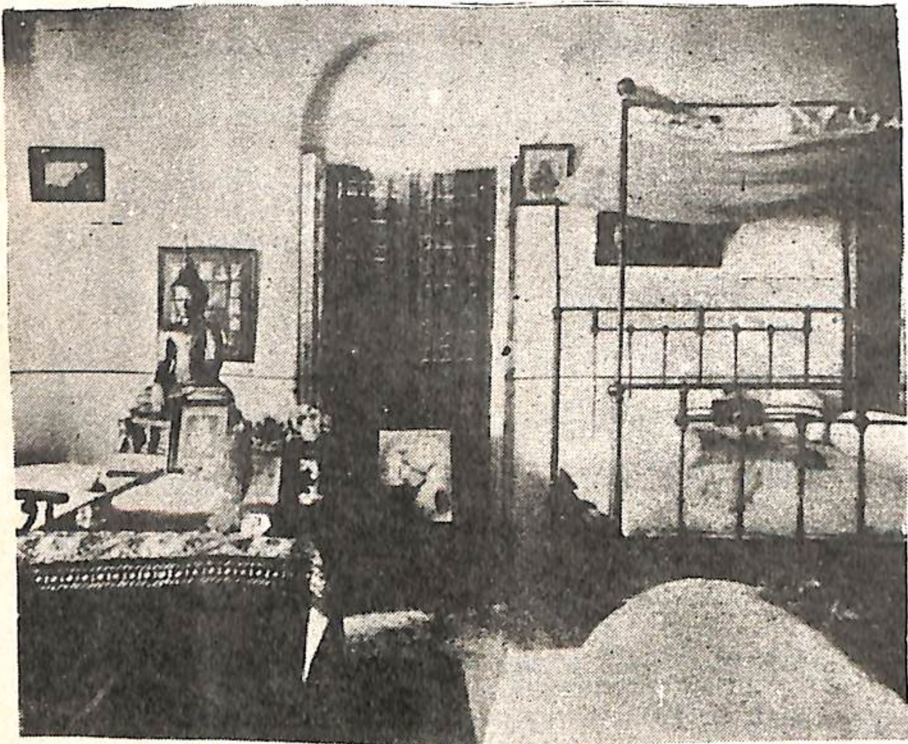
ہمارا مُدعائے حیات اور فکر و نظر قبول و رضا ہونا چاہیئے، اِنکار و محرومی نہیں۔ فقط رواداری اور بُردباری سے بات نہیں بنے گی۔ کیونکہ رواداری اکثر کفر و شرک ہوا کرتی ہے۔ رواداری اور بردباری کے معنی یہ ہیں کہ میں یہ بخوبی جانتا ہوں کہ آپ غلط ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں آپ کی غلط کاریوں سے چشم پوشی کروں گا۔ یہ کفر و تعصب نہیں تو کیا ہے کہ میں اور آپ، دونوں ایک دوسرے کو اس طرح گھٹے دل سے برداشت کریں۔ عہدِ ماضی میں جس قدر بھی مذاہب اور دین ہو چکے ہیں۔ میں ان کا حامی اور پرستار ہوں۔ میں ان میں سے ہر ایک کے ہم دوش اور ہم صف بیٹھ کر ایک پروردگارِ عالم کی پرستش و عبادت کرتا ہوں۔ .... قطع نظر اس بات کے، کہ ان کا طریقِ عبادت کیا ہے اور ان کا عقیدہ و ریاضت کیا ہے۔ مجھے مسلمانوں کی مسجد میں جانے سے انکار نہیں اور نہ عیسائیوں کے کلیسا میں جا کر صلیب اور سولی کے سامنے سجدہ ریز ہونے میں کوئی عار ہے۔ میں بودھ مندر میں جا کر بھگوان بدھ کی پناہ اور شرن میں جانے کو تیار ہوں اور جنگل و ویرانہ میں جا کر ایک ایسے ہندو کے ساتھ بیٹھ کر سمادھی لگانے کو بھی تیار ہوں جو اُس جیوتِ مطلقِ ایشور کے تیج اور نُور کو دیکھنے کی کوشش میں مگن ہے جو سبھی دلوں کو منوّر کرتا ہے اور سب کے باطنوں کو روشن کرتا ہے۔

تعلیم

لے

یہیں پر بس نہیں، میں مستقبل میں آنے والے تمام مذاہب اور عقائد کے لئے بھی کشادہ دلی، اور خندہ پیشانی رکھتا ہوں۔ کیا ربّی کتابیں ختم ہو گئی ہیں؟ کیا اس خدا کا سرچشمہ فیض و صداقت سوکھ گیا ہے؟ یا اس کے اسرار مخفی افشا ہونے کا عمل پیہم جاری و ساری ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ خدائی رازوں سے بڑھ کر اور کوئی کتاب نہیں۔ دنیا کے رُوحانی اسرار و رموز کے انکشاف کی یہ کتاب لاثانی ہے۔ بائیبل، وید، قرآن اور دوسری مقدس کتابیں کیا ہیں؟ اسی مقدس کتاب کے چند ورق ہیں، نہ جانے کہ اس کتاب کے کتنے اور ورق اور صفحات ابھی اور نازل ہونگے اور ہمارے اُوپر کیا کیا اسرار و رموز افشا کریں گے۔ آیئے ہم تمام تر صدق دل سے ماضی کے مُقدّس مذاہب کے لئے اظہار تشکر کرتے ہوئے عہدِ حاضر کی رُوحانی روشنی سے پُورا پُورا لُطف و سرُور حاصل کریں اور اپنے دل کے کواڑوں اور کھڑکیوں کو مستقبل میں طلوع و نمودار ہونے والے مذاہب و عقائد کے لئے کھُلا رکھیں۔ آیئے ہم دلی احترام کے ساتھ ان سب پیغمبروں نبیوں اور برہم رشیوں کے آگے سجدہ کریں، جو عہد رفتہ میں ہو چکے ہیں، عصرِ حاضر میں موجود ہیں اور مستقبل میں آنے والے ہیں۔



بیلور مٹھ کا وُہ کمرہ جہاں سوامی وویکانند رہتے تھے

مقاصد اور اسباب

سب سے بڑا سبق جو میں نے اپنی زندگی میں پڑھا ہے وہ یہ ہے کہ جس قدر اہمیت اور توجہ مقصد و مُدعا پر دی جائے۔ اُسی قدر توجہ اور اہمیت اس کے اسباب اور ذرائع کو دی جانی چاہیئے۔ جس سے میں نے یہ سبق سیکھا وہ ایک مہاپُرش تھے۔ اور ان کی زندگی اسی عظیم اُصول کی جیتی جاگتی مثال تھی۔ میں نے اِسی ایک اصول کی بدولت بہت سی عمدہ باتیں سیکھی ہیں اور یوں لگتا ہے کہ میری تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کا راز اسی اصول میں پنہاں ہے۔ اور وہ اُصول یہی ہے کہ اسباب اور ذرائع پر اتنی ہی توجہ دی جائے، جس قدر مقصد و مُدّعا کو دی جاتی ہے۔

ہماری زندگی کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ہم نصب العین کے متعلق اس قدر مگن اور سرشار ہو جاتے ہیں۔ مقصد و مُدعا ہمارے دِلوں پر اور ہمارے ذہن و فکر کے اُفق پر اس قدر محیط ہو جاتا ہے اس کی تفصیلات اور اسباب ہماری آنکھوں سے بالکل اوجھل رہ جاتے ہیں۔

کبھی ناکامی دیکھنی پڑے یا رُسوائی و حزیمت اُٹھانی پڑے، اور ہم دقیقہ شناس بن کر اسبابِ ناکامی کا تجزیہ کریں تو نوّے فی صدی حالتوں میں ہم دیکھیں گے کہ وجہِ ناکامی یہ تھی کہ ہم نے حصولِ مقصد کے اسباب و ذرائع پر پر توجہ نہ دی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان اسباب اور ذرائع کو پختہ و مضبوط بنائیں۔ اُنھیں شائستگی اور توجہ دیں۔ تکمیلی اسباب درست ہوں تو مُدعا اور مقصد لازمی طور پر پُورا ہو گا۔ ہم بھُول گئے ہیں کہ یہ علت ہے جو معلول و اثر پیدا کرتی ہے۔ معلول اور نتیجہ خود بخود پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب تک علتیں اور اسباب درست، موزوں اور مضبوط و کافی نہیں ہوں گے، نہ مُدعا پورا ہوگا۔ نہ ہمارے دل گوہرِ مقصود کو حاصل کر سکیں گے آیجیا۔

مقصد و مُدعا کا انتخاب کرلو اور اس کے اسبابِ حصول کا فیصلہ کرلو، پھر چاہے مقصد و مدّعا فراموش ہی ہو جائے کیونکہ یہ ایک امرِ مسلّمہ ہے کہ اگر اسباب بے عیب اور تمام و کمال ہیں تو مُدعا پورا ہو کر رہے گا۔ علّت ٹھیک ہو تو معلول کے متعلق شک و شبہ یا مشکل و دقّت کیوں ہو گی وہ تو خود بخود لازمی طور پر پیدا ہو کر رہے گا۔ ہم اگر علّت اور اسباب پر دھیان دیں گے تو نتیجہ اور معلول خود بخود اپنی فکر کرلے گا۔ نصب العین کا حصُول اسباب پر انحصار رکھتا ہے۔ ذرائع ہی مقاصد ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسباب و ذرائع پر زیادہ توجہ دی جانی چاہیئے اِسی میں زندگی کا راز پنہاں ہے۔ گیتا میں اسی راز اور بھید کو کھُول کر سمجھایا گیا ہے۔ گیتا کہتی ہے ہمیں کام کرنا ہو گا۔ مُسلسل کام پُوری طاقت سے، پوری یکسوئی سے، بلا لحاظ اس بات کے کہ کام کی نوعیت کیا ہے۔ ہمیں کرم کرنا ہی ہو گا۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم کام میں کبھی نہ پھنسیں۔ کیونکہ لگاؤ اور تعلق بندھن ہے میرا مطلب یہ ہے کہ جب ہم کوئی کام کر رہے ہوں تو اس قدر یکسوئی قلب سے کریں کہ ہماری توجہ اِدھر اُدھر کہیں نہ جانے پائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہماری دلی کیفیت یہ ہونی چاہیئے کہ ہم جب چاہیں اس کام سے دستکش ہو سکیں۔

ہم اگر اپنی زندگیوں کو ٹٹولیں تو دیکھیں گے کہ ہمارے رنج و کرب کی وجہ یہ تھی کہ ہم نے ایک کام میں خُون پسینہ ایک کر دیا۔ لیکن جب نتیجہ ناکامی اور نامرادی نکلا تو ہم اس کام کو ترک بھی نہ کر سکے۔ حالانکہ ہم یہ جانتے ہوتے ہیں کہ یہ ہمارے لیئے وجہ کوفت اور باعثِ نقصان بنا ہے۔ ہم اگر کنارہ کش نہ ہوئے تو اس سے اور آفتیں نازل ہوں گی لیکن پھر بھی ہم اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ بھنورا شہد بھرا رس چُوسنے کی غرض و غائت سے آیا تھا۔ لیکن یہاں آ کر وہ خود اسیر بنکر رہ گیا۔ اور اسیر بھی ایسا کہ کہیں اُٹھ کر جانے کی ہمت و سکت باقی نہ رہی۔ بار بار ہم اپنے آپ کو اس صُورتِ حالات میں پھنسا ہوا پاتے ہیں۔ یہی اس عالمِ ہستی کا رازِ حقیقی ہے۔ ہم اس جہانِ رنگ و بُو میں کیوں وارد ہوئے۔ ہم یہاں پھُولوں کی مہک اور ان کے رس لُوٹنے کے لیئے آئے تھے، لیکن اب اپنے پیروں کو بیڑیوں، ہاتھوں کو ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھ رہے ہیں ہم کسی کو پکڑنے اور قید کرنے آئے تھے مگر اُلٹے خود ہی اسیرِ غلام بن کر رہ گئے۔ ہم دوسروں سے سرشاریاں اور سرمستیاں حاصل کرنے آئے تھے۔ لیکن یہاں دوسروں نے ہم سے سرور و کیف لُوٹنا شروع کر دیا۔ ہم یہاں دوسروں پر حکومت کرنے آئے تھے۔ لیکن یہاں دوسروں کے مطیع بن کر رہ گئے۔ ہم یہاں دوسروں سے کام کروانے آئے تھے لیکن دوسروں نے ہمیں بیگار میں پکڑ لیا۔ ہمیشہ سے ازل سے ہی ہمارے ساتھ یہی کچھ ہوتا آ رہا ہے۔ اور یہ سب باتیں ہماری زندگیوں میں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ہم لگاتار اور مُسلسل

دوسروں کے اشارے پر رقص کرتے ہوئے کام کررہے ہیں۔ اور ہر وقت دوسروں کے دلوں کے تابع و ماتحت رہتے ہیں۔ ہم نے سوچا تھا کہ دُنیا کی نعمتوں اور خوشیوں کو جی بھر لُوٹیں گے لیکن ان خوشیوں اور نعمتوں نے ہماری رگ رگ سے خُون نچوڑلیا۔ ہمارے شوق و طلب کا ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ قدرت کے ہر راز اور خزانہ کو اپنی باہنوں میں سمیٹ لینا چاہتے تھے۔ لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ ہم خود نظام قدرت کے ہاتھوں لُٹ کر رہ گئے۔ اور خانماں برباد ہوگئے۔ اس نظام ہفت رنگ و بُو نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا ہر خوشی ہم سے نوچ لی۔ اور ہر مزہ ہم سے چھین لیا اور حالت یہاں تک جا پہنچی کہ ہمیں لوٹ کر ننگا کرکے پَرے پھینک دیا۔

ہماری مصیبت اور بدنصیبی کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم دام اُلفت کے اسیر ہیں اور موہ مایا اور ممتا میں جکڑے ہوئے ہیں جنھیں اپنی گرفت میں لینے کے لیئے آئے تھے، اُن کے اسیر و غلام بن کر رہ گئے۔ اسی لئے تو گیتا کہتی ہے: مسلسل کام کرتے جاؤ۔ نرنتر کرم کرتے جاؤ۔ اور تعلق اور دل بستگی کی زنجیروں کے قیدی نہ بنو۔ اپنے آپ کو سب سے کنارہ کش کرنے کے اور سب سے ترکِ اُلفت کرنے کی قوت کو اپنے آپ میں بچا کر محفوظ رکھو اور کوئی شئے کتنی ہی عزیز و محبوب کیوں نہ ہو۔ اس کے لئے ہمارا دل کتنا ہی بے تاب اور بے قرار ہو کر کیوں نہ مچل مچل جائے۔ اس سے جُدا اور دُور ہونے سے کتنا ہی رنج و عذاب اور درد و کرب کیوں نہ ہو لیکن جب چاہیں اس سے دامن جھاڑ کر، اُس کی اُلفت سے مُنہ موڑ کر، اُس سے رشتۂ محبت توڑ کر آگے بڑھ جائیں۔

اِس زندگی میں یا دوسری کسی زندگی میں، غریب کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ کمزوری کی وجہ سے ہی غلامی اور اسیری جنم لیتی ہے۔ کمزوری سے ہی جسمانی اور ذہنی تمام قسم کی آفتیں اور مصیبتیں پیدا ہوتی ہیں۔ کمزوری موت ہے۔ لاکھوں کروڑوں جراثیم ہمارے اِردگرد پھیلے ہوئے ہیں لیکن یہ اس وقت ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، جب تک کہ ہم خود کمزور و لاغر نہ ہو جائیں۔ اور ہمارا بیمار و مریض جسم اُن کا خیر مقدم کرنے کے لیئے آمادہ و تیار نہ ہو۔ عذاب و آلام کے لکھو کھا اور کروڑہا جراثیم ہمارے اِردگرد ہوا میں تیر رہے ہوں، ہمیں کیا؟ اُن کی پرواہ نہ کرو۔ ان میں اتنی ہمت و جراٗت ہی کہاں؟ کہ ہمیں چھُو سکیں! اُن میں اتنی تاب کہاں کہ ہمیں ہاتھ تک لگا سکیں؟ ہم پر وہ غلبہ اُسی وقت پائیں گے جب ہمارے ذہن و فکر میں کمزوری ہوگی اور بے ہمتی آئے گی۔ اس پند سُودمند کو ہمیشہ یاد رکھیئے۔ طاقت و ہمت ہی زندگی ہے۔ کمزوری اور ناتوانی مُوت ہے طاقت و ہمت ہی سرشاری اور مستی ہے۔ یہی ابدی اور ازلی زندگی ہے یہ غیر فانی ہے۔ یہ حیاتِ جاوداں ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں کمزوری اور بے ہمتی ایک پیہم عذاب، ایک مسلسل آفت، ایک نہ مٹنے والی مصیبت ہے۔ کمزوری ہلاکت ہے۔

اِس وقت ہماری سب خوشیوں اور مسرّتوں کا سرچشمہ تعلق اور اُلفت ہے۔ ہمیں دوستوں سے خوشی ملتی ہے۔ اِس لئے ہم اُن سے وابستہ ہیں اور اُن کی محبت و اُلفت کے اسیر ہیں۔ ہمیں رشتہ داروں اور عزیزوں سے مسرّت ملتی ہے۔ کیونکہ ہم ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہیں۔ ہمیں اگر اپنے ذہنی اور رُوحانی کاموں سے مسرّت اور شادمانی ملتی ہے تو اِس لئے ہم ان میں اپنا مَن لگا بیٹھتے ہیں۔ ہم بیرونی چیزوں سے اپنی وابستگی دل بستگی اور محبت کی وجہ سے ہی فرحت و راحت حاصل کرتے ہیں۔ جائے حیرت ہے کہ پھر یہ رنج و عذاب، یہ ذلّت و خواری یہ خستہ حالی اور بدنصیبی کہاں سے آٹپکتی ہے؟ اسی تعلق سے، اسی اُلفت سے، اسی اُنس و پیار سے۔ ہم اپنے دامن کو اگر سچّی مسرّت و شادمانی سے بھرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے آپ کو ان کے دامِ اُلفت سے آزاد کرانا ہوگا۔ اور اُن سے بے نیاز اور لاتعلق ہونا ہوگا۔ اگر ہم میں یہ ہمت و قوت آجائے گی کہ ہم جب چاہیں اُن سے دست کش ہوجائیں تو پھر نہ کوئی رنج و عذاب ہوگا نہ ذلّت و خواری۔ وہی اِنسان قدرت کی رحمتوں اور برکتوں سے سب سے زیادہ شادکام اور لطف اندوز ہوسکتا ہے جو یہ قدرت رکھتا ہو کہ جب چاہے جی جان کے ساتھ کس بات سے جُڑ جائے۔ اور جب چاہے دامن جھاڑ اس سے بے تعلق اور بے نیاز ہوجائے۔ چاہیئے تو یہ کہ اُنس و پیار، اُلفت و محبت کی شہرت بھی اُسی قدر ہونا چاہیئے جس قدر بے تعلقی اور کنارہ کشی کی۔ ممتا اور محبت اتنی ہی تیز ہونی چاہیئے جتنی بیگانگی اور بے نیازی۔ اِس عالمِ رنگ و بُو میں ایسے انسان بھی ہیں جو کسی کے دامِ اُلفت کے اسیر نہیں وہ کبھی کسی کو پیار نہیں کرسکتے۔ یہ سنگ دل، بے نیاز، اور لاپرواہوتے ہیں۔ اور حیات و بقا کی اکثر و بیشتر آفتوں اور عذابوں سے بے نیاز رہتے ہیں لیکن ایک پتھر کی دیوار بھی تو تمام دُکھوں اور آفتوں سے بے نیاز ہوتی ہے وہ کسی کو محبت بھی نہیں کرتی کسی کو رنج و عذاب بھی نہیں دیتی۔ لیکن ہے تو بالآخر پتھر کی بے حس دیوار! میں یہ نہیں کہتا کہ تم پتھر کی دیوار بن جاؤ۔ ہرگز نہیں۔ ایسی دیوار بننے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم پیار و محبت کریں۔ اور کسی کے اسیر بن جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایسا انسان جو کبھی کسی کو محبت نہیں کرتا جو پتھر کی طرح سخت اور بے حس ہے، جو زندگی کے دُکھوں اور عذابوں سے بچا ہوا ہے۔ قدرتی طور پر زندگی کی مسرتوں اور راحتوں سے بھی بے فیض اور محروم رہ جاتا ہے۔ ہم ایسا نہیں بننا چاہتے۔ یہ تو کمزوری اور ناتوانی ہے۔ موت اور قضا ہے۔ جس رُوح نے کبھی کمزوری چکھی نہیں، اس میں کمزوری کہاں سے آئے گی، وہ دُکھ اور عذاب کب محسوس کرسکتی ہے یہ عالم تو بے دردی، بے حسی اور سنگدلی کا عالم ہے۔ ہمیں اِس سے کیا سروکار؟

ہم آرزومند ہیں کہ ہمارے دل بے مثال اور عظیم ترین قوت رکھنے والی محبت سے سرشار اور شادکام ہوجائیں۔ پیار اور اُنس اور دولتِ الطاف و کرم سے مالا مال ہوجائیں۔ ہمیں وہ یکسوئی محبت عطا ہوجائے

کہ ہم جب چاہیں اپنی رُوح کو ایک واحد شے پراس قدر مرکوز کردیں کہ ہمیں اپنی سُدھ بدھ تک نہ رہے۔ ہم آپنے آپ میں سما جائیں اور ایک ایسے عالم فنا میں پہنچ جائیں جہاں ہمارا مَن مٹ جائے۔ ہم دوسروں کی خاطر مَرمٹیں۔ کاش ہمارا دامنِ دل فرشتوں اور دیوتاؤں کی سی شفقت اور طاقت کو پاسکے بلکہ ہم محبت و اُلفت میں فرشتوں اور دیوتاؤں سے بھی کہیں آگے نکل جائیں۔ مردِ کامل تو وہی ہے جو محبت کی ساری کائنات کو اپنی رُوح میں گھول کر دوسروں سے پیار کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ سب سے بے تعلق بے لوث اور بے نیاز ہوتا ہے۔ یہ قدرت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ سمجھنے کی بات تو یہی ہے۔

بھکاری کبھی مسرُور و شادکام نہیں ہوتا۔ جھولی اور دامن پھیلا کر بھکاری دوسروں سے خیرات اور بخشش مانگتا ہے لیکن یہ خیرات، در بخشش کبھی ہمدردی اور رحم دلی سے ملتی ہے تو کبھی حقارت ونفرت کے ساتھ۔ یہ نہ ہو تو کم از کم یہ خیال تو ضرور کارفرما ہوتا ہے کہ بھکاری حقیر و ذلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھکاری کو جو کچھ نصیب ہوتا ہے، جو کچھ اس کے کشکول میں پڑتا ہے، اس سے وہ سرشار اور شادکام نہیں ہوسکتا۔

ہم سب بھکاری ہیں ہمارے ہر ایک قول وفعل میں صلہ اور عوضانہ کی طلب چھپی ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں فائدہ اور نفع کی خاطر کرتے ہیں۔ ہم سب تاجر ہیں، زندگیوں اور جانوں کے بیوپاری، حسن وسیرت اور نیکی واخلاق کے بیوپاری۔ دین وایمان کے بیوپاری، مذہب اور دھرم کے بیوپاری۔ یہیں پر بس نہیں۔ جائے افسوس یہ ہے کہ ہم محبت و اُلفت کے بھی بیوپاری ہیں۔ حالانکہ محبت تجارت نہیں، یہ جنس، سودا بازی کی جنس نہیں۔ محبت لوٹتی نہیں، لُٹاتی ہے۔ لیتی نہیں، دیتی ہے۔ قرار محبت کا حصہ ہے، تسکین اس کی دولت ہے، اعتماد اس کا سرمایہ ہے۔ لیکن تجارت میں یہ سرشاریاں کہاں؟

اور اگر ہم اسے تجارت سمجھ لیں۔ لین دین کا ہی معاملہ ہے۔ طلب وقیمت کا ہی رشتہ ہے، خرید کا ہی قصہ ہے تو پھر دستورِ تجارت پر ہی عمل کیجئے۔ اور خرید و فروخت کے اُصولوں کو مشعلِ ہدایت بنائیے۔ تجارت میں اچھے دن بھی آتے ہیں، اور بُرے بھی۔ قیمتوں میں اُتار چڑھاؤ بھی آتا ہے، بلکہ ہر تاجر کو ہر وقت یہ اندیشہ دامن گیر رہتا ہے کہ نہ جانے کب مندہ آجائے۔ تجارت کیا ہے؟ آئینہ میں اپنا مُنہ دیکھنا۔ آئینہ میں آپ کی ہی صُورت کا عکس نظر آتا ہے۔ آپ مُنہ بنائیں گے تو آئینہ مُنہ بنائے گا۔ آپ تیور چڑھائیں گے تو آئینہ تیور چڑھائے گا۔ آپ ہنسیں گے تو آئینہ ہنسے گا۔ آپ روئیں گے تو آئینہ روئے گا۔ یہ سودا بازی نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک ہاتھ دیتے ہیں، دوسرے ہاتھ لیتے ہیں ایک ہاتھ بیچتے ہیں، دوسرے ہاتھ خریدتے ہیں!!!

تعلیم صفحہ 40

کبھی سوچا آپ نے کہ ہم کیوں پھنس جاتے ہیں، کیوں اسیر و غلام بن جاتے ہیں؟ اس وجہ سے نہیں کہ ہم کیا دیتے ہیں، بلکہ اس وجہ سے ہم کیا طلب کرتے ہیں۔ ہمیں محبت کے بدلہ میں بھی نامرادی اور وفا کے بدلے جفا ملتی ہے۔ اِس لیئے ہی کہ ہم نے محبت کی بلکہ اس لیئے کہ ہم نے محبت کی آڑ میں سودا بازی کی تجارت کی۔ ہم نے محبت دے کر اس کا عوضانہ لینا چاہا لیکن جہاں طلب اور آرزو ہی نہیں۔ وہاں رنج و عذاب کہاں آئے گا۔ کرب و درد کہاں ہوگا۔ محرومی اور نامرادی کہاں سے آئے گی؟ یہ اُمید و آرزو ہی سب دُکھوں اور سب مصیبتوں کی ماں ہے۔ ہر طلب، اُمید کامیابی اور ناکامی کے آئین و قانون کی پابند ہے۔ ہر آرزو ایک آفت لاتی ہے۔ ہر طلب ایک مصیبت سہیڑتی ہے۔ ہر اُمید ایک نامرادی کو دعوت دیتی ہے۔

ظاہر ہے کہ سچی راحت اور حقیقی مسرت کا راز اس بات میں ہے کہ انسان کچھ دے تو اس کا عوضانہ طلب نہ کرے۔ امر واقع یہ ہے کہ مکمّل طور پر بے غرض انسان ہی سب سے زیادہ مسرور و سرشار ہوتا ہے اور اس کی زندگی کامیابیوں اور کامرانیوں سے، راحتوں اور مسرتوں سے جڑی ہوتی ہے۔

بظاہر یہ بات خلاف قیاس اور بعید از عقل واقع نظر آتی ہے۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ سادہ لوح اور بے غرض انسانوں کو دھوکا دیا گیا۔ اُنہیں نقصان پہنچایا گیا؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے بھگوان بدُھ بے غرض اور بے لوث تھے لیکن اُنہیں مار ڈالا گیا۔ سقراط بے غرض اور بے لوث تھا اُسے زہر کا پیالہ پلادیا گیا۔ حضرت عیسٰی بے غرض اور بے لوث تھے لیکن اُنہیں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ دُرست ہے۔ اور بجا ہے۔ لیکن ہمیں یہ بات ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ اُن کی بے غرضی بے نیازی اور ترشکا متا تھی۔ جس کے صدقے جس کے طفیل انہیں اس قدر عظیم الشان کامیابی ملی کہ لاکھوں اور کروڑوں زندگیوں کو سچی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اور ان کے دامنوں کو خوشیوں اور حقیقی مسرتوں سے بھر دیا۔

دامنِ اُمید نہ پھیلاؤ، دستِ سوال دراز نہ کرو۔ عوض اور بدلہ نہ مانگو۔ جو کچھ دے سکتے ہو، دے دو جو کچھ لُٹا سکتے ہو، لُٹا دو۔ جو دوگے، لوٹ کر آپ تک آئے گا۔ جو لُٹاؤ گے آپ کو پھر واپس مل جائے گا۔ لیکن معاوضہ اور بدلہ کی ہر آرزو کی اور ہر اُمید کی مسرت دل سے نکال دو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ دوگے۔ ہزار گُنا ہو کر تمہیں واپس ملے گا۔ لیکن سردست اس کا خواب و خیال بھی دل سے نکال دو۔ تمہیں دینے کی توفیق حاصل ہے تو دو۔ تمہارا کام دینا ہی تھا، سو ختم ہوا۔ آگے کی مالک جانے۔ سیکھنی ہے تو یہ بات سیکھو کہ یہ ساری زندگی دینے کے لیئے ہے۔ آپ نہ دینگے تو نظام قدرت آپ کو دینے پر مجبور کر دے گا۔ پھر کیوں نہیں رضامندی اور خوشی سے دیتے۔ جلد یا بدیر تمہیں سب کچھ دینا ہی پڑے گا۔

کتنی حسرت ناک ہے۔ زندگی تمہاری۔ تم دُنیا میں آئے تو سمجھ بیٹھے کہ ہم جوڑنے کے لیئے آئے ہیں۔ تم

دونوں مُٹھیاں بھر کر اس دُنیا سے جانا چاہتے ہو۔ لیکن قدرت تمہارے گلے پر قضا کا ہاتھ رکھ دیتی ہے اور تمہاری کی مٹھیاں کھلوا دیتی ہے۔ یہاں تمہاری مرضی اور تسلیم و رضا کا سوال ہی نہیں۔ تمہارا دل مانے یا نہ، تمہیں دینا ہی پڑے گا۔ جوں ہی تم نے کہا کہ مَیں نہیں دوں گا "قہر و قضا کا مُکّا تمہاری گردن پر پڑ جائے گا۔ کس میں تاب و طاقت ہے کہ اس قاعدے اور قانون سے بچ سکے۔ بالآخر تمہیں سب کچھ دینا پڑے گا اور دُنیا سے خالی ہاتھ جانا پڑے گا۔ جتنا کوئی اس دستورِ فطرت اور آیئنِ قدرت کے خلاف جدوجہد کرتا ہے، اتنا ہی رُسوا و ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ ہماری شامتِ اعمال، کلفت و ہلاکت کی وجہ یہی ہے کہ ہم دینے کی سعادت حاصل نہیں کرتے ہم قدرت کے اس عظیم دستور اور فطرت کے اس بنیادی تقاضے کو تسلیم اور قبول نہیں کرتے۔

دیکھتے نہیں کہ سارا نظامِ قدرت لینے اور دینے کے دستور ہی کا پابند ہے۔ سُورج کو ہی دیکھو یہ اپنی شعاؤں سے پانی کے بخارات بنا کر کھینچ لیتا ہے لیکن اس کے عوض ابرِ رحمت برساتا ہے، ندیوں، نالوں اور دریاؤں کو دیکھو، دیوانہ وار اپنا پانی سمندر کی آغوش میں پھینکنے کے لیے رواں دواں بہتے چلے جا رہے ہیں لیکن کیا دینے سے اُن کا دامن خالی ہو جاتا ہے؟ نہیں؛ قدرت کے ہاتھ اُن کے دامنوں کو پانی کی نئی روانیوں اور جولانیوں سے سرشار کرتے چلے جاتے ہیں۔ کسی نے راہِ اخراج کو بند کیا نہیں۔ کہ ہلاکت و قضا آئی نہیں۔ جس کمرے میں تم بیٹھے ہو۔ اُسے لے لیجئے۔ اُس کے اندر جو ہوا بھری ہوئی ہے۔ جتنی جلدی سے اسے باہر خارج کروگے۔ اتنی جلدی تر و تازہ ہوا اندر آئے گی لیکن اگر تم نے اس کمرے کی تمام دروازوں اور کھڑکیوں کو بند کر دیا اور تازہ ہوا کے اندر آنے کی سب راہیں بند کر دیں اور جو ہوا اندر ہے اُسے اندر ہی قید و بند کر دیا تو اس ہوا میں جمود، سڑانڈ اور بُو پیدا ہو جائے گی اور یہ زہر آلود بن کر رہ جائے گی۔

اِس لیے میں کہتا ہوں کہ بھکاری نہ بنو۔ داتا بنو۔ بے نیاز اور نشکام۔ لیکن یہ کام آسان نہیں۔ جان جوکھم کا کام ہے۔ بہت کٹھن۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس راہ پر چلتے ہوئے کس قدم پر کس خطرہ و دُشواری کا مُنہ دیکھنا پڑے۔ اور اگر ہم ذہنی طور پر ان خطروں اور دُشواریوں کے لیے تیار بھی ہو جائیں تو اس سے کیا ہوگا؟ ان کی وارفتگی اور شدّت کا مزا تو ان میں سے گزرنے پر ہی ہوگا۔ انگاروں کی طرح تپتے ہوئے ریگ زاروں کے خالی تصوّر سے آبلہ پائی کی لذتوں سے شناسا کیونکر ہوا جا سکتا ہے صحنِ چمن کو ہی لے لو۔ باہر کھڑے ہو کر ہم اس کی وسعت کا اندازہ بھلے ہی لگا لیں۔ لیکن اس کی عطر بیز ہواؤں اور مہکتی فضاؤں کا لطف و سُرور تو اندر جانے سے ہی نصیبِ خاطر ہوگا۔

ہمیں اس بات کا کیا رنج و غم کہ ہماری ہر کوشش ناکام گئی اور ہر سعی، سعیِ لاحاصل ثابت ہوئی

کیا ہوا جو ہمارے پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور ان چھالوں اور آبلوں سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ معراجِ زندگی تو اِس بات میں ہے کہ ہم ان آفتوں، کلفتوں، عذابوں اور مشکلوں میں بھی خندہ زن رہیں اور اپنے صدق و ایما کا ثبوت دیں۔

نظامِ قدرت تو ہمیں ردِ عمل، جوابی کاروائی کرنا سکھاتا ہے۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ اور کفر و فریب کا جواب کفر و فریب سے دو۔ جعل سازی اور دھوکہ بازی کا جواب جعل سازی اور دھوکہ بازی سے دو۔ یہی نہیں، دستور تو یہ ہے کہ جوابی حملہ پوری شدّت سے کرو۔ کیا پھر اس ردِ عمل کو روکنا، جوابی حملہ نہ کرنا کہیں زیادہ برتر، اعلیٰ اور خدا داد طاقت کا تقاضا نہیں کرتا۔ اپنے آپ پر ضبط رکھنا اور بے نیاز و لا پروا رہنا، سچ مچ غیر معمولی اور خداداد صفت اور وصف ہے۔

میں مشکلوں کو جانتا ہوں یہ ہیبت ناک اور دل ہلا دینے والی ہیں۔ ہم میں نوّے فی صدی انسان انہیں دیکھ کر ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور جی چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اکثر اور بیشتر حالتوں میں نراشا وادی اور مایوس ہو جاتے ہیں۔ اور خلوص و محبت پر اور اعلیٰ اخلاقی قدروں پر اعتبار کرنا چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ کئی بار ہم نے ایسے انسان بھی دیکھے ہیں جو زندگی کی ابتدا میں رحم دل، سادہ لوح، بے ریا اور مہر و محبت کے پیکر ہوا کرتے تھے۔ لیکن عہدِ پیری میں صرف انسانی جامہ پہننے کے سزاوار بن کر رہ گئے۔ ان کے دِلوں میں فساد اور ان کی نیتوں میں فتور بھر جاتا ہے۔ ان کی تمازت خون سرد پڑ جاتی ہے۔ اور حرارتِ زندگی ماند پڑ جاتی ہے۔ حتےٰ کہ وہ بہت کم بول چال کرتے ہیں۔ لیکن اس خاموشی سے بولنا کہیں اچھا ہوتا ہے۔ لیکن وہ کیا کریں؟ ان کے دل ہی مُردہ ہو جاتے ہیں۔ تب وہ بولیں بھی تو کیسے بولیں؟ نہ وہ کسی پر غصّہ ہوتے ہیں اور نہ کسی کی لعنت و پھٹکار کرتے ہیں۔ مجھ سے پوچھیئے تو میں کہوں گا۔ کہ وہ اگر غصہ کریں تو بہت بہتر ہے اِس خاموشی سے۔ اُن کا غصّہ سے بولنا، دوسروں کو لعن طعن کرنا، ہزار ہا گنا اچھا۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ موت ان کے دلوں میں جانگزیں ہو چکی ہے۔ قضا کے سرد ہاتھوں نے اُن کی رُوح کو دبوچ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اَب ان میں حس و حرکت نہیں۔ حتیٰ کہ وہ نہ لعن طعن کر سکتے ہیں اور نہ زبان سے میٹھا تو کیا کڑوا لفظ بھی ادا نہیں کر سکتے۔

ہمیں اِن سب باتوں سے بچنا ہو گا، اسی لیئے تو میں کہتا ہوں کہ ہمیں برتر، اعلیٰ اور خداداد قوت کی ضرورت ہے۔ غیر معمولی انسانی طاقت کافی و وافی نہیں۔ اعلیٰ خدائی قوّت ہی درکار ہے اور صرف اسی کے حصول میں راہِ نجات مضمر ہے۔ ہم اس قوت کے بل بوتے پر ہی ان بھول بھلیوں میں سے گذر سکیں گے یا آفتوں اور عذابوں کی بارش کا سامنا کر سکیں گے۔ اور ان سب شعلوں اور انگاروں سے بے رنج اور بے داغ نکل سکیں گے خواہ ہمیں پرزہ پرزہ کر دیا جائے۔ خواہ ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ ہماری تکّا بوٹی کر دی

جائے لیکن ہمارے دل مسلسل اور پیہم نیک و پاک بنتے چلے جائیں۔ ایسا کرنا بہت دشوار ہے لیکن مسلسل مشق اور پیہم مہارت سے ہم اس دشواری اور مشکل کو آسان بنا سکتے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں یہ گر سیکھنا ہو گا کہ کوئی بھی ہمارا اُس وقت تک کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا، تاوقتیکہ ہم زودحس نہ ہوں۔ میں ابھی ابھی کہہ چکا ہوں کہ کوئی بیماری مجھے اس وقت تک نہیں لگ سکتی۔ جب تک میرا جسم اس کے لئے تیار اور آمادہ نہ ہو۔ بیماری محض جراثیم کی وجہ سے ہی نہیں لگتی۔ اس کی ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ جسم میں پہلے سے ہی اس بیماری کو اثر قبول کرنے کی حالت پیدا ہو چکی ہو ہمیں وہی کچھ نصیب ہوتا ہے جس کے ہم اہل ہوتے ہیں۔ آیئے ہم گھمنڈ اور تکبر کو بالائے طاق رکھ کر اس حقیقت کو اپنے پلے باندھ لیں کہ ہمیں کوئی رنج و عذاب بے سبب اور ناحق نہیں ملتا۔ کوئی مشکل اور دشواری ہمیں ایسی نہیں ملتی، جس کے لئے ہم سزاوار نہ ہوں۔ کوئی کلفت ایسی آتی جس کے لئے ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے راہیں استوار نہ کی ہوں۔ یہ راز ہمیں اچھی طرح سے جان لینا چاہیئے۔ اپنے آپ اور اپنے گرد و پیش کی چھان بین کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ جو صدمہ ہم کو سہنا پڑا، جو زخم ہم کو کھانا پڑا۔ ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے لئے راہیں استوار کی تھیں۔ آدھا کام ہم نے کیا، باقی کا آدھا دُنیا نے کر دیا۔ ہر دُکھ اس طرح بنا، ہر آفت نے اسی طرح جنم لیا، ہر عذاب اِسی طرح وجود میں آیا۔

اِس تجزیہ سے ہمیں سکون و قرار ملے گا۔ اُمید و حوصلہ کا پیغام ملے گا۔ مجھے باہر کی دُنیا پر کوئی اختیار نہیں لیکن جو کچھ میرے اندر ہے، میرے نزدیک ہے، میری دُنیا میں ہے۔ میری دُنیا میں بساط اور میری ہمت میں ہے اس پر تو مجھے اختیار حاصل ہے۔ چونکہ میری ہر ناکامی دو نوں وجوہات سے وجود میں آتی ہے۔ اور ہر صدمہ کے پیچھے یہ دونوں پیغام فرما ہوتی ہیں۔ اِس لئے میں ہر ناکامی پر آفت، اور ہر صدمہ کی پیش بندی کے لئے اپنا حصہ نہیں ڈالوں گا۔ اگر میں نے سچے معنوں میں اپنے اوپر اختیار حاصل کر لیا تو مجھے کوئی تکلیف نہیں ستا سکتی۔ کوئی مشکل میرا راستہ روک نہیں سکتی، کوئی صدمہ مجھے غمناک اور سوگوار نہیں بنا سکتا۔

لیکن بچپن سے ہی ایک بات ہماری جزوِ فطرت سی بن چکی ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم دوسروں کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ ہر وقت ہم دوسروں کی اصلاح کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اپنی اصلاح کی ہوش ہی نہیں۔ اگر ہم کسی رنج و غم میں گھرے ہوئے ہوں تو ہم فوراً کہہ اُٹھتے ہیں۔ یہ دُنیا دکھوں کی کان ہے مصیبتوں کا گھر ہے۔ لیکن یہ بات ہمارے ذہن میں ایک بار بھی نہیں آتی۔ کہ اگر فی الواقع ہی یہ دُنیا بھی اُنہیں تو پھر ہم اس دُنیا میں کیوں آئے۔ اگر یہ دُنیا بے ایمانوں اور بُرے اور بدانسانوں کے لئے ہی ہے تو یقینی طور پر ہم خود بے ایمان اور بُرے اور بد ہوں گے۔ ورنہ ہم یہاں کیوں آتے۔ ہم کہتے ہیں کہ دُنیا خود غرضوں کی آماجگاہ ہے، درست

اور بجا، لیکن ہم اگر اچھے ہوتے تو ان کے دوش بدوش اور ہم رکاب کیوں ہوتے ؟ ذرا سوچئے تو سہی ؟

حق تو یہ ہے کہ جو کچھ بوتے ہیں وہی کچھ کاٹتے ہیں ۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دُنیا بُری ہے اور ہم اچھے ہیں تو سفید جھوٹ بولتے ہیں ۔ ناممکن سی بات ہے ۔ اس سے زیادہ لرزہ خیز دروغ بیانی ہم کیا کر سکتے ہیں ؟ سب سے پہلا سبق جو ہمیں سیکھنا ہے یہی ہے کہ تہیّہ کر لو کہ دوسروں کو الزام مت دو ۔ دوسروں پر تہمتیں نہ جڑو ۔ دوسروں کو لعن طعن نہ کرو ۔ مرد بنکر کھڑے ہو جایئے اور سب قصور اپنے اوپر لو ۔ اور یہ بات ہے بھی دُرست ، اس میں رتّی بھی شک وشبہ نہیں رہنا چاہیئے ۔ کمر ہمت باندھ ، مرد میدان بنو ۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سر دست دوسروں کی اصلاح وبہبود کا خیال دل سے ترک کر کے اپنا دھیان کریں ۔ اپنی فلاح وبہبود کی سوچیں ۔ اسباب کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں تو مقصد خود اپنی سُدھ لے لیگا ۔ یہ دُنیا اچھی بھی بن سکتی ہے ۔ اور نیک بھی ، بشرطیکہ ہماری اپنی زندگیاں اچھی اور نیک بن جائیں ۔ ہم اگر علّت بن جائیں تو یہ معلول ہو جائے گی ۔ اِس لئے آیئے ہم اپنے کو نیکوکار بنائیں اور اپنے آپ کو کامل انسان بنائیں ۔





تعلیمِ نسواں

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ملک میں مرد اور عورت کے درمیان اس قدر فرق و امتیاز کیوں روا رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ ویدانت یہ کہتا ہے کہ سب صُورتوں میں وہی ایک ابدی اور ازلی نور جلوہ افروز ہے۔ مردوں نے سمرتیاں لکھ کر اور سخت قاعدے قانون بنا کر عورتوں کو بچے جننے والی مشین بنا کر رکھ دیا ہے۔ زمانۂ زوال میں جب پنڈوں اور پجاریوں نے دُوسری سب جاتیوں کو وید پڑھنے کی ممانعت کر دی تب انہوں نے عورتوں کو بھی اُن کے حقوق سے محروم کر دیا۔ ویدوں اور اپنشدوں کے دور میں ہم میتری اور گارگی اور دُوسری کتنی ہی دیویوں کو رشیوں کی جگہ سنبھالے دیکھتے ہیں۔ ہزاروں برہمنوں کی سبھائیں جہاں سب ویدوں کے عالم فاضل رونق افروز تھے یہ گارگی تھی جس نے جرأت کے ساتھ یا گیوبلکیہ کو برہم کے بارے میں بحث مناظرہ کرنے کے لئے للکارا تھا۔

جن ملکوں نے بھی ترقی کی ہے انہوں نے عورتوں کو خاطر خواہ عزت و توقیر دے کر کی۔ وہ ملک اور صرف وہ ملک جس نے عورت کی عزت و توقیر نہ کی نہ ترقی کر سکتا ہے اور نہ مستقبل میں کبھی ترقی کر سکے گا یا بامِ عروج پر پہنچ سکے گا۔ شکتی کا سچا پجاری وہی ہے جو اس بھید اور راز سے بخوبی واقف ہے کہ ایشور کی ستّا اور شکتی ہی کُل کائنات میں جلوہ گر ہے اور جو عورت کو اس شکتی اور اس طاقت کا اظہار کمال تصور کرتا ہے۔ امریکہ اور مغرب کے دُوسرے ملکوں میں مرد عورتوں کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھتے اور ان کی خاطر خواہ عزت و توقیر کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ترقی یافتہ ہیں، خوش حال ہیں آزاد ہیں، صاحبِ عمل اور سرگرم کار ہیں۔ ہمارے زوال اور ہماری ذلّت و پستی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم نے شکتی کی ان جیتی جاگتی مورتوں اور صورتوں کی عزت و توقیر کرنا چھوڑ دیا۔ منو مہاراج کہتے ہیں کہ "جہاں عورتوں کی عزت و توقیر کی جاتی ہے۔ ان کی پُوجا کی جاتی ہے۔ وہاں دیوتا اور

فرشتے بستے ہیں اور جہاں ایسا نہیں ہوتا وہاں سب عرق ریزی اور محنت ومشقت کے باوجود بدبختی اور شامتِ اعمال کی وجہ سے، کچھ بھی نہیں بنتا۔ اس گھرانے اور ملک کی حالت کبھی نہیں سُدھر سکتی جہاں عورتیں رنج و غم میں ڈوبی رہتی ہوں ؛

عورتوں کے مسائل بے شمار اور بہت سنجیدہ ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی مسئلہ ایسا نہیں جسے جادوئی لفظ "تعلیم" سے حل نہ کیا جا سکے۔ ہمارے مشہور آئین دان منو مہاراج کہتے ہیں کہ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر اُسی قدر توجہ دی جانی چاہئے جس قدر لڑکوں کو دی جاتی ہے، جس طرح لڑکوں کو تیس برس تک برہمچریہ پالن کرنے کے بعد شادی کرنی چاہیئے اسی طرح لڑکیوں کو بھی ماں باپ کی طرف سے ایسی ہی تعلیم دی جانی چاہیئے اور انہیں برہمچریہ پالن کرنے کی ہدایت دی جانی چاہیئے لیکن ہمارا طرزِ عمل کیا ہے؟ ہم انہیں بے چارگی، بے ہمتی اور دوسروں کی غلامی اور دُوسروں کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے کی ہی تعلیم دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہلکی سی مصیبت یا ذرا سی مشکل کی آہٹ پاکر وُہ اشک ریزی اور گریہ وزاری شروع کر دیتی ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم عورتوں کو اس قابل بنا دیں کہ وہ اپنے مسائل کو خود اپنی مرضی کے مطابق حل کر سکیں۔ ہماری ہندوستانی عورتیں کسی بھی اعتبار سے بھی دنیا کی عورتیں سے کم نہیں ان کی طرح یہ بھی ہر کام کر سکتی ہیں ؛

عورتوں میں ایسی تعلیم کو فروغ دینا چاہیئے جس کی بنیاد دین و مذہب ہو۔ دُوسری قسم کی تعلیم مذہب و دھرم کی تعلیم کے بعد ثانوی حیثیت رکھنے والی ہونی چاہیئے۔ مذہبی تعلیم، تعمیرِ اخلاق، اور برہمچریہ پالن، ان باتوں پر زیادہ زور دینا چاہیئے۔ ہماری ہند و عورتیں بخوبی جانتی ہیں کہ پاکیزگی اور پاک دامنی کسے کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ خوبیاں انہیں ورثہ میں ملتی ہیں سب سے پہلے انہیں پاکیزگی اور پاک دامنی کی ہی تعلیم دیجئے، تاکہ وہ ایسی سیرت اور اخلاق تعمیر کر سکیں جس کے بل بوتے پر وہ اپنی زندگی کے ہر دور میں، خواہ شادی شدہ ہوں یا خواہ اپنی مرضی سے کنواری رہیں۔ پاکدامنی اور پاکیزگی کی راہ سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہونے کی بجائے اپنی جان پر کھیل جائیں اور ضرورت پڑے تو اپنی زندگی کی آہُوتی دیدیں ؛

ہندوستان کی عورتوں کو سیتا کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی ترقی و تعمیر کرنی چاہیئے۔ سیتا آدرش عورت تھی جس کی سیرت بے نظیر، جس کا اخلاق بے مثال و جس کی زندگی مثالی زندگی تھی وہ سچے معنوں میں ایک ہندوستانی عورت تھی، کیونکہ ہندوستان کی باکمال آدرش عورتوں میں جتنی خوبیاں ہوتی ہیں۔ اکیلی سیتا کی زندگی ان سب کا مجموعہ اور پیکر تھی اپنی ان خوبیوں اور صفتوں کی وجہ سے ان کے لئے، ہزاروں، لاکھوں برسوں سے آریہ ورت کے طول و عرض کے ایک ایک آدمی، ایک ایک عورت اور ایک ایک بچے کیلئے تعظیم و احترام، شردھا اور پُوجا کا مرکز بنی ہوئی ہے اور ہمیشہ بنی رہے گی وہ مہان اور عظیم المرتبہ، سیتا جو رُوحانی حُسن و جمال کا شاہکار تھی، پاکیزگی

سے بھی زیادہ پاک، پاک دامنی بھی پاک دامن۔ صبر و استقلال کی پیکر۔ تپ کی مورتی تھی۔ جس نے شکوہ شکایت ایک لفظ منہ سے نکالے ہوئے بنا زندگی بھر تپ کیا، دکھ اور درد کو سہا، ایک نیک بیوی اور رفیقۂ حیات بنی جو ہمارے لوگوں کے لئے آدرش ہے جو ہماری قوم و ملک کے لئے بے مثال قابلِ پرستش دیوی ہے۔ ایسی سیتا ہماری ہمیشہ ہمیشہ ہمارے آدرشوں میں جگمگاتی رہنی چاہیئے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی یاد اور اُن کے لئے شردھا ہماری نسل کی رگ رگ میں سرائت کر چکی ہے۔ ہماری عورتوں کو عصرِ نو کے جدید سانچوں میں ڈھالنے کی ہر کوشش جس کا مقصد ہماری عورتوں کو سیتا کے آدرش سے پرے ہٹا دینا ہے، لازمی اور فوری طور پر ناکام ہو کر رہے گی۔ ہر روز کے مشاہدے نہیں یہی کچھ بتاتے ہیں ؛

اس زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں کو دیکھتے ہوئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ بعض دیویاں، بعض عورتیں، ترکِ دنیا اور نفس کشی، تپ اور ویراگیہ کے آدرشوں کے سانچے میں ڈھلی زندگی گذاریں۔ وہ اس بات کا قول و عہد کر لیں کہ وہ زندگی بھر کنواری رہیں گی اور اس بیتسیے اور نورِ ایمان سے جو انہیں تاریخ کے دھندلکو میں لپٹے ہوئے پرانے زمانوں سے ورثہ میں ملی دولت پاکدامنی پاکیزگی سے حاصل ہوا ہے ایک جگمگاتی شمعِ ہدایت بن جائیں۔ ہماری مادرِ وطن کی عظمت و تقدیس اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کے کچھ بچے اور بچیاں برہمچاری اور برہم چارنیں بن کر گذاریں۔ اگر ان عورتوں میں سے ایک بھی برہم وِدیا بن گئی، واصلِ خدا ہو گئی تب وہ اپنی جگمگاتی اور نور افشاں زندگی کے پُر نور اثر سے ہزاروں دوسری عورتوں کو تلاشِ حق کی راہ پر ڈال سکیں گی اور انہیں متاثر کر سکیں گی اور اس سے لازمی طور پر سماج اور ملک کو فلاح و بہبود حاصل ہو گی ؛

سیرت و اخلاق کی دولت سے مالا مال ایسی برہمچارنیوں کو تعلیم و تدریس کا کام کرنا چاہیئے۔ انہیں تعلیمِ نسواں کی توسیع و ترقی کے لئے گاؤں گاؤں اور شہر شہر مرکز کھولنے چاہئیں۔ سیرت و اخلاق سکھانے والی ان صادق و مخلص ہدایت کی شمعوں کی بدولت سارے ملک میں تعلیمِ نسواں کا حقیقی فروغ ہو گا۔ عورتوں کو تاریخ کے علاوہ پُرانوں کی، گھر گرہستی کے فرائض کو حسنِ خلوص سے ادا کرنے کی تعلیم بھی دی جانی چاہیئے۔ انہیں بتانا چاہیئے کہ کن اصولوں کی بدولت سیرت و اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے۔ گھر کو سلیقہ سے کس طرح رکھا جانا چاہیئے اور خرچ اخراجات کو کس طریقہ سے ٹھیک چلایا جا سکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ انہیں فنونِ لطیفہ کی تعلیم دی جانی چاہیئے۔ اس کے علاوہ انہیں سینے پرونے، گھر کا کام کاج کرنے کا فن اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے کا سلیقہ اور علم بھی سکھایا جانا چاہیئے ؛

لیکن اس تعلیم کا ناگزیر اور لازمی حصہ جپ (ورد) پوجا (پرستش) سادھنا (عبادت) کا ہونا چاہیئے۔ عورتوں کو دوسری باتوں کے علاوہ شیر دلی اور شجاعت بھی حاصل کرنی چاہیئے۔ آج کے زمانے

میں انہیں یہ سکھنا چاہیئے کہ وہ اپنی حفاظت کرسکیں اور وہ اپنی عزت وآبرو اور وطن وقوم کی آزادی کی نگہداشت کرسکیں ۔ جھانسی کی رانی کتنی عظیم المرتبہ اور پرشکوہ تھی ۔ آج ہمارے وطن وملک کو ایسی ہی نڈر، بے خوف عورتوں کی جو سنگمترا، لیلا، اہلیہ بائی اور میراں بائی کی روایات کو جاری ساری رکھ سکیں ۔ ایسی عورتوں کی جو غازی مردوں، برگزیدہ انسانوں، فرشتہ سیرت آدمیوں اور شور ماؤں کی مائیں بننے کے قابل ہوں، ایسی عورتوں کی جن میں وہ طاقت اور قوت موجزن ہو جو طاقت ایشور کے پاؤں چھو لینے سے حاصل ہوسکتی ہے ۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں ایسی تعلیم وتربیت دیدیں کہ وقت پڑنے پر وہ اپنے گھربار کی ساری ذمہ داری سنبھال سکیں اور اس کی حفاظت کرسکیں ایسی ماؤں کے بچے ہی ان خوبیوں اور صفتوں میں اور بھی ترقی کرسکتے ہیں اور اپنی خداداد ذہانت اور صلاحیت کی وجہ سے ساری دنیا میں امتیازی شان پیدا کرسکیں گے صرف پڑھی لکھی، نیکوکار، پارسا اور پاک دامن ماؤں کے گھروں میں ہی بڑے انسان پیدا ہوتے ہیں ۔

اگر عورتوں کی حوصلہ افزائی کی جائے انہیں ترقی کرنے دیں تو ان کے بچے اپنے شاندار اور رفیع الشان کارناموں کی بدولت ملک و وطن کی عزت کو چار چاند لگادیں گے اور دیش کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں تہذیب تمدن، علم و فہم، طاقت اور ہمت، بھگتی اور وفاداری سب مل کر ایک نئی بیداری پیدا کردیں گے اور ملک وقوم کو نئی رفعتوں اور نئی عظمتیں عطا کردیں گے ۔





عوام کی تعلیم

جب کبھی میں ہندوستان کے غریبوں اور پسماندہ لوگوں کی حالتِ زار کے متعلق سوچتا ہوں تو میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے اور دل و جگر درد و کرب سے کراہنے لگتا ہے۔ آئے دن یہ اور بھی گہری پستی میں گرتے جاتے ہیں۔ بیرحم اور سنگدل معاشرہ نے ان پر جو کاری ضرب لگائی ہے، وہ اُسے محسوس تو کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ ضرب ان پر کب پڑتی ہے۔ شدّتِ غم اور وحشتِ روزگار کی وجہ سے انہیں یہ بھی یاد نہیں کہ وُہ بھی انسان ہیں میرا دل درد سے اس قدر معمور ہے کہ میں اپنے غم واندوہ کو بیان بھی نہیں کر سکتا۔ جب تک لاکھوں لوگ بھوک اور غربت اور جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں میں ہر اس شخص کو غدار اور ننگِ وطن سمجھتا ہوں جو ان کے خرچ پر پڑھ لکھ جانے کے باوجود ان کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ ہمارا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ ہم عوام کی سُدھ بُدھ نہیں لیتے، انہیں بالکل فراموش کر دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں ذلت و خواری تباہی و بربادی، زوال و ملال کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ سیاست سے اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، جب تک ہندوستان کے عوام الناس ایک دفعہ پھر پڑھے لکھے، کھاتے پیتے اور آسودہ حال نہیں بن جاتے ؛

جوں جوں عوام میں علم و ہُنر فروغ پاتا جائے گا۔ گری سے گری قوم راہِ ترقی پر آگے بڑھتی چلی جائے گی قوم کی فلاح و بہبود اس بات سے ہی آشکار ہوتی ہے کہ عوام نے تعلیمی شعبہ میں کس قدر ترقی کی ہے۔ ہندوستان کی تباہی و بربادی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں علم و ہنر تعلیم و تدریس کو چند مُٹھی بھر انسانوں نے اپنی اجارہ داری میں لے لیا۔ اگر ہمیں موجودہ ذلت و پستی سے اوپر اُٹھنا ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم عوام میں تعلیم و حکمت کو فروغ دیں۔ ہم اپنے پسماندہ طبقوں کے گھر کی ایک ہی خدمت کر سکتے ہیں اور یہ کہ

انہیں ایسی تعلیم و تربیت دیں کہ وہ انفرادی طور پر ترقی و بہبودی کی منزلیں سر سکیں اور بامِ عروج تک پہنچ سکیں اس کے لئے انہیں نئے نئے خیالات سے سرفراز کرنا ہوگا انہیں نتیجہ خیز ولولوں اور اُمنگوں سے مالا مال کرنا ہوگا ان کی آنکھیں کھولنی ہونگی تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ ان کے گرد و پیش کی دنیا میں کیسے کیسے تغیرات اور انقلابات رُونما ہو رہے ہیں تاکہ دوسروں کی دیکھا دیکھی وہ اپنی نجات اور سربلندی کے لئے کوشاں ہو سکیں۔ ہر ملک و قوم کو، ہر فرد و بشر کو، ہر مرد و زن کو اپنی بہتری و بہبودی، فارغ البالی اور آسودہ حالی کے لئے خود محنت و مشقت کرنی ہوگی ان کے دلوں اور دماغوں کو حیات بخش خیالوں اور ترقی بخش ولولوں سے معمور کر دیجئے" آپ سے وہ صرف یہی امداد مانگتے ہیں باقی سب کچھ تو معلول کی صورت میں ظہور پذیر ہو کر رہے گا۔ ہم یہی کچھ کر سکتے ہیں کہ چند کیمیائی اجزا کو باہم ملا دیں، اکٹھا کر دیں، باقی سب عمل تو قانونِ قدرت کے مطابق خود بخود ہوتا چلا جائیگا۔

میرا ارادہ یہ ہے کہ میں سب سے پہلے رُوحانیت کے ان جواہر پاروں کو جو ہماری کتابوں میں دبے پڑے ہیں یا جنہیں چند افراد نے اپنی قید و حبس میں لے رکھا ہے۔ یا جو جنگلوں، مندروں اور مٹھوں سے چھپے پڑے ہیں۔ ان سب جواہر پاروں کو باہر لا کر رکھ دوں، یہی نہیں، میں نہ صرف ان تمام ہاتھوں سے جو انہیں چھپائے ہوئے ہیں، حکمت و دانش کے تمام موتیوں اور جواہر ریزوں کو چھین لینا چاہتا ہوں، بلکہ ثقیل سنسکرت الفاظ کے ناقابلِ عبور سینوں میں دبے ہوئے پند و شو دمند نکال بھی کر عوام تک پہنچاؤں اور انہیں اس چشمہ فیض و کرم سے سیراب کر دوں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ میں انہیں مقبولِ عام اور ہر دل عزیز بنانا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ حکمت و دانش، ایمان و اخلاق کے ان اعلیٰ و ارفع اصولوں کو سب میں تقسیم کر دوں یہ اثاثہ جو سب کا سانجھا ہے سب میں تقسیم کر دوں، مالک بنا دوں تاکہ ہندوستان کا ایک ایک انسان، خواہ وہ سنسکرت سے بے بہرہ ہو یا شناسا ان سے فیض یاب ہو سکے۔ اس راستے میں سب سے بڑی رُکاوٹ سنسکرت زبان ہے۔ میں اس کی عظمت و رفعت سے انکار نہیں کرتا۔ میرے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اکثریت اس سے نابلد ہے۔ اس مشکل کو بھی دُور کیا جا سکتا ہے اگر ساری قوم سنسکرت کے عالموں کی ہو جائے۔ یہ زبان کس قدر مشکل ہے اس کا صحیح اندازہ اس بات سے کر لیجئے کہ میں نے اپنی ساری زندگی اس زبان کے مطالعہ میں صرف کر دی ہے لیکن حالت یہ ہے کہ اب بھی سنسکرت کی کوئی نئی کتاب دیکھوں تو میرے لیے وہ غیر مانوس اور اجنبی سی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے لئے یہ کس قدر مشکل اور دقیق ہوگی جنہوں نے کبھی اُسے اچھی طرح نہیں پڑھا۔

اس لئے ضرورتِ وقت یہ ہے کہ لوگوں کو نئے خیالات ایسی زبان اور بولی میں دیئے جائیں، جنہیں وہ سمجھ لیں جو اُن کی زبان ہو۔ عوام کو ان کی زبانوں اور بولیوں میں تعلیم و تربیت دیں۔ انہیں نئے نئے خیالات دو جہاں تک معلومات کا تعلق ہے۔ وہ انہیں خود بخود فراہم کر لیں گے۔ بنیادی ضرورت تو اس بات کی ہے کہ

ان کے دلوں میں علم وحکمت کی روشنی سے منور کر دیا ہے۔لیکن صرف اس سے کام نہیں بنے گا۔انہیں کچھ اور دینا ہوگا۔انہیں تہذیب وتمدن سے مالامال اور نہال کیجئے۔جب تک آپ ان تقاضوں پر پورا نہیں اترتے، اپنے ان فرائض سے سبکدوش نہیں ہوتے تب تک عوام کی حالت سُدھر نہیں سکتی۔

اس کے ساتھ ساتھ سنسکرت کی تعلیم دینے کا مسئلہ بھی جاری رہنا چاہئے۔سنسکرت الفاظ کی آواز ہی فخر و افتخار پیدا کر دیتی ہے۔یہ بھگوان بدھ کی غلطی تھی کہ انہوں نے عوام کو سنسکرت کی تعلیم دینے سے منع کر دیا۔وہ فوری اور تیز رفتار نتائج چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے لوگوں کی زبان حال کو اپنایا۔یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ بھگوان بدھ عوام کی زبان اور بولی بولتے تھے۔اس لئے عوام ان کا مطلب ومفہوم اچھی طرح سمجھ جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی ان کے خیالات وافکار تیزی سے دُور دراز تک پھیلتے چلے گئے لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کے ساتھ سنسکرت کی پڑھائی جاری رہتی بھگوان بدھ کے طریقہ کار سے بلاشبہ لوگوں کو علم ضرور ملا لیکن فخر واعزاز نہ مل سکا۔جب تک آپ سنسکرت کی تعلیم نہیں دیں گے تب تک آپ ایک نئی ذات اور فرق پیدا کرتے چلے جائیں گے۔ایک ایسی ذات جو سنسکرت زبان کے علم کے بل بوتے پر دُوسروں پر فوقیت لے جائے گی۔

یاد رکھئے کہ ہندوستانی قوم جھونپڑیاں میں رہتی ہے — وقت کا فرض پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ آپ ملک کے گوشہ گوشہ، کونہ کونہ میں گھوم جائیے، گاؤں گاؤں جائیے، شہر شہر کا چکر لگائیے اور لوگوں کو خوابِ غفلت سے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیجئے اور انہیں سمجھائیے کہ محض ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں بنے گا انہیں سمجھائیے کہ ان کی اصل حالت کیا ہے اور زبوں حالی میں کیوں کر پھنسے ہوئے ہیں اے میرے بھائیو سب بیدار ہو جاؤ، اُٹھ کھڑے ہو جاؤ، جاگ پڑو، نیند کے ماتو کتنی دیر تک سوتے رہو گے؟ ان کے پاس جائیے اور بتائیے کہ وہ اپنی حالتِ زار کو کس طرح سنوار سکتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی انہیں مقبول عام طریقہ سے سیدھے سادہ الفاظ میں بتائیے کہ ہمارے شاستروں میں کیسے کیسے پند سُودمند لکھے ہوئے ہیں ان پر عمل کرو یہ بات ان کے دلوں میں جاگزیں کروا دیجئے کہ آپ بھی دھرم اور مذہب وایمان پر اتنا ہی حق رکھتے ہیں، جس قدر برہمن رکھتے ہیں۔ان شعلہ ریز، حیات بخش منتروں سے چنڈالوں تک کو راہ حق وصداقت پر ڈال دیجئے۔اور انہیں سہل الفاظ میں بتائیے کہ زندگی، تجارت، بیوپار اور کھیتی باڑی وغیرہ کے لئے انہیں کیا کیا کام کرنے ہیں اور کس طرح کرنے ہیں۔

نہ معلوم کتنی صدیوں، کتنے ہزار برسوں سے مختلف قومیں اور ذاتیں، فرمانروا اور غیر ملکی حکمران ان پر جو ہلاکت آفریں کمر توڑ جبر وستم ڈھاتے چلے آئے ہیں، اس سے ان کی ساری قوت اور طاقت سلب ہو چکی ہے۔ہمت وطاقت حاصل کرنے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ اپنشدوں کو مشعلِ ہدایت بنائیے اور اس حقیقت پر یقین کیجئے کہ "میں آتما ہوں، تلوار مجھے کاٹ نہیں سکتی۔کوئی ہتھیار مجھے چیر نہیں سکتا۔آگ مجھے جلا نہیں سکتی۔ہوا مجھے تباہ نہیں کر سکتی۔میں قادر مطلق

(سروشکتی مان) اور ہر جگہ حاضر و ناظر (سرو ویاپک) ہوں۔"

دیدانت کے یہ نظریات اور خیالات و افکار اب جنگلوں اور غاروں سے باہر نکلنے چاہیئے تاکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی جلوہ طرازیاں اور معرکہ خیزیاں معمور ہو سکیں۔ کیا وکیل، کیا ڈاکٹر، کیا سائینسدان، کیا حساب دان، سب کے سب انہی نظریات اور خیالات و افکار کو مشعلِ راہ بنالیں۔ مسجدوں اور مندروں میں ہی نہیں، غریبوں کی جھونپڑیوں میں اور دہقان کے کھیتوں میں ہر جگہ یہی نظریات اور آدرش کارفرما ہو جائیں۔ مچھلیاں پکڑنے والے ماہی گیر اور کتابوں کے کیڑے، طالب علموں کی زندگی کا نور انہی خیالات و افکار کا مرہونِ منت ہو۔ یہ عقیدے، نظریات اور تصورات ہر مرد، عورت اور بچہ کو بلند بانگ دعوتِ عمل دے رہے ہیں، بلا لحاظ اس بات کے کہ ان کا رتبہ کیا ہے اور وہ کیا کام دھندہ کرتے ہیں یا کسی بھی ذات اور قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ ماہی گیر اور کسان، محنت کش اور طالب علم، سب لوگ اُپنشدوں کے ان نظریات، عقیدوں اور تصورات کو کس طرح عملی زندگی میں لا سکتے ہیں؟ اس کا طریقہ بتایا جا چکا ہے۔ اگر ماہی گیر یہ بات ذہن نشین کرلے کہ میں آتما ہوں تو وہ بہتر ماہی گیر بن جائے گا۔ اگر طالب علم یہ سوچ لے کہ میں آتما ہوں تو روشن ضمیر طالب علم بن جائے گا۔

ہندوستان کی بیشتر بدعتوں، مصیبتوں اور تکلیفوں کی بنیادی وجہ غریبوں کی حالت کس مپرسی ہے۔ جب تک ان دبے ہوئے، سہمے ہوئے، کچلے ہوئے، ٹھکرائے ہوئے غریبوں کی حالتِ زار بہتر نہیں ہوتی، نہ ہندوستان کا حال شاندار ہو سکتا ہے اور نہ مستقبل کی نوک پلک سنور سکتی ہے۔ فرض کیا کہ آپ ہر ایک گاؤں میں ایک خیراتی سکول کھول دیتے ہیں۔ کیا اس سے صورتِ حالات بہتر ہو جائے گی؟ نہیں! کیونکہ غریبی اور مفلسی ہماری رگ و پے میں اس قدر دھنس چکی ہے کہ غریب بچے سکول جا کر تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی بجائے اپنے غریب اور مفلس ماں باپ کا ہاتھ بٹانے میں جُٹ جائیں گے۔ اگر یہ لڑکے سکول نہیں آسکتے تو ہمیں اس بات کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ تعلیم اُن تک پہنچ جائے۔ علم و حکمت کا دریائے فیض رواں دواں آگے بڑھ کر ان طلبا تک پہنچ جائے۔

ہمارے ملک میں ہزاروں سنیاسی ایسے ہیں جو سب کچھ راہِ مولا میں لٹا کر سرمست اور سرشار گاؤں گاؤں گھومتے رہتے ہیں اور لوگوں کو دھرم اور دین و ایمان سکھاتے رہتے ہیں۔ اگر ان میں سے محض سنیاسیوں کو اس قسم کے علم و ہنر کے مدرسوں اور ٹیچروں کی طرح منظم کیا جا سکے تو وہ جگہ جگہ جا کر، گھر گھر الکھ جگا کر نہ صرف لوگوں کو اُپدیش دے سکتے ہیں بلکہ انہیں علم و ہنر کی دولت سے بھی سرفراز کر سکتے ہیں۔ ان میں اگر کچھ سنیاسی شام کو ایک کیمرہ، ایک گلوب اور کچھ چارٹ اور چند نقشے وغیرہ لیکر کسی گاؤں میں جائیں تو جاہل اور انجان لوگوں کو بہت سا جغرافیہ اور علم ہیئت سکھا سکتے ہیں۔ دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں کی کہانیاں سُنا سُنا کر ان غریبوں اور مفلسوں کو اس علم و ہنر سے کہیں زیادہ حکمت و آگاہی دے سکتے ہیں جو وہ ساری عمر کتابوں کے مطالعہ کرنے کے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کے دلوں

اور دماغوں میں جدید سائنس کی مدد سے علم و ہنر کے چراغ روشن کرو۔ انہیں تاریخ، جغرافیہ، سائنس، ادب، فنون لطیفہ سکھاؤ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں مذہب اور قوم کی عظیم سچائیوں کا دلدادہ اور پرستار بھی بناتے چلو۔

جان لیوا عرق ریز جدوجہد حیات میں سرتاپا مصروف ہونے کی وجہ سے انہیں اس بات کی فرصت ہی کہاں نصیب ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوصاف حمیدہ کو، اپنی صلاحیتوں کو، اپنے خوابیدہ علم کو بیدار کر سکیں۔ نہ جانے کب سے وہ بے جان مشینوں کی طرح کشمکش حیات کی خاطر کام کرتے چلے آرہے ہیں اور اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ خود بے جان مشین بن کر رہ گئے ہیں۔ اور پھر پڑھا لکھا، چالاک اور شاطر طبقہ ان کی عرق ریزی کے بیشتر پھل اور ثمر ہڑپ کرتا چلا آیا ہے لیکن اب وقت بدل گیا ہے ادنیٰ فرقوں کے لوگ اب رفتہ رفتہ اس حقیقت سے روشناس ہوتے جاتے ہیں۔ اور اس لوٹ کھسوٹ کے خلاف متحدہ محاذ بناتے رہے ہیں۔ اب اونچا طبقہ لاکھ حیلے وسیلے کرلے، ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو نہ دبا سکے گا نہ کچل سکے گا۔ اب اعلیٰ طبقوں کا اپنا مفاد اور فائدہ اس بات میں پنہاں ہے کہ وہ ادنیٰ طبقوں کی مدد کریں تاکہ وہ اپنے حقوق اور معقول مفادا حاصل کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں پکار پکار کر کہہ رہا ہوں کہ عوام میں تعلیم پھیلانے کے کام میں جٹ جاؤ۔ انہیں محسوس کراؤ اور بتاؤ کہ آپ لوگ ہمارے بھائی بندھو ہو۔ ہمارے جسموں کا عضو اور انگ ہیں" آپ سے یہ پیار اور ہمدردی پاکر ان کے کام کرنے کی ہمت اور سرگرمی، جوش و خروش میں کئی سو گنا اضافہ ہوتا جائے گا۔

ہر کار نمایاں سرانجام دینے کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے۔ پہلی یہ کہ جو کچھ محسوس کریں، تہ دل سے کریں قیل و قال، حجت اور دلیل میں کیا رکھا ہے؟ عقل اور دلیل تو چند قدم بڑھ کر رک جاتی ہے۔ اس کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اس کوچے میں تو صرف پیش قدمی کرنے کی جرأت و ہمت کی ضرورت ہے محبت قوموں کو آگے بڑھنے کی تحریک و ترغیب دیتی ہے۔ محبت مسدود راہوں اور مقفل دروازوں کو کھول دیتی ہے جو لوگ بحث و تکرار، عقل و دلیل کے چکر میں الجھ جاتے ہیں انہیں کوئی کارنامہ انجام دینے کی سعادت نصیب ہوتی ہے؟ پروانہ کون سی دلیل سے متاثر ہو کر جان دیتا ہے؟ اس کے نزدیک سب سے بڑی دلیل شمع کا جلنا ہے۔ دلیل پر جان کون دیتا ہے؟ دلیل کی کاٹ دلیل ہو سکتی ہے لیکن محبت کی زنجیر کو دلیل کی ضربوں سے نہیں توڑا جا سکتا۔ دلیل کا طلسم حیات انسانی میں اضطراب و انتشار تو پیدا کر سکتا ہے لیکن حیات کو خوش گوار نہیں بنا سکتا کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حیات انسانی کی یہ بے قراریاں اور جان کاہیاں عقل و دلیل کے فقدان کے باعث ہیں؟ یہ بات ہوتی تو ان قوموں کا دامن سکون کی دولت سے لبریز ہوتا جن کے پاس سرمایۂ عقل و دلیل ہے۔ حالانکہ وہ عذاب روح میں مبتلا ہیں۔ سرمایۂ بلند ہمتی تو صرف محبت عطا کرتی ہے۔ اس لئے میرے وطن عزیز کے بسنے والو جاں نثار و اور حب الوطنو میں تم سے کہتا ہوں کہ "اپنے دلوں کے خلوص کو جگاؤ اور اپنے وطن کے غریبوں اور پسماندہ لوگوں کے لئے صدق دل سے سوچو"۔ کیا آپ اسی طرح سوچتے ہو؟ کیا تم محسوس کرتے ہو کہ میں اس ملک کے لاکھوں اور کروڑوں انسان جو فرشتوں اور رشیوں

کی سنتان ہیں اب پسماندگی اور کسمپرسی کے اس تنگ و تاریک عالم میں پھنس چکے ہیں جو عالم جانوروں اور حیوانوں کا عالم ہے کیا آپ محسوس کرتے ہو لاکھوں اور کروڑوں ہندوستانی اس وقت کس ذلت، خواری، تاریکی اور پستی میں پڑے ہوئے ہیں؟ جانے کتنے برسوں سے یہ لاکھوں اور کروڑوں اہل وطن فاقوں مر رہے ہیں؟ کیا آپ محسوس کرتے ہو کہ جہالت کی تاریک و سیاہ گھٹاؤں نے اس ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے؟ کیا یہ رنجیدہ صورتِ حالات آپ کو بےچین کرتی ہے؟ آپکے دنوں کا آرام اور آپ کی راتوں کی نیند کو حرام کیا ہے؟ کیا یہ درد و کرب آپ کے خونِ جگر میں گھُل گیا ہے؟ آپ کی رگ و پے میں اُتر چکا ہے؟ آپ کے دل کی دھڑکنوں کا آہنگ بنا ہے؟ کیا اس درد و کرب نے آپ کو دیوانہ بنا دیا ہے؟ اپنے ہم وطنوں کی تباہی و بربادی، کسمپرسی اور زبون حالی سے آپ کے اس قدر وارفتہ خاطر اور پریشان ہوئے ہیں کہ آپ اپنی شہرت، اپنی عزت و ناموس، اپنے بال بچوں کو، اپنی دولت و امارت تک کو بھول جائیں۔ یہی نہیں کیا اس وفورِ غم اور شدتِ درد میں آپ کو اپنے جسم و جان کا بھی دھیان بھول گیا ہے؟ کیا ایسا تصوّر آپ کے دلوں میں جاگزیں ہوا ہے؟ ایسا سوچنا اور سمجھنا ہی وہ پہلا قدم ہے جو آپ ان کی خدمت کے لئے اٹھا سکتے ہیں۔

ممکن ہے کہ آپ کا اندازِ فکر یہی ہو، لیکن کیا آپ نے اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو بیہودہ باتوں میں گنوانے کی بجائے اس مشکل و عذاب سے نجات پانے کے لیئے کوئی عملی حل بھی تلاش کیا ہے؟ تاکہ ان زندہ درگور ہم وطنوں کی قیمتی خدمت کی جاسکے۔ صرف ایسا کرنا ہی کافی نہیں۔ کیا آپ نے پربتوں کی طرح ناقابل عبور مشکلوں پر قابو پانے کے لئے ناقابل تسخیر عزم و ارادہ بھی باندھا ہے؟ اگر ساری دنیا شمشیر بکف تمہارے خلاف صف بند ہو جائے، ڈٹ جائے تو کیا تم پھر بھی اس عزم و استقلال سے مُنہ نہیں موڑو گے اور جو کچھ آپ درست اور برحق تصوّر کرتے ہیں اسے اپنی جان پر کھیل کر بھی عملی جامہ پہنانے کی سعی کریں گے؟ کیا ان مشکلوں اور دشواریوں کو دیکھنے کے باوجود آپ ہمت و استقلال کے ساتھ اپنی منزل اور اپنے نشانہ کی طرف رواں دواں قدم بڑھاتے چلو گے؟ کیا راجہ بھرتری ہری کا حسبِ ذیل مقولہ آپ کے لئے مشعلِ راہ اور شمعِ ہدایت بنا ہوا ہے:۔ دانا اور عاقل چاہے تعریف کریں، چاہے مذمت کریں، قسمت کی دیوی لکشمی آتی ہے تو آئے اور جانا چاہتی ہے تو جہاں جی چاہے جائے، موت آج آجائے یا سینکڑوں برسوں بعد آئے مستقل مزاج اور ثابت قدم وہی انسان ہے جو ان سب باتوں سے بے نیاز اور لاپروا رہتا ہوا راہِ حق سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتا" کیا آپ نے بھی ثابت قدمی اور مستقل مزاجی حاصل کر لی ہے۔ اگر آپ اپنے دامن کو ان تینوں خوبیوں سے معمور کر لیں تو پھر یقین کیجئے کہ ان میں سے ہر خوبی اور ہر صفت معجزے دکھاتی چلی جائے گی۔

آیئے سجدوں میں گرگر اس مالک سے دُعا کریں کہ "ہمیں ہدایت اور روشنی دو" آپ دیکھنگے کہ گھٹاٹوپ

اندھیروں میں روشنی کی شعاع جگمگا جائے گی اور ایک دست دبازو آگے بڑھ کر ہماری رہنمائی کرنے لگ جائیگا۔
آیئے ہم میں سے ہر ایک فرد وبشر ہندوستان کے ان کروڑوں دُکھیوں اور کچلے ہوؤں کے لئے شام وسحر دُعائیں مانگے
جنہیں غُربت، جبر واستبداد اور گورو ڈم نے اسیر وغلام بنا رکھا ہے۔ آیئے ہم رات دن ان کے لئے ہی دُعائیں
مانگیں!

امیروں اور اونچے طبقے کے لوگوں کی نسبت میں انہیں اُپدیش دینے کو مقدم سمجھتا ہوں۔ میں نہ علم طبعی کا
ماہر ہوں۔ نہ فلسفی، اور نہ ہی سنت یا رشی مُنی بلکہ میں غریب اور فقیر ہوں، میں غریبوں سے پیار کرتا ہُوں۔
کوئی ہے جو غربت اور جہالت کی پستیوں میں غرق ہو چکے کروڑوں مردوں اور عورتوں کے لئے اشک ریزی
کرے؟ میں تو اسے مہاتما، مہا پُرش کہوں گا جو غریبوں کی سُدھ لے۔ کون ہے جو ان کی سُدھ لیتا ہے؟ جو نہ تعلیم و
تربیت حاصل کر پاتے ہیں نہ روشنی اور اُجالے کی صُورت دیکھ سکتے ہیں۔ کون ہے جو ان تک روشنی لے جائے اُنہیں
اُجالے کی صورت دکھائے قرب وجوار گھر گھر پر جا کر انہیں تعلیم دے؟ ان انسانوں کو اپنا معبُود خدا بنا لو۔
سوچو تو ہمیشہ ان کے لئے کوئی کام کرو تو ان کے لئے۔ بلاناغہ دُعا کرو تو ان کے لیئے۔ پروردگار آپ کو ہدایت وجزا
دے گا۔





فرض کیا ہے؟

یہ جاننا اشد ضروری ہے کہ فرض کیا ہے؟ اگر مجھے کچھ کرنا ہی ہے تو سب سے پہلے مجھے اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ فلاں کام میرے ذمہ ہے۔ میرا فرض کیا ہے تب میں اُسے بخوبی انجام دے سکوں گا لیکن مشکل یہ ہے کہ مختلف قوموں میں فرض کے متعلق مختلف نظریات پائے ہیں جتنی قومیں اتنے عقیدے مسلمان کہتا ہے کہ جو کچھ اس کی کتاب مقدس کا قرآنِ حکیم میں لکھا ہے وہی اس کا فرض ہے۔ ہندو کہتا ہے کہ جو کچھ ویدوں میں درج ہے وہی اس کا فرض ہے عیسائی کہتا ہے جو کچھ بائیبل میں تحریر ہے وہی اس کا فرض ہے۔ ظاہر ہے کہ زندگی کی مختلف حالتوں، مختلف تواریخی ادوار اور وقتوں اور مختلف قوموں میں فرض کے متعلق مختلف اور متضاد سے نظریات اور عقیدے موجود ہیں۔ ایسی صورت میں فرض کی تصریح و توضیح کرنا بہت کٹھن ہے۔ ہم عملی تدبیروں نتیجوں کو جان کر فرض کے متعلق محض ایک موہوم سا تصوّر اخذ کرتے ہیں۔ جب بعض باتیں ہماری آنکھوں کے سامنے عالمِ ظہور میں آتی ہیں تو ہمارے من کی لہریں بے ساختہ طور پر یا سلیقہ یافتہ ترنگوں کی طرح ایک مخصوص انداز میں ردِعمل پیدا کرتی ہیں۔ دل و دماغ خود بخود صورتِ حالات کے متعلق جائزہ لینا شروع کر دیتا ہے کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل و دماغ گرد و پیش کے حالات کو ملحوظ خاطر رکھتا ہوا ایک خاص انداز میں عمل پذیر ہونے کو زیادہ سُود مند تصور کرتا ہے اور کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ویسے ہی حالات میں اس خاص انداز میں اس عمل کرنے کو غیر مفید اور مضر سمجھتا ہے۔ عام لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فرض کے متعلق عالم گیر تصور یہی ہے کہ ہر اچھا آدمی ضمیر و ایمان کی ہدایت اور اشارہ پر عمل کرتا ہے ؛

لیکن وہ کیا شے ہے جو ایک فعل کو امتیازی پہلو سے سرفراز کرتی ہے اور اسے فرض کا درجہ دیدیتی ہے۔ اگر ایک عیسائی راستے میں گائے کے گوشت کا ٹکڑا پڑا دیکھتا ہے اور اُسے خود نہیں کھاتا یا کسی دوسرے کو بھی

نہیں دیتا تو وہ محسوس کرنے لگے کہ اُس نے ادائیگی فرض میں کوتاہی اور غفلت کی لیکن اگر ایک ہندو گائے کے گوشت کے اُس ٹکڑے کو کھا لیتا ہے یا کسی دُوسرے کو دیدیتا ہے تو وہ یہ محسوس کرے گا کہ اُس نے اپنے فرض کی ادائگی میں کوتاہی اور غفلت کی کیونکہ ہندو کی نشو ونما ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ اسی زاویۂ نگاہ سے سوچے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی فعل کے متعلق مختلف تاثرات پیدا ہونے کی وجہ انسان کا مخصوص گردوپیش ہے۔ ایک اور مثال لے لیجئے۔

عام حالات میں اگر ایک شخص گلی کوچہ میں جا کر ایک دُوسرے آدمی کو گولی کا نشانہ بنادے تو اُسے نہ صرف احساسِ گناہ ہوگا بلکہ اپنے کیے پر پچھتاوا بھی ہوگا۔ لیکن اگر یہی شخص فوج کی ایک رجمنٹ میں بھرتی ہو کر محاذ جنگ پر ایک چھوڑ بیس افراد کو گولی کا نشانہ بنادے تو وہ نہ صرف احساس فرض اور احساسِ اعزاز سے پھولا نہیں سمائے گا۔ اور یہ سمجھے گا کہ اُس نے یہ قتل تکمیل فرض کی خاطر کیئے۔ ارتکاب قتل ایک ایسا ہے لیکن گردوپیش کے حالات نے انہیں کی ماہیئت میں زمین و آسمان کا امتیاز پیدا کر کے رکھ دیا۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں فرض کی تصریح و توضیح کرنا بہت مشکل ہے۔ اور کسی فرض کو حقیقی اور مخصوص تشریح و تعریف دینا ناممکن ہے لیکن اگر داخلی طور پر فرض کا ایک امتیازی درجہ ہے۔ ہر وہ کام جو ہمیں حق و ایمان کی طرف لے جائے، اچھائی اور نیکی ہے، اس لیے فرض ہے۔ اور وہ ہر فعل جو بدی اور بُرائی کی طرف لے جائے پستی و ذلالت کو خوش آمدید کہے، فرض نہیں کہلا سکتا۔ داخلی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعض افعال اور اعمال ہی ایسے ہیں جنکے ارتکاب سے انسان میں نیکی اور اچھائی آتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو اونچا اور سربلند تصور کرنے لگتا ہے برخلاف اس کے بعض افعال اور اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے ارتکاب سے انسان حیوان و وحشی بن جاتا ہے لیکن طرح طرح کے رجحانات اور مختلف قسم کے گردوپیش رکھنے والے لاتعداد انسانوں کے لیئے کونسا فعل کیسا ردِ عمل پیدا کرے گا، اِس بات کی تصریح و توضیح نہیں کی جاسکتی۔ اس مسئلے پر کوئی ہمہ گیر قاعدہ و قانون نہیں ٹھونسا جاسکتا لیکن اُس کے باوجود فرض کے متعلق ایک نظریہ جسے سَاری دنیا کُل بنی نوع انسان، تمام عالموں اور فاضلوں سب فرقوں قوموں اور ملکوں نے یکساں طور پر تسلیم کیا ہے سنیکرت کے اس مقولہ میں بیان کر دیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے، ”من بچن اور کرم سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤ۔ کسی کو نقصان نہ پہنچانا نیکی ہے اور کسی کو نقصان اور ضرر پہنچانا گناہ ہے۔“

بھگوت گیتا میں بار بار اشاروں اور کنایوں میں ان فرائض کا ذکر آتا ہے جو ایک انسان پر پیدائش یا زندگی میں مخصوص نام و مرتبہ کی وجہ سے انسان کے ضروری ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی انسان کے نظریۂ حیات کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اُس نے کہاں جنم لیا ہے۔ زندگی میں اس کا کیا درجہ ہے اور سوسائٹی میں اس کو کیا مقام حاصل ہے اس لئے ہمارے لئے یہ ضروری اور لازمی امر ہے کہ ہم ایسے کرم کریں جن سے اس سماج اور سوسائٹی کا نام روشن ہو، جس میں ہم نے جنم لیا ہو لیکن یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے والی ہے کہ سب سماجوں، سوسائٹیوں اور سب ملکوں اور

قوموں میں نہ تو حالات ایک طرح ہوتے ہیں اور نہ ہی نصب العین ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو تعصب اور عناد ہے اس کی بڑی وجہ ہماری یہی لاعلمی اور جہالت ہے۔ ایک امریکی باشندہ سوچتا ہے کہ میں نے اپنے ملک کے رسم و رواج کے مطابق جو کچھ کیا ہے، بہترین کیا ہے۔ اور جو شخص ایسا نہیں کرتا، اس کی تقلید نہیں کرتا، غیر معقول اور بدکار شخص ہے۔ ایک ہندو سمجھتا ہے کہ صرف اس کے رسم و رواج نہ صرف درست ہیں بلکہ ساری دنیا میں اعلیٰ ترین ہیں۔ اور جو ان پر عمل پیرا نہیں ہوتا وہ شخص بدکار اور خبیث ہے۔ یہ ایک ایسی تشدید غلطی ہے جس کا ہم میں ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن یہ غلط رجحان بہت نقصان دہ ہے اور دنیا میں اس وقت جو شر و فساد پایا جاتا ہے اُس کا پچاس فی صدی حصہ اس غلط رُجحان اور تعصب کی پیداوار ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دوسروں کے فرائض کا جائزہ ہم اُن کے مخصوص زاویۂ نگاہ یا نظریہ حیات سے ہی لیں اور کبھی دوسرے لوگوں کے رسم و رواج کا فیصلہ اپنے رسم و رواج سے نہ کریں۔ کسی کے رسم و رواج یا نظریات کے بارے میں عدل کرنے والا میں کون ہوتا ہوں؟ مجھے اپنے آپ کو دنیا کے موافق ڈھالنا ہے نہ کہ دُنیا کو اپنے سانچے میں ڈھالنا اور اپنے مطابق و موافق بنانا ہے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حالات اور گرد و پیش ہمارے فرائض کو ادلتے بدلتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس دُنیا میں سب سے اعلیٰ و ارفع کام جو کر سکتے ہیں۔ صرف یہ ہے کہ ہم خاص وقت کے مخصوص فرض کو بہترین طور پر انجام دیں۔ آئیے سب سے پہلے ہم وہ فرض ادا کریں جو پیدائش کی وجہ سے ہم پر لازم ہوتا ہے اور جب ادھر سے فارغ ہو جائیں تو ان فرائض کو پورا کرنے کی سعی کریں جو زندگی سوسائٹی اور سماج میں ہمارے مخصوص مقام نے ہم پر لازمی قرار دیئے ہیں۔

لیکن ہم اپنی فطرت کے ایک عیب اور نقص کو اپنی نظروں سے اوجھل رکھتے ہیں۔ ہماری فطرت اور سرشت کا سب سے بڑا خطرناک عیب یہ ہے کہ ہم خود اپنا مطالعہ نہیں کرتے۔ ہمیں دوسروں کو دیکھنے سے ہی اتنی فرصت نہیں ملتی کہ ہم اپنے آپ کو دیکھیں اپنا مطالعہ کریں۔ اپنا تجزیہ کریں۔ جسے دیکھئے اپنے آپ کو تیس مار خاں سمجھا بیٹھا ہے۔ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ تختِ سلطانی پر بیٹھنے کا اُسے حق حاصل ہے۔ مگر ایسا سوچنے سے پہلے اُسے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جو فرائض موجودہ حالات نے اُس پر لازم کئے ہیں، اُنہیں پورا کیا ہے یا نہیں بعد ازاں دوسرے اعلیٰ فرائض کا دھیان آنا چاہیئے۔ جب ہم دنیا میں کوئی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں تو دُنیا دائیں بائیں سے ہم پر ضربیں لگاتی ہے۔ بہت جلد ہمیں اس قابل بنا دیتی ہے کہ ہم اس بات کا صحیح احساس کر لیں کہ ہم کیا ہیں؟ سماج اور معاشرہ میں ہمارا مقام کیا ہے؟ کوئی آدمی اس منصب اور عہدہ پر بہت دیر تک فائز نہیں رہ سکتا۔ جس کے لئے وہ مستحق اور ضروری نہ ہو۔ نظامِ قدرت کے خلاف گریۂ زاری اور شکوہ و شکایت کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟ ہلکا اور ادنیٰ کام کرنے سے کوئی شخص

ہلکا اور ادنیٰ نہیں ہو جاتا اور نہ ہی کسی انسان کے متعلق فیصلہ اس بات سے کیا جانا چاہیئے کہ اس کے فرائض کیسے ہیں۔ سب کا حساب اور فیصلہ تو اس بات سے کیا جائے گا کہ انہوں نے ان فرائض کو کس خوش اسلوبی اور کس ڈھنگ سے انجام دیا۔

آگے چل کر ہم اس فیصلہ پر پہنچیں گے کہ فرض کے متعلق بھی نظریہ اور تصور تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کریں گے کہ سب سے اعلیٰ و ارفع کام اُسی وقت ہوتا ہے جب اس کام کے پیچھے کوئی خود غرضانہ جذبہ کارفرما نہ ہو جائے لطف تو یہ ہے کہ یہ کام بھی ایک خواہش تکمیلِ فرض ہوتی ہے جس کی تحریک اور ترغیب پر ہم بے لوث کام کرتے ہیں۔ جب نظریۂ حیات اس سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ تب کام عبادت اور بندگی بن جاتا ہے نہیں، بلکہ ایسا کام بندگی اور عبادت سے بھی کہیں زیادہ سربلند اور ممتاز ہوتا ہے اور ایسا کام خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔

ذرا غور سے دیکھئے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ فلسفہ فرض، خواہ ضابطہ اخلاق کی صورت میں عیاں ہو یا رشتۂ محبت کا لبادہ اوڑھے ہو۔ ایک ہی ہے شکل و صورت عمل الگ الگ ہیں لیکن روحِ عمل تو ایک ہی ہے۔ اور یہ فلسفہ فرض وہی ہے جو دوسرے ہر روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے اور یہ فلسفہ فرض ہے اپنے آپ کو لطیف و رقیق بنا۔ اپنے نفس کی تمام کثافتوں اور آلائشوں سے کنارہ کش ہونا تاکہ ہمارا حقیقی اپنا آپ، رُخِ جمال دکھا سکے ہماری جو قوتیں اور طاقتیں ادنیٰ اور حقیر باتوں میں ضائع ہوتی چلی جا رہی ہیں اور اس چند روزہ حیات کی کشمکشوں کی نذر ہوتی جا رہی ہیں انہیں بچایا جا سکے، اعلیٰ و ارفع مقاصد کے حصول کی طرف مامور کیا جا سکے۔ تاکہ ہماری آتما اعلیٰ سطح تک پہنچ سکے نورِ ازلی سے ہمکنار ہو سکے اور نغمۂ توحید سے بہرہ ور ہو سکے لیکن ایسا ہونا تبھی ممکن ہے اگر ہم مسلسل اور پیہم اپنی ادنیٰ خواہشوں کو مارتے چلے جائیں۔ اپنے نفس کی شرارتوں اور سرکشیوں کا خاتمہ کرتے چلے جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فرض اور کام محنتِ شاقہ کا سزاوار ہے۔ ہماری سوسائٹی اور ہمارے معاشرے کا تانا بانا دیدہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر عمل و تجربہ کی بنیادوں پر اس طرح استوار کیا گیا ہے کہ جوں جوں ہم خود غرضی اور نفس پرستی کو کم کرتے چلے جائیں گے انسان کی حقیقی فطرت اپنی تمام رعنائیوں اور دلکشیوں کے ساتھ بحید و حساب وُسعت اور فروغ پکڑتی چلی جائے گی۔

ادائیگی فرض شاید ہی کبھی خوش گوار ہوتی ہو۔ یہ تو جوہرِ محبت ہے جو اس کی ناگواریوں کو خوشگواریوں کا جامہ پہناتا ہے اور اس کی تلخیوں کو خوشیوں میں ڈھال دیتا ہے۔ محبت کے بغیر ادائیگی فرض کشیدگی، ناچاقی اور تلخی پیدا کرتی ہے ورنہ والدین اپنے بال بچوں کے لئے فرائض کیسے انجام دیں۔ خاوند اپنی بیویوں کے لئے اور بیویاں اپنے شوہروں کے لئے کیوں کر تکمیلِ فرض کی طرف راغب اور محو ہو سکتی ہیں کیا ہم اپنی زندگیوں میں آئے دن اس ناچاقی اور تلخی سے دوچار نہیں ہوتے؟ لیکن جب اس فعل میں جوہرِ محبت ملا دیا جائے۔ جذبہ محبت تکمیلِ فرض

کے جذبہ کے ہمرکاب ہوجائے تب یہی فرض اور فعل جگمگا اُٹھتا ہے۔ لیکن یاد رکھیئے کہ محبت صرف آزادی کی فضاؤں میں ہی پروان چڑھتی ہے۔ اور صرف آزاد فضاؤں میں ہی اپنے رُخِ جمال کو بے نقاب کرتی ہے۔

مقامِ افسوس ہے کہ ہم نے اس آزادی کا مفہوم یہ سمجھا ہے کہ اپنے نفس کے غلام بن جائیں کبھی غصہ کے کبھی حسد کے، کبھی انتقام کے، کبھی کینہ کے۔ انسانی زندگی میں آئے دن ہمارے دلوں میں شر وفساد، کفر وکذب کی جو جو صورتیں اُبھرتی رہتی ہیں ہم ان میں سے ہر صورت نفس کے غلام بننے کو ہی آزادی سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ اعلیٰ ترین مقدم ترین آزادی کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ زندگی کی تمام چھوٹی موٹی تلخیوں، پریشانیوں، مشکلوں اور آفتوں میں قوتِ برداشت اور صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیں۔ لیکن اس بُردباری، اس تحمل مزاجی اور اس رضا وتسلیم، اس صبر وشکر کی خو کو کیا ہو گیا ہے؟ عورتوں کو دیکھئے تو وہ تنک مزاجی، زود رنجی اور حسد وکینہ اور فطرت کی وجہ سے شوہروں کو جلی کٹی سناتی چلی جاتی ہیں۔ اپنی آزادی کی دھونس جتاتی ہیں لیکن وہ یہ بھول جاتی ہیں کہ ایسا کرتی ہوئی وہ محض اپنے آپ کو غلام ثابت کرتی ہیں یہی کیفیت شوہروں کی ہے جو ہمیشہ بیویوں کو ہی غلط کار سمجھتے رہتے ہیں ؛

ترقی اور عروج کا راز صرف یہ ہے کہ ہم اپنے فرض کو ادا کرنے میں جُٹ جائیں اور اس طرح طاقت و قوت حاصل کرتے ہوئے قدم قدم رواں دواں آگے بڑھتے چلے جائیں حتیٰ کہ ہم سب سے بلند اور اُونچی کیفیت کو حاصل کرلیں ؛

ایک جواں سال سنیاسی اور درویش (حضرت فرید) ایک مرتبہ جنگل میں گئے وہاں انہوں نے کڑی عبادت کی، اور کافی عرصہ تک خُدا کی یاد میں محو رہے، یوگ کماتے رہے۔ برسوں کے جپ، تپ، ریاضت وعبادت کے بعد ایک دن وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے سر پر چند گھاس پھوس کے تنکے آکر گرنے شروع ہو گئے۔ گردن اُوپر اُٹھا کر دیکھا تو چند چڑیوں کو آپس میں لڑتے پایا۔ یہ برہم ہو گئے۔ بولے "تم میں اتنی جرأت کہ میرے سر پہ گھاس پھوس کے ڈالتی ہو؟" یہ کہہ کر انہوں نے غصہ سے ان چڑیوں کی طرف دیکھا۔ ایک شعلہ سا ان کی آنکھوں سے نکلا جس نے چڑیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اپنی آنکھ اور زبان میں اس قدر کراماتی طاقت دیکھ کر انہیں بیحد خوشی اور گھمنڈ ہوا کچھ وقت پاکر وہ خیرات مانگنے شہر میں گئے۔ ایک گھر کے باہر کھڑے ہو کر انہوں نے الکھ جگائی بوڑھی ماں نے اندر سے جواب دیا "بیٹا ٹھہرو ابھی آتی ہوں"۔ انتظار کرنے کو توہین تصور کرتے ہوئے اُس درویش کو صاحبِ خانہ پر سخت طیش آیا۔ دل میں کہنے لگے اے حقیر عورت، تجھ میں اتنی جرأت اور تیری اتنی گستاخی کہ مجھ جیسے خدا رسیدہ اور کراماتی طاقتیں رکھنے والے درویش کو بھکشا کے لئے انتظار کرا، شاید تمہیں پتہ نہیں کہ مجھ میں کتنی طاقت ہے، اندر سے ماں بولی "بیٹا یہاں چڑیاں تھوڑے ہیں جو تمہارے کہنے سے مر جائیں گی اپنے

اُوپر اس قدر گھمنڈ نہ کرو" درویش یہ جواب سُن کر ہکا بکا رہ گئے' بولے ماں! غیب کا علم تم نے کہاں سے سیکھا کونسا یوگ کمانے سے تم انتریامی بن گئیں ؟" ماں بولی "بیٹا! میں یوگ وغیرہ کچھ نہیں جانتی اور تمہاری طرح کرم دھرم بھی نہیں کرتی۔ میں تو ایک معمولی عورت ہوں۔ میرا خاوند بیمار ہے اس کی خدمت میں مصروف ہونے کی وجہ سے میں جلدی نہ آسکی اور تمہیں انتظار کرنا پڑا۔ زندگی بھر میں نے ادائیگی فرض کی خاطر جدوجہد کی ہے۔ جب میں کنواری تھی' میں اپنے ماں باپ کی خدمت میں مصروف رہتی تھی۔ شادی ہونے کے بعد میں نے خاوند کی خدمت کو اپنا دستورِ حیات بنا لیا۔ دن رات اسی کی خدمت میں گذر جاتے ہیں۔ یہی ہے وہ یوگ جس کی میں نے کمائی کی ہے۔ فرض شناسی کی بدولت میری چشمِ باطن کھل گئی ہے' مجھے روشن ضمیری مل گئی اسی آنکھ سے میں نے تمہارے دل کی خلوتوں میں موجزن خیالات پڑھ لئے تھے اور یہ دیکھ لیا تھا کہ تم جنگل سے کیا کچھ کرکے آرہے ہو۔۔۔۔' یہ کہانی اس بات پر تصدیق ثبت کرتی ہے کہ معراجِ عبادت' ادائیگی فرض ہے:

فرض و خدمت کے متعلق گلا اور شکوہ تو اس کی زبان پر رہتا ہے جس کے دل کی نگاہیں انجام و نتیجہ پر لگی رہتی ہیں۔ جو حق الخدمت اور ثمر و انجام کے بارے میں بے نیاز ہو اس کی زبان حرفِ شکایت سے غیر آشنا رہتی ہے۔ اس کے لئے تو ہر خدمت اور ہر فرض اچھا ہے۔ وہ اس کام کو اس قدر انہماک سے انجام دیتا ہے کہ اس کی خود غرضی اور نفس پرستی مٹ جاتی ہے۔ اور رُوح کی آزادی اور سرشاری سے ہمکنار ہو جاتا ہے:

ہم فطری طور پر اپنے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا شکار رہتے ہیں۔ لیکن جہاں کام کرنے کا وقت آتا ہے' ہم جھنجھلا جاتے ہیں اور واہی تباہی بولنے لگ جاتے ہیں اور دوسروں کو دیکھ دیکھ کر سیخ پا ہوتے جاتے ہیں حالانکہ یہ مقابلہ اور موازنہ ہمیشہ رقابت و حسد' بغض و کینہ پیدا کرتا ہے اور شاخ دل سے رحم و کرم کی تمام کلیوں کو نوچ دیتا ہے اور مسل ڈالتا ہے۔ گلہ و شکایت کی وجہ سے بڑبڑانے والے کے لیئے ہر فرض بدمزگی پیدا کرتا ہے۔ اس کے اندر ایک ایسی تشنہ لبی اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے جسے دنیا کی کوئی شے نہیں مٹا سکتی۔ اس کا دل ہمیشہ سکون سے غیر آشنا رہتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی ساری زندگی اجیرن بن کر رہ جاتی ہے۔ تمام زندگی محرومیوں اور پریشانیوں کی تصویر بن جاتی ہے:

زندگی کا بہترین مصرف یہی ہے کہ ہم کام کرتے رہیں اور جو جو فرائض ہمارے سامنے آئیں انہیں پوری سرگرمی مستعدی اور ہمت کے ساتھ ادا کرتے جائیں۔ ایسا کرنے سے ہی ہم نورِ ازلی اور رحمتِ الٰہی سے فیض یاب ہو سکتے ہیں:

مالک کی طرح کام کرو

بھگوت گیتا میں ہم بار بار پڑھتے ہیں کہ ہمیں مسلسل اور لگاتار کام کرتے رہنا چاہیئے۔ لیکن کیا کبھی ہم نے اس قول کی گہرائی پر بھی غور کیا ہے۔ قدرتی طور پر ہر کام کا اچھا اور برا پہلو ہوتا ہے۔ کوئی بھی کام کیجئے، اس سے کسی نہ کسی کو کوئی فیض و فائدہ پہنچے گا اور کسی نہ کسی کو کوئی نقصان ضرور ہوگا۔ لازمی طور پر ہر کام میں اچھائی اور برائی ملی جلی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں یہی ہدایت و تعلیم دی جاتی ہے کہ ہم رُکے بغیر مسلسل اور متواتر کام کرتے چلے جائیں۔ اُس کے بُرے اور اچھے پہلو خود بخود اپنے اثرات پیدا کرتے چلے جائینگے یہ ایک کرم چکّر ہے۔ جو چلتا آیا ہے۔ چل رہا ہے اور یونہی چلتا جائے گا۔ اچھے اور نیک کام سے اچھائی اور نیکی ملے گی۔ اچھا اور نیک اثر پیدا ہوگا۔ بُرے کام سے بُرائی آئے گی اور بُرا اثر پیدا ہوگا۔ لیکن یہ اچھائی اور بُرائی، یہ نیکی اور بدی بھی کیا ہے؟ رُوح کی قید، آتما کا بندھن! گیتا نے اس پاپ اور پُنیہ، نیکی اور بدی سے چھٹکارہ پانے کے لیئے لاجواب ہدائیت دی ہے۔ گیتا کہتی ہے کہ اگر آپ نِشکام اور بے لوث ہوکر، نتائج سے بے نیاز ہوکر، بے تعلقی کو مشعار زندگی بنا کر کام کرینگے تو اس کام کے اچھے یا بُرے اثرات آپ کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکیں گے تو آیئے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ کرم میں نشکامتا کہاں سے آتی ہے اور کام کرتے ہوئے اس سے بے نیاز رہنے کا راز کیا ہے!

آپ نے کچھوا دیکھا ہوگا۔ جب یہ اپنی گردن اور پاؤں کھوپڑی کے اندر سمیٹ لیتا ہے، تب چاہے آپ اس کو مار ڈالیں یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ وہ اس سے باہر نہیں نکلے گا، کچھ ایسی کیفیت ہوتی ہے۔ اس اِنسان کی جس نے اپنے نفس پر کُلیتاً قابو پالیا ہو جس نے اپنے دلوں کے محرکات کو اپنے بس میں

کرلیا ہو۔ اُسے اپنی اندرونی قوتوں اور طاقتوں پر اس قدر قابو اور غلبہ حاصل ہوتا ہے کہ پھر کوئی لاکھ چاہے اُسے اس کی رضا و رغبت کے بنا باہر نہیں نکال سکتا۔ لگاتار ان اچھے اور نیک خیالات اور تصورات کو جو بار بار سطح ذہن پر رقص کرتے رہتے ہیں، اپنے دل و دماغ کی پنہائیوں میں اُتارتے رہیئے۔ اُن کے عکسِ جمیل کو اپنی رُوح میں دیکھنے کے فعلِ اضطراری کی بدولت اچھائی اور نیکی کرنے کا رُجحان مضبوط و مستحکم بن جاتا ہے۔ اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اپنی پانچوں گیان اندریوں اور پانچوں کرم اندریوں کو اپنے بس میں کرلیتا ہے۔ اُن پر پوری طرح قابو پالیتا ہے۔ صرف ایسا کرنے سے انسان کی سیرت بنتی ہے۔ اخلاق تعمیر ہوتا ہے اور انسان حق تک پہنچ سکتا ہے۔ ایسا انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مُکت ہو جاتا ہے۔ وہ کبھی کوئی بدی یا بُرائی کر ہی نہیں سکتا۔ ایسے انسان کو کسی بھی ماحول اور فضا میں رکھ دیجئے، کسی بھی سوسائٹی اور محفل میں بٹھا دیجئے، کسی بھی جگہ کوئی خطرہ یا نقصان پہنچنے کا احتمال پیدا نہیں ہوتا۔

لیکن ایک درجہ اِس سے بھی پرے ہے۔ جو نیک اور راستباز، حق شناس اور پارسا بننے سے بھی اونچا ہے اور یہ ہے مُکتی کی آرزو، نجات کی تمنا، رہائی کی خواہش، مخلصی کی طلب۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ یہی مُکتی، نجات، رہائی اور مخلصی سب یوگ سادھنوں کے نصب العین کی طرف لے جاتا ہے۔ صرف کام کرنے سے اِنسان اس مقام تک رسائی اور پہنچ حاصل کرسکتا ہے جس مقام کو بھگوان بُدھ نے ریاضت اور عبادت سے حاصل کیا یا جس مقام کو حضرت عیسےٰ نے دُعا اور بندگی سے پایا۔ بھگوان بُدھ کرم گیانی تھے تو عیسےٰ بھگت، لیکن ان دونوں نے ایک ہی مرتبہ اور مقام پایا۔ راستے الگ الگ تھے، منزل ایک ہی تھی۔

وہ کام جس کی بدولت آپ بھی اس مرتبہ و منزل تک پہنچ پائیں۔ یہی ہے کہ اپنے بُرے رجحانات اور اور خیالات کی مخالفت اور مزاحمت اچھے رجحانات اور خیالات سے کریں۔ اور ہم میں جو خراب، پراگندہ یا بُرے تاثرات پیدا ہوچکے ہیں، اُن کی جگہ اچھے اور نیک تاثرات کو دل میں بٹھائیں۔ حتےٰ کہ دل کے ہر گوشے میں دَبے چھپے ہوئے خیال اور تاثر کی سرکوبی یا بیخ کُنی کریں۔ اس کے بعد اچھے رجحانات اور تاثرات کو بھی قابو کرنا ہوگا۔ ایسا کرنے سے ہی جڑے ہوئے دل کو توڑا جا سکتا ہے۔ تعلقداری کو بے تعلق کیا جا سکتا ہے، غلام کو آقا بنایا جا سکتا ہے۔ حُسنِ عمل یہی ہے کہ کام کرو لیکن اُسے اپنی رُوح پر گہرا اثر پیدا نہ کرنے دو۔ سطحِ آب پر اُٹھنے والے بُلبلوں اور فنا ہو جانے والی لہروں کی طرح ان تاثرات اور محسوسات کو آغوشِ فنا میں مٹ جانے دو۔ آپ کے دست و بازو رگ و ریشے، یا فہم و فکر بھلے ہی کے لئے اور بھاری کاموں کو کرتے رہیں لیکن آپ کی رُوح اُن کے تاثرات سے بے نیاز اور بے داغ رہنی چاہیئے۔

یہ قوّت وقدرت کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے ؟ اِس سوال کا جواب لینے سے پہلے سوچیے کہ جو کام بھی آپ دل و دماغ کی تمام رغبتوں اور اُلفتوں کو اس سے وابستہ کرکے سرانجام دینگے، وہ ایک گہرا اثر چھوڑ جائے گا ۔ میں دن بھر میں سینکڑوں لوگوں سے ملتا ہوں ۔ اُن کی سُنتا ہوں اور اپنی سُناتا ہوں اس ہجوم میں ایسے شخص سے بھی مُلاقات ہو جاتی ہے جسے میں پیار کرتا ہوں ۔ رات کو سوتے وقت جب دل میں اُن تمام چہروں کے نقوش کا پرتو دیکھنے کی سعی کرتا ہوں تو رہ رہ کر اُسی شخص کی صُورت اُبھرتی چلی جاتی ہے ۔ اُسی کے خد و خال آئینۂ دل پر اُجاگر ہو جاتے ہیں ۔ جس سے میں محبت کرتا ہوں اور جسے شائد ایک منٹ سے زیادہ دیکھ بھی نہیں پایا تھا ۔ باقی سب چہرے مٹ جاتے ہیں ۔ وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ مجھے جو اُنس و پیار ہے اُس نے میرے دل و دماغ میں گہرا اثر پیدا کر رکھا ہے دوسروں کے ساتھ رغبت و اُلفت نہ تھی ۔ اِس لیئے اُن کی صُورتیں خانۂ ذہن میں محفوظ نہ رہ سکیں ۔ علم ترکیب اجسام حیوانات کے مطابق دیکھا جائے تو سب ملنے والوں کی صورتوں کے عکس آئینۂ دل پر اُترے ہیں ۔ میری آنکھ کی پُتلی ہر اُس مُورت و صُورت کی تصویر اُتارتی چلی گئی ۔ جسے میں نے دیکھا، لیکن اس کے باوجود سب تصویروں کے عکس ایک جیسے نہیں ہوتے ۔ بہت سی تصویریں پھیکی پھیکی سی تھیں ۔ اُتریں اور مٹ گئیں، بعض چہرے تو بالکل غیر مانوس اور اجنبی سے تھے ۔ اکثر و بیشتر پہلی بار دیکھے تھے ۔ اُن کے بارے میں دل میں کبھی کوئی سوچ بھی نہ آئی تھی ۔ لیکن جس سے محبت تھی اس کے چہرے کا ہلکا سا عکس بھی دل پر گہرے نقوش پیدا کر گیا ۔ شائد اس لیئے کہ دل و ذہن میں اِس سے پہلے ہی کتنے خاکے اور نقوش موجود و محفوظ تھے ۔ اِن نقوش کو میں برسوں سے اُتارتا چلا آرہا تھا ۔ اس لیئے جونہی اس سے آنکھیں چار ہوئیں ۔ کتنے ہی خوابیدہ نقوش بیدار ہو گئے ۔

اس ساری تعلیم و تلقین کا لُبِ لباب یہی ہے کہ مالک کی طرح کام کرو ۔ نوکر کی طرح نہیں ۔ مُسلسل اور پیہم کام کرو لیکن کام کے غلام بن کر نہیں ۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہر شخص کیسے کام کرتا ہے ۔؟ جسے دیکھیئے مصروفِ کار ہے ۔ اس جہان میں مکمل آرام کسے نصیب ہے ؟ سب کام میں جتے ہوئے ہیں لیکن نوے فی صدی لوگ غلاموں کی طرح کام کرتے ہیں ۔ اور نتیجہ نکلتا ہے ذلّت و خواری، رنج و غم، درد و کرب ۔ وجہ یہ ہے کہ یہ سب کام خود غرضی سے کیا جاتا ہے ۔ ہمارے دلوں کی خود غرضی ہی یہ رنگ لاتی ہے ۔ اِس لیئے میں پکار پکار کر تمہیں تلقین کرتا ہوں کہ کام آزادی کے ساتھ کرو ۔ بے تعلقی کے ساتھ کرو ۔ محبت کے ساتھ کرو ۔

یہ لفظ عشق و محبت کتنا مشکل اور مہمل سا لفظ ہے جس کے پُورے معنی سمجھ میں نہیں آتے ۔ جذبہ

عشق ومحبت اس وقت تک بیدار ہی نہیں ہوتا، جب تک آزادی حاصل نہ ہو۔ آزادی ہی سچے جذبِ محبت کو جنم دیتی ہے۔ اور اسے پروان چڑھاتی ہے۔ غلام کے دل میں سچی محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ چند کھنکھتے سکّے دے کر آپ غلام خرید لائیں۔ اُسے زنجیریں پہنا دیں۔ اور محنت ومشقت پر مامور کر دیں۔ وہ ایک بے نوا حیوان کی طرح خلافِ طبع سب محنت ومشقت کرتا چلا جائے گا۔ لیکن یہ کام پیار ومحبت سے خالی ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب ہم بھی دُنیاوی چیزوں کے لیئے غلاموں کی طرح کام کریں گے، تو ہمارے کاموں میں نہ محنت ہوگی اور نہ برکت۔ اور ہم جتنا کام بھی کریں گے، غیر حقیقی سا کام ہوگا۔ خواہ یہ کام ہم عزیز واقارب کے لیئے کریں۔ یا اقربا واحباب کے لیئے یا پھر اپنے آپ کے لیئے۔ جذبہ خودغرضی کے تحت کیا گیا سب کام، غلاموں ایسا کام ہوگا۔ جس میں نہ برکت کی چمک دَمک ہوگی اور نہ محبت کی خُوشبو ؛

اور پھر اس کی ایک پرکھ بھی ہے۔ محبت کا ہر کام مسرتوں اور خوشیوں کو دینے والا ہوتا ہے۔ ایک بھی ایسا کارِ اُلفت نہیں جو اپنے دامن میں سکون وقرار، رحمت وبرکت نہیں لاتا۔ محبت ومسرت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حقیقی زندگی، حقیقی علم اور حقیقی محبت یہ تینوں روزِ اوّل سے ایک دوسرے کے لیئے لازم وملزوم ہیں۔ جہاں ایک ہوگی، وہاں دوسری دونوں موجود ہونگیں۔ یہ تینوں ایک ہی جمال وکمال کے تین پَرتو ہیں۔ دوسرے دو کا خیال کیئے بغیر ایک کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اِسی وجہ سے ہم تینوں کو اکٹھا پکارتے ہیں۔ ست (ہستی)، چت (علم)، آنند (مسرّت) جب ہستی اضافی و اعتباری بن جاتی ہے تو کائنات کی صُورت میں ہمارے سامنے جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ اسی نسبت اور اعتبار سے علم کائناتی چیزوں کا علم بن جاتا ہے۔ اور رحمت وبرکت انسانی دِلوں سے شناسا محبت کی بنیاد بن جاتی ہے۔

وہ محبت سچی محبت نہیں ہوتی جو عاشق یا معشوق دونوں میں سے کسی ایک کو رنج وعذاب دے۔ فرض کیجیئے کہ ایک شخص ایک عورت سے محبت کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ پری جمال اس کی اور صرف اس کی ہو رہے۔ اس لیئے وہ عورت کی ہر حرکت کو نگاہِ حسد سے دیکھتا ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ بیٹھے تو اس کے پہلو میں اُٹھے تو اسی کے ساتھ، چلے تو اسی کے ہمرکاب اور ہم دوش۔ کھائے تو ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن کر۔ اس کی ہر حرکت اُسکے اشاروں کی مرہونِ منّت ہو۔ لیکن کیا یہ محبت ہے؟ نہیں! وہ خود اس پیکرِ حُسن کی زُلفِ گرہ گیر کا غلام ہے۔ اور اُسے اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ اُس کا نام عشق ومحبت تو نہیں۔ یہ تو ایک غُلام کی دل لگی ہے۔ جس نے عیاری سے عشق ومحبت کا جامہ اوڑھ رکھا ہے۔ یہ دلبری، آشنائی

دل لگی تو حقیقی عشق و محبت نہیں کہلا سکتی کیونکہ اس کا انجام رنج و عذاب ہے، درد و کرب ہے عشق کو درد و کرب سے کیا واسطہ؟ عشق تو راحت و تسکین ہے، سکون و قرار ہے۔ رحمت و برکت ہے۔ جو محبت دل کو سکون، جان کو راحت اور ہمارے دامنِ احساس کو رحمت و برکت سے نہ بھر دے وہ محبت حقیقی محبت نہیں ہو سکتی ایسی محبت کے جامہ عیاری کو تار تار کر کے دیکھ لیجئے کوئی اور جذبہ ہی کارفرما ملے گا اس جذبہ کو عشقِ حقیقی کیسے کہا جا سکتا ہے؟ آپ اگر اپنے خاوند، بیوی، بال بچے ساری دنیا کل کائنات سے ایسی ہی حقیقی محبت کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ آپ کو نہ اندیشہ درد و کرب ہے نہ خطرہ حسد و رقابت آپ حقیقتاً اس کیفیت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں جسے کیفیتِ بے نیازی کہا جا سکتا ہے۔

جو محبت حق و صلہ مانگتی ہے۔ وہ محبت کیسی؟ محبت دیتی ہے کچھ لینے کی آرزومند نہیں ہوتی۔ کیا آپ اپنے بال بچوں کو جو کچھ دیتے ہیں، ان سے اس کا حق وصلہ طلب کرتے ہیں؟ نہیں! کیونکہ آپ سمجھتے ہیں کہ ان کی خدمت کرنا ان کے لئے محنت و مشقت کرنا آپ کا فرض تھا، آپ اس فرض سے سبکدوش ہونے کے عوضانہ اور قیمت وصول کرنے کے لئے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔ وسیع القلبی سے کام لیجئے، آپ خواہ کسی بھی فرد و قوم، کسی بھی شہر و ملک کے لئے کوئی بھی کام کریں۔ اسی طرح کریں جس طرح اپنے بال بچوں کے لئے کرتے ہیں۔ حق خدمت یا صلہ و قیمت کی اُمید و آرزو نہ رکھو اگر آپ اٹل طور پر ایسا دینے والا عنایت کرنے والا داتا بن جائیں گے کہ جو کچھ بھی دنیا کو لٹائیں بلا صلہ و قیمت لٹائیں اور جو کچھ بھی دنیا کو دیں بلا معاوضہ دیں۔ آپ کا کوئی بھی کام آپ کے لئے کوئی بندھن، گرفت، قید یا پکڑ پیدا کرنے والا نہیں رہے گا آپ آزاد اور بے نیاز رہیں گے، گرفت تو شرک کی پیداوار ہے۔ دل بستگی اور پکڑ تو وہاں نمودار ہوتی ہے، جہاں صلہ و معاوضہ کی آرزو ہوتی ہے۔ یہ آرزو ہی نہ رہی تو پھر گرفت کیسی؟

اگر غلاموں کی طرح کام کرنے سے خود غرضی، دل بستگی اور گرفت پیدا ہوتی ہے تو اپنے دلوں کے مالک و آقا بن کر کام کرنے سے رحمت و برکت اور بے نیازی ملتی ہے۔ ہم اکثر حق و انصاف کی باتیں کرتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں حق و انصاف کی باتیں طفلانہ گفتگو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ ایک ہے ہمت و قوت اور دوسری ہے رحم و کرم۔ اکثر صورتوں میں قوت اور تشدد کا استعمال خود غرضی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اکثر و بیشتر مرد اور عورتیں اپنے حق و اختیار کے بل بوتے پر دنیا کا سب کچھ سمیٹ لینا چاہتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف رحم و کرم ایک خدائی جذبہ ہے۔ رحم و کرم گویا کلیدِ بہشت ہے۔ لیکن رحم و کرم کرنے سے ہمیں رحیم و کریم بننا ہوگا۔ حق و انصاف کی بنیاد بھی رحم و کرم پر ہونی چاہیئے۔ کسی کام کا صلہ و معاوضہ حاصل کرنے کی آرزو ہماری رُوحانی ترقی روک دیتی ہے بلکہ بالآخر رنج و الم لاتی ہے۔ رحم و کرم اور بے لوث سخاوت کے خیال و فکر کو عملی صورت پہنانے کا ایک اور ذریعہ

بھی ہے اور وہ ہے سرگن ایشور میں یقین و اعتقاد رکھتے ہوئے کام کو عبادت اور بندگی تصور کرنے لگیں۔ اس صورت میں ہم اپنے تمام کاموں کا ثمر حوالۂ خدا کر دیں۔ ایشور ارپن کر دیں۔ اور اس طرح ایشور کی عبادت ریاضت کرتے ہوئے بنی نوعِ انسان کی خدمت کریں اور اپنی اس خدمت کا کوئی صلہ و معاوضہ طلب نہ کریں۔ وُہ پروردگار خود مسلسل اور پیہم کام کرتا ہے اور ہمیشہ بےتعلق اور سب سے نیارہ رہتا ہے۔ جیسے پانی کنول کی پتیوں کو نمناک نہیں کر سکتا، اسی طرح کوئی کام کسی بےغرض اور بے لوث انسان کو پابند و اسیر نہیں بنا سکتا۔ ایسا کوئی گناہ اس کی طرف آنکھ اُٹھانے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا ؛

قربانیٔ نفس جاں نثاری اور ایثار کی بہترین مثال حسب ذیل داستان سے مل سکتی ہے :۔ کوروکھیشتر کی جنگ کے بعد پانچوں پانڈو بھائیوں نے بہت بڑا یگیہ کیا اور غریبوں، محتاجوں کو بہت کچھ دیا۔ تمام لوگ اسقدر بڑے یگیہ سے بہت حیران ہوئے اور پانڈووُں کی بےنظیر سخاوت اور دریا دلی دیکھ کر کہنے لگے کہ ایسا یگیہ دُنیا میں پہلے کبھی نہیں ہوا ۔ جب سب تقریبات ختم ہو گئیں تو وہاں ایک نیولا نمودار ہُوا، جس کا آدھا جسم مٹیالے رنگ کا تھا اور آدھا سُنہری۔ اس نے یگیہ شالہ میں ناچنا کودنا شروع کر دیا اور زور زور سے کہنے لگا کہ "تم سب جھوٹ بولتے ہو۔ یہ یگیہ یگیہ نہیں۔" لوگ حیران ہو کر بولے "تم کیا کہتے ہو، کیا تمہیں پتہ ہے کہ اس یگیہ پر کس قدر دولت بہائی گئی ہے اور اس قدر دولت خیرات میں دی گئی ہے کہ ہر شخص امیر و مسرور بن کر جائے ۔ ایسا یگیہ تو ہم نے نہ کبھی دیکھا ہے اور نہ دیکھیں گے۔" لیکن یہ نیولا بولا "ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک غریب برہمن اپنی بیوی، اپنے بیٹے اور بیٹے کی بہُو کے ساتھ رہتا تھا۔ یہ بہت مفلس تھے اور بچوں کو پڑھا کر جو تھوڑا بہت ملتا، اس میں گزارہ کرتے تھے۔ تب اس علاقہ میں تین سال کے لئے قحط پڑ گیا جس سے اس غریب برہمن کی حالت اور بھی خستہ ہو گئی، کئی دنوں کے فاقے کے بعد برہمن کو کہیں خوش قسمتی سے تھوڑا سا جَو کا آٹا مل گیا۔ اس کے انہوں نے چار حصّے کیے تا کہ ایک حصّہ ہر ایک کو مل جائے۔ جب وُہ اسے پکا کر کھانا کھانے لگے اس وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ خدمتِ مہمان، انکھی پُوجا کو ایشور پُوجا سمجھنے والے برہمن نے باہر آ کر کہا "آیئے مہاراج پدھاریئے، ہم آپ کا سواگت کرتے ہیں یہ کہہ کر اس نے مہمان کے آگے اپنا حصّہ پیش کر دیا۔ جو وُہ برہمن جھٹ سے چٹ کر گیا اور بولا "مہاراج، تم نے تو مجھے مار دیا۔ میں تو دس دن سے بھوکا تھا۔ فاقوں مر رہا تھا۔ یہ تھوڑا سا کھانا کھا کر میری بھوک تو اور چمک اٹھی ہے"۔ تب برہمن کی بیوی اپنے شوہر سے بولی "انہیں میرا حصّہ بھی دیدیجیے"۔ برہمن بولا "نہیں! یہ تم کھالو۔ لیکن وہ بولی" یہ غریب ہمارا مہمان ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ صاحبِ خانہ ہوتے ہوئے اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں اب میرا فرض ہے کہ میں اپنا حصّہ پیش خدمت کروں"۔ مہمان نے یہ حصہ بھی کھا لیا اور بولا "میری بھوک ابھی نہیں مٹی۔ کچھ اور کھانے کو

دو۔ یہ سُن کر بیٹے نے اپنا حصّہ پیش کر دیا۔ مہمان نے یہ حصّہ بھی کھا لیا۔ لیکن اس کی بھُوک پھر بھی نہ مٹی۔ اور پھر بیٹے کی بہُو نے بھی اپنا حصہ دے دیا۔ جب مہمان نے کھا لیا اور دُعائیں دیتا ہوا چل دیا۔ اس رات یہ چاروں بھوک اور فاقہ سے لقمۂ اجل بن گئے۔ وہاں فرش پر کھانے کے چند دانے بکھرے ہوئے تھے۔ جب میں اِن دانوں پر لوٹ پوٹ لیٹا، میرے جسم کا آدھا حصّہ سُنہری بن گیا۔ اور باقی کا آدھا جوں کا توُں رہ گیا۔ تب سے میں ایسے کسی دوسرے یگیہ کو دیکھنے کے لیئے دُنیا بھر کی خاک چھان رہا ہوں تاکہ کہیں ایسے ہی اناج کے چند اور ٹکڑے مِل جائیں اور جسم کا باقی آدھا حصہ بھی سُنہری بن جائے لیکن مجھے کہیں ایسا دوسرا یگیہ نہیں ملا۔ اسی وجہ سے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ یگیہ کوئی یگیہ نہیں"۔

جذبۂ ایثارِ نفسی اور رحم وکرم کا خیال اب ہندوستان میں مرتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مخلص، بے نفس اور نیک آدمی روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں۔

آپ یہ بات اب بخوبی سمجھ گئے ہونگے۔ کہ کرم یوگ کے معنی کیا ہیں؟ آخری سانس تک بلا حیل و حجُت غیر مشروط طور پر رحم وکرم کرتے چلے جانا۔ اور اس کے صلہ اور عوضانہ کی آرزو تک نہ کرنا۔ لاکھوں بار ٹھگے جانے کے باوجود حرفِ شکایت مُنہ پر نہ لاؤ۔ ایک لمحہ کے لیئے بھی نہ سوچو کہ تم کیا کر رہے ہو۔ تم نے کبھی کسی محتاج اور غریب کو کچھ راہِ خدا میں دیدیا تو اس پر شیخیاں مت بگھارو۔ کسی سے بھی شکریہ یا صِلہ کی اُمید و آرزو نہ رکھو۔ بلکہ دوسروں کا شکریہ ادا کرو کہ انہوں نے تمہیں سخاوت کرنے اور ایثار و قرُبانی کرنے کا نادر موقع بہم پہنچایا۔







ہندوستان اور اس کے مسائل

INDIA AND HER PROBLEMS

ہندوستان اور اس کے مسائل

صفحہ نمبر

ہماری مادرِ وطن

اگر کرۂ ارض پر کوئی ایسی سرزمین موجود ہے جو اپنے آپ کو مقدس و مبارک کہلا سکتی ہے اور پنیہ بھومی کہلانے کا افتخار و اعزاز رکھتی ہے تو وہ ہے سرزمینِ ہند۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں سب روحوں کو راہِ خدا کی جادہ پیمائیاں کرتے ہوئے اور نیک و بد اعمال کی سزا اور جزا بھگتتے ہوئے واصلِ حق ہونے کے لئے آنا پڑتا ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں نوعِ انسانی نے عجز و انکساری کی، شرافت و دیانت کی، پرہیزگاری اور پاک دامنی کی، نفس کشی اور فراخدلی کی سب سے بلند و بالا چوٹیوں کو سر کیا۔ یہی وہ سرزمین ہے جو ریاضت و عبادت کی ہی نہیں، مجاہدہ و مشاہدہ کی سرزمین ہے۔ یہ فخر و امتیاز صرف سرزمینِ ہند کے ہی نصیب و مقدر میں آیا ہے۔

یہی وہ قدیم سرزمین ہے، جسے حکمت و دانش اور فہم و فراست نے کہیں اور جانے سے پہلے اپنا مسکن بنایا۔ یہی ہے وہ سرزمینِ ہندوستان جس کے سرچشمۂ روحانیت کے فیض و کرم کی آئینہ داری مادی سطح پر یا وہ دریا کرتے ہیں جن کی وسعتیں سمندروں جیسی ہیں اور دیوانہ وار رواں دواں ہیں یا پھر کشورِ ہندوستان ہمالیہ کرتا ہے جس کی برف پوش چوٹیوں اور گھاٹیوں کا سلسلہ در سلسلہ حدِ نگاہ تک بلند سے بلند تر اٹھتا ہوا خلاؤں اور فضاؤں کے اسرارِ مخفی میں کھو جاتا ہے۔ یہی ہے وہ سرزمینِ ہندوستان، جسے دنیا کی سب سے بڑی خدا رسیدہ ہستیوں، عارفوں اور سالکوں، رشیوں و منیوں نے اپنی مقدس خاکِ پا سے قابلِ احترام بنایا۔ یہی ہے وہ مقدس سرزمین، جہاں انسان کی فطرت و سیرت اور دنیائے باطن کے متعلق سب سے پہلے تحقیق و جستجو کی گئی۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں روح کی ابدیت، آتما کے انادی ہونے اور قادرِ مطلق، خدا کی ہستی کا اقرار و دعویٰ کیا گیا۔ اسی خدا کا، جو قدرت کے سب نظاروں اور انسان کے سب شاہکاروں میں جلوہ آرا ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں مذہب و فلسفہ کے متعلق اعلیٰ ترین نظریے اور عقیدے بامِ عروج اور نقطۂ عروج پر پہنچے تھے۔

ہماری مقدس مادرِ وطن ہے یہی سرزمین مذہب و فلسفہ جس کی خاکِ پاک سے دنیا کے سب سے بڑے روحانی رہنما پیدا ہوئے وہ سرزمین جو ایثار نفسی، تیاگ اور ویراگیہ کی دھرتی ہے۔ وہ مبارک ملک جہاں روزِ اوّل سے اب تک زندگی کے متعلق اعلےٰ ترین تصور و ایمان کے دروازے ہر انسان کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ حقیقی معنوں میں ہندوستان فلسفہ، روحانیت، اخلاق و ایمان، شرافت و نفاست، عشق و محبت، پاک دامنی اور پرہیزگاری کو جنم دینے والی سرزمین ہے۔ یہ خوبیاں آج بھی اس سرزمین پر پائی جاتی ہیں۔ اور دنیا کے مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر میں دعوےٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج بھی ہندوستان اِن خوبیوں کے اعتبار سے دنیا کی تمام دوسری قوموں سے برتر اور پیش پیش ہے۔

یہ ہندوستان کی ہی سرزمین ہے جس نے صدیوں سے صدمے پہ صدمے برداشت کئے ہیں۔ سینکڑوں برسوں کی غلامی کی صعوبتیں جھیلی ہیں۔ راجوں اور سماجوں کے سینکڑوں انقلابات اور زلزلے دیکھے ہیں۔ ہزاروں غیر ملکی حملوں کے جور و ستم، ظلم و استبداد سہے ہیں۔ یہ ہندوستان کی ہی مقدس سرزمین ہے جو اِن طوفانوں اور طغیانیوں کے باوجود چٹان کی طرح مضبوط و مستحکم کھڑی ہے، اسی لازوال دم خم کے ساتھ، اسی لافنا حیات و بقا کے ساتھ، ہمیشہ دائم و قائم رہنے والی اسی تابندگی اور سربلندی کے ساتھ۔

ہندوستان کی زیست و زندگی کی وہی کیفیت ہے جو روحِ انسان کی ہے۔ بے آغاز۔ بے انجام۔ غیر فانی۔ زندۂ جاوید۔ اناری، اجر اور امر۔ ہم اسی مقدس سرزمینِ ہند کے خمیر سے پیدا ہونے والے اس کے بچے ہیں۔

اس مقدس سرزمین پر زندگی کی حرارتیں اور رعنائیاں اُس وقت بھی مصروفِ ہنگامہ تھیں جب یونان عالمِ وجود میں بھی نہیں آیا تھا۔ روم کا خیال و گمان تک کسی کے دل و دماغ میں بھی موجود نہیں تھا۔ جب جدید اور نئے یورپینوں کے آبا و اجداد ابھی جنگلوں اور بیابانوں میں وحشیوں جیسی زندگی بسر کرتے تھے اور مکروہ شکل و صورت اختیار کئے حیوانوں کی طرح رہا کرتے تھے۔ بلکہ اس سے کچھ پہلے اس دور میں جب صبحِ تاریخ نمودار نہیں ہوئی تھی، اس دور میں جس تک ہمارا علم و قیاس بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس دور میں جس دور کی ہر بات گھٹاٹوپ اندھیرے میں لپٹی ہوئی ہے۔ اس زمانۂ آفرینش میں بھی یہی مقدس سرزمین حق و ایمان کے متعلق نت نئے خیال، نت نئے نظریے اور نت نئے عقیدہ کو جنم دیتی چلی آئی ہے۔ اور پھر جو بھی لفظ اس ملک کی خاکِ مقدس سے بلند ہوا اپنے آگے پیچھے رحمتیں اور برکتیں لے کر بلند ہوا۔ تاریخِ عالم کی ورق گردانی کر دیکھئے۔ آپ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی اچھا نظریہ اور عقیدہ ملے گا، ہندوستان سے مستعار لیا ہوا ملے گا۔ کیونکہ نیکی اور پارسائی کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا۔ زمانۂ قدیم سے ہندوستان کی سرزمین بنی آدم کے معاشرے کو بیش بہا نظریوں اور عقیدوں سے مالا مال کرتی چلی آئی ہے۔ اعلےٰ ترین اخلاقی قدریں اسی سرزمین سے پیدا ہوئیں اور یہیں پروان چڑھیں۔ ہندوستان نے ان قدروں پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی بجائے ان نظریوں اور عقیدوں کو فراخدلی کے ساتھ ساری دنیا

میں تقسیم کیلیے مذہبی عقائد کی تحقیق و جستجو سے یہ بات غیر مبہم طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کا کوئی بھی ملک ایسا نہیں جس نے اعلےٰ اخلاقی قدریں کو ہندوستان سے حاصل نہ کیا ہو۔ دنیا کا کوئی بھی دین و مذہب ایسا نہیں جس کا روح کی بقائے دوام کے متعلق نظریہ اور عقیدہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ہندوستان سے اخذ نہ کیا گیا ہو۔ یہی وہ مقدس سرزمین ہے جس سے توحید و معرفت کے فلسفہ نے طوفانی لہروں کی طرح دیوانہ وار بلند ہو کر ہندوستان کے کناروں سے باہر نکل کر ساری دنیا کو سیراب کیا۔ اگر بنی نوع انسان کی دم توڑتی قوموں کو نئی زندگی اور توانائی حاصل کرنی ہے تو روحانیت اور فلسفۂ حیات کی بھرپور موجوں کو ایک بار پھر ہندوستان کی سرزمین پر موجزن اور رقصاں ہونا ہوگا۔

وہ قرضہ جو اس دنیا کو ہماری مادرِ وطن کا ادا کرنا ہے بے حساب ہے۔ ایک ایک ملک کو لے لیجئے آپ اس کرۂ ارض پر ایک بھی ایسی نسل و قوم نہیں پائیں گے جس نے بنی نوع آدم پر رحمت و برکت کی اس قدر گرانقدر بارش کی ہو جس قدر امن پسند، نرم دل ہندوؤں کے سوز و گداز نے کی ہے جس طرح شبنم کے جھلملاتے موتی ان دیکھے اور ان سنے دبے پاؤں خراماں خراماں گلاب، موتیا، نرگس اور چنبیلی کی ایک ایک پنکھڑی کے دامنوں کو ہوش و حواس لوٹ لینے والی مہک اور خوشبو سے بھر دینے کے لئے اترتے ہیں، اسی طرح ہندوستان نے شور مچائے بغیر، خاموشی اور انہماک سے ساری دنیا کے اندازِ فکر اور زاویۂ حیات میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر کے رکھ دیا۔ ساری دنیا کی نظر و فکر میں ہندوستان نے اس قدر نمایاں اور گراں بہا حصہ ڈالا ہے۔ کہ کوئی دوسرا ملک دعوئ ہمسری نہیں کر سکتا۔ ہندوستان نے دنیا بھر میں ایسا اپنا رنگِ اثر دکھایا ہے جو خاموش اور بے نوا تو ہے لیکن جسے ہر جگہ واضح اور عیاں شکل میں جلوہ گر دیکھا جا سکتا ہے۔

قدیم زمانہ سے لیکر عصرِ حاضر تک عظیم اور قوی قومیں، زبردست عقیدوں اور نظریوں کو جنم دیتی آئی ہیں۔ جب سے تاریخ کی آنکھیں کھلی ہیں اور زمانہ نے ہوش سنبھالا ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک دنیا کی نسلیں اور قومیں اپنے افکار و عقائد سے دوسری نسلوں اور قوموں کو متاثر کرتی چلی آئی ہیں۔ زمانہ قدیم سے لے کر ابتک قومی زندگی کی بے پناہ موجوں نے حق و قوت کا بیج دور دراز تک بویا ہے۔ لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ یہ عمل ہمیشہ طبلِ جنگ کے ساتھ انجام دیا گیا۔ تخم ریزی کا یہ کام ہمیشہ جنگ و جدل کے ذریعہ سر سے چڑھایا گیا۔ خوں ریزی اور غارت گری کا سہارا لے کر کیا گیا۔ ہر نیا نظریہ اور عقیدہ خون کی ندیاں بہا کر دوسروں کے دلوں میں پیوست کیا گیا۔ ہر نئے اندازِ فکر و نظر کو ہزاروں اور لاکھوں معصوم انسانوں کے خون سے بھرے دریاؤں میں سے گذرنا پڑا۔ ہر لفظ کے ردِ عمل کے طور پر ہزاروں آہیں اٹھتی تھیں۔ لاکھوں چیخیں لب پر آتی تھیں۔ ہر خیال اور ہر تصور کے پیچھے یتیم بچوں کی اتنی دلسوز آہ و زاریاں ہوتی تھیں کہ آسمان کا بھی کلیجہ دہل جائے۔ بیوہ عورتوں کی گریہ و زاریاں بلند ہوتی تھیں جنہیں سن کر پہاڑوں کے دل موم ہو جائیں، چٹانوں کے سینے پگھل جائیں۔ دنیا کی

اکثر و بیشتر قوموں نے دنیا کو جو کچھ سکھایا۔ پڑھایا۔ اسی جور و جبر کے ساتھ۔ اسی تشدّد اور استبداد کے ساتھ، اسی بے رحمی اور سنگدلی کے ساتھ۔ دوسرے ملکوں کو چند مخصوص تصوّرات اور نظریات سے بہرہ ور کرنے کی داستان ان چیرہ دستیوں، انہی خون آشام جنگوں، لرزہ خیز ہلاکتوں اور رونگٹے کھڑے کرنے والی غارت گریوں کی داستان ہے لیکن ہندوستان کا دامن اس جارحیت اور جنگ و جدل سے قطعی طور پر غیر آشنا رہا ہے۔ اور یہ ملک ہمیشہ ہمیشہ امن و آشتی کا علمبردار بنا رہا ہے۔

اہل مغرب کے نزدیک حیات و بقا کا راز قوّتِ حرب و جنگی طاقت میں ہے۔ ان کا عقیدہ ہے جو سب سے زیادہ مضبوط اور توانا ہوگا۔ صرف وہی زندہ رہ سکے گا۔ اور صرف اسے ہی زندہ رہنے کا حق حاصل ہوگا۔ ایسی تھیوریاں اہلِ مغرب پیش کرتے ہیں۔ لیکن اگر یہ نظر و فکر برحق ہوتی۔ تو عہدِ ماضی کی جنگجو، جارحیت پسند، ہیبت و قوّت رکھنے والی قومیں آج بھی کامرانی اور مسرّتوں سے مالا مال زندگی بسر کرتی نظر آتیں۔ اور ہم ہندو جنہوں نے ایک بھی فرد یا قوم کو فتح و تسخیر نہ کیا، کب کے مرمٹ گئے ہوتے۔ اور ہمارا نام و نشان ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہ ملتا لیکن دیکھ لیجئے کہ ہم ہندو زندہ و سلامت ہیں، وہ بھی کروڑوں کی تعداد میں۔ یہ طرۂ امتیاز صرف سرزمین ہند کے ہی نصیب میں آیا ہے۔ کہ یہ کبھی جنگ باز، جارحیت پسند، غارت گر اور حملہ آور نہیں بنی۔ یہی خوبی و صفت اس کے سر پر رحمت کا ہاتھ رکھتے ہوئے ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم آج بھی قائم و دائم ہیں۔

یونانیوں کی اس قدیم سلطنت کا نام و نشان تختۂ ارض سے مٹ چکا ہے۔ جس کا طوطی کبھی ہر سو بولتا تھا۔ یہ سلطنت کچھ اس طرح نیست و نابود ہوئی کہ آج اس کی داستان یاد کر کے سرد آہ بھرنے والا ایک بھی غم گسار نہیں ملتا۔ ایک وقت تھا جب دنیا بھر میں سلطنتِ روم کے عقاب و شہباز کا ہی پرچم و علم لہراتا تھا ہر جگہ سلطنتِ روم کا دبدبہ تھا ساری نسلِ آدم اس کے پاؤں کی جنبش سے لرزہ براندام رہتی تھی۔ لیکن آج اس سلطنت کے دار الخلافہ کیپیٹو لائن ہل محض کھنڈروں کا ڈھیر بنا اپنے زوال پر رنج و ماتم میں ڈوبا ہوا ہے۔ جہاں کبھی سیزر جیسا حکمران تختِ شاہی پر جلوہ افروز رہتا تھا۔ وہاں اب کھنڈروں میں مکڑیاں اپنا جال بنتی نظر آتی ہیں۔ اُلّو رنج و یاس کی بولیاں بولتے نظر آتے ہیں۔ اور چمگادڑ ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ ایسی کتنی ہی جلیل القدر قومیں اس دارِ فانی میں ہو چکی ہیں۔ جو بگولہ کی طرح اٹھیں۔ آندھی کی طرح چھائیں۔ اور پھر چار دن کی چاندنی دکھا کر بحرِ ظلمات میں گم ہو کر رہ گئیں۔ اور صفحۂ ہستی سے یوں ناپید ہو گئیں۔ جیسے پانی کے بلبلے مٹ جاتے ہیں۔ یہ ہے ان قوموں اور نسلوں کی کہانی۔ جن کی مہیب قوّت و طاقت سے لوگ تھر تھر کانپنے لگ جاتے تھے۔ لیکن آج جن کا نام لینے اور ماتم کرنے والا بھی موجود نہیں۔ لیکن ایک ہم ہیں کہ بدستورِ سابق، زندہ و سلامت ہیں۔ اگر آج منو مہرشی واپس آ جائیں تو اپنے آپ کو کسی غیر مانوس، غیر شناسا، اجنبی سے ملک میں نہیں پائیں گے۔ کیونکہ آج بھی ہمارے قانون و دستور

وہی ہیں جو ہزاروں برس پہلے ایجاد و مرتب کیے گئے تھے۔ آج بھی ہمارے رسم و رواج وہی ہیں جو ہمارے صدیوں کے تجربہ و مشاہدہ کا نچوڑ ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ہم غیر فانی اور جاوداں ہیں۔ اور زمانہ کے نت نئے انقلابات اور ان گنت لیل و نہار دیکھنے کے باوجود قائم اور دائم ہیں۔ جیسے ہر حادثہ، ہر بدنصیبی، ہر رنج و الم ہمارے لئے ایک نئی زندگی، نئی بہار، اور نئی تر و تازگی کا پیغام بن کر آیا۔ تاکہ ہم اور بھی مضبوط اور ثابت قدم بن سکیں۔

کیا کبھی آپ نے ایسے ملک کا نام سنا ہے جہاں کے شہنشاہوں اور فرماں رواؤں نے بھی اپنے آپ کو زرق برق شاہی محلات میں عیش و نشاط کی رنگین و خوش ادا زندگی بسر کرنے والے ایسے تاجداروں کی اولاد نہیں کہا جو غریب راہگیروں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ بلکہ اپنے آپ کو ہمیشہ جنگلوں اور ویرانوں میں ادھ ننگا رہنے والے فقیروں اور درویشوں کی اولاد کہلانے میں فخر محسوس کیا۔ یہ ملک صرف ہندوستان ہے جس کا اثاثۂ حیات تھے اس کے تارک الدنیا، خدا رسیدہ بزرگان دین والایمان، جو دنیا بھر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ میں دنیا کا سب سے زیادہ خوش نصیب انسان ہوں لیکن یہ فخر و اعزاز مجھے اپنی وجہ سے نہیں ملا۔ بلکہ ورثہ میں ملا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس کی وجہ میرے آبا و اجداد ہیں۔ میں نے ماضی کے کنوؤں میں جس قدر جھانکا ہے۔ اور عہد سلف کا جس قدر مطالعہ کیا ہے اسی قدر میرے دل و دماغ میں اور بھی فخر و افتخار پیدا ہوا ہے۔ اسی قدر زیادہ امید ہمت اور اعتماد کی دولت میرے آنچلوں میں سمٹ آئی ہے۔ محسوس ہوا کہ مجھے فرش سے اٹھا کر عرش بریں تک پہنچا دیا گیا ہے اور مجھے تلقین کی گئی ہے کہ میں اپنے آبا و اجداد کے نقوش پا کو دیکھتے ہوئے ان کی بتائی ہوئی راہوں پر گامزن ہو جاؤں۔ اور ان کے دستور حیات کو اپنا دستور حیات بنالوں۔ اے قدیم آریوں کی اولاد! ایشور کرے تم کو بھی یہی امید، ہمت اور اعتماد کی دولت ملے۔ اپنے بزرگوں اور آبا و اجداد پر اعتماد آپ کے خون میں گھل مل جائے۔ یہ اعتقاد اور اعتماد آپ کی زیست و زندگی کا جزو و جان بن جائے۔ اور تم بھی ساری دنیا کی نجات و مسرت کے لئے مصروف کار ہو جاؤ۔

یہی ہے وہ نئی زندگی بخشنے والا آب حیات، جس کے ساتھ ہمیں مادہ پرستی اور نفس پروری کی اس آگ کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ جس آگ نے دوسرے ملکوں کے کروڑوں انسانوں کے دلوں میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکا رکھے ہیں۔

جیسے ہر ملک و قوم کو اپنا اپنا مخصوص فرض ادا کرنا ہے۔ اور اپنا اپنا مخصوص کردار انجام دینا ہے۔ اسی طرح یہ بھی قدرتی امر ہے کہ ہر ملک و قوم کی ایک مخصوص انفرادیت اور خصوصیت ہوتی ہے، جس سے اس کا آغاز حیات ہوا تھا۔ ہر نسل و قوم کا ایک مخصوص رنگ جمال ہے۔ جو اس دنیائے رنگ و بو کی زندگی اور خوبصورتی کے لئے اشد ضروری ہے۔ یہ مخصوص رنگ جمال ہی اس کی جان و حیات، اس کی روح رواں ہے۔ یہی اس کی بنیاد زندگی

ہے۔ یہی اس کی قومی زندگی کا مخزن ہے۔ سرچشمۂ حیات ہے۔ بعض ملکوں کی جان اس کی سیاسی طاقت و اقتدار میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ برطانیہ کی ہے۔ بعض ملکوں کی جان اس کے آرٹ اور ادب میں ہوتی ہے۔ کہنے سے مراد صرف یہ ہے کہ ہر ملک کا ایک مخصوص جوہرِ حیات ہوتا ہے۔ میں نے تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے کہ میں امریکنوں کو اس مذہبِ ایمان کے متعلق اس وقت تک کچھ نہیں پڑھا سکتا تھا جب تک انہیں یہ بات ذہن نشین نہ کرا دیتا تھا۔ کہ اس مذہبِ ایمان کا ان کی معاشرتی زندگی پر کیا اثر پڑے گا۔ میں انگلستان میں اس وقت تک مذہبِ ایمان کی تعلیم و تربیت نہ دے سکتا تھا۔ جب تک میں انہیں یہ نہیں بتا دیتا تھا۔ کہ ویدانت پر عمل کرنے سے انہیں کیا کیا فائدے حاصل ہوں گے۔

لیکن یہ مقدس و مبارک سرزمین ہند ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی، جس کی روحِ رواں، جس کی بنیادِ زندگی اور جس کی حیات و بقا مذہب ہے اور صرف مذہب ہے۔ ہندوستان میں مذہبی زندگی ہی کل قومی زندگی کی کلید و کنجی ہے۔ ساری قومی زندگی کا تانا بانا مذہبی زندگی کے ارد گرد مستور ہے۔ دوسرے ممالک سیاست و حکمتِ عملی کی باتیں کرتے ہیں تو کرنے دیجئے۔ دوسرے تجارت کے ذریعہ دولت و سرمایہ جمع کرنے کے ذکر و فکر میں مستغرق ہیں تو رہنے دیجئے۔ دوسرے نفس پروری اور تن آسانی کا چرچا کرتے ہیں تو کرنے دیجئے۔ کیونکہ یہ سب کے سب ایسے موضوعات ہیں جنہیں ہندوؤں کا دل و دماغ نہیں سمجھ سکتا۔ اور نہ ہی انہیں سمجھنے کی کوئی تمنا اور آرزو رکھتا ہے اس کے ساتھ روحانیت۔ توحید و معرفت۔ روح و خدا۔ ابدی رحمت و مسرت کے تذکرے کر دیکھئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ ہندوستان کے ادنیٰ ترین کسان کو دوسرے ملکوں کے بہترین عالموں۔ فاضلوں اور دانشوروں سے کہیں زیادہ سوجھ بوجھ رکھتا ہوا پائیں گے یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں سماج سدھار کی تعلیم دینے کے لیے لوگوں کو یہ بتانا پڑتا ہے کہ نیا معاشرہ روحانیت کا کس قدر حامل ہوگا۔ اگر یہاں سیاسی تعلیم دی جاتی ہے تو لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانی ہوگی۔ کہ اس کی بدولت ملک کس قدر روحانیت سے فیضیاب ہو سکے گا۔ جس طرح ہر ایک فرد و بشر کی الگ الگ پسند ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر ملک کی اپنی اپنی پسند، اپنا اپنا رجحان، اپنا اپنا میلان، اپنا اپنا نظریۂ حیات ہوتا ہے۔

یہاں تک ہماری پسند و انتخاب کا تعلق ہے، ہم نے اس کا فیصلہ برسوں پہلے کر دیا تھا۔ اور ہم اسی پر کاربند رہیں گے۔ پھر جس انتخاب اتنا خراب نہیں کہ اسے یونہی ترک کر دیا جائے۔ کیا اس دنیا میں نفس و مادہ کی بجائے روح اور آتما موجودات اور مخلوقات کی بجائے خالق کا ذکر و فکر کرنا اتنا ہی معیوب ہو گیا ہے کہ اسے اب خیرباد کہہ دیا جائے؟ اس دنیا سے اس قدر گہری محبت اور اس دنیا سے اس قدر نفرت، ایثارِ نفسی اور زہد و تقویٰ سے اس قدر عقیدت اور وابستگی، ربّ العالمین اور ایشور پر اس قدر ایمان و اعتقاد، اور لافنا روح پر اس قدر اعتماد، یہ سب خوبیاں اور صفتیں آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔ میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی ان خوبیوں اور صفتوں کو

چھوڑ کر دکھائے یقینی طور پر آپ نہیں چھوڑ سکتے چھوڑنے اور چھوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ ادراک و نظریات آپ کے خون میں رچے ہوئے ہیں۔ آپ مادہ پرست ہونے کا دعوے کرکے مجھے گمراہ کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سوانگ کو پوری طرح نبھانے کی خاطر آپ چار چھ مہینے مادہ پرستی کا ہی ذکر و فکر کرتے رہیں لیکن میں یہ امر بخوبی طور جانتا ہوں کہ آپ کی اصل قدر و قیمت کیا ہے۔ میرے ایک ہی جھٹکے، میری ایک ہی تحریک سے آپ پھر ایک بار ویسے ہی خدا پرست اور دین و ایمان کے دلدادہ بن جائیں گے جس طرح پہلے تھے۔ آپ اپنی فطرت و سیرت کو کیسے تبدیل کر سکتے ہیں؟ آپ کی سیاست، معاشرتی تنظیم نو، روپیہ بنانے، سرمایہ جوڑنے کے متعلق یہ سب لمبی چوڑی باتیں آپ کے دامن سے اس طرح جھڑ جائیں گی جس طرح پانی کے قطرے کنول کی پنکھڑیوں سے بکھر جاتے ہیں۔ انہیں تم کئے بنا بہہ جاتے ہیں۔

اگر کوئی قوم اپنی قومی روحِ حیات کو ترک کر دینا چاہے اور اپنی صدیوں پرانی بنیادِ زندگی کو تبدیل کر دینا چاہے تو اول تو یہ قوم اس کام میں کامیاب نہیں ہو گی۔ اور اگر بالفرضِ محال کامیاب ہو بھی جائے تو اس کی موت ہو جائے گی۔ آپ نے اگر اپنے مذہب و دھرم، اخلاق و ایمان کو ترک کرکے دوسروں کی سیاست گری اور دوسروں کے طرزِ حیات کو اپنانا چاہا۔ اپنی روحِ حیات کو ذبح کرکے دوسروں سے زندگی مستعار لینے کی کوشش کی تو آپ کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ اس بنیادِ زندگی، اس کلیدِ حیات کو ترک کرکے دیکھ لو آپ کی موت واقع ہو جائے گی۔ اس فعل کا انجام ہی موت و قضا ہے۔ تباہی اور بربادی ہے۔ ہندوستان کی زندگی مذہب ہے اور صرف مذہب۔ اگر آپ نے یہ زندگی اس سے نوچ لی۔ اس سے چھین لی۔ تو ہندوستان کیسے زندہ و سلامت رہ سکتا ہے۔ لاکھ سیاستوں سے، لاکھ معاشرتی اصلاحوں سے، لاکھ دولتوں سے اس ہندوستان کو زندہ و سلامت نہیں رکھا جا سکے گا۔

میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی میری مراد یہ ہے کہ ہمیں سیاسی اور معاشرتی اصلاحات کی ضرورت نہیں میرا مطلب و مدعا صرف اتنا ہے کہ آپ یہ بات اچھی طرح سے اپنے پلے باندھ لیں۔ کہ یہ سب چیزیں ثانوی اہمیت رکھتی ہیں۔ اولین ضرورت دین و مذہب کی ہے، اخلاق و ایمان کی ہے توحید و خدا پرستی کی ہے۔ جو اہمیت اس جسم کے لئے خون کی ہے۔ وہی اہمیت مذہب و دھرم کی ہندوستان کے لئے ہے۔ اگر خون صاف اور اچھا ہو اور رگوں میں دوڑتا پھرتا رہے تو یہ جسم و جان سلامت رہتے ہیں۔ لیکن اگر اسے نکال دو۔ تو جسم بے جان ہو جائے گا۔ یہی کیفیت روحانیت کی ہے۔ اسے ہندوستان سے چھین لو تو اس کی روح پرواز کر جائے گی۔ اور پھر! اگر خون صاف اور اچھا ہو تو کوئی مرض نہیں لاحق ہو گا۔ اسی طرح اگر روحانیت کی بنیاد درست اور مستحکم ہو گی تو سیاسی اور معاشرتی نظام بھی بے نقص رہے گا۔ اگر خون خراب اور گندہ ہو گا۔ تو ہر بیماری حملہ کر دے گی۔ اور ہر مرض دھاوا بول دے گا ہندوستان کی بیماریوں اور روگوں کا

علاج کرنا چاہتے ہوں تو اس کے روحانیت اور مذہبی خونِ حیات کو صاف و شفاف بنا دیں۔

آپ نے اگر اتنی صدیوں سے پے در پے صدمے اور دکھ برداشت کئے ہیں تو اس لئے کہ آپ کا یہ خونِ حیات صاف و شفاف تھا۔ آپ نے اسے صاف و شفاف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آپ نے سب کچھ گنوا کر بھی سب کچھ لٹا کر بھی خون کو صاف رکھنے پر زور دیا۔ آپ کے آبا و اجداد نے ہر اذیت کو ہنس ہنس کر برداشت کر لیا ہر ظلم و ستم کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا۔ حتیٰ کہ وہ مسکراتے ہوئے تختۂ دار پر لٹک گئے اور جامِ شہادت نوش کر گئے لیکن انہوں نے اپنے دین و ایمان، مذہب دھرم پر آنچ نہ آنے دی، غیر ملکی حملہ آور یکے بعد دیگرے ہندوستان پر حملہ کرتے رہے۔ انہوں نے مندر کے بعد مندر توڑ ڈالے شوالوں اور دھرم ستھانوں کی ناگفتہ بہ بے حرمتی کی۔ انہیں زمیں ریزہ کر دیا۔ ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ لیکن جونہی حملے اور جارحیت کی یہ آندھی ختم ہوئی مندر پھر بن گئے۔ شوالے پھر سے کھڑے ہو گئے۔ اور عبادت گاہیں پھر سے آباد ہو گئیں۔ گجرات کے سومناتھ مندر کی طرح شمالی۔ وسطی اور جنوبی ہند کے یہ مندر اور دھرم ستھان آپ کو بہت سی عقل و دانش سکھا سکتے ہیں۔ کتابوں سے کہیں زیادہ یہ مندر آپ کو ہندوستان کی تاریخ کے سبق پڑھا سکتے ہیں۔ ذرا غور و خوض سے دیکھئے کہ ان مندروں پر اگر سینکڑوں حملہ آوروں کی جارحیت کے نشانات ہیں تو یہ سب مندر آپ کو ہزاروں نئی زندگیوں کی عکاسی کرتے نظر آئیں گے۔ وہ زندگیاں جو حملہ آوروں کے بعد خاک و راکھ سے اٹھیں۔ نہ جانے کتنی بار یہ مندر اور شوالے اجڑے اور کتنی بار آباد ہوئے۔ نہ جانے کتنی بار دشمن کے بے رحم ہاتھوں نے انہیں تہ تیغ کیا۔ لیکن یہ تھے کہ پھر زندہ ہو گئے اور بار بار شفق ہو گئے۔ کیوں؟ مذہب دھرم کی حرارت کی وجہ سے یہی ہندوستان کی روحِ رواں، روحِ حیات ہے۔ اس کی حفاظت کرو۔ یہ آپ کی حفاظت کرے گی۔ اس کی پاسبانی اور نگہبانی کرنے سے ہی آپ عظیم و سربلند بن سکتے ہیں۔

ہندوستان کی روح اولین طور پر مذہبی اور روحانی ہے، بعد میں کچھ اور ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ تم پوری ہمت سے اس کی روح اور اس کے اس فہم و ادراک کی حفاظت و نشو و نما کرو۔ تم جو کچھ کرو، اسی حرارتِ مذہب اور گرمیٔ ایمان سے کرو۔ تمہاری رگ و پے کی ایک ایک حرکت و جنبش میں یہی جذبۂ دین و ایمان۔ مذہب دھرم موجزن ہو جانا چاہئے۔ ہندوستان کے قومی نصب العین دو ہی تو رہے ہیں۔ ایک ہے تقوےٰ، تیاگ، بے نفسی اور ویراگ کا۔ دوسرا ہے خدمت اور سیوا کا۔ ساری قومی زندگی کو ان دونوں سانچوں میں ڈھال لو۔ اور اپنی قومی زندگی کا رخ ان دونوں قدرتی بہاؤ کی طرف موڑ دو۔ اس ملک میں مذہب ایمان کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہیں ہونا چاہئے۔ اسی میں اس کی زندگی اور نجات پنہاں ہے۔

بھلائی کے لئے سمجھئے یا برائی کے لئے۔ ہماری قومی زندگی کا روحِ رواں مذہب اخلاق ہے پھر بھلا آپ اپنے اس خمیر و ضمیر کو کیسے تبدیل کر سکتے ہیں؟ آپ چاہیں بھی تو اسے تلف و تباہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کی جگہ

کسی اور کو دے سکتے ہیں۔ ایسا کرنا اسی طرح مشکل اور دشوار ہے جیسے آپ ایک پھلے پھولے درخت کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگا کر سرسبز و شاداب نہیں رکھ سکتے اور نہ ہی اس گڑھے میں کوئی دوسرا پھلا پھولا پودا لگا کر زندہ رکھ سکتے ہیں۔ بھلائی کے لئے کہو یا برائی کے لئے، مذہب، ایمان کا آدرش و نصب العین سینکڑوں ہزاروں برسوں سے ہمارے خون میں سرایت کر چکا ہے۔ صدیوں سے ہم دین و ایمان کو ہی اپنی زندگی کا ماحصل، اپنا منتہائے مقصود بنائے ہوئے ہیں۔ یہ ہماری رگ و پے میں رس بس چکا ہے۔ یہ ہماری زندگیوں کی زندگی، اور ہمارے دلوں کی دھڑکن اور آئین و دستور کی روحِ حیات بنا چلا آتا ہے۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ایسے مذہب، دھرم کو ترک کر سکیں۔ یا اسے خیر باد کہہ سکیں۔ کیا آپ ایسے دھرم اور دین کو اس ہیبت اور تیز و تند ردِ عمل کا مقابلہ کئے بنا ترک کر سکتے ہیں جو قومی زندگی کے اس قدر قدیم اور اس قدر تیز رو عظیم دریا کا رُخ بدلنے سے پیدا ہوگا؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ گنگا اپنے برفانی منبع کو ترک کر کے اب کسی دوسرے منبع سے بہنا شروع کر دے اور کسی دوسرے رُخ کو اختیار کر لے؟ ایسا ہونا ناممکن اور محال ہے لیکن اگر بالفرض محال ایسا ممکن ہو بھی جائے۔ اور سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلنا شروع کر دے پھر بھی یہ سراسر ناممکن اور بعید از قیاس ہے کہ یہ ملک اپنی روایتی مذہبی اور روحانی زندگی ترک کر دے یا ایمان و اخلاق کی دیرینہ اور قدیم روایتوں کو خیر باد کہہ دے۔ اور اس کی بجائے سیاست یا کسی اور دستور و اصول کو اپنی روحِ رواں یا اپنی حیات و بقا کی بنیاد بنا لے۔ ناممکن ہے کہ آپ اس ملک و قوم کے صدیوں پرانے خطوطِ حیات کو تبدیل کر ڈالیں۔ دین و ایمان ہی اس کی زندگی اور اس کی روح ہے۔ یہ خطِ زندگی ہے۔ یہ خطِ ترقی ہے۔ یہ خطِ بہبودی ہے۔ اسی خطِ مذہب کو پھر بھلا کیسے خیر باد کہا جا سکتا ہے؟

یاد رکھو، ہندوستانی قوم کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ لافانی اور زندۂ جاوید ہے۔ اور یہ اس وقت تک ہمیشہ لافانی اور زندۂ جاوید رہے گی جب تک اس کی روحِ حیات "مذہب" سلامت ہے۔ جب تک اس کا روحانی پس منظر خیر و عافیت سے ہے جب تک اس کے باشندے روحانیت کو ترک نہیں کرتے۔ یہ بھک منگے اور گداگر ہو جاتے ہیں تو ہو جانے دو۔ غربت اور مفلسی کا شکار ہوتے ہیں تو ہونے دو لیکن انہیں اپنے پربھو وشواس، اپنے صدق و ایمان کو تلانجلی مت دینے دو۔ انہیں یہ بات مت فراموش ہونے دو کہ وہ سالکوں، عارفوں، درویشوں، سنتوں اور مہاپرشوں کی اولاد اور سنتان ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ ہزاروں برسوں کے خونیں انقلابات اور تغیر و تبدل دیکھنے، اور اس قدر خون آشامی اور تباہی ذلت دیکھنے کے باوجود ہندو نسل مرکھپ کیوں نہیں گئی؟ کیا وجہ ہے کہ اس کا نام و نشان نہیں ہٹایا جا سکا۔ اگر ہمارے یہ رسم و رواج اتنے ہی غیر پسندیدہ اور قباحت و خباثت سے پُر ہیں تو ہندو قوم کب کی صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہوتی۔ کونسے حملہ آور نے ہندو قوم کو ملیامیٹ کر دینے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا؟ لیکن اپنی بے پناہ طاقت اور سخت گیری اور دہشت انگیزی کے باوجود وہ ہندو قوم کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کوئی اور ملک ہوتا تو اس قدر سختیاں اور

بربادیاں دیکھنے کے بعد کب کا ویران و سنسان ہو گیا ہوتا۔ لیکن ہندوستان ان رسوم اور رواجوں کے دم قدم سے آباد رہا ہے۔ ہندوستان کی اس ناقابلِ تسخیر۔ ناقابلِ فتح غیرفانی قوّت کا یہ راز سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔ اور یہ بھی جان لو کہ وہ کونسی وجہ ہے کہ ہندوستان ان سب خون آشام جنگوں اور تباہ کن آندھیوں کے باوجود قائم و دائم ہے۔ اور آج بھی دنیا کی تہذیب کو نیا شباب دینے کے کام میں اپنا قابلِ قدر حصّہ ڈالنے کیلئے بے تاب و بے قرار ہے۔

ہر انسان کے باطن میں ایک خاص نظریۂ حیات جاگزیں ہوتا ہے۔ بیرونی انسان تو محض اس نظریۂ حیات کا لباس و لبادہ ہے۔ محض اس جذبہ کو قوّتِ اظہار دینے کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی طرح ہر ملک و قوم کے باطن میں ایک قومی نظریۂ حیات جاگزیں ہوتا ہے۔ یہ جذبہ اظہار و عمل کے لئے ہمیشہ ہمیشہ بیتاب رہتا ہے۔ اسی جذبہ کی نگہداشت کی جانی چاہیئے۔ جب تک یہ جذبہ زندہ و سلامت ہے دنیا زندہ اور سلامت ہے لیکن جس منحوس دن یہ جذبہ مر گیا۔ اسی دن قوم و ملک کی موت واقع ہو جائے گی۔ ہندوستان اگر سالہا سال سے اپنوں اور بیگانوں کے اس قدر جور و ستم اور ظلم و جبر۔ تباہی۔ پامالی اور تشدّد و استبداد سہنے کے باوجود دائم و قائم ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہندوستان نے اپنے اس باطنی جذبہ۔ اس باطنی میلان روح کو زندہ و سلامت رکھا ہے جس کی دنیا کی سلامتی اور بہبودی کے لئے اشد ضرورت ہے۔

امرِ واقع یہ ہے کہ ہر قوم کا ایک مخصوص رجحانِ طبع ہوتا ہے۔ ایک خاص نظریۂ حیات ہوتا ہے۔ ایک نیارہ اسلوبِ زندگی ہوتا ہے۔ اور ہر نسل و قوم کو اس دنیا میں ایک خاص مقصد پورا کرنا ہوتا ہے۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلّق ہے۔ فوجی اور عسکری قوّت و طاقت کبھی اس کا نصب العین نہیں بنی۔ اور نہ ہی ہندوستان نے سیاسی بڑائی یا سیاسی بڑپن کی خواہش و تمنا کی ہے۔ یہ نہ ماضی میں کبھی بڑا سیاسی ملک بنا ہے نہ عظیم فوجی قوّت کہلایا ہے۔ اور میرے الفاظ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو مستقبل میں کبھی ایسا نہیں بن سکے گا کیونکہ اس کا ایک دوسرا مخصوص نظریۂ حیات ہے۔ ایک خاص مقصدِ زندگی ہے جسے پورا کرنے کی اس نے پوری پوری کوشش کی ہے۔ اور وہ ہے دنیا بھر کی روحانی طاقت کو حاصل کیا جائے، جمع کیا جائے۔ اور جب بھی حالات تقاضا کریں وہ اسی روحانی طاقت سے ساری دنیا میں ایک سیلاب سا پیدا کر دے۔

عصائے شاہی ٹوٹ چکے ہیں تختِ سلطانی روندے جا چکے ہیں۔ اور عنانِ حکومت ہاتھوں ہاتھ کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ لیکن ہندوستان میں چونکہ سرکار اور دربار کا تعلّق معدودے چند افراد تک ہی ہوتا تھا۔ اور راج پاٹ کی یہ تبدیلیاں مخصوص طبقے کے اندر اندر محدود رہتی تھیں۔ بیشتر عوام جن میں امیر و کبیر بھی شامل ہوتے تھے اور فقیر و درویش ان سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ اور انہیں اپنی مخصوص روش و

پر چلنے کی کامل آزادی نصیب رہتی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس قومی زندگی کی ندی کبھی خراماں خراماں آہستہ آہستہ رُک رُک کر چلی اور کبھی تونخیز و الھڑ دوشیزہ کی طرح سُبک قدم اور سُرعت رفتاری سے بہی۔ لیکن تصوّر کی آنکھ سے جب میں سال و ماہ کی اُن گنت گردشوں کو دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ کوئی لمحۂ حیات اگر روشن و چمکدار ہے تو کوئی بُجھا بُجھا سا۔ لیکن وقت کی کڑیوں کا یہ سلسلہ لامتناہی طور پر رواں دواں رہا ہے۔ اور مختلف زمانوں کے نشیب اور پیش و بہاریں بھی جب میں اپنی مادرِ وطن بھارت ماتا کو پُرشباب اور پُرشکوہ شاہی وقار کے ساتھ آگے بڑھ کر دُنیا کو عظیم ترین روحانی اور اخلاقی تعلیم دیتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میرا سر عقیدت و احترام سے جھک جاتا ہے۔ کیونکہ دُنیا کی کوئی طاقت ہندوستان کو اِس تعلیم دینے سے نہ منع کر سکی ہے۔ نہ روک سکی ہے۔ یہ تعلیم ہمیشہ اعلیٰ ترین تعلیم تھی۔ ایسی تعلیم جو اِنسان کو اعلےٰ اور ارفع بناتی ہے۔ ایک وحشی اور درندہ اِنسان کو فرشتہ اور دیوتا بننا ہی نہیں سکھاتی۔ بلکہ اِنسان کو خدا بنا دیتی ہے۔

میرے بھائیو! یہ فخر و افتخار، یہ اعزاز و اعجاز صرف سرزمینِ ہند کو ہی نصیب رہا ہے۔ کہ اس نے آج سے ہزاروں برس پہلے اُپنشدوں کے زمانہ میں دُنیا کو چیلنج دیتے ہوئے للکار کر یہ تعلیم دی تھی کہ :-

Na dhanena na prajaya tyāgenaike amritatwamanashuh

"نہ دولت و امارت سے۔ نہ حقِ وراثت سے۔ بلکہ صرف بےنفسی، تقوےٰ، تیاگ اور ویراگیہ سے حیاتِ جاودانی، بقائے دوام اور اَمرپد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔"

لیکن اِس کے برعکس دُنیا نے کیا تعلیم دی؟ نسل در نسل، حکومت در حکومت مختلف ملکوں اور قوموں نے اپنی ساری قوّت و طاقت سے زمانہ کی گتھیوں کو خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے ذریعہ حل کرنا چاہا۔ اور مادّہ پرستی سے روحِ سکون کو پانا چاہا لیکن انہیں ناکامی و نامُرادی دیکھنی پڑی۔ اور نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ایسی تمام قومیں اور نسلیں اپنی ان بدکاریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ہی تباہ و برباد ہو گئیں۔ اور مٹ گئیں۔ جو سیم و زر اور جاہ و حشمت، طمع اور لالچ کو اپنے ہمرکاب لائیں۔ وہ قومیں اور نسلیں ختم ہو گئیں ؟ وہ بےنام و نشان قبروں میں پڑی گل سڑ چکی ہیں۔ ان کا ماتم کرنے والا بھی نہیں ملتا۔ ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ جو نئی قومیں اور نسلیں ان گتھیوں کو اس زمانہ میں تن پروری اور نفس پرستی سے حل کرنے کی تگ و دو کر رہی ہیں۔ وہ اب زوال پذیر ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ اور سکونِ روح کیسے ملے گا۔ یہ مسئلہ بدستور پڑا رہا ہے۔ ابھی تک یہ مسئلہ حل طلب ہے کہ دُنیا میں امن و امان، صلح و آشتی رہے گی یا جنگ و خون ریزی۔ صبر و تحمل زندہ و سلامت رہے گا یا بےصبری، تنگ دلی اور بےرحمی۔ بھلائی۔ اچھائی اور نیکی کا پلڑا بھاری رہے گا یا بدی، بداعمالی اور بدعنوانی کا نفس پرستی

فتح مند لہے گی یا توحید و خداپرستی اور روحانیت ۔ دنیا کی دوسری قومیں ابھی اس مسئلہ کو ہی حل کرنے کی کوششوں میں غلطاں ہیں۔ لیکن صدیوں پہلے ہندوؤں نے اس مسئلہ کو حل کر لیا تھا اور ہم اچھے اور برے وقتوں میں ہمیشہ ہمیشہ اسی حل پہ کاربند اور عمل پیرا لہے ہیں۔ اور رہتی دنیا تک اسی فیصلہ اور اسی حل کے ساتھ وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمارا فیصلہ تھا بے نفسی کا۔ تقوے و ترک کا تیاگ اور ویراگ کا۔

ہندوؤں کا کارِ حیات اسی روحانیت اور اسی بے نفسی سے عبارت ہے نفس کشی ہی اس کے ابدی اور لافانی نغموں کی صدا اور رجحان رہی ہے۔ یہی اس کی زندگی کی بنیاد ہے۔ یہی اس کی حیات و بقا کا مدار ہے۔ روحانیت ہی اس کی روحِ حیات ہے۔ اپنی زندگی کے تمام تر مرحلوں میں یہ اپنے اس آدرش، اس نصب العین، اس منتہائے مقصود اس روحِ حیات سے اِدھر اُدھر نہیں ہوا۔ اس کے قدموں میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ تاریخ کے ہر دور میں ثابت قدم رہا۔ خواہ اس پر تاتاریوں نے حکومت کی۔ خواہ ترک اس پہ فرماں روائی کرتے لہے۔ خواہ مغل آئے۔ اور خواہ انگریزوں نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ ہر دور میں یہ اپنے اسی نشانِ راہ پہ جما اور ڈٹا رہا ہے۔

جامع اور بے داغ تہذیب و تمدن کے لئے دنیا نے ہمیشہ بے قراری اور بیتابی سے ہندوستان کی طرف اس امید سے دیکھا ہے کہ اس سرچشمۂ روحانیت سے اخلاقی اور روحانی قدروں کے خزانے باہر نکلیں تاکہ دنیا اس کے ان عظیم اور نادر المثال روحانی خزانوں سے فیض یاب ہو سکے۔ جن خزانوں کو ہندوستان نے ذلت و محکومی، رسوائی اور تنگ دستی، زبوں حالی اور غلامی کے تاریک ترین دور میں بھی اپنے سینے سے لپٹائے رکھا ہے، سنبھالے رکھا ہے۔ آج کی دنیا بھی آپ کے انہی خزانوں کا انتظار کر رہی ہے۔ لیکن واہ لے ہندوستانیو! تمہیں اس بات کا اندازہ تک نہیں کہ دنیا میں ہندوستان کے عارفوں، سالکوں، ولیوں اور پیغمبروں، رشیوں اور مہاپرشوں کے ان حیران کن خزانوں کے لئے کس قدر بھوک اور طلب ہے۔ ایک ہم ہیں کہ یہاں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اور ہر مذہبی، دھارمک اور روحانی بات پر ایک دوسرے کا تمسخر اڑاتے ہیں یا ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات کبھی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آئی کہ ہندوستان کی سرحدوں کے باہر کس طرح لاکھوں کروڑوں انسان بے پناہ بے صبری اور ناقابلِ بیان تشنہ لبی کے ساتھ ہاتھ پھیلائے اس آبِ حیات۔ اس امرت کی ایک ایک بوند کے لئے ترس لہے ہیں، جس امرت اور آبِ حیات کو ہمارے آبا و اجداد نے سرزمینِ ہند میں سنبھال کر محفوظ و سلامت رکھ دیا تھا۔

آپ خواہ معرفت و توحید پر اعتقاد رکھیں یا نہیں۔ لیکن قومی حیات و بقا کے لئے آپ کو روحانی اور اخلاقی قدروں سے روشناس اور ان پہ کاربند ہونا ہی ہوگا۔ اپنے ایک ہاتھ میں اس تحفۂ توحید کو تھام لو۔ اور پھر دوسرا ہاتھ آگے بڑھا کر دنیا کی دوسری قوموں سے جو کچھ لے سکتے ہو لے لو۔ اپنے ایک دامن سے

متاعِ ایمان و اخلاق مضبوطی سے باندھ لو۔ پھر دوسرا دامن پھیلا کر دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں سے جو کچھ لینا چاہتے ہو، لے لو۔ لیکن مت بھولو! آپ کی ہر بات ہندوستان کے روحانی نصب العین کے ماتحت اور زیرِ نگیں ہونی چاہئیے۔ جب ہم بھی اسی منزل پہ پہنچ گئے تب ایک لاجواب، درخشندہ، اور روشن ترین مستقبل والا ہندوستان طلوع ہوگا۔ مجھے یقینِ واثق ہے کہ ایسا ہندوستان تیزی کے ساتھ اُبھر رہا ہے اور طلوع ہو رہا ہے، جس کی نظیر و مثال نہیں مِل سکتی۔ ایک دفعہ پھر اس سرزمینِ ہند سے ایسے سالک، عارف، برہم رشی اور مہاپُرش پیدا ہوں گے۔ جو ماضی کے تمام سالکوں، عارفوں، برہم رشیوں اور مہاپُرشوں سے کہیں زیادہ عظیم اور کہیں زیادہ قابلِ احترام ہوں گے۔ انہیں دیکھ کر نہ صرف آپ کے آباؤ اجداد اپنے اس قدر پُرشکوہ اور عظیم المرتبہ جانشینوں اور نام لیواؤں سے مطمئن و مسرور ہوں گے بلکہ ان پہ بجا طور پر ناز و فخر بھی کریں گے۔ آؤ میرے بھائیو! آؤ! ہم ایسے ہندوستان کی تعمیر و ترقی کے لئے دِن رات محنتِ شاقہ سے کام لیں۔ یہ سونے کا وقت نہیں ہماری اس محنتِ شاقہ پہ ہی کل کے ہندوستان کا دارومدار رہے ہماری مادرِ وطن بے قراری اور بے تابی سے ہماری اس محنتِ شاقہ اور ہماری ان مساعی کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ اس وقت صرف محوِ خواب ہے اٹھو۔ جاگو۔ اور اپنی مادرِ وطن کو اس کا ابدی تخت لوٹا دو۔ اور اسے اس تخت پہ جلوہ افروز کر دو۔ اپنی مادرِ وطن کو پہلے سے کہیں زیادہ پُرشکوہ، پُرشباب اور درخشندہ و تابندہ بنا دو۔

آپ نے کئی بار دیکھا ہوگا کہ جلیل القدر درخت کو خوبصورت پکا ہوا پھل لگتا ہے۔ جو زمین پہ گر کر گل سڑ جاتا ہے۔ تب اس گلے سڑے پھل سے ایک نئے درخت کی جڑیں پھوٹتی ہیں جو بعد ازاں پہلے درخت سے بھی کہیں زیادہ رفیع الشان اور کہیں زیادہ تناور ہوتا ہے۔ حال ہی میں ہندوستان جس دورِ ابتری سے گذرا تھا وہ گویا اس کی نئی قومی حیات کے لئے ضروری تھا۔ اس دورِ ابتری سے اب مستقبل کا حسین و جمیل ہندوستان بیدار ہو رہا ہے۔ اس کی کونپلیں پھوٹ پڑی ہیں۔ اس کے برگ و بار صاف نظر آ رہے ہیں۔ اور دیکھتے دیکھتے یہ شاندار، عظیم الشان درخت پھلتا پھولتا جا رہا ہے۔

غلامی، بربادی اور کسمپرسی کی لمبی اور تاریک رات اب ختم ہو چلی ہے۔ دیکھ لو، سحر پھوٹ چکی ہے اور نسیمِ سحری کے جانفزا جھونکے چلنے شروع ہو چکے ہیں۔ قدرت خوابیدہ کلیوں کی پنکھڑیوں کو اپنے مرمریں ہاتھوں سے عطر بیز، شفاف قطروں سے دھو دھو کر نکھار و نکہت بخش رہی ہے۔ ہندوستان کی شدید ترین تکلیف و اذیت اب رفع ہوتی جاتی ہے۔ اور بظاہر مُردہ و بے جان نظر آنے والا ملک ایک بار زندگی کی انگڑائیاں لینے لگا ہے۔ وہ دیکھو، اس کے لب ہلنے لگے ہیں۔ اس کی قوتِ گویائی بحال ہو گئی ہے۔ اس کے اعضا میں نئی روح موجزن ہو گئی ہے۔ اس کے ہونٹوں سے ایک سحر انگیز آواز سی نکلنی شروع ہو گئی ہے۔ وہ آواز جو اس

قدیم زمانہ کی نقیب و خطیب ہے جس زمانہ تک نہ تاریخ کی پہنچ ہے نہ ہمارے رسم و رواج جس کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ جو زمانہ ہماری تہذیب و تمدن کی نادر المثال روایات کے آنچلوں میں لپٹا ہوا ہے۔ اس بے مثال زمانہ کی یہ آواز ہمالیہ کی سر بفلک برف پوش چوٹیوں سے گونج گونج کر ہمیں محبت۔ خلوص۔ خدمت و محنت کا پیغام دے رہی ہے اور کہہ رہی ہے :۔ "ہندوستان ہماری مادرِ وطن ہے۔ اس کی خدمت ہمارا ایمان ہے۔ اس کے رہنے والوں سے محبت ہمارا دین ہے۔" یہ آواز مدھم لیکن بھرپور ہے۔ اور روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ یہ آواز بلند سے بلند ہوتی جا رہی ہے۔ اس آواز کو سن کر نیند میں سونے والے بھی جاگ اٹھے ہیں اور بیدار ہو گئے ہیں۔ ہمالیہ کے دامنوں سے آنے والی نسیم سحر کی طرح یہ آواز ہمارے لئے نئی زندگی کا پیغام لا رہی ہے۔ اس آواز کی بدولت مردہ ہڈیوں اور بے جان شریانوں میں نئی روح سرایت کر رہی ہے۔ غفلت و سستی۔ خواب آلودگی اور بے دلی کا طلسم ٹوٹتا جا رہا ہے۔ اور ہماری مادرِ وطن خوابِ خرگوش سے بیدار ہو کر نئی منزلوں پر کمندیں ڈال رہی ہے۔ صرف اندھی آنکھیں اس بیدار ہوتے ہندوستان کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اور صرف مخرب اور برگشتہ مزاج نئے ابھرتے ہوئے ہندوستان کا صحیح جائزہ اور اندازہ نہیں کر سکتے۔ لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں۔ کہ اس کی ترقی و تعمیر میں حائل ہو سکیں کس میں جرأت ہے کہ اس کو بامِ عروج، بامِ شہرت تک پہنچنے سے روک سکے۔ خواہ کچھ ہو جائے یہ ملک پھر اس خوابِ خرگوش کا شکار نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہمہ گیر صفات رکھنے والا یہ ملک اب اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا جا رہا ہے۔

اٹھو! اٹھو! دیکھو! شبِ ہجر کی طرح لمبی رات اب ختم ہو چکی ہے۔ دن کی روشنی تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے۔ سوئے ہوئے پرسکون پانی کی سطح پر ہلچل شروع ہو چکی ہے۔ لہریں اٹھنی شروع ہو گئی ہیں۔ اب اس کی طغیانی اور بہاؤ کو کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ یقین جانو، میرے ہم وطنو! اعتماد سے یہ بات ذہن نشین کر لو کہ الہام نازل ہو گیا ہے پروردگار کا اشارہ ہو گیا ہے کہ ہندوستان کو ایک بار پھر سے برتر و بالا اٹھنا ہوگا۔ اور اس کے عوام کو، اس کے غریب باشندوں کو مسرور و شادکام بننا ہوگا۔ میں ہندوستان کو اب تیزی کے ساتھ اونچا ابھرتا دیکھ رہا ہوں۔ اب یہ رکے نہ رک نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ بے پناہ طاقت کے ساتھ مائل بہ پرواز ہے۔ ہر انسان کو اس کی تعمیر و ترقی کے کام میں کندھے سے کندھا ملا کر محنت کرنی ہوگی۔ ہر نیکی اور بھلائی کی قوت کو اس کی قوتِ ترقی اور طاقتِ پرواز کو چار چاند لگانے ہوں گے۔ ہر دشت و پا کو اس کا راستہ صاف و ہموار بنانا ہوگا۔ پھر دیکھئے کہ مالک کی رحمت و برکت سے ہندوستان کہاں سے کہاں پہنچنے والا ہے۔ یہ سب اس مالک کے رحم و کرم کا صدقہ ہے۔

موجودہ زوال

قصوروار ہم ہیں، خطا ہماری ہے کیونکہ ہم ویدانت کے حامی اور داعی یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اس کائنات کی کوئی شے ہمیں اس وقت تک کوئی نقصان و گزند نہیں پہنچا سکتی جب تک ہم خود پہلے اپنے آپ نقصان و گزند نہ پہنچا لیں کسی دوسرے کو موردِ الزام مت ٹھہرائیے۔ اپنے کرموں کے لئے دوسروں کو سزاوار کیوں بناتے ہو؟ جب تک کسی عیب، ناقص خوراک، تنگ دستی، درماندگی یا گرمی و سردی کی وجہ سے ہمارے جسمانی قالب میں کوئی نقص یا خرابی پیدا نہ ہو جائے تب تک ہوا میں معمور جراثیم ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ جس کا جسم تندرست ہو۔ وہ جراثیم بھرے ہوا کے جھونکوں میں بھی سکون و راحت کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ اگر مرض یہاں ہے۔ تو وجہ مرض بھی یہاں ہی ہو گی۔ اس کے لئے ہم سزاوار ہیں۔ کمرِ ہمت باندھو۔ جرأت اور دلیری سے کام لو۔ اور اپنی اس دردشا اور درماندگی کی تمام تر ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھالو۔ دوسروں پر کیچڑ اچھالنا بند کر دو۔ کیونکہ ان تمام غلطیوں اور خرابیوں کے لئے، جن کی ہم سزا بھگت رہے ہیں، ذمہ دار ہم ہیں۔ اور صرف ہم۔

ان دنوں ہر شخص ان افراد کو برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ جو مڑ مڑ کر ماضی کی طرف دیکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی موجودہ درماندگی اور خستہ حالی کی وجہ شدت کے ساتھ ماضی کو یاد رکھنا اور بار بار اس پر نگاہیں جمائے رکھنا ہے۔ میرے نزدیک یہ بات نہ صرف غلط ہے بلکہ میں تو کہوں گا کہ جو بات اس خیال کے الٹ ہے، وہی میرے نزدیک برحق ہے۔ جب تک ہندوؤں نے ماضی کو فراموش کئے رکھا، وہ زوال و انتشار کا شکار ہوتے چلے گئے۔ لیکن جونہی انہوں نے ماضی کو ملحوظ خاطر رکھنا

شروع کر دیا۔ ہر سُو نوید بہار آ گئی۔ ہر سُو نئی زندگی انگڑائیاں لینے لگی۔ خزاں زدہ چمن میں نئی بہار ڈال ڈال پات پات پر رقص کرنے لگی۔

تاریخ کا ہر ایک بین طالب علم اس حقیقت سے کماحقہ واقف ہے کہ ہندوستان کے معاشرتی قانون و قاعدے وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ آغاز و ابتدا میں یہ قانون و قاعدے اس عظیم الشان منصوبہ کے جسم و جان تھے۔ جس منصوبہ کو وقت کے ساتھ ساتھ بے نقاب و بے حجاب ہونا تھا۔ قدیم ہندوستان کے اُن قابل احترام درویشوں، رشیوں، سالکوں اور عارفوں نے کمال کی دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے بھانپ لیا تھا کہ دنیا کو ان کی حکمت و دانش کی قدر افزائی کرنے یا اس کی اہمیت و قیمت جاننے میں کئی صدیاں لگ جائیں گی۔ ہماری یہ کوتاہ بینی، بے قدری اور بے سمجھی ہی ہمارے زوال کی وجہ بن گئی۔ ہم جو اپنے آپ کو ان رشیوں کا نام لیوا اور جانشین کہلاتے ہیں، چونکہ ان کی حکمت و دانش کی قدر و قیمت نہ جان سکے، اس لئے ہمیں یہ زوال و تنزل دیکھنا پڑا۔ ہم چونکہ ان کے اس عظیم منصوبہ کی صحیح اہمیت اور فضیلت سے شناسا نہ تھے، اس لئے ہمیں یہ پامالیاں اور تباہ حالیاں دیکھنی پڑیں۔ میرے نزدیک ہندوستان کے زوال اور اس کی گراوٹ کی وجہ یہی تھی کہ ہم اپنے رشیوں کی حکمت و دانش سے بیگانہ سے بن گئے تھے۔ یہ کوتاہ بینی ہی ہماری ترقی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئی۔ نہ صرف ہماری نظر و فکر میں بلکہ ہمارے کردار و اعمال میں بھی تنگی آ گئی۔ ہماری سوچ اور کام کے دائرے محدود سے ہو کر رہ گئے۔ ہم نے باہر جھانکنا اور نکلنا بند کر دیا۔ اور اس طرح دوسری قوموں سے اپنا مقابلہ یا موازنہ کرنا بھول بیٹھے۔ ہمارے آس پاس کی دنیا بدل گئی۔ لیکن ہم آنکھیں بند کئے ان حیرت انگیز انقلابات اور تغیرات کو دیکھ بھی نہ پائے جو ہمارے گرد و پیش رونما ہوئے جا رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی دل ہی ذلت و پستی میں بیٹھتی چلی گئی۔

ہندوستان کی درماندگی اور زبوں حالی کی بڑی وجوہات میں ایک وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے آپ کو تنگ نظر، تنگ دل اور تنگ عمل بنا لیا۔ بجائے اس کے کہ ہم صدف کی طرح اپنا مُنہ کھول کر اپنے آبدار موتیوں کو زمانہ میں لٹاتے۔ اور دنیا کو ان آب دار موتیوں سے مالا مال کرتے۔ ہم نے ان موتیوں کو اپنے ہی دامن میں سمیٹ کر رکھ لیا۔ اور انہیں دنیا میں لُٹانے سے انکار کر دیا۔ دنیا کی بھوکی اور پیاسی قومیں ہماری حیات افروز سچائیوں اور قدروں کو جاننے کے لئے بیتاب و بے قرار ہوئی جا رہی تھیں۔ لیکن ہم نے ان رازوں اور ان قدروں کو اپنے سینے میں چھپائے رکھا اور آر پار کے باہر کے لوگوں کو ان سے فیضیاب نہ ہونے دیا۔ میرا یہ پختہ ایمان ہے

کہ کوئی فرد یا کوئی قوم اپنے آپ کو سب سے بے تعلق اور زیادہ دکھ کر، دوسروں سے بیگانہ بن کر اور دور رہ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور جب کبھی عظمت وحشمت، حکمت و دانش، حق و ایمان کے متعلق غلط غرور اور خواہ مخواہ کے تکبّر کی وجہ سے کسی نے اپنے آپ کو دوسروں سے الگ تھلگ، بے تعلق اور بیگانہ رکھنے کی کوشش کی، اسے ہمیشہ تباہی و ذلّت کا منہ دیکھنا پڑا۔ میرے نزدیک ہند کی ذلّت و پستی، تباہی و پامالی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں رسم و رواج کی ایسی دیواریں کھڑی کر دی گئیں جن کی بنیاد ہی اس بات پر تھی۔ کہ دوسروں سے نفرت و حقارت کرو۔ قوم کے ارد گرد ایسی دیواریں چن دینے کا مقصد اس زمانۂ قدیم میں یہ تھا کہ ہندو آس پاس کی پڑوسی بدھ دھرم کو ماننے والی قوموں سے کوئی تعلق، واسطہ نہ رکھیں۔ اس غلط روی پر عقل و دلیل سے کوئی بھی نئی یا پرانی حجّت پیش کریں تجزیہ کرنے سے بالآخر ایک ہی نتیجہ نکلے گا اور ہمیشہ اس اخلاقی اصول کا بول بالا رہے گا کہ کوئی فرد یا قوم اپنے آپ کو ذلیل و خوار کئے بنا دوسروں سے نفرت نہیں کر سکتی جس کسی نے دوسروں سے حقارت کی، دوسروں کو ٹھکرایا۔ دنیا نے اس سے حقارت کی اور اسے ٹھکرا دیا۔ یہ اسی غلط کاری کا انجام تو ہے کہ وہ نسل و قوم جو کبھی دنیا کی قدیم نسلوں اور قوموں میں پیش پیش تھی آج اس کی داستان تک بھی داستانوں میں نہیں۔ اور ہم اسے ذلّت و حقارت کے گڑھے میں گرا دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے بزرگوں اور آبا و اجداد نے جس آئینِ قدرت کو کھوج نکالا اور جس کی انہوں نے جی بھر کر تبلیغ و اشاعت کی، ہم نے اس اصول کی خلاف ورزی کی۔ اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی تباہی اور پامالی کا سامان پیدا کیا۔

ایسا ملک جس کے بڑے بڑے رہنما پچھلے دو ہزار برسوں سے اس بحث مباحثہ میں الجھے ہوئے ہیں کہ روٹی دائیں ہاتھ سے کھائی جائے یا بائیں ہاتھ سے۔ پانی دائیں ہاتھ سے پیا جائے یا بائیں ہاتھ سے۔ اگر ایسا ملک ذلیل و خوار نہ بنے تو کیا بنے؟ تباہی و پامالی نہ دیکھے تو کیا دیکھے؟ ذرا تصوّر کی آنکھوں سے اس زوال و گراوٹ کے پچھلے چھ سو، سات سو برسوں کے حالات و واقعات کو دیکھئے۔ جب سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں بڑے بوڑھے، برسوں تک اس مناظرہ و مباحثہ میں الجھے رہتے تھے کہ پانی کا گلاس کس ہاتھ سے پیا جائے، دائیں سے یا بائیں سے۔ ہاتھ کو تین مرتبہ دھویا جائے یا چار مرتبہ۔ کلّی چار مرتبہ کی جائے یا پانچ مرتبہ۔ بھلا ان لوگوں سے جن کی عمریں اور زندگیاں ایسے وقتی اور فروعی سوالوں پر بحث مباحثہ کرنے یا ان معاملات کے متعلق فلسفہ کی ضخیم ضخیم کتابیں لکھنے میں صرف ہو گئیں۔ ان سے آپ کس بات

کی توقع رکھ سکتے ہیں۔

خطرہ اس بات کا ہے کہ کہیں ہمارا مذہب و ایمان رسوئی میں بند ہو کر نہ رہ جائے ہم نہ ویدانتی ہیں، نہ پرانوں کو ماننے والے نہ تانترک و دیا۔ کالے علم کو جاننے والے۔ ہم تو صرف دوسروں سے الگ تھلگ ہو چکے، لٹے ہوئے وہ لوگ ہیں جن کی زبان پہ ہر وقت یہی لفظ ہے کہ "مجھے ہاتھ نہ لگاؤ"۔ ہمارا مذہب و دھرم رسوئی میں بند ہو کر رہ گیا ہے۔ ہمارا ایشور اور خدا ہانڈی میں ہے۔ گویا ہمارا ایمان و مذہب صرف یہ ہے کہ "میں پاک و صاف ہوں، مجھے مت چھوؤ"۔ یہ چھوا چھوت اگر ایک صدی اور رائج رہی تو ہم سب پاگل خانہ پہنچ جائیں گے۔ یہ ذہن و فکر کی کمزوری اور پستی نہیں تو کیا ہے کہ ہم زندگی کے اعلےٰ مقاصد و ضوابط کے متعلق تو سوچتے ہی نہیں۔ ان معاملات کی سوچ بچار کی ہم میں قابلیت و علمیت ہی نہیں رہی جیسے ہر قسم کی جدت پسندی اور قوتِ تخلیق مٹ گئی ہو جیسے دل و دماغ سب صلاحیتوں سے محروم ہو چکے ہوں نہ خیال میں قوتِ پرواز ہو نہ جوش میں حرارت اور دماغ ذرا ذرا سی بات پہ الجھ الجھ کر رہ جائے۔ بات بات پہ تکرار شروع کر دے میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا سب سے بڑا قومی گناہ یہ ہے کہ ہم نے عوام کو، جنتا کو نظر انداز کر دیا میرے نزدیک ہمارے زوال کی ایک وجہ یہ بے رخی اور بے توجہی ہے۔ سیاست کی کتنی ہی گرمی اور شدت کیوں نہ ہو اگر ہندوستان کے عوام کو زیورِ علم نہیں پہنایا جاتا ان کے رہن سہن کو اچھا نہیں بنایا جاتا ان کو خوشحال و آسودہ حال نہیں بنایا جاتا تو یہ سب سیاست گری کس کام کی؟ ہماری تعلیم و تربیت کا خرچ ان کی جیبوں سے نکلتا ہے۔ ہمارے مندر اور ہماری عبادت گاہیں ان کے خون پسینہ کی کمائی سے تعمیر ہوتی ہیں۔ لیکن جواب میں انہیں کیا ملتا ہے؟ ٹھوکریں! عملی طور پر وہ ہمارے غلام ہیں! اگر ہندوستان کو پھر سے ترقی کرنی ہے، خوشحال اور فارغ البال ہونا ہے، عظمت و رفعت دیکھنی ہے، جاہ و حشمت حاصل کرنی ہے تو ہمیں ان کے لئے عوام کے لئے کام کرنا ہوگا۔

ہماری پامالی اور پستی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے عورتوں کو نظر انداز کر دیا۔ منو مہاراج تو کہہ گئے ہیں کہ جہاں عورتوں کی عزت و ناز برداری ہوتی ہے وہاں دیوتے بھی خوش رہتے ہیں۔ لیکن ہمارا ہیبت ناک گناہ دیکھئے کہ ہم نے عورتوں کو کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ ذلیل و خوار کہنا شروع کر دیا۔ انہیں "جہنم کا دروازہ" کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ اور اسی طرح کی دوسری تہمتیں لگا دیں۔ اور حقارت آمیز آوازے کسنے شروع کر دیئے۔ لیکن ایشور کہتا ہے کہ "تم

ہی عورت ہو تم ہی مرد ہو تم ہی لڑکے ہو تم ہی لڑکی ہو ہر دو صورت میں تمہارا ہی حُسن و جلوہ نور افشاں ہے۔"
لیکن ہماری کج فکری دیکھئے کہ ہم نے اُلٹا یہ شور شرابہ کھڑا کر دیا کہ "اِس فسوں ساز، سحر طراز عورت کو کس نے پیدا کیا؟"

سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس ملک میں عورت اور مرد کے درمیان اس قدر امتیاز کیوں روا رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ ویدانت کی تعلیم یہ کہتی ہے کہ سب صورتوں میں ایک ہی پاک ذات جلوہ افروز ہے۔ جب دیکھو تم عورتوں کو بُرا بھلا کہتے رہتے ہو۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ تم نے عورتوں کی فلاح و بہبود کے لئے کیا کچھ کیا ہے؟ سمرتیاں لکھ ڈالیں، انہیں کڑے اور سخت گیرانہ قاعدے قانونوں میں جکڑ کر رکھ دیا، اور انہیں محض بچے پیدا کرنے والی مشینیں بنا کر رکھ دیا؟ اگر تم نے اِن عورتوں کے لئے جو دیوی ماں، خالق دو جہان کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں، کچھ نہ کیا تو سمجھ لو کہ تم کبھی ترقی نہیں کر سکو گے۔ ترقی اور عظمت کا ایک ہی راستہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عورتوں کو اونچا اٹھاؤ۔ انہیں پستیوں سے نکالو انہیں عظمت و رفعت کی جگہ پر بٹھاؤ۔

آئیے ہم خطرات و حوادث کا جائزہ لیں جن سے ہم دوچار ہیں۔ یہ خطرات کہیں باہر سے نہیں ہندوستان میں ہیں اور ہماری آنکھوں کو صاف نظر آرہے ہیں۔ ان میں دو خطرات جو زیادہ مہیب ہیں ہمیں دور کرنے ہوں گے۔ ان میں ایک ہے پرلے درجہ کی مادہ پرستی۔ اور دوسرا خطرہ ہے پرلے درجہ کی اوہام پرستی اور ضعیف الاعتقادی ہمیں ان سے بچنا ہوگا۔ اور ان کا تدارک و انسداد کرنا ہوگا۔

لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مغرب کی اندھی تقلید کی جائے۔ کئی ایسے بھی ہیں جو ذرا سی مغربیت اہل مغرب کی ذرا فہم و فراست حاصل کر کے اس تکبر اور گھمنڈ میں پھنس جاتے ہیں جیسے سب کچھ جانتے ہیں، ایسا انسان ہمارے قدیم رئیسوں، سالکوں اور عارفوں کا تمسخر اُڑاتا پھرتا ہے۔ ان کا مذاق اُڑاتا ہے۔ اس کے لئے تمام ہندو فلسفہ محض باطل پرستی ہے، ہندوؤں کی ساری حکمت و دانش محض طفلانہ قیاس آرائی ہے، مذہب و ایمان محض جہالت اور بے وقوفوں کی مخبوط الحواسی اور کج فہمی ہے۔

اندھی تقلید اور اندھی نقل میں تہذیب و تمدن کی شائستگی اور جوہر افشانی کہاں؟ میں اگر راجہ یا بادشاہ جیسا لباس پہن لوں تو کیا اس سے میں راجہ یا بادشاہ بن جاؤں گا؟ گدھا شیر کی کھال اوڑھ کر شیر نہیں بن سکتا وہ گدھا ہی رہتا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بزدلانہ اور جاہلانہ نقل و تقلید سے کوئی تعمیر و ترقی نہیں ہوگی۔ بلکہ ایسی نقل و تقلید تو اس بات کی علامت و نشانی ہے کہ اس شخص میں دہشتناک کمزوری اور گراوٹ آگئی ہے۔ یہ پستی کی انتہا ہی تو ہے کہ انسان اپنے آپ سے نفرت

شروع کر دیتا ہے۔ جب کوئی انسان اپنے آبا و اجداد پر شرم و ندامت محسوس کرنے لگے تو سمجھو کہ اس کی موت و قضا آپہنچی۔ اس کا خاتمہ قریب آگیا۔ اس لئے میری تعلیم آپ کو یہی ہے کہ آپ اپنے آپ کو اس ہندوستانی زندگی سے کنارہ کش، بے تعلق یا دور نہ کیجئے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال دل میں نہ لائیے کہ اگر سب ہندوستانی کسی دوسری نسل و قوم کی طرح کھانا، پہننا شروع کر دیں تو یہ ملک بہشت بن جائے گا۔ یہ خیالِ خام ہے اسے دل سے نکال دیجئے۔

جس طرح مغرب کی اندھی تقلید مفید نہیں، اسی طرح دقیانوسیت اچھی نہیں۔ جو آدمی پڑھا لکھا ہے لیکن خبطی اور سودائی ہے، پرلے درجہ کا دقیانوسی ہے ہر بات پہ کوئی نہ کوئی حجت پیش کرتا ہے۔ یا دلیل دیتا ہے۔ ایسا آدمی ہر وہم، ہر جہالت اور اپنے معبود گاؤں اور نسل کے ہر رواج کی ایک یا دوسری طبیعی، مابعد الطبقاتی حجت و دلیل اور خدا جانے کیسی کیسی طفلانہ منطق پیش کرے گا اس کے نزدیک گاؤں میں مروج و مشہور ہر وہم اور جہالت بھی وید کا فرمان ہے جس پر عمل کرنے پہ ہی قومی زندگی کا دارومدار ہے میں کہتا ہوں کہ ایسے خبطی اور دقیانوس سے ہوشیار رہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم میں کتنے ہی وہم پھیلے ہوئے ہیں۔ کتنی ہی جہالتیں گھر کر چکی ہیں۔ کتنی ہی ضعیف الاعتقادیوں کے داغ اور بدنما پھوڑے ہمارے جسم مذہب پر نکلے ہوئے ہیں۔ جن کا ہمیں انسداد و تدارک کرنا ہوگا۔ جن کو ہمیں کاٹ دینا ہوگا۔ اور خاتمہ اور ازالہ کرنا ہوگا۔ لیکن اس کا مطلب اور مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہمارے مذہب و ایمان میں کوئی خرابی یا عیب ہے۔ نہیں۔ ہمارے دین و ایمان، ہماری قومی زندگی اور ہماری توحید اور روحانیت کو مت تباہ کیجئے۔ کیونکہ جہاں تک مذہب کے بنیادی اصولوں کا تعلق ہے۔ ہر اصول برحق، درست اور محفوظ ہے۔ لیکن جتنی جلد ہی ضعیف الاعتقادی کے یہ سیاہ دھبے مٹا دیئے جائیں، اتنی جلدی ہمارے یہ اصول جگمگانے لگیں گے پہلے سے کہیں زیادہ آب و تاب کے ساتھ۔ اس لئے ان اصولوں کو خیرباد مت کہیئے۔ بلکہ مضبوطی اور ثابت قدمی کے ساتھ ان کے پابند بنے رہیئے۔

لیکن کس قدر رنج و الم کی بات ہے کہ اپنشدوں کی تقدیس و عظمت کے وارث اور عارفوں اور سالکوں کا دوسری سب قوموں سے زیادہ پرانا اور قابلِ فخر حسب نسب رکھنے کے باوجود ہم کمزور و لاغر، نحیف و ناتواں ہیں۔ بے حد شکستہ ہمت ہماری کمزوریوں میں سب سے بڑی ہماری جسمانی کمزوری ہے جسے ہمیں دور کرنا ہے۔ میں تو کہوں گا کہ ہماری ایک تہائی تلخیوں، دشواریوں، نامرادیوں اور مشکلوں کی وجہ ہماری یہ جسمانی کمزوری ہے۔

ہمارے نوجوانوں کو مضبوط اور طاقتور بننا ہے۔ دین و مذہب کی ضرورت ثانوی ہے۔ اس کے بعد

میں دیکھ لیں گے میرے جواں سال دوستو! میرا آپ کے نام یہی پیغام اور یہی اپدیش ہے کہ مضبوط۔ توانا اور قوی ہمت بنو۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی رگ رگ اور نس نس فولاد کی بن جائے۔ آپ کی بلند ہمتی شہزوری اور توانائی میں ہی ملک کی آزادی و آبرو کا راز چھپا ہوا ہے۔

کیا کبھی آپ نے سوچا ہے کہ ہماری یہ درد دشا کیوں ہوئی؟ ہمیں یہ ذلت و پامالی کیوں دیکھنی پڑی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم خود اعتمادی کی دولت لٹا بیٹھے۔ ہمارے دل و دماغ خود اعتمادی سے محروم ہو گئے۔ ہم میں اعتقاد اور یقین، ایمان اور وشواس عنقا ہو گیا۔ میں اگر کہوں کہ ہم سے کہیں زیادہ اعتقاد و ایمان انگریز مردوں اور عورتوں میں ہے۔ تو بے جا نہیں ہوگا۔ ہم اس دولت سے محروم ہو کر ذلیل و رسوا ہوئے۔ اور اس وجہ سے ہم زیر و غلام بنے۔ ورنہ کیا کسی کی مجال تھی کہ ہمارے اوپر حکومت کرتا! لیکن ہماری کمزوری اور بزدلی دیکھئے کہ گذشتہ ایک ہزار برسوں میں کتنی ہی بار مٹھی بھر حملہ آور ہماری سرزمین کو روندتے ہوئے آگے بڑھے۔ اور انہوں نے ہم تیس کروڑ ہندوستانیوں کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ اور ہمیں غلامی اور ذلت کی عمیق ترین پستیوں میں پھینک دیا۔ جانتے ہو اس کی وجہ کیا تھی؟ وہ جذبۂ خود اعتمادی سے معمور تھے۔ اور ہم اس جذبہ سے محروم۔ انہیں اپنے زورِ بازو پر بھروسہ تھا۔ لیکن ہم بے ہمت اور لاغر تھے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ہندوستان کی سربلندی اور عظمت کے لئے پھر سے جذبۂ خود اعتمادی۔ شردھا اور وشواس اپنے اندر پیدا کریں۔ بے ہمت، ناتواں اور لاغروں کی زندگی سے تو موت بدرجہا بہتر ہے۔ کمزوری قضا ہے، بہادری، ہمت اور طاقت زندگی ہے۔

غلام اور مفتوح قوم کے ناطے ہماری ہمت و خود اعتمادی کے رہے سہے سوتے بھی سوکھ گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ سوچنے لگ گئے ہیں کہ ہم کمزور اور بے ہمت ہیں۔ ہم کسی بھی بات میں آزادانہ روش اختیار نہیں کرتے۔ یہ درماندگی، جذبۂ خود اعتمادی۔ وشواس اور شردھا کے فقدان کا مظہر ہے ہمیں پھر سے اپنے دلوں میں اسی جذبہ کو بیدار کرنا ہے۔ اور اپنے دماغوں کو، اپنی روحوں کو شردھا اور وشواس سے معمور کرنا ہے۔ جب تک یہ جذبہ بیدار نہیں ہوگا، ہم نہ آزاد ہو سکیں گے نہ ترقی و سربلندی کا منہ دیکھ سکیں گے مگر ہمت باندھنے اور جذبۂ خود اعتمادی پیدا کرتے ہی ہمارے ملک اور ہماری قوم کے جملہ مسائل حل ہونے شروع ہو جائیں گے۔ اس ایک مشکل کو آسان کر لیجئے۔ باقی مشکلیں خود بخود آسان ہونی شروع ہو جائیں گی۔ اپنے اوپر بھروسہ اور اعتماد رکھو۔ مضبوط اور شہ زور بنو۔ یہ وشواس تمہارے دل میں جاگزیں ہو جانا چاہئیے کہ ہم آتما ہیں۔ امر۔ لافنا، آزاد، پاک وصاف، پھر بھلا ہم سے کوئی گناہ کیسے سرزد ہو سکتا ہے۔ پھر بھلا ہم غلام اور کمزور کیوں کر رہ سکتے ہیں۔ یہی جذبہ کلیدِ کامیابی ہے۔ یہی فکر و نظر ہمیں انسان بنائے گی۔

بلکہ ہمیں فرشتوں کا ہم نشیں بنا دے گی۔ کمزوری، پژمُردگی، بے ہمتی اور مایوسی کے سرسائے کو دور بھگا دو۔ اپنے دِلوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھالو کہ ہم سب یہاں مخصوص کام کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ کام ہمیں کرنا ہی ہوگا۔ ہم بہت سا کام پہلے کر چکے ہیں۔ جو باقی رہتا ہے وہ کام ہمیں اب انجام دینا ہوگا۔ یہ ذمہ داری ہماری ہے۔ جس سے ہم بھاگ نہیں سکتے۔ ہمیں یہ فرض ادا کرنا ہوگا۔ اور پوری ہمت و جانفشانی سے ادا کرنا ہوگا۔ کاہلی اور اور سستی، مایوسی اور بے بسی اور لاچاری کے جو ہلاکت آفریں جراثیم ہمارے قومی خون میں سرائیت کرتے چلے ہیں۔ انہیں ختم کر دو۔ اور مُلک و قوم کو رفعت و عظمت کی بلندیوں پہ پہنچاؤ۔ اپنے آپ پر طعن و تشنیع بھیجنا اور اپنے بزرگوں کا تمسخر اُڑانا ترک کر دو۔ شردھا اور وشواس کے ساتھ ہمت باندھ کر تعمیر و ترقی کی راہ اختیار کرو۔ دیکھو کامرانی اور کامیابی آپ کا انتظار کر رہی ہے۔

جائے افسوس ہے کہ ہمارا سارا قومی کردار طفلانہ سا بن کر رہ گیا۔ جیسے بچے ہر بات کے لئے دوسروں کا مُنہ تکتے رہتے ہیں۔ دوسروں پہ تکیہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم دوسروں کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ ہم تو یہاں تک کاہل، بے ہمت اور دوسروں پہ تکیہ کرنے والے بن گئے ہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ پکا پکایا کھانا ہمارے سامنے لاکر رکھ دیا جائے ہمیں اس کے لئے کوئی محنت و مشقت نہ کرنی پڑے۔ بلکہ کئی لوگ تو یہاں تک گئے گزرے ہیں، چاہتے ہیں کہ انہیں لقمہ مُنہ میں ڈالنے کی بھی زحمت نہ اُٹھانی پڑے اور کوئی اُن کے مُنہ میں نوالہ ڈالتا جائے۔ یہ زندگی میرے نزدیک موت سے بدتر ہے۔ جو اپنی مدد آپ نہیں کرتے، انہیں زندہ رہنے کا کیا حق ہے؟ یاد رکھیئے کہ وہی قوم زندہ رہتی ہے، جو زندہ رہنے کے لئے محنت و مشقت کرتی ہے۔ یہی کیفیت ہر ایک انسان کی ہے۔ اس لئے امداد کے لئے دوسروں کی طرف دیکھنا بند کر دو۔ بیرونی امداد پہ کب تک زندہ رہ سکو گے؟ افراد کی طرح قوموں کو بھی اپنی حیات و بقا کے لئے محنت کرنا ہوگی۔ یہی حقیقی اور اصلی حب الوطنی ہے۔ دیش بھگتی ہے۔ اگر کوئی قوم اس رازِ حیات سے محروم رہے تو سمجھ لیجئے کہ ابھی اس کے دن نہیں پھرے۔ ترقی و خوشحالی سے ہمکنار ہونے کے لئے اسے ابھی انتظار کرنا ہوگا۔

یہ کاہلی، سُستی اور فرض سے فرار کے مترادف ہی تو ہے کہ ہم میں سے ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اسے کوئی کام نہ کرنا پڑے، صرف دوسروں پہ حکم چلانا پڑے۔ جسے دیکھو سب حکمرانی چاہتے ہیں، اطاعت اور تابعداری کوئی نہیں چاہتا۔ سب فرماں روائی کے دلدادہ ہیں، کوئی بھی فرماں برداری کا طلبگار اور حاجتمند نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کے ابتدائی دِنوں میں لوگوں کو برہمچریہ کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ برہمچریہ میں سب سے پہلے فرماں برداری، اطاعت اور تابعداری سکھائی جاتی ہے۔ یہ پہلے خدمت

کرنا سیکھو۔ وقت آئے گا کہ آپ خود بخود مخدوم بن جائیں گے۔ فرماں برداری سے فرماں روائی مل جائیگی۔ اچھا مخدوم وہی ہوتا ہے جو اچھا خادم ہو۔ فرماں برداری بھی غیر مشروط ہونی چاہیئے۔ کسی قسم کی چون و چرا، حیل و حجت، دلیل و بحث نہیں ہونی چاہیئے۔ کوئی بزرگ اور بڑا اگر آپ کو کہے کہ طوفانی دریا کی بپھری ہوئی متلاطم موجوں میں کود کر مگرمچھ کو پکڑ لاؤ۔ تو اس حکم پر لبیک کہتے ہوئے دریا میں کود جاؤ۔ دلیل و حجت، چون و چرا بعد ازاں کرنا۔ خواہ یہ حکم غلط ہی کیوں نہ ہو، بے جھجک، بلا شرط، بلا حیل و حجت اسے عملی جامہ پہناؤ۔ بحث بعد ازاں کرنا کہ یہ غلط تھا۔ خدمت گزاری فرماں برداری کی خوبی و صفت اپنے اندر پیدا کر لو۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ تم اپنا آپ تک مٹا دو۔ یا قربان کر دو۔ نہیں! اپنی انفرادیت قائم رکھ کر بڑوں کے حکم کی تعمیل کرنا سیکھو۔ جب تک بڑوں کی خدمت گزاری کو مسلکِ حیات نہ بنایا جائے گا۔ تنظیم و کام میں مرکزیت کہاں سے آئے گی؟ کوئی بڑا کام اس وقت تک انجام بھی نہیں دیا جاسکتا۔ جب تک سب قوتیں مرتکز ہو کر مل کر اس کام کو نہیں کرتیں۔

باتیں کم کرو، زبانی جمع خرچ کرنے اور ہوائی قلعے بنانے سے تقدیریں نہیں بدل سکتیں۔ لیکن اس وقت جدھر دیکھیئے بڑھ چڑھ کر باتیں کی جارہی ہیں۔ زبان سے زمین و آسمان کے قلابے ملائے جارہے ہیں ہم بڑے ہیں۔ ہم عظیم المرتبہ ہیں۔ یہ سب باتیں میرے نزدیک بیہودہ اور محض بکواس ہیں۔ ہم نامرد اور ہیجڑے ہیں۔ ہم مریل اور تن آسان ہیں۔ زبان سے تو ہم زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں لیکن کرتے کراتے کچھ نہیں محض طوطے کی طرح کچھ باتیں رٹ لینے سے کچھ نہیں بنتا۔ زبانی جمع خرچ کرنا اور ہاتھوں سے کچھ نہ کرنا، یہی ہماری خو اور یہی عادت بن کے رہ گئی ہے۔ ایسی ضعیف العقلی سے ہمارا کچھ بھی نہیں بنے گا۔ ہمیں کردار کا غازی، مردِ میدان بننا ہوگا۔

اپنی کس کس بات کا رونا رویا جائے۔ ہم پرلے درجہ کے کاہل، سست اور تن آسان ہیں۔ ہم کام نہیں کر سکتے۔ اکھٹے مل کر نہیں بیٹھ سکتے۔ ایک دوسرے سے رشتۂ محبت نہیں جوڑ سکتے ہم میں نہ اتحاد ہے نہ رفاقت۔ ہم انتہائی طور پر خود غرض اور حسد و رشک کی آگ میں جلنے والے ہیں۔ ہم تین اکھٹے ہو جائیں تو لازمی طور پر ایک دوسرے کے خلاف جلتے کڑھتے رہیں گے۔ تین اکھٹے مل بیٹھیں تو ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی اور رقابت کرنے لگ جائیں گے۔ ہماری موجودہ دردشا کی کیفیت یہ ہے۔ کہ ہم بری طرح سے غیر منظم ہجوم سا بن کر رہ گئے ہیں۔ انتہائی طور پر خود غرض، مطلبی اور نفس پرور ہیں۔ اور سال و ماہ کی لاانتہا گردشوں سے، کتنی ہی صدیوں سے ہم ایک دوسرے سے اس سوال پہ دست و گریباں ہوتے چلے آرہے ہیں کہ ماتھے پہ تلک کس طرح لگایا جائے ہم نے

اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کو رسم و رواج کے متعلق حقیر ترین انتہائی فروعی سوالات پر ضخیم سے ضخیم کتابیں تحریر کرنے پر صرف کر دیا۔

اور پھر ہم جذبۂ اتحاد، مہر و محبت، تنظیمی قوت اور جماعت بندی کے جوہر سے قطعی طور پر نا آشنا ہیں۔ جیسے گروہ بندی۔ جماعتی تنظیم ہماری فطرت میں ہی شامل نہ ہو۔ ہمیں پھر سے اتحاد و رفاقت کا رشتہ پیدا کرنا ہے۔ جماعتی تنظیم پیدا کرنا ہے۔ اپنے آپ کو شیرازہ بند کرنا ہے۔ اور ایسا کرنے کا سہل ترین طریقہ، اس کا راز یہ ہے کہ حسد و رقابت کو بالکل دور کر دیا جائے خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے بھائیوں کے نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ کو سننے کے بعد اسے قبول کرنے کے لئے تیار رہو اور ہمیشہ صلح جو ہو۔ فراخ دلی سے مخالف نظریوں کو تسلیم کرنے کے لئے مستعد رہو۔ جب تک یہ جماعتی اتحاد پیدا نہیں ہوگا، تم طاقتور نہیں بن سکو گے۔

کبھی سوچا آپ نے کہ تنظیمیں اور جماعتیں اس قدر طاقتور اور ذی اثر کیوں ہوتی ہیں؟ مثال کے طور پر کیا آپ جانتے ہیں کہ چار کروڑ انگریز تیس کروڑ ہندوستانیوں پر کیسے حکومت کر رہے ہیں؟ انگریز کی اس حکومت اور ہماری اس غلامی کی نفسیاتی وجہ کیا ہے؟ انگریز ہم سے تعداد میں کہیں کم ہوتے ہوئے بھی متحد اور منظم ہیں۔ اور ہم ان سے کہیں زیادہ تعداد میں ہونے کے باوجود منتشر اور ایک دوسرے سے جدا اور بگڑے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے مستقبل کو آباد رکھنے کے لئے، اسے خوشنمائی اور رعنائی سے مزین کرنے کے لئے ہمیں اتحاد اور اتفاق کا گر سیکھنا چاہیئے۔ دلوں میں رفاقت اور محبت پیدا کر کے ہی ہم طاقت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور شہ زور بن سکتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے میرے ذہن میں اتھر وید سنگھتا کا ایک منتر ابھر رہا ہے۔ میرا دھیان بار بار اس کے جگمگاتے اپدیش کی طرف مبذول ہوتا جا رہا ہے۔

اس وید منتر میں کہا گیا ہے: "بھگوان کرے تم سب کے دل ایک جیسے ہوں۔ تمہارے دلوں میں رفاقت اور یگانگت ہو۔ تم سب کے جذبات اور احساسات ایک جیسے ہوں۔ تمہارے خیالوں اور فکروں میں یکسانیت اور اخوت ہو"۔ دلوں اور خیالوں کی اس یگانگت اور رفاقت کی بدولت ہی دیوتاؤں اور فرشتوں پر خدائی رحمتیں نازل کی گئی تھیں۔ فرشتوں اور دیوتاؤں کی پرستش و تعظیم کا راز اسی بات میں ہے۔ کہ ان میں اتفاق اور اتحاد ہے۔ ان کے دل ملے ہوئے ہیں۔ ان کے قدم ملے ہوئے ہیں ان کے ذہن و فکر ملے ہوئے ہیں۔ ترقی معاشرت کا راز اسی یک دلی میں پنہاں ہے۔ اور جب تک آپ دراوڑستان یا آرین کے سوال پر، برہمن اور غیر برہمن کے سوال پر ایک دوسرے سے لڑتے مرتے رہو گے، تب تک آپ اس قوت اور طاقت سے محروم رہو گے جس قوت اور

طاقت سے مستقبل کا ہندوستان تعمیر کرنا ہے۔ اس امرِ حقیقت کو اپنے دلوں میں پیوست کر لو کہ ہندوستان کے مستقبل کا انحصار آپ کی اسی طاقت اور قوّت پر ہے۔ اور اس طاقت اور قوّت کو حاصل کرنے، جمع کرنے کا راز صرف اتحاد و محبت، رواداری اور بردباری، یگانگت و رفاقت میں پنہاں ہے۔ اپنے دلوں کو ایک مرکز پر جمع کر دیجئے، اپنی بکھری ہوئی منتشر قوتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیجئے۔ اور قدم سے قدم ملا کر، کندھے سے کندھا ملا کر، بازوؤں میں بازو ڈال کر، دلوں اور روحوں خیالوں سے خیال ملا کر، ولولوں سے ولولے ملا کر حسین و جمیل مستقبل کی طرف رواں دواں آگے بڑھئیے۔

ہندوستان کے باشندوں ہندوؤں میں تاجرانہ امور۔ کے متعلق ایک ایسا مخصوص پھوہڑپن سا پایا جاتا ہے جیسے انہیں تاجرانہ دیانت و کمال حاصل نہ ہو۔ نہ یہ حساب کے پکّے ہیں اور نہ ان میں سلیقہ و ضابطہ موجود ہے۔ ان کی اقتصادی اور معاشی زندگی میں جتنا بھی جھانک کر دیکھئے، اتنا ہی آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ انہیں ابھی کاروبار اور لین دین کے اعلیٰ ترین اصولوں کو سمجھنا ہے، اپنانا ہے۔ تجارت، تجارت ہے، بیوپار بیوپار ہے۔ اور اس میں کسی طرح کی رو رعایت، دوستی یا آنکھ کی شرم نہیں ہونی چاہیئے۔ جو رقم بھی کسی کی تحویل میں ہو اس کی پائی پائی کا حساب صاف صاف رکھنا چاہیئے۔ اور ایک مخصوص کام کے لئے وقف کیا گیا روپیہ پیسہ کسی دوسرے کام میں خرچ اور صرف نہیں کیا جانا چاہیئے، خواہ ہمیں فاقوں ہی کیوں نہ مرنا پڑے۔ تاجرانہ کسب و کمال تو یہی ہے۔ اگر آپ میں یہ جوہرِ تجارت آجائے۔ اور اس کے ساتھ آپ اپنے اندر کبھی نہ دھوکا دینے والی قوّت بیدار کر لیں۔ تو پھر کسی چیز کی کمی نہیں رہے گی۔ جو کچھ بھی تم کرو، اسی حسنِ عمل سے کرو۔ کہ یہ کام بندگی اور عبادت سا بن جائے۔

لیکن جب تک آپ اپنے کام سے پیار و محبت نہیں کریں گے نہ یہ کسب و کمال ملے گا، نہ طاقت و ہمت نصیب ہوگی اور نہ ہی آپ کا کام بندگی بن سکے گا۔ محبت کام سے ہو یا ایک دوسرے کے ساتھ، اس کے بغیر نکھار اور چمک کہاں سے آئے گی؟ کوئی انسان بھی اپنے کام سے نفرت کر کے اس کام میں کمال و جمال پیدا نہیں کر سکتا۔ بالکل اسی طرح کوئی انسان یا کوئی نسل و قوم دوسروں سے نفرت و حقارت کر کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی تاریخ کا تاریک ترین دن وہ تھا جب لفظ "ملیچھ" ایجاد کیا گیا۔ اور ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ مہر و محبت، خلوص و الفت سے پیش آنا بند کر دیا تھا۔ اور محبت کی جگہ نفرت و حقارت کو بنیادِ زندگی بنا لیا تھا۔ محبت کبھی ناکام اور نامراد نہیں ہوتی۔ اس کا ثمر آج ملے یا کل یا برسوں بعد، کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اپنا رنگِ اثر پیدا کر کے رہے گی۔ بالآخر سچائی اور محبت ہی کامران و فاتح رہی ہے۔ محبت و عشق نے زندگی کے معرکے سر کئے ہیں اور سب کامیابیوں اور نصرتوں کو قدمبوسی پر مجبور کیا ہے۔ اس لئے اپنے

ہم وطنوں سے خلوص و پیار سے پیش آؤ، ایک دوسرے سے مہر و محبت سے برتاؤ کرو۔ آپ کی زندگی کے تاریک گوشے بھی نہ جگمگا اٹھیں تو کہنا۔

آپ پوچھتے ہو کہ ہم خدا اور ایشور کی جستجو میں کہاں جائیں۔ میں کہتا ہوں کہ کیا سب غریب، مفلس، نادار، درماندہ، لاغر و نحیف انسان خدا اور ایشور نہیں ہیں؟ کیوں نہ پہلے ان کی عبادت و بندگی کی جائے؟ گنگا کے کنارے کنواں کھودنے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا اور محبت کے قادرِ مطلق ہونے پر یقین و ایمان لاؤ لیکن کیا آپ محبت و عشق سے شناسا بھی ہیں؟ اگر ہیں تو یقین کرو کہ تم قادرِ مطلق ہو۔ کیا آپ مطلقاً بے نفس اور بے لوث ہیں؟ اگر ہیں تو یقین کرو کہ کسی غیر میں اتنی تاب و طاقت کہاں کہ آپ کا راستہ روک سکے یا آپ کی مزاحمت کر سکے۔ آپ کی بے نفسی کے سامنے ٹھہرنے کی کس میں مجال ہے؟ یہ اخلاق و کردار کی بلندی اور عظمت ہے جس کو ہر جگہ فتح و نصرت ملتی ہے۔ اپنے اندر یہی بلندیِ کردار اور پاکیزگیِ اخلاق پیدا کر لو۔ پہاڑ تمہارے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔ بحرِ بیکراں کی پہنائیاں آپ کے لئے اپنا سینہ کھول دیں گی۔ سر بفلک چوٹیوں پر اور عمیق ترین گہرائیوں میں، ہر جگہ خدا آپ کی حفاظت و نگہداشت کرے گا۔ اس کا رحم و کرم قدم قدم پر آپ کے ساتھ رہے گا۔ شرط یہ ہے کہ آپ ملک و قوم کے لئے ہیرو بن جائیے۔ جرأت و ایثار کے پیکر بن جائیے۔

اپنے صدقِ دل کے احساسات کو جگاؤ۔ جذبات و خیالات میں سوز و گداز پیدا کرو۔ عقل و دلیل میں کیا رکھا ہے؟ یہ چند قدم جا کر دم توڑ دے گی۔ لیکن سوزِ عشق، سوزِ محبت آپ کا ساتھ چھوڑے گا؟ یہ آپ کو بلند سے بلند تر لیتا جائے گا۔ آپ کو ان بلند ترین مرتبوں اور مقامات تک لے جائے گا جن کا خیال تک عقل و دلیل کی سرشت میں نہیں لکھا گیا۔ معاملہ عقل و دلیل تک رہے گا۔ تو چند قدم چل کر آپ اپنے قدموں کو آگے چلنے سے معذور پائیں گے۔ لیکن اگر معاملہ دل سے ہو گا۔ تو جوش و ولولہ آپ کو کہاں سے کہاں لے جائے گا، نہ آپ کے پاؤں رکیں گے نہ آپ کی راہیں مسدود ہوں گی۔ عقل و دلیل پر جو دروازے بند ہوتے ہیں وہ سوزِ عشق پر کھل جاتے ہیں۔ اس کائنات کے سربستہ راز دل کی کنجی عشق و محبت کے ہاتھ میں ہے۔ سوزِ محبت جگاؤ، دیکھو کائنات اپنی سب اسرارِ مخفی آپ پر آشکار کر دینے کے لئے دیوانی ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مزا تو جب ہے کہ آپ کے دلوں میں وطن و قوم کے لئے ہی سوزِ محبت بیدار ہو جائے۔ آپ ہی بتائیے کہ کیا آپ کا دل اس عشق و محبت سے معمور ہے؟ آپ اب بے لوث جذبۂ حب الوطنی سے سرشار ہیں؟ کیا آپ دیوتا دل اور فرشتوں کے ان نام لیواؤں اور جانشینوں کی حالتِ زار دیکھ کر تڑپ اٹھتے ہیں یا نہیں جو زمانہ کی ٹھوکریں کھا کھا کر وحشی اور درندے بن چکے ہیں؟ کیا آپ فی الحقیقت محسوس کرتے ہیں کہ آپ کے لاکھو ہم وطن فاقوں مر رہے ہیں۔ اور نہ جانے کتنی صدیوں سے اسی فاقہ مستی اور مفلسی کی پستیوں اور

تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں؟ کیا آپ کا دل یہ دیکھ کر سچ مچ بلک اٹھتا ہے کہ جہالت کی گھنگھور گھٹا نے آپ کے وطن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے؟ کیا ملک و قوم کی یہ ابتری، کس مپرسی، درماندگی دیکھ کر بے چین اور بے قرار ہو جاتے ہیں؟ کیا اپنے وطن کی غربت و جہالت آپ کی راتوں کی نیند اور دن کے چین کو حرام کر دیتی ہے؟ کیا مادرِ وطن کی یہ زبوں حالی دیکھ کر آپ کا دل گریہ زاری کرنے لگ جاتا ہے؟ حقیقی حُبّ الوطنی اور سچی دیش بھگتی تو یہی ہے کہ یہ صورتِ حالات آپ کو مضطرب و مغموم بنا دے۔ اور آپ اپنے آپ کو، اپنے بیوی بچوں کو، اپنی جائداد اور اپنی امارت و شہرت، سب کا خیال چھوڑ کر وطن کی اس دردشا کو دور کرنے کے لئے کود پڑیں۔

تنگ دیواروں سے باہر نکلو۔ اور اس وسیع و عریض دنیا کو دیکھو! دیکھو دنیا کی قومیں کس طرح ترقی کرتی جا رہی ہیں۔ تم بھی کوشش کرو کہ تمہاری مادرِ وطن، ہند، بھی ترقی کرے۔ کیا تم انسان سے پیار کرتے ہو؟ کیا تم اپنے ملک سے پیار کرتے ہو؟ تو آؤ، ہم مل کر ملک کی سربلندی اور خوشحالی کے لئے جدوجہد کریں، تاکہ ہمارا ملک بھی اونچا اٹھ سکے۔ خدمتِ وطن کی راہ پر سرفروشوں اور جانثاروں کی طرح آگے بڑھو۔ اور پھر کوئی پکارتا رہ جائے کوئی آوازیں دیتا رہ جائے۔ تم ملک کی عظمت و رفعت کے لئے برابر آگے قدم بڑھاتے چلے جاؤ۔ آپ کے عزیز و اقارب بھی آپ کی راہ نہ روک سکیں پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ آگے دیکھئے آگے بڑھیئے اور جب تک آپ اپنے عزم و ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہنا لیتے۔ آرام و سکون کے ساتھ مت بیٹھو۔

خدمتِ وطن کے اس عظیم کام کے لئے انسانوں کی ضرورت ہے۔ دوسری ہر چیز تیار ملے گی۔ اولین ضرورت انسانوں کی ہے مضبوط، جفاکش، جذبۂ خود اعتمادی سے معمور، دیانت دار، بے لوث، ایماندار، سرفروش انسانوں کی ضرورت ہے۔ ایسے ایک سو سرفروش مجاہد اور غازی مل جائیں۔ تو ساری دنیا میں ہلچل مچا دیں۔ انقلاب سا برپا کر دیں۔

اصلی اور لازمی چیز بے نفسی، بے تعلقی، بے لوثی ہے۔ کیونکہ جب تک آپ بے نفس، بے تعلق، بے لوث نہیں ہوں گے آپ دوسروں کی خدمت میں دل و جان سے نہیں جُٹ سکیں گے۔ صرف بے لوث اور بے نفس انسان ہی ہر پہلو اور ہر زاویہ سے اچھی طرح سے دیکھ سکتا ہے اور صورتِ حالات کا درست اور حقیقت پسندانہ جائزہ لے سکتا ہے۔ اور سرتاپا خدمت بن جاتا ہے۔ اپنے آپ کو دوسروں کی خدمت کے لئے وقف کر دیتا ہے ایسا سرفروش اور بے نفس انسان جدھر نگاہ اٹھاتا ہے سب مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ کسی مشکل اور دقت کو خاطر میں کب لاتا ہے کس میں جرأت و ہمت ہے کہ حق و صداقت اور محبت و خلوص کی مزاحمت و مدافعت کر سکے۔ اس لئے صادق و راسخ بن جاؤ۔" دمِ واپسیں تک حق و صداقت کا دامن نہ چھوڑیئے، راہِ حق پہ گامزن رہیئے اور خواہ موت سے ہمکنار کیوں نہ ہونا پڑے۔ صداقت و بے خوفی کو ہاتھ سے مت چھوڑیئے۔ خوف و خطر کو دل سے نکال کر

دوسروں کی خدمت کرتے چلے جائیے۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنے دامنِ علم کو کشادہ سے کشادہ تر کرتے چلے جائیے کام کرو، مصروفِ عمل ہو جاؤ۔ کام میں جُٹ جاؤ۔ میرے بہادر اور نیک دوستو! خدمتِ وطن کے لئے خون پسینہ ایک کر دو۔ اور ترقیِ وطن کے پہیے کو آگے حرکت دو۔ اپنا کندھا آگے کر دو۔ اور اس پہیے کو آگے بڑھاؤ۔ اور ایسا کرتے ہوئے اپنے نام و نمود، شہرت و دولت، عظمت و رفعت کے سب خیالوں کو دل سے نکال دو۔ یہ سب خیال خام ہیں محنت کرو۔ اور بساطِ حیات پلٹ کر رکھ دو۔ اُسے مقدّس اور پاک و صاف رکھو! کام کرو۔ یہی میرا پیغام ہے۔

قوم و وطن کی خدمت کے لئے سب تن آسانیاں، سب سہل انگاریاں، سب سستیاں اور سب کاہلیاں ترک کر دو۔ سب مسرّتیں، سب عیش پرستیاں قربان گاہِ وطن پر قربان کر دو۔ اور اس آتشِ خدمت میں کود پڑو۔ اور لوگوں کو جوق در جوق اُس مالک کے دربار میں لے جاؤ۔ دل و جان سے اپنے آپ کو اس خدمت میں لگا دو آپ اپنے اندر اس قدر بے پناہ قوّت و ہمّت کے سرچشمے پھوٹتے دیکھیں گے کہ آپ اس قدر قوّت و ہمّت کی تاب کبھی نہ کر سکیں، اسے برداشت نہ کر سکیں۔ دوسروں کی سیوا کے لئے کیا گیا ادنٰی سے ادنٰی کام انسان کے دل و دماغ میں انتھاہ طاقت پیدا کرتا ہے۔ دوسروں کی فلاح و بہبود کے لئے سوچا گیا ہر خیال آپ کے دل میں شیرِ ببر کی سی قوّت کو جگا دے گا۔ میں آپ کو صدقِ دل سے محبّت و پیار کرتا ہوں لیکن میں زیادہ پسند کروں گا کہ آپ دوسروں کی خاطر اپنی جان پر کھیل جائیں۔ اپنی زندگی کو دوسروں کی فلاح و بہبود کی خاطر قربان کر دیں ایسی موت موجودہ زندگی سے بدرجہا بہتر ہوگی۔

دنیا میں ہمیشہ سچائی کا بول بالا ہوتا ہے۔ روزِ اوّل سے سچ جھوٹ کے مقابلہ میں سچ کا پلڑا بھاری رہا ہے۔ یہی کیفیت نیکی، اچھائی، بھلائی اور نفس کشی کی ہے۔ آپ میں یہ خوبیاں ہوں تو ناپاک سے ناپاک دنیاوی قوتیں بھی آپ کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ آپ ہر میدان میں فتح و نصرت حاصل کریں گے اور ہر جگہ اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑتے چلے جائیں گے۔ کونسا کام ہے جسے پایۂ کامیابی تک پہنچنے سے پہلے آپ کو دشواریوں اور پریشانیوں میں سے نہیں گزرنا پڑتا۔ لیکن وہ پست ہمّت اور نامراد ہوتے ہیں۔ جو ان دشواریوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر کوشش و کاوش ترک کر دیتے ہیں اور ہمّت ہار بیٹھتے ہیں ثابت قدم آج نہیں تو کل، لازمی طور پر نتیجہ کامیابی دیکھیں گے۔ اچھے کام میں تو مشکلیں اور زیادہ ہوتی ہیں۔ اس راہ پر چلنے والوں کو بے پایاں صبر و ہمّت اور بے پایاں ایثار نفسی سے کام لینا ہوگا۔ جن کے پاس یہ رختِ سفر ہوگا۔ وہ جلد یا بدیر منزلِ مراد پالیں گے۔ صدق و ایمان کے ساتھ اس راہ پر چلتے رہو۔ اس نشانِ منزل کی طرف بڑھتے چلو۔ صادق بنو۔ ایمان دار بنو۔ نیکوکار بنو۔ بے نفس اور حق پرست بنو۔ دھیرے

دھیرے دھیرے قدم بڑھاؤ تیزی یا بے قراری سے لمبے لمبے ڈگ نہ بھرو۔ اس سے گرنے کا خدشہ و خطرہ لاحق ہوگا۔ شروع شروع میں بڑے بڑے منصوبے نہ بناؤ۔ لمبے چوڑے خاکے تیار نہ کرو۔ بلکہ آہستہ آہستہ اپنا راستہ صاف کر کے آگے بڑھو۔ اور ثابت قدمی سے اس وقت تک رواں دواں آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ جب تک آپ کو منزل نہیں مل جاتی۔

دو باتوں کو پلّے باندھ لو۔ ان کے متعلق ہمیشہ چوکس اور ہوشیار رہو۔ ایک ہے قوتِ محبت دوسری ہے حسد و رقابت کی تباہ کاری۔ قوتِ محبت تمہارے ساتھ رہنی چاہیئے حسد و رقابت کی آگ کو اپنے دل میں ذرا سی بھی جگہ نہ دو۔ لیڈر رہبر بن کر تم نے قدم اٹھایا۔ تو راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ آپ کا راستہ کانٹوں سے بھر جائے گا۔ اور ان کانٹوں کو کوئی دور کرنے نہیں آئے گا لیکن یہ کانٹے آپ کی نفس پرستی، جاہ پرستی، شہرت پرستی نے ہی آپ کے راستوں میں بکھیرے ہیں۔ اس لیے کامیابی کا گُر یہ ہے۔ کہ آپ پہلے اپنا آپ ختم کر دو۔ کامیابی چاہتے ہو تو پندارِ خودی، احساسِ فخر و افتخار، احساسِ حسد و رقابت اپنے دل سے نکال دو۔ اپنے بھائیوں کی رہنمائی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ انہیں رہنمائی کی نہیں خدمت کی حاجت ہے۔ دوسروں کی رہنمائی اور رہبری کرنے کے وحشیانہ جنون نے نہ جانے کتنوں کے بیڑے بیچ منجدھار غرقاب کیے ہیں۔ اس لیے اس جنون و سودا سے ہمیشہ بچ کر رہو۔ رہنما اور رہبر نہ بنو۔ خادم بنو۔ سب کی خدمت آپ کا مسلک بن جائے سب کی خدمت آپ کا دستورِ حیات بن جائے۔ حکمرانی کا ارمان آپ کو ذلت و رسوائی دکھائے گا لیکن اگر آپ خدمتِ خلق شروع کر دیں گے۔ تو آپ لوگوں کے دلوں پہ حکومت کریں گے۔ خدمت گذاری آپ کو مخدومِ قوم بنا دے گی۔

ہر ایک کے ساتھ صبر و تحمل کے ساتھ پیش آؤ۔ بردباری اور رواداری سے چلو۔ بحث مباحثوں میں کیوں الجھتے ہو۔ دوسروں کے خیالات اور نظریات کو خندہ پیشانی اور فراخدلی سے سنو۔ دوسروں کی تردید نہ کرو۔ یقین جانو۔ کہ تحمل مزاجی، راست بازی ایثار نفسی اور بردباری ہی غالب آئے گی اور اسی کا بول بالا ہوگا۔ ہر ایک فرد و بشر کو خوش کرنے کی کوشش کرو۔ دوسروں کے دلوں کو گدگداؤ۔ انہیں محبت و مسکراہٹ دو۔ پھر دیکھو آپ کے دامن میں کتنی محبت سمٹ آتی ہے۔ کتنی مسکراہٹیں آپ کے دل میں سما جاتی ہیں۔ نہ دوسروں کے ساتھ مکر و فریب کرو۔ نہ ریاکاری اور مکاری کو اپنا شیوہ بناؤ۔ نہ بزدلی یا کم حوصلگی سے کام لو۔ اپنے اچھے، نیک، برحق خیالات کو ہمت و صداقت کے ساتھ پکڑے رکھو۔ آپ کی راہ میں کتنی ہی مشکلیں کیوں نہ آئیں۔ دل ہمت چھوڑ دو۔ وقت آئے گا کہ ساری دنیا کو آپ کی آواز سننی پڑے گی۔ آپ کے الفاظ کی قدر و منزلت کرنی ہوگی۔ آپ کے الفاظ کی اہمیت و فوقیت کو تسلیم کرنا ہوگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے رویہ کو مثبت

رکھو۔ مستقل مزاجی کو ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ دوسروں پر نکتہ چینی نہ کرو۔ بلکہ محبت و پیار کے ساتھ اپنا پیغام دیتے جاؤ۔ آپ کے پاس دنیا کو سکھانے کے لئے کوئی شے ہے تو دنیا کو سکھاؤ۔ اور اس کے بعد آپ کا کام ختم ہوا۔ آگے کی مالک جانے۔ آپ کا کام سمجھانا ہے۔ جبر و تشدد کے ساتھ دوسروں کو اپنا ہمخیال بنانا نہیں۔

اپنے دل کو اس کائنات کی طرح وسیع و عریض بنالو۔ کشادہ دلی اور فراخ دلی کو فطرت بنالو۔ مادر وطن کو ایسے انسانوں کی ضرورت ہے جو دیوانوں اور سودائیوں جیسی شدت جذبات اور پہاڑوں جیسی وسعت قلب رکھتے ہوں۔ دل ہو تو بحر بیکراں کی طرح گہرا نیلگوں آسمانوں کی طرح بے انداز ہمیں ایسے ہی قلب و جگر رکھنے والے انسانوں کی ضرورت ہے۔

مانا کہ ہم غریب و مسکین ہیں۔ مانا کہ ہم کچھ بھی نہیں تسلیم کہ ہم بے کس و بے جان ہیں لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ خدا اور ایشور نے ایسے ہی مسکین و غریب۔ بے کس اور بے حیثیت انسانوں کو اپنی مخصوص رحمت و برکتوں کے لئے منتخب کیا تھا۔ ایسے ہی مسکین و غریب اور عاجز و منکسر بندوں کو اس مالک نے اپنا ولی۔ پیغمبر اور رسول بنایا تھا۔ اور ان کو بریم رشیوں کا درجہ دیا تھا۔ مدد اور سہارے کے لئے دوسروں کے منہ کی طرف مت دیکھو۔ کیا اس مالک کی امداد تمام انسانی امداد سے افضل نہیں؟

نیک نفس اور خدا دوست بنو۔ مالک دوجہاں پر ایمان و اعتقاد رکھو۔ اور ہمیشہ اس پر بھروسہ و اعتماد رکھو یہی راہ خدا ہے یہی راہ حق ہے۔ اس راہ پر چلتے ہوئے آپ کے خلاف کوئی کفر و کذب باطل و الزام نہیں ٹھہر سکتا۔ ہمیشہ پروردگار سے ہی دعا مانگو۔ کہ "اے میرے رب! اے میرے مولا! اے نور ازلی! میرے دل کی تاریکیوں کو دور کر، اندھیرے کو مٹا کر اجالا کر، تاریکی مٹا کر روشنی کر" اعتماد اور اعتقاد صدق و ایمان سے مانگی گئی یہ دعا قبول بارگاہ ہوگی۔ اور آپ دیکھیں گے کہ تاریکیوں کو چیرتی ہوئی روشنی کی شعاع آپ کی راہوں کو اجاگر کرنے کے لئے دیوانہ وار آپ کی طرف دوڑتی چلی آرہی ہے۔ ایک دست رحمت آپ کی امداد کے لئے غیب سے بڑھتا آرہا ہے۔ ایشور کا نام لےکر اس کی رحمتوں کو پکارتے ہوئے آگے بڑھتے چلو۔ اسے اپنا سپہ سالار اور اپنا جنرل بنالو۔ اور قدم آگے بڑھاتے چلے جاؤ پیچھے مڑ کر نہ دیکھو کہ کون ساتھ آرہا ہے۔ اور کون راستے ہی میں گر رہا ہے بلکہ ہمت اور مضبوطی سے آگے بڑھو۔ میرے بھائیو! اس راہ پر ہمیں اسی طرح چلنا ہے۔ ایک گر جائے تو دوسرا اس کا کام سنبھال لے۔ کام نہیں رکنا چاہیئے۔ اس لئے اے بہادرو! اے شیر دلو! افکار و اضطراب کا یہاں کیا کام، کام کرو۔ ایشور ہماری پشت پناہ ہے۔ وہ مہان شکتی آپ کے ساتھ ہے۔

حیاتِ نَو کے تقاضے

معاشرتی ہو یا سیاسی، سب نظاموں کا دار و مدار انسانوں کی نیکی و خوبی پر ہے۔ کوئی مُلک اور قوم محض اِس لئے عظیم اور بڑی نہیں بن جاتی۔ کہ اس کی پارلیمنٹ نے فلاں فلاں قانون و آئین مرتب کیا ہے۔ بلکہ اس کی عظمت و سَربلندی اِس بات میں مُضمر ہے کہ اس کے اِنسان نیک اور اچھے ہیں۔ دُنیا بھر کی دولت ایک طرف، اِنسان ایک طرف۔ دُنیا کی دولت کے انباروں اور خزانوں سے اِنسان کہیں بیش قیمت ہے۔

برطانیہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کو نجات حاصِل کرنے میں امداد دے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ ترقی جو اُس حاکم کے اِشارے پر رقص کرتے ہوئے کی جائے گی جس حاکم نے اپنے محکوم مُلک کا گلا گھونٹ رکھا ہو، بے قیمت اور غیر حقیقی ہو گی۔ کیا غلاموں کی طرح کام کرنے والے مزدوروں کی طرف سے جو کام کیا جائے گا، اعلیٰ ترین پائے کا ہو گا؟ ہرگز نہیں۔ آپ ہی بتائیے کہ یہ کام آپ کا ہو گا یا آپ کے حاکموں کا؟ اگر یہ کام آپ کا ہے تو اس سے آپ کی ضرورتیں پوری ہونی چاہئیں۔ اگر یہ آپ کے حاکموں کا کام ہے تو اس سے حاکموں کو فیض پہنچے گا۔ آپ کو نہیں۔ لیکن کیا کبھی گداگروں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اور پھر اگر حکومت آپ کو کچھ کرنے کے لئے کچھ سہولتیں دے بھی دیتی ہے تو اس کام کو انجام دینے کے لئے مطلوبہ ہُنرمند اِنسان کہاں سے آئیں گے، اِس لئے پہلے ایسے اِنسان پیدا کرو۔

جب ایسے اِنسان جو مُلک و قوم کی خاطر بہت کچھ نچھاور کرنے کو تیار ہوں۔ جو تہِ دِل سے محبِ وطن اور مُخلص و صادق ہوں۔ مادرِ وطن کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ تب ہندوستان سچے معنوں میں ہر پہلو سے عظیم اور بڑا مُلک بن جائے گا۔ مادرِ وطن کی نیّا اس وقت کُھلے گی جب ہزاروں سرفروش، جانثار،

محبِ وطن اپنی تمام خوشیاں، اپنی تمام مسرتیں، اپنی تمام راحتیں، وطن کی آزادی و آبرو کی خاطر قربان کرنے کے لیے میدان میں کود پڑیں گے۔ ہندوستان کے دن تبھی پھریں گے۔ جب کفن بر دوش دیش بھگت اپنے ان لاکھوں ہموطنوں کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ جو روز بروز جہالت و تہی دستی، محرومی و بے نصیبی کی عمیق گہرائیوں میں گرتے جا رہے ہیں۔

ان نوجوانوں میں کام کرو۔ ان نوجوانوں کو اکساؤ۔ اور انہیں اس بات کی تلقین کرو کہ وہ دل و جان سے اس حد فرض کو پورا کرنے میں جٹ جائیں۔ اور یہ واحد فرض ہے ہندوستان کے عوام کو اونچا اٹھانا، ان کی حالت کو سدھارنا۔ ان نوجوانوں کو جگاؤ۔ انہیں ایک تنظیم میں متحد و متفق بنا دو۔ اور انہیں خلوصِ دل کے ساتھ، بے نفس و بے لوث رہتے ہوئے ملک و وطن کے لیے سب کچھ لٹا دینے کی تعلیم و تدریس دو۔ ہندوستان کے مستقبل کا دار و مدار صرف ان نوجوانوں پر ہے۔ ملک اوپر اٹھے گا تو ان کے دم قدم سے۔ بڑا بنے گا تو ان کی ہمت سے سربلند و خوشحال بنے گا تو ان کی محنت و قربانی کے صدقے جب آزادیٔ وطن کے ایسے ہزاروں پروانے جان ہتھیلی پر رکھ کر، کردگار پر بے پناہ اعتقاد و ایمان رکھ کر اپنے ہم وطنوں کو آزادی و خوشحالی کی تعلیم دیں گے۔ انہیں غلامی و جہالت کی ایک ایک زنجیر کاٹ لینے کے لیے اکسائیں گے۔ تب یہ گرا ہوا، پامال شدہ، روندا گیا ملک جاگ کر عظمتوں اور سربلندیوں کی طرف بڑھے گا۔ اور ملک بھر میں ایک نئی صبح، نئی زندگی انگڑائیاں لے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس جذبۂ سوزِ وطن سے سرشار نوجوان ملک کے طول و عرض میں پامال اور پسماندہ و بے سہارا لوگوں کو مذ عقیدۂ آزادی، دینِ خدمت، پیغامِ مساوات کی تعلیم دیں گے تبھی سارا دیش جاگ اٹھے گا۔ سارا ملک بیدار ہو جائے گا۔

اس وقت مجھے ایسے ہی کفن بردوش، حرارتِ ایمان سے شعلوں کی طرح دہکنے والے مبلغوں اور مشنریوں کے دستہ کی ضرورت ہے میرا منصوبہ ہندوستان میں جگہ بجگہ ایسے ادارے قائم کرنے کا ہے۔ جو ہمارے نوجوانوں کو ہماری مقدس کتابوں کی عظیم سچائیوں بے مثل قدروں کی ہندوستان میں اور ہندوستان کے باہر دوسرے ملکوں میں تبلیغ و تلقین کر سکیں۔

اس وقت ہندوستان میں ہم جن سیاسی نظاموں کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ تمدنوں یورپ میں آزمائے گئے ہیں۔ کئی صدیوں سے آزمائے جا رہے ہیں لیکن انہیں تشنۂ کام اور ادھورا، ناقص اور غیر مکمل بتایا گیا ہے۔

ایک کے بعد دوسرے ہر ایسے نظام، ادارے اور دستور کو، جس کا تعلق سیاسی حکومت یا سیاسی نظم و نسق کے ساتھ تھا، نکما اور بے سود قرار دے کر مسترد اور متروک کیا جا چکا ہے۔ یورپ اس وقت سخت بے چینی اور پریشانی میں گرفتار ہے۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ کدھر جائے۔ اسے اگلی منزل تک معلوم نہیں۔ توپ و تفنگ کے ساتھ نہ کوئی ساری دنیا پر حکومت کر سکا ہے اور نہ آئندہ کر سکے گا۔ گولی اور لاٹھی کے ساتھ ساری

دُنیا کو فتح کرنا، اور اس پر حکومت کرنے کا خواب لینا سراسر حماقت، بے عقلی، نادانی اور جہالت ہے۔ تاریخ عالم کی ورق گردانی کر کے دیکھ لو۔ تم دیکھو گے کہ وہی مرکز اور وہی ملک جہاں جبر و تشدد کے ساتھ فتح عالم کا مجنونانہ خیال پیدا ہوا تھا، سب سے پہلے زوال پذیر ہو۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، یہ ممالک اور یہ مراکز قعرِ گمنامی و ذلت میں گر پڑے۔ جو یورپ آج مادی ترقی پہ اس قدر اترا رہا ہے۔ پچاس برس کے اندر اندر خاک کا ڈھیر بن کر رہ جائے گا۔ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اس صورت حالات سے بچنے کی ایک ہی صورت باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ یورپ ایسا نظریۂ حیات تبدیل کر لے۔ اور مادہ پرستی کی بجائے روحانیت کو بنیادِ زندگی بنالے۔

آثار و قرائن اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ ہر جگہ سوشلزم یا عوام کی حکومت اسے آپ خواہ کسی بھی نام سے کیوں نہ پکاریں، اور کسی اصطلاح سے یاد کریں، برسر اقتدار آ رہی ہے۔ لازمی امر ہے کہ لوگ اس بات کی کوشش کریں کہ ان کی مادی ضرورتیں بہم پہنچائی جائیں۔ انہیں کم کام کرنا پڑے۔ ان پہ کوئی سختی یا تشدد وغیرہ نہ ہو۔ انہیں جنگ و جدل کا کوئی کھٹکا نہ رہے۔ اور انہیں بھر پیٹ کھانے کو ملے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے۔ کہ موجودہ یا کوئی آنے والی تہذیب اتنی دیر تک بقیدِ حیات رہے گی۔ جب اس کا دستور و آئین، مذہب و ایمان۔ نیکی اور بھلائی پر انحصار رکھے گا، اور انسان کے اعلےٰ اخلاق اور اس کے جوہرِ انسانیت کو نکھارے گا۔ موٹی بات تو یہ ہے کہ دین و دھرم پر بھروسہ کرو۔ کیونکہ یہ حق و ایمان ہی ہے جو ہر بات کی تہ تک جاتا ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو سب کچھ ٹھیک ہے ہمیں یہ بات تسلیم کرنی ہو گی کہ قانون، حکومت، اختیار و سیاست، یہ سب راستے ہیں راستے کی منزلیں ہیں۔ یہ خود منزلِ مقصود نہیں۔ یہ سب تشنہ کام اور ادھورے خاکے ہیں۔ ہماری منزل ان سے کہیں اونچی، ان سے کہیں دور پرے ہے۔ اور وہ منزلِ مقصود بھی ایسی ہے کہ وہاں کسی قانون و قاعدہ، اختیار، حکومت، سیاست اور حکمتِ عملی کی کوئی حاجت نہیں حضرت عیسےٰ نے بھی پندِ سودمند دنیا کے سامنے رکھا تھا کہ قانون و آئین بنیادِ زندگی نہیں۔ اخلاق و ایمان۔ ایثار نفسی اور نیک باطنی ہی حقیقی قوت ہے۔ اور پھر آپ نے یہ ضرب المثل بھی تو سن رکھی ہو گی کہ پارلیمنٹ کے آئین و قانون سے ہم انسان نہیں بنا سکتے۔ انسان گری قانون سے نہیں، حق و ایمان سے کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق و ایمان۔ مذہب و دھرم کی قدر و قیمت سیاسی شعبدہ گری سے کہیں زیادہ ہے۔ قاعدے اور قانون۔ آئین و حکومت، یہ سب چیزیں تغیر پذیر ہیں۔ بدل جاتی ہیں۔ آئے دن ان میں انقلابات آتے رہتے ہیں۔ لیکن جہاں تک حق و ایمان۔ مذہب و دھرم کا تعلق ہے۔ یہ ایسی غیر فانی، اٹل سچائیوں پہ دارومدار رکھتا ہے جو انسان کے دل و دماغ پہ گہرا، کبھی نہ مٹنے والا اثر چھوڑتا ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار میں خوشگوار تبدیلی پیدا کرتا ہے۔

ہندوستان کی حالت زار سدھارنے کے لئے کسی مذہبی عقیدہ واعتقاد کو تلف و برباد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں میرا نظریہ تو یہ ہے کہ موجودہ زبوں حالی اور درماندگی کی وجہ مذہب دھرم نہیں ۔بلکہ اس دردناک اصل وجہ یہ ہے کہ یہاں مذہبی اور روحانی قدروں کو ان معنوں میں اپنایا ہی نہیں گیا جن کی یہ مستحق تھیں ہم نے کہنے کے لئے مذہب قبول کر لیا لیکن روح مذہب سے غیر آشنا رہے ۔اور حقیقی مذہب کو اپنی زندگیوں میں لانے میں ناکام رہے ۔قصور مذہب ایمان کا نہیں ہماری کوتاہی غفلت اور غلط روی کا ہے ۔یہ حقیقت میں اپنی قدیم مذہبی کتابوں سے ثابت کر سکتا ہوں ۔ان کا حرف حرف درست ہے ۔میری تعلیم یہی ہے ۔کہ مذہب ایمان کو برا بھلا نہ کہو ۔اپنے کردار و اخلاق ، عمل و فعل کو دیکھو ۔اس انقلاب کو لانے کے لئے ہمیں اولین توجہ اپنشدوں پر دینی ہوگی ۔ان مقدس کتابوں میں جو لاجواب سچائیاں بھری پڑی ہیں وقت آگیا ہے کہ انہیں اب سارے ملک میں ، سب لوگوں میں بانٹ دیا جائے ۔ہندوستان میں کوئی بھی ترقی ، کوئی بھی ترمیم و بہتری کرنی ہو اولین ضرورت اس بات کی ہے کہ مذہبی انقلاب برپا کیا جائے ۔لوگوں کو حقیقت مذہب سے روشناس کرایا جائے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہندوستان میں سیاسی اور سوشلسٹ ، اشتراکی نظریات کی آبیاری کرنے سے پہلے ملک میں روحانی اور مذہبی خیالات و نظریات کا سیلاب سا لا دیا جائے ۔سخاوت و خیرات کی اس سرزمین پر آیئے ۔ہم سب سے پہلے مذہب و روحانیت کی خیرات بانٹیں اور سخاوت کا بازار گرم کریں اور اخلاقی و روحانی قدروں کی حتے المقدور اشاعت و تبلیغ کریں ۔اور یہ اشاعت و تبلیغ کا کام صرف ہندوستان کے اندر ہی نہیں کیا جانا چاہیئے ۔بلکہ انہیں چاردانگ عالم میں پھیلانا ہوگا ۔لوگوں کو روحانی اور اخلاقی قدروں کی تعلیم عام دینے کے ساتھ ساتھ انہیں مادی دنیا کی تعلیم اور دوسری ہر تعلیم کو عام کرنا ہوگا ۔جس کی ملک و وطن کو ضرورت ہے ۔لیکن اگر آپ مذہب و معرفت ، توحید و ایمان کو نظر انداز کر کے دوسری سب تعلیمیں پھیلائیں گے ، تو میری بات ذہن نشین کر لیجئے ، آپ کی سب کوششیں اکارت جائیں گی ۔نہ آپ کبھی لوگوں کو اپنے قابو میں رکھ سکیں گے ۔

ہندوستان کے مستقبل کی تعمیر کے لئے پہلا زینہ جو ہمیں چڑھنا ہے ۔پہلا قدم جو ہمیں اٹھانا ہے ، پہلا کام جو ہمیں ہاتھ میں لینا ہے ۔وہ یہی ہے کہ روحانیت و مذہب کے اس قدیم ترین چٹان کو توڑ کر اس کے لعل و جواہرات کو گھر گھر میں بانٹنا ہوگا ۔اور مذہب میں یکدلی اور یگانگت ، اتحاد و اتصال پیدا کرنا ہوگا ہم سب کو اس بات کی تعلیم دی جانی ہے ۔اور یہ بات ہمیں دلوں میں پیوست کرنی ہوگی کہ ہم ہندوستانیوں کی پشت پر بعض مشترکہ ، سانجھے اصول کارفرما ہیں ۔اور اب وقت آگیا ہے ۔کہ ہم اپنی حیات و بقا کے لئے ، اپنی نسل کی بہتری و بہبودی کے لئے ، اپنے ملک و وطن کی سربلندی اور عظمت کے لئے ، اپنی چھوٹی موٹی سب

لڑائیاں اور چپقلشیں ختم کر دیں۔ اور متحد و منظم ہو جائیں۔ ایک اور یک رنگ ہو جائیں۔ ہندوستان میں ایک ایسی نسل بیدار ہو جانی چاہیئے جس کے افراد کے دِل ایک ہوں، سب کی دھڑکنیں ایک ہوں۔ ایک ہی روحانی جذبہ ہر دِل میں موجزن ہو۔ ایک ہی روحانی اور اخلاقی نغمہ ہر لب پر رقصاں ہو۔

مادرِ وطن کو ضرورت اِس وقت فولادی پٹھوں اور آہنی عزم و ارادہ والے ایسے جانبازوں کی ہے جو زمین و آسمان کے اسرارِ مخفی کو نوچ ڈالیں اور اس کائنات کے ہر چھپے خزانے کو لُوٹ سکیں جو خلاؤں اور فضاؤں کو چیر ڈالیں۔ دریاؤں اور سمندروں کی گہرائیوں کو سر کر لیں۔ جو پہاڑوں کو چیر ڈالیں صحراؤں اور میدانوں کو احاطۂ قلب میں لے لیں۔ سرزمینِ ہندوستان کی ضرورت ہے۔ اور ہم ایسے انسان ایسے ہم وطن ادویت اور وحدت کو سمجھنے اور سوچنے' اسے اپنی زندگی میں اُتارنے سے ہی پیدا کر سکتے ہیں' قائم اور بحال کر سکتے ہیں اور انہیں مضبوط و توانا بنا سکتے ہیں۔ اِس اُصولِ وحدت' اِس جذبۂ توحید کو عملی زندگی میں لائے بنا کسی بھی دوسرے طریقہ سے ملک میں حیات نو نہیں لائی جا سکتی۔ اپنشدوں کی سچائیاں آپ کے سامنے ہیں انہیں اپناؤ۔ انہیں اپنی زندگی میں اُتارو۔ اپنی زندگی ان تعلیمات کے سانچے میں ڈھالو۔ ہندوستان آزاد و سرخرو ہو جائے گا۔ ملک کا بیڑا پار ہو جائے گا۔

ملک کا مستقبل آپ کو للکار للکار کر کہہ رہا ہے کہ جواں ہمت بنو۔ طاقتور بنو۔ شہ زور بنو۔ ہمت و قوت' طاقت اور توانائی کے بغیر کچھ نہیں بنے گا۔ اُپنشد کیا ہیں؟ اِسی تعلیم کا سرچشمہ' اسی قوت اور طاقت کا مخزن اُپنشدوں کے اقوالِ زرّیں میں اِس قوت اور طاقت کا راز پنہاں ہے' جن پر عمل پیرا ہونے سے ساری دُنیا میں انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ کل عالم میں تہلکہ مچایا جا سکتا ہے۔ اِس دُنیا کو مضبوط و مستحکم بنایا جا سکتا ہے اِس میں نئے عزم و عمل کی رُوح پھونکی جا سکتی ہے۔ اپنشدوں کی تعلیم کسی کی اجارہ داری نہیں۔ یہ سب انسانوں کے لیئے' سب مُلکوں اور قوموں اور نسلوں کے لیئے ہے۔ سب فرقوں' سب مذہبوں اور سب عقیدوں کے لیئے ہے۔ یہ سب کو پکار پکار کر کہتی ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ۔ آزاد بنو۔ طاقتور بنو۔ جسمانی اور فطری آزادی حاصل کرو۔ ذہنی اور قلبی آزادی حاصل کرو۔ روحانی اور مذہبی آزادی حاصل کرو یہی اپنشدوں کی تعلیم کا لُبِّ لُباب اور ماحصل ہے۔ اِسے پلّے باندھ لو۔ دیکھتے ہی دیکھتے رنگِ زمانہ بدل جائے گا۔

اپنے دِل و دماغ سے یہ بات کلیتاً نکال دو۔ کہ ہم کمزور' ناتواں ہیں۔ حقیر و ناچیز ہیں بے خوف اور نڈر بنو۔ میں تو کہوں گا۔ کہ اس وقت ایک ہی مذہب و ایمان سکھانے کی ضرورت ہے۔ اور وہ مذہب و ایمان ہے بیخوفی کا۔ نڈر تا کا۔ جرأت کا' بیباکی کا۔ دلیری کا' جسارت کا' نیند کے ماتو! خوف' ڈر اور دہشت دِل سے نکال دو۔ جاگو۔ بیدار ہو جاؤ۔ اور کمزوری و نحوست کو خیرباد کہہ دو۔ کوئی بھی کمزور نہیں' کوئی بھی حقیر و

ناچیز نہیں ۔آپ کی روح، آپ کی آتما تو ایشور کی انش ہے ۔ خدا کی تخلیق خاص اشرف المخلوقات ۔ بے پایاں، بے حد و کنار، قادرِ مطلق، پھر یہ بے ہمتی، یہ پژمردگی، یہ مایوسی، یہ لاچاری کیوں ہمت باندھو۔ اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو جاؤ۔ اپنا حق جتاؤ۔ اپنے دعوی سے دستبردار کیوں ہوتے ہو؟ تمہارے اندر جو خدا ہے، جو بے پایاں قوت رکھنے والی روح ہے ۔ اسے آشکار کرو۔ اپنے خدا اور اپنی روح کی قوت و طاقت سے انحراف کیوں کرتے ہو؟ اس سے منکر کیوں ہوتے ہو؟ کفر کا کلمہ کیوں کہتے ہو؟ کذب سے کیوں کام لیتے ہو؟ اس نامردی سے دستکش ہو جاؤ۔ اس نامرادی کو دور ہٹا دو۔ اس طلسم کو چور چور کر دو کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے ۔ اس وہم و گمان نے نہ جانے کتنی نسلوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ خدارا اب تو اسے دور ہٹا دو۔

اے نئے ہندوستان کے باشندو ۔ اے ہندوستانیو! اس بے عملی، کاہلی، سستی اور نامرادی کی نیند کو توڑ دو۔ اس خوابِ خرگوش کو اب ختم کر دو۔ اپنی حقیقت کو پہچانو۔ اپنی طاقت کا صحیح اندازہ لگاؤ۔ اپنی فطرت کا حقیقت پسندانہ احساس کرو۔ اپنے آپ کو بیدار کرو۔ اور دوسروں کو بیدار کرو۔ خود جاگو۔ دوسروں کو جگاؤ۔ خود یہ بات ذہن نشین کر لو۔ اور دوسروں کے دلوں میں یہ بات بٹھا دو کہ میں بے خوف، آزاد، بے پایاں طاقت کا مخزن ہوں ۔ انتھاہ طاقت کا سرچشمہ ۔ مرجھائی ہوئی روح کو پکارو۔ اور اسے احساسِ حقیقت کراؤ۔ اسے جگا دو۔ تم دیکھو گے کہ قوتوں کے لاکھوں چشمے پھوٹ پڑیں گے ۔ ہمت کا ایک بے پایاں خزانہ مل جائے گا ۔ قسمت و دولت آپ کے قدموں کے بوسے لے گی۔ عظمت و سربلندی آپ پہ نثار ہو گی۔ جونہی سوئی روح جاگ پڑی، پھر خوشی، رحمت و برکت، پاکیزگی، ایثار نفسی، سب کچھ آپ پہ قربان ہو گا ۔ ہر رحمت آپ پہ جان دے گی۔ ہر برکت آپ کی لونڈی بن جائے گی۔

ہمیشہ ہمیشہ اپنے آپ کو یہی بتاؤ۔ کہ "میں وہی ہوں ۔ میں خدا کی ذات ہوں ۔ میں نور خدا ہوں، میں خدا ہوں۔ مجھ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں"۔ یہ جادوئی الفاظ آپ کے دل و دماغ میں جمی ہوئی کائی اور کاہلی، مایوسی و نامرادی، احساسِ کمتری اور احساسِ شکستہ دلی کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔ یہ جادوئی الفاظ آپ کے اندر سوئی ہوئی محو خواب قوتوں اور طاقتوں کو بیدار کر دیں گے ۔ اور آپ کے دل میں جو بے پایاں طاقت نیند سے خراٹے بھر رہی ہے جاگ اٹھے گی۔

اصلاح معاشرہ کرنے کے جتنے داعی اور حامی ہیں وہ سب کے سب اس غور و فکر میں غلطاں ہیں کہ اپنی اشتراکیت کمیونزم اور مساوات و برابری کی سب تصویروں کو روحانی بنیادوں پہ استوار کیا جائے لیکن یہ روحانی بنیاد صرف ویدانت ہے کتنی بھی سختی اور تشدد سے کیوں نہ کام لیا جائے۔ حکومت کتنا ہی زور کیوں نہ لگا لے۔ قانون ساز اسمبلیاں کتنے ہی آئین و قوانین کیوں نہ مرتب کر لیں، ملک و قوم کے حالات اس وقت تک تبدیل نہیں ہو

سکتے جب تک روحانیت اور حقانیت، اخلاق و ایمان کی قدریں، غلط نسلی رجحانات اور تصورات کی اصلاح نہیں کر دیتیں تب تک کچھ نہیں ہوگا۔ آج کی طلسماتی اور پُر فریب بُنیادوں پہ نہ جاؤ۔ بلکہ اس عہدِ سلف، اس پرانے زمانہ کو تر و تازہ کرو۔ جب لوگوں میں حق ایمان کی قوت اور ہمت تھی۔ ایک بار پھر جواں ہمت اور شہ زور بن کر دکھاؤ۔ یہی یقینی زندگی ہے۔ قابلِ رشک گراں قدر زندگی !!

ہندوؤں کے عقیدہ و اعتقاد، ان کی تہذیب و تمدن کی مذمت و مخالفت میں پلیٹ فارم سے ہزاروں دھواں دھار، شعلہ باریاں کی جا چکی ہیں۔ اور ایک کے بعد دوسری ضخیم کتاب لکھی جا چکی ہے۔ لیکن اس کا کوئی عملی نتیجہ نہیں نکلا۔ جانتے ہو اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ مذمت و ملامت۔ دشنام طرازی اور گالیوں کی بوچھاڑ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور آج تک مذمت و ملامت سے نہ کبھی کوئی سُدھار ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔ بہتری و بہبودی کے لئے جب اپنایئے کوئی دوسرا راستہ اپنایئے۔ اس طور طریقہ سے اصلاح نہیں ہو سکتی۔ کوئی ادارہ، کوئی رسم، کوئی تنظیم، خواہ کتنی ہی دقیانوس، کتنی ہی اوہام پرست، کتنی ہی گئی گذری کیوں نہ دکھائی دے۔ اس کے خلاف حرفِ ملامت، حرفِ مذمت منہ پہ مت لایئے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ماضی میں کوئی مفید کام، اچھا کام انجام دیا ہو۔ اور پھر یہ بات بھی ہمیشہ یاد رکھیئے کہ دنیا میں کوئی اور ملک نہیں جس کے ادارے، جس کی تنظیمیں، جس کے مقاصد اور جس کے اصول ہندوستان کے اداروں، تنظیموں، مقصدوں و اصولوں سے بہتر ہوں۔ ایسے رسم و رواج بھی جو آج سراسر بُرے دکھائی دیتے ہیں۔ اور ایک لعنت سے بن گئے ہیں۔ ایک وقت تھا جب انہوں نے حیات بخش اصلاحی کام کیا تھا۔ ہم اگر ان کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ ہم ان کے خلاف دشنام طرازی، مذمت و ملامت کی شعلہ باری شروع کر دیں۔ بلکہ اس عظیم کام کے لئے جو انہوں نے ماضی میں ہماری قوم و نسل کی حفاظت و سلامتی کے لئے کی ہمیں ان کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ اور انہیں خیرباد کہنا ہے۔ کہیئے کہ ماضی میں ان رسموں یا رواجوں نے ضرورت وقت کو پورا کرتے ہوئے گراں بہا کام کیا تھا لیکن اب وقت بدل گیا ہے۔ اب حالات کے نئے تقاضے ہیں۔ اب ہمیں ان کی بجائے دوسری باتوں کو اپنانا ہے۔

میں اصلاح و تادیب میں یقین نہیں رکھتا۔ میں نشو و نما، ترقی، بالیدگی اور روئیدگی پہ اعتماد رکھتا ہوں کیا حق ہے مجھے کہ میں خدا بن کر سماج و جماعت کو یہ حکم و فرمان دوں کہ "تمہارا یہ طور طریقہ غلط ہے یہ درست ہے"۔ میں اس طریقہ کو منفی طریقہ سمجھتا ہوں۔ اور اس کی تعلیم و تلقین نہیں کرتا۔ میں تو قومی خطوط پہ جماعت و سماج کی توسیع و اشاعت۔ ترقی اور نشو و نما کا حامی و طرف دار ہوں۔ ہر فردِ واحد کو اپنی نجات و مکتی کے لئے کوشاں ہونا چاہیئے۔ یہی کیفیت قوموں اور ملکوں کی ہے۔ ہر ملک و قوم کو اپنی نجات، آزادی، سر بلندی اور عظمت کے لئے محنتِ شاقہ کرنی ہوگی۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔ جب تک اعلےٰ اور افضل قاعدے اور ضابطے

نہیں بنا لئے جاتے۔ تب تک پرانوں کو توڑنا، انہیں ختم کرنا، تباہ کُن نتائج کا حامل ہوگا۔

نشوونما بتدریج، آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ جہاں کوئی انسان کھڑا ہے اسے وہاں سے آگے لیجائیے اس کی ترقّی وہاں سے کیجئے جس مقام تک وہ پہنچا ہوا ہے۔ یہ نہیں کہ اسے وہاں سے ہٹا کر واپس لاؤ۔ اور اسے کہو کہ اب یہاں اِس نقطہ سے آگے بڑھو۔ یہ طریقہ نشوونما اور ترقّی کا نہیں، انتشار و تباہی پھیلانے والا ہے۔

مجھے یہ کہتے ہوئے رنج و ملال ہوتا ہے کہ حال ہی میں جس قدر اصلاحی تحریکیں شروع کی گئیں، وہ مغربی طور طریقوں کی اندھی تقلید و نقل کے سوا اور کچھ نہ تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان سے نہ ہندوستان کی فلاح و بہبود ہو سکتی تھی، نہ ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ ہندوستان میں جس قدر اصلاح کرنے والے ہوئے ہیں، انہوں نے سب سے شدید غلطی یہ کی کہ انہوں نے ملک کی ابتری، زبوں حالی کی وجہ ششتوں اور پنڈتوں اور پروہتوں کی خرابیوں اور برائیوں کے لئے مذہب، دھرم کی مذمّت و ملامت شروع کر دی۔ اور اس لازوال اور لافنا ڈھانچے اور تنظیم کو مسمار و منہدم کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ ناکامی، پشیمانی۔

ہر بات کی گہرائی اور بنیاد تک جائیے۔ انقلابی اصلاح کا یہی دستور ہے۔ اصلاح و تادیب کی آگ بنیاد پر روشن کر دیجئے۔ تاکہ یہ وہاں سے اوپر کی طرف اٹھ سکے پھیل سکے۔ ایسا کرنے سے ہی نئی ہندوستانی قوم عالمِ وجود میں آئے گی میرا طریقۂ علاج مرض کو جڑ سے کاٹ دینے کا ہے محض اوپر سے رفع دفع کرنے کا نہیں۔

تمام صحت مند معاشرتی تبدیلیاں اندر اندر کام کرنے والی روحانی قوتوں کا ہی اظہار و جمال ہیں۔ یہ روحانی قوتیں جتنی طاقتور اور مضبوط ہوں گی، ہمارے معاشرہ میں اسی قدر تبدیلیاں آئیں گی سماج سدھار کا کام اس وقت ٹھیک کرنے کا نام نہ لو جب تک پہلے آپ روحانی اور اخلاقی اصلاح نہیں کر لیتے۔ اوّلین ضرورت اخلاق و توحید کی ہے۔ اخلاق و سیرت میں اصلاح ہو گئی تو معاشرہ میں خود بخود تبدیلیاں ہوتی چلی جائیں گی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں اصلاحِ معاشرت کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ ہمیں اس کی اشد ضرورت ہے۔ ماضی میں بھی اصلاحِ معاشرت ہوتی رہی ہے۔ وقتاً فوقتاً بزرگوں نے ترقّی و اصلاح کے بارے میں نئے نئے خیالات ادراک کو پیش کیا۔ اور حاکمِ وقت نے انہیں قانون و آئین کی صورت میں منظور کیا۔ ماضی میں معاشرتی اصلاحیں اسی طریقہ سے کی جاتی رہیں۔ لیکن اس عصرِ جدید میں ایسی معاشرتی تبدیلیاں لانے اور اصلاحات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمیں ایسی حاکمانہ استعداد و قوّت پیدا کرنی ہوگی۔ راجوں، مہاراجوں اور بادشاہوں کا دور ختم ہو چکا ہے۔ قوّت و طاقت اب عوام کے ہاتھوں میں آ گئی ہے۔ اس لئے لازمی امر ہے کہ ہم پہلے عوام کو پڑھا لکھا لیں۔ انہیں تعلیم و علم سے بہرہ ور بنا دیں۔ تاکہ وہ اپنی ضرورتوں، حاجتوں اور مسائل کو اچھّی طرح سے سمجھ سکیں۔ اور اپنے مسائل کو حل کرنے کے قابل ہو جائیں۔ پہلے ہمیں ان کے اندر یہ

صلاحیتیں اور یہ قوتیں بیدار کرنی ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ اقلیت کے ظلم و تشدد ۔ جور و ستم کو ختم کر کے عوام کو ان کی قسمتوں کا مالک بنایا جائے۔ اقلیت کا ظلم و تشدد اور جور و ستم بدترین قسم کا ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی تصوراتی اور خیالی اصلاحات پر اپنی طاقتوں اور قوتوں کو ضائع کرنے کی بجائے، جو کبھی عملی صورت اختیار نہ کر سکیں ہمیں اپنی پوری توجہ اور پوری ہمت کے ساتھ عوام کو تعلیم دینی ہوگی ہمیں عوام کو اس قدر اہل اور قابل بنا دینا ہوگا کہ وہ آئین و قانون ساز بن جائیں۔ اور اپنے مسائل کو خود حل کر لیں۔ زندگی کے نظام نو کا تقاضا یہ ہے کہ عوام کی نجات، مکتی آزادی و خوشحالی صرف عوام ہی لا سکتے ہیں۔ عوام کو اس قابل بنانے میں کچھ وقت ضرور لگے گا خصوصاً ہندوستان میں جہاں اب تک راجے، مہاراجے اور بادشاہ ہی حکومت کیا کرتے تھے۔ لیکن بالآخر یہ مساعی کامیاب ہوں گی۔ اور عوام اپنی ذمہ داریوں اور صلاحیتوں سے روشناس ہو جائیں گے۔

اگر آپ سچے معنوں میں مصلح (اصلاح و سدھار کرنے والا) بننا چاہتے ہیں تو تین باتوں کی اشد ضرورت ہے۔ اولین ضرورت ہے دل و جگر میں حقیقی درد اور سوز کو پیدا کرنا۔ کیا آپ اپنے بھائیوں اور ہم وطنوں کی حالت زار دیکھ کر سچ مچ گریہ زاری کرتے ہیں؟ کیا فی الحقیقت آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ دنیا میں کس قدر تباہی پھیلی ہوئی ہے۔ کس قدر آفتیں اپنا مہیب منہ کھولے دنیا کو کھائے جا رہی ہیں؟ کیا آپ سچے معنوں میں یہ محسوس کر کے دکھی ہو جاتے ہیں کہ دنیا میں کس قدر جہالت، ضعیف الاعتقادی اور اوہام پرستی پھیلی ہوئی ہے؟ کیا فی الواقع آپ اس درد سے نڈھال ہوئے جا رہے ہیں کہ دنیا کے یہ باشندے آپ کے بھائی بند ہیں؟ کیا یہ درد یا سوز آپ کے خون میں گردش کرنے لگا ہے؟ کیا آپ کی نس نس، رگ رگ اس احساس سے جل رہی ہے؟ کیا آپ کا سارا جسم اس درد اور احساس کی سراپا تصویر بن گیا ہے؟ کیا آپ ان کی خاطر سب کچھ قربان کرنے اور ان کے لئے سب کچھ کر گذرنے پر آمادہ ہو چکے ہیں؟ اس احساس کا آپ کے دل میں بیدار ہونا شرط اولین ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ اس صورت حالات کو کیسے بہتر بنا سکتے ہیں؟ یہ سوچئے پرانے خیالات بھلے ہی وہم و جہالت ہوں۔ لیکن مت بھولئے۔ کہ یہ خیالات و افکار سونے اور ہیرے جواہرات سے تولے جانے کے قابل ہیں۔ کیا آپ نے ایسی صورت و سبیل سوچی ہے کہ آپ کے پاس سونا سونا رہ جائے اور سب کھوٹ نکل جائے تیسری شرط یہ ہے کہ اپنے مقصد کار کو دیکھئے۔ دیکھئے کہیں کوئی خود غرضی عزت و شہرت کی کوئی خواہش تو آپ کے دل میں چٹکیاں نہیں لے رہی۔

ہندوستان اور اس کے مسائل صفحہ 41

مُعاشرتی بُرائیوں کی بے خطا دوا

اس وقت جو تعلیم و تربیت آپ حاصل کر رہے ہیں، اس میں بعض خوبیاں ضرور ہیں۔ لیکن اس میں ایک ایسی مہیب خرابی اور بُرائی بھی موجود ہے جو اس کی جملہ خوبیوں پر بھاری ہے۔ سب سے پہلے تو یہی بات لے لیں کہ یہ تعلیم انسان ساز تعلیم نہیں۔ یہ سراسر اور کُلّی طور پر منفی تعلیم ہے۔ اور ایسی منفی تعلیم پر انحصار رکھنے والی ہر بات موت سے بھی بدتر ہے۔ بچّے کو سکول میں سب سے پہلا سبق یہ سکھایا جاتا ہے کہ اس کا باپ احمق اور بے وقوف ہے۔ دوسری بات جو اسے سمجھائی جاتی ہے۔ یہ ہے کہ اس کا دادا سودائی اور پاگل ہے تیسری بات جو اس کے ذہن میں بٹھائی جاتی ہے یہ ہے کہ اس کے سب گُرو وغیرہ ریاکار اور عیّار و مکّار ہیں۔ چوتھی بات جو اسے ذہن نشین کرائی جاتی ہے یہ ہے کہ سب دھارمک اور مقدّس کتابیں جھوٹی اور غلط ہیں۔ ایسی منفی تعلیم کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب بچّہ سولہ برس کا ہوتا ہے وہ منفی باتوں کا پیکر بن کر رہ جاتا ہے۔ بے جان، بے روح۔ اس منفی تعلیم کی وجہ سے پچھلے اتنے برسوں سے ہمارے ملک میں تخلیقی قوتیں رکھنے والا کوئی جدّت طراز اور لاجواب آدمی پیدا نہیں ہوا۔ اور اگر ایسا کوئی آدمی اس عرصہ میں پیدا بھی ہوا ہے، تو اس کی تعلیم و تربیت اس ملک میں نہیں، کسی دوسری جگہ ہوئی ہوگی۔ یا پھر اس نے کسی نئی یونیورسٹی کی بجائے پرانی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں کی طرف رجوع کیا ہوگا۔ تاکہ اپنے آپ کو نئی تعلیم کی بُرائیوں اور بدعتوں سے دامن کش رکھ سکے۔

جائے افسوس ہے کہ ہمیں بچپن سے ہی منفی تعلیم دی جاتی ہے جس سے ہم صرف یہ بات سیکھ پاتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں حقیر و بے جان، لاغر انسان ہیں جو اس دنیا میں کچھ بھی نہیں کر سکتے ہمیں بتایا ہی نہیں جاتا کہ اس ملک کی خاک پا نے اعلےٰ اور ارفع انسانوں کو پیدا کیا تھا۔ ہمیں کوئی مثبت تعلیم دی ہی نہیں جاتی نتیجہ یہ نکلتا

ہندوستان اور اس کے مسائل صفحہ 42

ہے کہ ہمیں ہاتھ پاؤں مارنے آتے ہی نہیں۔ بس ایک نامُرادی اور کاہلی سی ہماری رگ و پے میں بھر دی جاتی ہے ہم صرف کمزوری اور بد دلی سیکھتے ہیں اور کمزور و بد دل بنے زندگی کے دن پورا کر دیتے ہیں۔

موجودہ نظامِ تعلیم محض کلرک پیدا کرنے والی ایک مشین ہے اور کچھ بھی نہیں۔ اگر اِس نظامِ تعلیم کی خرابی و بُرائی یہیں تک سمٹی رہتی تو بھی کوئی بات ہوتی۔ رنج و افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ اس تعلیم کی وجہ سے لوگ سُرعت کے ساتھ شردھا اور وشواس اعتماد و ایمان سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کے نزدیک گیتا مُبالغہ گوئی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور وید بے زیب و زینت دیہقانی گیتوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ہندوستان کے باہر کے سب مُلکوں اور سب باتوں کا وہ کماحقہ عِلم حاصل کر لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر اُن سے اپنے آباو اجداد کے بارے میں کچھ پوچھو تو گونگے اور بہرے بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ان بیچاروں کو اپنے حسب نسب کا ہی عِلم نہیں۔

ہمارے معلّم اور مدرّس ہمارے بچّوں کو طوطے سمجھتے ہیں اور طوطا بناتے ہیں جنہیں چند رٹی رٹائی باتوں کے سوا اور کچھ بھی یاد نہیں۔ یا پھر اِن بچّوں کے دماغوں میں اِدھر اُدھر کی ہزاروں باتوں کا بھوسا بھرا جا رہا ہے۔ اخلاق و ایمان کا جنازہ نکل گیا ہے۔ اوصافِ حمیدہ ان کے قریب تک نہیں پھٹکتے نیکی و بھلائی کے جوہروں سے یہ غیر شناسا رہتے ہیں۔ دیکھئے کس کرّوفر کے ساتھ یہ بی۔ اے کرتے ہیں۔ اور گریجویٹ بنتے ہیں۔ لیکن چند دِنوں کے بعد جب ڈگری و سند کا نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ اور دماغ ٹھکانے لگ جاتا ہے۔ اِن بچاروں کو اوّل تو کچھ آتا جاتا نہیں۔ اور اگر بالفرضِ محال انہیں کچھ آتا ہے تو صرف یہ کہ ہمارا دین و مذہب۔ اخلاق و ایمان خراب ہے۔ ہمارے رسم و رواج واہیات ہیں۔ اور صرف اہلِ مغرب کے طور طریقے قابلِ ستائش اور قابلِ تقلید ہیں۔ اِس عِلم سے یہ نہ اپنی بھوک و پیاس کا عِلاج کر سکتے ہیں نہ کوئی اور تعمیری کام انجام دے سکتے ہیں۔ بھلا ایسی تعلیم کا کیا فائدہ؟ اس سے تو کہیں بہتر ہوتا کہ لوگوں کو تھوڑی بہت فنّی تعلیم دے دی جاتی۔ تاکہ وہ نوکری کی خاطر در بدر کی خاک چھاننے کی بجائے وہ کہیں کام کر سکتے۔ اور روٹی اور روزی پیدا کر سکتے۔

کیا یہ تعلیم، تعلیم کہلانے کی مستحق ہے جس کے دباؤ کی وجہ سے رُوح اور سیرت پامال اور تنزّل پذیر ہوتی جاتی ہے۔ حتّےٰ کہ یہ ایک دِن مَر مِٹ جاتی ہے؟ کیا یہ تعلیم، تعلیم ہے جس کے زیرِ اثر نئے حیات افروز خیالات تو دِل و دماغ میں کیا گھر کریں گے اُلٹا پُرانے خیالات بھی ایک ایک کر کے فنا ہوتے جاتے ہیں؟ یہ کیسی تعلیم ہے جس کے سبب اِنسان رفتہ رفتہ مشین بنتا جا رہا ہے۔ میرے نزدیک تو ایک بے جان، بے رُوح، بے کیف مُردہ دِل مشین بننے سے کہیں بہتر ہوتا کہ اِنسان اپنی ہم آنا دانہ فہم و فراست اور مرضی سے بُرا بھلا، جیسا چاہے بن جائے۔

آپ اس انسان کو تعلیم یافتہ تصوّر کرتے ہیں جس نے چند امتحان پاس کر لئے ہوں اور جو کچھّے دار لیکچر جھاڑ سکتا ہو۔ لیکن میں اسے تعلیم یافتہ کہنے کو تیار نہیں۔ وہ تعلیم جو عوام النّاس کو کشمکشِ حیات سے گذرنے کی ہمّت و قوّت نہیں بخشتی، جو انسان کی باطنی خوبیوں اور جوہروں کو نہیں نکھارتی، جو اخلاق و سیرت کی تاب و طاقت کو بے حجاب اور بے نقاب نہیں کرتی۔ جو انسان کے اندر شیر دِلی اور ناقابلِ تسخیر جرأت پیدا نہیں کرتی۔ وہ تعلیم، میرے نزدیک تعلیم کہلانے کی کبھی حقدار نہیں۔ جو تعلیم آپ ان دِنوں سکولوں اور کالجوں میں حاصل کرتے ہیں وہ تو آپ کو کمزوروں، ناتوانوں اور بزدِلوں کی نسل بناتی جا رہی ہے۔ آپ مشین بن کر رہ گئے ہیں۔ اور بہت بے ثمری، بے لطف سی زِندگی کاٹ رہے ہیں۔ یہ زِندگی بھی کوئی زِندگی ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تعلیم کیا ہے؟ مطالعۂ کُتب کا نام؟ نہیں! بہت سے عِلم اور فن سیکھنے کا نام؟ ہرگز نہیں! تعلیم اور وہ بھی سچّی تعلیم، تو اسے کہتے ہیں جس کی بدولت آپ کی قوّتِ حیات میں نظم و ضبط پیدا ہو جائے اور اس میں چمک دمک پیدا ہو جائے۔ اور آپ کی قوّتیں ثمر دار اور مفید و معاون بن جائیں۔ صحیح تعلیم تو وہی کہلانے کی حقدار ہے جو آپ کے جوہروں اور خوبیوں کی نشو و نما کرے۔ انہیں کمال و جمال سے روشناس کرائے محض الفاظ کا ذخیرہ جمع کرنے کا نام تعلیم نہیں ہو سکتا۔ حقیقی تعلیم تو وہی ہوتی ہے جس کے طفیل افراد صحیح اور درُشت کام مستعدی و تن دہی اور جانفشانی سے کر سکیں۔

تمام تعلیم کا نصب العین اور تربیّت کا منتہائے مقصود انسان سازی ہونا چاہیئے۔ یہ کہاں کی تعلیم ہوئی کہ آپ کے ذہن و دماغ میں چند ایسے حقائق ٹھونس دیئے جائیں جو دِلوں میں فتور برپا کر دیں اور فتنہ و فساد کو پیدا کرنے لگیں۔ اور ساری زِندگی آپ کے اخلاق و سیرت پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ ایسے حقائق اور ایسی معلومات جو آپ زِندگی بھر ہضم نہ کر سکیں۔ کیا انہیں تعلیم کہا جا سکتا ہے؟ تعلیم تو ایسی ہونی چاہیئے جس سے انسان سازی، اخلاق سازی، سیرت سازی ہو سکے۔ جس کی بدولت آپ ایسے اصُولوں اور حقائق کو اخذ کر سکیں جن کے سانچے میں زِندگی ڈھالی جا سکے۔ ایک ایسے انسان کی نسبت جس نے کُتب خانے کی سب کِتابوں کو حفظ کر لیا ہو، وہ انسان لاکھ گنا قابلِ احترام اور قابلِ فخر ہے جس نے ساری کِتابوں کے دفتر یاد کرنے کی بجائے گنتی کے صرف پانچ پند سُودمند یاد کئے ہوں۔ اور اپنی زِندگی ان کے سانچے میں ڈھالی ہو۔ ایسا علم حاصل کرنا تو گدھے کی پیٹھ پر صندل کی لکڑیاں لادنے کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ گدھے کو صرف بوجھ کا ہی پتہ ہوتا ہے۔ صندل کی قیمت و قدر کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر تعلیم کا مقصد و مطلب محض اطلاعات کے انبار جمع کرنے سے ہوتا۔ تو کُتب خانے سب سے زیادہ عالم و فاضل ہوتے اور ضخیم کِتابیں دانشور اور عارف کہلاتیں۔

تعلیم سے میری مراد موجودہ نظامِ تعلیم سے نہیں۔ محض کتابوں کے دفتر یاد کر لینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ چند حقائق و واقعات یا معلومات سے شناسائی کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ تعلیم حاصل کر لی گئی ہے۔ تعلیم تو ایسی ہونی چاہیئے جس سے انسان کے اخلاق اور سیرت کی تعمیر ہو۔ انسان کی قوتِ ارادی مضبوط و مستحکم بنے۔ انسان کی فہم و فراست کی ترقی ہو۔ انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ ضرورتِ وقت یہ ہے کہ مغربی سائنس اور ویدانت کو باہم ملا دیا جائے تاکہ انسان ان دونوں سے فیض و لطف اٹھائے۔ برہمچریہ۔ ایثارِ نفسی انسان کا مقصدِ حیات بن جائے۔ اور انسان کا دل و دماغ شردھا اور خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔ اور انسان حقیقی معنوں میں ایک مثالی انسان بن جائے۔

اعلیٰ تعلیم سے عام طور پر یہ مطلب اخذ کیا جاتا ہے کہ انسان مادی سائینسوں کی واقفیت حاصل کر لے اور مشینوں کے ذریعہ روزمرہ کے استعمال میں آنے والی چیزیں تیار کر سکے۔ اسے اعلیٰ تعلیم نہیں مادی اور صنعتی تعلیم کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیم تو صرف وہی کہلانے کی مستحق ہے جس کی بدولت انسان زندگی کے جملہ مسائل کو حل کرنا سیکھ لے۔ جن ملکوں نے صنعتی اور مادی تعلیم میں ترقی کر لی ہے اور حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی ہیں اور جن ملکوں کو تہذیبِ جدید کے اعتبار سے بہت ترقی یافتہ کہا جاتا ہے۔ وہاں ان دنوں اسی اعلیٰ تعلیم اور موزوں ترین دستورِ حیات کے مسئلہ کے لئے ہی سب غور و فکر وقف کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس مسئلہ کو ہزاروں برس پہلے ہمارے ملک میں حل کر لیا گیا تھا۔

میں اس تعلیم کو ہی تعلیم سمجھتا ہوں جو انسان کے باطنی جوہر کو ترقی اور نکھار دے کر اسے کمال و جمال تک پہنچا دے۔ میرے نزدیک تعلیم کا مرکزی نقطہ اور محور ایمان و مذہب ہونا چاہیئے۔ مذہب کے متعلق آپ کیا سوچتے ہیں، یا میرا نظریہ کیا ہے؟ اس بارے میں مغز پچی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایمان و مذہب سے میری مراد اس عالمگیر ضابطۂ اخلاق سے ہے جس کے بنیادی اصولوں پر کوئی اختلافِ رائے ہی نہیں ہو سکتا۔ اس علم سے کیا فائدہ، جس سے آپ کو بدہضمی کی شکایت ہو جائے اور آپ اخلاق و ایمان سے بیگانے ہو جائیں؟ ایسی تعلیم پر لعنت بھیجو۔ جو انسان کو انسان کی بجائے حیوان اور شیطان بنا دے۔

تحصیلِ علم کا ایک ہی قاعدہ اور طریقہ ہے۔ ادنیٰ ترین انسان سے سالک و عارف اور یوگی تک ہر ایک کو اسی قاعدہ و طریقہ کی پناہ لینی ہوتی ہے۔ اسے بروئے کار لانا ہوتا ہے۔ اس قاعدہ و طریقہ کا نام ہے یکسوئی قلب۔ جس کسی نے کچھ پایا ہے، اسی یکسوئی قلب سے پایا ہے۔ کیمسٹ اور سائینس دان کی معجزہ نمائیاں اسی یکسوئی قلب کی مرہونِ منت ہیں۔ ہیئت دانوں کو حیران کن معلومات اسی یکسوئی قلب کی بدولت نصیب ہوئی ہیں۔ ہر ایک کی ترقی کا راز یکسوئی قلب۔ من کی ایکاگرتا میں ہے۔

اِس دُنیا میں ہم کو محوِ حیرت کر دینے والی جس قدر چیزیں نظر آتی ہیں، سب یکسوئیِ قلب کی پیداوار اور کرشمہ سازی ہیں۔ کائنات میں جس قدر علوم و فنون ہیں سب کے سب یکسوئی قلب کی بدولت معرضِ وجود میں آئے ہیں۔ ہر فرد و بشر کے کام میں جو خوش نمائی نظر آتی ہے۔ اس کے فن میں جو کشش و چمک ہے۔ اس کی تخلیق و دریافت میں جو عنصرِ حیرت اور رنگِ حسن ہے وہ سب کی سب یکسوئیِ قلب کی شعبدہ گری اور کیمیاگری ہی تو ہے۔ یکسوئیِ قلب سے مانگو کائنات اپنے تمام راز آپ پر لٹا دے گی۔ طلب میں جتنی وحشت و یکسوئی ہوگی، فیض و کرم اتنی جلدی میسّر ہوگا۔ زمانہ بھر کے رموز اور اسرار کے دروازے یکسوئیِ قلب سے دستک دینے یا مناسب طاقت سے دروازہ کھٹکھٹانے سے کھلتے ہیں۔ دستک دینا کیا ہے؟ یکسوئی قلب سے ضرب لگانا۔ اِنسان اس خدا کی افضل ترین مخلوق ہے۔ اِنسان کے دِل و دماغ کی قوتیں بے حدّ و حساب اور بے حدّ و کنار ہیں۔ اس میں جتنی یکسوئی ہو گی اتنی ہی خوشی کی بات ہے۔ اپنی قوّت و طاقت کو ایک نقطہ پر مرکوز کرنا ہی کلیدِ کامیابی ہے۔ کسی بھی کام کو لے لو۔ اس میں جب چمک دمک آئے گی تو صرف یکسوئیِ قلب کی بدولت۔ دُنیاداری ہو یا خدا دوستی۔ کاروبار و بیوپار ہو یا عبادتِ حق۔ رب۔ دِل و دماغ کی تمام قوّتوں کو ایک مرکز پہ جمع کر لیجئے یکسوئیِ قلب کی جتنی طاقت زیادہ ہوگی، اتنی ہی جلدی کامیابی آپ کے قدموں کے بوسے لے گی۔ مقصد حصولِ زر ہو یا وصلِ خدا، فتح و کامیابی کا انحصار ہمیشہ ہمیشہ اِس بات پر ہوتا ہے کہ آپ میں کس قدر یکسوئیِ قلب ہے۔ خزانۂ علم کی کنجی بھی یکسوئی قلب میں ہے۔

لیکن محض یکسوئیِ قلب کافی نہیں۔ اس کے ساتھ بے تعلّقی اور بے نفسی کی قوّت بھی آپ کو حاصل کرنی ہوگی۔ ہمیں اپنا دِل کسی ایک چیز کا اسیر و غلام نہیں بنا دینا۔ بلکہ اس کا تعلّق کسی شے سے ایسا ہونا چاہیئے کہ آپ جب چاہیں اسے وہاں سے توڑ کر کسی دوسری شے سے جوڑ سکیں۔ حقیقی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آپ جس قدر یکسوئیِ قلب حاصل کریں، اسی قدر قوّتِ بے نفسی میں اضافہ کریں۔ خیر و عافیت کا تقاضا یہی ہے کہ اِن دونوں قوتوں میں ایک سا اضافہ کیا جائے۔ اِن دونوں کی ترقی و نشو و نما ہمرکاب رہنی چاہیئے۔ قلب و جگر کی یہی ترقی باقاعدہ اور باسلیقہ ترقی ہے۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک تعلیم کا مفہوم و مطلب یکسوئی قلب ہے، چند معلومات کی فراہمی نہیں۔ آپ تحصیلِ علم کے خواہاں ہیں تو معلومات اور اطلاعات یا چند حقائق و حالات کے حاصل ہونے پر مطمئن و مسرور ہو کر مت بیٹھئے۔ بلکہ اپنی قوّتِ یکسوئی قلب اور قوّتِ بے نفسی اور بے تعلّقی میں ترقی و اضافہ کرتے جائیے۔ یہ قوتیں پنپ گئیں، طاقتور ہو گئیں تو معلومات اور حقائق جب چاہیں گے، فراہم کر سکتے ہیں۔ اور یہ رازِ حیات صرف آپ کی ذات تک محدود اور مخصوص نہیں رہنا چاہیئے ہر بچّہ کے اندر قوّتِ یکسوئی قلب اور قوّتِ بے تعلّقی اور بے نفسی پیدا کیجئے۔ اور اس صلاحیّت کی

نشو ونما کیجئے۔ ہر بچّہ کو برہمچریہ کی تعلیم دو۔ نفس کُشی اور جذبۂ خود اعتمادی کی تلقین و تربیت دو۔ اس کے دل و دماغ میں جو زنگ لگا ہُوا ہو اسے دُور کر دو۔ میں کُچھ نہیں۔ کُچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ایسے حوصلہ شکن ہمت توڑ اور مُردہ بنانے والے خیالات کو دل و دماغ سے نکال باہر کرو۔ ان کے اخلاق و سیرت کی تعمیر کرو۔ انہیں کردار کا غازی بنا دو۔ انہیں کام کا دھنی بنا دو۔ ان کے خیالات و عقائد کو حرارتِ ایمان بخش دو۔ اُن کے ذہن و فکر میں مذہب و ایمان کی شمع جلا دو۔ انہیں قدرت سے پیار کرنے کی تعلیم دو۔

کیا آپ نے اُپنشدوں کی حکایتیں پڑھی ہیں؟ ایک حکایت میں سُنا تا ہُوں ستیہ کام برہمچاری کی سی زندگی بسر کرنے اپنے گُورو کے ہاں پہنچا۔ گُورو نے کُچھ گائیں اس کی تحویل میں دے دیں اور کہا کہ انہیں جنگل میں لے جاؤ اور جب یہ دوگنی ہو جائیں تب واپس آنا تعمیلِ ارشاد میں ستیہ کام بن گیا تو ان گایوں کی دیکھ بھال کرتا یا پھر یادِ خدا میں محو ہو رہتا۔ اور قدرت کے مناظر دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا۔ بہت برسوں کے بعد ایک گائے نے اسے کہا۔ " ستیہ کام! اب ہمیں واپس لے چلو۔ آپ کے گُورو نے جو قید و شرط لگائی تھی وُہ پوری ہو گئی ہے۔ ہماری تعداد دوگنی ہو گئی ہے۔" ستیہ کام انہیں ہانک کر واپس گُورو کے آشرم کی طرف لے چلا۔ راستہ میں کتنے ہی بے نوا چرندوں پرندوں نے اس سے گفتگو کی۔ اسے کار آمد باتیں بتائیں۔ جب ستیہ کام واپس آشرم پہنچا۔ تو گُورو نے اس کی پیشانی پر نورِ بشارت دیکھ کر سمجھ لیا کہ ستیہ کام اب حق شناس ہو گیا ہے۔ ستیہ کام کی یہ کہانی بتاتی ہے کہ قدرت سے ہمکلام اور ہم زبان کیسے ہُوا جا سکتا ہے اور کس طرح انسان قدرت کے رازونیاز سے لطف و سرور حاصل کر سکتا ہے۔

تقاضائے وقت یہ ہے کہ ہم ہر قسم کے غیر مُلکی دباؤ و مداخلت سے آزاد تعلیم حاصل کریں اور ہر علم و فن میں اپنے ذوق و شوق سے خوب ترقی کریں۔ اس کے ساتھ انگریزی اور مغربی سائینس کی از حد ضرورت ہے۔ وقت کی پکار یہ ہے کہ ہمارے سکول محض کلرک اور بابو پیدا کرنے کی بجائے بچّوں کو فنّی اور دستکاری کی تعلیم دیں تاکہ وُہ نوکری کی بجائے مُلک میں کارخانوں اور دستکاریوں کا جال بچھا سکیں۔ اپنی زندگی آسودگی سے گُزار سکیں۔ اور مُلک و قوم کو شاہراہِ ترقّی و خوشحالی پر ڈال سکیں۔

لیکن مُشکل تو یہ ہے کہ چھوٹے بچّوں کی تعلیم و تربیت کی طرف مناسب توجہ نہیں دی جاتی۔ ان بچّوں کو پڑھانے کے لئے ہمارے پاس ایک بھی اچھی کتاب نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ رامائن، مہابھارت اور اُپنشدوں کی چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی چند ایسی کتابیں مرتّب کی جائیں۔ جن کی زبان سلیس ہو۔ جن کا اسلوبِ بیان عام فہم ہو۔ اور جنہیں پڑھ کر چھوٹے بچّے مُستفید ہو سکیں۔

میری زندگی کی ایک ہی آرزو ہے اور بس ایک ہی آرزو میں چاہتا ہُوں ایک ایسا نظام ایک

ایسی تحریک یا ایسی مشینری قائم کر دو، جو گھر گھر، گاؤں گاؤں اور شہر شہر نئے خیالات، حیات بخش، قوم پرور، مذہب و ایمان کے لئے عقیدت و احترام پیدا کرنے والے خیالات پہنچا سکے، تاکہ ملک کے سب مرد و زن سب نر، ناری، اپنی قسمت کے خود مالک بن سکیں۔ اور اپنا مستقبل اپنی مرضی کے مطابق بنا سکیں ضرورت ایسی مشینری قائم کرنے کی ہے جو ہمارے ہم وطنوں کو یہ بتا سکے کہ ان کے آبا و اجداد کیسے تھے؟ اور ماضی میں انہوں نے کس معراجِ زندگی کو حاصل کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ بھی بتانا چاہیئے کہ دنیا کی دوسری قومیں زندگی کے مسائل کے متعلق کیا کچھ سوچ رہی ہیں اور کیا کچھ کر رہی ہیں۔ دنیا کی دوسری قوموں سے جو کچھ سیکھا جا سکتا ہے سیکھنا چاہیئے، انہیں سیکھ لینا ہوگا۔ تاکہ وہ بھی اپنی اس زبوں حالی اور کسمپرسی سے چھٹکارا حاصل کر سکیں ہمیں ایک کیمیاگر کی طرح عوام الناس کی بہتری و بہبودی، سربلندی اور خوشحالی کے لئے سب ضروری اجزا کو بہم پہنچانا ہوگا۔ اس عمل کے نتائج قانونِ قدرت کی طرح خود بخود نکلتے چلے آئیں گے۔ انقلاب کے اس نظام کی داغ بیل ڈال دو۔ پھر دیکھو، قوم کتنی جلدی اس خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنے مستقبل کو سنوار لیتی ہے۔

لیکن ایسا ہونا تبھی ممکن ہے اگر ہم اپنی قوم کی روحانی اور غیر روحانی تعلیم کے دونوں پہلوؤں۔ دونوں شعبوں پر مکمل اختیار و قابو رکھتے ہوں۔ آپ کے خوابوں، خیالوں، ارمانوں اور کاموں میں یہی لگن اور چلینک کار فرما ہونی چاہیئے۔ خواب لو تو اس کے۔ باتیں کرو تو اس کی۔ سوچو تو اس کے متعلق۔ کام کرو تو اس کا۔ جب تک آپ نظامِ تعلیم میں ایسی تبدیلی نہیں کر لیتے۔ تب تک نہ آزادی نصیب ہوگی نہ خوشحالی ہمیں لازمی طور پر تعلیم کا سارا نظام اپنے کنٹرول، قابو اور اختیار میں لانا ہوگا۔ اور اسے قومی خطوں پر آراستہ و استوار کرنا ہوگا۔ اور کام کے لئے جہاں تک بھی ممکن ہو، قومی طریقوں کو ہی بروئے کار لانا ہوگا۔ بلاشبہ یہ بہت بڑا کام ہے۔ بہت عظیم منصوبہ ہے۔ یہ منصوبہ سر سے چڑھے گا یا نہیں۔ یہ تو مالک جانے۔ لیکن ہمیں اس کے لئے دن رات محنت کرنی ہوگی محنتِ شاقہ کے بغیر بھلا ہم اس قدر عظیم انقلابِ تعلیم کیسے لا سکتے ہیں۔

ہم ہندوؤں اور ہندوستانیوں کے لئے مقدم ترین بات مذہب و ایمان ہے۔ اس لئے ہمیں ایک نیا شوالہ اور مندر تعمیر کرنا ہوگا۔ لیکن یہ شوالہ اور یہ مندر کسی ایک فرقہ، کسی ایک قوم یا کسی ایک عقیدہ کے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ سب کا ساجھا، سب کا مشترکہ، غیر فرقہ وارانہ مندر ہونا چاہیئے۔ اور اس کا نشان صرف "اوم" ہونا چاہیئے۔ جو بہترین اور افضل ترین نشان ہے۔ اس کے دروازے سب کے لئے کھلے ہونے چاہئیں۔ اور یہاں سب مذہبوں، فرقوں اور دھرموں کے مشترکہ اصولوں کی تعلیم و تبلیغ دی جانی چاہیئے۔ اور مختلف عقیدوں اور اصولوں کو ماننے والے سب فرقوں اور مذہبوں کے لوگوں کو اس بات کی کامل آزادی حاصل ہونی چاہیئے کہ وہ جب چاہیں اس مندر میں آئیں جائیں۔ اور اپنے اصولوں عقیدوں

اور نظریوں کی اشاعت و تبلیغ کریں۔ان پہ کوئی روک ٹوک نہیں ہونی چاہیئے۔سوائے اس پابندی کے کہ وہ دوسروں کے عقیدوں، نظریوں یا فرقوں کے خلاف کچھ نہیں کہیں گے۔نہ کسی کی مذمت کریں گے، نہ کسی کی دلآزاری کریں گے۔دوسری ضرورت اِس امر کی ہے کہ اِس عبادت گاہ اور مندر کے ساتھ ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیئے۔جہاں ایسے مدرسوں اور معلموں کو تعلیم و تربیت دی جائے گی جو گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ، شہر شہر گھوم کر ملک کے طول و عرض میں لوگوں کو مذہب و ایمان کے اصولوں سے روشناس کرا سکیں اور غیر فرقہ دارانہ تعلیم دے سکیں۔ضرورت اِس امر کی ہے کہ جس طرح اب تک ہم گھر گھر جا کر مذہبی تعلیم دیتے رہے ہیں۔اِس طرح اب ہم غیر فرقہ وارانہ غیر دینی۔دنیا داری کی تعلیم کی اشاعت کریں۔ایسا کرنا دشوار اور مشکل نہیں۔جوں جوں ایسے معلمین اور مدرسوں کا کام فروغ حاصل کرے گا۔اور ملک کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں ایسی تعلیم کی تبلیغ ہونے لگے گی۔توں توں آہستہ آہستہ ایسے اور مندر تعمیر ہوتے جائیں گے اور ایسی عبادت گاہیں بنتی جائیں گی اور اس طرح سارے ہندوستان میں ان کا جال سا بچھ جائے گا۔یہی میرا منصوبہ ہے۔یہی میری تمنا ہے۔بلاشبہ یہ بہت بڑا، عظیم سا منصوبہ لگتا ہے لیکن ملک و قوم کو اس کی اشد ضرورت ہے۔اس لئے ہمیں اِس منصوبہ کو ہاتھ میں لینا ہی ہوگا۔





عوامُ النّاس کی اِصلاح و ترقّی

ہمارے عوامُ النّاس بلاشبہ غیر دینی اور دنیاداری کی باتوں سے بھی بیحد گریز کرتے ہیں لیکن وہ بے حد صاف باطن اور نیک دِل ہیں کیونکہ غریبی اور مُفلسی ہمارے ملک میں جُرم و قصور نہیں۔ اور پھر ہمارے عوامُ النّاس نہ تشدّد پسند ہیں نہ دہشت انگیز۔ ان کے مزاج اور ان کی سیرت و اخلاق میں نیکی و پارسائی شرافت و امن پسندی اور صلح جوئی کی جو صفات ہیں وہ انہیں مادرِ وطن کی طرف سے وراثت میں ملی ہیں۔ جب میں امریکہ اور برطانیہ گیا۔ تو کئی بار میرے لباس کی وجہ سے ہجوموں کے ہجوم مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن ہندوستان میں یہ بات نہ کبھی دیکھی ہے نہ کبھی سُنی ہے کہ کسی شخص پر اس کے لباس کی وجہ سے ہجوم ٹوٹ پڑے۔ صرف اسی پہلو سے نہیں۔ بلکہ ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے ہندوستان کے عوامُ النّاس یورپی عوامُ النّاس کی نسبت کہیں زیادہ مہذب اور شائستہ اخلاق ہیں۔ مجھے میرے تجربہ نے یہ بات بتا دی ہے کہ کہ ہندوستان کے عوامُ النّاس نہ تنگ دِل ہیں نہ کُند ذہن۔ ان میں دُنیا کی دوسری قوموں کی طرح نئی نئی باتیں سیکھنے زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنے اور زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے کی طلب و خواہش چٹکیاں لیتی رہتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ انہیں دُنیا کے حالات و مسائل کے متعلق زیادہ سے زیادہ عِلم و واقفیت حاصل ہو۔

لیکن کتنے رنج و ستم کی بات ہے کہ کِسان اور محنت کش، مزدور اور نچلے طبقہ کے لوگ جنہیں حملہ آوروں نے اپنا غلام بنایا اور اپنے جور و ستم کا تختۂ مشق بنایا۔ اُن عوامُ النّاس کو ان کے ہم وطن ہندوستانی بھی نفرت و حقارت سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ ہزاروں برسوں سے خاموشی کے ساتھ، حقِ خدمت یا معاوضہ لئے بغیر مُسلسل اور پیہم محنت و مزدوری اور عرق ریزی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ حق کی بات تو یہ ہے کہ یہ کِسان، یہ موچی، یہ بھنگی، یہ خاکروب، یہ مزدور اور جفاکش غرضیکہ نچلے طبقے کے دوسرے سب لوگ آپ کی نسبت کہیں زیادہ کام کرنے کی

صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور آپ سے کہیں زیادہ جذبۂ خود اعتمادی سے مالا مال ہیں۔ نہ جانے کتنی صدیوں سے یہ لوگ چپ چاپ، خاموشی کے ساتھ کام کرتے آرہے ہیں۔ اور ملک کی خاطر دولت پیدا کرتے چلے آرہے ہیں لیکن اس کے باوجود کبھی ان کے لب پر حرفِ شکایت نہیں آیا۔ کبھی انہوں نے گلہ وشکوہ نہیں کیا۔ جیسے صلہ ملنے یا حقِ خدمت لینے کی آرزو تک ان کے دلوں میں دم توڑ کر رہ گئی ہو۔

کیا مضائقہ اگر انہوں نے آپ کی طرح چند کتابیں نہیں پڑھ لیں یا جن کتابوں سے آپ محبت ولگن رکھتے ہیں ان کا مطالعہ نہیں کیا۔ یا آپ کی طرح دوسروں کی تہذیب وتمدن کے دلدادہ اور پرستار نہیں بنے۔ یہ سب باتیں فروعی نوعیت کی ہیں حقیقت یہ ہے کہ قوم کی ریڑھ کی ہڈی یہی عوام الناس تھے، ہیں اور آئیندہ بھی بنے رہیں گے۔ آپ قوم کی ریڑھ کی ہڈی نہ کہلا سکے ہیں نہ کہلا سکتے ہیں اور نہ کہلا سکیں گے۔ زمانہ کے ہر لیل ونہار میں یہی عوام الناس ریڑھ کی ہڈی بنے رہے ہیں۔ ذرا سوچئے تو سہی۔ اگر ادنیٰ طبقہ کے ان لوگوں نے محنت ومشقت ترک کر دی تو آپ کو اناج کہاں سے ملے گا، روٹی کہاں سے میسّر ہو گی؟ کسی بھی شہر میں اگر بھنگی ایک آدھ دن کام چھوڑ دیں تو شہر میں ہاہا کار مچ جاتی ہے۔ اور اگر کہیں دو تین دن کے لئے کام ترک کر دیں شہر میں وبائی بیماریاں پھیل جائینگی اور شہر کا شہر دیکھتے ہی دیکھتے شہرِ خموشاں کا نظارہ پیش کرنے لگے گا۔ اگر یہ مزدور اور محنت کش کام کاج چھوڑ بیٹھیں تو آپ کو نہ کھانے کو اناج مل سکے گا نہ تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا نصیب ہو سکے گا۔ لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ ان باتوں کے باوجود آپ ان لوگوں کو ادنیٰ طبقہ کے حقیر وناچیز لوگ تصور کرتے ہیں اور اپنی تہذیب وتمدن پر بلا وجہ اتراتے پھرتے ہیں۔

اے ہندوستان کے جفاکشو، محنت کشو، اور مزدورو! یہ تمہاری خاموش محنتوں اور مشقتوں کا پھل تھا کہ کبھی بابل میں خوشی کے نقارے بجائے گئے۔ کبھی ایمان میں مسرتوں کی شہنائیاں گونجیں۔ کبھی اسکندریہ میں جشن کے شادیانے بجائے گئے۔ کبھی یونان وروم۔ وینس اور بغداد وسمرقند اور سپین میں فتح وکامرانی کے نغمے گائے گئے۔ کبھی فرانس۔ ڈنمارک۔ ہالینڈ اور برطانیہ میں یکے بعد دیگرے سب ملکوں میں شہرت وعظمت کے چراغ جلائے گئے۔ یہ تمہاری خاموش محنتوں کی کمائی تھی جسے لوٹ کر متذکرہ بالا شہروں اور ملکوں کے حملہ آوروں نے اپنے خزانوں کو لبالب بھرا۔ اور شہرت ونام پیدا کیا۔ لیکن تم! تمہاری کس کو پرواہ تھی؟ کون تھا جو تم کو خاطر میں لاتا؟ تمہاری زبوں حالی اور کس مپرسی پہ آٹھ آٹھ آنسو بہاتا؟ یا تمہاری حالتِ زار پہ ٹھنڈی آہ بھرتا؟ جن کے خونِ جگر نے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں اور سلطنتوں کو سرخی وخوشحالی دی۔ یا شوخیِ شہرت دی۔ ان کے لئے کسی نے اتنا بھی گوارا نہ کیا کہ ان کی تعریف میں ایک لفظ بھی منہ سے نکال سکے۔ لیکن ان فاتحوں نے جن کے ہاتھوں روحانیت، شعر وشاعری اور دوسری تخلیقی قوتوں کے باغ اجڑے اور پامال ہوئے۔ ہر سو تباہی وغارت گری کا بازار گرم ہوا۔ دنیا

سے ہمیشہ خراجِ تحسین وتعریف حاصل کیا کسی کو اتنا بھی گوارا نہیں ہوا کہ ایک نگاہ التفات تم پر ڈال سکے۔ اور تم پہ لطف وکرم کی بارش کر سکے کسی کو اتنی توفیق بھی نصیب نہ ہوئی۔ کہ تمہاری حوصلہ افزائی یا قدر ومنزلت کر سکے۔ بلکہ الٹا دنیا نے تم سے نفرت وحقارت کی۔ تمہیں ٹھکرایا۔ اور بُرا بھلا کہا۔ لیکن تم نے غضب کی فراخدلی اور اطمینانِ قلبی بے پایاں رواداری اور بے کنار صبر وسکون کے ساتھ، بے حساب مہر ومحبت کے ساتھ، تم نے اے میرے وطن کے محنت کشو اور مزدورو، غریبو اور سیدھے سادے لوگو! تم نے ان سب باتوں کو برداشت وتسلیم کر لیا۔ تم نے نہ اپنی آنکھوں سے رنج وافسوس کا آنسو ٹپکنے دیا۔ نہ لبوں پہ حرفِ شکایت آنے دیا۔ کیا یہ مردانگی اور بہادری نہیں۔ یہ جرأت وہمت نہیں، شجاعت ومردانگی نہیں؟ موافق اور سازگار حالات میں کون ہیرو نہیں بن جاتا؟ بزدل سے بزدل اور کائر سے کائر بھی اپنی بزدلی اور کائرتا کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ اور خودغرضی کے مجسّمے بھی بے نیازی اور بے لوثی کا اظہار کرنا شروع کر دیتے ہیں، واہ واہ اور خراجِ تحسین پا کر کون ہے جو ایک نیا بہروپ دھارن نہ کر لے اور جو کچھ نہ ہو، بن دکھائے۔ لیکن قربان جائیے! ایسی نیک نفس روحوں کے، جو ادنےٰ سے ادنےٰ کام میں بھی غضب کی فرض شناسی کا ثبوت دیتی ہیں۔ اور اس بات سے بے نیاز ہو کر، دنیا کیا کہتی ہے اور کیا سوچتی ہے، اپنی اور لگن سے بے لوث خدمت کرتی چلی جاتی ہیں ستم تو یہ ہے کہ دنیا نے جب بھی لتاڑا، انہیں لتاڑا، اور زمانہ نے جب بھی ستم ڈھایا، ان پہ ڈھایا، لیکن ان کی جبیں پہ ایک بھی شکن نہ پڑی۔ ان کے لب پہ ایک بھی حرفِ شکایت نہ آیا، میں بصد عزت واحترام کے ساتھ ان محنت کشوں، مزدوروں اور غریبوں کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہوں اور بار بار ان کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کرتا ہوں۔

معاشرے کی قیادت خواہ ان کے ہاتھوں میں ہو جو علم وہنر کو اپنی اجارہ داری میں رکھتے ہیں یا ان افراد کے ہاتھوں میں جو دولت وشجاعت سے مالا مال ہوں، ملک کی قوت کا سرچشمہ ہمیشہ عوام الناس رہے ہیں۔ ملک وقوم کی طاقت وعظمت کا مخزن ومنبع ہمیشہ یہی رہے ہیں۔ برسرِ اقتدار طبقہ جتنا اس سرچشمۂ حیات سے کٹتا جائے گا، اسی قدر کمزور وناتواں ہوتا جائے گا۔ کیونکہ اپنے منبعِ قوت سے کٹ کر کوئی بشر کیسے سرسبز وشاداب رہ سکتا ہے۔ لیکن زمانہ کی کج روی اور بے اعتنائی کی انتہا دیکھئے یا اسے مایا کہئے مادہ پرستی کی کارستانی، وہی عوام جن سے ایمانداری سے یا دھوکہ دہی سے، فریب سے یا قوت سے، رضاکارانہ طور پر یا مکر وفریب سے طاقت حاصل کی جاتی ہے۔ برسرِ اقتدار آنے کے بعد انہیں عوام کو فراموش کر دیا جاتا ہے ستم بالائے ستم تو یہ ہے۔ کہ ہمارے اس ملک میں جہاں دیانت اور توحید ومعرفت نے جنم لیا، مدتوں سے عوام کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے اور ہم انہیں ٹھکراتے اور لتاڑتے چلے آئے ہیں۔ ہماری اس متکبر روی کی انتہا دیکھئے کہ اب ان عوام کو چھونا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کے پاس بیٹھنا بھی جرم تصور کیا جاتا ہے۔ یہ عوام الناس نامرادی پیدا ہوئے

نامُراد ہی مریں گے۔ ہماری اس کج رَوی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کی حالت اَبتر سے اَبتر اور بَد سے بَدتر ہوتی چلی گئی ہے۔ اور اَب انسانی زندگی کی انتہائی پستی اور گراوٹ تک پہنچ گئے ہیں۔ دنیا کا کون سا دوسرا مُلک ہے، سوائے ہندوستان کے، جہاں انسان وہیں سوتے اُٹھتے ہیں جہاں ڈھور ڈنگر باندھے جاتے ہیں؟ اس خستہ حالی پامالی و ذلت ناک زندگی کے لئے کسی دوسرے کو مورد الزام مت ٹھہراؤ۔ اِرتکابِ جرم کرنے کے بعد انکارِ جرم کا گناہ مت کرو۔ یہ دردِ شا ہماری ہی پیدا کردہ ہے۔ جُرم و خطا ہماری ہے۔ قصور وار ہم ہیں۔ ہمت سے کام لو۔ کھڑے ہو جاؤ۔ اور اس صورتِ حالات کا تمام جرم اور سب قصور اپنے اوپر لے لو۔ دوسروں پر کیچڑ اُچھالنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ ان تمام خطاؤں اور خامیوں، غلطیوں اور جرموں کی ذمہ داری، جن کی وجہ سے آج ہمیں یہ اَبتری اور ذلت دیکھنی پڑی ہمارے اُوپر ہے۔ اس تمام صورتِ حالات کے لئے ہم اور صرف ہم ذمہ دار اور خطاوار ہیں۔

ہمارے امیر و کبیر، مغرور اور متکبر پیش رو مُلک کے عوام الناس کو اپنے پاؤں تلے تاڑتے، کچلتے اور مسلتے رہے ہیں یہاں تک کہ عوام نڈھال اور بے جان ہو گئے۔ ٹھوکریں کھا کھا کر یہ بدنصیب اس حالتِ زار کو پہنچ گئے کہ انہیں یہ بھی بھول گیا کہ وہ انسان بھی ہیں۔ دوسرے انسانوں کی طرح وہ بھی احساسات اور خیالات رکھتے ہیں۔ ان میں بھی جان و دل ہے۔ ہم نے معاشرہ ہی ایسا بنا دیا جس میں وہ لکڑہارے یا پانی ڈھونے والے بہشتی ہی بنے رہیں۔ ہندوستان کے ان تقدیر کے مارے، بدنصیبوں اور گنہگاروں کا اس دنیا میں کوئی والی و وارث اور پرسانِ حال نہیں رہا۔ یہ بے یار و مددگار رہ گئے ہیں۔ یہ نہ ترقی کر سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ لاکھ ہمت کریں۔ لاکھ سر پٹکیں۔ ہم نہیں اُوپر اُٹھنے اور آگے بڑھنے ہی نہیں دیتے۔ ان کی حالتِ زار روز بروز خراب و خستہ ہوتی جا رہی ہے۔ بے رحم معاشرے کی چوٹوں پر چوٹیں کھائے جا رہے ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ جور و ستم کون کر رہا ہے۔ یہ ظلم و تشدد کون ڈھا رہا ہے۔ انہیں تو اَب اتنا بھی ہوش باقی نہیں رہا کہ وہ بھی ہم جیسے انسان ہیں۔ اس صورتِ حالات کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ مُلک غیروں کی ذلت آمیز غلامی میں جکڑا گیا ہے۔ پچھلے چند برسوں میں جتنے بھی دانشور ہوئے ہیں، انہوں نے اس وجہِ ذلت، اس وجہِ غلامی اور اس وجہِ پامالی کو دیکھا اور محسوس کیا۔ لیکن بدقسمتی سے انہوں نے اس صورتِ حالات کے لئے سزاوار اور خطاوار ہندو قوم کو گردانا۔ اور انہوں نے حالات کو سنوارنے کا طریقہ یہ تجویز کیا کہ دنیا کے اس عظیم الشان مذہب دھرم کو ہی کچل کر رکھ دیا جائے۔ اس کو ملیامیٹ کر دیا جائے۔

گوشِ ہوش سے سُن لو۔ کہ میں نے اس راز کو پروردگار کے رحم و کرم کی بدولت پا لیا ہے۔ کہ قصور و جرم مذہب کا نہیں۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ مذہب کے احساسات بے پایاں ہیں۔ یہ مذہب ہی ہے جو آپ کو شعورِ زندگی عطا کرتا ہے آپ کو خود بین، خود نما اور خود شناس بناتا ہے۔ اور آپ کی ہفت پہلو شخصیت کو آپ کی نگاہوں کے سامنے آجاگر

کرتا ہے۔ ہمارا قصور اور جرم اگر تھا تو یہ تھا کہ ہم نے روحِ مذہب کو عملی زندگی میں نہ اتارا۔ دلوں کے کذب و کفر کی وجہ سے ہم اس مذہب کے مطابق اپنی عملی زندگی نہ بنا سکے ہم مذہب کے اصولوں کو، اس کی عظیم سچائیوں کو جوہر کردار نہ بنا سکے۔ مالک ایک بار پھر بھگوان بدھ کی صورت میں ہمارے سامنے جلوہ گر ہوا۔ اور اس نے ہمیں تعلیم دی کہ ہم اپنے دلوں کو کس طرح دنیا آشنا اور خدا دوست بنا سکتے ہیں۔ ہمارے دلوں کو وہ متاعِ احساس کیسے مل سکتی ہے جس کی بدولت غریب مفلس کو دیکھیں تو ہم بے قرار ہو جائیں۔ ہم اپاہج و بے نوا کو دیکھیں تو ایک ٹھیس سی ہمارے دلوں میں جاگ پڑے۔ گنہگار کو دیکھیں تو رحم و محبت کا دریا ہمارے سینے میں موجزن ہو جائے۔ بھگوان بدھ نے ہمیں یہی تعلیم دی تھی لیکن ہماری بدنصیبی کہ ہم نے ان کی آواز کو سنا ان سنا کر دیا۔ اور ان کی تعلیم پر عمل نہ کیا اور جو رسوائی اور ذلت حضرت یسوع مسیح کو ٹھکرانے والے یہودیوں کی ہوئی اور جس طرح انہیں در بدر کی خاک چھاننی پڑی۔ جگہ بہ جگہ نامرادی اور بے اعتنائی کا شکار ہونا پڑا۔ یہی کیفیت ہماری ہوئی ہے۔ زمانہ بھر میں ہمیں غلاموں کی قوم تصور کیا جاتا ہے۔ اور غلام بھی ایسے، جن پر حکومت کرنا، ان کا حق و صلہ ہو۔ لیکن اے ظالمو! سن لو! تمہیں شاید یہ بات بھول گئی ہو کہ ظلم و تشدد اور غلامی لازم و ملزوم ہیں۔ جہاں تشدد و استبداد ہوگا، وہاں غلام ہوں گے اور جہاں غلام ہوں گے وہاں ان پر جور و ظلم ڈھایا ہی جائے گا۔ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا اور علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

دنیا کا کوئی دوسرا مذہب انسانیت کی عظمت و رفعت کا اس قدر داعی اور علمبردار نہیں جس قدر ہندو دھرم ہے۔ لیکن ظلم و قہر دیکھو۔ کہ دنیا کا کوئی دوسرا مذہب غریبوں کی گردنوں پر اس قدر سوار نہیں ہوتا، ان پر اس قدر ظلم و تشدد نہیں کرتا، جس قدر ہندو دھرم کرتا ہے۔ ایشور نے انتہائی رحم و کرم کرتے ہوئے یہ بات میرے اوپر افشا کر دی ہے۔ کہ اس صورتِ حالات کے لیے مذہب کا کوئی قصور اور جرم نہیں۔ یہ کوتاہ اندیش، غلط کار، وہم پرست جاہ پسند اور ریاکار پنڈت یا اسی قسم کے دوسرے لوگ تھے جنہوں نے اس امرت میں زہر ملایا۔ اور ہندو دھرم میں خرابیاں، برائیاں اور طرح طرح کی بدعتیں داخل کر دیں۔ اور ظلم و تشدد کے طرح طرح کے حیلے اور وسیلے ایجاد کر دیئے۔ یہ ان لوگوں کا قصور و جرم ہے کہ انہوں نے بھنگیوں اور دوسرے افراد کو اس قدر ذلت و پستی میں پھینک دیا۔ ستم خدا کا کہ منہ سے اپنے آپ کو ادویت مت کا پجاری، توحید و وحدت کا پرستار و علمبردار کہنے والوں نے اپنے سلوک و رویہ میں اس درجہ سنگدلی اور بے دردی کا مظاہرہ کیا کہ توبہ ہی بھلی۔ اس قدر غلط راہ پر اس تندہی سے بڑھے جیسے ہمارے سینوں میں دل، حساس دل نہ ہوں، بے جان اور بے حس پتھر کے سنگلاخ ٹکڑے ہوں۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمیں دنیا کے بہترین، افضل ترین مذہب و ایمان سے مالا مال کیا گیا لیکن ہم نے عوام میں جہالت و برائی کی تاریکی پھیلائی! مالک نے ہمیں دین و مذہب، اخلاق و ایمان کے سدا بہار چشموں سے سرفراز کیا۔ لیکن ہم نے دنیا میں اس امرت کو بانٹنے اور سب میں لطف و کرم تقسیم کرنے کی بجائے گندگی اور

سمرٹالڈ کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ یہ سنگ دلی اور بے حیائی نہیں تو کیا ہے کہ ہمارا بی اے پاس، پڑھا لکھا نوجوان نیچی ذات کے کسی فرد کو چھونے کے لئے تو تیار نہیں ہوتا لیکن اپنی تعلیم و تن پروری کے لئے اس سے روپیہ پیسہ بٹورنے میں کوئی شرم و حیا محسوس نہیں کرتا۔

یہ غریب، ہر ادنیٰ ذات کے عوام اپنے آپ کو بقید حیات رکھنے کی کشمکش میں اس بری طرح مصروف و محو رہے ہیں کہ انہیں علم و فضیلت حاصل کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں مل سکا۔ یہ بیچارے بے جان مشینوں کی طرح برسوں سے اسی طرح دن رات خون پسینہ ایک کرتے چلے گئے ہیں اور پڑھا لکھا طبقہ انہیں اس قدر بے وقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کرنے میں مگن رہا ہے کہ انہیں اپنی زندگی کو نکھارنے، اونچے اٹھنے اور سر بلند کرنے کی سوجھ بوجھ تک نہیں محنت کرتے کرتے یہ مر گئے لیکن ان کی کمائی سے دوسرے فیضیاب ہوتے چلے گئے۔ چند پڑھے لکھے لوگوں کا طبقہ ان کی محنت شاقہ کی ساری کمائی کو لوٹتا چلا گیا لیکن اب وقت نے کروٹ بدلی ہے۔ حالات نے پانسہ پلٹا ہے اور غریب و مفلس عوام آہستہ آہستہ اس صورت حالات سے روشناس اور باخبر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کسمپرسی، تباہی، ذلت و خواری کے اسباب ان پر کھلتے جا رہے ہیں اور وہ حالات کے خلاف ایک قسم کا متحدہ محاذ بنانے لگے ہیں۔ انہوں نے اب اس بات کا تہیہ کر لیا ہے کہ وہ اب اپنے جائز حقوق و مراعات حاصل کر کے دم لیں گے۔ یورپ اور امریکہ کے عوام اس صورت حالات کے متعلق سب سے پہلے بیدار ہوئے تھے اور انہوں نے سب سے پہلے جد و جہد شروع کی تھی۔ اب ہندوستان میں بھی ایسی بیداری آنی شروع ہو گئی ہے۔ یہ اس بیداری کی ہی تو علامت ہے کہ ادنیٰ طبقہ کے لوگ اب آئے دن ہڑتال کر دیتے ہیں۔ اعلےٰ طبقہ کے لوگ اب لاکھ چاہیں، ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو نہ دبا سکیں گے، نہ کچل سکیں گے۔ اعلےٰ طبقہ کا اپنا مفاد اس بات میں پنہاں ہے کہ وہ ادنیٰ طبقہ کے ساتھ ان کے جائز حقوق حاصل کرنے میں اشتراک عمل کرے۔

آج امریکہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں ہر انسان کو ترقی کرنے کے لئے وسیع مواقع اور امکانات ملتے ہیں۔ جو شخص آج غریب ہے، کل وہ امیر، صاحب علم، صاحب عزت اور صاحب ثروت بھی بن سکتا ہے۔ امریکہ میں ہر شخص غریب کی امداد کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ لیکن ہندوستان میں جدھر دیکھو، یہی صدا گونجتی ہوئی ملے گی کہ "ہم غریب ہیں، زندگی سے بیزار بیٹھے ہیں۔ کتنے ہی خیراتی ادارے ہیں۔ جو ان غریبوں کی امداد کرنے کو تیار ہیں؟ کتنے لوگ ہیں جن کی آنکھوں میں ہندوستان کے ان کروڑوں غریبوں اور مفلسوں کی حالت زار دیکھ کر آنسو چھلک پڑتے ہیں؟ کیا اس بے رخی اور بے اعتنائی کے باوجود ہم ان سے روا رکھتے ہیں۔ اور اس بے دردی کے باوجود جو ہم ان کے تئیں دکھاتے ہیں۔ ہم انسان کہلانے کے مستحق ہیں؟ کیا ہم انسان ہیں؟ اگر ہیں تو خود ہی کہیئے، کہ ہم ان کی حالت سدھارنے کے لئے، انہیں روزی کمانے کے قابل بنانے کے لئے کیا کر رہے ہیں؟ مدد کرنی تو کجا، ہم تو

ان کے سایہ تک سے دور بھاگتے ہیں۔ ہم انہیں چھونا تک نہیں چاہتے۔ ان کی صحبت و ہم نشینی گوارا کرنے کو تیار نہیں۔ کیا اس قدر سنگ دلی کے باوجود ہم اپنے آپ کو انسان کہہ سکتے ہیں؟

یورپ کے متعدد شہروں میں گھومتے پھرتے ہوئے میں نے جب غریب باشندوں کو بھی عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے دیکھا۔ انہیں تعلیم و دولت سے بہرہ ور پایا۔ تو میرے ذہن میں رہ رہ کر ہندوستانیوں کی غربت و ناداری کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی حالت ذار گھوم گھوم گئی۔ اور میری آنکھیں فرطِ غم سے اشکبار ہو گئیں لیکن کیا محض آنسو بہانے سے ان کی حالت سدھر سکتی ہے؟ نہیں! ان کی حالت سدھارنے کے لئے اور انہیں پستیوں سے نکالنے کا حل کیا ہے؟ میری عقل و دانش میں تو صرف ایک حل ہے، تعلیم۔ اور صرف تعلیم۔ تعلیم و تربیت دے کر ہی ہم انسان کے اندر خوابیدہ جذبۂ خود اعتمادی کو بیدار کر کے ہی ہر انسان کے اندر محوِ خواب برہم کو جگا سکتے ہیں۔ اگر یورپ کے لوگ مسرور و شادمان خوشحال و آسودہ حال ہیں۔ تو اس لئے کہ ان کے اندر برہم جاگا ہوا ہے۔ ہماری غریبی، پستیوں اور زبوں حالیوں کا سبب یہ ہے کہ ہمارا برہم خوابِ گراں میں بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے۔

میں نے نیویارک میں اپنی آنکھوں سے آئرش آباد کاروں کو ساحلِ امریکہ پہ اترتے دیکھا۔ پیلے رنگ، افسردہ خاطر، پھٹے پرانے چیتھڑے پہنے ہوئے مرجھائے چہروں والے یہ لوگ پھٹے ٹاٹ کا ایک گندا اور گلا سڑا بستر کندھے پر ڈالے، ہاتھ میں چھڑی لئے جب یہ آباد کار آتے تو ان کے قدم قدم سے وحشت و غربت ٹپکتی تھی۔ ان کی آنکھیں بے نور۔ بے رونق تھیں جیسے غربت نے زندگی کی ساری چمک کو نوچ کر ان آنکھوں میں دہشت و خوف کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہو۔ لیکن چھ مہینوں میں ہی دیکھتے دیکھتے، ان کی کایا پلٹ گئی۔ جو لوگ مایوسی اور پژمردگی کی وجہ سے گردن نیچے ڈالے من من کا قدم اٹھاتے تھے۔ اب ان کے قدموں میں سبک رفتاری آ گئی۔ ان کی آنکھوں کو چمک، ان کے ہونٹوں کو ہنسی۔ ان کے چہروں کو رونق مل گئی۔ گلے سڑے چیتھڑوں کی جگہ اب زرق برق لباس زیبِ تن تھا۔ اب نہ ان کی چال میں وحشت تھی، نہ آنکھوں سے وحشت برستی تھی۔ چھ مہینے میں انقلاب آ گیا۔ یہ آباد کار کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟

یہ آئرش باشندے جب تک اپنے ملک میں رہے۔ سارا ماحول ان کے لئے حوصلہ شکن اور شکست و ندامت کے ہلاکت آفرین جذبہ سے معمور تھا۔ یہ جب تک اپنے ملک میں تھے۔ ہوا کا ہر جھونکا بار بار ان کے کانوں سے ٹکرا کر یہی کہتا تھا کہ "تم؟ تم تو گئے گذرے ہو! تم سے کچھ بھی نہ ہوگا! ترقی کی امیدیں ترک کر دو۔ تم غلام اور غریب پیدا ہوئے ہو غلام اور غریب مرو گے"۔ دن رات بچپن کی لوریوں سے ہی ان کے کانوں میں یہی شکست خوردگی، یہی مایوسی، یہی بزدلی اور احساسِ غربت کوٹ کوٹ کر بھر دیا جاتا تھا۔ اور نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو ایسا ہی تصور کرنے لگے تھے اور ہر وقت سہمے اور ڈرے رہتے تھے۔ اور خاموش ہو رہتے تھے۔ یہ بات ان کے دلوں میں گھر کر گئی تھی کہ

واقعی ہم حقیر و ناچیز ہیں۔ ہم سے کیا ہوگا؟ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ذلت و پستی سے گھری ایسے شخص کی روح روز بروز بیدی اور نامرادی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گڑ کھڑاتی چلی جاتی تھی۔ لیکن امریکہ پہنچنے کی دیر تھی۔ اس کے کانوں میں بار بار ایک ہی آواز ٹکرائی۔ کہ "تم مایوس اور افسردہ خاطر کیوں ہو، تم بھی ہماری طرح انسان ہو۔ جو کچھ ہم نے کیا ہے تم بھی کر سکتے ہو۔ کمر ہمت باندھو، جرأت سے کام لو۔ اٹھو۔ جاگو۔ اور اپنی اس دنیا کے اندھیرے کو مٹا کر اپنے چاروں طرف اجالا اور روشنی کر لو" یہ نغمۂ حیات ان آبادکاروں کے کانوں میں گونجا۔ تو ان کے دلوں میں اپنی خوابیدہ قوتوں اور صلاحیتوں کے متعلق احساس جاگا۔ جذبۂ خوداعتمادی انگڑائیاں لینے لگا۔ خوابِ گراں میں مدہوش پڑا "برہم" جاگ اٹھا۔ اور وہ ناقوسِ قدرت سے ہم آہنگ ہوکر پکارنے لگا۔ "اٹھو، جاگو اور جب تک منزل کو نہیں پا لیتے، رکو نہیں"۔

جس دن سے تعلیم و تمدن کی روشنی اعلیٰ طبقہ سے ادنیٰ طبقہ میں پھیلنے لگی ہے، اسی دن سے مغربی ممالک کی تہذیبِ نو اور ہندوستان، مصر اور روم کی تہذیبِ کہنہ میں امتیاز کی دیواریں کھڑی ہونی شروع ہو گئیں اور دونوں تہذیبی قدروں میں زمین و آسمان کا فرق پڑ گیا۔ میری آنکھوں دیکھی بات ہے جس جس ملک و قوم میں تعلیم و تہذیب عوام میں پھیلنی شروع ہو گئی۔ وہاں خوشحالی اور ترقی نے لوگوں کی قدمبوسی شروع کر دی۔ تعلیم کی روشنی پھیلی تو دولت کی فراوانی اور خوشحالی بھی آئی۔ ہندوستان کی تباہی و بربادی۔ ذلت و نامرادی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس خطۂ ارض کی ساری عقل و دانش اور تعلیم و ہنر کو چند لوگوں نے اونچی ذات کے گھمنڈ یا طاقت کے تکبر و غرور کے نشہ میں اندھے ہوکر اپنی اجارہ داری میں لے لیا تھا۔ اور اسے محدود اور قید کر دیا تھا۔ اگر ہمیں پھر سے ترقی کرنی ہے، اونچا اٹھنا ہے تو ہمیں وہی کچھ کرنا ہوگا جو یورپ میں کیا گیا۔ ہمیں بھی تعلیم کو عوام الناس میں پھیلانا ہوگا۔ ہماری ترقی اور بہتری کا راز فروغِ تعلیم میں ہے۔ میرا خیال اور ارادہ اب یہ ہے کہ ہندوستان کے اندر اور باہر کے ملکوں میں نوعِ انسان نے جس قدر ترقی کی ہے اسے ہندوستان میں غریب سے غریب ترین، عاجز سے عاجز ترین انسانوں تک پہنچا دوں۔ انہیں اسی دولتِ علم و ہنر سے مالا مال کر دوں۔ ان کی سوچ و فکر کی صلاحیتوں کو بیدار کر دوں تاکہ وہ اپنے مستقبل اور اپنے مفاد کی فکر خود کر سکیں۔

انہیں کون روشنی اور اجالے دے گا؟ کون گھر گھر اور در در گھوم کر انہیں زیورِ تعلیم پہنائے گا؟ ان انسانوں کو ہی اپنا خدا اور معبود سمجھو۔ سوچو تو ان کے لئے، کام کرو تو ان کی خاطر، دعا کے لئے ہاتھ اٹھاؤ تو ان کے واسطے۔ ایسا کرو گے تو مالک اور ایشور خود آگے بڑھ کر آپ کی رہنمائی کرے گا۔ آپ کو بتائے گا کہ یہ کارِ گراں کیسے انجام دیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک مہاتما اور عابد و سالک وہی ہے جس کا دل ان غریبوں کی کسمپرسی دیکھ کر پگھل کر آنسو بن جائے۔ جس کا دل لہو لہو ہو جائے۔ اگر اس کے دل میں یہ احساسِ ہمدردی اور احساسِ رحم دلی پیدا نہیں ہوتا تو میں اسے بدکار اور خبیث کہوں گا۔ آئیے ہم یک دل اور یک زبان ہوکر ان کی فلاح و بہبود کے لئے تن من

دھن ایک کر دیں۔ ان کی خدمت کرتے ہوئے ان کا غم و فکر کرتے ہوئے ہم خواہ گمنامی کی موت مر جائیں۔ کوئی ہمارا نام لیوا اور جانشین تک نہ رہے۔ کوئی ہماری تربت پر آنسو تک نہ بہائے۔ کوئی ہمارا نام و نشان تک جاننے اس کا غم و اندوہ مت کیجئے یقین رکھیئے۔ کہ آپ کا کوئی فعل رائیگاں نہیں جائے گا۔ آپ کا کوئی خیال بے ثمر نہیں رہے گا۔

ہر فعل و فکر جلد یا بدیر رنگ لائے گا میرا دل و فور جذبات سے اس قدر بھر گیا ہے کہ میں اپنے احساسات کو موزوں الفاظ کا لباس بھی نہیں پہنا سکتا۔ آپ میرے دل کی اس کیفیت کو جانتے ہیں اور محسوس کر سکتے ہیں۔ میں اپنے منہ سے کیا کہوں؟ کیسے کہوں؟ میرا تو عقیدہ و ایمان یہ ہے کہ جب تک ہمارے کروڑوں ہم وطن بھوک و جہالت کے شکار بنے ہوئے ہیں۔ ہم میں سے ہر وہ شخص غدار اور ننگِ وطن ہے۔ جس نے ان کے خرچ سے ان کے سرمایہ سے تعلیم تو حاصل کی ہو لیکن ان کی مطلقاً پرواہ تک نہیں کرتا میرے نزدیک وہ انسان انسان ہی کہلانے کا حقدار نہیں۔ جو ان کے بل بوتے پر عقل و دانش حاصل کر کے ان کی سوچ اور فکر سے بے بہرہ رہے ہیں تو ایسے تمام انسانوں کو جو اپنی نفاستوں کا سوانگ بھرتے نہیں تھکتے، جو اپنی بڑائی اور عظمت کی ڈینگیں مارتے نہیں رکتے، لیکن جن کے دل ان غریب، بھوکے، اور ان پڑھ ہم وطنوں کو دیکھ کر نہیں پسیجتے، بے شرم، ذلیل و بے حیا سمجھتا ہوں جس شخص کی آنکھ سے اپنے ان بھائیوں اور بہنوں کی، جن کی حالت بھوکے جنگلیوں سے بھی زیادہ گئی گذری ہے، ابتری، لاچاری اور درماندگی دیکھ کر آنسو نہیں ٹپکتا، میرے نزدیک وہ شخص پاجی اور عیار ہے۔

ہمیں ایسے لوگوں کو مذہبی عقائد سے آزاد دنیاداری کی اور فطری اخلاق کی تعلیم دینی چاہیئے۔ اور اس غرض کے لئے اسی طریقہ اور لائحہ عمل کو اپنانا ہوگا۔ جس کی روپ ریکھا ہمارے آباؤ اجداد نے مرتب کی تھی۔ اور وہ طریقہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ، بتدریج تمام اعلٰے مقاصدِ حیات، تمام آدرش عوام کے دلوں میں نقش کر دیئے جائیں۔ انہیں آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا جائے ان میں دستورِ مساوات کو فروغ دیا جائے اور انہیں مساوی طور پر اونچا اٹھایا جائے لیکن دنیاداری اور ضابطۂ اخلاق کی یہ تعلیم بھی انہیں مذہب کے ذریعہ دیجئے

اس مرحلہ پر آپ کا فرض ہے کہ ملک کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک گھوم گھوم جائیے ایک ایک گاؤں اور ایک ایک گھر پہنچ کر لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائیے کہ محض ہاتھ پہ ہاتھ دھرے رکھنے سے کچھ نہیں بنیگا۔ کفِ افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ انہیں یہ بات اچھی طرح سمجھا دیجئے کہ ان کی زبوں حالی کس قدر ناگفتہ بہ ہے۔ ان کی دردشا کس قدر حسرتناک ہو چلی ہے۔ انہیں کہہ دیجئے کہ اے بھائیو! سب جاگو سب اٹھو سب بیدار ہو جاؤ تم کب تک خوابِ خرگوش میں پڑے رہوگے۔" جائیے! اپنے ان ہم وطنوں کو یہ بتا دیجئے کہ وہ اپنی دردشا کو کس طرح دور کر سکتے ہیں۔ وہ اپنی حالت کس طرح سنوار سکتے ہیں۔ ان کی اس عقلِ سلیم کو بیدار کر دیجئے جس کی بدولت وہ شاستروں کی انتہائی اعلٰے سچائیوں اور قدروں کو سمجھ سکیں۔ اور یہ کام تبھی ممکن ہوگا۔ اگر آپ ان سچائیوں اور قدروں کو دل نشیں

اور دل میں کھُب جانے والی فصاحت و بلاغت سے پیش کریں کہ یہ ان کے لوحِ دل پہ لکھی جائیں۔ اب تک ہمارے مذہب و دھرم کے اجارہ دار یہ پنڈت بنے رہے ہیں لیکن اب وہ انقلابِ زمانہ کے تقاضوں کی وجہ سے اس اجارہ داری کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے ایسے اقدام کیجئے جن کی بدولت اس ملک کا ہر فرد و بشر اس دین و مذہب سے آشنا اور بہرہ ور ہو سکے۔ ان کے دلوں پہ یہ بات نقش کر دیجئے کہ وہ بھی مذہب اور دھرم کے متعلق اسی قدر حق دار ہیں جس قدر برہمن ہیں۔ مذہب و دھرم کی یہ سچائیاں کسی کی اجارہ داری میں نہیں۔ یہ سب کے لئے ہیں۔ سب کی ساجھی ہیں۔ ان حیات افروز شعلہ بار منتروں سے ان میں ہر ایک کو چنڈالوں تک کو اسی راہِ زندگی پہ ڈال دیجئے اور اس کے ساتھ ہی انہیں سادہ اور سیدھے سادے الفاظ میں زندگی کی ضروریات اور تجارت و بیوپار، کھیتی باڑی کی اہمیت اور ضرورت سے روشناس کرائیے۔

عوام الناس کو ایک مرکزی کالج کے ذریعہ اونچا اٹھانے کے طریقہ کو فروغ دیجئے اور پھر اس کالج میں تربیت پائے ہوئے مشنریوں اور مبلغوں کے ذریعہ علم و مذہب کی تعلیم ایک ایک غریب کی دہلیز اور چوکھٹ تک پہنچا دیجئے اگر چند تارک الدنیا بے لوث سنیاسی دوسروں کی فلاح و بہبود کی دھن اور لگن میں سرشار ہو کر گاؤں گاؤں جا کر تعلیم کو فروغ دیں اور چنڈال تک ہر شخص کا معیارِ زندگی اونچا اٹھانے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں لڑائیں اور نئے نئے طریقے بروئے کار لائیں۔ اور کیمروں نقشوں، چارٹوں، خاکوں اور ایسی دوسری چیزوں کو استعمال کرتے ہوئے دیہاتیوں اور عوام الناس میں بیداری لانے کی پوری پوری کوشش کریں تو کیا اس کے طفیل تھوڑے دنوں میں ہی ملک کی کایا نہیں پلٹ جائے گی؟ اگر موسیٰ چل کر کوہِ طور پر نہیں جا سکتا۔ تو کوہِ طور کو موسیٰ کے پاس چل کر جانا ہوگا۔ ہندوستان کے غریب باشندے اس قدر مفلس ہیں کہ یہ بچارے سکولوں اور مدرسوں یا پاٹھشالاؤں تک کبھی نہیں جا سکتے اس لئے ہمیں اب تعلیم کو ان تک پہنچانے کے لئے شبانہ روز کوشش کرنی ہوگی۔

یاد رکھیئے ہماری نسل و قوم جھونپڑیوں میں رہنے والی ہے۔ اگر عوام الناس کی حالت بہتر بنائی جانی ہے اور ان کا معیارِ حیات بلند کیا جانا ہے تو ہمیں تعلیم کو جھونپڑیوں تک لے جانا ہوگا لیکن کتنے افسوس اور رنج کا مقام ہے کہ کسی نے بھی ان بچاروں کے متعلق کچھ نہیں سوچا۔ رہی ہمارے عصرِ جدید کے ریفارمروں کی بات وہ تو صرف اوپر کی چکنا چپڑی اور سطحی نمائش و آرائش میں ہی کھوئے رہتے ہیں۔ اور اس طرح فروعی باتوں پہ اپنی ساری توانائیوں کو خرچ کرتے جا رہے ہیں کہ بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت ہونی چاہیئے یا نہیں۔ میں ہر اصلاح سے ہمدردی رکھتا ہوں۔ اور اس کی تائید کرتا ہوں۔ لیکن یاد رکھیئے کہ ملک کے مستقبل کا دار و مدار اس بات پہ نہیں کہ بیوہ کو کتنے خاوند ملتے ہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ اس کے عوام کی حالت کیسی ہے؟ ان کا معیارِ حیات کیسا ہے؟ کیا آپ اسے اونچا اٹھا سکتے ہیں؟ کیا آپ انہیں ان کی گم شدہ انفرادیت کو اس طریقہ واپس بحال کر سکتے ہیں کہ ان کے روحانی باطن میں کوئی خلل و فتور نہ پیدا ہو۔ جہاں تک حقِ مساوات، آزادی اور کام کرنے کی صلاحیتوں کا تعلق ہے، آپ اہلِ مغرب

کی طرح فراخدل اور کشادہ مزاج بن جائیں ۔ لیکن جہاں تک مذہبی تہذیب اور اخلاقی قدروں کا سوال ہو آپ پکے ہندو ہوں ہمیں یہی کچھ کرنا ہے، ہم یہی کچھ کریں گے ہمیں یہی کچھ بننا ہے ہم یہی کچھ بنیں گے ۔



سوامی وویکانند مذاہب کی پارلیمنٹ میں

صفحہ 60 — ہندوستان اور اس کے مسائل

ذات پات کا مسئلہ

اگرچہ بظاہر ہماری ذات پات کی تنگ نظریاں اور فرقہ بندیاں ہمارے مذہب اور دھرم سے وابستہ نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں مذہب دھرم کا ان سے کوئی تعلق، واسطہ نہیں۔ ذات پات کی یہ تنگ نظریاں اور فرقہ بندیاں ماضی میں ہمیں بطور قوم محفوظ و سلامت رکھنے کے لیے ضروری تھیں۔ لیکن جونہی حفظِ ما تقدم کی یہ ضرورت ختم ہو گئی۔ یہ بھی قائم نہیں رہ سکیں گی، یہ قدرتی موت مر جائیں گی۔ مذہب و ایمان میں کوئی ذات پات نہیں ہندوستان میں اعلیٰ ترین ذات کا اور ادنیٰ ترین ذات کا شخص سادھو بن سکتا ہے۔ اور سالک و عارف بن سکتا ہے۔ اور اس طرح دونوں ذاتیں برابر اور ہم پایہ ہو جاتی ہیں۔ پھر ذات پات کا سوال کہاں رہتا ہے۔ ذات پات کی یہ تنگ نظریاں اور فرقہ بندیاں سراسر ویدانت کے مذہب دھرم کے منافی ہیں۔

یہ فرقہ بندی اور ذات پات کی تمیز سماجی رسم و دستور ہے۔ جس کا دھرم کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور ہمارے جتنے بڑے مہاپرش ہو چکے ہیں، ان سب نے اسے توڑ دینے اور مسمار کر دینے کی زبردست کوشش کی ہے۔ بدھ مت کے بعد سب طبقوں نے اس تفریق و تمیز کے خلاف آواز بلند کی۔ لیکن جتنی کوشش اسے ختم کرنے کی کی گئی۔ یہ زنجیر اتنی ہی مضبوط اور مستحکم بنتی چلی گئی۔ بھگوان بدھ سے راجہ رام موہن رائے تک سب نے ذات پات کو مذہبی دستور سمجھنے کی غلطی کی۔ اور ہمارے مذہب دھرم کو ختم کر دینے کی کوشش کی۔ ذات پات کی تفریق و تمیز سے چھٹکارا پانے کی خاطر انہوں نے دھرم کو بھی نیست و نابود کر دینے کی سعی کی۔ مگر انہیں ناکامی دیکھنی پڑی۔

پنڈے اور پجاری خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہتے رہیں۔ ذات پات محض ایک سماجی تفریق بندی ہے اپنا مفید کام سرانجام دینے کے بعد اب ہندوستان کی فضا میں یہ محض سڑاند اور عفونت پھیلا رہی ہے۔ اسے

تبھی دور کیا جا سکتا ہے جب لوگوں کی گم شدہ سماجی انفرادیت پھر سے بحال کر دی جائے۔ ذات پات کی یہ تنگ نظری اور فرقہ بندی فی الحقیقت ہندوستان کے سیاسی رجحانات اور سیاسی اداروں کی ہی بگڑی ہوئی صورت ہے یا یوں سمجھیے وراثت میں ملی ہوئی ایک تاجرانہ ذہنیت ہے۔ یورپ کے تاجرانہ مقابلہ نے جس کی جڑیں کھوکھلی کر کے رکھ دی ہیں شاید کسی تعلیم کا بھی اس قدر کاری اثر نہ ہوتا جس قدر اس تجارتی کشمکش نے پیدا کیا ہے۔

جوں جوں میں بوڑھا ہوتا جاتا ہوں، توں توں میں ذات پات اور ہندوستان کے دوسرے قدیم رسموں رواجوں کی زیادہ قدر و قیمت سمجھنے لگا ہوں۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ میں ان میں بیشتر رسموں اور رواجوں کو بیکار اور فضول تصور کرتا تھا۔ لیکن جوں جوں میں سن رسیدہ ہوا، توں توں ان رسموں اور رواجوں کی مذمت و ملامت کرنی ترک کرنی پڑی اور میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ ان میں سے ہر رسم و رواج صدیوں کے تجربہ کا نچوڑ ہے۔

ان کے خلاف جو ہا ؤ ہو مچی ہوئی ہے اس کو میں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ کل کو اگر دو دن کا بچہ جس کی زندگی ہی دو روزہ ہے، میرے پاس آکر کہے کہ تم اپنے منصوبوں اور ارادوں کو تبدیل کر دو کیونکہ یہ ناقص اور فضول ہیں تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟ اس بچہ کا کہنا مان کر ان منصوبوں اور ارادوں کو خیر باد کہہ دینا ہوگا یا اپنے گرد و پیش کو تبدیل کر دینا ہوگا؟ میں ایسا کروں گا تو یہ میری جہالت و حماقت ہوگی۔ چند ملکوں کی طرف سے ہمارے ان رسموں، رواجوں کے خلاف جو صلاح مشورے ہمیں دیئے جا رہے ہیں۔ ان کی کیفیت ایسی ہی ہے۔ ان عقل کے اندھوں کو کہہ دیجئے کہ آپ اپنی عقل اپنے گھر سنبھال کر رکھیئے میں آپ کے الفاظ کو تبھی کوئی قدر و قیمت دوں گا، جب آپ کوئی مستحکم سماج اور معاشرہ بنا کر دکھائیں گے۔ انہیں کہہ دیجئے کہ تم میں مستقل مزاجی اور صحیح الدماغی کہاں سے آگئی؟ آپ تو کسی ایک بات پہ دو دن سے زیادہ نہیں ٹک سکتے۔ آپ آپس میں الجھتے رہتے ہیں اور ناکام و نامراد رہتے ہیں آپ تو برساتی مینڈکوں کی طرح پیدا ہوئے ہیں اور چار پانچ دن کے بعد فنا کی آغوش میں سو جائیں گے آپ بلبلوں کی طرح پیدا ہوئے بلبلوں کی طرح مٹ جائیں گے آپ لاف زنی نہ کریں۔ پہلے ہماری طرح مستحکم معاشرہ تو قائم کر کے دکھائیں پھر جانیں گے کہ آپ میں بھی کچھ ہمت و جان ہے چند قوانین مرتب کر کے ان پر پوری شان و شوکت سے صدیوں تک کاربند رہ کر تو دکھائیں پھر میرے پاس آکر صلاح و مشورہ دینا۔ لیکن جب تک آپ ایسا نہیں کر لیتے ہم آپ کو وارفتہ مزاج اور کم ظرف بچہ ہی سمجھتے رہیں گے۔

ذات پات بہت اچھی ہے۔ یہ وہی دستور حیات اور منصوبہ زندگی ہے، جسے آپ اپنانا چاہتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ لاکھوں میں کوئی ایک ہی اس بات کا صحیح صحیح علم رکھتا ہے کہ ذات پات کا اصل مفہوم و مقصد کیا ہے۔ بادی النظر سے دیکھیئے تو دنیا کا ایک بھی ملک ایسا نہیں ملے گا، جہاں ذات پات نہیں۔ ہندوستان میں تو ہم ذات پات کے زینہ سے ہی اس مقام تک پہنچتے ہیں جہاں کوئی ذات پات نہیں۔ ذات پات کی بنیاد ہمیشہ ہمیشہ سے اسی

صفحہ 62 ہندوستان اور اس کے مسائل

اُصُول پہ استوار رہی ہے۔ اَور وہ اصُول یہ تھا ہر شخص کو براہمن بنایا جائے۔ کیونکہ براہمن ہی اِس دُنیا کا آدرش اِنسان ہے۔
اگر آپ ہندوستان کی تاریخ کا مُطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ یہاں اَدنےٰ طبقہ کے لوگوں کو اُونچا اُٹھانے کی مُسلسل اَور پیہم کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ کِتنے ہی طبقوں کو اُونچا اُٹھایا گیا۔ اَور جب تک سب براہمن نہیں بن جاتے دُوسرے طبقوں اَور دُوسری ذاتوں کو اِسی طرح سے اُونچا اُٹھانے کا عمل بدستور جاری رہے گا۔ کیونکہ ذات پات کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما ہے۔ اَور یہی جذبہ ہماری زِندگی کا دستُور بن چکا ہے۔ یہی ہمارا منصُوبہ حیات ہے۔
ہمارا منتہائے مقصُود ہر ایک کو ایسا براہمن بنانا ہے۔ توحید و معرفت جِس کی زِندگی کی زیب و زینت ہو تقویٰ اَور بے نفسی جِس کی زِندگی کی عِبادت ہو۔

آدرش براہمن سے ہماری مُراد کیا ہے؟ اِس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیجئے۔ آدرش براہمن سے میری مُراد ایک اَیسی قلبی کیفیت سے ہے جِس میں تن پروری، نفس پروری اَور دُنیا داری مُطلقاً فنا ہو جائے۔ اَور صرف علم معرفت، علمِ حق اَور علمِ توحید ہی زِندہ اَور موجزن ہو۔ ہندو نسل و قوم کا آدرش تو اَیسا اِنسان ہی بنانا ہے۔ کیا کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ جب ہماری مقدس کتابیں۔ دانشور اَور سالک یہ اعلان کرتے ہیں کہ براہمن پر کِسی قانون و آئین کی گرفت نہیں عائد ہوتی۔ کوئی قانون اِس پہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ کوئی حکمران اَور بادشاہ اِس پر حکومت و رُعب نہیں رکھ سکتا۔ اِس کی رُوح اِن سب گرفتوں اَور پابندیوں سے بہت اعلےٰ اَور اَرفع ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے۔ کہ اِن الفاظ کی گہرائی میں کونسی حقیقتیں پنہاں ہیں۔ یہ الفاظ یُوں ہی نہیں کہے گئے۔ یہ سو فیصدی دُرست اَور مبنی برحقیقت ہیں۔ اِن الفاظ کی قدر و قیمت چند غرض پسند یا احمقوں کی باتوں میں آ کر اِن کے زاویہ نگاہ سے دیکھنے کی کوشش نہ کیجئے۔ بلکہ اِن کی اصل حقیقت اَور ماہیت کا اندازہ خالص ویدانتی نقطۂ نِگاہ سے لگائیے۔ اگر براہمن سے مُراد اَیسے اِنسان سے ہے جِس نے سب خود غرضیوں اَور نفس پرستیوں کو فنا کر رکھا ہو۔ اَور جو ہر وقت حِکمت و دانش، اَور خلُوص و محبت پھیلانے میں ہی محو و مصروف رہتا ہو۔ اَور اگر سارے مُلک میں اَیسے ہی براہمن مرد اَور اَیسی ہی براہمن عورتیں آباد ہوں۔ جو اخلاقی اَور رُوحانی طور پر نہایت بلند اخلاق و ایمان رکھنے والی ہوں تو پھر آپ خود ہی کہئیے کہ کیا یہ کہنا غلط ہے کہ اَیسا مُلک اَیسا بہشت ہر قانون اَور ہر دستُور کی گرفت سے بہت اُونچا اَور بلند ہے۔ بھلا اَیسے مُلک پہ حکمرانی کرنے کے لئے پولیس اَور فوج کی کیا ضرورت ہے۔ اَیسے اِنسان بھلا کِسی حکومت کے ماتحت اَور زیرِ نگیں کیوں ہوں گے۔ اَیسے اِنسان تو فرشتے اَور دیوتا ہوں گے۔ ہمارے آدرش براہمن اَیسے ہی اِنسان ہیں۔ کیا آپ نے نہیں پڑھا کہ ست یگ میں ایک ہی ذات پات تھی اَور وہ تھی براہمنوں کی۔ مہابھارت میں یہ بات واضح الفاظ میں کہی گئی ہے کہ آغاز میں اِس ساری دُنیا میں صرف براہمن ہی تھے لیکن جوں جوں اِن میں زوال اَور پستی آتی چلی گئی توں توں یہ مختلف ذات پات میں تقسیم ہوتے چلے گئے۔ سوال کہ اِس چکر کو اُلٹا چلایئے۔ سب لوگ ایک بار پھر براہمن بن جائیں گے آدرش اِنسان بن جائیں گے۔ اِسی لئے تو مَیں کہتا ہُوں۔ کہ ہمارا نصب العین اَور منتہائے مقصُود ہر ایک فرد و بشر کو اَیسا ہی

براہمن بنانا ہے۔

ضروری نہیں کہ براہمن کا لخت جگر بھی براہمن ہی ہو۔ اگرچہ اس بات کا امکان ضرور ہے کہ وہ براہمن بن سکے۔ براہمن ذات اور براہمن سیرت، دو مختلف چیزیں ہیں میں جس براہمن کو آدرش کہتا ہوں۔ اس سے مراد براہمن سیرت سے ہے۔ براہمن ذات سے نہیں میں اسے براہمن کہنے کو تیار نہیں جو جنم سے براہمن ہو میں تو اسے براہمن کہتا ہوں اور سمجھتا ہوں جو سیرت و کردار میں براہمن ہو۔ ضرورت ہے کہ اس فرق اور امتیاز کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا جائے۔ جیسے ہر ایک انسان کے اندر ستوگن، رجوگن اور تموگن، تین فطرتیں، کم و بیش مقدار میں موجود ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر انسان میں براہمن، کشتری، ویش اور شودر رہنے کی صلاحیت اور اہلیت پائی جاتی ہے کسی میں یہ کم ہوتی ہے کسی میں زیادہ کوئی فطرت کسی وقت غالب ہوتی ہے کوئی فطرت کسی وقت۔ انسان ہر وقت ان تینوں میں سے ایک نہ ایک فطرت و سیرت و جذبہ کے غلبہ میں ہوتا ہے اور جس جذبہ اور جس فطرت کا غلبہ زیادہ ہوگا، حاوی ہوگا، اس کا کام و فعل بھی ویسا ہی ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک انسان کی عملی زندگی کا ہی تجزیہ کر دیکھئے جب وہ اجرت و تنخواہ کے لئے کسی کی خدمت میں جٹا ہوتا ہے اس وقت وہ شودر ہوتا ہے۔ جب وہ نفع اور فائدہ کی خاطر لین دین کرتا ہے۔ تو وہ ویش ہوتا ہے جب وہ کسی بات کے حق و صداقت کی خاطر اٹھتا ہے تو کشتری پن کی صفات اس پر غالب ہوتی ہیں۔ اور جب وہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھکر یادِ خدا میں سر جھکا کر بیٹھتا ہے یا اپنا وقت اس مالک سے گفتگو کرنے میں صرف کرتا ہے اس وقت وہ براہمن ہوتا ہے۔ ایک ہی انسان کسی وقت کچھ ہوتا ہے کسی وقت کچھ۔ ظاہر ہے کہ ان ذاتوں کو تبدیل کرنا قدرتی عمل ہے۔ اور ایسا کرنا ممکن ہے۔ ذات پات تبدیل کی جا سکتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو وشوامتر جو جنم سے کشتری تھے، براہمن کیسے بن گئے۔ اور پرشو رام جن کا جنم کشتری خاندان میں ہوا تھا، براہمن کیسے کہلائے؟

ارتقاء کی یہ منزلیں آریوں نے امن و سکون سے طے کیں۔ آریوں کی تہذیب ہی پُرامن تہذیب ہے لیکن اس کے برعکس یورپینوں کی تہذیب و تمدن تلوار کے سہارے پھیلی اور پروان چڑھی۔ آریوں نے اپنی تہذیب کی بنیاد وزنی ان فرقوں پر رکھی عقل و دانش، اخلاق و کردار کے مطابق ہر شخص کی ذات پات مخصوص تھی۔ اور اس میں لگاتار تبدیلی رونما ہوتی رہتی تھی۔ جوں جوں اخلاق و کردار میں پاکیزگی اور تابندگی آتی جاتی ہے۔ توں توں ذات ادنیٰ سے اعلیٰ ہوتی جاتی ہے۔ لیکن ذرا یورپ کی زندگی پر نگاہ ڈالئے۔ وہاں صرف طاقتور زندہ رہتے ہیں کمزور مٹ جاتے ہیں وہاں فتح و نصرت صرف اس کی ہوتی ہے جو شہ زور اور جری ہمت ہوتا ہے۔ وہاں صرف شہ زوروں کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ کمزوروں کو نہیں۔ لیکن یہ فخر صرف سرزمینِ بھارت کو حاصل ہے کہ یہاں معاشرتی قانون و دستور کا مقصد ہی غریبوں اور کمزوروں کی حفاظت کرنا ہے۔

ایسا ہے ذات پات کے متعلق ہمارا آدرش جس کا مقصد اور مدعا صرف یہ ہے کہ انسان کے جوہرِ انسانیت اور

حسنِ اخلاق کو آہستہ آہستہ اس قدر سنوارا جائے اس قدر نکھارا جائے کہ انسان بالآخر ایک ایسا آدرش روحانی انسان بن جائے جس پر فرشتے بھی رشک کریں۔

ہمارا یقین ہے کہ ہندوستان میں ذات پات کا جو نظام ہے۔ یہ انسان کے لئے ایشور کی سب سے بڑی دین ہے سب سے بڑی رحمت ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اس نظام میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ناگزیر طور پر جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں غیر ملکی حملہ آوروں کے پیہم جور و ستم اور مسلسل ستم رانیوں کی وجہ سے یا بعض ایسے براہمنوں کی ضرب المثل جہالت اور تکبر کی وجہ سے جنہیں براہمن کہلانے کا کوئی حق حاصل نہ تھا، اس نظام میں جو بدعتیں، خرابیاں نظر آ رہی ہیں، ان سب بدعتوں اور خرابیوں کے ہوتے ہوئے بھی اور اس نظام کو جو ذلتیں اور رسوائیاں دیکھنی پڑی ہیں ان کے باوجود اس نظام نے بھارت کی سرزمین پر کرامات اور معجزے کر دکھلائے ہیں اور لازمی طور پر ان کی بدولت ہندوستانی قوم کو اس کی اعلیٰ اور ارفع منزلوں تک لے جایا جا سکتا ہے۔

یہ سلسلۂ ذات پات ختم نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً اس میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہنی چاہیئے۔ اس نظام کے پرانے ڈھانچے میں اس کہنہ سلسلہ کی چار دیواری کے اندر آج بھی ایک ایسی زندگی کو فروزاں دیکھا جا سکتا ہے جس زندگی کی بنیادوں پہ لاکھوں برس زندہ و سلامت رہنے والی عمارت ایستادہ کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلۂ ذات پات کے مکمل خاتمہ کی خواہش اور طلب سراسر حماقت ہے۔

فریق بندی تو معاشرہ کی اپنی فطرت میں شامل ہے۔ یہ عین تقاضائے فطرت ہے۔ اس لئے اس سلسلہ کے وجود کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے؟ ہاں جن باتوں سے ہمیں نجات حاصل کرنا ہے۔ جن بدعتوں کو رفع دفع کر دینا چاہیئے وہ ہیں کسی خاص فریق یا کسی خاص طبقہ کی خصوصی مراعات یا خصوصی حقوق۔ دور تو انہیں کرنا ہے۔ ذات پات کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس معاشرہ میں ہر ایک کے ذمّے ایک خاص کام ہے۔ ہر ایک کو مخصوص فرض ادا کرنا ہے۔ ایک کام آپ کے ذمّے ہے ایک کام میرے ذمّے ہو سکتا ہے کہ آپ ملک کی حکومت و نظم و نسق چلانے کا فرض ادا کریں اور میں پرانی جوتیاں گانٹھنے کا کام کروں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ مجھ سے افضل اور برتر ہیں یا آپ کو مجھ سے زیادہ مراعات اور حقوق حاصل ہیں اور پھر کیا آپ میری طرح جوتیوں کی مرمت کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر یہ احساس برتری کیوں؟ کیا میں عنانِ حکومت سنبھال سکتا ہوں؟ نہیں، میں جوتیوں کی مرمت کے کام میں بہت مہارت رکھتا ہوں اور آپ وید پڑھنے میں یکتائے روزگار ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ میرے سر چڑھ جائیں یا مجھے پاؤں تلے لتاڑنے کی کوشش کریں۔ مرہے جا رہا رعائیت کا دستور ختم ہونا چاہیئے۔ اور کسی کو خاص مراعات دی جانی بند ہونی چاہیئے۔ اعلےٰ طبقہ کا ایک فرد اگر کسی کو قتل کر دے تو اسے معاف کر دیا جائے۔ اور اگر ادنےٰ طبقہ کا کوئی فرد سیب چرا لے تو اسے تختۂ دار پر کھینچ دیا جائے! یہ سلسلہ اور طریقہ ہر حالت میں ختم ہونا ہی چاہیئے۔

سلسلہ ذات پات اچھا ہے۔ زندگی کے مسائل کو حل کرنے کا یہ قدرتی طریقہ ہے سب افراد اگر ایک ہی کام کرنے لگ جائیں تو معاشرہ درہم برہم ہو جائے گا معاشرہ کا تقاضا تو یہ ہے۔ کہ مختلف افراد مختلف کام کریں آپ بھلا اس فطرتی تقاضا کو کیسے دور کر سکتے ہیں؟ آپ کہیں بھی چلے جائیے۔ ذات پات کا یہ سلسلہ آپ کو ہر جگہ حاضر و موجود ملے گا لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ کسی خاص طبقہ کے لئے خاص مراعات و حقوق وابستہ کرنے کا رواج اور نظام بھی موجود ہو۔ ان خاص مراعات اور حقوق کا خاتمہ تو ہونا ہی چاہیئے۔ ویدانت کا مقصد اور مدعا یہی ہے کہ ان مراعات اور حقوق کو ختم کر دیا جائے۔ ویدانت سے بہرہ ور انسان اگر ماہی گیر بھی ہے تو وہ بھی برملا کہے گا" بطور انسان" مجھ میں اور آپ میں کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ کیا ہوا کہ آپ فلسفی اور منطقی ہیں اور میں ماہی گیر ہوں۔ لیکن میرے اندر بھی وہی ایشور جلوہ افروز ہے جو آپ کے اندر ہے ہم دونوں ایک ہی طاقت وقوت کا ظہور و وجود ہیں۔ ہم دونوں میں ایک ہی نور ازلی ضو پاشیاں کر رہا ہے۔ آج ہمیں اسی بات کی ضرورت ہے کہ کسی بھی خاص طبقہ یا فریق کے لئے خاص مراعات و حقوق مخصوص نہ کئے جائیں سب کو ترقی و خوشحالی کے ایک جیسے مواقع ملیں سب کو ایک جیسے حقوق و مراعات میسر ہوں۔ ہر ایک کو اس بات کی تعلیم حاصل کرنے کا پورا پورا حق و اختیار ہے کہ خدا میرے اندر رونق افروز ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کے اندر وہی ایشور رقص زندگی میں محو ہے۔ ہر ایک کو یہ حق و اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی نجات اور مکتی کے لئے جستجو کرے۔ خاص مراعات و حقوق کا زمانہ لد گیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرزمین ہندوستان سے رخصت ہو گیا۔

ایک وقت تھا جب پاکیزگی اخلاق اور جوہر ایمان یہ تھا۔

- (*tribhuvanamupakāra shrenibhih pri- yamānah*)

تری بھو وانا مپو کارا شر پری نیائے

ہر ممکن طریقہ سے خدمت کرتے ہوئے تسلیم و رضا کے پابند رہنا۔ بے لوث خدمت خلق سے اپنی مسرتوں کی تخلیق کرنا۔ لیکن اب تو کیفیت بالکل الٹی ہے۔ اب اس بلند اصول کی بجائے یہ نعرہ لگایا جاتا ہے کہ صرف میں پاکباز اور نیک نفس ہوں۔ باقی سارا زمانہ غلط کار اور برا ہے۔ مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔ مجھے مت چھوؤ! قربان جایئے ایسے دستور حیات اور اس نظریۂ زندگی کے۔ قربان جایئے ایسے برہم گیان کے۔ واہ رے میرے بھگوان! ایمان و اخلاق کہاں سے کہاں پہنچ گیا!! اتنی پست خیالی اور اس قدر تنگ نظری!!! اب ایشور نہ خانۂ دل میں نہاں ہے۔ نہ ساتویں آسمان پہ نور افروز ہے نہ انسانوں میں جلوہ ریز ہے بلکہ اب تو خدا کو رسوئی گھر اور ہنڈیا میں بند کر دیا گیا ہے۔

ہم بھی راسخ الاعتقاد ہندو ہیں۔ لیکن ہم ان ہندوؤں کے ہم خیال اور ہم نظریہ نہیں جو چھوا چھوت میں مبتلا ہیں اور "مجھے ہاتھ مت لگاؤ" کی پست نظری کا شکار ہیں۔ یہ ہندو دھرم نہیں۔ ہماری مقدس کتابوں میں یہ ہندو دھرم آپ کو کہیں بھی نہیں مل سکے گا۔ یہ تو سراسر غلط تقلید، وہم اور ضعیف الاعتقادی ہے۔ جس کا شرح مذہب اور شرح ایمان سے

دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اب تو مذہب ایمان منڈیا کا مذہب ایمان بن کر رہ گیا ہے۔ ہندوؤں کا آج کا مذہب دھرم نہ علم و دانش کا راستہ ہے نہ منطق و دلیل کا۔ یہ تو چھوا چھوت۔ نفرت و حقارت۔ کذب و کفر کا مذہب کو دھرم بنا دیا گیا ہے۔

یہ چھوا چھوت ایک قسم کی قلبی اور ذہنی بیماری ہے۔ اس کے مہلک اثرات سے اپنے دامن کو بچا کر رکھو۔ اس سے ہمیشہ خبردار رہو۔ فراخ دلی زندگی ہے۔ تنگ دلی موت ہے۔ محبت فراخدلی ہے۔ خود غرضی تنگ نظری اور جہالت ہے۔ محبت ہی حقیقی دستورِ حیات ہے۔ محبت ہی ایمان ہے۔ دیکھنا کہ آپ اپنی قیمتی زندگیوں کو چھوا چھوت کے کفر و فریب کی وجہ سے کہیں ضائع نہ کر دینا۔ "سمّاوات سروبھوتشو" "کل چیزوں میں اپنے آپ کو ہی دیکھنا"۔ کیا یہ تعلیم اعلےٰ و ارفع تعلیم محض کتابوں کا زیورِ تحریر بن کر رہ جائے گی؟ بھلا وہ کس منہ سے نجات اور مکتی کا حق دار ہے جو بھوکے کے منہ میں روٹی کے چند لقمے نہیں ڈالتا اور کسی کی پیاس نہیں بجھاتا۔ جو کسی کی تشنگیٔ لب نہیں بجھاتا۔ کسی کی غربت و افلاس پہ اشک بار نہیں ہوتا۔ وہ بھلا کس منہ سے نجات و مکتی مانگتے ہیں۔ جو محض دوسروں کے لمس اور سانس سے اپنے آپ کو ناپاک تصور کرنے لگ جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو بھرشٹ سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ کسی دوسرے کو پاکباز اور راست باز کیسے بنا سکتے ہیں؟ دوسروں کی بھلائی کیسے کر سکتے ہیں؟

ہمیں جور و ظلم بند کر دینا ہوگا۔ تشدد ریزی ختم کرنی ہوگی۔ اور ہم جن مضحکہ خیز اور ندامت آمیز صورتِ حالات کا شکار ہو گئے ہیں اس کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ کتنے ستم کی بات ہے کہ اگر کوئی بھنگی اور خاکروب بھنگی اور خاکروب کی صورت میں ہمارے پاس آئے۔ تو ہم اسے ٹھکرا دیتے ہیں۔ اسے اپنے پاس پھٹکنے تک نہیں دیتے۔ لیکن اگر وہ پانی کے چند لوٹے اپنے سر پہ ڈال لے اور پادری کے بتائے ہوئے چند منتر یا مناجات پڑھ لے اور کوٹ پتلون پہن کر کسی کیتھولسی اور کٹر ہندو کے گھر چلا جائے تو کوئی ہندو اسے کرسی پیش کرنے میں نہ عار سمجھتا ہے۔ نہ اس سے ہاتھ ملانے سے پرہیز کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر غلط اور ستم ظریفی کی حد اور کیا ہوگی؟

ہماری اس غلط روی۔ تنگ نظری۔ کوتاہ دامنی اور ستم رانی کی وجہ سے مدراس اور جنوبی ہند کے سینکڑوں ہندو عیسائیت کی گود میں پناہ لیتے جا رہے ہیں اور عیسائی بنتے جا رہے ہیں مت سمجھئے کہ اس کی تبدیلیٔ مذہب کی اصل وجہ بھکمری اور مفلسی ہے۔ نہیں اس کی اصل وجہ ہماری بے رخی۔ کوتاہ دامنی اور غیر ہمدردی ہے۔ کتنی گراوٹ اور پستی ہے کہ اب ہم رات دن چھوا چھوت کے بھرم میں ہی جکڑے رہتے ہیں اور محض حقارت و نفرت کے پیکر بن کر رہ گئے ہیں۔ مجھے تو اس تہی دستی کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ آیا اس ملک میں ہمدردی اور محبت کا جذبہ اب کہیں زندہ و سلامت بھی ہے؟ یا یہاں صرف انسان سے نفرت کرنے والے ہی ایسے انسان بستے ہیں۔ "مجھے ہاتھ مت لگانا" جن کا ایمان بن کر رہ گیا ہے۔ ایسے غلط رواجوں کی مکمل طور پر بیخ کنی کر کے رکھ دیجئے میرے دل کے اندر اس چھوا چھوت کو ختم کرنے

کی اُمنگ ٹھاٹھیں مار رہی ہے جی چاہتا ہے کہ نفرت و حقارت کی ان سب دیواروں کو نیست و نابود اور زمین بوس کردوں اور ملک بھر میں جس قدر غریب مفلس پسماندہ ٹھکرائے ہوئے لوگ ہیں انہیں آواز دے دے کر منظم و متحد کردوں کیونکہ جب تک یہ نہیں جاگتے۔ مادرِ وطن کیسے جاگ سکتی ہے؟ جب تک اس ادنیٰ طبقہ میں بیداری نہیں آتی۔ مادرِ وطن کی نیند کا طلسم کیسے ٹوٹ سکتا ہے؟

ہر ہندو دوسرے ہندو کا بھائی ہے۔ آپس میں ہمیں اسی جذبۂ محبت اور اسی جذبۂ اخوت کو مستحکم و مضبوط بنانا ہوگا لیکن ہماری بدبختی دیکھئے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں چھوا چھوت کی ہا و ہو مچا کر نفرت و حقارت سی پیدا کردی ہے۔ کہ ہم اپنے ہی بھائیوں کو حقیر و ادنیٰ سمجھنے کی حماقت کرنے لگے ہیں۔ اس طرح ہم نہ صرف اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی برا سلوک کرنے کے مجرم و خطاوار بنے ہیں بلکہ ہم نے سارے ملک کو کمینگی، بزدلی اور جہالت کی پستیوں میں دھکیل کر رکھ دیا ہے ہمیں ان انسانوں کو اوپر اٹھانا ہوگا۔ ان کے کانوں کو ڈھارس اور اُمید، محبت اور خوشی کا پیغام سنانا ہوگا۔ انہیں بتانا ہوگا کہ آپ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ آپ کے بھی وہی حقوق و مراعات ہیں جو ہمیں حاصل ہیں۔ مایوسی، ابتری اور احساسِ کمپرسی ختم کردو اور اُٹھ کر کندھے سے کندھا ملا کر۔ قدم سے قدم ملا کر شاہراہِ ترقی پر گامزن ہو جاؤ۔ یہ نغمۂ حیات ان کے دلوں میں جگانا ہوگا۔

سلسلۂ ذات پات سے جو مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ انہیں حل کرنے کے لئے ہمارا طریقہ یہ نہیں کہتا کہ جو اعلےٰ اور ارفع ہیں انہیں پستیوں اور ذلتوں میں گھسیٹا جائے۔ یہ طریقہ اس بات کا تقاضا بھی نہیں کرتا کہ ہم کھانے پینے کے معاملہ میں پاگل اور سودائی بن جائیں۔ اس طریقہ کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم زیادہ لطف و نشاط لینے کی خاطر خاص حدوں سے تجاوز کر جائیں۔ بلکہ ان جملہ مسائل کو حل کرنے کا ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک ویدانت دھرم کے تقاضوں اور فرائض کو پورا کرے۔ مذہبی ایمان کی راہ پر چلے اور حق و صداقت کو دستورِ حیات بنا لے اور آدرش براہمن بن دکھلائے۔ آپ کی ذات پات کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ آپ آریہ ہوں یا غیر آریہ۔ رشی ہوں یا براہمن یا سورن جاتی کے ہوں یا شودر جاتی کے۔ ہم میں سے ہر ایک کے لئے ہمارے بزرگوں نے ایک خاص کام اور ایک خاص فرض لگا رکھا ہے۔ اور فرض یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک آدرش براہمن بننے کی کوشش و سعی کرے۔ ویدانت کا یہ نصب العین صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں قابلِ عمل ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری دنیا اسی راہِ ویدانت کی جادہ پیما ہو جائے۔

ہندوستان کے لوگوں کے لئے کس قسم کا براہمن پن، کس قسم کی طہارتِ باطنی، کس قسم کی نفس کشی اور پاکیزگی روح نصب العین ہونی چاہئیے۔ اس کا حال شنکر آچاریہ نے غضب کے اسلوب بیان سے گیتا کی تفسیر کے آغاز میں دیا ہے۔ آپ نے کہا ہے کہ بھگوان کرشن نے کل بنی نوعِ انسان کو اسی براہمن پن کی تعلیم و تلقین دینے کی خاطر جنم لیا۔ معراجِ زندگی یہی براہمن پن کا نام ہے یہی وہ عظیم نصب العین ہے جس کا انہوں نے پرچار کیا۔ انہوں نے کہا ہے کہ ایسے براہمن، ایسے مردِ مومن ایسے بندۂ خدا، جس نے برہم اور ایشور کو خلوت اور جلوت میں پالیا ہو۔ بقائے دنیا کے لئے اس دنیا میں رہنا چاہئیے۔

اُس کی ایسی بابرکت زندگی کا خاتمہ نہیں ہونا چاہیئے۔

ذات پات کے نظام میں خواہ کتنی ہی خرابیاں اور بدعتیں کیوں نہ سرایت کر گئی ہوں ہمیں یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ یہ فخر و اعزاز صرف براہمنوں کو ہی حاصل ہے کہ دُوسرے طبقوں کی نسبت کہیں زیادہ ان کی صف سے سچے براہمن، سچے مردِ مومن، سالک اور عارف پیدا ہوئے ہیں۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے جس کو کوئی ٹھکرا نہیں سکتا۔ یہ طرۂ امتیاز صرف ان ہی کے حصہ آیا ہے۔ اور اس لحاظ سے ان کا مرتبہ دُوسرے سب طبقوں اور فرقوں میں کہیں زیادہ برتر و بالا ہے۔ ہم میں اگر اتنی جرأت ہونی چاہیئے کہ ہم براہمنوں کی خرابیوں ان کی بدعنوانیوں کا اظہار بے جھجک کر سکیں۔ تو اس کے ساتھ ہی ہم میں یہ فراخ دلی بھی ہونی چاہیئے کہ ہم ان کی خوبیوں کے لئے ان کی تعریف کر سکیں اور ان کی صفتوں کا اعتراف کر سکیں۔

مختلف ذات پات کے لوگوں کو ایک دُوسرے کے ساتھ دست و گریبان نہیں ہونا چاہیئے۔ اس چپقلش سے کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس سے ہم اور بھی بٹ جائیں گے اور کٹ جائیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم اور کمزور ہو جائیں گے۔ اور اور اس طرح مزید ذلت و پستی کا شکار ہو جائیں گے۔ اس صورتِ حالات کا حل یہ نہیں کہ اعلےٰ طبقہ کو پستیوں میں گھسیٹا جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ ادنےٰ طبقوں کو اُونچا اُٹھایا جائے۔ اور یہی اندازِ فکر اور اسی لائحہ عمل کی تلقین ہماری سب مقدس کتابیں کرتی ہیں۔





عورتوں کی فلاح و بہبود

سیتا بھی ہندوستانی عورت کا اعلیٰ ترین مثالی کردار ہے۔ کیوں کہ وہ تمام ہندوستانی معیار اور صفات جو کہ ایک مکمل عورت کے اندر ہونی چاہیئے۔ سیتا جی کی زندگی کے اندر نشو و نما پائی گئی تھیں۔ یہاں اسے ہزاروں برس سے بلند مرتبہ حاصل ہے اور سرزمین آریہ ورت کے طول و عرض میں ہر ایک مرد عورت اور بچہ اس کی پرستش کرتا ہے۔ یہ جلیل القدر سیتا جو پاکیزگی سے زیادہ پاکیزہ تمام تر صبر و رضا اور تمام تر ایثار کی پیکر ہے۔ وہاں ہمیشہ جلیل القدر رہے گی۔ وہ جس نے لب ہلائے بغیر مصائب و آرام کی زندگی برداشت کی وہ جو ہمیشہ پاک دامن اور پاک عفت بیوی رہی وہ جو عوام کا معیار ہے دیوتاؤں کا معیار ہے وہ ہماری قومی دیوی عظیم سیتا ہمیشہ جلیل القدر رہے گی۔ میرے الفاظ کو یاد رکھئے خواہ دیو مالا مرٹ جائے۔ یہاں تک کہ ہمارے وید رخصت ہو جائیں اور ہماری زبان سنسکرت ختم ہو جائے۔ جب تک چند ہندو بھی زندہ رہیں گے خواہ وہ انتہائی عامیانہ زبان بولنے والے ہوں ہماری سیتا کی کہانی موجود رہیگی سیتا ہماری قوم کے لئے ایک ناگزیر کردار ہے وہ ہر ایک ہندو مرد اور ہندو عورت کے رگ و پے میں رچ اور بس چکی ہے۔ ہم سب سیتا کے بچے ہیں۔

ہندوستانی معیار اور قومی معیار میں کس قدر فرق ہے! قومی معیار کہتا ہے "کام کرو۔ اپنی صلاحیت کار کا مظاہرہ کرو۔" مغرب نے یہ مسئلہ حل کر لیا ہے کہ ایک آدمی کتنا رکھ سکتا ہے۔ ہندوستان نے یہ مسئلہ حل کر لیا ہے کہ ایک آدمی کس قدر کم سے کم رکھ سکتا ہے۔ آپ دونوں نظریات کی شدت کو دیکھئے سیتا ہندوستان کا ایک مثالی کردار ہے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ آیا وہ کبھی تھی یا اس کی کہانی تاریخی ہے یا نہیں۔ ہمارے سامنے ایک معیار موجود ہے اسے ہم جانتے ہیں۔ پرانوں کی کوئی بھی کہانی ایسی نہیں ہے جو اس طرح پوری قوم کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہو اسی طرح

پوری قوم کی زندگی کے اندر رچ بس گئی ہو۔ اور قوم کے خون میں جس کی آمیزش اس طرح ہو گئی ہو جس طرح کہ سیتا کے اس مثالی کردار کی کہانی کی ۔

سیتا خود پاک دامن ہے۔ وہ اپنے شوہر کے جسم کے علاوہ کسی اور جسم کو کبھی ہاتھ نہیں لگاتی۔ ہندوستان میں سیتا ہر اچھی چیز کا نام ہے۔ پاکیزہ اور مقدس چیز کا نام ہے۔ وہ نام ہے عورت کی ان تمام خصوصیات کا جو کہ ہم ایک عورت کے اندر تلاش کرتے ہیں۔ اگر ایک پجاری ایک عورت کو آشیرواد دیتا ہے تو کہتا ہے سیتا بنو۔ اگر وہ ایک بچہ کو آشیرواد دیتا ہے تو کہتا ہے سیتا بنو۔ وہ سب سیتا کے بچے ہیں اور وہ سیتا بننے کی صابرادر تمام نرر نج میں ہمیشہ وفادار اور ہمیشہ پاکیزہ بیوی بننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان تمام تر مصائب و آلام کے دوران جو اس نے برداشت کئے اس نے رام کے خلاف ایک بھی سخت لفظ منہ سے نہیں نکالا اس کو اس نے خود اپنا فرض منصبی سمجھا اور مصائب و آلام کو گزارنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ جنگل کو اس کی اس غیر منصفانہ جلاوطنی کے بارے میں غور کیجئے لیکن سیتا نے کوئی تلخی محسوس نہیں کی۔ یہ بھی ہندوستان کی خصوصیت ہے۔ فطرت کے اعتبار سے سیتا ایک سچی ہندوستانی عورت تھی۔ اس نے کبھی خواب میں کسی کو دکھ نہیں پہنچایا۔

میں جانتا ہوں کہ جس قوم نے سیتا کو جنم دیا اگر وہ صرف اس کا تصور کرے تو یہ عورت کا اس قدر احترام ہے کہ اس کی نظر روئے زمین پر نہیں مل سکتی۔ مغربی عورتوں کے کاندھوں پر قانون کی بندش کی وجہ سے ایک بہت بڑا بوجھ ہے۔ ہماری عورتیں اس بوجھ سے قطعی طور پر ناواقف ہیں یقینی طور پر ہم بے انصافیاں کرتے ہیں اعتراضات کرتے ہیں لیکن یہ وہ بھی کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ دنیا بھر میں عام کوشش محبت، ملائمیت اور راست بازی کے اظہار کے لئے کی جا رہی ہے۔ اور اس اظہار کا انتہائی موثر ذریعہ قومی رسومات ہوتے ہیں۔ جہاں تک گھریلو زندگی کا تعلق ہے مجھے یہ کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ ہندوستانی طریقوں کو کئی اعتبار سے تمام دوسروں کے طریقوں پر فوقیت حاصل ہے۔ ہندوستان کی پوتر دھرتی سیتا اور ساوتری کی اس سرزمین پر عورتوں کے اندر ایسے کردار مل سکتے ہیں۔ جن کے اندر قدرت کا ایسا جذبہ ہوتا ہے۔ ایسی محبت ایسی دردمندی اور ایسی قناعت ہوتی ہے جس میں دنیا میں کسی بھی جگہ کی عورتوں کے نہیں پا سکتا۔ مغرب میں عورتیں بظاہر مجھے عورتیں دکھائی نہیں دیتیں وہ مردوں کی ہو بہو نقل معلوم ہوتی ہیں۔ گاڑیاں چلاتی ہیں دفتروں میں کام کرتی ہیں۔ سکول جاتی ہیں اور پیشہ ورانہ فرائض انجام دیتی ہیں۔ ہندوستان ہی واحد ایک ایسا ملک ہے جہاں نسوانی حیا نظر آتی ہے ۔

ہماری عورتوں کو ماڈرن بنانے کی ہر ایک کوشش اگر اس کا مقصد انہیں اس سیتا کے معیار سے ہٹانا ہے قدرتی طور پر ناکام ہوگی جیسا کہ روزمرہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ ہندوستانی عورتوں کو سیتا کے نقش قدم پر

چل کر ہی ترقی کرنی چاہئے اور پھیلنا پھولنا چاہئے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ ہر کام میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔ ہر جگہ غیر معمولی صفائی نظر آتی ہے اور وہاں تعلیم کا بہت زیادہ رواج ہے۔ جب میں خود اس علاقہ میں تھا تو میں بہت سی ایسی عورتوں سے ملا جو کہ اچھی طرح سنسکرت میں بات چیت کر لیتی تھیں۔ جبکہ باقی ہندوستان میں سنسکرت میں بات چیت میں صلاحیت رکھنے والی اسی لاکھ میں بھی ایک عورت نہیں ملے گی۔ آتا ئیت سرافراز کرتی ہے۔ اور محکومی ذلیل حقیر بناتی ہے۔ مالابار کو کبھی پرتگالیوں اور مسلمانوں نے فتح نہیں کیا۔ دراوڑ وسطی ایشیا میں غیر آریائی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ جو آریوں سے پہلے آئے۔ جنوبی ہند میں وہ لوگ انتہائی تہذیب یافتہ تھے۔ ان میں عورتوں کا درجہ مردوں سے بلند ہوتا تھا۔

عورتوں کے بارے میں آریائی اور سامی نظریات ہمیشہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف رہے ہیں۔ سامی نسل کے لوگوں میں عورتوں کی موجودگی کو بھگتی کے لئے خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ وہ مذہبی رسومات کو ادا نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ کھانے کے لئے ایک چڑیا کو بھی ہلاک نہیں کر سکتی۔ آریوں کے مطابق ایک آدمی کے بغیر مذہبی کام انجام نہیں دے سکتا۔

پار برہم کی اعلیٰ ترین سچائی ہیں۔ جنس کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ ہم صرف نسبتی سطح پر ہی اس کو برتتے ہیں۔ اور جس قدر زیادہ ہماری روح مشاہدہ نفس کی عادی ہوتی جاتی ہے اسی قدر تیزی کے ساتھ فرق ختم ہوتا جاتا ہے۔ آخر کار روح پوری طرح برہم کی یک رنگی و ہم رنگی میں جذب ہو جاتی ہے اور اس وقت اس قسم کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا کہ فلاں مرد اور فلاں عورت۔ شری رام کرشن کی زندگی میں اس حقیقت کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس لئے میں کہوں گا کہ خواہ ظاہرہ طور پر مرد اور عورت میں فرق ہو ان کی حقیقی فطرت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر ایک آدمی برہم کا گیان حاصل کر سکتا ہے تو ایک عورت اسی گیان کو کیوں حاصل نہیں کر سکتی۔

وہ کون سی کتابیں ہیں جن میں آپ کو ایسی باتیں ملتی ہیں کہ عورتیں گیان اور بھگتی کی اہل نہیں ہیں؟ تنزل کے دور میں جب پجاریوں نے دوسری ذاتوں کو ویدوں کی تعلیم کا نا اہل قرار دیا تو اس وقت انھوں نے عورتوں کو بھی ان کے حقوق سے محروم کر دیا۔ جدید ہندومت کی بنیاد پرانوں پر ہے۔ یعنی اس کا مخرج بودھ دور کے بعد کا ہے دیانند سرسوتی نے اشارہ کیا ہے کہ اگرچہ ویدوں کی رسم کی ادائیگی گھریلو اگنی کی قربانی کے وقت بیوی کا موجود ہونا قطعی لازمی ہے لیکن وہ شالگرام شیلا کو ہاتھ نہیں لگا سکتی۔ کیوں کہ اس کی ابتدا برائیوں کے بعد کے دور سے ہوتی ہے ورنہ آپ دیکھیں گے کہ ویدوں اور اپنشدوں کے زمانوں میں میتری اور گارگی جیسی قابل احترام دیویوں نے برہما کے ساتھ اپنی بھگتی کے نتیجہ میں رشیوں کی جگہ اور ان کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ ہزاروں پنڈتوں کے اجتماع میں جو ویدوں کے بہترین عالم اور فاضل تھے۔ گارگی نے برہما کے متعلق بحث میں بڑے حوصلہ کے ساتھ بازگیہ والکیہ

کو چیلنج کیا تھا

جب ایسی مثالی عورتیں روحانی گیان حاصل کر سکتی تھیں تو اب عورتیں اسی قسم کی اعانت کو کیوں حاصل نہیں کر سکتیں۔ جو ایک بار ہو چکا ہے وہ پھر کبھی ہو سکتا ہے۔ تاریخ خود کو دہراتی ہے۔

آپ ہمیشہ عورت پر نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن بتائیے آپ نے عورتوں کی ترقی کے لئے کیا کیا ہے؟ سمرتیاں لکھ کر اور انہیں سخت ترین قوانین کی پابند بنا کر مردوں نے عورتوں کو محض بچے پیدا کرنے والی مشینوں میں ڈھال دیا ہے۔ ان کو ہمیشہ یہی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ مجبور رہیں۔ دوسروں کے رحم و کرم پر زندہ ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ذرا سی بھی مصیبت آتی ہے یا خطرہ نظر آتا ہے تو وہ آنکھوں سے آنسو بہانے لگتی ہیں۔ اور گریہ زاری کرنے لگتی ہیں۔

تمام قوموں نے عورتوں کا مناسب احترام اور عزت کرنے کے بعد ہی عظمت حاصل کی ہے۔ وہ ملک اور وہ قوم جو کہ عورتوں کا احترام نہیں کرتی کبھی عظیم نہیں بن سکتی۔ ہماری قوم کو اس قدر تنزل کیوں دیکھنا پڑا۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہم نے ان شکتی کی ان زندہ دیویوں کا احترام نہیں کیا۔ منو کہتا ہے: "جہاں عورتوں کا احترام کیا جاتا ہے وہاں دیوتاؤں کی رحمت برستی ہے۔ اور جہاں عورتوں کا احترام نہیں ہوتا۔ وہ تمام کام اور تمام کوششیں ضائع جاتی ہیں۔" (منوسمہتا III ۵۶) اس خاندان اور کنبہ اور اس ملک کے عروج کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی جہاں عورتوں کا احترام نہیں کیا جاتا۔ اور جہاں عورتیں رنج و غم کی زندگی گذارتی ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ شکتی کا حقیقی پجاری کون ہے؟ شکتی کا حقیقی پجاری وہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ کائنات میں ایشور کی طاقت ہر جگہ موجود ہے اور جو عورتوں کے اندر اس شکتی کا جلوہ دیکھتا ہے۔ کیا آپ اپنی عورتوں کے حالات کو بہتر بنا سکتے ہیں؟ اسی وقت آپ کی خوش حالی کی توقع پیدا ہوگی۔ ورنہ آپ ایسے ہی پسماندہ رہیں گے جیسے کہ اس وقت ہیں۔ سب سے پہلے عورتوں کی ترقی اور عوام کی بیداری ضروری ہے اسی وقت ملک کا اور ہندوستان کا کوئی بھلا ہو سکتا ہے۔ اگر عورتوں کا معیار بلند کیا جائے تو اسی صورت میں ان کے بچے اپنے کارہائے نمایاں سے ملک کے نام کو روشن کر سکتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ملک کے اندر اس کے کلچر علم طاقت اور بھگتی میں بیداری آجائے گی۔

اگر آپ یہ دعویٰ کریں کہ آپ اس عورت یا بچہ کو نجات دلائیں گے تو یہ بات غلط اور ہزار بار غلط ہے مجھ سے بار بار پوچھا جاتا رہا ہے کہ ودھواؤں کی دوسری شادی کے بارے میں میرا کیا خیال ہے اور عورت کے مسئلہ کے بارے میں کیا سوچتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ کے لئے جواب دینے دیجئے۔ کیا میں کوئی ودھوا ہوں کہ آپ مجھ سے یہ

بے وقوفی کی باتیں کرتے ہیں۔کیا میں کوئی عورت ہوں جو آپ مجھ سے یہ سوال بار بار کرتے ہیں کیاآپ عورتوں کے مسائل کوحل کرنے والے کون ہیں ؟ کیا آپ کوئی انشورہیں کہ ہر ایک ودھوا اور ہر ایک عورت پر آپ کو دسترس حاصل ہے۔ایسی باتوں کو چھوڑ دیجئے۔ عورتیں اپنے مسائل آپ حل کرلیں گی۔

میری رائے میں ہر ملک کے اندر سماج خود بخود بنتا ہے۔بس ہمیں کم عمری کی شادیوں کوختم کرنے اور ودھواؤں کی دوسری شادی وغیرہ جیسے مسائل پر قبل ازوقت سرنہیں کھپانا چاہئے۔ ہمارا کردار اس فرض کی ادائیگی میں پوشیدہ ہے کہ ہم تمام مردوں اور تمام عورتوں کو سچی تعلیم دیں۔ اس تعلیم کے نیتجہ میں وہ خود بخود سمجھنے لگیں گے کہ ان کے لئے کیا چیز اچھی ہے کیا چیز بری ہے ۔ اور بری چیزوں کوخودبخود ختم کردیں گے۔تب جبر کے ساتھ سماج کے اندر سے کسی چیز کوختم کرنے یاکسی چیز کو لانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی ۔ مداخلت کا ہمارا حق صرف مناسب طور پر تعلیم دینے تک ہی محدود ہے۔عورتوں کو اسی پوزیشن میں لے آنا چاہئے کہ وہ خود اپنے طور پر اپنے مسائل کوحل کرسکیں۔ نہ ہی کوئی ان کے مسائل کوحل کرسکتاہے اور نہ ہی کسی کو ایسی کوشش کرنی چاہئے۔ہماری ہندوستانی عورتوں کے اندر اپنے مسائل کوحل کرنے کی اتنی ہی صلاحیت موجود ہے جتنی دنیا کی دوسری عورتوں میں ۔

عورتوں کا معیار بلند کرنے کے اپنے بڑے بڑے دعووں کے باوجود افسوس کہ آپ ان کو ترقی دینے کے لئے کچھ نہیں کر سکے ۔آپ نے ان کے اندر تعلیم کے پھیلانے کی کوشش نہیں کی ۔ اگر انہیں صحیح قسم کی تعلیم دی جائے تو وہ دنیا بھر میں خود کو مثالی عورتوں کی حیثیت میں پیش کر سکتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان کے مسائل بہت پیچیدہ ہیں۔لیکن وہ کون سا ایسا مسئلہ ہے جو تعلیم کے اس جادوئی لفظ سے حل نہیں ہو سکتا۔

عورتوں کے اندر تعلیم کا آغاز ان میں پاک دامنی کا احساس پیدا کرنے سے کیا جا سکتا ہے۔ہماری عورتیں پاک دامنی کا مطلب اچھی طرح سمجھتی ہیں کیوں کہ وہ اس کی وارث ہیں۔اب آپ ان کے اندر اور تمام باتوں سے پہلے پاک دامنی کے نظریہ کو فروغ دیں جس سے ان کے اندر مضبوط کیریکٹر کی وہ طاقت پیدا ہو کہ زندگی کے ہر مرحلہ میں خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ یا کنوارا رہنا پسند کریں اس طاقت سے کام لیں۔ ذرہ برابر بھی خوف زدہ نہ ہوں اور اپنی عصمت وعفت کو ہاتھ سے جانے دینے کے بجائے اپنی جانوں کو قربان کرنے کو ترجیح دیں۔ایک شخص کو اس قابل بنا دینا کہ وہ اپنے نظریہ کی خاطر،خواہ وہ نظریہ کچھ بھی کیوں نہ ہو اپنی جان قربان کرنے سے گریز نہ کرے کیا یہ کم بہادری ہے ؟

تاریخ اور پرانی تہذیب، آرٹ ،سائینس ،گھر وبار کی تعلیم پکانا پسینا اور صحت ان مضامین کی

عام فہم مگر خاص خاص باتیں ہماری عورتوں کو پڑھائی جانی چاہئیں۔ یہ بات اچھی نہ ہوگی کہ انہیں ناولوں اور قصہ کہانیوں کو پڑھنے کی آزادی ہو۔ لیکن صرف انہیں پوجا کی رسومات سے آگاہ کرنے ہی سے کام نہیں چلے گا ان کی تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ پھر اس کے بعد تمام معاملات کے بارے میں آگاہی حاصل ہو۔ ان کی آنکھیں کھل جائیں لڑکیوں کے سامنے ہمیشہ ایسے مثالی کردار پیش کئے جانے چاہئیں جن کا ان پر رنگ چڑھ جائے اور بے نفسی کے بلند پایہ اصولوں کی حامل بن جائیں۔ سیتا ساوتری دمینتی لیلاوتی اور میراں بائی کی مقدس مثالوں کو انکے دماغوں میں بٹھا دینا چاہئے تاکہ وہ ان مثالی عورتوں کے کرداروں کی روشنی میں اپنے آپ کو ڈھال سکیں۔ دوسری باتوں کے علاوہ ان میں بہادری اور حرارت مندی کا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور میں انکے لئے اپنی حفاظت آپ کرنا بھی جاننا ضروری ہے۔ غور کیجئے رانی جھانسی کسقدر عظیم تھی! اس قسم کی تعلیم کے بعد ہی ہماری عورتیں اپنے مسائل کو خود حل کر سکیں گی۔

ہمیں اس بات کا لحاظ کرنا چاہئے کہ ان کی نشو ونما ایسی ہو کہ وہ ہر وقت مثالی گھریلو منتظم بن سکیں۔ ایسی ماؤں کے اندر اور زیادہ حسن و اخلاق پیدا ہوگا جو کہ ماؤں کو ممتاز کرے گا ایسی عظیم اور پرہیزگار و متقی اور تعلیم یافتہ عورتوں کے گھروں میں سے عظیم انسان پیدا ہوئے ہیں۔

اس دور کی موجودہ ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ بات ناگزیر معلوم ہوتی ہے کہ ان میں سے کچھ کو ترک علائق کے نظریات کی تربیت دی جائے تاکہ وہ حسن پاک دامنی کی طاقت سے جو کہ قابل احترام بزرگوں سے انکے خون کی فطری طور پر ہے زندگی بھر باعصمت رہنے کا پیمان باندھ سکیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ انہیں سائنس اور دوسرے علوم کی تعلیم دی جانی چاہئے جس سے نہ صرف انہیں ہی فائدہ حاصل ہو بلکہ دوسروں کو بھی فائدہ حاصل ہو۔ اس کو حاصل کرکے وہ ان باتوں کو جان جائیں گی۔ اور ان کی انجام دہی میں مسرت محسوس کریں گی۔ ہماری ماتر بھومی کو اس کی ترقی اور خوش حالی کے لئے ایسے بچوں کی ضرورت ہے جو کہ ایسے خالص برہمچاری بن چکے ہوں۔

ان کی مثالوں اور دنیا کے سامنے قومی نظریات پر کاربند ہونے کی ان کی کوششوں کے نتیجہ میں خیالات اور جذبات میں ایک انقلاب آجائے گا۔ ہمارے یہاں اس وقت ہوتا کیا ہے؟ کسی نہ کسی طرح ماں باپ لڑکی سے شادی کرکے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں۔ خواہ اس کی عمر نو سال کی ہو یا دس سال کی! اور کس قدر خوشی منائی جاتی ہے اگر تیرہ سال کی عمر میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس قسم کے خیالات کے رجحان کو بدل دیا جائے تو پرانی شردھا کے لوٹ آنے کی امید ہو سکتی ہے اور ان کی تو بات ہی کیا ہے کہ جو برہمچاری یہ نہیں۔ غور کیجئے ان کے اندر ان کی کس قدر شردھا اور اعتماد ہوگا! اور ان کے اندر بھلائی کا کام کرنے کے لئے کتنی شکتی ہوگی!

پس کیا ہم ہندوستان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عظیم بے خوف عورتیں پیدا کرسکتے ہیں۔ ایسی عورتیں جن کے اندر سنگ مترا لیلا اہلیا بائی اور میراں بائی کی روایات کو زندہ رکھنے کی شکتی ہو۔ ایسی عورتیں جو پاک دامنی بے غرضی اور شکتی کی وجہ سے جو کہ ایشور کے چرن چھونے سے حاصل ہوتی ہے بہادروں کی ماں بننے کے لائق ہوں۔ عورتیں دیوی ماں کا انسانی شکل میں اظہار ہیں جن کے ظاہری حسن و جمال مردوں کو دیوانہ بنا دیتا ہے لیکن یہی حسن جمالی بباطن گیان بھگتی اپنیاراؤ یکاردی ہے۔ .. وہ جب خوش ہوتی ہے تو موافق بن جاتی ہے اور انسان کی نجات کا ذریعہ بن جاتی ہے۔" (جنیڈری) پوجا کے ذریعہ ماں کو موافق بنائے بغیر رسم بندگی ادا کئے بغیر برہما اور وشنو تک بھی کوئی طاقت نہیں ہے کہ وہ اس سے گریز کرتے ہوئے آزادی حاصل کریں۔ اسلئے ان گھریلو دیویوں کی پرستش کیلئے انکے اندر برہم کو ظاہر کرنے کے لئے میں عورتوں کا ایک مٹھ قائم کروں گا۔

اس مٹھ سے متعلق ایک لڑکیوں کا سکول ہوگا جس کے اندر مذہبی کتابیں، ادب، سنسکرت، قواعد اور یہاں تک کہ کسی قدر انگریزی بھی پڑھائی جانی چاہئے۔ اور دوسری چیزیں مثلاً سلائی گھریلو کام کاج بچوں کی دیکھ بھال وغیرہ کے کام بھی سکھائے جانے چاہئیں۔ اگرچہ جاپ اور بھگتی وغیرہ تعلیم کے لازمی جزو ہوں گے ــــ سکول میں تعلیم دینے کی ذمہ داری ہر طرح کی تعلیم یافتہ ودھواؤں اور برہم چارنیوں کے سپرد ہونی چاہئے۔ اس ملک کے اندر عورتوں کے اسکولوں کے ساتھ مردوں کے تعلق سے بچانا ضروری ہے۔ بوڑھی برہم چارنیوں کو رسمچــریہ میں لڑکیوں کو ٹریننگ کا چارج دیا جائے گا۔

اس مٹھ میں پانچ یا چھ برس کی ٹریننگ کے بعد ان لڑکیوں کے ماں باپ ان کی شادیاں کرسکتے ہیں۔ اگر وہ یوگ اور مذہبی زندگی کے لئے مناسب معلوم ہوں تو ان کے ماں باپ کی اجازت سے ان کو مٹھ میں رہنے دیا جائے گا۔ یہ غیر شادی شدہ برہم چارنیاں وقت آنے پر مٹھ کی استانیاں اور پرچارک بنیں گی۔ وہ دیہات اور شہروں میں مرکز کھولیں گی اور عورتوں کے اندر تعلیم کو پھیلانے کی جدوجہد کریں گی۔ کیریکٹر کی ایسی دین دار پرچارکوں کے ذریعہ اس ملک کے اندر عورتوں میں حقیقی تعلیم پھیلے گی۔

جب تک طالبات کا تعلق اس مٹھ سے رہے گا وہ اس مٹھ کے بنیادی نظریہ کے طور پر لازماً برہمچاری رہیں گی روحانیت نفس کشی قربانی اور خود پر کنٹرول اس مٹھ کی لڑکیوں کا مقصد رہے گا۔ اور خدمت اور دھرم سیوا ان کی زندگی کا نصب العین ہوگا۔ ایسی مثالی زندگیوں کو دیکھ کر کون ہے جو ان کا احترام نہیں کرے گا اور انکے لئے شردھا نہیں رکھے گا۔ اگر اس ملک کی عورتوں کی زندگی کو اس انداز میں موڑ دیا جائے تو ــــ ساوتری اور گارگی جیسی مثالی دیویاں پھر جنم لے سکتی ہیں۔

تمدنی زندگی کی نشو و نما

ہمیں اپنی فطرت کے مطابق نشو و نما پانی چاہیئے۔ ان ملکی سوسائیٹیوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش فضول ہے جو ہم پر مسلط کر دی گئی ہیں۔ یہ ناممکن بات ہے۔ ایشور کا شکر ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ ہمیں زور زبردستی دوسری وضع قطع میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔ میں دوسری قوموں کے رسوم و رواج کو برا نہیں کہتا وہ انکے لئے اچھے ہیں لیکن ہمارے لئے نہیں۔ ان کے موجودہ نظام کے پس منظر میں دوسرے علوم دوسرے رسوم و رواج اور دوسری روایات ہیں۔ ہم اپنی روایات اور اپنے ہزاروں برس کے کرموں کے ساتھ جو ہمارے پس منظر میں ہیں قدرتی طور پر خود اپنے ہی رجحان کو اپنا سکتے ہیں اپنے ہی راستوں پر چل سکتے ہیں اور ہمیں یہی کرنا چاہیئے۔

ہم اہل مغرب نہیں بن سکتے ——— اس لئے مغربیت کا ملمع چڑھانا فضول ہے۔ فرض کیجئے کہ آپ مغربیت کا ملمع چڑھا سکتے ہیں اسی لمحہ آپ کی موت واقع ہو جائے گی۔ آپ کے اندر زندگی باقی نہیں رہے گی۔ ایک دھارا اس جگہ سے بہت پرے جہاں سے وہ نکلا تھا انسانی تاریخ کے لاکھوں ادوار سے گزرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ کیا آپ کا مطلب اس دھارا کو روکنا ہے اور اس کو اس کے منبع ہمالیائی برف کی چٹانوں کی طرف واپس لوٹانا ہے۔ اگر یہ ممکن ہے تو بھی آپ کے لئے یورپین ہی جانا ممکن نہیں ہے۔ اگر آپ کو ایک یورپین کا چند صدی پرانی تہذیب کو اتار پھینکنا ناممکن نظر آتا ہے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ بیسویں صدی پرانے شاندار کلچر کو اتار پھینکیں گے، یہ ہو نہیں سکتا۔ اس لئے ہندوستان کو یورپین طرز میں ڈھالنا ناممکن اور ایک بے وقوفانہ کام ہے۔

ہندوستان کے اندر ہمارے راستہ میں دو بڑی رکاوٹیں ہیں۔ پرانی قدامت پرستی اور جدید یورپی تہذیب جس نے ہماری راہیں مسدود کر دی ہیں۔ ان دونوں میں سے میں پرانی قدامت پرستی کو ترجیح دوں گا۔ یورپین طرز کے نظام کو نہیں۔ کیوں کہ پرانا قدامت پرست جاہل ہو سکتا ہے وہ اکھڑ ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ آدمی ہے وہ اعتقاد رکھتا ہے۔ اس کے پاس طاقت ہے۔ وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہے جبکہ یورپین تہذیب میں رنگا ہوا آدمی اپنی کوئی طاقت نہیں رکھتا وہ رنگ رنگ کو خصوصیتوں کے نظریات کا ایک تودہ ہے جو مختلف ذرائع سے بے جوڑ طریقہ پر اکٹھے کر لئے گئے ہیں۔ اور یہ نظریات ہضم نہ ہونے والے ہیں غیر مربوط ہیں اور غیر یکساں ہیں۔ وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا نہیں ہے۔ وہ کبھی اس طرف جھکتا ہے کبھی اس طرف۔ اس کے کام میں مقصدی طاقت کہاں ہے؟ انگریز لوگوں میں سے چند لوگوں کی سرپرستی میں۔ اصلاحات کی اس کی سکیمیں کچھ خاص سماجی رسومات کی برائیوں کے خلاف اس کی پرجوش لعن طعن کا سوتا کوئی یورپین سرپرستی ہے۔ ہمارے کچھ رسوم و رواج کو برائیوں کہا جاتا ہے؟ کیوں کہ یورپین ایسا کہتے ہیں۔ اور یہی بات ان دلائل کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جو وہ پیش کرتا ہے۔ میں ان دلائل سامنے جھکوں گا نہیں۔ آپ کی جو شکتی ہے اس میں یقین رکھئے اور مر جائیے۔ اگر دنیا میں کوئی برائی ہے تو وہ کمزوری ہے ہر قسم کی کمزوری کو دور کیجئے۔ کیوں کہ کمزوری گناہ ہے کمزوری موت ہے۔ اس غیر متوازی مخلوق نے بھی واضح شخصیتوں کی شکل اختیار نہیں کی ہے۔ ہم انہیں آدمی عورت یا جانور پکارنے والے کون؟ جب کہ وہ پرانے قدامت پرست صادق القوی تھے اور آدمی تھے۔

ایک طرف وہ قدامت پرست آدمی ہے جو تمام تر قوم کا سرچشمہ حیات ہے روحانیت کا حامل ہے دوسری طرف وہ آدمی ہے جس کے ہاتھوں میں مغرب کے نقلی جواہرات بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن جس کے پاس روحانیت کا حیات بخش اصول نہیں ہے۔ اس لئے ان دو میں سے مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر ایک آدمی اس بات سے اتفاق کرے گا کہ ہمیں اول الذکر کو انتخاب کرنا چاہئے جو قدامت پرست ہے کیونکہ اس سے کچھ توقعات وابستہ ہیں۔ اس کے پاس قومی موضوع ہے۔ کوئی چیز پاس رکھنے کے لئے ہے اس لئے وہ زندہ رہیگا لیکن دوسرا ختم ہو جائے گا۔ اگر آپ روحانیت کو ترک کر دیں۔ اور مغرب کی تہذیب کو مادی بنانے کا کام جاری رکھیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ چند نسلوں کے بعد آپ ایک الگ نسل بن جائیں گے۔ کیوں کہ قوم کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ بنیاد ختم ہو جائے گی جس پر قوم کی عمارت کی تعمیر کی گئی ہے۔ نتیجہ ہر طرح سے تباہی و بربادی کی صورت میں نکلے گا۔

اگر کوئی شخص ہندوستان کے اندر کھاؤ پیئو اور عیش اڑاؤ کا پرچار کرتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص مادیت کو ایشور کی حیثیت دینا چاہتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اس مقدس دھرتی پر اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مغربی تہذیب اپنی چمک اور دمک خود نمائی، پالش، اور طاقت کے شاندار مظاہرے کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ میں برملا کہتا ہوں۔ یہ بے حقیقتوں کی بے حقیقتی ہے۔ صرف ایشور ہی باقی رہے گا صرف روح ہی باقی رہے گی۔ صرف روحانیت ہی باقی رہے گی۔ اس کو یاد رکھیئے۔

ہم ہندوستان سے باہر کی دنیا کے بغیر گذر نہیں کر سکتے۔ یہ ہماری بے وقوفی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم کامیاب ہو سکتے ہیں اور ہم نے ہزار سالہ غلامی کی صورت میں اس کی سزا بھگتی ہے۔ دنیا سے کٹے رہنے کا پھل چکھا ہے۔ اب ہمیں مزید سزا نہیں بھگتنی چاہیئے۔ ایسے تمام بے وقوفی اور حماقت کو کہ ہندوستانیوں کو ہندوستان کے باہر نہ جانا چاہیئے طفلانہ سمجھئے ان سب خیالات کو دماغ سے نکال پھینکنا چاہیئے۔ جتنا زیادہ آپ باہر جائیں گے، مختلف ملکوں کا سفر اختیار کریں گے اسی قدر زیادہ اپنا اور اپنے ملک کا بھلا کریں گے۔ زندگی کا پہلا ظاہر اثر اس کی توسیع ہے۔ اگر آپ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی زندگی میں وسعت دینی چاہیئے۔ جس لمحہ آپ نے وسعت دینے کے عمل کو ختم کر دیا اسی لمحہ موت آپ کے قریب ہوگی اور خطرہ سامنے ہوگا۔

کئی خطرے راہ میں ہیں اور ان میں ایک خطرہ اس شدید قسم کا ہے کہ دنیا میں صرف ہم ہی نہیں۔ ہندوستان کے ساتھ اپنی تمامتر محبت اپنی تمامتر وفاداری اور ماضی کے لئے اپنے تمامتر احترام کے ساتھ میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہمیں دوسروں سے بہت سی باتیں سیکھنی ہیں۔ ہمیں سب کے قدموں میں بیٹھ کر کچھ سیکھنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ یاد رکھئے کہ ہر شخص ہمیں بڑے سبق دے سکتا ہے، ہمارے عظیم تر ماہر قانون منو کا کہنا ہے "کچھ اچھا علم حاصل کیجئے خواہ وہ ادنےٰ درجہ کے آدمی سے بیدائشی طور پر کم درجہ کے آدمی سے سیکھنا پڑے۔ سیوا کر کے سیکھنا عالم بالا کے لئے راہ بناتا ہے" اس لئے ہمیں منو کے سچے بچوں کی حیثیت سے ہمیں ان کا حکم بجا لانا چاہیئے اور اس زندگی کے اور اس زندگی کے بعد کی زندگی کے اسباق کو حاصل کرنے کے لئے آمادہ رہنا چاہیئے خواہ وہ ہمیں کسی سے بھی حاصل ہوں۔

یورپ میں ہر چیز سے یونان کے اثرات نمایاں ہیں ہر ایک عمارت اور ہر ایک فرنیچر پر یونان کی تہذیب کا نقش قائم ہے یورپ کی سائنس اور اس کا آرٹ سوائے یونان کی سائنس اور آرٹ کے اور کچھ نہیں ہے۔ آج ہندوستان کی سرزمین پر قدیم یونانی اور قدیم ہندو کا ملاپ ہو رہا ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ اور خاموشی کے ساتھ خمیر اُٹھ رہا ہے۔ وسعت بذیریہ جان بخش اور نشاۃ ثانیہ کی تحریک جو ہم اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں ان دونوں عناصر کے یکجا ہونے سے پیدا ہوئی ہے۔ ہمارے سامنے زندگی کا ایک زیادہ وسیع اور

زیادہ جامع نظریہ موجود ہے اور اگرچہ شروع میں ہم نے معمولی دھوکہ کھایا اور تنگ نظری سے کام لیا آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ لہریں متحرک ہیں زندگی کے یہ وسیع تصورات اس چیز کی منطقی تفسیر ہیں جو ہماری قدیم کتابوں میں موجود ہے۔ ہمارے بزرگوں کے جو ابتدائی تصورات تھے وہ ان کے منطقی نتائج کی شدت کے ساتھ تعمیل کر رہے ہیں ہمارے مقاصد یہ ہونے چاہئیں کہ ہم فراخ دل بنیں ۔ باہر جائیں دوسروں سے ملیں جلیں اور خود کو کائناتی باشندہ بنائیں ۔

ہمیں مغرب سے بہت سی باتیں سیکھنی ہیں۔ ہمیں مغرب سے اس کی سائنس اور اس کا آرٹ سیکھنا چاہئے ہمیں کسی حد تک جماعت کی طاقت اختیارات کو استعمال کرنے کی صلاحیت تنظیمی قابلیت اور چھوٹے سے چھوٹے اسباب کی بنا پر بہتر نتائج پیدا کرنے کے سلسلہ میں کسی حد تک مادی علم بھی حاصل کرنا چاہئے۔ شاید ایک خاص حد تک ہم انکو مغرب سے حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمیں سفر کرنا چاہئے ہمیں غیر ممالک میں جانا چاہئے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ دوسرے ملکوں کے اندر سوسائٹیاں کس طرح کام کرتی ہیں اور دوسری قوموں کے دماغوں میں جو کچھ ہے ہمیں خود کو آزاد رکھتے ہوئے اسے سمجھنا چاہئے بشرطیکہ ہم واقعی ایک قوم بننا چاہتے ہیں۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جایئے۔ اور اس بات کا موازنہ کیجئے کہ آپ کیا کر سکتے ہیں۔ ہر قوم سے سیکھئے جو بات بھی آپ کے فائدے کی ہو اس کو حاصل کیجئے۔

لیکن یاد رکھئے کہ ایک ہندو کی حیثیت سے ہمیں ہر چیز کو خود اپنے نظریات کے تابع رکھنا ہے۔ ایک سچے ہندو کیریکٹر کا راز اس بات میں پوشیدہ ہے کہ اس کا یورپی سائنس کا علم اور گیان اس کی دولت اسکی پوزیشن اور نام ایک خاص نظریہ کے تابع رہیں جو کہ ہر ہندو بچے کے اندر پیدائشی طور پر موجود ہوتا ہے یعنی روحانیت اور نسل کی پاکیزگی۔

ایشیا کی آواز مذہب کی آواز رہی ہے۔ یورپ کی آواز سیاسیات کی آواز ہے۔ یونانی ذہن کے لئے اسکی صرف اپنی سوسائٹی ہی سب کچھ ہے اس کے بعد جو کوئی بھی ہے وحشی ہے۔ یونانی کے علاوہ کسی اور کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔ یونانی جو کچھ کرتے ہیں ٹھیک اور درست ہے باقی دنیا میں جو کچھ ہے نہ تو وہ درست ہے نہ ٹھیک نہ اسے باقی رہنے دیا جانا چاہئے۔ یہ بات انتہائی بشری انتہائی فطری اور انتہائی فن کارانہ ہے اسی لئے یونانی پورے طور پر صرف اپنی دنیا میں رہتا ہے۔ وہ خوابوں کی بات نہیں کرتا یہاں تک کہ اس کی شاعری بھی عملی ہے اس کے دیوی اور دیوتا نہ صرف جیتے جاگتے انسان ہیں بلکہ انتہائی انسانی جذبات رکھتے ہیں اور اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم میں سے کوئی محسوس کرتا ہے۔ وہ خوبصورتی سے پیار کرتا ہے لیکن یاد رکھئے، وہ صرف بیرونی خد و خال سے عشق کرتا ہے۔ وہ پہاڑوں، برف کے گالوں، حسین چہروں حسین و جمیل صورتوں کا دلدادہ ہے۔ یونانیوں کی محبت

صرف بیرونی اور ظاہری حسن سے ہے۔ اور چونکہ یورپ کی تہذیب یونان کی تہذیب کی پیداوار ہے اس لئے سارے یورپ کی آواز گویا یونان کی آواز ہے۔

ایشیا کی بات دوسری ہے یہ خوبصورت اور لطیف تر، بلکہ روحانی ارتقا کے ساتھ پیار کرتا ہے۔ یہ باطن پر نظر رکھتا ہے ظاہر پر نہیں۔ یہاں فطرت کے لئے پیاس ہے تو طاقت کے لئے بھی پیاس ہے وہاں فضلیت کے لئے بھی ایسی ہی پیاس ہے۔ یونانی اور وحشی کا وہی نظریہ۔ لیکن اس کا دائرہ بہت وسیع ہے ایشیا میں آج بھی پیدائش رنگ اور زبان سے کبھی قوم نہیں بنتی۔ مذہب سے قوم بنتی ہے۔ کوئی بات نہیں اگر ایک بودھ چین کا باشندہ ہے یا ایران کا وہ ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ ایک ہی مذہب کے پیرو ہیں۔ مذہب ایک بندھن ہے انسانیت کا اتحاد ہے اور پھر اس کے بعد مشرقی انھیں اسباب کی بنا پر تصوراتی ہے وہ پیدائشی طور پر خواب لیتا ہے جھرنوں کا نغمہ پرندوں کے گیت چاند سورج اور ستاروں کی اور پوری کائنات کی خوبصورتی بہت کچھ ہے مگر ایک مشرقی ذہن کے لئے کافی نہیں ہے وہ خواب سے بالاتر خواب دیکھنا چاہتی ہے۔ وہ حال سے بالاتر جانا چاہتا ہے۔ حال اس کے نزدیک بے حقیقت ہے۔

مشرق صدیوں سے نسل انسانی کا گہوارہ رہا ہے یہاں انقلابات آتے رہے ہیں حکومتوں پر حکومتیں بدلی ہیں سلطنتوں کے بعد سلطنتیں قایم ہوئی ہیں انسانی طاقت، شان وشوکت اور دولت سب کو زوال آتا ہے البتہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے اگر مشرقی ذہن اس دنیا کے علائق پر حقارت کی نظر ڈالتا ہے۔ قدرتی طور پر وہ بھی ایسی کا متلاشی ہے جس میں تغیر نہ ہو کوئی ایسی چیز جو لافانی ہو جو مصائب اور موت کی اس دنیا میں ابدی لافانی اور دائمی ہو۔ ایک مشرقی پیغمبران نظریات پر کبھی اصرار نہیں کرتا۔ جہاں تک پیغمبروں کا تعلق ہے آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ ایک کے علاوہ باقی تمام پیغمبر مشرق میں پیدا ہوئے۔ اگر ایسے لوگ جن کی آنکھوں پر مادی اشیا کی چمک دمک نے پردے ڈال دئے ہیں جن کی زندگی کا کل منشا کھانا پینا اور عیش اڑانا ہے جن کی ملکیت کا نظریہ زن زمین اور سیم وزر ہے جن کی مسرت کا نظریہ احساسات ہیں جن کا ایشور سونا ہے اور جن کی منزل دنیا میں تن آسانی کی زندگی گزارنا اور پھر مرجانا ہے جن کے دماغ کبھی آگے کی باتیں نہیں سوچتے اور جو اپنے احول کے ظاہری اسباب کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف نگاہ اٹھاکر دیکھنا نہیں چاہتے اگر ایسے لوگ ہندوستان آئیں تو وہ یہاں کیا دیکھیں گے؟ ہر جگہ غریبی مفلسی توہم پرستی تاریکی اور وحشت انگیزی۔ کیونکہ دماغوں میں خوشی اور روشنی کا مطلب لباس اور تعلیم اور سماجی ترقی کا حصول ہے ایک طرف مغربی قوموں نے اپنی مادی پوزیشن کو بہتر بنانے کی ہر کوشش کی ہے دوسری طرف ہندوستان کے اندر اس کے برعکس معاملہ ہے۔

وہاں دنیا کے صرف وہ لوگ آباد ہیں جنھوں نے انسانی تاریخ میں کبھی دوسروں کو فتح کرنے کے لئے اپنی

سرحدوں سے باہر قدم نہیں نکالا جنھوں نے دوسروں کے مال واسباب پر کبھی لالچ کی نگاہ نہیں ڈالی جن کا تصور صرف یہ تھا کہ ان کی زمینیں زرخیز تھیں اور انھوں نے اپنے ہاتھوں کی محنت سے دولت جمع کی تھی ان چیزوں کے ساتھ دوسروں کا لالچ اس قدر بڑھا کہ وہ انھیں لوٹنے کے لئے آئے وہ لوٹے جانے پر ہی قانع رہے اور وحشی کہلائے اور جواب میں وہ اس دنیا میں ایشور کی روشنی کو پھیلانا چاہتے ہیں دنیا کو انسانی فطرت کے رازوں سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں حقیقی آدمی پر جو پردہ پڑا ہوا ہے اس کو اٹھانا چاہتے ہیں کیونکہ وہ خواب کو سمجھتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس تمام مادیت کے پیچھے حقیقی زندگی ہے وہ انسان کی روحانی کیفیت سے واقف ہیں جس کو کوئی نگاہ خفا نہیں کرسکتی کوئی جرم جس کو ختم نہیں کرسکتا کوئی ہوس جس پر اثر انداز نہیں ہوسکتی جسکو آگ جلا نہیں سکتی پانی تر نہیں کرسکتا گرمی اس کو خشک نہیں کرسکتی ان کے نزدیک انسان کی یہ کیفیت اسی قدر حقیقی ہے جس قدر مغربی دنیا کے احساسات کے نزدیک کوئی ظاہری چیز

کمال یہ ہے کہ جب کوئی آدمی یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ دنیا محض ایک خواب ہے وہ کپڑے اتار پھینکتا ہے جائیداد کو چھوڑ دیتا ہے اور جس چیز کو وہ صحیح سمجھتا ہے اور جس پر اس کو یقین ہوتا ہے اس چیز کا مظاہرہ کرتا ہے کمال یہ ہے کہ جب کسی آدمی کو معلوم ہوجاتا ہے کہ زندگی ابدی ہے تو وہ دریا کے کنارے جا بیٹھتا ہے اور اپنے جسم سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے جیسے وہ کوئی چیز نہیں ہے بالکل اسی طرح جس طرح آپ معمولی تنکے کو توڑ سکتے ہیں ان کے اندر بے پناہ بہادری پوشیدہ ہے کہ وہ موت کا ایک بھائی کی حیثیت سے مقابلہ کرنے کو تیار نہیں کیونکہ وہ یقین کرتے ہیں کہ ان کے لئے کوئی موت نہیں ہے اس میں ان کی طاقت مضمر ہے جس نے انھیں ہزاروں برس کے مظالم اور غیر ملکی حملوں کے باوجود ناقابل فتح بنادیا ہے۔ وہ قوم آج بھی باقی ہے اور اس قوم میں انتہائی تباہی کے دنوں میں بھی روحانی پیشوا پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ایشیا نے روحانیت میں ایسے ہی عظیم انسان پیدا کئے ہیں جس طرح مغرب نے سائنس اور سیاسیات میں پیدا کئے ہیں۔

آپ لوگ جو مغرب کے رہنے والے ہیں اپنے معاملات میں فوجی امور میں سیاسی نظریات کو برقرار رکھنے میں اور دوسری باتوں میں عمل ہیں۔ شاید ایک مشرقی ان باتوں میں چابکدست نہیں ہے لیکن وہ خود اپنے میدان میں ماہر ہے وہ مذہب کے معاملہ میں ماہر ہے جس طرح آپ ملک سے وفاداری کے نام بہادری کا مظاہرہ کرنے میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور اپنے ملک کے لئے جانیں نثار کردیتے ہیں اسی طرح ایشور کے نام پر وہ بہادر ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی فلسفہ کی تعلیم دیتا ہے دوسرے ہی روز اس فلسفہ پر اپنی زندگیوں میں عمل کرنے کے لئے سینکڑوں لوگ تیار ہوجاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ایک پاؤں پر

کھڑے ہونے سے نجات حاصل ہوگی تو پانچ سو آدمی فوراً ہی ایک ٹانگ پر کھڑا ہونا شروع کر دیں گے۔ آپ اس کو مہمل بات کہہ سکتے ہیں لیکن اس کو یاد رکھئے اس کے پیچھے ان کا فلسفہ ہے۔ انتہائی عملی فلسفہ۔

مغرب میں نجات اور مکتی کا مطلب محض ذہنی ورزش ہے، ایسے منصوبے جن کا کبھی کوئی حل نہیں نکلتا جن پر عملی زندگی میں کبھی عمل نہیں ہوتا۔ مغرب میں جو شخص چرب زبانی سے کام کرتا ہے وہ سب سے بڑا پرچارک ہوتا ہے مغربی دنیا کو ابھی اس بات کے سمجھنے کے لئے مدت چاہئے کہ اعلیٰ ترین روحانیت کیا ہے۔ انکے نزدیک ہر چیز پونڈ، شلنگ اور پینس ہے۔ اگر کوئی مذہب انھیں دولت یا صحت یا خوبصورتی دیتا ہے یا عمر کو طویل کرتا ہے تو وہ سب اس مذہب میں شامل ہو جائیں گے ورنہ نہیں۔ جس طرح عملی زندگیوں میں آسائشوں کے حصول کا مغربی نظریہ ہے اسی طرح روحانیت کی اعلیٰ ترین شکل کو برقرار رکھنے کا ہمارا نظریہ ہے وہ مذہب کا مظاہرہ خالی خولی باتوں سے نہیں کرتے بلکہ اس زندگی میں اسکے ہر پہلو پر عمل کرتے ہیں۔

نشوونما کے لئے آزادی شرط اول ہے۔ آپ کے بزرگوں نے روح کو ہر قسم کی آزادی دی جس کے نتیجے میں مذہب کو فروغ ہوا۔ انھوں نے اپنے جسموں کو ہر قسم کے بندھنوں میں جکڑا تاکہ سوسائٹی فوقیت حاصل نہ کر سکے۔ اس کے برعکس مغرب میں سوسائٹی کو ہر آزادی دی گئی لیکن مذہب کو نہیں۔ مغرب چاہتا ہے کہ روحانیت کا ہر ایک جزو سماجی ترقی کے ذریعہ ہے جب کہ مشرق چاہتا ہے کہ جتنی سماجی ترقی حاصل ہو وہ روحانیت کے ذریعہ حاصل ہو۔

صرف روحانی علم ہی ہے جو محنت کے لئے ہماری تکلیفوں کو ختم کر سکتا ہے۔ دوسرے علم صرف کچھ عرصہ کے لئے ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ صرف روحانیت کے علم ہی کی وجہ سے خواہشات کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جسمانی طاقت اور ذہنی صلاحیتوں کا مظاہرہ شاندار اور عظیم ہوتا ہے جن کا انحصار سائنس کے اطلاق کے ساتھ مشینوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے لیکن ان میں سے دنیا پر کسی کا اس قدر اثر نہیں پڑتا جس قدر روحانیت دنیا پر اپنا اثر قائم کرتی ہے

مشینیں بنی نوع انسان کو کبھی مسرت نہیں بخش سکتی نہ ان سے بنی نوع انسان کو کوئی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ وہ شخص جو ہمیں اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہے یہ دعویٰ کرے گا کہ خوشی مشینوں سے نہیں ہے بلکہ یہ ہمیشہ دماغوں میں ہوتی ہے۔ صرف وہی شخص مسرت حاصل کر سکتا ہے جو اپنے دماغ پر قابو رکھتا ہو اور دوسرا کوئی نہیں۔ اور آخرکار مشینوں کی طاقت ہی کیا ہے؟ اس آدمی کو عظیم آدمی کیوں کہا جائے۔ جو بجلی کے کرنٹ کو تار میں بھیجتا ہے؟ کیا قدرت ایک لمحہ کے اندر اس سے لاکھوں گنا نہیں بھیجتی؟ قدرت کے سامنے ہی پوجا کیلئے کیوں نہ جھکا جائے؟ کیا فائدہ ہے اگر آپ اس تمام دنیا پر غلبہ حاصل کرلیں اور کائنات کے ہر ذرہ کے آقا بن جائیں؟

صفحہ 83 — ہندوستان اور اس کے مسائل

یہ بات آپ کو خوشی نہیں بخش سکتی جب تک کہ آپ اپنے اندر خوشی کی طاقت کو پیدا نہ کریں جب تک آپ خود اپنے کو فتح نہ کریں۔

یہ درست ہے کہ آدمی کا جنم پراکرتی کو فتح کرنے کے لئے ہوا ہے لیکن اہل مغرب کے نزدیک قدرت سے مراد ظاہری شکل سے ہے۔ یہ درست ہے کہ ظاہری قدرت پہاڑوں سمندروں دریاؤں اور اپنی نامحدود طاقتوں اور مختلف اقسام کی وجہ سے نہایت شاندار ہے تاہم آدمی کی باطنی قدرت اس سے بھی زیادہ شاندار ہے چاند سورج اور ستاروں سے اعلیٰ ترین ہے۔ ہماری اس زمین سے اعلیٰ تر ہے طبیعاتی کائنات سے اعلیٰ تر ہے جس کی وجہ سے ہماری ان زندگیوں کو فوقیت حاصل ہے (اور یہ مطالعہ کا دوسرا میدان مہیا کرتی ہے اس میدان میں مشرقی لوگوں کو اس قدر سبقت حاصل ہے جس قدر دوسرے میدانوں میں مغربی لوگوں کو۔

مشرق کے لئے روحانیت کی دنیا اسی قدر حقیقی ہے جس قدر مغرب کے نزدیک احساسات کی دنیا۔ روحانیت میں مشرقی آدمی کو ہر وہ چیز ملتی ہے جس کو وہ چاہتا ہے یا جس کی وہ توقع رکھتا ہے اس میں اس کو وہ تمام چیزیں ملتی ہیں جن سے زندگی کی تکمیل ہوئی ہے۔ مغربی آدمی کے نزدیک وہ محض ایک خواب لینے والا ہے مشرق کے مغربی شخص خوابیدہ ہے۔ جو حیات کے یک روزہ کھلونوں سے کھیل رہا ہے اور وہ اس بات کو سوچ کر ہنستا ہے کہ ترقی یافتہ مرد اور عورتیں بڑے بوڑھے مرد اور عورتیں اس مٹھی بھر پراکرتی کے لئے کس قدر ہلکان ہو رہا ہے، جسے جلد یا بدیر خیر باد کہنا ہوگا۔ ہر شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ تم محض خواب دیکھ رہے ہو۔ لیکن انسانی نسل کی ترقی مشرقی نظریہ حیات اس قدر ضروری ہے جس قدر مغربی ہے۔ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔

اس لئے قدرتی امر ہے کہ کبھی روحانی ہم آہنگی پیدا ہوئی، مشرق کی بدولت ہوئی۔ حق تو یہ ہے کہ اگر اہل مشرق مشینی علم سیکھنا چاہتا ہے تو اسے اہل مغرب کے قدموں میں دو زانو بیٹھ کر سیکھنا چاہئے۔ اگر مغربی آدمی روح ایشور روحانیت کے بارے میں جاننا چاہے اور اس کائنات کے رازوں کا مطلب سمجھنا چاہے تو اس کو جاننے کے لئے مشرق کے قدموں میں بیٹھنا چاہئے۔

ہماری یہ دنیا محنت کی تقسیم کے منصوبے پر قائم ہے۔ یہ کہنا بیکار بات ہے کہ ایک شخص کے اندر ہی سب صلاحیتیں ہو سکتی ہیں۔ پھر بھی ہم کس قدر بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں! بچہ اپنی ناواقفیت کی حالت میں سوچتا ہے کہ اس کا گہوارہ ہی سب کچھ ہے۔ اور کائنات کی لالچی نگاہیں اس پر جمی رہتی ہیں۔ اس طرح وہ قوم جس کے پاس مادی طاقت ہے سمجھتی ہے کہ یہی طاقت سب کچھ ہے۔ یہی ترقی کا مقصد ہے اسی کو حاصل کرنا چاہئے۔ یہی تہذیب ہے اور اگر کوئی ایسی قوم ہے جو اس قسم کی طاقت نہیں رکھتی وہ زندہ رہنے کے لائق نہیں ہے اس کا وجود بیکار ہے! دوسری طرف دوسری قوم سمجھ سکتی ہے کہ محض مادی تہذیب قطعی طور پر بے کار ہے۔ مشرق سے وہ آواز

ابھری جس نے دنیا کو بتایا کہ اگر کوئی شخص کائنات کی ہر شے رکھتا ہے اور اگر اس کے پاس روحانیت نہیں ہے تو اس کا کیا حاصل ہے ؛ یہ مشرق کی قسم ہے۔ دو قسمیں عظیم ہیں دونوں کی اپنی اپنی عظمت ہے ــــ نئی ہم آہنگی کا مطلب ان دونوں کو ایک دوسرے میں خلط ملط کرنا ہے۔

قومی زندگی بیدار اور حوصلہ مند قومی زندگی کے لئے پہلی شرط یہ ہے ۔ دنیا کو اپنی ہندوستانی تصورات نے فتح کیا۔ ہندوستانی تصور، روحانی اور فلسفیانہ تصور کو ایک بار پھر پھیلنا چاہئے اور دنیا کو فتح کرنا چاہئے۔ دنیا میں بڑی بڑی فاتح قومیں ہوئی ہیں۔ ہم بھی عظیم فاتح رہے ہیں۔ ہندوستان کے شریف شہنشاہ، اشوک نے ہماری فتح کی کہانی مذہب اور روحانیت کی فتح کی حیثیت سے بیان کی ہے۔ ایک بار ہندوستان کو پھر دنیا کو فتح کرنا چاہئے۔

وہ ہر روز آپ سے یہ کہیں گے کہ سب سے پہلے ہمیں اپنے گھروں کو دیکھنا سب سے بہتر ہے۔ اور پھر اس کے بعد باہر کا رخ کرنا چاہئے۔ لیکن میں صاف صاف آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کا وہی کام بہترین ہوتا ہے جو آپ دوسروں کے لئے کرتے ہیں۔ آپ نے اگر اپنے لئے کوئی بہترین کام کیا ہے تو وہ وہی کام ہے جو آپ نے دوسروں کی خدمت کے لئے کیا ہے۔ اپنے تصورات کو سمندر پار کے ملکوں میں پھیلانے کے لئے دوسری غیر ملکی زبانوں میں کیا ہے۔

اگر غیر ملکی اپنی فوجوں کے ساتھ ہندوستان آتے ہیں اور یورش کرتے ہیں تو انہیں کرنے دیجئے۔ مادر ہند اٹھو اور اپنی روحانیت کے ذریعہ دنیا کو فتح کرو۔ اس سرزمین پر سب سے پہلے جو اعلان کیا گیا اس کو ذہن میں رکھئے۔ محبت کو نفرت پر فتح حاصل ہوئی ہے۔ نفرت خود نفرت کو کبھی فتح نہیں کر سکتی۔ مادیت اور اس کی تمام کلفتوں کو کبھی مادیت سے فتح نہیں کیا جاسکتا۔ جب فوجیں فوجوں پر فتح پانے کی کوشش کرتی ہیں تو انسانیت ذبح ہو جاتی ہے اور شیطنت ناچ اٹھتی ہے۔ روحانیت کو مغرب کو فتح کرنا ہوگا۔

آہستہ آہستہ وہ محسوس کر رہے ہیں کہ جس چیز کی ایک قوم کی حیثیت سے برقرار رکھنے کی انہیں ضرورت ہے وہ روحانیت انہیں کہاں سے ملے ؛ ایسے آدمی کہاں ہیں جو کہ ہندوستان کے عظیم رشیوں کے پیغامات کو لیکر باہری ملکوں میں جانے کے لئے تیار ہوں ؛ وہ آدمی کہاں ہیں جو ہر شے کی قربانی کرنے پر آمادہ ہوں تاکہ یہ پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچ سکے ؛ سچائی کی اشاعت کے لئے ایسی بہادر روحوں کی ضرورت ہے ایسے بہادر کارکنوں کی ضرورت ہے جو باہری ملکوں میں جائیں اور ویدانت کی عظیم سچائیوں کی نشر و اشاعت کریں

دنیا کو اس روحانیت کی ضرورت ہے اس کے بغیر دنیا تباہ ہو جائے گی۔ تمام مغربی دنیا ایک کوہ آتش

فشاں کے دہانے پر کھڑی ہے جو کسی وقت پھوٹ سکتا ہے اور مغربی دنیا پارہ پارہ ہو سکتی ہے انھوں نے دنیا کے ہر حصہ میں سچائی کو تلاش کیا ہے۔ لیکن انہیں تسکین نہیں ملی ہے۔ انھوں نے مسرت کے جام کو پیا ہے۔ اور اس کی بے حقیقتی کو محسوس کر لیا ہے۔ اب کام کا وقت ہے کہ ہندوستان کے روحانی تصورات مغرب میں جڑ پکڑ سکیں۔

اس لئے ہمیں ضرور باہر جانا چاہئے۔ اور ہر اس چیز سے اپنی روحانیت کا تبادلہ کر لینا چاہئے جو وہ ہمیں دیں۔ ہم ہمیشہ طالب علم نہیں بنے رہیں گے استاد بھی بنیں گے۔ مساوات کے بغیر دوستی نہیں ہو سکتی اور ایسی صورت میں مساوات قائم نہیں ہو سکتی۔ جب ایک فریق مستقل طور پر استاد بنا رہے اور دوسرا سیکھنے کیلئے اسکے قدموں میں بیٹھا رہے آپکو سکھانا بھی ہے اور سیکھنا بھی ہے اور آپکے پاس دنیا کو آئندہ آنیوالی صدیوں تک سکھانے کے لئے بہت موجود ہے۔

ساتھ ہی آپ کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ روحانیت کے تصور کے ذریعہ دنیا کو فتح کرنے سے میری مراد جاں بخش تصورات کی اشاعت ہے۔ سینکڑوں قسم کے توہم پرستی کے نظریات سے نہیں ہے جو ہمارے اندر صدیوں سے پرورش پا رہے ہیں۔ اس ملک تک میں ان کو ختم کیا جانا چاہئے۔ اور ایک طرف اٹھا کر پھینک دینا چاہئے تاکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں۔

مغربی دنیا میں ویدانت مت کے کمل رازوں کے پرچاران طاقت ور قوموں کی ہمدردی اور احترام حاصل کر سکیں گے اور روحانیت میں ہماری حیثیت سدا ان کے استادوں کی رہے گی۔ اور مادیت سے متعلق معاملات میں وہ ہمارے استاد رہیں گے۔ جب روز ہم نے روحانیت کو ان کے سامنے جھکا دیا اور ہمارے ملک کے لوگ مذہب حاصل کرنے کے لئے مغربی لوگوں کے قدموں میں بیٹھے۔ اسی روز فی الواقع اس تنزلی پذیر قوم کی قومیت مر جائے گی ختم ہو جائے گی۔

ان کے سامنے دن رات "مجھے یہ دو مجھے وہ دو" چلانے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ جب اس لین دین کے ذریعہ دونوں قوموں کے درمیان ہمدردی کا رشتہ استوار ہو جائیگا۔ پھر اس کے بعد اس قسم کا شوروغل کرنیکی ضرورت باقی نہیں رہیگی وہ خود بخود اپنے طور پر کام کریں گے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ مذہب کی اس کاشت اور ویدانت کی اس وسیع اشاعت سے اس قوم کو اور مغرب کو دونوں کو یکساں طور پر فائدہ حاصل ہو گا۔ میرے نزدیک اسکے مقابلہ میں سیاسیات پر انحصار کرنا ثانوی چیز ہے میں اپنے اس یقین کو عملی طور پر عمل میں لانیکے لئے اپنی زندگی قربان کر دوں گا۔



ذات پات تمدّن اور سوشلزم

CASTE, CULTURE
AND
SOCIALISM

ذات پات، تمدن اور سوشلزم

صفحہ نمبر

تمدّنی پس منظر

ہمالیہ کے اَبدآثار برف زاروں سے نہ جانے کتنے چشمے نکلتے ہیں۔ کتنے آبشار اُبلتے ہیں۔ کتنی ندیاں پھوٹتی ہیں اور کتنے دریا جنم لیتے ہیں۔ اور جس طرح یہ سب مِل کر دیوتاؤں کا مُقدس دریا "گنگا" بن جاتے ہیں جو بڑے پُرشکوہ شان سے سمندر کی جانب بہتا ہے۔ بالکل اسی طرح مختلف دیسوں کے بے شمار ذہین و فہیم دانشوروں کے دماغ اور ان گنت درویش صفت انسانوں کے قلوب سے مختلف عقائد و خیالات کے چشمے پھوٹے۔ اور ان سب نے مِل کر سرزمینِ کرم ہندوستان کو اپنے آنچلوں میں لے لیا۔ جو اعلےٰ انسانی اقدار کا مظہر ہے۔

بالیقین یہ ایک عجائب خانہ ہے مختلف نسلوں کا! نصف بشر اور نصف بندر کا جو ڈھانچہ حال ہی میں سماٹرا میں دریافت ہوا ہے کیا عجب کہ تلاش کرنے پر اس کی کڑی یہاں بھی مِل جائے.... مگر قبل از تاریخ آثار کی ضرورت ہی کیا ہے؟... یہاں تو تاریخ کے روشن دلائل موجود ہیں.... جیسے نیگرو، کولیرین، دراوڑ اور آرین!

وقتاً فوقتاً ان نسلوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ قریب قریب سب ہی جانی پہچانی نسلیں یہاں آئیں، اور بہت سی ایسی نسلیں بھی آئیں جو ابھی تک انجانی اور محتاجِ تعارف ہیں۔ یہ انسانیت کا ایک سمندر ہے جو ان نسلی لہروں سے مِل کر بنا ہے۔ اُبلتی ہوئی، لہراتی ہوئی، لڑتی بھڑتی، متواتر اپنی صورت و ہئیت بدلتی ہوئی لہریں، جو ابھر ابھر کر سطح تک آتی ہیں، پھیلتی ہیں، چھوٹی موجوں پر چھا جاتی ہیں اور پھر سمندر کے دامن میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں.... یہ ہے ہندوستان کی تاریخ!

ان مختلف نسلوں کے اختلاط سے ہماری جدید سوسائٹیوں، ہمارے عادات و اطوار اور ہمارے رسوم و رواج کا ارتقاء شروع ہوا۔ نئے خیالات و عقائد کے چشمے پھوٹے، نئے علوم کی تخم ریزی ہوئی، انسانوں کا ایک طبقہ عقل و ذہن یا جسمانی مشقت کر کے آرام و ضرورت کی چیزیں بناتا، دوسرا طبقہ ان تمام چیزوں کی پیداوار کے بالعوض ان لوگوں کے

تحفظ و دِفاع کی ذمّہ داری لینا۔ پھر ایسا ہُوا۔ کہ کچھ ایسے لوگوں کا گروہ، جو بہت ہی ہوشیار و چالاک تھے، ان چیزوں کو اس وعدہ پر ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے، لیجانے لگا۔ کہ ان کا حق اُجرت و مُعاوضہ دیا جائے گا۔ یہ چالاک لوگ کُل نفع میں سے بہت بڑا حصّہ اپنے حق کے طور پر منہا کر لیتے۔ ایک نے زمین جوتی۔ دوسرے نے اسے ڈاکوؤں اور لٹیروں کی دستبُرد سے محفوظ رکھا۔ تیسرا شخص پیداوار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گیا۔ چوتھے نے اسے خریدا۔ کسان خالی ہاتھ رہ گیا۔ مُحافظ نے پیداوار میں سے اتنا زیادہ حصّہ بجبر و زور لے لیا، جتنا کہ وہ لے سکتا تھا۔ تاجر نے بطور نفع سب سے بڑا حصّہ داب لیا۔ خریدار کو تمام مُنافعے جوڑ کر چیزوں کی قیمت چکانی پڑی۔ اور وہ بھاری بوجھ کے تلے دب کر رہ گیا۔ محافظ بادشاہ بن بیٹھا۔ وہ شخص سوداگر کہلایا۔ جو چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا تھا۔ یہ دونوں پیدا تو کچھ بھی نہ کرتے، اُلٹا روغن روغن ہڑپ کر جاتے، حقیقت یہ ہے کہ وہ مزدور و کسان کی محنت کا پھل کھا کھا کر موٹے ہو گئے۔ وہ غریب لوگ جو ان تمام چیزوں کو پیدا کرتے، اکثر بھوکے رہ جاتے اور خدا سے اپنی مدد کے لئے فریادیں کرتے رہتے!

وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ یہ سب مسئلے بھی پیچیدہ اور عام ہوتے چلے، گرہوں پہ گرہیں پڑتی گئیں۔ اور اس گرہ دار جال کے اندر عصرِ حاضر کی مخلوط سوسائٹی کا ارتقاء شروع ہوا۔ لیکن ماضی کے آثار بدستور باقی رہے۔ اور ان کا قطعی انسداد نہیں ہوا۔

ایشیائی تمدنوں کی ابتدائی داغ بیل گنگا، یانگٹسی، کیانگ اور دجلہ و فرات جیسے بڑے دریاؤں کے سلسلو اور زرخیز میدانوں میں پڑی۔ ان سب تمدنوں کی اساس زراعت تھی، لہٰذا ان کے مزاج میں الیشور بھگتی اور پرستش کے جذبہ کو غلبہ حاصل تھا، اس کے برعکس یورپین تمدنوں کی داغ بیل سمندر کے ساحلوں یا پہاڑی علاقوں میں پڑی تھی۔ یہ تمدن ڈکیتی اور بحری قزاقی سے عبارت تھا۔ لہٰذا اس کے مزاج میں سرکشی اور نفس پرستی تھی یعنی بھگتی اور مذہب[1] ایمان سے انکار!

یورپ کے تمدن کو اس کپڑے سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے جس کی تیاری کا ساز و سامان یہ تھا۔ چرخہ! سمندر کے کنارے ایک وسیع پہاڑی ملک۔ کپاس! ایک طاقتور جنگجو قوم، جو مختلف نسلوں سے مخلوط تھی، تانا! تحفظ ذاتی یا دفاعِ مذہب کے لئے جنگ اور بانا! . . . تجارت! اس تمدن کے وسائل و ذرائع تھے شمشیر و سناں! دست و پا تھے "ہمّت و طاقت" اور مقاصد تھے "حصولِ نشاط و مسرت" یہاں بھی اور یہاں کے بعد بھی!

ایشیائی تمدن کا سوت کاتنے والا چرخہ ایک وسیع، گرم اور ہموار علاقہ تھا، جس میں چوڑے اور کشتی رانی کے قابل دریا بہتے تھے۔ اس کپڑے کی کپاس میں متمدن اور نیم متمدن و وحشی قبائل ملے ہوئے تھے، جن میں زیادہ تر آرین تھے، اس کا تانا تھا ورن آشرم اور بانا تھا مشکلات کی تسخیر اور قدرت سے مقابلہ۔

یہ ورن۔ آشرم چار ذاتوں (براہمن۔ کشتری۔ ویش اور شودر) پر مشتمل، ہندوستان کا قدیم سماجی نظام اور زندگی کے

چار دور یعنی برہمچریہ یا طالب علمی کی زندگی، گھر گرہستی کی زندگی، ترکِ دنیا کی زندگی یعنی بان پرستھ اور تزکیۂ نفس و عبادت کی زندگی یعنی سادھو یا درویش ہو جانا۔

یورپین لوگوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سب کو بلندی کی ایک ہی سطح پر لے جایا جائے۔ تاکہ وہ ان کے ساتھ رہ سکیں۔ لیکن اس کے برعکس آریوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ سب کو ان کی اپنی اپنی سطح پر اونچا اٹھایا جائے۔ خواہ ان میں سے کسی کی سطح خود آریوں کی سطح سے بلند ہی کیوں نہ ہو۔ یورپین تمدن تلوار پر منحصر تھا جب کہ آریوں کا تمدن مختلف طبقوں قدرتی ذاتوں کی تقسیم پر مبنی تھا مختلف طبقوں کی تقسیم تمدن کے ارتقاء کی بنا تھی۔ جو ایک شخص کو اس کی تہذیب اور اس کے علم کے بقدر اونچا اٹھنے کا موقع دیتی تھی۔ یورپ میں فتح، طاقتور کی تھی اور موت کمزور کی۔ مگر ہندوستان میں ہر سماجی ضابطہ کمزور کو تحفظ کی ضمانت دیتا ہے اور لاغر و ضعیف کی امداد کو جزوِ ایمان قرار دیتا ہے۔

برہمن کشتری وغیرہ.... یہ نام ایک طبقہ کی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو از خود تغیر پذیر رہتا ہے اور بام عروج پر پہنچ کر بھی تغیر کا یہ عمل جاری رہتا ہے۔ پھر تمام مزید کوششیں اس سمت میں ہوتی ہیں کہ شادی وغیرہ نہ کرکے یا نیچی ذاتوں اور بیرونی لوگوں کے نئے گروہوں کا داخلہ اپنے طبقہ میں روک کر اس کی ساخت کو مستقل بنایا جائے.. تلوار کی طاقت رکھنے والی کوئی بھی نسل کشتری، علم رکھنے والی برہمن اور دولت رکھنے والی ویش بن جاتی ہے۔ جو گروپ منتہائے مقصود تک پہنچ گئے۔ انہوں نے بے شک خود کو نئے آنے والوں سے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش میں ایک ہی ذات کے اندر ضمنی حد بندیاں بھی کر ڈالیں۔ لیکن انجام کار وہ ان میں ضم ہو گئے۔ پورے ہندوستان میں یہ عمل ہماری آنکھوں کے سامنے جاری ہے۔ "مخلوط نسل" کی اصطلاح کے اعتبار سے ہم "مخلوط النسل" ہیں ہر چند ہماری ذاتیں مختلف ہیں اور ہر چند شادی وغیرہ کے قواعد و ضوابط ہمیں ایک ہی ذات کی ضمنی حد بندیوں کے اندر مقید رکھتے ہیں۔

ذات پات کا نظام ہمیشہ بہت ہی لچکدار ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ لچک اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ بہت ہی نیچی نسلوں اور ذاتوں کو بھی تہذیب و تمدن کی راہ پر صحت مند ارتقاء کے مواقع میسر آتے ہیں۔ ذات پات کے نظام نے پورے ہندوستان کو کم از کم نظریاتی اعتبار سے زیر نگرانی رکھا ہے۔ دولت و طاقت کی نہ سہی مگر ذہانت و فراست کی رہنمائی کی ہے اور ذہانت و فراست کو روحانیت کے ذریعہ قابو کیا ہے۔ ہندوستان کی سب سے ممتاز ذات "برہمن" ہے۔ جو بلند تر آریوں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ ظاہر بظاہر وہ دیگر اقوام کے سماجی طور و طریق سے مختلف دکھائی دیتی ہے لیکن بہ نظرِ غائر مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات پات کا آریائی نظام ماسوا دو باتوں کے دیگر اقوام میں مروج ذات پات کے نظام سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔

اور پہلی بات یہ ہے کہ دیگر ممالک میں اعلے اعزاز صاحبِ شمشیر کو دیا جاتا ہے یعنی کشتری کو جب کہ ہندوستان میں اعلے ترین اعزاز عابد و سالک، عالم و فاضل کو اور داعی امن، من کی شانتی، تسکینِ قلب کو دیا جاتا ہے یعنی برہمن کو!

دوسری بات ہے یونٹ یا اکائی کا فرق۔ دیگر ممالک میں ذات پات کا نظام اور اس کا قانون ہر مرد و زن کو قطعی اور خود کفیل "اکائی" کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔ اپنی پیدائشی حیثیت (ورن) ترک کر دینے کے لئے اور اپنی سطح سے بلندی کی جانب قدم بڑھانے کے لئے ایک شخص کی دولت، طاقت، ذہانت و فراست یا خوبصورتی اور حسن کافی سمجھا جاتا ہے لیکن ہندوستان میں "کاسٹ کمیونٹی" یا ہم ذات برادری کے تمام ممبروں کو بہ حیثیت مجموعی یونٹ یا اکائی مانا جاتا ہے۔ یہاں بھی ہر شخص کو نیچے سے اونچا اٹھنے کا موقع بہر صورت ملتا ہے۔ اور وہ اونچے سے اونچا اٹھ سکتا ہے لیکن متنوع اور متغیر وطن میں ایک شخص کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے ساتھ پوری برادری کو اونچا اٹھا کر لے چلے۔ اگر کوئی شخص اپنی ذات سے اونچی ذات کی جانب جانا چاہتا ہے۔ تو ہندوستان میں اسے سب سے پہلے اپنی پوری برادری کو اونچا اٹھانا ہوگا اور اس کے بعد پھر کوئی چیز نہ ہوگی جو اسے آگے بڑھنے سے روکے اور پیچھے پلٹائے!

ہندوستان کے سماجی نظام کی بنیاد کیا ہے؟ یہ کہ . . . "میں پیدا ہوا ہوں اپنی ذات کے لئے۔ میں زندہ رہوں گا اپنی جاتی کے لئے" یہ ہے جاتیوں پر مشتمل نظام کا قانون! یعنی ایک جاتی میں پیدا ہو کر اس کے رسوم و رواج اور قواعد و ضوابط کے مطابق پوری زندگی بسر کرنا . . . بہ الفاظ دیگر عصر حاضر کی زبان میں . . . مغرب میں ایک شخص اپنی انفرادی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ ہندو کی پیدائش اس کی سماجی حیثیت میں ہوتی ہے قطعی سماجی حیثیت میں!

اس بنا پر میرا یا میری بہن کا اپنی شادی کے مسئلہ میں کوئی دخل نہیں ہوتا . . . . شادی کا فیصلہ برادری کرتی ہے! بالعموم ہمارے ہاں شادی کمسنی میں کر دی جاتی ہے . . . . کیوں؟ اس لئے کہ برادری کا یہ کہنا ہوتا ہے کہ اگر ہر حالت میں ہماری شادی ہماری رائے یا ہماری مرضی کے بنا ہی ہونا ہے تو پھر بہتر یہ ہے کہ ہماری شادی اوائل عمر ہی میں کر دی جائے۔ آپ کہہ سکتے ہیں "افسوس! ان کی مسرت کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ وہ لذت انہیں میسر نہیں آئی۔ جو ایک مرد کو ایک عورت کی چاہت یا ایک عورت کو ایک مرد کی محبت میں مبتلا ہو کر حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک ہندو کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان کی پیدائش سماجی حیثیت میں ہوتی ہے اور وہ ایک مرد یا ایک عورت کی جذباتی مسرت کے لئے وہ ہزاروں دوسروں پر مشکلات کا بوجھ نہیں لادنا چاہتے۔ (...)

ایک قوم کی حیثیت میں ہمارے تحفظ و دفاع کے لئے ہماری جاتیاں اور برادریاں بہت ضروری رہی ہیں۔ جب ذاتی تحفظ و دفاع کی ضرورت نہ رہے گی۔ تو یہ اپنی طبعی موت آپ مر جائیں گی۔ لیکن اپنی بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ میں نے محسوس کیا ہے کہ میں جاتیوں پر مشتمل ہندوستانی نظام کے بارہ میں، جس کا زمانہ نے بڑا ہی احترام کیا ہے اب زیادہ بہتر طریقہ پر غور کر سکتا ہوں۔ ایک وقت تھا جب میں سوچا تھا کہ ان جاتیوں میں سے بہت سی جاتیاں فضول اور بیکار ہیں لیکن جیسے جیسے میری عمر پختہ ہوتی گئی ویسے ویسے میں ان میں سے کسی ایک کی بھی برائی کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھنے لگا۔ اس لئے کہ ان جاتیوں میں سے ہر ایک صدیوں کے تجربات کا ایک ثمر ہے!

کی کا ایک بچہ جس کو پرسوں مر جانا ہے۔ اگر میرے پاس آئے اور یہ بات کہے کہ میں اپنی تمام روایات و عقائد اور تمام رسوم و رواج بدل ڈالوں۔ اور میں اس بچّہ کے مشورے سے اپنے گرد و پیش اور اپنے خیالات میں تبدیلی کر ڈالوں۔ تو یہ میری حماقت ہے کسی دوسرے کا کیا قصور! اکثر مشورے اور صلاحیں جو دوسرے ممالک سے ہمیں ملتی رہتی ہیں وہ اس مثال کے مصداق ہیں۔ ان عقل کے پتلوں سے کہہ دیجئے . . . "میں آپکا مشورہ مانوں گا مگر اس وقت جب آپ اپنی ہی سوسائٹی کو پہلے غیر متزلزل اور پائدار بنا لیں گے! آپ ایک خیال پر دو دن تو قائم نہیں رہتے۔ آپ لڑتے جھگڑتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں۔ موسم بہار میں پیدا ہونے والے پتنگوں کی طرح آپ پیدا ہوتے ہیں اور انہی کی طرح پانچ منٹ میں مر جاتے ہیں۔ حباب کی طرح ابھرتے ہیں اور حباب ہی کی طرح ٹوٹ جاتے ہیں۔ پہلے ہماری سوسائٹی کی طرح ایک پائدار اور غیر متزلزل سوسائٹی بنائیے پہلے وہ قوانین وضع کیجئے۔ وہ اصول اور رواج بنائیے۔ جن کا اثر صدیاں بیت جانے پر بھی زائل نہیں ہوتا۔ تب وہ وقت آئے گا جب میں اس عنوان پہ آپ سے گفتگو کروں گا۔ اس سے پہلے تو میرے دوست! آپ ایک اونگھتا ہوا بچہ ہیں اور بس!

آپ کا فرمانا ہے ذات پات نہ ہونی چاہیئے" وہ لوگ بھی جو کسی جاتی سے وابستگی رکھتے ہیں۔ یہی بات کہتے ہیں کہ یہ بہت مکمل نظام نہیں ہے لیکن ساتھ ہی ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ جب آپ ہمارے لئے کوئی دوسرا اور اس سے بہتر ضابطۂ حیات ڈھونڈ لائیں گے تو ہم اس نظام کو چھوڑ دیں گے" وہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس نظام کے بالمقابل آپ انہیں دیں گے کیا؟ کس جگہ ذات پات نہیں ہے۔ امریکی قوم ایک "جاتی" کی تشکیل کے لئے ہمہ وقت جد و جہد کر رہی ہے۔ جیسے ہی ایک شخص کو ڈالروں سے بھری ہوئی تھیلی ملتی ہے۔ وہ کیا کہتا ہے؟ یہی نا، کہ "میں بھی پانچ سواروں میں سے ہوں۔" ہم ہندوستان میں، اور بس ہم ہی جاتیوں پر مشتمل ایک نظام کی تشکیل کے مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں میں مانتا ہوں۔ کہ ہم میں برائیاں اور توہم پرستیاں کافی ہیں۔ لیکن آپ کے مغربی ممالک سے اور برائیاں اور توہم پرستیاں لے لی جائیں، تو کیا معاملات سدھر جائیں گے؟ یہ جاتیوں پر مشتمل نظام ہی ہے جس کی بدولت تیس کروڑ انسانوں کو اب بھی کھانے کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا میسر آ جاتا ہے۔ شبہ نہیں ہے کہ یہ نظام خام ہے، نامکمل ہے۔ مگر یہ نہ ہوتا۔ تو آپ کو مطالعہ کے لئے سنسکرت کی تصانیف تک میسر نہ آتیں۔ ذات پات نے دیواریں بنائیں، ہر قسم کے حملوں کی لہریں ان دیواروں سے ٹکرائیں مگر وہ انہیں توڑ نہ سکیں۔ یہ ضرورت چونکہ اب تک ماند (1896) ختم نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا ذات پات کا نظام بدستور باقی ہے۔

حل یہ نہیں ہے کہ جو بلندی پر ہیں انہیں نیچے لایا جائے حل یہ ہے کہ جو نیچے ہیں انہیں اونچا اٹھایا جائے اور یہی وہ درس ہے جو ہماری تمام تصانیف میں دیا گیا ہے۔ اس سب کے باوجود جو آپ نے ان لوگوں سے سن رکھا ہے جو قدیم ملفوظات کی بہت ہی کم واقفیت رکھتے ہیں۔ اور جن میں ماضی کے پرعظمت منصوبہ کو سمجھنے کی اہلیت صفر کے برابر ہے واقعہ یہ ہے کہ ہماری تمام تصانیف میں جو حل بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "پست کو بلند کیا جائے نہ کہ بلند کو پست کیا جائے۔" منصوبہ کیا ہے؟ یہ کہ

ایک سرا براہمن ہے اور دوسرا سرا چنڈال ہے۔ اور سارا کام یہ ہے کہ چنڈال کو اونچا اُٹھا کر اس سطح پر لایا جائے جو براہمن کی سطح ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ انہیں بتدریج زیادہ سے زیادہ مراعات دی گئیں۔ بے شک ایسی بھی کتابیں ہیں جن میں آپ یہ شعلہ فشاں الفاظ پڑھتے ہیں "اگر شودر وید سن لے تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ بھر دو۔ اور اگر وہ وید کی ایک سطر ازبر کر لے تو اس کی زبان کاٹ دو . . . "۔ لیکن بعدۂ اس درشت لہجہ میں نرمی آئی۔ اور بات کہنے کا انداز یہ ہو گیا۔ کہ "شودروں میں ابتری نہ ڈالو۔ مگر انہیں اعلیٰ تعلیم بھی نہ دو"۔ پھر بتدریج اور تبدیلی آئی۔ اور ہمیں دوسری سمرتیوں میں خصوصیت سے ان میں جن کی تعلیم و ہدائیت پر اب عمل ہو رہا ہے۔ یہ تعلیم ملنے لگی "اگر شودر براہمنوں کے طور طریق اور رسوم و رواج کی نقل اتارتے ہیں تو وہ اچھا کرتے ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی کرو"۔

پس یہ تعلیم جاری ہے. . . . حقائق پر نظر ڈالنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تمام جاتیاں بتدریج بلندی کی طرف قدم بڑھا رہی ہیں، بہرحال ہزاروں جاتیاں ہیں۔ اور بعض حدود "برہمنیت" میں داخلہ پا رہی ہیں۔ لہٰذا کسی جاتی کو یہ اعلان کرنے سے کیا چیز باز رکھتی ہے کہ "وہ براہمن" ہیں۔ پس ذات پات کا نظام اپنی تمام لرزہ خیزیوں کے ساتھ اس طریقہ پر معرض وجود میں آیا ہے۔ فرض کر لیجئے کہ یہاں جاتیاں ہیں۔ اور ہر جاتی دس دس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اگر یہ سب سر جوڑ کر بیٹھیں اور خود کو براہمن کہنے لگیں۔ تو انہیں ایسا کہنے سے کونسی چیز روک سکتی ہے، یہ بات تو خود میں نے اپنی ہی زندگی میں دیکھی ہے۔ بعض جاتیاں طاقتور ہو جاتی ہیں اور جیسے ہی وہ سب کسی بات پر متفق ہو جاتے ہیں۔ تو پھر کون ہے جو اس بات کی نفی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہر جاتی اپنا وجود بالکل الگ رکھتی ہے، وہ دوسری جاتی کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتی۔ یہاں تک کہ ایک ہی جاتی کے اندر مختلف فرقہ بندیاں بھی ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتیں، شنکر آچاریہ وغیرہ، جو عہد آفرین شخصیتیں ہیں اپنے زمانہ میں ذات پات کے نظام کی عظیم معمار تھیں۔

میں جاتیوں پر مشتمل نظام کے بارے میں کوئی صفائی پیش نہیں کر رہا ہوں، یہ بہت اچھی چیز ہے، یہ ایک نظام ہے جس کی ہم پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ نظام حقیقت میں ہے کیا؟ یہ بات کروڑوں میں ایک بھی نہیں سمجھتا!

دنیا میں کوئی ملک نہیں ہے، جس میں ذات پات نہ ہو، ہندوستان میں جاتیوں سے ابتداء کر کے ہم اس مرکز و مقام پر پہنچتے ہیں جہاں کوئی جاتی نہیں ہوتی، ذات پات کا نظام از ابتدا تا انتہا اسی اصول پر مبنی ہے، ہندوستان کا مطمح نظر ہے ہر شخص کو براہمن بنانا، اور براہمن کا مطلب ہے "مکمل انسان"، بشریت کی اعلیٰ تمثیل! انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ! تاریخ ہند کا مطالعہ کیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ یہاں نچلے طبقات کو اونچا اُٹھانے کی کوششیں برابر ہوتی رہی ہیں بہت سے طبقات ہیں جو اونچے اُٹھ چکے ہیں، بہت سے اونچے اُٹھیں گے یہاں تک کہ سب براہمن بن جائیں مطمح نظر یہ ہے کہ "ہم ان کو اونچا اُٹھاتے ہیں بغیر اس کے کہ کسی کو نیچے لایا جائے ـــ"

ہمارے آباؤ اجداد کی نظر میں "براہمن" کا مطلب ہے "مکمل انسان"۔ مکمل انسان کا ایک اعلیٰ نمونہ! . . . . .

یورپ میں! یہاں لارڈ کارڈینل ہیں جو اپنے آبا و اجداد کی نجابت و شرافت کا ثبوت پیش کرنے کے لئے سخت مشقت کر رہے ہیں، ہزاروں پونڈ صرف کر رہے ہیں۔ وہ اس وقت تک مطمئن نہ ہوں گے جب تک کہ ان کی جدیت کا سلسلہ اس ظالم و ستمگر سے جاکر نہ مل جائے جو پہاڑوں پر زندگی بسر کرتا تھا، اِدھر سے گزرنے والوں کی ٹوہ میں بیٹھا تھا کہ کب موقع ملے اور کب وہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور انہیں لوٹ لے، . . . ہندوستان میں ایک ذات کی نجابت و بلندی اس بات پر منحصر ہے کہ سلسلۂ نسب کسی رشی پر منتہی ہو، کسی دوسرے پر نہیں! "براہمن" سے ہماری مراد ہے روحانیت، تہذیب اور تزکیۂ نفس! "مثالی براہمن" سے میرا مفہوم کیا ہے؟ میرا مفہوم ہے ۔۔ ایک ایسا شخص جس میں طلبِ دنیا قطعی طور پر مفقود ہو، اور اس کی جگہ عقلِ سلیم بہ افراط موجود ہو، ۔۔ یہ ہے ہندو قوم کا نظریۂ حیات۔

براہمن جاتی اور براہمنی اوصاف ۔۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں، ہندوستان میں ایک شخص کو اس کی ذات کی بنا پر براہمن کہا جاتا ہے۔ مگر مغرب میں ایک شخص کی "برہمنیت" اس کے اوصاف کی بنا پر پہچانی جاتی ہے۔ آدمی کے تین گُن ہیں: بندگی، راجگی اور غلامی۔ یہ تین گُن ہی ظاہر کرتے ہیں کہ کون براہمن ہے کون کشتری ہے کون ویش اور شودر ہے۔ وہ گُن جو ایک شخص کو کشتری بناتے ہیں ہمارے ملک میں فنا ہو رہے ہیں مگر مغرب میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد محض ایک قدم آگے برہمنیت ہے اور بہت سے لوگ ہیں جو برہمنیت کے مستحق بھی ہیں۔

زہد و تقویٰ یا بندگی کی صفت ایک شخص کو غیر فعال بنا دیتی ہے۔ وہ گہرے گیان دھیان یا مراقبہ کی حالت میں آرام پاتا ہے۔ راجگی کی صفت ہو تو آدمی دونوں طرح کے اعمال کر سکتا ہے، نیک بھی اور بد بھی۔ غلامی یا تابعداری کی صفت بھی ایک آدمی کو غیر فعال اور سست و کاہل بناتی ہے۔ زہد و تقویٰ یا بندگی کی صفت ہر چند ایک شخص کو غیر فعال بناتی ہے مگر حصولِ مدعا کے لئے اس کے دل میں طمانیت ہوتی ہے۔ یہ غیر فعالیت اس بات کا نتیجہ ہوتی ہے کہ اس میں بڑی طاقتیں اکٹھا ہو گئی ہیں۔ اس کی طمانیت بے پناہ طاقت کو جنم دینے والی ماں ہوتی ہے۔ ہر شخص جس کے مزاج میں عبادت و ریاضت کا غلبہ ہوتا ہے، براہمن ہوتا ہے اور سب ہی لوگ اس سے عقیدت رکھتے ہیں۔ کیا وہ در در جاتا ہے اور اپنی عقیدت کی بھیک مانگتا ہے؟ غور کیجیے ان چیزوں کے بارہ میں جو آپ ان نکمّے اور بزدل لوگوں میں دیکھتے ہیں، جو بولتے ہوئے ناک میں منمناتے ہیں، الفاظ کو چباتے ہیں، ان کی آواز اتنی دھیمی ہوتی ہے جیسے وہ سات دن کے فاقے سے ہیں؛ وہ اس پتھر کی مانند ہیں جو اپنی جگہ پر پڑا رہتا ہے۔ اور کسی کے ٹھکرانے پر بھی اپنی جگہ سے ہلتا نہیں، یہ پست ترین "تامسی" کی نشانیاں ہیں، "ستو" کی نہیں، کیچڑ ہی کیچڑ، "لوہی لو"، . . . گزشتہ ہزار برسوں میں پورا ملک ایشور کے نام سے زمین و آسمان کی فضاؤں کو معمور کر رہا ہے، اس کی عبادت کر رہا ہے مگر ایشور ہے کہ ان کی دعا اور عبادت کی طرف دھیان ہی نہیں دیتا۔ اور وہ دھیان دے بھی تو کیوں؟ ایک عام آدمی تک جب کسی بے وقوف کی فریاد نہیں سنتا۔ تو کیا آپ کے خیال میں پرماتما سنے گا؟ . . .

ذات پات، تمدن اور سوشلزم صفحہ 9

ذرا ملاحظہ تو فرمایئے یہ تضاد! یوروپین باشندوں کے ہادی و رہبر یسوع مسیح نے بھی تعلیم دی ہے ..... "کوئی دشمن نہ بناؤ۔ اس کے ساتھ بھی بھلائی کرو جو تمہارے ساتھ برائی کرے"..... "سب کام روک دو اور عقبیٰ کے لئے تیاری کرو"..... اور گیتا میں ہمارے بھگوان شری کرشن نے جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے "سدا جوش و خروش کے ساتھ کام کرو، اپنے دشمنوں کو برباد کر ڈالو۔ اور دنیا کا لطف اٹھاؤ"۔ ایسا لگتا ہے کہ یسوع مسیح اور بھگوان کرشن کی تعلیمات کا تبادلہ ہو کر رہ گیا ہے۔ کون ہے جو گیتا کی تعلیم پر عمل کر رہا ہے؟ ــــ "وہ یوروپین ہیں! اور کون ہے جو یسوع مسیح کی ہدایت کے مطابق عمل کر رہا ہے؟ وہ بھگوان کرشن کے ماننے والے ہیں!

اب آپ سمجھے آیا مغرب میں برہمن ہیں کہ نہیں! یہاں (ہندوستان) میں بھی براہمن موجود ہیں۔ مگر وہ اپنے مظالم کے ذریعہ ملک کو بربادی کی طرف نیچے لا رہے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ جو کچھ ان کے اوصاف ہیں وہ بتدریج فنا ہو رہے ہیں!

میرے سب معتقد "براہمن" ہیں۔ مگر براہمن کا بیٹا ہمیشہ ہی براہمن ہو یہ ضروری نہیں ہے۔ اگرچہ سارے امکانات اس کے ہوتے ہیں کہ ایک براہمن کا بیٹا براہمن ہی ہو۔ لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نہ ہو۔ کیا آپ نے نہیں سنا۔ کہ باغ بازار اگھور چکرورتی کا بھتیجا ایک بھنگی بن گیا۔ اور اس نے جو جاتی اختیار کی اس کے سب کام بھی کئے۔ کیا وہ براہمن کا بیٹا نہیں تھا۔

ستو، راجسی، تامسی، ان میں سے کم و بیش کوئی نہ کوئی گن ہر شخص میں ہوتا ہے پس وہ تمام اوصاف جو ایک شخص کو براہمن، کشتری، ویش یا شودر بناتے ہیں، کم و بیش ہر شخص کو ورثتاً ملتے ہیں، مگر بسا اوقات ان میں سے ایک یا دوسری صفت اس کے مزاج کا غالب عنصر بن جاتی ہے۔ اور وہ اسی صفت کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے مختلف لوگوں کو لیجئے مثلاً جب ایک شخص تنخواہ کے لئے دوسرے کی خدمت و اطاعت کرے تو وہ شودر ہے، جب وہ اپنے نفع کی خاطر کسی چیز کی تجارت کرے تو وہ ویش ہے، جب وہ باطل کے خلاف حق کے لئے لڑے تو وہ کشتری ہے اور جب وہ پرماتما میں دھیان دے یا بھگوان کا ذکر کرنے میں وقت گزارے تو وہ براہمن ہے۔ قدرتاً یہ قطعی طور پر ممکن ہے کہ کوئی اپنے اعمال سے اپنی جاتی بدل کر دوسری جاتی میں چلا جائے۔ ورنہ وشوامتر کس طرح براہمن بن گئے اور پرشورام کشتری؟

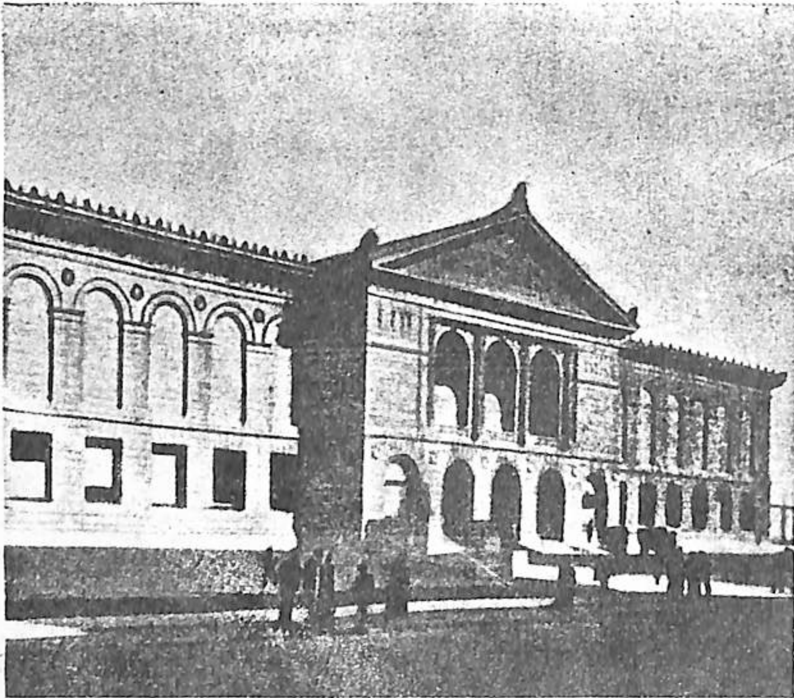
مہابھارت کے بھیشم پرو "نیز اجگرا وما اور مہیشور کی کہانیاں در لوں میں ہمیں جاتیوں پر مشتمل نظام کے متعلق یہ صاف اور واضح ثبوت ملتے ہیں کہ یہ نظام گنوں کی بنیاد پر مبنی تھا۔

ہر فرد کسی طاقت کے ظہور کا ایک مرکز ہوتا ہے۔ یہ طاقت اس کے سابقہ اعمال کے نتیجہ کے طور پر اس میں جمع ہوتی ہے اور ہم میں سے ہر شخص اس طاقت کو اپنی پشت پر لے کر پیدا ہوتا ہے۔

یہ عظیم صداقت ہے جسے کاشف گیتا بھگوان شری کرشن نے گیتا میں سمجھانے اور واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور یہی وہ عظیم صداقت ہے جس کی بنیاد پر ہندو مذہب کے عقائد "سودھرم" وغیرہ اور ورن آشرم کا نظام مبنی ہے۔

پس یہ صرف ویدک دھرم ہی ہے جس نے مذہب، دولت، مسرت اور مکتی پر مبنی انسان کی ہمہ طرفہ ترقی کے وسائل و ذرائع کے بارہ میں غور کیا ہے اور اس کے لئے قواعد و ضوابط بنائے ہیں۔ سیدھا اور سچا راستہ وہی ہے جو ویدوں کا ہے ـــ جاتی دھرم ـــ یعنی وہ دھرم جو مختلف جاتیوں کے مطابق مربوط ہے ـــ سودھرم یعنی آدمی کا اپنا دھرم یا وہ فرائض جو ایک شخص کی اہلیت و صلاحیت اور اس کی پوزیشن کو ملحوظ رکھ کر مقرر کئے جائیں، یہی اور صرف یہی چیز ویدک دھرم اور ویدک سوسائٹی کی اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی جاتی دھرم اور یہی سودھرم ہر ملک میں تمام سوسائٹیوں کے لئے فلاح و بہبود کی راہ بھی ہے اور نجات کی سیڑھی بھی ہے! جاتی دھرم اور سودھرم کے زوال کی بنا پر ہمارے ملک کو زوال کا منہ دیکھنا پڑا۔ لیکن جاتی دھرم یا سودھرم کا جو مفہوم آج کل کے علمائے ذاتوں میں سمجھا جاتا ہے، وہ بجائے خود ایک برائی ہے۔ اور اس برائی کو پھیلنے سے روکنا چاہیئے ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ جاتی دھرم کی ہر چیز کو سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے ویدوں نے انہیں تمام مراعات دیتے ہوئے لا ثانی رواج جاری کئے تھے۔ لیکن اب خود انہی کے گاؤں میں جو رواج جاری ہیں، وہ ان کو بربادی کے راستے پر لے جا رہے ہیں میں اس "جاتی سسٹم" کی بات نہیں کر رہا ہوں جو توصیفی امتیازات سے متعین ہوتا ہے بلکہ اس سسٹم کی بات کر رہا ہوں۔ جو ورن اور وراثت پر مبنی ہے، میں مانتا ہوں کہ توصیفی امتیازات سے متعین ہونے والا جاتی سسٹم بنیادی چیز ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ اوصاف دو یا تین نسلوں تک ہی ہضم لیتے ہیں، اس طرح ہماری قومی زندگی کی بنیاد متاثر ہوئی ورنہ کیا بات ہے کہ ہم اس پستی میں مبتلا ہیں۔ گیتا میں لکھا ہے:- "جب میں نسلوں کے اختلاط کی بنا ڈالتا ہوں تو انسانوں کو برباد کرتا ہوں"۔ یہ لرزہ خیز "ورنسنکار" کہاں سے معرض وجود میں آ گیا۔ یعنی یہ تمام جاتیوں کی معجون اور اوصافی قدروں کا فقدان؟ کیا وجہ ہے کہ ہمارے آباو اجداد کا رنگ گورا چٹا تھا۔ اور اب ہم کالے ہو گئے؟ کیا وجہ ہے کہ ستو گن کی جگہ تمو گن نے لے لی اور اس تمو گن میں سے ایسی شعاع نکلنے لگی۔ گویا اس کے بطن میں رجو گن بھی موجود ہے۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اور میں کسی دوسرے موقع پر اس کی وضاحت اور تفصیل پیش کروں گا۔ فی الحال صرف اتنی بات سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ اگر جاتی دھرم کو ٹھیک ڈھنگ اور سچے طریقے سے محفوظ رکھا جائے۔ تو پھر قوم و ملک نیچے کی طرف نہیں گرے گا، اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہمارے زوال کی وجہ کیا ہے؟ ہمارا زوال ہی اس بات کی یقینی علامت ہے کہ جاتی دھرم کی بنیاد ہی میں کہیں ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے۔ لہٰذا جسے آپ جاتی دھرم کہتے ہیں وہ

کچھ اور ہے اور حقیقی جاتی دھرم کچھ اور ہے، پہلے اپنے شاستروں کا مطالعہ کیجئے، لفظ بہ لفظ، سطر بہ سطر اور پھر آپ پہ یہ بات آسانی سے روشن ہو جائے گی۔ کہ جس جاتی دھرم کی تعریف شاستروں میں متعین کی گئی ہے وہ جاتی دھرم ہمارے ملک سے قریب قریب ختم ہو گیا ہے۔ اس جاتی دھرم کو ازسرنو لانے کی کوشش کیجئے اور یہی ہمارے ملک کے عروج کی حقیقی اور پائدار بنیاد ہو گی!



آرٹ انسٹی ٹیوٹ شکاگو
جہاں مذاہب کی پارلیمنٹ منعقد ہوئی

ماضی سے ساز

ہندوستان کے موجودہ باشندے قدیم آریوں کا شرف نہیں ہیں۔ مگر خاکستر میں دبی ہوئی چنگاریوں کی طرح ان میں بھی سلفی آگ کی مخفی حرارت موجود ہے۔ ایشور کی کرپا سے ایک وقت آنے پر یہ مخفی حرارت یقیناً ظاہر ہو کر رہے گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سلفی آگ جب خود کو ظاہر کرے گی۔ تو کیا ہوگا؟

کیا منو کے قوانین مثل ماضی کے بحال ہونے جا رہے ہیں؟ یا موجودہ زمانہ کی طرح کھانے پینے کے امتیازات ہی کو پورے ملک کے طول و عرض پر پوری طاقت سے مسلط ہو جانا ہے، یعنی کیا جائز ہے کیا ناجائز، کیا کھانا چاہیئے کیا نہ کھانا چاہیئے۔ حالانکہ جائز و ناجائز بھی جغرافیائی حالات کے امتیاز سے بدلتا جاتا ہے، کیا ذات پات کے نظام کو باقی رہنا ہے؟ اور کیا اس نظام کا انحصار اس بات پر ہونا ہے کہ ایک شخص کہاں پیدا ہوا ہے؟ یا اس بات پر ہونا ہے کہ اس کے اوصاف کیا ہیں؟ مزید براں اس ذات پات کے نظام میں — کیا کھانے پینے کا پرہیز یعنی جواز و عدم جواز یا اس کی نجاست و پاکیزگی اس بات پر منحصر ہونی ہے کہ جس آدمی نے اسے ہاتھ لگایا ہے وہ چھوت ہے یا اچھوت، جیسا کہ بنگال میں دیکھا جاتا ہے، یا اس کی شکل اور زیادہ سخت ہوگی جیسا کہ مدراس میں ہوتا ہے، یا مثل پنجاب کے اس طرح کی تمام پابندیاں ہٹا دی جائیں گی؟ کیا عہد منو کی طرح مختلف طبقوں کے درمیان شادیاں ہونے کا رواج جاری رہتا ہے یعنی اعلےٰ درجہ کے لوگ ادنےٰ طبقوں میں شادیاں کریں جیسا کہ نیپال میں اب بھی ہوتا ہے۔ یا بنگال اور دوسرے مقامات کی طرح ایسا ہوتا ہے کہ شادیاں کسی جاتی، طبقہ یا برادری کے مٹھی بھر لوگوں کے اندر ہی محدود کر دی جائیں۔ ان تمام سوالوں کا قطعی و تفصیلی جواب دینا بہت ہی مشکل ہے کیونکہ ملک کے مختلف حصوں میں مروّج رسوم و رواج میں پائے جانے والے اختلافات کے پیش نگاہ ان سوالوں کا حل بھی بہت زیادہ مشکل ہو گیا ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ ملک کے ایک ہی حصے میں آباد مختلف جاتیوں اور مختلف خاندانوں کے

اندر مروّج رسوم و رواج میں، ان میں بھی زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔

تمام صحت مند سماجی تبدیلیاں نتیجہ ہوتی ہیں اس روحانی طاقت کا جو باطن میں بر سرِ کار رہتی ہے۔ اگر روحانی طاقتیں مستحکم ہیں تو سوسائٹی انہیں کے مطابق خود کو بخوبی آراستہ کر لیتی ہے، ایک فرد تک کو اپنے نظریۂ حیات کے لیے کام کرنا پڑتا ہے، اس کے ماسوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، پس قوموں کو بھی یہی کرنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریۂ حیات کے مطابق عمل کریں۔ مزید برآں ہر قوم کی بڑی جاتیاں اس کی حیات و بقا کی لازمی ضمانت ہوتی ہیں۔ اور کسی دوسری نسل کے مخلوط ہو جانے پر بدل نہیں سکتیں، جب تک کہ اعلیٰ جاتیاں معرضِ وجود میں نہ آ جائیں۔ قدیم جاتیوں کو توڑنا تباہ کن ثابت ہوگا۔ ارتقا ہمیشہ ہی بتدریج ہوتا ہے!

ہندوستان میں ہمہ گیر ترقی کے لیے سب سے پہلے لازمی ہے کہ مذہب کو اونچا اٹھایا جائے۔ ہندوستان میں سوشلسٹ یا اشتراکی یا سیاسی عقائد کا سیلاب لانے سے قبل ملک کی فضا کو روحانی عقائد و نظریات سے معمور کر دینا چاہیئے۔

ہر چیز سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوشلزم یا سلطانئ جمہور کی کوئی بھی شکل (نام کچھ بھی رکھ لیجئے) ہمارے ملک میں قدم رکھ رہی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ملک کے عوام اپنی مادی احتیاج میں طمانیت کے طلبگار ہوں گے یعنی کہ محنت کی مقدار کم ہو، کسی قسم کا جبر و تشدد نہ ہو، کوئی کشمکش یا جنگ نہ ہو۔ اور انہیں زیادہ خوراک میسر آئے۔ ہم یا کوئی بھی تمدن جب تک اس کی بنیاد مذہب یا آدمی کی نیکی پر مبنی نہ ہو، اس سلسلہ میں کس طرح کوئی یقینی ضمانت دے سکتے ہیں؟ یقین کیجئے کہ صرف مذہب اس اصل مسئلہ کی جڑ تک جاتا ہے اور اس کو حل کر سکتا ہے۔ اس لیئے اگر مذہب ٹھیک ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہے۔

ذات پات کے مسئلہ میں ہمارا حل یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو جو پہلے ہی سے بلند مقام پر فائز ہیں نیچے گرا دیا جائے یا صرف تن پوشی یا شکم پری کی خاطر دیوانوں کی طرح لپکا جائے۔ اور مزید نشاط و مسرت حاصل کرنے کے لیئے اپنی حدوں سے آگے چھلانگ لگائی جائے۔ ہمارا حل یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص ویدک دھرم کی تعلیمات پر عمل کر کے روحانیت حاصل کرے۔ اور مثالی (آدرش) انسان بن جائے۔ یعنی براہمن بن جائے۔ اس ملک کے ہر باشندے کے لیئے خواہ وہ آرین ہو یا غیر آرین۔ خواہ وہ رشی و براہمن ہو یا پسماندہ اچھوت۔ ہمارے رشیوں عابدوں اور سالکوں نے ایک قانون بنا دیا ہے، یہ قانون آپ سب کے لیئے یکساں ہے۔ یعنی یہ کہ بغیر رکے آپ سب کو آگے بڑھنا چاہیئے اور یہ کہ اس ملک کے ہر کہتر و مہتر کو نمونہ کا انسان، براہمن بننے کی کوشش جاری رکھنی چاہیئے ...... مختلف جاتیوں پر مشتمل ہمارے اس نظام کا یہی مطمح نظر ہے جس کا حقیقی مفہوم اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ تمام عالمِ انسانیت کو نرم و سبک طریقہ سے بتدریج اس روحانی انسان کی بلندی تک اونچا اٹھایا جائے جو کشاکش میں مبتلا نہیں ہوتا۔ جس کے دل میں طمانیت ہوتی ہے۔ جس کے مزاج میں تحمل و استقلال ہوتا ہے، عبادت، پاکیزگی اور بھگتی ہوتی ہے۔ اور یہی وہ آدرش انسان ہے جس میں ایشور ہوتا ہے.....!

ذات پات، تمدن اور سوشلزم — صفحہ 14

اسی دن سے جب کہ بھگوان شری کرشن پیدا ہوئے تھے ستیہ یگ شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت سے ہر قسم کے امتیازات کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ اور ہر شخص کو یہاں تک کہ پنڈت سے لے کر چنڈال تک کو رحمت تمام میں حصہ دار بننا ہوگا، بھگوان شری کرشن نے جنم لیا تھا تمام تفریقوں کی جڑ اکھاڑ پھینکنے کے لئے، مرد و زن کا فرق، غریب اور امیر کا فرق، جاہل اور عالم کا فرق، براہمن اور چنڈال کا فرق، ان تمام تفریقوں کو نیست و نابود کر دینے کے لئے، وہ نقیب امن و سلامتی تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی علیحدگی، ہندوؤں اور عیسائیوں کی دوری، یہ سب باتیں اب قصۂ پارینہ بن چکی ہیں۔ تفریق و امتیاز کی لڑائی ختم ہوئے ایک عہد ہو چکا ہے۔ اس ستیہ یگ میں بھگوان شری کرشن کے عشق کی طوفانی لہر نے سب کو ایک کر کے رکھ دیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جب ایک ذات ہو گی، ایک وید ہو گا۔ اور لوگ امن و آشتی اور یکجہتی کے ساتھ رہتے ہوں گے تو وہ یگ ستیہ یگ ہو گا، ستیہ یگ کا مطلب ہے بھارت کے نشاۃ ثانیہ کا زمانہ! اس بات پہ بھروسہ کرو! جوانو! اٹھو اور خود کو اس کام میں لگا دو۔ قدیم ہندو ازم ہر زمانہ کے لئے ہے۔ اٹھو، اٹھو میرے جوانو اٹھو نہ صرف خود اپنی زندگی اس آدرش کے سانچے میں ڈھال لو۔ بلکہ دوسروں کو بھی اس راہ پہ لے آؤ یقیناً ہم ہی فتحیاب ہوں گے

ہمیں اس ملک کے تمام لوگوں کو بتدریج براہمنوں کی پوزیشن تک اونچا اٹھانا ہے میں کہتا ہوں کہ ہر ہندو ایک دوسرے کا بھائی ہے، یہ ہم ہیں کہ "ملیچھ ملیچھ" کہہ کر ہم نے انہیں پستی میں گرا دیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ پورا ملک ذلت، جہالت اور بزدلی کے غار میں جا پڑا ہے، ان لوگوں کو اس گراوٹ سے اٹھانا ہے، ان میں یقین اور خود اعتمادی پیدا کرنا ہے، ہمیں ان سے کہنا ہے کہ وہ بھی ہمارے ہی جیسے بشر ہیں، اور انہیں وہ ہی حقوق حاصل ہیں۔ جو ہمیں حاصل ہیں"۔ کیا آپ نے میری یہ بات سمجھ لی؟

ہندوستان کو اونچا اٹھانا ہے، غریب کو پیٹ بھر خوراک دینا ہے۔ تعلیم کو پھیلانا ہے اور دھرم کی اس ٹھیکہ داری، اجارہ داری اور صنعت گری کی خرابیوں اور خامیوں کو مٹانا ہے، نہ دھرم کی یہ ٹھیکیداری نہ سماجی ظلم! ہمارے احمق نوجوان اختیار و اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے انگریزوں سے مذاکرات کرتے ہیں۔ مگر انگریز ان پہ ہنستے ہیں، جو شخص آزادی دینے کو تیار نہ ہو وہ آزادی کا مستحق بھی نہیں ہوتا۔ فرض کر لیجئے کہ انگریز نے کل اختیارات آپ کو دے دیئے، تب آپ ان اختیارات سے کیا کام لیں گے؟ کیا آپ ان لوگوں کو، جن کے پاس یہ اختیارات نہیں ہیں دبا کے رکھیں گے، غلام اختیارات چاہتے ہیں کیا دوسروں کو غلام بنانے کے لئے؟

لہٰذا ہندوستان کے آدرش کا کام آہستہ آہستہ مذہب پہ زور دیتے ہوئے اور سماج کے لئے آزادی تسلیم کرتے انجام دینا چاہیئے، قدیم دھرم میں سے عالمانِ مذہب کی ٹھیکہ داری و اجارہ داری کی جڑ اکھاڑ پھینکیئے اور دنیا کا بہترین دھرم حاصل کر لیجئے۔ کیا آپ مفہوم کو سمجھ گئے ہیں؟ کیا آپ ایک یورپین سوسائٹی ہندوستانی دھرم کی بنیاد پہ

تعمیر کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ اور ایسا ہونا ہی چاہیئے۔

اپنشدوں کے عہد سے آج تک ہمارے تمام عظیم ہادی و پیشوا ذات پات کی حد بندیوں کو توڑنے کی کوشش کرتے رہے ہیں مطلب یہ کہ ذات پات پر مشتمل یہ نظام ایسی گری ہوئی حالت میں حقیقی اور اصل نظام نہیں ہے۔ ذات پات کے اصل نظام کے مطابق جو بہت ہی شاندار سماجی نظام تھا۔ مروّج نظام میں آپ کونسی اچھائی پاتے ہیں۔ مہاتما بدھ نے ذات پات کے نظام کو اس کی اصل شکل میں دوبارہ استوار کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستان کی بیداری کے ہر دور میں ذات پات کے بندھن توڑنے کی زبردست کوشش جاری رہی ہے لیکن ہم ہندوستانیوں کو ہمیشہ چاہیئے کہ ماضی سے تعلق رکھتے ہوئے نئے ہندوستان کی تعمیر کے مقصد میں مددگار ثابت ہونے والے نظریات کو بھی اپنے میں سمو لیں۔ وہ کبھی بدیشی نہیں ہو سکتے۔ ارتقاء اندر سے ہونی چاہیئے۔

افسوس! ہم بہت بری طرح مفلس ہیں سیکولر چیزوں کے بارے میں ہمارے عوام کچھ بھی نہیں جانتے! ہمارے عوام تشدد پسند نہیں ہیں۔۔۔۔ ہم انہیں سیکولر تعلیم دے سکتے ہیں ہمیں اس آدرش کی پیروی کرنا ہے جو ہمارے اسلاف نے ہمیں دیا ہے۔ یعنی یہ کہ تمام آدرشوں کو آہستہ آہستہ عوام میں پھیلایا جائے۔ انہیں آہستہ آہستہ اوپر اٹھاؤ، مساوات کی سطح تک اٹھاؤ مذہب کے ذریعہ ان میں سیکولر آگہی پیدا کرو۔۔۔ تمام سماجی مصلحین اور ساں کے لیڈر اس امر کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ عوام میں اشتراکیت اور مساوات پیدا کرنے والے نظریات کے لیے روحانیت کی ایک بنیاد تلاش کی جائے۔ اور یہ روحانی بنیاد صرف ویدانت میں ہے! بہت سے لیڈروں نے جو میرے لیکچر سنتے رہے ہیں مجھ سے کہا ہے کہ نئے سماجی اقدار کی تعمیر کے لئے انہیں ویدانت کی احتیاج ہے۔

ہاں ہاں اگر گیتا میں کوئی بھی چیز ہے جسے میں پسند کرتا ہوں تو وہ صرف دو سطریں ہیں جن کو بھگوان شری کرشن کی ساری تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ کہا جا سکتا ہے۔

> "جو شخص ہر چیز میں ایشور کو دیکھتا ہے، فانی میں لافانی کو دیکھتا ہے، بے شک وہ دیدۂ بینا رکھتا ہے، اس لیئے کہ ہر چیز میں ایشور کو حاضر و ناظر جاننے والا اپنی خودی کو نفس پرستی کے ذریعہ ضائع نہیں کر سکتا۔ اور اس طرح وہ منزل حقیقی تک پہنچ جاتا ہے۔۔۔۔۔"

ہمہ اوست اور ہر شئے میں ایشور کی مخفی موجودگی کے اس عجوبہ آدرش اور عقیدہ کی ہمیں بنی نوع انسان کی بہتری اور ترقی کے لئے یہاں اور ہر جگہ تبلیغ و اشاعت کرنی ہے۔ جہاں کہیں بھی جہالت ہے اور جہاں کہیں بھی کمی کی احتیاج ہے۔ میرا یہ تجربہ ہے کہ تمام برائیوں کا سرچشمہ تفرقہ اور تمام نیکیوں کا سرچشمہ مساوات کا عقیدہ ہے کثرت میں جلوۂ وحدت دیکھنے سے انسان کو نیکیوں کی راہ ملتی ہے یہی نظریہ ویدانت کا عظیم آدرش ہے۔

دوسری جانب ہمارا تجربہ ہے کہ کسی مذہب کے پیرو اگر کبھی اپنی روزمرہ کی زندگی میں اسی صفت کی قابل قدر

حد تک پہنچے ہیں۔ خواہ اس عمل کے محرکات اور گہرے مفہوم کا قطعی شعور نہ ہو۔ جیسے ہندوؤں نے بالعموم اتنی صفائی اور وضاحت کے ساتھ اختیار کیا ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے، لہٰذا ہمارے وطنِ عزیز میں امید کی ایک ہی کرن ہے یعنی دو عظیم مذاہب ہندوازم اور اسلام کا یہ سنگم — ویدانت کی روح اور اسلام کا جسم —

عقائد و اعمال کی آزادی، زندگی، ترقی اور خوشحالی کی واحد ضمانت ہے۔ جہاں یہ ضمانت موجود نہیں ہے وہاں فرد، نسل، اور قوم کو پستی کی طرف گرنا ہی چاہیئے، ذات ہو یا نہ ہو، نسب ہو یا نہ ہو، لیکن کوئی شخص یا طبقہ یا ذات یا قوم یا برادری، اگر ایک فرد کی آزادیٔ خیال اور قوتِ عمل کی آزادی پر (جب تک کہ دوسروں کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو) کوئی روک لگاتی ہے تو وہ شیطنت کا کام کرتی ہے۔ اور پھر اسے پستی میں گرنا ہی چاہیئے . . . . ایک ہی آدرش اپنے سامنے رکھیئے، وہ آدرش ہے — "مذہب کو بلا مجروح کیئے عوام کی ترقی کرنا"۔ کیا آپ انہیں اونچا اٹھا سکتے ہیں؟ کیا آپ انہیں ان کی باطنی روحانیت کو کھوئے بغیر ان کی گم شدہ انفرادیت واپس لوٹا سکتے ہیں، کیا آپ اپنے جذبۂ مساوات آزادی، کام اور طاقت میں اپنی مغربیت کے ساتھ ایک ہی وقت میں مثل ایک ہندو کے باطنیت تہذیب اور مذہب کے لیے ریڑھ کی ہڈی بن سکتے ہیں؟ . . . ہمیشہ آگے کی طرف قدم بڑھاؤ! اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے دل میں غریب اور پسماندہ کے لیے ہمدردی کا جذبہ رکھو! — یہ ہے ہمارا آدرش! آگے بڑھو بہادر بچو! اور اس آدرش کو عملی جامہ پہنا دو۔

ہندو کو اپنا مذہب ترک نہ کرنا چاہیئے لیکن مذہب کو اس کے صحیح حدود کے اندر ہی رکھنا چاہیئے سماج کو پھولنے پھلنے کی آزادی دینی چاہیئے۔ ہندوستان میں تمام مصلحین نے دھرم کی ٹھیکہ داری اور گراوٹ کی تمام خوفناکیوں کا مذہب کو ذمہ دار قرار دے کر سنگین غلطی کی۔ اور وہ اس نظام کو گرانے کے لئے آگے بڑھے جو کبھی نیست و نابود نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ نتیجہ کیا ہوا؟ ناکامی! قطعی ناکامی! مہاتما بدھ سے رام موہن رائے تک ہر شخص نے ذات پات کو مذہب کا ایک نظام قرار دینے کی غلطی کی۔ انہوں نے مذہب کو ذات پات کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی اور ناکام ہوئے! لیکن دھرم کے ٹھیکیداروں کی ڈھکوسلہ بازیوں کے باوجود ذات پات کا نظام قطعی سماجی نظام ہے جو اپنی کارفرمائی کے بعد اب ہندوستان کی فضا میں پھپھوند لگا رہا ہے۔ اور یہ پھپھوند صرف اسی صورت میں دور کی جا سکتی ہے کہ لوگوں کو ان کی گم شدہ سماجی انفرادیت واپس لوٹائی جائے۔ یہاں (امریکہ) جو آدمی پیدا ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ آزاد بشر ہے، مگر ہندوستان میں پیدا ہونے والا ہر شخص جانتا ہے کہ وہ سوسائٹی کا غلام ہے لہٰذا صرف آزادی ہی ارتقاء کی واحد ضمانت ہے۔ کسی سے آزادی سلب کر لیجئے، پھر اس کا ایک ہی نتیجہ ہوگا یعنی گراوٹ اور پستی! عصرِ حاضر میں مقابلہ بازی کی ابتدا ہونے پر آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ذات پات کس تیزی سے مٹتی جا رہی ہے، اب ذات پات کو ہلاک کرنے کے لیئے کسی مذہب کی ضرورت نہیں ہے۔ شمالی ہندوستان میں آپ کو براہمن دکاندار بھی ملتے ہیں۔ براہمن جوتہ ساز

بھی دِکھائی دیتے ہیں اور شراب کشید کرنے والے بھی موجود ہیں' ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ زندگی میں کمپیٹیشن ہے۔ موجودہ حکومت کے تحت ہر شخص اپنی زندگی گزارنے کے لئے اپنی پسند کا پیشہ اختیار کرنے کی آزادی رکھتا ہے' اس پر کوئی پابندی نہیں ہے' نتیجہ یہ ہے کہ زندگی میں شدید ترین مقابلہ بازی شروع ہو گئی ہے' اسی طرح ہزاروں لوگ زمین کی تہ میں رکھ کر ایک شجر جیسی زندگی بسر کرنے کی بجائے اس اعلےٰ سطح کو حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں جس کے لئے وہ پیدا ہوئے ہیں اور اس اعلےٰ سطح تک وہ پہنچ بھی رہے ہیں۔

ہمارے شاستروں میں دو قسم کی صداقتیں ملتی ہیں' ایک صداقت انسان کی روحانیت پر مبنی ہے۔ یعنی وہ صداقت جو انسان کے باطن' ایشور' روح اور فطرت کے روابط سے تعلق رکھتی ہے' اور دوسری صداقت وہ ہے جس کا تعلق وقت وماحول' گرد وپیش کے حالات' اور اس عہد کے سماجی شعبہ جات وغیرہ سے ہوتا ہے' اوّل درجہ کی صداقتیں ہمارے ویدوں میں ہیں۔ دوسرے درجہ کی صداقتیں ہمارے سمرتیوں اور پرانوں وغیرہ میں ہیں' ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے وید مقررہ منزل اور متعین راہ کی حیثیت سے تمام زمانوں کے لئے ہیں۔ اور اگر پرانوں میں کوئی بھی چیز ویدوں سے مختلف پائی جاتی ہے۔ تو پرانوں کا وہ حصہ بیدرد ی سے مسترد کر دینا چاہیئے۔ اور اسے ماننے سے انکار کر دینا چاہیئے۔ . . . آپ کے پاس یہ روشن نظریہ اور بہترین اصول ہے کہ لافانی صداقتیں انسان کی فطرت پر منحصر ہیں اور جب تک انسان موجود ہے اس وقت تک یہ آفاقی قدریں اور لافانی صداقتیں کسی بھی زمانہ میں بدل نہیں سکتیں۔ لیکن سمرتیوں کی تعلیمات عموماً طور پر مختلف ماحول اور مختلف گرد وپیش کی بنا پر پیدا ہونے والے انسانی فرائض کے بارے میں ہیں' ان تعلیمات میں وقت کی رفتار کے ساتھ تبدیلی ہو سکتی ہے' یعنی جیسا ماحول اور حالات ویسی ہی تعلیمات! یہ بات آپ کو ہمیشہ یاد رکھنی ہے کہ سماجی رسم ورواج میں معمولی سے تغیر وتبدل کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ کا دھرم آپ کے ہاتھ سے جا رہا ہے! یاد رکھیئے کہ یہ رواج پہلے بھی بدلے گئے ہیں' اور اب اپنی بدلی ہوئی صورت ہی میں مروّج ہیں! جتنا جتنا وقت کا بستر لپیٹے گا' اتنا اتنا سمرتیاں بھی ختم ہوتی جائیں گی۔ ہادی یا پیشوا آئیں گے' سوسائٹی میں تبدیلی کریں گے وقت کی ضرورت کے اعتبار سے ہدایت کریں گے اور سوسائٹی کے لئے بہتر راہ متعین کریں گے۔ اس کے بغیر سوسائٹی کی بقا ممکن ہی نہیں ہے . . . میں مادّیت کی جنون آمیز وسعت کی شدید روک چاہتا ہوں! ہم اس قسم کے دل چاہتے ہیں جو سمندر کی طرح بے پایاں اور آسمان کی طرح وسیع وعریض ہوں! کوئی بھی قوم جس حد تک ترقی پسند ہو سکتی ہے ہمیں اس حد تک ترقی پسند ضرور ہونا چاہیئے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہمیں ہمہ وقت اپنی روایات اور رسوم ورواج کے تئیں وفادار اور قدامت پرست ہونا چاہیئے۔ اور یہ بات صرف ہندو ہی جانتے ہیں کہ انہیں کیسا وفادار ہونا چاہیئے اور کیسا قدامت پرست؟

یکایک تبدیلیاں نہیں ہو سکتیں' اور شنکر آچاریہ یہ بات جانتے تھے' اسی طرح رامانج بھی جانتے تھے ہندوؤں کے سامنے ایک ہی چارۂ کار تھا کہ دھرم کے ساتھ وہ اعلےٰ آدرش کو آہستہ آہستہ لائیں۔ اگر انہوں نے کوئی دوسرا

طریقہ اختیار کیا ہوتا۔ تو وہ پاگل کہلاتے۔ اس لئے کہ ان کے مذہب کا ابتدائی اور بنیادی اصول ہے ___ ارتقاء! ہندوستانی سوسائٹی کو آپ کہاں اور کس مقام پر غیر متحرک پاتے ہیں؟ یہ ہمیشہ حرکت میں رہتی ہے... ذات پات میں پیہم تبدیلی آتی رہتی ہے' رواج بدلتے رہتے ہیں' ہیئت و شکل بدلتی رہتی ہے' صرف بنیادی چیز یعنی اصول تبدیل نہیں ہوتا۔ یہ وید ہیں جن میں ہم اپنے مذہب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ بس ویدوں کو چھوڑ کر باقی ہر کتاب کو بدلنا چاہیئے اور اس کے لئے ہمیں تیار اور آمادہ رہنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر ایک سمرتی ایک زمانہ میں رائج و نافذ رہی اور دوسری سمرتی دوسرے زمانے میں . . . . ذات پات ختم نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ زمانہ سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے اس کی ہیئت ترکیبی میں تبدیلی کرنی چاہیئے۔ پرانے ڈھانچہ کے اندر زندگی ڈھونڈنی چاہیئے ___! دو للکر نئے ڈھانچوں کی دوبارہ تعمیر کے لئے! ذات پات کے نظام کو منسوخ کر دینے کی خواہش کرنا محض حماقت ہے۔
___ آج کا نیا طریقہ یہ ہے ___ قدیم کا ارتقاء! یعنی قدیم اخلاقی قدروں کو پھر سے مروج کرنا اور انہیں مقبول بنانا۔

کیا آپ نے ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے؟ شری رامانج کون تھے؟ شری شنکر آچاریہ کون تھے؟ گورو نانک کون تھے؟ چیتنیہ مہاپربھو کون تھے؟ شری کبیر کون تھے؟ سنت دادو کون تھے؟ یہ عظیم عابد و سالک گورو اور رہنما کون تھے جو یکے بعد دیگرے درخشندہ ستاروں کی طرح طلوع ہوتے رہے۔ کیا شری رامانج کو پست طبقات کا کوئی خیال نہیں تھا؟ کیا انہوں نے تمام عمر پیریہ کو اپنے فرقہ میں داخل کر لینے کی کوشش نہیں کی؟ کیا انہوں نے یہ کوشش نہیں کی کہ مسلمان تک ان کی برادری میں شامل ہو جائیں' کیا گورو نانک نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک جیسا سلوک نہیں کیا اور ان دونوں پر اپنی شفقت و رحمت کی بارش نہیں کی تھی۔ اور کیا اس امر کی کوشش نہیں کی۔ کہ حالات نئی صورت اختیار کرلیں' ان سب نے کوشش کی اور ان کا کام اب بھی جاری ہے' فرق یہ ہے کہ آج کے مصلحین کی طرح وہ ہوا نہیں باندھا کرتے تھے' وہ دشنام طراز نہیں تھے' ان کے لبوں پر صرف پیار کی باتیں تھیں۔ وہ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے۔ وہ عوام سے ایک ہی بات کہتے تھے کہ قوم و ملک کو آگے بڑھنا چاہیئے۔ ترقی کرنا چاہیئے' وہ ماضی کو دیکھتے اور کہتے۔
"اے ہندوؤ! تم نے جو کیا' اچھا کیا' مگر میرے بھائیو! اب تمہیں اور زیادہ بہتر کام کرنے چاہئیں" ہمیں اپنی فطرت کے تقاضوں کے مطابق ترقی کرنی چاہیئے' ان راہوں پر مسلسل آگے بڑھنے کی کوشش کرنا جو بدیشی اور غیر ملکی سوسائٹیوں نے ہمارے سامنے کھول رکھی ہیں' سعی لاحاصل ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں۔

ہندوستان میں ہماری راہ کے درمیان دو بڑی رکاوٹیں حائل ہیں۔ ایک ماضی کا کٹر پن دوسرے جدید یورپی تمدن کا ذوق و شوق!

بدیشی تمدن اور جماعت و تنظیم کے مغربی خیالات چونکہ ہمارے ملک میں داخل ہو رہے ہیں اور قدم بھی جمالیے ہیں (آیا ہم ان کو اختیار کریں گے یا نہیں) لہذا ہندوستانی فلسفہ اور روحانیت مغرب کی سرزمین کی جانب جھک رہی ہے۔

ذات پات' تمدن اور سوشلزم صفحہ 19

کوئی چیز اسے روک نہیں سکتی۔ مغرب سے آنے والے مادّی تمدّن کی کسی قسم کو بھی ہم بہت دیر تک نہیں روک سکتے، بہرحال مغرب کے مادّی تمدّن کا تھوڑا سا رنگ اگر ہم لے لیں۔ تو شاید ہمارے لئے یہ اچھا ہی ہوگا اور اگر روحانیت کا تھوڑا سا اثر مغرب قبول کر لے تو یہ مغرب کے لئے مفید ہوگا، اس طرح ایک قسم کا توازن قائم ہو جائے گا۔ بات یوں نہیں ہے کہ ہر بات ہم مغرب سے سیکھیں یا مغرب ہم سے سیکھے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے فراہم کرے اور مستقبل کی نسلوں کے لئے رکھ دے۔ تاکہ بزرگوں کے اس خواب کی تعبیر ملے کہ اقوامِ عالم میں یکجہتی پیدا ہو اور ایک مثالی دنیا معرضِ وجود میں آئے!

یہ دو بڑے تجربات ہیں اور ان میں سے کوئی بھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ ادویتیہ (انفرادیت) کے اعتبار سے ہندوستان میں سماجی کمیونزم ہے، (یہی ہے روحانی انفرادیت —) یعنی اسی کے اندر رہنا اور اسی کے گرد گھومنا۔ مگر یورپ میں اگرچہ سماجی انفرادیت ہے، پھر بھی خیال میں دوئی ہے اور یہ ہے روحانی اشتراکیت! لہٰذا ایک کے پاس اگر ایسا سوشلسٹ سماج ہے جو فکر و خیال کی انفرادیت پر مبنی ہے تو دوسرے کے پاس ایسا انفرادی نظام ہے جس میں فکر و خیال کی اشتراکیت موجود ہے۔

جہاں تک روحانیت کا تعلق ہے امریکن ہم سے بہت پست ہیں مگر ان کی سوسائٹی ہم سے بہت زیادہ اعلیٰ اور بلند ہے، لہٰذا ہم انہیں اپنی روحانیت کا درس دیں گے۔ اور ان کی سوسائٹی میں جو بات بھی سب سے اچھی ہوگی۔ وہ ہم خود لے بھی لیں گے۔

"انسانوں کو آزادی کی روشنی ملنے دو۔ آزادی ہی ارتقا کی واحد ضمانت ہے۔ . . . . !"

ہم نے سماجی معاملات کو وسعت پانے کی کوئی آزادی نہیں دی ہے ہماری ایک کسی بندھی سوسائٹی ہے، . . . . ہندوستان میں ہمیں سوسائٹی کو باندھنے والی زنجیروں کی کڑیاں توڑنی ہیں مگر یورپ میں روحانی ترقی کے سلسلہ کی کڑیاں جوڑنی چاہئیں۔

مغربی ممالک میں ذات (وراثت) کی اہمیت نہیں ہے۔ جن لوگوں کی محنت اور صنعت کی بنا پر خوش نصیبی نے ان کے دروازے پہ دستک دی ہے صرف انہی لوگوں کو ملک کا رہبر و رہنما مانا جاتا ہے اور وہی اس کے مستقبل کے محافظ و نگران قرار پاتے ہیں۔ برخلاف اس کے آپ اپنے ملک (ہندوستان) میں اپنی برتری محض اپنی جاتی کی بنا پر منواتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کے منہ میں ایک کھیل تک اڑ کر نہیں جاتی، آپ ایک سوئی ڈھالنے کی اہلیت تو رکھتے نہیں اور جرأت کرتے ہیں انگریزوں پہ تنقید کرنے کی — بے وقوف و احمق!

سماج کی تشکیل، ازدواجی بندھن، اولاد کی محبت، ہماری نیکیاں، اخلاق اور دینیات، یہ تمام چیزیں "مکتی" کی مختلف شکلیں ہیں! . . . بس نفس پہ قابو پانا ہی، اس دنیا کا واحد ضابطہ عمل ہے، جس میں مختلف سوسائٹیاں اور مختلف سماجی نظام مختلف درجوں اور مختلف مرحلوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نفس کو محکوم بنانے نے تنفر و دشمنی سے بچنے اور

خودی کو زیر کرنے کا ہموار اور سہل ترین راستہ اگر کوئی ہے تو وہ صرف "محبت" ہے۔

ہمارے مقاصد کی انتہا یہ ہے کہ ہم وسعت پائیں، باہر نکلیں، اپنی ذات میں کل کائنات کو سمولیں، اور آفاقیت حاصل کر لیں، مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے ان منصوبوں کے برخلاف جن کی ہماری کتابوں میں ہمیں تعلیم دی گئی ہے ہم روز بروز خود کو چھوٹا اور محدود بناتے جا رہے ہیں اور اپنے کو الگ تھلگ کرتے جا رہے ہیں۔ آپ اس قوم سے کیا توقع کر سکتے ہیں جسے ان معمولی سوالوں پر بحث کرنے میں صدیاں بیت گئی ہیں کہ ہمیں سیدھے ہاتھ سے پانی پینا چاہیئے یا الٹے ہاتھ سے؟ اس سے بڑی گراوٹ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک ملک کے بڑے بڑے دماغ صدیوں سے صرف رسوئی کے بارہ میں بحث کرتے چلے آ رہے ہیں اور اس بحث میں مصروف ہیں کہ اگر میں آپ کو چھو لوں یا آپ مجھے چھو لیں تو اس کا ڈنڈ کیا ہے، سزا کیا ہے؟

ہمیں مادیت پرستی۔ یہ یوریپین ازم، یہ بلا روحانیت کی سوسائٹی، یہ نام نہاد اصلاح جس نے مغرب کے ارتقاء کی بنیاد ہلا ڈالی ہے اور خود اپنے ماضی کے توہم پر ورانہ تعصب اور کٹڑپن کے درمیان اپنا راستہ تلاش کرنا ہے، ان دونوں باتوں کو ہمیں دھیان میں رکھنا ہے پہلے ہی مرحلہ میں ہم مغربی نہیں بن سکتے —— لہٰذا مغربیوں کی نقل اتارنا فضول ہے . . . دوسرے مرحلہ میں یہ ممکن ہو سکتا ہے . . . . کیا آپ کے خیال میں یہ ممکن ہے کہ صدیوں کے تابندہ تمدن کو آپ اٹھا کر پھینک دیں؟ یہ نہیں ہو سکتا! ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم ہر چھوٹے سے چھوٹے دیوتا اور ہر توہم پرورانہ رواج کو مذہب گردانے کے عادی ہو گئے ہیں، لیکن مقامی رواج بے شمار اور متضاد ہوتے ہیں، ہم کن رواجوں کو مانیں اور کن رواجوں کو نہ مانیں؟ مثال کے طور پر جنوبی ہند کا ایک براہمن کسی دوسرے براہمن کو گوشت کھاتے ہوئے دیکھ لے تو اس منظر سے اس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ شمال میں ایک براہمن کی نظر میں قربانی بہت ہی شاندار اور مقدس چیز ہوتی ہے۔ اور وہ سینکڑوں بکرے بطور قربانی ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اگر آپ اپنے رسوم و رواج کی پابندی کر لے ہیں تو وہ اپنے رسوم و رواج کی پابندی کے لئے تیار رہتے ہیں۔

لنکا میں ہندوستان کی بہ نسبت ذات پات کی پابندیاں بہت کم ہیں۔ بدھ دھرم کے پیرو شادی وغیرہ کے معاملات میں تو ذات پات کی چند پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن کھانے پینے میں وہ ذات پات کی پابندیوں کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ جس طرح ہندو کچھ پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہیں . . . . . تمام ہندو جاتیاں مخلوط ہو کر ایک واحد ہندو جاتی بن گئی ہے، جس میں پنجابی جاٹ کی طرح ایک شخص کسی بھی ذات کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے یہاں تک کہ ایک یوریپین لڑکی کو بھی بیاہ کر لا سکتا ہے ایک لڑکا مندر میں جاتا ہے، اپنے ماتھے پر مقدس تلک لگواتا ہے، زبان سے شونام جپتا ہے اور ایک ہندو بن جاتا ہے، شوہر ہندو ہو سکتا ہے اور بیوی عیسائی! ایک کرسچین بھی اپنے ماتھے پر مقدس خاک سے تلک لگوا کر اور زبان سے شونام جپ کرتا ہے[1]

ذات پات تمدن اور سوشلزم صفحہ 21

ہندو بن سکتا ہے!

پورے ہندوستان میں مختلف رسوم و رواج رائج ہیں۔ یہ سب مقامی نوعیت کے ہیں، سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ عام لوگوں نے جنہیں آگہی حاصل نہیں ہے۔ اپنی جگہ یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ مقامی رسوم و رواج ہمارے دھرم کا جوہر ہیں۔ بظاہر ہماری جاتیاں اور برادریاں اگرچہ دھرم سے منسلک و مربوط دکھائی دیتی ہیں، لیکن اصل میں ایسا ہے نہیں! جاتیوں پہ مشتمل نظام ویدک دھرم کے برخلاف ہے، ذات پات صرف سماجی نظام کی حیثیت رکھتی ہے اور ہمارے تمام عظیم مبلّغین و مصلحین نے اسے توڑنے کی کوشش کی ہے بدھ ازم سے لیکر اب تک ہر فرقہ نے ذات پات کے خلاف تعلیم دی ہے اور ہر زمانہ میں اس زنجیر کی صرف چند کڑیاں ہی ٹوٹی ہیں۔ ہندوستان میں ذات پات سیاسی نظام کا ایک ثمر ہے، تجارتی نظام کا ایک ورثہ ہے، یورپ میں مقابلہ بازی نے ذات پات کو جتنا توڑا ہے اتنا کسی ہادی کی تعلیم نے نہیں توڑا، درحقیقت مذہب کا ذات پات سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ محض ایک سماجی نظام ہے۔

آیئے، جنس، ذات، دولت، اور علم کے تمام امتیازات، اور ان امتیازات کا طویل سلسلہ جس کے متعدد دروازے جہنّم کی طرف کھلتے ہیں صرف دنیا تک محدود کر ڈالیں۔ ایسے تمام لوگ جتنے بھی کم ہوں اتنا ہی بہتر ہے جو کسی معبد میں کبھی یہ سوچتے ہیں کہ فلاں عورت ایک طوائف ہے، فلاں آدمی کم ذات ہے، فلاں شخص غریب ہے اور فلاں شخص عوامی حیثیت رکھتا ہے، وہ لوگ جو ذات پات، نسل و جنس اور بھگتوں کے پیشے کو دیکھا کرتے ہیں، کیا ہمارے بھگوان سے اپنے دل کی لو لگا سکتے ہیں؟ کیا اس کی تعریف کر سکتے ہیں؟

کوئی بھی شخص خواہ وہ شودر ہو یا چنڈال، ایک برہمن کو فلسفۂ زندگی کی تعلیم دے سکتا ہے، پست ترین فرد سے بھی قطع نظر اس بات کے کہ وہ کس ذات یا برادری سے تعلّق رکھتا ہے، صداقت کی تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے۔

بیشتر اپنشدوں کو کشتریوں نے لکھا ہے۔ . . . پورے ملک میں ہمارے ممتاز پنڈتوں اور پیشواؤں میں بیشتر کشتری ہی تھے، مگر یہ تعلیمات ہمیشہ ہی آفاقی ہوا کرتی تھیں، رام . . . کرشن . . . . بدھ . . . . جنہوں نے ایشور کے اوتار کی مانند عبادت و ریاضت کی ہے، نسلاً کشتری ہی تھے۔

ہندو دھرم دو حصّوں میں منقسم ہے، ایک پرستش دوسرے روحانیت! اس حصّہ کا خصوصی مطالعہ تارکانِ دنیا یا سنیاسیوں نے کیا ہے جو روحانیت سے تعلّق رکھتا ہے، ہندوستان میں اعلےٰ ذات کا ایک شخص بھی تارک الدنیا یا سنیاسی ہو سکتا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ ذات کے ایک شخص سے بھی سنیاس لے سکتا ہے اور دنیا کو چھوڑ سکتا ہے اس وقت یہ دونوں ذاتیں برابری کی سطح پر آجاتی ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ قانون حکومت اور سیاست، یہ سب چیزیں تغیّر پذیر ہیں قطعی، اٹل، اور ناقابلِ تغیّر چیزیں نہیں ہیں۔ ان سے آگے بھی ایک جہاں ہے، جہاں نہ کسی قانون کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کسی ضابطہ کی احتیاج، جملہ معترضہ

کے طور پر لفظ 'سنیاسی' کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ روحانیت کی دنیا کا قانون شکن یا (divine Nihilist,) لیکن کہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ یہ خیال ایک ایسے لفظ کے استعمال سے باز و مانع رکھتا ہے۔

مہاتما بدھ نے اپنی تعلیمات میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ فرد کی مشکلات اور کرۂ ارض پر پائے جانے والے ذی حیات کے ذریعہ پیدا ہونے والی تمام مصیبتیں، جاتیوں کی تشکیل کی بنا پر معرض وجود میں آئی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر ذات پات کے امتیاز کی ہر شکل مصیبت کی ایک جڑ ہے۔ خواہ اس امتیاز کی بنا حسب و نسب ہو، خواہ حالات و ماحول ہو خواہ دولت و امارت ہو، روحانیت میں نہ جنس کا کوئی فرق ہے نہ ورن اور آشرم کا کوئی امتیاز ہے، اس قسم کی کسی چیز کا کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح مٹی مٹی سے نہیں دھلا کرتی، اسی طرح جدائی اور تفرقہ ڈالنے والے خیالات و عقاید سے یکتا اور وحدت بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک میرا تعلق ہے میں ذات پات کے مسئلہ میں کسی فریق کی جانب داری نہیں کرتا، اس لئے کہ میں یہ بات خوب جانتا ہوں کہ ذات پات ایک سماجی قانون ہے۔ اور یہ قانون گُن اور کرم کی اساس پر مبنی ہے یعنی یہ کہ اگر ایک شخص گُن اور کرم کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ذہن میں ذات پات کے کسی امتیاز کو جگہ دیتا ہے تو اس کا مطلب ہوگا سنگین نقصان! بہت بڑا ضرر!

روز بروز میرے دماغ میں یہ خیال واضح ہوتا جاتا ہے کہ ذات پات کا تصور تفرقہ کی بہت بڑی وجہ اور مایا کی جڑ ہے۔ تمام جاتیاں چاہے وہ حسب نسب کے اصول پر مبنی ہوں یا اوصاف کی بنا پر مبنی ہوں مگر ہیں ایک غلامی! بعض دوست یہ صلاح دیتے ہیں۔ "یہ سب کچھ درست ہے، اسے برداشت کیجئے مگر اضافی تجربہ کی دنیا میں باہر کی جانب ذات پات جیسا امتیازات بدستور باقی رہنا چاہئیں"...... نظریہ تو دل کی وحدت کا رکھنا چاہئے کہ سعی لا حاصل کی زبردست خواہش کے ساتھ) اور باہر کی جانب شیطانوں کے رقص کا جہنم کدہ! ۔ تشدد اور استبداد ۔ اور غریبوں کے ہاتھ موت بیچنے والے سوداگر! مگر کوئی پیٹ بھر کافی دولت و امارت حاصل کر لے تو "وہ مذہب کا محافظ و پاسبان! واہ واہ کیا خوب!"

مزید برآں میں نے اپنے مطالعہ کے دوران میں دیکھا ہے کہ مذہب کے قواعد و ضوابط ایک شودر کے لئے نہیں ہیں۔ اگر ایک شودر کھانے پینے میں پرہیز کرتا ہے یا بدیشی ممالک کے سفر پر چلا جاتا ہے تو جہاں تک اس کا تعلق ہے، یہ سب فضول ہے، بیکار ہے، سعی رائیگاں ہے، میں ایک شودر ہوں، ایک ملیچھ ہوں تو ان سب باتوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھے ان میں سے کسی بات کی کوئی خواہش نہ کرنی چاہئے، کھانا کھانا سب برابر ملیچھ کے کھانے اور پیٹ بھر کے کھانے میں کیا فرق ہوگا، میں نہیں سمجھ پاتا، ذات پات جیسی دیوانگی کی باتیں صرف انہی کتابوں میں پائی جاتی ہیں، جو علماء دین کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں نہیں پائی جاتیں جو الہامی کتابیں ہیں۔ دھرم کے علماء اور فضلاء

کو ان کے اسلاف کی کافرانیوں کا پھل کھانا مبارک اور مجھے ایشور کے احکام کی تعمیل مبارک! اس لئے کہ میری بھلائی اسی میں ہے کہ میں ایشور کا کہا مانوں اور اس کی ہدایت پر عمل کروں۔

ایشور نے مجھ پر منکشف کر دیا ہے کہ دھرم کا کوئی دوش نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہندو دھرم میں Pharisees اور Saddducees کی جنوں پسندی و وحشت ہے جنہوں نے "پرمارتھیکا" (قطعیت) اور "ویا دھیارکا" (اضافیت) کے نظریات کی شکل میں ظلم کے انجن ایجاد کئے ہیں۔ دنیا میں کوئی دھرم نہیں ہے جس نے ہندو ازم کی طرح انسانیت کے وقار کی اس طرح دھجیاں بکھیرنے کی تعلیم دی ہو، دنیا میں کوئی دھرم نہیں ہے جس نے غریبوں کی گردن اس جنبش سے جھکائی ہو اور نیچی کی ہو جس جنبش سے ہندو ازم نے غریبوں کا سر جھکایا اور نیچا کیا!

میں نے سماجی مصلحین کے اخبار میں پڑھا ہے کہ میں شودر کہلاتا ہوں۔ اور مجھے چیلنج کیا گیا ہے کہ ایک شودر کو سنیاسی بننے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اس کا میں یہ جواب دوں گا ــــ میں اس کا ماننے والا ہوں جس کے چرنوں میں برہمن پھول چڑھاتا ہے۔ میں اس کا ماننے والا ہوں جو یہ الفاظ دہراتا ہے۔

यमाय धर्मराजाय चित्रगुप्ताय वै नमः

اور جس کے پیرو اور مقلدین کشتریوں سے زیادہ پاک باطن اور روشن ضمیر ہیں . . . . خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا! میں نے جس بات کا ابھی ذکر کیا ہے اس کے بارہ میں میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص مجھے شودر کہتا ہے۔ تو اس سے مجھے کوئی دکھ نہیں پہنچتا۔ کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اس بات سے اس ظلم کی تھوڑی سی مکافات ہوگی۔ جو میرے اسلاف نے غریبوں پر توڑا ہے، اگر میں ایک پیریاہ ہوں تو اس سے مجھے اور زیادہ خوشی ہوگی۔ اس لئے کہ میں ایک ایسے آدمی کا مقلد و پیرو ہوں جو برہمنوں کا برہمن تھا۔ مگر پھر بھی ایک پیریاہ کے گھر میں صفائی کا کام کرنے کی خواہش رکھتا تھا . . . . . اور یہ شخص رات کے اندھیرے میں اٹھتا، اس پیریاہ کے گھر میں چپکے سے جاتا، اس کے گھر کا پاخانہ صاف کرتا اور اپنی بڑی بڑی زلفوں سے اس کے گھر میں جھاڑو دیتا . . . . میں کوشش کروں گا کہ اس ہیرو کی زندگی کی تقلید کروں . . . . ہزاروں ٹن وزنی لمبی چوڑی باتوں سے حسن عمل کا ایک تولہ بہتر!

پُجاری اَور مَراعات

پُجاریوں اَور پنڈوں کا عقیدہ ہے کہ ایشور موجود ہے! لیکن ایشور کی بھگتی اَور گیان صرف انہی کے ذریعہ اَور انہیں کی معرفت حاصل ہوسکتا ہے۔ لوگ پُجاریوں کی اجازت ہی سے سوَرگ میں داخل ہوسکتے ہیں۔ اَور ایشور کی ذات میں جذب و ضم ہوسکتے ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ انہیں پیسہ دیں، ان کی منّت سماجت کریں۔ اَور سب کچھ ان کے ہاتھ پر دھر دیں۔ دُنیا کی تاریخ میں از ابتداء تا انتہا، دھارمک اجارہ داری اَور کٹّرپن کے یہ رُجحانات بار بار اُبھرتے دِکھائی دیں گے۔ پُجاری آپ پر مسلّط رہتے ہیں آپ پر ہزاروں ضابطے نافذ کرتے ہیں، وہ سیدھی سچّی حقیقتوں کو گھُما پھرا کر کہتے ہیں۔ اَور اپنی برتری کو ثابت کرنے والی من گھڑت کہانیاں سُناتے ہیں۔

ہندوستان میں پُجاری (براہمن) بڑی ذہانت کے مالک تھے۔ اَور انہیں عوام کے ذہن کو تسخیر کر لینے کی قُدرت حاصل تھی۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے رُوحانی ارتقاء کا آغاز کیا تھا۔ اور وہ ایسی ایسی باتیں کہا کرتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی لیکن پھر ایک ایسا وقت آیا کہ ارتقاء کے لئے بے لوث جدوجہد کی سپرٹ غائب ہوگئی۔ جو ابتداء میں براہمنوں کے اندر موجود تھی۔ انہوں نے اپنے لئے اقتدار اَور مَراعات حاصل کرنا شروع کر دیا۔ یعنی یہ کہ اگر ایک براہمن کسی آدمی کو قتل کر دے تو اسے اِس جرم کی سزا نہیں مِلے گی۔ ایک براہمن پیدا ہوتے ہی کائنات کا اَوتار ہو جاتا ہے۔ بد سے بد براہمن بھی قابلِ احترام اَور مُستحق پرستش ہُوا کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہندوستان میں دوسرے تمام پیشوں کی طرح جو ایک سماجی زندگی میں ہوا کرتے ہیں۔ پجاری کا کام بھی بس پیشہ بن کر رہ گیا ہے یعنی یہ کہ پُجاری کا بیٹا پُجاری جیسے بڑھئی کا بیٹا بڑھئی اَور لوہار کا بیٹا لوہار۔

کٹّر ہندو بالکل الگ تھلگ زندگی بسر کرتے ہیں، وہ قطعی طور پر اپنے عقائد و جذبات کی حدوں کے اندر ہی رہتے

ہیں۔ ہماری کتابوں میں ان کی زندگی سے متعلق ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کی پوری پوری تفصیل موجود ہے۔ اور وہ ان تمام تفصیلات کی اپنی زندگی میں بڑی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ . . . . جتنی اونچی ذات اتنی ہی زیادہ پابندیاں! نیچی ذات کے لوگ جو چاہیں کھائیں، جو چاہیں پئیں لیکن جیسے جیسے آدمیوں کا سماجی معیار بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے پابندیوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اعلیٰ ترین ذات برہمن کی سطح تک پہنچتے ہیں جو ہندوستان میں مذہب کی وراثتی ٹھیکیداری کی حیثیت رکھتی ہے تو پھر ان کی زندگیاں ماحول کے ہم رنگ بن جاتی ہیں۔

قدرتی طور پر ایک گروپ جس نے خود کو اونچا اٹھایا ہے، اپنے لئے مخصوص مراعات حاصل کرنے کی کوشش کریگا، لہٰذا جب بھی بادشاہ کی مدد حاصل کر لینا ممکن ہو گیا ہے، اعلےٰ جاتیوں نے خصوصیت سے برہمنوں نے نیچی ذاتوں پر اسی طرح کی اعلےٰ مراعات لادنے کی کوشش کی ہے اور اگر موقع ملا ہے تو انہوں نے اس کام کے لئے تلوار کا سہارا بھی لیا ہے، لیکن سوال یہ ہے کیا وہ کامیاب رہے ہیں؟ اپنے پرانوں اور اپ پرانوں کا بنظر غائر مطالعہ کیجئے، خصوصیت سے بڑے پرانوں کے مقامی کھنڈروں کا مطالعہ کیجئے، اور اپنے گردوپیش نظر دوڑا کر دیکھئے کہ آپ کی نظروں کے سامنے کیا کچھ ہو رہا ہے تو آپ کو اس سوال کا جواب مل جائے گا۔

پجاری کے اقتدار کی اساس ذہانت و فراست پر مبنی ہے، تلوار کی مادی طاقت پر مبنی نہیں ہے لہٰذا پجاری کے برتر اقتدار کی بدولت حکمت و دانش اور ادب تہذیب جنم لیتی ہے۔ . . . پجاری دیوتاؤں کو جانتا ہے، ان سے مذاکرہ کرتا ہے۔ لہٰذا وہ ایک دیوتا کی طرح مستحق پرستش بھی ہے، دنیا کے خیالات کو پیچھے چھوڑ کر وہ اپنی روزی کی خاطر خود کو محنت و مشقت میں مصروف و مشغول نہیں رکھ سکتا۔ . . . . کائناتی فلاح کی پہلی کونپل کی نشو و نما اس کی روحانی طاقت سے ہوتی ہے، وہ اس کونپل کو اپنی زندگی کے خون سے سیراب کرتا ہے، پانی سے نہیں سینچتا! اس کا گیان دھیان، اپنے نفس کی کڑی نگرانی، اور اپنی تپسیا نیز تجات کے ذریعہ وہ اس کونپل کی پرورش کرتا ہے۔ . . . لہٰذا اس کی یاد بھی ہمارے لئے پاکیزہ ہوتی ہے، مقدس ہوتی ہے۔ . . . . . .

بدی بھی موجود ہے۔ . . . پجاری قدرتاً اپنے دل سے آپ کہتا ہے — "میں اس طاقت کو کیوں استعمال نہ کروں جس کی بنا پر پجاریوں نے اپنے کو میری سپردگی میں دے دیا ہے، جس کے ذریعہ میں نے دماغ و جسم کی برائیوں پر قابو پایا ہے اور جس نے بھوتوں، شیطانوں اور دوسری ان دیکھی قوتوں کو میرا غلام بنا دیا ہے، میں نے یہ طاقت اپنی سدھی کی گراں قیمت دے کر خریدی ہے میں اسے دوسروں کو کیوں دوں! جسے پانے کے لئے میں نے دولت دی ہے عزت دی ہے شہرت دی ہے، مختصر یہ کہ اپنے تمام آرام اور اپنی تمام مسرتیں دی ہیں۔ مزید برآں یہ طاقت محض دماغی ہے اور کتنے مواقع ہیں کہ اسے بطور راز قطعاً مخفی و پوشیدہ رکھا جائے، ماحول کے چکر میں پھنس کر آدمی کی فطرت جیسی ہونی چاہیئے ناگزیر طریقہ پر ایسی ہی ہو جاتی ہے، اخفائے خودی کے لئے متواتر استعمال ہوتے رہنے پر وہ انتہائی خود غرضی اور مطلب

پرستی کا نشانہ بن جاتی ہے اور انجام کار مسموم حالت میں دم توڑ دیتا ہے۔ بڑھاپا آتے ہی آتے ہیں اخفائے خودی کی اس خواہش کا رد عمل اپنے وقت پر ہوتا ہے، تمام علم و دانش صحیح استعمال کی کمی اور فقدان کی بنا پر ضائع ہو جاتی ہے اور صرف تھوڑا سا دود خیال ہی باقی رہ جاتا ہے۔ جو کسی روحانی ذریعہ سے حاصل ہو جاتا ہے اور بجائے اس کے کہ نئے علوم کی مزید آگہی حاصل کرنے کی نئی سے نئی جد و جہد کی جائے، ہوتا یہ ہے کہ بچی کھچی باقیات کو بھی بہتر بنانے، ترقی دینے اور انہیں میل کچیل سے صاف کرنے کی کوشش کو بھی فضول اور بیکار سمجھا جانے لگتا ہے، انجام کار سابقہ عقل و خرد بھی ضائع ہو جاتی ہے، خود اعتمادی کی ناقابل تسخیر طاقت بھی جاتی رہتی ہے۔ اور پجاری محض اپنے اسلاف کے تابندہ و روشن نام سے اپنی دکان چمکانے لگتا ہے۔ اور محض اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے اسلاف کی جو شان و شوکت تھی، انہیں جو مراعات، اقتدار، برتری اور عزت و عظمت حاصل تھی وہ سب اس کے لئے بھی محفوظ رہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسری جاتیوں سے اشتعال کے ساتھ ٹکرانے لگتا ہے۔ . . . . .

مقصد فوت ہو جائے، نظر کے سامنے کوئی متعین منزل نہ رہے۔ تو پھر پجاری کے اقتدار کو اسی طرح جالا لگ جاتا ہے جس طرح ایک مکڑی اپنے ہی منہ سے نکلے ہوئے تاروں کے تانے بانے میں خود ہی پھنس کر رہ جاتی ہے، وہ زنجیر جو قرنوں سے بڑی چالاکی کے ساتھ دوسروں کے پاؤں میں ڈالی جاتی رہی ہے اب خود ہزاروں بل کھا کر انہی کو سختی کے ساتھ باندھ رہی ہے جو اس زنجیر کے بانی و موجد تھے، روایات و عبادت اور رسوم و رواج کے اس طویل جال میں (جو چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ جسے تزکیہ دماغ و جسم کا خالص ذریعہ کہا جاتا ہے اور جسے اس نقطۂ نظر کے تحت چاروں طرف پھیلایا گیا تھا کہ سوسائٹی پر فولادی گرفت قائم رہے) اب پجاری کا اقتدار بجائے خود بری طرح الجھ کر رہ گیا ہے اور وہ فنا ہو رہا ہے، اس جال سے چھوٹنے کی اب کوئی راہ نہیں ہے، اگر یہ جال کاٹا جائے، توڑا جائے تو وہ بنیاد ہی ہل کر رہ جائے گی جس پر پجاری کا اقتدار منحصر ہے، یہ قدرتی بات ہے کہ ہر آدمی میں ترقی کی راہ پر قدم بڑھانے کی زبردست خواہش ہوتی ہے، اور وہ لوگ حصول راحت کے لئے اب دوسری جاتیوں کے پیشے اختیار کرنے لگے ہیں جو یہ محسوس کر رہے ہیں کہ جب تک وہ ارادھنا کے جال میں پھنسے رہیں گے۔ اس وقت تک ترقی کرنا ممکن ہی نہیں ہے وہ جیسے ہی دوسری جاتیوں کے پیشے اختیار کرتے ہیں سوسائٹی ان کے وہ تمام حقوق و مراعات منسوخ کر دیتی ہے جو پجاری کے لئے مخصوص ہوتے ہیں، سوسائٹی ان نام نہاد براہمنوں کی براہمنیت میں کوئی عقیدہ نہیں رکھتی۔ جو شکھا رکھنے کی بجائے اپنے بال کٹواتے ہیں، قدیم اطوار اور اپنے اسلاف کے رواج و عادات ترک کر دیتے ہیں، نیم یورپین لباس پہننے لگتے ہیں اور مغرب سے آنے والے نئے نظریات اور نئی روایات کو ایک معجون بنا کر پیش کرتے ہیں، مزید برآں ہندوستان کے ان علاقوں میں جہاں برطانوی گورنمنٹ تعلیم کے نئے نظام کو جاری کر رہی ہے اور آمدن کی نئی نئی راہیں کھول رہی ہے وہاں نوجوان براہمن بحیثیت پجاری اپنے آبائی پیشہ کو ترک کرتے جا رہے ہیں۔ اور اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ انہیں دوسری

صفحہ 27 — ذات پات، تمدن اور سوشلزم

جاتیوں کے نام سے پکارا جائے۔ تاکہ وہ روزی کا ذریعہ حاصل کر سکیں اور دولت کما سکیں نتیجہ یہ ہے کہ وہ رسوم و رواج جو پجاری طبقہ کو اس کے قدیم آبا و اجداد سے دستیاب ہوئے تھے اب خشک پتوں کی طرح ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں اور بڑی تیزی سے یہ تمام رسوم و رواج فنا ہوتے جا رہے ہیں... قدیم اسکول کے کٹر پنڈت تک جو مالی مشکلات سے دوچار ہیں۔ اپنے بیٹوں کو انگلش یونیورسٹیوں کے کالجوں میں بھیج رہے ہیں اور انہیں یہ چھوٹ دے رہے ہیں کہ وہ خود کو ویدیا کہلوائیں کائستھ کہلوائیں یا کسی بھی غیر براہمن ذات کا نام اختیار کر لیں۔ اگر حالات اسی رفتار سے اپنی راہ پر چلتے رہے۔ تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ بہت ہی سنجیدہ مسئلہ بن جائے گا۔ پجاریوں کا طبقہ مزید کتنا عرصہ ہندوستان کی سرزمین پر باقی رہ سکے گا؟ جو لوگ اپنے ماسوا پجاریوں کے طبقہ کی برتری کو گھٹانے کا الزام کسی ایک خاص شخص یا اشخاص کے کسی گروہ پر عائد کرتے ہیں، انہیں جاننا چاہیئے کہ قانونِ فطرت کی ناگزیر تعمیل کے تحت براہمن جاتی از خود اپنا مقبرہ اپنے ہاتھ سے تعمیر کر رہی ہے جیسا ہونا چاہیئے ویسا ہی ہو رہا ہے، یہ اچھا اور بہت ہی مناسب ہوگا کہ اگر ان میں سے ہر جاتی اپنے ہاتھ سے اپنی چتا بنانا اپنا بنیادی فرض سمجھ لے جنہیں خصوصی مراعات کی بنا پر برتری حاصل ہے یا جنہیں پیدائشی اعتبار سے سوسائٹی میں بلند مرتبہ قرار دیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں دھرم کی اجارہ داری ہلاکت و تباہی کا باعث ہے۔ کیا کوئی بھی شخص اپنے بھائی کو پستی میں ڈال کر اپنے آپ کو گراوٹ سے محفوظ رکھنے کے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ بلا زخمی ہوئے کوئی بھی شخص دوسرے کو زخمی کر سکتا ہے، براہمنوں اور کشتریوں کا ظلم مع سود در سود کے ان کے سروں پر مسلط ہے۔ غلامی کے ایک ہزار برس پستی اور گراوٹ کچھ نہیں ہے مگر کرم کے اٹل قانون کا ایک ثمر جو انہیں کھانا پڑ رہا ہے۔

میرے بھائی، جنوب میں ادنیٰ طبقات پر اعلیٰ طبقات کے ظلم و تشدد کا مجھے خوب تجربہ ہو چکا ہے.... کیا اسے بھی دھرم کہا جا سکتا ہے۔ جو غریب کی مصیبتوں کو دور نہ کر سکے اور آدمی کو دیوتا بنانے میں ناکام رہے؟ کیا آپ کے خیال میں ہمارا دھرم اس قابل رہ گیا ہے کہ اس کا نام لیا جائے؟ ہمارا دھرم صرف چھوت چھات رہ گیا ہے... مجھے ہاتھ نہ لگاؤ، مجھے نہ چھوؤ! اور بس! ایک ملک جس کے بڑے بڑے لیڈر گزشتہ دو ہزار برس سے صرف اس بات پر بحث کر رہے ہیں کہ ہمیں کھانا سیدھے ہاتھ سے کھانا چاہیئے یا الٹے ہاتھ سے، ہمیں پانی دائیں جانب سے لینا چاہیئے یا بائیں جانب سے، بربادی سے بچ نہیں سکتا۔ اگر ایسا دیش برباد نہیں ہوگا تو کیا کوئی دوسرا ملک برباد ہوگا... ایک ملک جس کے لاکھوں باشندے صرف مہوا کے پھولوں پر بسر کرتے ہیں، دس یا بیس لاکھ سادھو اور ایک ارب کے لگ بھگ براہمن غریب عوام کی زندگی کو بہتر بنانے ذرا سی کوشش کئے بغیر ان کا خون چوستے ہیں، یہ کوئی ملک ہے یا جہنم؟ یہ کوئی دھرم ہے یا شیطان کا رقص ہے! میرے بھائی ایک بات آپ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے میں نے پورے ملک کا سفر کیا ہے، خوب مشاہدہ کیا ہے۔ کیا معلول کے بنا بھی کوئی علت ہو سکتی ہے کیا مسبب کے بغیر بھی کوئی سبب ہو سکتا ہے؟ کیا گناہ کے بغیر بھی سزا ہو سکتی ہے؟

ہزاروں برس سے آپ بیٹھے ہُوئے توہمات کا بوجھ اپنے سروں پر لادے ہیں سینکڑوں برس سے آپ کی صلاحیت اِس بات پر ضائع ہو رہی ہے، اِس کو ہاتھ نہ لگاؤ، اس کو نہ لگاؤ، یہ کھاؤ، وُہ نہ کھاؤ، صدیوں کے سماجی ظلم نے آپ کی انسانیت کو پامال کر ڈالا ہے . . . . آپ ہیں کیا؟ . . . . دوستو! انسان بنو! پجاریوں کو ٹھوکر مارو جو ہمیشہ ترقی کی مخالفت کرتے رہتے ہیں، اِس لئے کہ وُہ خود تبدیل نہیں ہو سکتے، وُہ ظلم و توہمات کے صدیوں پرانے شجر ہیں۔ پہلے دھرم کی ٹھیکیداری کی جڑیں اکھاڑ پھینکو! دوستو! آؤ انسان بنو! تنگ سوراخوں سے باہر نکلو اور وسیع النظر بنو . . . . دیکھو کہ قومیں کس طرح آگے قدم بڑھا رہی ہیں . . . . آپ باہر نکلیں گے تو آپ کی جاتی ہاتھ سے نکل جائے گی، کیسی احمقانہ بات ہے،

ہمیں سفر کرنا چاہیئے، ہمیں بدیش جانا چاہیئے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ دوسرے ممالک میں سوسائٹی کی مشینری کس طرح کام کرتی ہے، دوسری اقوام کے ذہن و دماغ میں جو تغیّر و تبدّل اور ترقّی ہو رہی ہے اس سے ہمیں آزادانہ اور فراخدلانہ تعلق رکھنا چاہیئے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دوبارہ ایک قوم بنیں تو ہمیں یہ سب کچھ کرنا ہو گا۔ مزید برآں ہمیں یہ بھی کرنا ہو گا۔ کہ ہر قسم کے ظلم کی راہ کو مسدود کر دیں۔

آہ ظالمو! تم نہیں جانتے کہ سکہ کی صورت "ظلم" ہے اور "ن" غلامی ہے، غلام اور ظالم ہم معنی الفاظ ہیں۔

اقلیت کا ظلم دُنیا میں بدترین ظلم ہے۔

اونچی جاتیوں پر مشتمل عوام جن پر اعلےٰ جاتیاں صدیوں سے ظلم کر رہی ہیں اور جن سے ہر قدم پر ناروا سلوک کر رہی ہیں، انسانیت کی قدروں سے محروم ہو گئے ہیں اور پیشہ ور گداگر بن کر رہ گئے ہیں۔

"وہ کون ہیں جنہوں نے بھنگیوں اور پریہوں کو پستی کے اس غار میں دھکیلا ہے جس میں آج وہ پڑے ہوئے ہیں، بیدردی کا یہ عمل اور اس کے ساتھ تمام انسانوں کی وحدت کا پرچار۔ کیا یہ جرأت انگیزی کے ساتھ توہین اور زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف نہیں ہے؟

یہ کیسی مضحکہ خیز حالت ہے جو ہم نے پیدا کر رکھی ہے! اگر ایک بھنگی، بھنگی کی حیثیت میں کسی کے پاس آئے تو اس سے اس طرح بھاگا جائے گا جیسے کوئی ظالموں سے بھاگتا ہے۔ لیکن یہی بھنگی اپنے سر پر مقدّس پانی کا ایک کٹورا ڈال کر اور ایک پادری کے بتائے ہُوئے چند مقدّس الفاظ اپنی زبان سے دُہرا کر اور اپنے جسم پر ایک کوٹ پہن کر کسی کٹّر سے کٹّر ہندو کے کمرے میں آ جائے تو پھر کس میں ہمّت ہے کہ اسے کرسی نہ پیش کرے اور اس سے ہاتھ نہ ملائے، تضاد بہت دُور تک نہیں چل سکتا، آؤ اور دیکھو کہ یہ پادری جنوب میں کیا گُل کھلا رہے ہیں۔ وُہ نیچی جاتیوں کے لاکھوں لوگوں کا مذہب تبدیل کرا رہے ہیں۔ ٹراونکور، جس کی زمین کا چپّہ چپّہ کبھی براہمنوں کی ملکیت تھا، آج پادریوں کا سب سے بڑا گڑھ بنا ہُوا ہے . . . . تقریباً ایک چوتھائی ٹراونکور عیسائی ہو چکا ہے۔ پھر بھی میں ان پر کوئی الزام نہیں دھر سکتا۔ بھگوان! اے بھگوان۔ وہ وقت کب آئے گا جب انسان، انسان کا دوست، بھائی بن جائے گا۔

دھرم کی ٹھیکیداری اپنی فطرت میں ظالم اور بے دَرد واقع ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں دھرم کی اجارہ داری اُبھرتی ہے وہاں دھرم اپنے معیار سے گِر کر پست ہو جاتا ہے، ویدانت میں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ ہمیں مخصوص مراعات کا تصوّر ہی ترک کر دینا چاہیئے۔ تب ہی ہم میں دھرم کا سچا گیان پیدا ہو گا! اس کے بغیر دھرم نہیں آ سکتا۔

ویدانت دھرم کا جرأت مندانہ نظام تھا (اور ہے) یہ کہیں رُکتا نہیں، اور اس کی ایک خوبی ہے لیعنی یہ کہ اس میں ان بیچاریوں کا کوئی گرہ نہیں تھا۔ جو یہ چاہتا ہو کہ ایک ایسے آدمی کو جو سچ بولنا چاہتا ہے، حق بات کہنا چاہتا ہے کچل کر رکھ دیا جائے، ویدانت میں ہمیشہ مذاہب کو قطعی آزادی دی گئی ہے۔ ہندوستان میں تو ہم کہہ وارانہ بندش ایک سماجی بندش ہے۔

مراعات کا تصوّر ہی بنی نوع انسان کی زندگی کی سب سے بڑی لعنت ہے، دو طاقتیں، ہمیشہ ٹکراتی رہتیں، ایک وہ جو جاتیاں بناتی اور دوسری وہ جو مراعات کو توڑتی ہیں اور جب بھی ایسا ہوا ہے کہ مراعات کا ڈھانچہ ٹوٹا ہے تو ایک قوم کو زیادہ سے زیادہ روشنی ملی ہے اور ترقی نے اس کے دروازے پر دستک دی ہے۔ ... کوئی شخص یہ ہوتے بھی کہے کہ وہ ویدانت کا ماننے والا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی شخص کے لئے ذہنی، فکری یا جسمانی و روحانی مراعات کا اقرار بھی کرے، یہ دو باتیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں، ویدانت کے ماننے والے کسی کے لئے مراعات کا اقرار نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ویدانت مراعات سے قطعی انکار کرتا ہے، ہر شخص میں یکساں اہلیت ہوتی ہے کوئی اپنی اہلیت سے زیادہ کام لیتا ہے کوئی کم! ... کوئی شخص پیدائشی اعتبار سے برتر ہوتا ہے اور کوئی کمتر، ویدانت میں اس بات کا کوئی مفہوم نہیں ہے کوئی مطلب نہیں ہے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

"ذات پات ایک فطری نظام ہے، مَیں سماجی زندگی میں ایک کام کر سکتا ہُوں، آپ دوسری خدمت انجام دے سکتے ہیں، آپ ایک ملک پر حکومت کر سکتے ہیں، مَیں پرانے جوتوں کی مرمت کر سکتا ہوں لیکن کیا آپ میرے پرانے جوتوں کی مرمت کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ مجھ سے برتر مانے جائیں اور مَیں آپ سے کمتر ٹھہرایا جاؤں مَیں پرانے جوتوں کی مرمت کرنے کا اہل ہوں آپ وید پڑھنے کے اہل ہیں۔ لیکن یہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ میرے سر پر چڑھ کر بیٹھ جائیں، ایک شخص اگر ارتکاب قتل کرتا ہے تو کیونکر وہ مستحق ستائش ہو سکتا ہے اور دوسرا شخص صرف سیب چوری کرنے کا جرم کرتا ہے تو کیوں اسے پھانسی دے دینی چاہیئے، اس امتیاز کو ختم ہی ہونا پڑے گا ذات پات ٹھیک ہے۔ زندگی کے مسئلے سلجھانے کا یہ فطری نظام ہے۔ آدمی کو اپنی جمعیت بنانا ہی چاہیئے۔ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے، آپ جہاں بھی جائیں گے وہاں جاتیاں موجود ملیں گی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہاں یہ امتیازات بھی موجود رہیں۔ اپنی جمعیتیں بنانا سوسائٹی کے مزاج میں شامل ہے۔ لیکن جس چیز کو ختم ہونا ہے وہ یہ امتیازات اور یہ مراعات ہیں۔ اگر آپ ایک ماہی گیر کو ویدانت کی تعلیم دیں گے تو وہ کہے گا "مَیں بھی آپ ہی کی طرح ایک اچھا

بشر ہوں میں ماہی گیر ہوں آپ فلاسفر ہوں۔ جو ایشور آپ میں ہے وہی ایشور مجھ میں ہے"۔ اور یہی وہ بات ہے جو ہم چاہتے ہیں یعنی یہ کہ کسی کے لئے مراعات نہ ہونی چاہئیں۔ سب کے لئے یکساں مواقع ہونے چاہئیں۔ ہر شخص کو بتانا چاہیئے کہ اس کی ذات کے اندر ایشور موجود ہے۔ اور ہر شخص کو اپنی نجات اور بھگتی کے لئے ریاضت کرنی ہوگی۔

لہٰذا امتیاز کو پامال کر ڈالئے مگر اس چیز کو کچل ڈالیے جو امتیازات و مراعات کو جنم دیتی ہے ہمیں اس علم و آگہی کی اشاعت کرنی چاہیئے جو تمام عالم انسانیت کی ایکتا اور وحدت کا احساس پیدا کرے۔

تمام کائنات میں دو ہی طاقتیں بروئے کار دکھائی دیتی ہیں۔ ایک طاقت جو بانٹ رہی ہے دوسری طاقت جو جوڑ رہی ہے، ایک طاقت بروئے کار ہے افراد میں زیادہ سے زیادہ جدائی ڈالنے کے لئے اور دوسری طاقت ان تمام امتیازات و اختلافات کی موجودگی کے باوجود افراد کی جمعیتیں بنا رہی ہے اور ایکتا یا وحدت کا احساس پیدا کر رہی ہے ... اس بات پہ اصرار کیا جاتا ہے کہ سماجی درجہ بندیوں اور اعضائے انسانی تک میں قطعی وحدت طبعی و سماجی موت کا موجب بن جائے گی ... لہٰذا مساوات و وحدت سے بچنا چاہیئے ... تقریباً یہ وہی دلیل ہے جس پہ ہندوستان کے براہمن زور دیتے رہے ہیں جب وہ یہ چاہتے ہیں کہ جاتیاں باقی رہیں، درجہ بندیاں باقی رہیں یا جب وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہرکس و ناکس کے بالمقابل، قوم کے کسی خاص جزو کی مراعات بدستور باقی رہیں اور کوئی تغیر و تبدل نہ ہو۔ تو وہ اس وقت اسی دلیل پہ اصرار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جاتیوں پہ مشتمل نظام ٹوٹنے سے پورا سماج ٹوٹ جائے گا۔ اور پھر بڑی ڈھٹائی سے اپنی دلیل کے حق میں یہ تاریخی حقیقت پیش کرتے ہیں کہ ہماری سوسائٹی سب سے زیادہ قدیم ہے اور ہمارے سماج کی عمر سب سے زیادہ ہے۔

اس کے برعکس وحدت اور ایکتا کی دعوت دینے والے بھی پورے ملک میں ہمہ وقت مصروف عمل رہتے ہیں ... ویدانت کے ماننے والے اس بات پہ اصرار کرتے ہیں کہ سوائے ایکتا اور وحدت کے کوئی دوسری چیز موجود ہی نہیں ہے۔ تنوع ضرور ہے لیکن یہ تنوع نوع بہ نوع اقسام صرف ظاہری چیز ہیں حقیقی چیز نہیں ہیں۔ اسی لئے ویدانت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ نوع بہ نوع اقسام کی طرف دھیان مت دو۔ اور وحدت یا ایکتا کی طرف پلٹ چلو! ... یہ حقیقت ہے کہ نوع بہ نوع اقسام موجود ہیں، تنوع موجود ہے اور جب تک زندگی ہے یہ تنوع بھی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ واقعہ بھی ہے کہ ان نوع بہ نوع اقسام یا تنوع کے اندر وحدت کو برقرار رہنا چاہیئے۔

یہ کائنات کثرت میں وحدت کا ایک جلوہ ہے ... ہم ایک چیز کو مان نہیں سکتے جب تک کہ دوسری چیز کا اقرار نہ کر لیں ... یہ انوکھا دعویٰ ہے — نہ یہ کہ وحدت کو پیدا کرنا ہے، بلکہ وحدت پہلے ہی سے موجود ہے اور یہ کہ آپ وحدت کے بغیر تنوع کو باقی نہیں رکھ سکتے، بھگوان کو بنانا نہیں ہے وہ تو موجود ہی ہے ... ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے اس لئے کہ یہی حقیقی تصور ہے یہی سچا عقیدہ ہے، مگر اس کے ساتھ یہ مشکل بھی ہے کہ وحدت خارجی شکل و صورت

اور خارجی پوزیشن میں کبھی حاصل نہیں کی جا سکتی لیکن جو حاصل کی جا سکتی ہے وہ ہے امتیازات کا ازالہ! ساری دنیا کے سامنے یہی ایک حقیقی کام ہے۔ تمام سماجی زندگیوں میں ہر قوم اور ہر ملک میں یہ ہوتا آتا ہے کہ ایک کو لڑنا پڑتا ہے مشکل یہ نہیں ہے کہ انسانوں کی ایک جمعیت فطرتاً دوسری جمعیت کے مقابلہ میں زیادہ ذہین و فہیم واقع ہوئی ہے بلکہ مشکل یہ ہے کہ انسانوں کی ایک جمعیت کو جسے ذہانت و ذکاوت کے مواقع حاصل ہیں کیا اس گروہ سے اس کی مسرت و شادمانی کو چھین لینا چاہیئے، جسے ذہانت و ذکاوت کے مواقع میسّر نہیں ہیں، لڑائی ہے امتیازات و مراعات کو تباہ و برباد کر دینے کی! کچھ لوگ اگر اپنی فطری اہلیت کی بنا پر دوسرے لوگوں سے زیادہ دولت جمع کر لیتے ہیں تو یہ اُن کی قدرتی اہلیت کا ایک ثمر ہے لیکن صرف اس بنا پر کہ انہوں نے زیادہ دولت اکٹھا کر لی ہے اور اپنی اکٹھا کی ہوئی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کو پامال کرنے لگیں اور اُن پر ظلم کے پہاڑ توڑنے لگیں تو ان کا یہ عمل قانونِ فطرت کے خلاف ہوگا۔ اور پھر قانونِ فطرت کو توڑنے والے اس عمل کے خلاف لڑائی ہوگی اور یہی لڑائی ہے جو ہوتی رہی ہے، سہولت اور موقع سے فائدہ اٹھا کر دوسرے کا حق مار لینا ہی ایک امتیاز ہے، اور قرنوں سے اخلاقی اقدار کا یہ تقاضا رہا ہے کہ اس امتیاز کو برباد کر دیا جائے یہی وہ کام ہے جو تنوع کو برباد نہ کرتے ہوئے بھی ایکتا پیدا کرتا ہے، وحدت پیدا کرتا ہے۔

"بنیادی طور پر ہم میں سے ہر شخص کو، علم اور محبت کے بحرِ بیکراں میں اپنا پیدائشی حق رکھتا ہے، یہ فطرتِ سلیم و صالح کا حق ہے، اور ہم میں جو فرق دکھائی دیتا ہے وہ کم و بیش قدرت کا کرشمہ ہے، اسی لئے ویدانت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کسی شخص کی صورت پر نہ جاؤ۔ بلکہ ہر آدمی سے اس کا کرم اور اس کے گن دیکھ کر سلوک کرو۔ ہر انسان ایشور کے لئے ہے لہٰذا ہر ہادی و مبلغ کو اس کا مددگار بننا چاہیئے، اس کی مذمت کر کے نہیں، بلکہ اس کی روحانیت کو بیدار کر کے اور اس کے ملکوتی احساس کو جگا کر! اس کا مددگار ثابت ہونا چاہیئے۔

اور یہ کام زیادہ تر خود براہمنوں کو انجام دینا چاہیئے۔ کیونکہ ہر مطلق العنان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی قبر اپنے ہاتھ سے کھودے اور جس قدر جلد یہ قبر کھدتی ہے اتنا ہی اچھا اور مفید ہوتا ہے۔ اب مزید وقت ضائع نہ کرنا چاہیئے۔

مجھے افسوس ہے کہ اس نئے زمانہ میں بھی جاتیوں کے بیچ اتنی زیادہ بحث ہو رہی ہے، یہ ختم ہونی چاہیئے اس کا فائدہ کسی کو نہیں ہے نہ برتر جاتیوں کو نہ کمتر جاتیوں کو۔ خصوصیت سے براہمنوں کے لئے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے کہ امتیازات و مراعات کے دن بیت چکے ہیں، اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودنا ہر مطلق العنان کا فریضہ ہے اور یہ فریضہ جس قدر جلد انجام دیا جائے اتنا ہی اچھا اور مفید ہوگا جتنی زیادہ تاخیر ہوگی یہ ناسور اتنا ہی زیادہ گہرا ہوگا اور موت اتنی ہی زیادہ خراب ہوگی یہ براہمنوں کا فریضہ ہے کہ وہ ہندوستان میں بنی نوعِ انسان کی باقی نسل کیلئے فلاح و نجات کی راہ تلاش کریں اگر وہ ایسا کریں گے اور جب تک وہ ایسا کرتے رہیں گے اس وقت تک وہ براہمن رہیں گے جو دوسروں کی فلاح و نجات کے لئے کام کرتا ہے وہی براہمن ہوتا ہے لیکن جب ایک براہمن دوسروں کی فلاح و نجات کا کام چھوڑ کر صرف روپیہ کمانے کی دھن میں لگ جاتا ہے تو پھر وہ براہمن براہمن نہیں رہتا۔

جھوٹے خدا

اب میں کچھ باتیں کھانے پینے کے رسم و رواج کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔ تمام قدیم رواج و ضوابط تو نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں لیکن ایک مبہم سی بات جو ہمارے ابنائے وطن میں باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ فلاں آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا چاہیئے اور فلاں آدمی کے ساتھ نہ کھانا چاہیئے۔ سینکڑوں برس پہلے جو اچھے اصول بنائے گئے تھے ان میں سے صرف اس اصول کی بگڑی ہوئی شکل باقی رہ گئی ہے کہ کوئی ایسا آدمی کھانے کو ہاتھ نہ لگائے جس کے ہاتھ لگانے سے کھانے کی پاکیزگی جاتی رہے۔ شاستروں میں صرف تین اقسام کا کھانا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ایک وہ کھانا جو بنیادی طور پر ناقص ہو، مثلاً جس میں لہسن پیاز وغیرہ شامل ہو، دوسرے وہ کھانا جس میں وہ اشیاء الگ سے شامل ہو گئی ہوں۔ جو خالص یا پاک نہ ہوں، تیسرے وہ کھانا جسے کسی ایسے آدمی نے ہاتھ لگایا ہو جو بدطینت بدکردار ہو۔ اس لئے کہ برے آدمی کی صحبت سے ہم میں بھی برے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اب ان امتناعی اصولوں کی جو روح تھی وہ تو ختم ہو گئی ہے۔ اور جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کسی ایسے آدمی کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے جو اونچی جاتی کا نہیں ہے۔ ایک نیچی ذات کا کوئی شخص چاہے کتنا ہی بڑا عالم و فاضل اور محترم و معزز کیوں نہ ہو۔ لیکن ہم اس کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے، اس پرانے دستور کی ایک حلوائی کی دکان پر کوئی خیال نہیں کی جاتی، آپ دیکھیں گے کہ وہاں مٹھائیوں پر مکھیاں بھنکتی رہتی ہیں، سڑک سے اڑنے والی گرد مٹھائی پر گرتی ہے اور جذب ہو جاتی ہے حلوائی کا اپنا لباس گندہ اور میلا ہوتا ہے . . . . گویا کھانے کی پاکیزگی کی روح غائب ہو گئی ہے اور صرف الفاظ باقی رہ گئے ہیں چور، شرابی، جواری اور ہر طرح کے مجرم ہم سے مل سکتے ہیں ہمارے ساتھ اٹھ بیٹھ سکتے ہیں، لیکن ایک شریف اور نیک آدمی اگر کسی کمتر جاتی کے ایک ایسے آدمی کے ہاتھ کی کوئی چیز کھا لیتا ہے جو اسی کی طرح شریف اور نیک ہے تو اس پر ایک قیامت آ

ذات پات، تمدن اور سوشلزم صفحہ 33

جاتی ہے، اسے جاتی سے نکال دیا جائے گا۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائے گا۔ یہ رواج ہمارے ملک کی بربادی کا موجب ہے۔

شرتیوں کی یہ تعلیم بہت ہی شاندار ہے جب غذا اور خوراک پاک و خالص ہوتی ہے من صاف ہونا شروع ہو جاتا ہے اور جب ستو دیا پاک اور خالص ہوتا ہے تو سمرتی پاک و خالص ہوتی ہے۔ بھگوان کی یاد یا اپنی اصلیت کی یاد! —— آدمی میں سچائی، حلم و استقلال اور آجاتا ہے۔ شری رامانج نے لفظ "آہار" کو غذا اور خوراک کے معنی میں استعمال کیا ہے اور اسے اپنے فلسفہ کے بنیادی نکات میں شامل کیا ہے۔ شری شنکر اچاریہ کا بیان ہے کہ "آہار" کا مطلب ہے "وہ خیال جو دماغ میں جمع ہو"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ دونوں معنی درست ہیں۔ ۔ ۔ ۔ لیکن خرابی یہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں شری شنکر اچاریہ کی تعلیم کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ اور "آہار" کا مطلب محض "خالص کھانا" قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ میری اس بات کو سن کر پاگل ہو جاتے ہیں۔ "دھرم کو رسوئی کے اندر دھر دیا گیا ہے"۔ اگر آپ مدراس میں میرے ہمرکاب چلیں تو آپ میری اس بات سے اتفاق کریں گے بنگالی اس معاملہ میں زیادہ بہتر ہیں۔ مدراس میں اگر کسی کے کھانے کو کوئی ایک نگاہ بھر کر دیکھ لے تو وہ اپنا کھانا ہی اٹھا کر پھینک دیتا ہے۔ اور ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے جیسے لوگوں میں کوئی اچھائی نہیں دکھائی دیتی، اگر ایک غذا کھانے اور دوسری غذا نہ کھانے یا کھانے کو ایک کی نظر سے بچانے اور چھپانے ہی سے ایک شخص میں کمال آتا ہے تو پھر ان میں سے ہر شخص کو کامل ہی ہونا چاہیے۔ اور آپ کا خیال ان کے بارے میں یہی ہو گا کہ وہ کامل ہوں گے، لیکن ایسا نہیں ہے!

شری شنکر اچاریہ نے "آہار" کا مطلب لیا ہے "حواس خمسہ"۔ اور شری رامانج نے "آہار" لفظ کو خوراک کے معنی دیئے ہیں۔ میری رائے میں لفظ "آہار" کو وہ معنی پہنانا چاہئیں جو ان دونوں باتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیں، کیا ہمیں اپنی ساری زندگی اسی بحث میں گزار دینی چاہیئے کہ کونسی خوراک خالص ہے کونسی نہیں ہے، یا پوری عمر حسیات و جذبات کو محدود تر کرنے کی کوشش میں بسر کر دینی چاہیئے، یقیناً تزکیہ نفس ہی بنیادی مقصد ہے، نیک و بد، شدھ اور اشدھ خوراک کی تمیز، کسی حد تک اس بنیادی مقصد کے حصول میں ایک شخص کے لئے معاون و مددگار ہوتی ہے۔ ہماری کتابوں کے مطابق تین چیزیں غذا کو اشدھ، ناپاک اور غلیظ بناتی ہیں۔

(۱) جاتی دوش۔ کسی خاص طبقہ کی خوراک کا لہسن اور پیاز وغیرہ کی آمیزش کی بنا پر بنیادی نقص (۲) نمت دوش یعنی وہ خوراک جس میں کچھ چیزیں باہر سے آکر شامل ہو گئی ہوں جیسے مردہ کیڑے مکوڑے یا سڑک کی دھول وغیرہ، اس غذا میں وہ مٹھائیاں وغیرہ بھی شامل ہیں جو حلوائی کی دکان سے خریدی جاتی ہیں۔ (۳) اشریہ دوش یعنی وہ کھانا جو بد طینت اشخاص کے ہاتھ کا چھوا ہوا ہو یا بدی کے ذریعہ سے آئے، یہ کھانا ناقص ہوتا ہے، خصوصیت سے پہلی اور دوسری قسم کے کھانوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ لیکن ہمارے ملک میں پہلی اور دوسری قسم کے کھانوں سے پرہیز کرنے کی ضرورت پر

لوگ کوئی خاص دھیان نہیں دیتے۔ صرف تیسری قسم کے کھانے سے پرہیز کرنے کی ضرورت پر جھگڑا کیا جاتا ہے حالانکہ کھانے کی اس تیسری قسم میں صرف ایک یوگی ہی تمیز کر سکتا ہے۔

خطرہ یہ ہے کہ ہمارا دھرم کہیں رسوئی میں پھنس کر نہ رہ جائے۔ ہم نہ تو ویدانت کے پیروکار ہیں نہ پرانوں اور تانترکوں کے ماننے والے ہیں، ہم محض چھوت چھات کے معتقد بن کر رہ گئے ہیں، ہمارا دھرم صرف رسوئی کے اندر بند ہو کر رہ گیا ہے۔ ہمارا بھگوان دیگچی ہے اور ہمارا دھرم ہے "مجھے ہاتھ مت لگاؤ میں شدھ ہوں" اگر سو برس تک یہی صورت اور جاری رہی۔ تو ہم میں سے ہر ایک کو پاگل خانہ جانا پڑے گا۔

آجکل یہ کھانا اور وہ کھانا اور ورن آشرم کے بارے میں بہت شور مچایا جا رہا ہے۔ اس شور میں بنگالیوں کی آواز سب سے اونچی ہے، میں آپ میں سے ہر ایک سے سوال کروں گا کہ ورن آشرم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اس ملک میں آج چار جاتیاں کہاں ہیں؟ مجھے جواب دیجئے! چار جاتیاں مجھے تو دکھائی نہیں دیتیں! "بغیر سر کے درد سر" یہ بنگلہ کی ایک کہاوت ہے اور آپ ورن آشرم کو بھی اسی کہاوت کے مطابق بنانا چاہتے ہیں، یہاں چار جاتیاں ہیں ہی نہیں! مجھے تو صرف براہمن اور شودر دکھائی دیتے ہیں، اگر یہاں کشتری اور ویش بھی ہیں تو وہ کہاں ہیں اور آپ براہمن ان سے یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ بھی جنیو ڈالیں اور وید پڑھیں جیسا کہ ہر ہندو کو کرنا چاہیئے ۔۔ اور اگر ان کا وجود ہے ہی نہیں تو پھر شاستروں کا حکم یہ ہے کہ براہمنوں کو اس دیش میں نہ رہنا چاہیئے جس دیش میں صرف شودر بستے ہیں، لہذا اپنا بوریا بستر یہاں گول کیجیے! کیا آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کے بارے میں شاستر کیا کہتے ہیں جو ملیچھ کھانا کھاتے ہیں اور ملیچھوں کی حکومت میں رہتے ہیں جیسا کہ آپ ہزار برس سے رہتے چلے آ رہے ہیں کیا آپ جانتے ہیں کہ اس گناہ کی سزا کیا ہے؟ سزا یہ ہے کہ ایک شخص اپنے ہی ہاتھوں اپنے کو جلا کر خاکستر کر ڈالے کیا آپ معلّموں کی طرح بسر کرنا چاہتے ہیں، اور پاگلوں کی طرح چلنا چاہتے ہیں؟ آپ خود تو اپنے شاستروں میں کوئی عقیدہ نہیں رکھتے مگر چاہتے یہ ہیں کہ دوسرے ان میں یقین و اعتقاد رکھیں، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس عہد میں آپ ایسا نہیں کر سکتے (یعنی اپنے ہاتھ سے اپنے کو جلا کر ہلاک کر ڈالیں) تو پھر اپنی کمزوری کا اقرار کیجیے اور دوسروں کی کمزوریوں کو معاف فرمائیے، دوسری جاتیوں کو لیجیے ان کی امداد کیجیے، انہیں ویدوں کے مطالعہ کا موقع دیجئے اور انہیں اتنا اچھا آریہ بنائیے جتنا اچھا دنیا میں کوئی بھی دوسرا آریہ ہو سکتا ہے، اور آپ بھی ۔ بنگالی براہمن ۔۔ بہترین آریہ بنئیے!

ساتسو برس پہلے جو تھا جاتیوں کا وہ نظام اب نہیں ہے، زمانہ کی ہر ضرب نے اسے مجروح کر ڈالا ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہندوستان میں کسی جگہ بھی زمانہ قدیم کی چار بنیادی جاتیاں براہمن، کشتری، ویش اور شودر اب نہیں ہیں، نئے زمانہ کی تقسیم اندر تقسیم نے براہمنوں کو بے شمار جاتیوں میں بانٹ دیا ہے، مثل سابق ایک براہمن جاتی بنانے کے لئے اس تقسیم اندر تقسیم کو ختم کرنا ہوگا۔ اور ان گنت درجہ بندیوں کو مٹا کر ایک براہمن جاتی بنانی ہوگی۔

ذات پات، تمدّن اور سوشلزم صفحہ 35

اسی طرح باقی تین میں سے ہر ایک جاتی بھی بے شمار ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان کے بے شمار ٹکڑوں کو جوڑ کر ان کا بھی ایک ایک گروپ بنانا ہوگا، جیساکہ ویدوں کے زمانہ میں تھا، اس کے بغیر، صرف اس شور سے مادرِ وطن کو کوئی حقیقی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ "ہم تم کو ہاتھ نہیں لگائیں گے"، "ہم تم کو اپنی برادری میں واپس نہیں لیں گے"۔ اس شور کا جو آج کل مچایا جا رہا ہے، میرے دوستو! مادرِ وطن کو حقیقتاً کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

میرے بچّو! دوسروں سے نفرت کر کے کوئی شخص، زندہ نہیں رہ سکتا، کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی ہندوستان کے مقدر پر کلنک کا ٹیکا اسی دن لگ گیا تھا جس دن اس نے لفظ "ملیچھ" ایجاد کیا تھا۔ اور دوسروں سے میل جول ترک کیا تھا۔ ذرا سوچیے کہ آپ نے کس طرح اس نظریہ کی سرپرستی کی ہے، حوصلہ افزائی کی ہے۔ بے خلوص ہو کر بھی مزے لے لے کر ویدانت کا تذکرہ کرنا آسان ہے لیکن اس کی کم سے کم تعلیم پر بھی عمل کرنا کتنا مشکل ہے۔

ہم اپنے ملک میں اس بارے میں بہت کچھ سنتے ہیں کہ بعض لوگ اشراف سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض لوگ نیچی جاتیوں سے، لیکن حکومت کی نظر میں بلا امتیاز سب لوگ اسی ملک کے باشندے ہیں، مہاراجہ، راجہ، براہمن، کشتری، ویش اور شودر سب کے سب ایک ہی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی وہ سب اسی دیش کے باسی ہیں، وہ قانون اور ضابطہ جو قلیوں اور محنت کشوں پر نافذ ہوتا ہے وہی قانون اور ضابطہ بلا امتیاز اس ملک کے تمام باشندوں پر نافذ ہوتا ہے۔ اے انگریز حکومت! تیرا شکریہ! تیرے کرم سے، گو ایک لمحہ ہی کے لئے سہی، لیکن میں بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ ان سب غلاموں میں سے ایک میں بھی ہوں۔ آج کل میں ہندوستان میں سب جاتیوں کے لوگوں کی زبان سے یہ بات سنتا ہوں کہ ان سب کی رگوں میں بھی آریوں کا خون ہے۔ ان کے درمیان رائے کا فرق صرف اس بارے میں ہے کہ ان کی رگوں میں کس مقدار میں آریوں کا خون موجود ہے، کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی رگوں میں سارے کا سارا خون آریوں کا ہے، کوئی یہ کہتا ہے کہ اس کے خون میں آریوں کے خون کا صرف ایک اونس ہے، کسی کے خون میں آریوں کے خون کی مقدار ایک اونس سے بھی کم بتائی جاتی ہے — کل اتنی سی بات ہے — وہ بھی انگریزوں کی طرح اس ملک میں آئے، ان کے مذہب کی نہج بھی وہی ہے جو انگریزوں کی، اور ان کے آبا و اجداد بھی ایسے ہی تھے جیسے انگریز! صرف ہندوستان کے سورج کی تیز دھوپ میں رہنے سہنے کی وجہ سے ان کا رنگ کالا ہو گیا۔ اب اگر آپ میں جرأت اور جسارت ہے تو اپنے دلائل لے کر سامنے آئیے، حکومت کہتی ہے "آپ سب غلام ہیں"۔ کالوں کے انبوہ و ہجوم میں کم سانولے و زیادہ سانولے کی کوئی تمیز نہیں کی جاسکتی، حکومت کہتی ہے — "یہ سب غلام ہیں"۔

آریوں کے خون کی کمی و بیشی کی بنیاد پر نجابت و شرافت اور گورے کالے کے امتیازات کی یہ باتیں غلاموں کو کیا زیب دیتی ہیں، اپنے اسلاف پر فخر کرنا غلاموں کو کب زیب دیتا ہے، ایک ڈوم تھا جو کہتا پھرتا تھا، کہ دنیا بھر میں مجھ سے اونچی ذات کسی کی نہیں ہے۔ وہ کہتا: بس سمجھ لو میں ڈوم ہوں ڈوم —! آپ دیکھتے ہیں کہ

کیا مذاق ہے یہ؟ بنی نوع انسان میں جو سب سے زیادہ حقیر سمجھا جاتا رہا ہے، اس میں بھی ذات پات کے امتیازات پر مبنی جذبات کی یہ شدت پائی جاتی ہے۔

ہندوستان کے بارے میں میں کیا کہوں؟ اس کے پاس صرف شودروں کا طبقہ رہ گیا ہے اس کے برہمن جنہیں روحانی قدروں کی واقفیت تھی اب بدیشی پروفیسر بن گئے ہیں اس کے کشتری وہ انگریز ہیں جو حکومت کر رہے ہیں اس کے ویش بھی انگریز ہی ہیں جن کی رگ رگ میں تجارت کا فن سرایت کر گیا ہے، ہندوستانیوں کے اپنے پاس صرف "شودرپن" رہ گیا ہے بار برداری اور بوجھ اٹھانے والے جانور! ایک ہولناک اندھیرے نے فی الحال ہمیں چاروں طرف سے اپنے نرغہ میں لے لیا ہے، اس سرزمین پر جس کی ساری آبادی عملاً گر کر شودروں کی سطح پر آ گئی ہو محض شودر طبقہ کی علیحدہ سے کیا بات کی جا سکتی ہے؟

میں ان قوموں کے ساتھ مخلوط شادیوں کا رواج ڈالنے کا مشورہ نہیں دوں گا جو دوسرے مذہب کی پیروکار ہیں۔ فی زمانہ اس مشورہ سے سوسائٹی کی کڑیاں یقینی طور پر ڈھیلی ہوں گی اور اس سے بلاشبہ بے شمار تباہیاں پیدا ہوں گی۔ جس قسم کی مخلوط شادیوں کا میں مشورہ دیتا ہوں وہ ایک ہی دھرم کے ماننے والوں میں ہونی چاہئیں۔ ابھی یہ وقت (۲۴ جنوری ۱۸۹۸ء) آنے میں بڑی دیر ہے جب اس قسم کی شادیاں وسیع طور پر ممکن ہو سکیں گی، مزید برآں یہ اچانک ہو جانا قرین مصلحت بھی نہیں ہے۔ کام کرنے کے گنوں میں سے ایک گن یہ ہے کہ وہ راہ اختیار کی جائے جس میں مزاحمت کا امکان کم سے کم ہو، لہٰذا سب سے پہلے یہ ہونا چاہیئے کہ شادیاں ایک ہی ذات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے حلقوں میں کرائی جائیں۔ مثال کے طور پر بنگال کے کائستھوں کو لے لیجئے، وہ متعدد ضمنی طبقوں میں منقسم ہیں جیسے اُتری رورہی، دکھنی رورہی وغیرہ اور ان میں آپس میں شادیاں نہیں ہوتی ہیں۔ اب ایسا ہونا چاہیئے کہ اُتری رورہی اور دکھنی رورہی آپس میں شادیاں کریں۔ اور فی زمانہ اگر ممکن ہو سکے تو پھر بنگجوں اور دکھنی رورہیوں میں آپس میں شادیاں کرائی جائیں۔ اس طرح ہم اس چیز پر عمل کریں گے جو پہلے ہی سے موجود ہے اور جس کو ہم اپنے عمل کے دائرہ میں لا کر گھٹا سکتے ہیں۔۔۔ اصلاح کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب کچھ توڑ ڈالا جائے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہماری سوسائٹی میں صدیوں سے شادیاں ہر جاتی کے ضمنی طبقوں کے اندر ہی محدود رکھی گئی ہیں جس کی بنا پر آج صورت حال یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بھتیجوں بھانجوں اور قریبی رشتہ داروں میں ازدواجی روابط قائم ہو رہے ہیں اور صرف اس ایک وجہ سے پوری نسل کی جسمانی صحت بھی گرتی جا رہی ہے اور ہر قسم کی بیماریاں اور برائیاں بھی ان میں آسانی سے داخل ہوتی جا رہی ہیں۔ خون اگر چند افراد کے اندر ہی گردش کرے گا تو وہ خراب ہو جائے گا۔ اور نتیجہ میں نوزائیدہ بچوں کو اپنے والدین کے جسمانی امراض بطور ورثہ پہنچیں گے لہٰذا خراب خون لے کر جو بچے پیدا ہوں گے ان کے اجسام میں ان بیماریوں کا مقابلہ اور مدافعت کرنے کی توانائی بھی نہ ہو گی۔ جو ہر وقت انہیں اپنا شکار

صفحہ 37 ذات پات تمدن اور سوشلزم

بنانے کے لئے تیار رہتی ہیں شادیوں کے حلقہ کو وسعت دے کر ہی ہم نئے اور مختلف قسم کے خون کو اپنی نسل میں داخل کر سکتے ہیں۔

یہاں ذات پات اور سماجی اصلاح کا مشکل اور پریشان کن سوال پیش آتا ہے جو صدیوں سے لوگوں کے ذہن پر طاری ہے میں بڑی صفائی سے آپ کے روبرو کہنا چاہتا ہوں کہ میں نہ تو جاتیوں کو توڑنے والا ہوں نہ سماجی مصلح اور ریفارمر ہوں میرا آپ کی جاتیوں سے یا سماجی اصلاح سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے جس جاتی کو آپ پسند کرتے ہیں اسی میں رہئیے۔ لیکن کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ کسی دوسرے آدمی یا دوسری جاتی سے نفرت کریں میں محبت اور محض محبت کا مبلغ ہوں اور محبت ہی کی تعلیم دیتا ہوں میری تعلیمات کی بنیاد ویدانت کی اس عظیم صداقت پر مبنی ہے کہ اس کائنات کے ذرے ذرے میں جو روح جاری وساری ہے وہ ایک اور صرف ایک ہے۔

ہم کٹر ہندو ہیں، مگر ہم اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ شمار کرانے سے انکار کرتے ہیں جو چھوت چھات کرتے ہیں یہ ہندو دھرم نہیں ہے، ہماری کتابوں میں سے کسی کتاب میں بھی اس کا کوئی تذکرہ یا حوالہ موجود نہیں ہے، یہ محض توہم پرستی ہے جو ہمہ وقت قوم کی اہلیت وصلاحیت میں خلل انداز ہوتی رہی ہے۔

"ج" نے مجھے ایک کتاب بھیجی ہے جو "سین" نے لکھی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے "ج" کو پتہ چلا ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں کا خون خالص نہیں بلکہ آمیزش والا خون ہے اور یہ کہ وہ اپنی اسی فطرت کی بنا پر مذہب کا ایک شمہ پانے کے بھی حقدار نہیں رہے ہیں اور یہ کہ صرف ہندوستان ہی میں چند گنتی کے برہمن ہیں جو دھرم کے اجارہ دار ہیں اور ان چند گنتی کے براہمنوں میں بھی "سین" اور "ج" چاند اور سورج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح کی اور باتیں کہی گئی ہیں اس کتاب میں، شاباش! میرے دوستو، شاباش! بے شک یہ دھرم کتنا طاقتور ہوگا! خصوصیت سے بنگال میں اس دھرم کو زیر عمل لانا بہت آسان ہے، اس سے زیادہ سہل کوئی راستہ نہیں ہے، نجابت نسل اور روحانی ریاضتوں کی کل صداقت اتنی ہی ہے کہ خود کو ایک گڑھے کے اندر بند کر کے یہ سمجھ لیا جائے کہ بس میں خالص ہوں، باقی سب میں کھوٹ اور آمیزش ہے، یہ ایک وحشیانہ، شیطانی اور جہنمی دھرم ہے۔

ہمارے پاس دماغ ہیں لیکن ہاتھ نہیں ہیں، ہمارے پاس ویدانت کا فلسفہ ہے لیکن ہم اسے زیر عمل نہیں لا سکتے۔ ہماری کتابوں میں عالمی مساوات کا نظریہ ہے۔ لیکن ہمارے عمل میں تفریقیں ہیں، امتیازات ہیں، یہ ہندوستان تھا جس میں عظیم تعلیمات بے غرض اور بے لوث طریقہ پر دی گئیں لیکن اپنے عمل میں ہم بڑے ہی ظالم ہیں، بڑے ہی بے درد ہیں۔ ہم اپنے گوشت پوست کے اجسام کے سوا کسی دوسری چیز کے بارے میں غور کرنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔

موت حواس خمسہ کے پردہ میں نہاں ہے! زندگی صرف وہی ہے جو روح کے طیارہ میں ہے کسی دوسرے طیارہ میں زندگی۔ محض موت ہے زندگی نہیں ہے، اس پوری زندگی کو "جمنا زیم" (GYMNASIUM

سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ہمیں حقیقی زندگی کا لطف اُٹھانے کے لئے اس سے آگے جانا چاہیئے، جب چھوت چھات آپ کا دستور ہے اور "دیگچی" آپ کی دیوی ہے اس وقت تک آپ روحانیت کے اعتبار سے ترقی نہیں کر سکتے۔

افسوس! ملک کے غریبوں کے بارے میں کوئی نہیں سوچتا! وہ ملک کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہیں جو اپنی محنت سے خوراک پیدا کرتے ہیں — یہ لوگ! یہ بھنگی اور دوسرے جفاکش اگر ایک دن کے لئے محض ایک دن کے لئے اپنا کام روک دیں تو سارے شہر میں ہلچل پڑ جائے گی، سنسنی کی لہر دوڑ جائے گی، اس کے باوجود کوئی نہیں ہے جو ان سے ہمدردی کرے، کوئی نہیں ہے جو ان کی مصیبتوں میں ان کو تسلی دے! ذرا دیکھئے کہ اپنے ساتھ ہندوؤں کی ہمدردی نہ پاکر مدراس میں ہزاروں ادنٰی طبقہ کے لوگ عیسائی بنتے جا رہے ہیں، یہ نہ سمجھئے کہ مذہب کی تبدیلی صرف اس لئے ہو رہی ہے کہ ان کے پیٹوں میں بھوک کی آگ لگ رہی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں ہماری جانب سے ہمدردی میسّر نہیں ہے۔ ہم رات دن انہیں ملیچھ کہتے رہتے ہیں۔ "پرے ہٹو، پرے ہٹو" کا نعرہ لگایا کرتے ہیں، ملک کے دل میں ان کے لئے رحم اور مہربانی کا کوئی بھی جذبہ موجود ہے؟ وہ محض ملیچھوں کا ایک طبقہ ہیں، ایسے رواجوں اور دستوروں کو ٹھوکر مار دیجئے! مجھ میں بسا اوقات یہ اُمنگ پیدا ہوتی ہے کہ میں چھوت چھات کی تمام بندشوں کو توڑ ڈالوں۔ ایک دم چاروں کھونٹ نعرہ لگاؤں کہ وہ سب میرے ساتھ آئیں جو غریب ہیں، جو مصیبت زدہ ہیں، حقیر اور کچلے ہوئے ہیں، میں سب کو شری رام کرشن کے نام پر اپنے ساتھ ملا لوں، جب تک یہ لوگ نہیں اُٹھتے، مادرِ وطن بیدار نہیں ہو گی! ان سب کی آنکھیں کھولو — میں دن کی روشنی کی طرح صاف دیکھ رہا ہوں، ان سب میں ایک "براہمن" ہے، ان میں بھی اور مجھ میں بھی، ان سب میں ایک شکتی (ایشور شکتی) ہے فرق کوئی ہے تو صرف صورت کا!

جب تک خون پورے جسم میں نہ دوڑے کیا کوئی ملک اپنے پاؤں پر کسی وقت بھی کھڑا ہو سکتا ہے؟ یہ بات ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کر لیجئے کہ اگر ایک بازو مفلوج ہو جائے اور دوسرا بازو بالکل ٹھیک ہو۔ تو بھی ایسے ناقص جسم سے بہت کام نہیں کیا جا سکتا!

بہت کافی ریاضت کے بعد میں اس صداقت کی حقیقت تک پہنچا ہوں کہ ہر ذی حیات میں بھگوان موجود ہے۔ اور سوائے اس کے کوئی دوسرا بھگوان نہیں ہے، جو ایک جیو کی خدمت کرتا ہے وہ بھگوان کی خدمت کرتا ہے۔

لوگو! ہمارے اس ملک میں جہاں ویدانت کا جنم ہوا ہے صدیوں سے ہمارے عوام اسی حالت کے قیدی بن کر رہ گئے ہیں، ان کو ہاتھ لگانا پاپ ہے، ان کے ساتھ بیٹھنا پاپ ہے، وہ فضول، بیکار پیدا ہوئے ہیں۔ اور انہیں بیکار و فضول زندہ رہنا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ ڈوب رہے ہیں، ڈوب رہے ہیں ڈوب رہے ہیں اور اب اس آخری سطح پر آ گئے ہیں، جس سطح تک ایک بشر آ سکتا ہے۔ اس دنیا میں کونسا ملک ہے جس میں انسان مویشیوں کے پہلو بہ پہلو سوتے ہیں۔ اس کے لئے کسی دوسرے کو موردِ الزام نہ ٹھہرائیے، یہ نہ کہیئے کہ ہمیں خبر نہیں تھی ہم

لاعلم تھے۔ یہاں مسبّب ہے تو سبب بھی یہیں ہے۔ یہاں معلول ہے تو علت بھی یہیں ہے، ہم ہی مورد الزام ہیں ہمیں قصوروار ہیں اٹھو حوصلہ مند بنو اور جرأت کے ساتھ اعتراف کرو کہ یہ الزام ہمارے ہی کندھوں پر عاید ہوتا ہے اگر تو تمت دوسروں پر کیچڑ مت پھینکو اس لئے کہ تمام قصور جو سرزد ہوئے ہیں ان سب کی بنا آپ ہیں واحد سبب اور وجہ آپ ہیں۔

یورا ملک ایک سرے سے دوسرے سرے تک "ملیچھ ملیچھ" کی صدا سے گونج رہا ہے چھوت چھات ماننے والے لوگ ہیں جو "ملیچھ ملیچھ" کی آواز بلند کئے جا رہے ہیں۔ ان کے اپنے علیحدہ حلقہ میں بھی نیک و بدانسان کے درمیان کوئی تمیز نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے حلقہ میں جو شخص بھی خود کو براہمن کہتا ہے اور زینے گلے میں جنیو ڈالتا ہے وہ اس کے ہاتھ کا چھوا ہوا کھا سکتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کا دھرم ان دنوں صرف دیگچی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے آپ نے دھرم کی سچائیوں کو نقش و نگار طاق نسیاں بنا کر رکھ دیا ہے اور آپ پر یہ بات صادق آتی ہے کہ آپ چھلکے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اصل پھل کے لئے نہیں لڑ رہے ہیں۔ . . . . اب ملاحظہ کیجئے! آپ ہیں تو براہمن مگر کسی خاص طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، مثال کے طور پر آپ بھٹاچاریہ کلاس کے براہمن ہیں تو آپ براہمنوں کے دوسرے تمام طبقات کے ہاتھ کے پکائے ہوئے چاول نہیں کھاتے! آخر کیوں ہر دوسری برادری کے دو ندر برادری کے ہاتھ کے پکاتے ہوئے چاول نہیں کھاتے اور دو ندر برادری آپ کے ہاتھ کے پکائے ہوئے چاول نہیں کھاتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ آخر کیوں نہ کھانا چاہیئے؟ مزید برآں ہندوستان کے جنوب اور مغرب میں دوسری ضمنی جاتیاں مثلاً مرہٹہ تلنگا، قنوجی ایک دوسرے کے ہاتھ کا نہیں کھاتیں پیتیں آخر کیوں؟ کیا آپ کو یہ بات نظر نہیں آتی کہ بنگال میں ہزاروں براہمن اور کشتری مرغن کھانے کھانے کی غرض سے عام ہوٹلوں میں جاتے ہیں اور جب ان جگہوں سے واپس آتے ہیں تو یہ نمائش کرتے ہیں جیسے وہ سوسائٹی کے لیڈر رہیں اور چھوت چھات کی حمایت میں کچھ ضابطے بنانا چاہتے ہیں ہماری سوسائٹی کو حقیقتاً ایسے خود ساختہ لیڈروں کے وضع کردہ قوانین سے بچنا چاہیئے، بلکہ میں تو اس کے برخلاف یہ کہوں گا کہ انہیں ٹھوکر مار دینی چاہیئے۔ ماضی کے عظیم المرتبت رشیوں نے جو قانون اور ضابطے وضع کئے ہیں انہیں واپس لائیے اور ایک بار پھر ان قوانین اور ضوابط کا لوٹیے اور اعلے اختیارات کے ساتھ نفاذ کرائیے۔ ہماری قومی فلاح و بہبود کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔

اچھا! کیا آپ سچ مچ یہ سوچتے ہیں کہ ہندوستان میں کوئی دھرم باقی رہ گیا ہے، علم گیان اور یوگ کے تمام راستے غائب ہو گئے اور صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے اور وہ ہے چھوت چھات! ساری دنیا میں ملاوٹ ہے کھوٹ ہے اور صرف میں خالص ہوں مرحبا، مرحبا! اے برہما کے جنو! سب سے بڑے ایشور کے جنو! ان دنوں براہمن نہ تو دل کے پردوں میں ہے نہ سورگ کی بلندیوں میں ہے نہ کسی ذی حیات میں ہے۔ . . مگر بھگوان کہیں ہے

تو وہ "دیگچی" میں ہے صرف دیگچی میں۔ عہدِ گزشتہ میں ایک شریف آدمی کے کردار کی یہ تعریف تھی کہ وہ اپنے عمل سے پوری دنیا کو شادکام بنائے۔

त्रिभुवनमुपकारश्रेणिभिः प्रीणयन्तः

لیکن اب جو تعریف متعین کی گئی ہے وہ یہ ہے — ساری دنیا میں میل اور کھوٹ ہے اور صرف میں خالص ہوں — جاؤ اور روپیہ لے کر آؤ اور میرے چرنوں میں دھر دو۔

ہمارے ملک میں اگر کوئی شخص کسی نیچی ذات میں جنم لیتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کے لئے نراشا ہی نراشا ہے آشا کی کوئی کرن نہیں ہے، کیوں؟ آخر کیوں؟ یہ کیسا ظلم ہے؟ اس امریکہ میں ہر فرد کے لئے ترقی کے امکانات و مواقع ہیں اور ہر فرد کے لئے آشاؤں کی ایک روشنی ہے آج ایک آدمی غریب ہے تو کل وہ امیر ہو سکتا ہے تعلیم حاصل کر سکتا ہے، عزت و وقار پا سکتا ہے، یہاں (امریکہ) ہر شخص ایک غریب کی امداد کے لئے کمربستہ دکھائی دیتا ہے، لیکن ہندوستان میں یہاں ہمہ وقت یہ آواز گونجتی رہتی ہے کہ ہم بہت غریب ہیں، کتنے خیراتی ادارے ہیں جو غرباء کی فلاح و بہبود کے لئے کام کر رہے ہیں، کتنے لوگ ہیں جو لاکھوں غریبوں کی مصیبتوں اور دکھ بھری زندگی پہ سچ مچ آنسو بہاتے ہیں، کیا ہم انسان ہیں؟ ہم ان کی زندگی اور فلاح و بہبود کے لئے کیا کام کر رہے ہیں؟ ہم انہیں ہاتھ نہیں لگاتے، ہم ان کی قربت سے بیزار رہتے ہیں، کیا ہم آدمی ہیں؟ یہ بیزار دل براہمن ہندوستان کے لاکھوں پسماندہ اور کچلے ہوئے عوام کے لئے کیا کر رہے ہیں؟ "ملیچھ" - "ملیچھ" یہی ایک لفظ ہے جو ان کے لبوں پہ گونجتا رہتا ہے، ہمارا لافانی دھرم ان لوگوں کے ہاتھ پڑ کر کتنا رسوا اور کتنا نیچ ہو گیا ہے، ہمارا دھرم اب ہے کس مقام پہ؟ صرف ایک لفظ "ملیچھ" کے اندر محدود ہے اور کسی دوسری جگہ اس کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

پستی کا ایک خوفناک غار آپ کے سامنے ہے! اس غار سے خبردار رہیئے اس میں نہ جانے کتنے گرے ہیں اور فنا ہو گئے ہیں، غار یہ ہے کہ ہندوؤں کا موجودہ دھرم نہ ویدوں میں ہے نہ پرانوں میں نہ بھگتی میں نہ مکتی میں — دھرم دیگچی میں گھس کر رہ گیا ہے۔ ہندوؤں کا موجودہ دھرم نہ علم کی راہ ہے نہ دلائل و براہین کا راستہ ہے۔ یہ محض چھوت چھات ہے! آپ کو خبردار رہنا چاہیئے کہ

आत्मवत् सर्वभूतेषु–

آپ کہیں چھوت چھات کی اس لامذہبیت میں رہ کر ہلاک نہ ہو جائیں، یہ تعلیم کہ دوسروں کو بھی اپنی مثل سمجھو۔ اب صرف کتابوں کے اندر بند ہو کر رہ گئی ہے کہ وہ کس طرح کسی کو مکتی دے سکتے ہیں۔ جو ایک بھوکے شخص کو روٹی کا ایک ٹکڑا نہیں کھلا سکتے، جو لوگ کسی دوسرے کی محض سانس سے اشدھ ہو جاتے ہیں وہ کیسے کسی دوسرے کو شدھ اور پوتر بنا سکتے ہیں، چھوت چھات ایک طرح کی دماغی بیماری ہے یاد رکھیئے پھیلنا زندگی ہے

اور سمٹنا موت ہے، محبت اس میں ہے کہ پھیلا جائے خود غرضی اس میں ہے کہ سمٹا جائے، اور قانونِ فطرت محبت اور صرف محبت ہے!







تلخی سے احتراز

ہندوستان کی ترقی کے راستے میں ذات پات کی تمیز، ایک رکاوٹ ہے۔ یہ تنگ نظر بناتی ہے، بندشیں عائد کرتی ہے اور جدائی ڈالتی ہے۔ قبل اس کے کہ یہ عقائد و نظریات آگے بڑھیں، ذات پات کی اس تمیز کو ختم کرنا پڑے گا۔

میں ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقات کی اس رائے سے قطعی طور پر متفق ہوں کہ پوری سوسائٹی کا مکمل اوورہال ہونا ضروری ہے، لیکن یہ اوورہال کس طرح ہونا چاہیے۔ ریفارمروں کے توڑ پھوڑ کے منصوبے تو کامیاب ہوئے نہیں! میرا منصوبہ یہ ہے، ماضی میں ہم نے برے اعمال نہیں کئے ہیں یقیناً نہیں کئے ہیں۔ ہماری سوسائٹی بری نہیں ہے اچھی ہے میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ اسے اور اچھا اور بہتر بنایا جائے . . . . . مثال کے طور پر ذات پات کے سوال کو لے لیجئے سنسکرت میں "جاتی" کا مطلب ہے "شاخ"۔ اور تخلیق کا دستور یہ ہے کہ جب تک ایک شاخ زندہ اور توانا رہتی ہے اس وقت تک وہ نئی کونپلوں کو جنم دیتی رہتی ہے۔ جب وہ توانا نہیں رہتی یا نئی کونپلوں کو جنم دینا چھوڑ دیتی ہے تو پھر وہ فنا ہو جاتی ہے۔ جاتی کا بنیادی تصور یہ ہے کہ فرد کو اپنی فطرت، اپنی پرکرتی، اپنی جاتی اور اپنی نسل کے اظہار کی آزادی حاصل ہے اور اسی بنا پر یہ ہزاروں برس سے موجود ہے۔ جدید کتابوں تک میں مخلوط شادیوں کی ممانعت نہیں کی گئی اور نہ قدیم کتابوں میں سے کسی کتاب میں مخلوط النسل شادی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، لہٰذا ہندوستان کے زوال کی وجہ کیا ہے؟ — صرف یہ کہ ذات پات کا یہ تصور ترک کر دیا گیا ہے، جیسا کہ گیتا میں کہا گیا ہے کہ ذات پات کی تمیز نہ ہونے پر دنیا برباد ہو جائے گی، مگر جاتیوں پر مشتمل موجودہ نظام حقیقی نظام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ارتقاء کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے، حقیقتاً اس سے جاتی کے آزادانہ عمل میں ایک رکاوٹ پڑی ہے یعنی یہ کہ تنوع ختم ہو گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی قطعی رواج، مراعات یا وراثتی طبقہ اپنی ہر شکل و صورت میں جاتی کے فروغ کو روکتا ہے

ذات پات، تمدن اور سوشلزم صفحہ 43

اور جب بھی کوئی قوم اپنی اصل میں برگ و بار پیدا کرنا ترک کر دیتی ہے تو پھر وہ فنا ہو جاتی ہے..... ہر جابر مطلق العنانیت یا خصوصی مراعات کا حامل طبقہ، ہمیشہ جاتیوں پر مشتمل نظام کے خلاف ایک ضرب ثابت ہوتا ہے، یہ بجائے خود جاتیوں پر مشتمل نظام کی حیثیت نہیں رکھتا..... جاتیوں پر مشتمل نظام کو فروغ پانے دیجئے... اس نظام کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں آیئے انہیں ختم کر دیں۔ اس طرح ہم کو ارتقا کی راہ مل جائے گی!... ہم اٹھیں گے، آگے بڑھیں گے اور ترقی کریں گے..... ہر ہندو جانتا ہے کہ منجم اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر لڑکے اور لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اس کی جاتی متعین کر دی جائے، یہ ہے حقیقی جاتی۔ یعنی انفرادیت! جیوتش صرف اسی جاتی کو تسلیم کرتا ہے، اور صرف اسی کو پوری طرح پھلنے پھولنے کا دوبارہ موقع دے کر ہم اونچے اٹھ سکتے ہیں، اس کا مطلب نہ تو عدم مساوات ہے نہ خصوصی مراعات!

ہندوستان میں براہمنیت انسانیت کا آدرش ہے، جیسا کہ سوامی شنکر اچاریہ نے گیتا کا ترجمہ (گیتا بھاشیہ) شروع کرتے ہوئے اپنے حیرتناک مقدمہ میں تحریر کیا ہے، جہاں وہ اس بارے میں دلائل پیش کرتے ہیں کہ بھگوان کرشن نے ایک معلم و مبلغ کی حیثیت سے براہمنیت کے تحفظ کی تعلیم کن وجوہ سے دی تھی، کیا شاندار اور کتنا عظیم آدرش تھا! اس براہمن کو، جو ایشور کا بھگت ہے، جو "براہمن" مثالی انسان... مکمل انسان..... کی معرفت رکھتا ہے باقی رہنا چاہیئے، ختم نہ ہونا چاہیئے! ان تمام عیوب و نقائص کے باوجود جوان دنوں جاتیوں پر مشتمل نظام میں پیدا ہو چکے ہیں۔ ہم سب کو اس بات کے لئے تیار رہنا چاہیئے کہ ایک براہمن کو اس کا اجر اور صلہ دیں، اس لئے کہ ان میں سے ایسے لوگ بہ نسبت دوسری جاتیوں کے زیادہ تعداد میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ جو سچے اور حقیقی براہمن ہوں، ہمیں اپنی کمزوریوں کا اقرار کرنے میں زیادہ جرأت مند ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہم کو چاہیئے کہ ہم انہیں وہ اجر و صلہ بھی دیں جس کے وہ مستحق ہیں،... لہٰذا میرے دوستو! جاتیوں کے اندر لڑتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس سے کیا بہتری ہو گی؟ اس سے تو ہم اور زیادہ منقسم ہوں گے، بٹیں گے اور ہم میں اور زیادہ گراوٹ اور پستی آئے گی۔

غیر براہمن جاتیوں سے میں کہنا چاہتا ہوں کہ عجلت نہ کیجئے! براہمن سے لڑائی کا کوئی موقع فروگذاشت نہ کیجئے اس لئے کہ میں آپ پر یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ آپ اپنی ہی غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہے ہیں، کس نے آپ سے کہا ہے کہ آپ روحانیت کی طرف توجہ نہ دیجئے اور سنسکرت کی تعلیم حاصل نہ کیجئے؟ آپ اس تمام عرصہ میں کیا کرتے رہے ہیں، آپ بے نیاز و بے پرواہ کیوں رہے ہے؟ آپ کیوں اس بنا پر پریشان و متفکر ہیں کہ کوئی شخص آپ سے زیادہ عقل رکھتا ہے آپ سے زیادہ شکتی رکھتا ہے، اور آپ سے آگے چل سکتا ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ اپنی اہلیت و صلاحیت اور شکتی کو اخبارات میں بیکار کے مباحثوں اور اپنے گھروں کے اندر فضول جھگڑوں میں ضائع کریں۔۔۔ جو بجائے خود ایک گناہ اور ایک پاپ ہے ۔۔۔ اپنی صلاحیتوں اور اہلیتوں کو اس سنسکرتی کے حصول کے لئے صرف کیجئے جو براہمنوں کے پاس ہے آپ کچھ

ذات پات، تمدن اور سوشلزم صفحہ 44

کہیں گے تو آپ کو کچھ حاصل بھی ہوگا" آپ سنسکرت کے عالم کیوں نہیں بنتے؟ آپ ہندوستان میں تمام جاتیوں کو سنسکرت کی تعلیم دینے کے لیے لاکھوں روپیہ کیوں صرف نہیں کرتے؟ یہ ایک سوال ہے؟ جس لمحہ بھی آپ یہ سب چیزیں کرنے لگیں گے آپ براہمن کے برابر آجائیں گے، مساوی درجہ حاصل کر لیں گے۔ ہندوستان میں حصول اقتدار کا راز یہی ہے۔ ہندوستان میں سنسکرت اور عزت ساتھ ساتھ چلتی ہے، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جو لوگ نیچی ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ تحفظ کی واحد ضمانت اور ان کی حالت کو بہتر بنانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آپ سنسکرت کی تعلیم حاصل کریں، ورنہ اعلیٰ جاتیوں کے خلاف یہ تحریریں، یہ لڑائیاں، یہ ہنگامہ آرائیاں سب فضول ہیں، ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ان کا کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوگا، لڑائی جھگڑا پیدا ہوگا۔ اور نیشن جو بدنصیبی سے پہلے ہی سے بے شمار ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے اس کے مزید ٹکڑے ہو جائیں گے وہ پارہ پارہ ہو جائیگی، جاتیوں کی سطح کو ہموار کرنے کا واحد طریقہ ہے مناسب تعلیم اور مناسب سنسکرتی! جو اعلیٰ جاتیوں کی طاقت کا سرچشمہ ہے، یہ ہو جائے تو آپ کو وہ سب کچھ مل جائے گا جو آپ چاہتے ہیں۔

یہ سنسکرتی ہوتی ہے جو دھچکوں کی تاب لاتی ہے۔ صرف علم و آگہی سے کام نہیں چلتا۔ ۔ ۔ ۔ اس نئے زمانہ میں ہم ان قوموں کو جانتے ہیں جن کے عوام میں علم و آگہی موجود ہے لیکن وہ ہیں کیا؟ وہ مثل شیروں کے ہیں، درندوں کے ہیں، اس لئے کہ وہاں سنسکرتی نہیں ہے، علم و آگہی بھی اور لے اور سنسکرتی بھی چنانچہ ذرا سی خلش و خراش بھی قدیم درندگی کو ابھار دیتی ہے اور اس قسم کی باتیں ہونے لگتی ہیں — یہ ہے اصل خطرہ کی بات! عوام کو دیسی زبانوں میں پڑھ لینے دیجئے انہیں نظریہ دیجئے وہ باخبر ہوں گے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ انہیں سنسکرتی سے آگاہ و آشنا کیجئے! جب تک ایسا نہیں ہوگا عوام کی حالت میں ہونے والا سدھار دیرپا نہیں بن سکے گا!

براہمنوں سے میری اپیل ہے کہ وہ جس سنسکرتی کے صدیوں سے حامل ہیں اسے ہندوستانی عوام کو دے سکیں وہ علوم بھی سکھائیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ براہمنیت کا حقیقی مفہوم کیا ہے یہ بات یاد رکھنا ہندوستانی براہمنوں کا بنیادی فریضہ ہے جیسا کہ منو نے کہا ہے یہ تمام اعزازات و مراعات جو براہمن کو حاصل ہیں صرف اس بنا پر حاصل ہیں کہ "وہ اوصاف و کمالات، اور فیوض و برکات کا سرچشمہ ہے" اسے اس خزانہ کا منہ کھولنا چاہیئے اور اس کے نوادر دنیا میں تقسیم کرنے چاہئیں، یہ درست ہے کہ وہ ہندوستان کی تمام نسلوں کا پہلا معلم تھا۔ اور اسی نے سب سے پہلے زندگی کا بلند ترین مرتبہ پانے کے لئے ہر چیز کو آراستہ کیا تھا، وہ دوسروں سے پہلے نقطۂ عروج پر پہنچا، یہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے کہ وہ دوسری جاتیوں سے آگے نکل گیا! ۔ ۔ ۔ لیکن کسی فائدہ کا حصول ایک چیز ہے اور اس فائدہ کو اس غرض سے محفوظ رکھنا کہ اسے برے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے یہ دوسری بات ہے، جب بھی اقتدار کو برے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے وہ شیطنت بن جاتا ہے، اقتدار صرف

نیک مقاصد ہی کے لئے استعمال ہونا چاہیئے لہٰذا یہ صدیوں میں بننے والی سنسکرتی جس کی تولیت براہمن کے قبضہ میں ہے اب عوام کے وسیع تر حلقوں میں عام ہونی چاہیئے مسلمانوں کا حملہ صرف اسی وجہ سے ممکن ہوا کہ براہمن نے عوام کو سنسکرتی نہیں دی، اس نے اپنے خزانے کا منہ عوام پر نہیں کھولا۔ ایک یہی وجہ ہے جس کی بنا پر ہم ان میں سے ہر ایک کے قدموں تلے ہزار برس سے روندے جا رہے ہیں، جنہوں نے ہندوستان آنا پسند کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہم پستی کے غار میں گرے ہیں اس لئے پہلا کام یہ ہونا چاہیئے کہ ان تھیلیوں کو کھولا جائے جن میں ہمارے مشترک آبا و اجداد کا جمع کیا ہوا خزانہ پوشیدہ ہے، اس خزانہ کو باہر نکال لیئے اور اسے ہر شخص کو دیجئے اور یہ کام سب سے پہلے براہمن کو کرنا چاہیئے۔ بنگال میں زمانہ قدیم سے یہ توہم چلا آ رہا ہے کہ جب ایک ناگ کسی کے کاٹ لے اور وہ اپنا زہر مار گزیدہ کے جسم سے چوس لے تو آدمی زندہ بچ جاتا ہے مثل اس کے براہمن کو بھی اپنا زہر چوسنا چاہیئے۔

ہندوستان میں کسی ذات کی دوسری سے برتری محض خیالی چیز ہے اور ہمیں یہ کہتے ہوئے رنج ہوتا ہے کہ ہندوستان میں کسی جگہ بھی بوجہ لسانی اختلافات اسی خیالی چیز نے اپنی بار آوری کے لئے جنوب سے زیادہ زرخیز زمین نہیں پائی ہمارا عقیدہ ہے کہ جاتیوں پر مشتمل ہندوستانی نظام بہت ہی عظیم سماجی نظام ہے جو ایشور نے انسان کو دیا ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ناگزیر نقائص، بدیشی دخل اندازی اور اس سے بھی بالاتر بہت سے براہمنوں کا جو اس نام کے سزاوار نہیں ہیں عالمانہ گھمنڈ اور فخر و غرور کے باوجود جس نے اس شاندار ہندوستانی نظام کو بہت سے پہلوؤں سے بہت ہی مایوس کن طریقہ پر بار آور نہیں ہونے دیا پھر بھی ہندوستان کی سرزمین پر اس نظام نے حیرتناک کارنامہ انجام دیا ہے اور ہندوستان میں انسانیت کے کارواں کو اس کی متعین منزل تک پہنچانے کے لئے رہنمائی کی ہے۔

جو شخص بھی براہمن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس پر لازم آتا ہے کہ وہ پہلے روحانیت کے ذریعہ اپنی اہمیت کا ثبوت دے اور پھر وہ یہ مظاہرہ کرے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنی سطح تک اونچا اٹھا رہا ہے، پہلی ہی نظر میں یہ تاڑ لیا جاتا ہے کہ ان میں سے اکثر ذات کے فخر کی پرورش کر رہے ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی دیسی یا بدیشی سکیم ساز جب ان کے اس گھمنڈ اور موروثی کاہلی کی موجودگی میں مصنوعی دلائل کی بھرپور چوٹ لگاتا ہے تو ان میں سے اکثر کی تسلی ہو جاتی ہے ۔ اے براہمنوں سے ہوشیار! یہ موت کی نشانی ہے! اٹھو اور اپنے گرد و پیش کے غیر براہمنوں کو اونچا اٹھا کر اپنی انسانیت اور براہمنیت دکھاؤ ان کو اونچا اٹھانے میں سڑی ہوئی اور دوسروں کو نگل لینے والی خود غرضی کی وہ سپرٹ نہ ہونی چاہیئے جس پر مشرق و مغرب کی توہم پرستیوں کا غلاف چڑھا ہوا ہے نہ ہی یہ سپرٹ ہونی چاہیئے کہ تم ان کے آقا ہو بلکہ سپرٹ ہونی چاہیئے ایک خادم کی، ایک خدمت کرنے والے کی! بنیادی بات یہ ہے کہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ خدمت کس طرح کرنی چاہیئے وہی شخص یہ بھی جان سکتا ہے کہ حکومت کس طرح کرنی چاہیئے، غیر براہمن بھی نسلی تنفر کی آگ کو روشن رکھنے میں اپنی صلاحیتیں اور اپنی طاقتیں صرف کر رہے ہیں اور ہر غیر ہندو اس آگ میں ایندھن ڈال کر خوش ہو رہا ہے ان فضول

اور بیکار بات سے اصل مسئلہ کا کوئی حل نہیں نکلے گا! ان جاتی بھیدوں اور نسلی جھگڑوں کے ذریعہ سے ہم ایک قدم بھی آگے کی طرف نہیں بڑھا سکتے۔ ایک بھی مشکل دور نہیں کر سکتے، اگر یہ آگ شعلوں سے بدل گئی۔ تو ہم کو ان واقعات کی بڑھتی ہوئی رفتار پیچھے دھکیل دے گی۔ ممکن ہے صدیوں پیچھے ڈال دے۔

یہ سچ ہے کہ قانونِ فطرت میں جاتیوں پہ مشتمل نظام ضروری ہو جاتا ہے جو لوگ کسی خاص نوعیت کا کام کرتے ہیں وہ مل کر ایک طبقہ بنا لیتے ہیں لیکن کون ہے جو کسی خاص فرد کے طبقہ کا تصفیہ کر سکتا ہے، اگر ایک براہمن یہ سمجھتا ہے کہ اس میں روحانی سنسکرتی کی اہلیت و قابلیت موجود ہے تو اسے کھلے عام ایک شودر سے ملنے جلنے میں خوفزدہ کیوں ہونا چاہیئے۔ کیا دوڑ لگاتے ہوئے ایک گھوڑا ایک خچر سے خوفزدہ ہو سکتا ہے؟

ہر وہ عمل بہت اچھا ہے جس سے ایک شخص کو اپنی فطری اہلیت کے اظہار کا موقع ملتا ہے، اس کے برخلاف جو عمل ہوگا وہ بدی ہوگا، برائی ہوگا! ہمارے اندر جو فطرت صالح ہے اسے بروئے کار لانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اس کام میں دوسروں کے مددگار بنیں کہ ان کی فطرت صالح بھی بروئے کار آئے، اگر فطرت صالح میں نابرابری ہے تو بھی سب کو مساوی مواقع ملنا چاہئیں، جو کمزور ہے اسے طاقتور کے بالمقابل زیادہ مواقع دینا چاہئیں، بہ الفاظ دیگر ایک چانڈلہ کو تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت ہے ایک براہمن کو اتنی ضرورت نہیں ہے، اگر ایک براہمن کا بیٹا ایک ٹیچر کی ضرورت رکھتا ہے تو چانڈلہ کے بیٹے کو دس ٹیچروں کی ضرورت ہے، اسے زیادہ مدد ملنی چاہیئے جسے فطرت نے ذہن سے عقل کی تیزی عطا نہیں کی ہے، جس پہ الٹے بانس بریلی کی کہاوت صادق آتی ہے اسے پاگل کہا جاتا ہے، غریبوں، جاہلوں اور کچلے ہوئے لوگوں کو اپنا "دیوتا" بنائیے۔

ہمارے ملک کے غریب عوام کو ہمارے متکبر آباو اجداد نے اپنے پاؤں تلے روندا، یہاں تک کچلا کہ وہ بے بس ہو کر رہ گئے، اور یہ غریب لوگ اتنا کچلے گئے کہ انہیں یہ بات تک بھول گئی کہ وہ بھی ذی روح ہیں۔ وہ بھی انسان ہیں . . . . اس نئے زمانہ کی تعلیم کا بڑا ڈھول پیٹا جاتا ہے لیکن تمام لاف و گزاف کے باوجود میں نے اکثر دیکھا ہے کہ ہمارے لوگ جو ان کچلے ہوئے روندے ہوئے لوگوں کو اونچا اٹھانے کے لئے اپنا فرض انجام دینے کو آگے بڑھتے ہیں تو ان پہ لرزہ طاری ہو جاتا ہے، صرف یہی نہیں، میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ہر قسم کے حاکمانہ اور ظالمانہ دلائل جو سلسلہ بہ سلسلہ چلی آ رہی ہیں اور اسی قسم کی دوسری بے معنی باتیں جو مغرب سے درآمد ہوتی ہیں آگے بڑھ بڑھ کر اس غرض سے پیش کی جاتی ہیں، غریب پہ اور ظلم توڑا جائے، اس کے لئے اور زیادہ ظالم و ستمگر بنا جائے، اے براہمنو! اگر پریہہ کی بہ نسبت ایک براہمن میں محض ورن کی بنیاد پہ تحصیلِ علم کی زیادہ استعداد ہوتی ہے تو پھر براہمنوں کی تعلیم پہ مزید روپیہ مت خرچ کرو، بلکہ سب کچھ پریہوں کی تعلیم پہ خرچ کر دو، کمزور کو وہ سب کچھ تحفہ کے طور پہ عطا کر دو جس کی اسے احتیاج ہے، اگر براہمن ذہن سے عقلمند ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ بغیر کسی کی امداد کے تعلیم

ذات پات، تمدن اور سوشلزم صفحہ 47

حاصل کر سکتا ہے اگر دوسرے دور عقلمند نہیں ہوتے تو انہیں جتنے ٹیچر اور جتنی تعلیم چاہئے وہ سب دے ڈالو میرے خیال میں یہ معقول بھی ہے منصفانہ بھی ہے ہمارے غریب لوگ! ہندوستان کے یہ کچلے ہوئے عوام اس بات کے محتاج ہیں کہ انہیں یہ بتایا اور سنایا جائے کہ حقیقتاً وہ ہیں کیا؟ ان کی اہمیت کیا ہے؟ ورن یا جاتی' طاقت یا کمزوری کا کوئی لحاظ نہ کرتے ہوئے ہر مرد۔ عورت اور بچہ آئے اور یہ بات سنے اور سمجھے کہ ہر کمزور و طاقتور' ہر پست و بلند اور ہر انسان کے پیچھے وہ غیر محدود روح ہے جو سب کو نیک اور عظیم بننے کی غیر محدود استعداد اور غیر محدود امکانات کا یقین دلاتی ہے' ضمانت دیتی ہے — آؤ ہم ہر روح کو آواز دیں — "اٹھو! بیدار ہو! اور جب تک منزل مقصود پر نہ پہنچ جاؤ مت رکو' قدم مت روکو!! اٹھو بیدار ہو۔ کمزوری کے طلسم ہوشربا سے باہر نکلو' کوئی بھی حقیقتاً کمزور نہیں ہے روح غیر محدود ہے' طاقت کا سرچشمہ ہے' اور ہر شے کا علم رکھتی ہے' اپنے پاؤں پر کھڑے ہو' اپنی موجودگی محسوس کراؤ' اس ایشور کو آواز دو جو تمہارے اندر موجود ہے اور اس کا انکار نہ کرو' منکر مت بنو!

ہمارا مشن ان پڑھ کسانوں' محنت کشوں' غریبوں اور کچلے ہوئے لوگوں کے لیے ہے اگر ان کے لیے سب چیزیں پہلے ہو جاتی ہیں تو اس کے بعد ہمارے پاس کافی زائد وقت رہتا ہے جس میں ہم شرفاء کے لیے کچھ کر سکتے ہیں' یہ کسان اور محنت کش لوگ صرف محبّت سے جیتے جا سکتے ہیں' ... "

"خود اوپر اٹھنے کے لئے دوسرے کو اوپر اٹھائیے"۔ بہر مقام اسی میں بھلائی ہے' ہم ان کی مدد کرتے ہیں اپنی مدد کے لئے ... جس لمحہ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ ان کی حالت کیا ہے اور انہیں یہ محسوس ہونے لگے کہ انہیں مدد کی ضرورت ہے' بہتری درکار ہے' تب سمجھئے کہ آپ ٹھیک سمت میں کام کر رہے ہیں اور آپ کا کام مؤثر ثابت ہو رہا ہے' دولتمند طبقات غریبوں کی فلاح و بہبود کا جو تھوڑا بہت کام کر بھی دیتے ہیں اسے بھی قیام و دوام حاصل نہیں ہوتا۔ اور نتیجہ میں اگر کوئی چیز ہاتھ لگتی ہے۔ تو وہ دونوں پارٹیوں کا ضرر اور نقصان ہوتا ہے' کسانوں اور محنت کش طبقات کی حالت ہلاکت آفریں ہے' لہٰذا جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ دولت مند لوگ ان کی صرف اتنی مدد کریں کہ وہ اپنی توانائی دوبارہ حاصل کر لیں' اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے' اس کے بعد یہ بات خود مزدوروں اور کسانوں پر چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنے مسائل کو دیکھیں اور ان کا حل نکالیں لیکن آپ کو پھر بھی یہ نگرانی کرنی ہوگی کہ غریب کسانوں اور مزدوروں نیز دولتمند طبقات کے مابین کوئی آویزش و کشاکش شروع نہ ہو جائے — یہ بات یاد رکھیئے کہ دولتمند طبقات کے خلاف دشنام طرازی نہ کی جائے۔

میں سوشلسٹ ہوں

چار جاتیاں — برہمن، کشتری، ویش اور شودر یکے بعد دیگرے دنیا پہ حکمران رہی ہیں۔ ان جاتیوں میں سے ہر ایک نے جب اپنے اقتدارِ اعلیٰ کو استعمال کیا۔ تو اس زمانہ میں انہوں نے کچھ ایسے کام کیے ہیں جنہیں عوام کی فلاح و بہبود سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن ان سے کچھ ایسے افعال بھی سرزد ہوئے ہیں جو ان کے لیے جراءت بخش ثابت ہوئے۔

جبکہ پجاری اور دھرم کے ٹھیکیدار تمام علوم اور تمام حکمتوں کو ایک مرکز پہ سمیٹنے میں مصروف ہے تاکہ وہ اپنی عقل و دانش کا مظاہرہ کر کے فائدہ اٹھائے تو بادشاہ تمام ارضی طاقتوں کو سمیٹ کر ایک مرکز پہ جمع کر رہا ہے اور وہ مرکز کیا ہے خود اس کی ذات! بے شک دونوں سوسائٹی کے لیے مفید ہیں ایک وقت میں سوسائٹی کی بھلائی کے لیے ان دونوں کی ضرورت پڑتی ہے لیکن یہ اس کی نو عمری کا پہلا مرحلہ ہے، ابتدائی منزل ہے!

بادشاہ جو اپنی رعایا کی طاقتوں کا مرکز ہوتا ہے بہت جلد یہ بات فراموش کر دیتا ہے کہ اس میں یہ طاقتیں اس بنا پہ جمع ہوئی ہیں کہ وہ ان میں اضافہ کر کے انہی کو لوٹا دے جو ان طاقتوں کا سرچشمہ ہیں اور وہ ان طاقتوں کو پوری کمیونٹی کی بھلائی کے لیے پھیلا دیں۔ شاہِ وینا کی طرح وہ اپنے غرور و تکبر میں اس بات کو بھول کر کہ اس میں انہی لوگوں کی تمام شکتیاں موجود ہیں وہ دوسرے لوگوں کو جو اس کے روبرو گڑگڑاتے ہیں حقارت کی نگاہ سے ذلیل و خوار انسانوں کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور اس کی مرضی کی مخالفت چاہے وہ اچھی ہو یا بری، رعایا کا سب سے بڑا پاپ سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا تحفظ کی جگہ کچلنے والے قدم اٹھنے لگتے ہیں اور پرورش کی جگہ خون چوسا جانے لگتا ہے۔

. . . جہاں سوسائٹی صحت مند و توانا ہوتی ہے وہاں بادشاہ اور اس کی رعایا کے مابین فی الفور زبردست کشمکش شروع ہو جاتی ہے اور اس کے ردِ عمل اور نتیجہ کے طور پر تاج و تخت ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور

پھر یہ شاہی لباس۔ تاج اور تخت آثارِ قدیمہ کے طور پر عجائب گھروں کی گیلریوں کی زینت بن جاتا ہے۔

اِس مقابلہ کے نتیجہ اور ردِّ عمل کے طور پر ویش کی زبردست طاقت ظہور میں آجاتی ہے جس کی خشمناک نظر کی تاب نہ لاتے ہوئے تاجداروں کے سر پر اپنی راج گدیوں پر مور پنکھی کی طرح کانپنے لگتے ہیں۔ امیر اور غریب اس بیکار توہم میں اس کی پیروی کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھوں میں سونے کا ساغر ہے جو پرچھائیں کی طرح کبھی ہاتھ نہیں لگتا۔ دیش کی طاقت اس سکّہ میں ہوتی ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے اور جس کی پُرکشش جھنکار کا چاروں جانب کے ذہن پر یکساں اثر ہوتا ہے۔ ویش ہمیشہ خطرات سے ڈرتا ہے کہ کہیں براہمن اس کی واحد مقبوضہ چیز اس کے ہاتھ سے نہ لے لے اور کہیں کشتری جو اسلحہ اور مسلّح طاقت رکھتا ہے، شورش بپا کر کے اس کی مقبوضہ دولت کو نہ ہتھیا لے لہٰذا ویش تحفّظ ذاتی کی غرض سے اس سکہ میں مثل ایک جسم کے ایک ذہن رکھتا ہے کہ کوئی بھی صورت ہو حکومت کی طاقت اس کی جانب آنے والی دولت کے بہاؤ میں حائل نہ ہو سکے، تاجر ہمیشہ خبردار و ہوشیار رہتا ہے لیکن ان سب وجوہ کی بنا پر اس کے دل میں کبھی اس بارے میں ذرا سی بھاؤنا اور خواہش تک پیدا نہیں ہوتی کہ اقتدارِ شاہی طبقہ سے نکل کر شودر جاتی میں چلا جائے تاجر کس ملک کو نہیں جاتا؟ اسے خود کوئی شعور نہیں ہوتا، لیکن وہ اپنی تجارت کے ذریعہ ایک ملک کے علوم و فنون، حکمت و دانش، اور گیان دھیان دوسرے دیش کو منتقل کرتا رہتا ہے۔

اور ان کا مقام کیا ہے؟ حالانکہ صرف انہی کی جسمانی مشقّت کے ذریعہ ہی یہ ممکن ہوا ہے کہ براہمن اثر و رسوخ حاصل کرے کشتری کو طاقت ملے اور ویش دولت پائے، ان کی تاریخ کیا ہے؟ جو سوسائٹی کا حقیقی ڈھانچہ ہوتے ہوئے ہر زمانہ اور ہر ملک میں "سنگِ بنیاد" کی حیثیت سے روشناس رہتے ہیں، سوائے ہندوستان کے دوسرے ممالک کے شودر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی حد تک بیدار ہو گئے ہیں، لیکن ابھی ان میں مناسب تعلیم کا فقدان ہے، اور ان میں اپنے ہی طبقہ کے لوگوں سے تنفّر کا وہ رجحان ہے جو شودروں میں بالعموم پایا جاتا ہے، اس کا کیا فائدہ ہوگا۔ اگر ان کی تعداد سب جاتیوں سے بہت زیادہ ہو جائے؟ وہ اتحاد شودروں سے ابھی تک بہت دور ہے، جس کے ذریعہ دس آدمی اکھٹے ہو کر ایک لاکھ کی طاقت پا لیتے ہیں، لہٰذا قانونِ قدرت کے مطابق شودر محکوم بنے رہنے کے لئے مجبور رہتے ہیں ....

پھر بھی ایک وقت آئے گا، جب شودر طبقہ اپنی شودریت کی سطح سے بلند ہوگا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کی طرح نہیں جب کہ شودر کشتری یا ویش کے کیریکٹر کے اوصاف پیدا کر کے بڑے بن رہے ہیں، بلکہ اس زمانہ کے متوازی ایک زمانہ کے متوازی ایک زمانہ آئے گا۔ جب ہر ملک کے شودر جو ودان سے شودر کی فطرت اور عادات و اطوار کے حامل ہوتے ہیں اپنے میں ویش یا کھتری (کشتری) کا جوہر پیدا کئے بغیر ہی اور محض شودر رہتے ہوئے بھی ہر سوسائٹی میں قطعی برتری حاصل کر لیں، اس نئی سحر کی پہلی کرن مغربی دنیا میں پھوٹ چکی ہے،

اور اس نئے عمل کے اُفق پر ان کے ذہن و فکر کی تنویر نظر آ رہی ہے سوشلزم، انارکی، دہریت یا مذاہب اور جملہ ضوابط اخلاق سے انکار اور اسی طرح کے دیگر حلقہ ہائے خیال آنے والے سماجی انقلاب کے چوکیدار کی حیثیت رکھتے ہیں تشدد اور ظلم کی چکی کے اندر دلے جانے کی بنا پر یا تو وہ اتنے کمین ہو جاتے ہیں کہ کتوں کی طرح اعلیٰ جاتی کے قدموں پر لوٹنے لگیں یا پھر حیوان اور خونخوار درندے بن جاتے ہیں۔

مغرب میں تعلیم پھیلنے کے باوجود ابھی شودر طبقے کے لئے بلند ہونے کے راستہ میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں، یعنی یہ کہ ابھی تک جاتی کا فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں کم و بیش ان اچھے یا بُرے اوصاف کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جو وِرثہ کے طور پر ملتے ہیں یہی تو صیغی جاتی نظام ہندوستان میں قدیم زمانہ میں رائج تھا اور اسی نظام کو ذریعہ بنایا گیا تھا شودر طبقہ کو زیر رکھنے کے لئے، اسے بے بس اور مجبور بنانے کے لئے ابتداء ہی علم و دولت کی تحصیل کے مواقع کو نابید کیا گیا۔ اور پھر اس خامی میں اس طرح مزید اضافہ کیا گیا کہ شودر طبقہ میں حسن اتفاق سے اگر کوئی شخص غیر معمولی استعداد، اہلیت اور عقل و فراست رکھنے والا پیدا ہو گیا۔ تو اسے اعلیٰ جاتیوں نے اونچا اٹھا کر اپنے زمرہ میں شامل کر لیا اور شودر طبقہ کے لئے یہ موقع نہ چھوڑا کہ وہ اس سے استفادہ کریں، اس کی دولت اور عقل و فراست کا سارا فائدہ اعلیٰ جاتیوں نے اٹھایا اور اس کی اپنی جاتی کے لوگ اس سے استفادہ کرنے کے مواقع سے محروم رہ گئے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ سادہ لوح اشخاص کو بھی اعلیٰ جاتیوں نے اپنے حلقہ میں رکھنا گوارا نہ کیا۔ انہیں جاتی سے نکال باہر کیا گیا اور شودر طبقہ میں انہیں دھکیل کر اس طبقہ کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔

وشِشٹ، نردا، ستیاکم، جبولا، ویاس، کرپا، درونا، کرنا اور بہت سے دوسرے لوگوں کو جن کا شجرۂ نسب تحقیق طلب ہے، ان کے جوہر ذاتی، علم یا شجاعت جیسے اوصاف کی بنا پر اونچا اٹھا کر براہمن، کشتری کی پوزیشن تک لے آیا گیا لیکن ابھی یہ دیکھنا ہے کہ اس طرح لوگوں کو اونچا اٹھانے سے طوائف، گھروں میں کام کاج کرنے والی ملازمت پیشہ عورتوں، ملاحوں اور سائیسوں کے طبقہ کو کیا فائدہ پہنچا۔ اس کے برعکس براہمن، کشتری یا ویش طبقہ سے جو لوگ نیچے گرے، انہوں نے ہمیشہ شودروں کی صفوں میں اضافہ ہی کیا۔

زمانہ حال کے ہندوستان میں کوئی شخص بھی شودر والدین کی آغوش میں پیدا ہو تا نہیں چاہیے وہ کروڑ پتی ہو چاہیے وہ بہت بڑا پنڈت ہو، اسے اپنی جاتی کی حدوں کے اندر رہتے ہوئے اپنی سوسائٹی کو ترک کر دینے کا حق حاصل رہتا ہے، بشرطیکہ اس کی دولت و ذہانت اس کی اپنی کمیونٹی کی فلاح و بہبود کے کام آ رہی ہو، ہندوستان کا یہ وراثتی جاتی نظام جو اپنی حد کے باہر قدم رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا بتدریج مگر یقینی انداز میں ان لوگوں کو آگے بڑھا رہا ہے جو اس کے حلقہ میں آتے ہیں ہندوستان میں نچلے طبقوں کا ارتقاء اسی انداز سے اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ایک ایسی حکومت برسر اقتدار رہے گی جو اپنی رعایا میں پوزیشن یا ذات پات کا کوئی امتیاز نہیں کرتی۔

انسانی تمدن کو چار جاتیاں چلاتی ہیں — پجاری، سپاہی، تاجر اور محنت کش مزدور۔ . . . آخر میں مزدور (شودر) کا اقتدار آئے گا، اس کے فائدے یہ ہوں گے کہ جسمانی آرام و آسائش کی مساوی تقسیم ہوگی۔ اور اس کے نقصانات ہوں گے (شاید) سنسکرتی کی پستی! تہذیب کی پستی! عوامی کلچر کی بڑی دھوم دھام ہوگی لیکن غیر معمولی ذہانتیں کم سے کم ہوتی جائیں گی — اگر ایک ایسی حکومت کی تشکیل ممکن ہو جس میں پجاری کا علم، سپاہی کی سنسکرتی، تاجر کی یہ سپرٹ کہ بانٹ کر کھاؤ اور سب سے آخر میں مساوات کا آدرش متحد ہو گیا ہو اور اس شیرازہ سے ہر قسم کی بدی خارج کر دی گئی ہو تو پھر یہ حکومت ایک مثالی حکومت ہوگی! لیکن کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے؟

پہلے تین — (یعنی براہمن، کشتری اور ویش) کی آزمائش ہو چکی ہے۔ اب چوتھے (مزدور یا شودر) کی باری ہے — اسے کلی اقتدار ملنا ہی چاہیئے کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ میں سونے یا چاندی کے سٹینڈرڈوں کے متعلق جملہ دشواریوں سے آگاہ نہیں ہوں (بظاہر ہر شخص بس اسی حد تک جانتا ہے) لیکن اتنا تو میں دیکھ ہی سکتا ہوں کہ سونے کا سٹینڈرڈ غریب کو زیادہ غریب بنا رہا ہے اور امیر کو زیادہ امیر! برائن نے جب یہ کہا تھا تو وہ ٹھیک ہی تھا کہ "ہم سونے کی صلیب پر مصلوب ہونے سے انکار کرتے ہیں"۔ چاندی کا سٹینڈرڈ، نابرابری کی اس لڑائی میں غریب کو زیادہ بہتر موقع دیتا ہے، میں سوشلسٹ ہوں تو اس بنا پہ نہیں کہ میں اس نظام کو مکمل نظام تصور کرتا ہوں لیکن بھوکا مرنے سے آدھا پیٹ کھانا بہر حال غنیمت ہی ہے۔

دوسرے تمام نظام آزمائش میں ناقص ثابت ہوئے ہیں، — اب اس نظام (سوشلزم) کو بھی آزما لینے دیجئے، نہ سہی کسی دوسری وجہ سے بلکہ صرف اسی وجہ سے آزما لینے دیجئے کہ اس میں جدت و ندرت موجود ہے آرام و آلام کی دوبارہ تقسیم، اس سے تو ہمیشہ ہی بہتر ہوگی کہ کچھ لوگ سدا آلام میں مبتلا رہیں اور کچھ لوگ سدا آرام کی زندگی بسر کرتے رہیں اور تکلیف اور مصیبت کی دنیا میں ہر کس و ناکس کو موقع دیجئے کہ اس کی باری آئے۔

ایک معاشرے کے تمام طبقوں کو دولت، علم، اور آگہی کے حصول کے لئے یکساں اور مساوی مواقع ملنا ہی چاہئیں۔ . . تمام معاملات میں آزادی — یعنی مکتی کی جانب پیشقدمی کی آزادی جو ایک شخص کا گراں قدر سرمایہ اور بیش بہا نفع ہوتی ہے — وہ تمام سماجی ضابطے جو راحت رساں ہیں جو اس آزادی کے حصول کی راہ میں حائل ہیں — ان تمام سماجی ضابطوں کو برباد کر دینے کے لئے جلد سے جلد قدم اٹھانا چاہئیں! اور ان تمام ضابطوں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے جو اس آزادی کو حاصل کرنے کی راہ میں پیشقدمی کرنے کے لئے ایک شخص کی مدد کرتے ہیں۔

یاد رکھیئے کہ قوم جھونپڑی میں رہا کرتی ہے۔

کسان، موچی، بھنگی اور اسی طرح کی دوسری نیچی جاتیاں آپ سے زیادہ خود اعتمادی اور کام کرنے کی اہلیت و

استعداد رکھتی ہیں۔ وہ صدیوں سے بڑی خاموشی کے ساتھ کام کئے جا رہی ہیں۔ اور اپنی زبان پر شکایت کا ایک حرف لائے بنا، اس ملک کی ساری دولت پیدا کر رہی ہیں؛ بہت ہی جلد وہ مرتبہ میں آپ سے بہت بلند ہو جائیں گی۔ رفتہ رفتہ سرمایہ ان کے ہاتھوں میں آ رہا ہے اور وہ آپ کی طرح اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کے لئے بہت زیادہ پریشان بھی نہیں رہتیں۔ نئی تعلیم نے آپ کے فیشن کو بدل ڈالا ہے لیکن ایجادات کی دریافت و قدرت کے فقدان کی بنا پر دولت کے نئے ذرائع ابھی تک دریافت نہیں ہوئے ہیں۔ آپ نے اتنے طویل عرصہ تک ان جفاکش عوام کو کچلا ہے کہ اب ان کی باری آئی ہے کہ وہ بھی گن گن کے بدلہ لیں۔ جب کہ آپ ملازمت حاصل کرنے سعیٔ لا حاصل فرما رہے ہیں اور اس دھن میں لگے ہوئے ہیں کہ سب کچھ بس آپ ہی آپ ہیں!

اگر مزدور کام روک دیں تو آپ کی خوراک اور کپڑے کی سپلائی بھی رک جائے گی، پھر بھی آپ انہیں نیچ ذات تصور کرتے ہیں اور اپنے کلچر کا فخریہ ڈھول پیٹا کرتے ہیں۔ تنازعہ البقا میں الجھ کر انہیں بے شک علم و آگہی کی روشنی میسر آنے کا موقع نہیں ملا۔ انہوں نے چالاک تعلیم یافتہ طبقہ اور ذہین انسانوں کی نگرانی میں اتنے طویل عرصہ تک مشینوں کی طرح کام کیا۔ مگر وہ ان کی مشقت کے پھل کا بڑا حصہ ہڑپ کر گئے۔ ہر ملک میں ایسا ہی ہوا۔ لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ نیچی جاتیوں کے شعور میں یہ بات آ چکی ہے کہ محنت وہ کرتے ہیں اور ان کی محنت کا پھل تعلیم یافتہ، ذہین اور چالاک لوگ کھا جاتے ہیں چنانچہ اب وہ اس صورتِ حال کے برخلاف اپنا جائز حصہ منوانے کے لئے متحد ہو گئے ہیں۔ اعلیٰ طبقات مثلِ سابق اب بہت دیر تک نچلے طبقات کو دبا نہیں سکتے، اعلیٰ طبقات کی بہتری اور بھلائی اب اس بات پر منحصر ہے کہ وہ نچلے طبقات کی مدد کریں تاکہ وہ اپنے جائز حقوق پا سکیں۔

جب عوام جاگیں گے تو ان کی سمجھ میں آئے گا کہ آپ نے ان پر کتنا دباؤ ڈال رکھا ہے اور پھر آپ ان کے غصّہ کی ایک پھنکار کی بھی تاب نہ لا سکیں گے اور خس و خاشاک کی طرح ہوا میں اڑ جائیں گے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو تمدّن سے آشنا کیا ہے اور یہی لوگ ہیں جو اسے منہدم بھی کر سکتے ہیں۔ ذرا سوچئے تو کہ کس طرح قدیم روم کا عظیم الشان تمدّن گالوں کے ہاتھ سے مٹی میں مل کر رہ گیا۔ لہٰذا میں گزارش کروں گا کہ آپ ان نیچی ذاتوں کو تعلیم اور سنسکرتی دے کر پستی کے غار سے نکالیں اور انہیں اونچا اٹھائیں ــــ جب وہ جاگیں گے ــــ اور ایک دن انہیں جاگنا ہی ہے ــــ تو اس وقت وہ آپ کی خدمات کو فراموش نہیں کریں گے اور آپ کے شکر گزار رہیں گے۔

یہ سوچ سوچ کر میرا دل کتنا دکھی ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ہم ان غریب اور پسماندہ لوگوں کے بارے میں کیسے خیالات رکھتے ہیں۔ ان پر یہ کہاوت صادق آتی ہے کہ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن!" . . . . وہ روز بروز پستی کی طرف جا رہے ہیں، وہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک ظالم سوسائٹی ان کے سروں پر لگاتار گھونسے مار رہی ہے اور انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ کب تک یہ مکہ بازی جاری رہے گی؛ وہ یہ بات تک بھول چکے ہیں کہ وہ بھی انسان ہیں اور نتیجہ

پیدا ہوا ہے کہ ہم غلام ہیں۔ چند برس سے کچھ دانشمند لوگ اس صورتِ حال کو دیکھ رہے ہیں سمجھ رہے ہیں اور اس کی نزاکتیں اور ضرورتیں محسوس کر رہے ہیں لیکن بدقسمتی سے انہوں نے اس کی ذمہ داری "ہندو دھرم" کے کندھے پر رکھ دی ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حالات کو بہتر بنانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ "ہندو دھرم" کو کچل کے رکھ دیا جائے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندو دھرم دنیا کا سب سے زیادہ شاندار دھرم ہے۔ میرے دوستو! میری بہنو! میں نے بھگوان کی کرپا سے یہ راز پالیا ہے کہ دھرم کا کوئی قصور نہیں ہے کوئی نقص نہیں ہے بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ آپ کا دھرم اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہر ذی حیات میں ایک ہی روح ہے۔ لیکن کمی ہے اس تعلیم کو عمل میں لانے کی۔ کمی ہے ہمدردی کی، کمی ہے فراخدلی کی۔ یہ صورتِ حال ختم ہونی چاہیئے، اس طرح نہیں کہ اس صورتِ حال کو ختم کرنے کے لئے دھرم کو برباد کر دیا جائے بلکہ یہ صورتِ حال اس طرح ختم کرنی چاہیئے کہ ہندو عقاید سے متعلق گرانقدر تعلیمات پر عمل کیا جائے اور ان تعلیمات کو ہندوازم۔ . . . بدھ ازم کے منطقی ارتقاء کے ساتھ حیرتناک ہمدردی کے زمرہ میں شمار کیا جائے۔ ایک لاکھ روشن جن کی روحوں میں پاکیزگی بھری ہو جو ایشور کی بھگتی میں غرق ہو چکے ہوں، جن میں غریبوں اور پسماندہ لوگوں کی مدد کرنے کے لئے شیر جیسی طاقت اور شجاعت موجود ہو، ملک کے طول و عرض میں جائیں اور ملک کے لوگوں میں امداد باہمی، سماجی بیداری، مساوات اور مکتی کے آدرشوں کا پرچار کریں۔

اس سے پہلے کہ ہندوستان کی فضا سیاسی یا سماج وادی عقائد و نظریات سے معمور ہو اس ملک کی فضا میں روحانیت کے عقائد کو گھول دینا چاہیئے۔ پہلا کام جو ہماری توجہ کا مستحق ہے یہ ہے کہ ہم ان حیرتناک صداقتوں کو جو ہماری الہامی کتابوں، پرانوں اور اپنشدوں کے اوراق میں نہاں ہیں، کتابوں سے باہر نکال کر لائیں، اپنی یادداشتوں سے نکالیں۔ خانقاہوں سے نکالیں، جنگلوں سے نکالیں، ان چند مٹھی بھر لوگوں سے نکالیں جو ان سچائیوں کو اپنے قبضہ میں دبائے بیٹھے ہیں اور پھر ان صداقتوں کو پورے ملک میں پھیلا دیں، پورے دیس میں نشر کر دیں۔

فی زمانہ آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ گاؤں گاؤں جائیں اور لوگوں کو سمجھائیں کہ اس طرح ناکارہ بیٹھے رہنے سے کام نہیں چلے گا۔ ان کو سمجھائیے کہ ان کی حقیقی حالت کیا ہے، اور ان سے کہئیے کہ بھائیو! تم سب اٹھو! جاگو! بیدار ہو! کب تک اس خوابِ غفلت میں پڑے رہو گے۔ . . . اب تک براہمن دھرم کے اجارہ دار بنے بیٹھے تھے لیکن اب چونکہ وہ وقت کے دھاروں کی تاب نہیں لاسکتے لہٰذا آپ کو یہ قدم اٹھانا چاہیئے کہ اس ملک کا ہر شخص دھرم پالے ان لوگوں کے ذہنوں پر یہ اثر ڈالئے کہ مذہب پر ان کا بھی وہی حق ہے جو براہمنوں کا ہے، نیچی سے نیچی سطح یہاں تک کہ چانڈالوں تک ان خوبصورت منتروں کو پہنچائیے، تجارت، صنعت، زراعت وغیرہ میں ضروریاتِ زندگی کے متعلق انہیں سیدھے سادے الفاظ میں ضروری ضروری باتیں سمجھائیے۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر اپنی تعلیم اور اپنی سنسکرتی کو پورے گھمنڈ کے ساتھ اپنے گھر رکھئیے اور وید و ویدانت پڑھنے پر فخر فرماتے رہیئے!

آپ اس کا کتنا ہی ڈھول پیٹیئے کہ آپ کے آباؤ اجداد آریہ تھے، آپ اس بات کی کتنی ہی نمائش کیجیے کہ آپ آریوں کی اولاد ہیں، آپ رات دن قدیم ہندوستان کی عظمتوں کے کتنے ہی گیت گائیے، اپنے ورن پر کتنا ہی فخر فرمائیے لیکن — "اے ہندوستان کی اونچی ذات والو! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم زندہ بھی ہو؟ تم کچھ نہیں ہو۔ مگر دس ہزار برس پہلے کی ممیاں! (نعشیں) یہ ممیاں (نعشیں) ان میں سے ہیں جنہیں تمہارے اسلاف "چلتا پھرتا مردہ گوشت" قرار دے کر حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، یہ ناتواں، رینگتی ہوئی لاشیں اب بھی ہندوستان میں موجود ہیں اور یہ تم ہو جنہیں حقیقی معنوں میں چلتا پھرتا جنازہ کہا جا سکتا ہے! تمہارے گھر، تمہارا سامان، عجائب گھر میں رکھے ہوئے آثارِ قدیمہ کے نمونوں جیسے ہیں، ان میں زندگی نہیں ہے زندگی کے آثار نہیں ہیں اور تمہارے عادات و اطوار اور زندگی کے رنگ ڈھنگ دیکھنے والا عینی شاہد تک یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے کہ وہ دادی اماں کی کہانی نہیں سن رہا ہے، تمہاری زندگی، عادات و اطوار دادی اماں کی کہانی بن کر رہ گئے ہیں، تم سے مل کر بھی ایک شخص جب تمہارے پاس سے اپنے گھر واپس آتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ کسی آرٹ گیلری سے لوٹ کر آیا ہے مایا کی اس دنیا میں اونچی جاتیوں سے تعلق رکھنے والے آپ لوگوں کی مثال یہ ہے جیسے ریگستان کا سراب! وہم و گماں، خواب، خیال یا سِحر طلسم راز۔ آپ ماضی کے وہ نمائندہ ہیں جس میں ماضی کی تمام متنوع اشکال مل کر ایک ہو گئی ہیں۔ فی زمانہ جو شخص آپ سے ملنا جلنا چاہتا ہے اس کی یہ خواہش بدہضمی کی بنا پر ہونے والی بدخوابی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، مستقبل کے لئے آپ منسوخ ہو چکے ہیں آپ کا وجود عدم سے بدل چکا ہے خواب کی دنیا کے شہزادو! کیوں اور کہاں تک سارے راستے پھر رہے ہو؟ تم ماضی ہند کے مردہ جسم کا بے خون اور بے گوشت ڈھانچہ ہو — کیوں نہ تم جلد سے جلد خود کو گرد بنا ڈالو اور ہوا میں اڑ جاؤ! بے شک تمہاری انگلیوں کی ہڈیوں میں کچھ بیش بہا جڑاؤ انگوٹھیاں ہیں اور تمہارے جنازے کے تابوت میں وہ بیش بہا خزانہ رکھا ہوا ہے جو تمہارے اسلاف نے جمع کیا تھا۔ اب تک تمہیں اس خزانے کو لوٹانے کا موقع نہیں ملا ہے لیکن برطانوی حکومت کے اس عہد میں ان دنوں میں جبکہ تحصیلِ علم کی آزادی حاصل ہے اس سارے خزانہ کو جتنا جلد ممکن ہو سکے اپنے ورثاء کے حوالے کر دو، تم فنا ہو رہے ہو، فنا ہو جاؤ اور اپنی جگہ نئے ہندوستان کو تعمیر ہونے دو — اسے نکلنے دو کسان کی جھونپڑی کے باہر جس کے ہاتھ میں ہل ہے، اسے نکلنے دو ماہی گیروں کی جھونپڑی کے باہر سے نکلنے دو موچی اور بھنگی کی جھونپڑیوں کے باہر! اسے اٹھنے دو فیکٹریوں، منڈیوں اور بازاروں سے! اسے جاگنے دو دشت و صحرا، جنگلوں، پہاڑوں سے! عام لوگ ہزاروں برس سے تشدد کو برداشت کر رہے ہیں — انہوں نے یہ تشدد برداشت کیا ہے اور منہ سے اف تک نہیں کی، اور اس بات نے ان میں تحمل اور تکلیف کو برداشت کرنے کی حیرتناک توانائی پیدا کر دی ہے انہوں نے غیر محدود مصیبتیں برداشت کی ہیں اور اس سے ان میں ناقابلِ تسخیر طاقت آ گئی ہے، وہ مٹھی بھر موٹا اناج کھا کر زندہ رہے ہیں اور اب پوری دنیا کو ہلا سکتے ہیں، انہیں صرف آدھی روٹی دے دو اور پھر اس پوری دنیا کا ظرف ان کی شکتی کو اپنے میں سما لینے کے لئے بہت بڑا ثابت نہیں ہوگا۔ ان میں ایک "رکت بجا" (RAKTA BIJA) نہ ختم ہونے والی شکتی بھری ہوئی ہے مزید برآں ان میں وہ طاقت بھی ہے جو پاک اور اخلاقی زندگی بسر کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور جو سوائے ہندوستان کے ہر جگہ

ناپید ہے ایسی اُمن پسندی، ایسی ہمدردی، ایسی محبت، ایسا صبر، ایسا لگن کے ساتھ کام اور عمل و اقدام کے وقت شیر جیسی طاقت کا مظاہرہ — یہ اوصاف سوائے ہندوستان کے اور کس جگہ دکھائی دیتے ہیں؟ ماضی کے ڈھانچو! دیکھو تمہارے سامنے جانشین موجود ہیں — ہندوستان کو جو بننا ہے وہ تمہارے سامنے ہے! اپنے سینوں کا مخفی خزانہ نکالو، اپنی انگلیوں کی جڑاؤ انگوٹھیاں اتارو — اور ان کے حوالے کر دو، جتنا جلد ہو سکے اتنا جلد — اور پھر تم ہوا میں تحلیل ہو جاؤ، تمہارے فنا ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ اور تب تمہارے نئے ہندوستان کے آغاز کی گونج سنیں گے — لاکھوں انسانوں کی فلک بوس آواز بلند ہو گی اور پوری دنیا میں گنبد کی صدا کی صورت گونج پیدا ہو جائے گی — واہیگورو کی فتح — واہیگورو کی فتح! —!








راج یوگ
RAJA-YOGA

راج یوگ

نمبر صفحہ

یوگ کی اہمیت

ہماری تمام معلومات کا دار و مدار تجربہ پر ہے۔ ہم جس علم کو کسی سبب کا بدیہی نتیجہ ٹھہراتے ہیں یا جس کی مدد سے ہم عام قسم کے مشاہدات سے گزر کر خاص قسم کی معلومات تک پہنچتے ہیں ان سب کی بنیاد بھی تجربہ پر ہے۔ مرئی سائنس میں سچائی کا پتہ بآسانی لگ جاتا ہے کیونکہ وہ خاص خاص تجربات پر مبنی ہوتی ہے۔ سائنسدان تم کو یہ کبھی نہیں کہے گا کہ تم فلاں بات پر یقین کرو۔ چونکہ وہ اپنے ذاتی تجربہ کی وجہ سے چند خاص طرح کے نتیجوں پر پہنچا ہے۔ اس لئے وہ ان پر گفتگو کرتے ہوئے جب وہ تم سے اپنے نتیجوں کے یقین کرنے کی درخواست کرے گا۔ تو اس کا یہ مقصود ہوگا۔ کہ وہ انسان کے عالمگیر تجربہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ہر مرئی سائنس کی عام بنیاد ہوتی ہے جو تمام انسان سے متعلق اور مخصوص ہے۔ اور جو نتیجے اس سے اخذ کئے جاسکتے ہیں ہم بلا دقت ان کی صداقت یا عدم صداقت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے۔ آیا مذہب کی بھی ایسی بنیاد ہے یا نہیں؟ میں اس سوال کا جواب نفی اور اثبات دونوں میں دوں گا۔ مذہب و ایمان جس کی تعلیم آج کل دنیا میں جاری ہے صرف چند مسائل پر مبنی ہے اور یہی سبب ہے کہ مختلف مذاہب باہم لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ ان مسائل کی بنیاد صرف یقین و اعتقاد پر ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ خدا بادلوں کے اوپر بیٹھا ہوا کائنات پر حکومت کرتا ہے اور وہ صرف اپنے دعوے کی سند پر ہم کو اس پر ایمان لانے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارے اپنے بھی خیالات ہو سکتے ہیں جن پر یقین کرنے کیلئے ہم دوسروں سے استدعا کرتے ہیں مگر جب سبب پوچھا جاتا ہے تو ہم نہیں بتا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں مذاہب آج کل رسوا اور بدنام ہیں۔ ہر تعلیم یافتہ شخص یہی کہتا دکھائی دیتا ہے "یہ مذاہب صرف چند مسئلوں کا مجموعے ہیں اور بس۔ ان کے تجزیہ اور امتحان کرنے کا کوئی معیار مقرر نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے خاص خیالات کو اشاعت دینا چاہتا ہے۔" مگر میں تم سے کہوں گا کہ مذہب کے عالمگیر اعتقاد کی پھر بھی ایک خاص بنیاد ہے۔ اور یہ بنیاد عالمگیر

تجربات پر مبنی ہے۔ کسی بھی مذہب کے بنیادی اصولوں کی جانچ پڑتال کر لیجئے۔ آپ اسے عالمگیر تجربات پر ہی کھڑا پائیں گے۔ سب سے پہلے اگر آپ دنیا کے مختلف مذاہب کا تجزیہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ کل مذاہب دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کی مقدس کتابیں ہیں، دوسرے وہ ہیں جن کے پاس ایسی مقدس اور متبرک کتابیں نہیں ہیں۔ ان دونوں میں سے مضبوط ترین وہ ہیں جن کے پاس مقدس کتابیں ہیں۔ اور ان کے ماننے والوں معتقدین کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے۔ جو مذاہب مقدس کتابوں سے بے بہرہ تھے ان میں سے بیشتر مر چکے ہیں اور جو گنتی کے دو چار زندہ ہیں ان کے مقلدین کی تعداد بہت مختصر ہے۔ لیکن مذاہب کی اس رنگا رنگی کے باوجود ان میں عجب حسن اتفاق ہے۔ یہ سب اس بات پر متفق و ہم خیال ہیں کہ وہ جن سچائیوں اور حقیقتوں کی تعلیم دیتے ہیں یہ مخصوص افراد کے مجاہدہ و مشاہدہ کے تجربات ہیں۔ عیسائی آپ سے کہتے ہیں کہ ان کے مذہب پر ایمان لاؤ حضرت عیسےٰ پر ایمان لاؤ حضرت عیسٰی کو خدا کا اوتار سمجھو۔ خدا اور روح میں یقین رکھو۔ اور روح کی پاکیزگی اور بالیدگی پر اعتقاد رکھو۔ اگر پوچھا جائے کہ کیوں ہمیں یہ ایمان کیوں لاؤں؟ تو عیسائی جواب دے گا اس لئے کہ وہ ان پر یقین و ایمان رکھتا ہے۔ لیکن اگر آپ عیسائی کے سرچشمہ اور منبع کو دیکھیں تو پائیں گے کہ اس کا دارومدار تجربہ اور ذاتی مشاہدہ اور مجاہدہ پر ہے یسوع مسیح نے کہا تھا کہ انہوں نے خدا کو دیکھا ہے۔ ان کے چیلوں اور پیروکاروں نے کہا۔ ہم خدا کو محسوس کرتے ہیں غرضیکہ تجربہ کی ان باتوں نے عیسائیت کو جنم دیا۔ یہی کیفیت بدھ دھرم کی ہے۔ بدھ دھرم کیا ہے؟ بھگوان بدھ کے تجربات مشاہدات اور مجاہدات۔ ان کے تجربہ میں بعض حقیقتیں آئیں، انہوں نے ان سچائیوں کو دیکھا۔ انہیں محسوس کیا۔ اور ان کا پرچار ساری دنیا میں کیا۔ یہی کیفیت ہندوؤں کی ہے۔ ان کی مقدس اور متبرک کتابوں میں لکھنے والوں نے جنہیں رشی یا منی، یوگی یا برہم گیانی کہا جاتا ہے، انہوں نے ان سچائیوں کا اظہار کیا ہے جو ان کے تجربہ اور مشاہدہ میں آئیں۔ اور انہوں نے ان کی تعلیم دنیا کو دی۔ اس سے یہ بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا بھر کے تمام مذاہب و عقائد کا دارومدار ہمارے علم و آگہی کے کبھی نہ خشک ہونے والے اس سرچشمہ پر ہے جیسے ذاتی تجربہ ذاتی مشاہدہ اور براہ راست مجاہدہ پر ہے۔ روحانیت کی تعلیم و تدریس دینے والے ان معلموں اور گوروؤں نے خدا اور ایشور کو دیکھا۔ اپنی روحوں کو دیکھا۔ اپنے مستقبلوں کو دیکھا۔ اور بقائے دوام کو دیکھا۔ اور جو باتیں ان کے تجربہ اور مشاہدہ میں آئیں، انہوں نے ان کی تعلیم دی۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ان میں اکثر مذاہب، بالخصوص آج کے عصر جدید میں، یہ عجیب و غریب دعوے کرنے لگ پڑے ہیں کہ یہ مجاہدات اور مشاہدات اور تجربات آج کی دنیا میں ممکن نہیں رہے۔ یا ان معدودے چند انسانوں کو جنہوں نے ان مذاہب و عقائد کی بنیاد رکھی یا جن کے نام پہ یہ مذاہب و عقائد مقبول و مروّج بنے، رسائی حاصل ہے۔ عام انسان کو یہ شرف مجاہدہ نصیب نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ فی زمانہ یہ تجربات یا مشاہدات عنقا ہیں، اس لئے ہمیں مذہب کو اعتقاد و یقین کے

ساتھ ہی قبول کرنا ہوگا۔ مَیں اِن باتوں میں یقین نہیں رکھتا۔ اور اِن باتوں کی یکسر تردید کرتا ہوں۔ اگر عِلم و آگہی کے کسی بھی شعبہ میں کبھی کسی کو اس دُنیا میں، تجربہ یا مُشاہدہ ہُوا۔ تو لازمی بات ہے کہ یہ تجربہ اور مشاہدہ اُس سے لاکھوں، کروڑوں مرتبہ بھی ہو چُکا ہوگا۔ اور یہ عمل اَزل سے اِنتہا تک یونہی جاری و ساری رہے گا۔ جو بات ایک بار ہوئی، وہ ہمیشہ ہمیشہ ہوتی رہے گی۔

یوگ کی سائینس کے مُعلّم کہتے ہیں کہ مذہب بے بُنیاد چیز نہیں ہے۔ اس کا دارومدار بھی تجربات پر ہے جو قدیم ہیں اور جب تک انسان کو خود وہ مجاہدے، مُشاہدے اور تجربے حاصل نہ ہوں۔ وہ پکّا دیندار و صاحبِ مذہب نہیں ہو سکتا۔ یوگ ایک سائینس ہے جو انسان کو اس تجربہ تک رسائی بخشتا ہے۔ جب تک ذاتی طور پر اس کا عِلم نہ ہو۔ جب تک اِنسان نے خود اس کو محسُوس نہ کیا ہو۔ اس کا مذہب کے نام پر لڑنا جھگڑنا فضُول ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ایشور کے نام پر اس قدر لڑائی جھگڑے برپا ہیں؟ بہ نِسبت کسی اَور مُعاملہ کے ایشور کے نام پر زیادہ خُون ریزیاں ہوئیں۔ اور اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ لوگ سرچشمہ تک نہیں گئے۔ وہ صرف رسم و رواج کے مُقلّد بنے رہے۔ اور دُوسروں کو اس کے ماننے کے لئے مجبور کرتے آئے۔ تاوقتیکہ اِنسان اپنے آتما کو خود آپ نہ محسُوس کرے اُس کو رُوح کی نسبت گفتگو کرنے کا کیا اِستحقاق ہے۔ اِسی طرح جب تک وہ ایشور کو نہیں دیکھتا۔ اس کا لڑنا عَبث ہے۔ اگر ایشور کوئی چیز ہے تو ہم لازمی طور پر اُسے دیکھ بھی سکیں گے۔ اگر رُوح کوئی شے ہے تو اس کا جاننا ضروری ہے وَرنہ اس پر محض ایمان لانا فضُول ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ آدمی وِشواس نہ کرے مُنہ پھٹ ناستک کہلائے مگر ریاکار نہ بنے۔ آج کل کے عالِم عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ مذہب اور ایشور کی تلاش ناحق ہے اور نیم تعلیم یافتہ گروہ ایک قدم اور بڑھ کر کہتا ہے کہ "یہ صرف خیالی بندشیں ہیں جن کا کوئی وُجود نہیں اور جن کا فائدہ صرف یہ ہے کہ اِنسان نیک بنے۔ خوش اخلاق بنے ان کا کہنا ہے کہ اگر اِنسان خدا اور ایشور میں یقین و ایمان رکھے گا تو وُہ مُعاشرہ کا اچھا حِصّہ دار ہوگا۔ ہم ایسے خیالات والوں کو الزام نہیں دیتے۔ ان کو جو تعلیم دی گئی ہے وہ صرف لفظوں کا گورکھ دھندا تھی اور اس کے پیچھے کچھ بھی اصلیّت نہیں تھی۔ ان سے صرف لفظوں کے بحث و مُباحثہ پر یقین کرنے کی تمنّا کی گئی ہے۔ مگر کیا وہ اس پر قناعت کر سکتے ہیں؟ اگر یہ بات مُمکن ہو تو کم از کم میرے دِل میں اِنسان کی کُچھ عزّت نہ رہے گی۔

اِنسان سچائی کا خواہشمند ہے۔ وہ خود تجربہ کرنا چاہتا ہے، اس کو سمجھ کر اپنے دِل کی گہرائیوں میں غور و خوض کرنے، اس پر عبُور حاصل کرنے اور اسے اپنی زندگی میں اُتارنے کا ارادہ کرتا ہے۔ مُقدّس ویدیہی فرماتے ہیں کہ ایسے افراد کے تمام شکوک و شُبہات محو ہو جاتے ہیں۔ "تاریکی پاش پاش ہو جاتی ہے کج فہمی راستی پر آجاتی ہے"۔ اَے حیاتِ جاوداں کے بچّا ریو اور بیٹو! جو اعلےٰ ترین طبقہ میں رہتے ہوں، اُن کے لئے بھی راہ کُھلی ہُوئی ہے تمام

تاریکیوں کو چیر دینے والی راہ۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کا دیدار حاصل کیا جائے جو تاریکی سے پرے ہے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔"

طرح یوگ کی سائنس انسان کے سامنے اس سچائی تک پہنچنے کے لئے ایک ایسا عملی طریقہ پیش کرتی ہے جو سائنس کے مطابق دریافت کیا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر سائنس کی تحقیقات و طرزِ عمل کا طریقہ مختلف ہوا کرتا ہے۔ اگر تم جوتش (نجوم) جاننا چاہتے ہو۔ تو محض بیٹھ رہنے اور جوتش جوتش چلانے سے تم کو اس کا علم حاصل نہیں ہوگا۔ یہی کیفیت علم کیمیا (کیمسٹری) کی سائن ودیا کی ہے۔ اسے تجربہ گاہ میں جاکر مختلف عناصر اور جزوں کو باہم ملانا۔ ان کے ردِ عمل کا مشاہدہ کرنا اور خود تجربے کرنا ہوگا۔ تب کہیں جاکر اسے کیمسٹری کا علم حاصل ہوگا۔ جوتش کے شائق کے لئے ضروری ہے کہ رصدگاہ میں جاکر دوربین ہاتھ میں لے کر ستاروں سیاروں کا مطالعہ کرے اور تب وہ جوتشی ہو جائے گا۔ ہزاروں اُپدیش کئے جاسکتے ہیں لیکن جب تک عمل نہ کیا جائے۔ کوئی دین دار اور مذہبی آدمی نہیں بن سکتا۔ یہ سب زمانوں سب ملکوں کے ایسے رشیوں، عابدوں اور سالکوں کے کلام ہیں جو پاک اور بے غرض تھے اور سوائے دنیا کا اُپکار کرنے کے ان کا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ وہ دعوے کے ساتھ کہتے ہیں "ہم نے ایسی سچائیاں دریافت کی ہیں جو اندریوں یعنی حواس کی پہنچ سے پرے ہیں اگر اعتبار نہ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ لو۔ وہ آپ سے کہتے ہیں طریقہ کو اختیار کر کے اس پر خلوص و سچائی سے عمل کرنے لگ جاؤ۔ اگر تم کو سچائی نہ ملے تو تم کو استحقاق ہے، تم کہہ سکتے ہو کہ یہ دعویٰ باطل ہے اس میں سچائی نہیں ہے لیکن جب تک تجربہ نہ کر لو۔ تم کو انکار کرنے کا کوئی منصب نہیں ہے۔ اس لئے ہم کو چاہئیے کہ ہم طریق مجوزہ کو اختیار کریں۔ روشنی خود بخود آئے گی۔

علم حاصل کرنے کے لئے پہلے ہم اپنے عام مشاہدات کی تصحیح کر لیتے ہوئے اور واقعات کو دیکھتے ہوئے کسی اصول یا خاص نتیجہ کو اخذ کرتے ہیں۔ دل کے خیالات اور انسان کے اندرونی حالات سے اس وقت تک واقفیت نہیں ہوتی۔ جب تک ہم ان واقعات کو اچھی طرح سمجھنے کی قابلیت اور صلاحیت حاصل نہ کر لیں۔ جو اندر ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ بیرونی دنیا کے واقعات کا مشاہدہ بہت آسان ہے۔ کیونکہ ان واقعات اور ظہورات کے دیکھنے کے لئے طرح طرح کے اوزار ایجاد کر لیے گئے ہیں مگر اندرونی دنیا کے دیکھنے کے لئے کوئی اوزار ایجاد نہیں کیا جاسکا۔ لیکن اصلی سائنس کی واقفیت حاصل کرنے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ہم اندر کی طرف نگاہ کریں۔ موزوں تجزیہ کے بغیر ہر سائنس بے فائدہ اور بے ثمر ہوتی ہے محض ایک تھیوری کو رٹ لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ روزِ ازل سے تمام روحانیت و معرفت کے عارفان اور ماہرینِ نفسیات سوائے ان کے جنہوں نے عملی زندگی اپنائی اور ان سچائیوں کو خود اپنی ذات اور تجربے سے

پرکھا۔ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے چلے آ رہے ہیں۔ اور ان کا بحث و مناظرہ کا سلسلہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔

اوّلین بات تو یہ ہے کہ راج یوگ کی سائنس انسان کو اندرونی مشاہدہ کے لئے ایک وسیلہ دیتا ہے اور یہ وسیلہ انسان کا خود من ہے جس وقت من یکسو ہوگا۔ اور ضروری ہدایت کے مطابق اپنی یکسوئی جب اندرونی دنیا کی طرف کرے گا۔ وہ اپنی تشخیص خود کر لے گا۔ اور اپنے تمام واقعات اور حالات پر نگاہ ڈالے گا۔ دل کی قوتیں روشنی کی شعاعوں کی طرح بکھری ہوتی ہیں۔ جب وہ ایک جگہ اکٹھی ہوں گی۔ ہر چیز کو روشن کر دیں گی۔ یہی دل علم و آگہی کا واحد ذریعہ ہے۔ ہر شخص اندرونی و بیرونی دنیا میں اس کو استعمال کرتا ہے لیکن علم الروح کے عالموں کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس روشنی کو سائنس دان بیرونی دنیا پر ڈالتا ہے۔ وہ اس کو الٹ کر اندرونی طبقات پر اکٹھی کر دے۔ اور اس کے لئے لگاتار شغل اور ریاض کی ضرورت ہے۔ لڑکپن سے ہی ہم باہری چیزوں کے دیکھنے کے خوگر ہیں۔ اندر کی طرف ہم نے مطلق توجہ نہیں دی۔ اور یہی وجہ ہے کہ مشاہدہ اور مجاہدہ کی قوت ہی ہم میں مر گئی ہے۔ من کو اندر لیجانے کے لئے اسے باہر جانے سے روکنا لابدی ہے۔ تاکہ وہ اپنے آپ کو سمجھ سکے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ مگر یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ ہم کسی شے کے متعلق سائنٹفک نظریہ قائم کر سکیں۔

سوال اٹھے گا کہ ایسے علم سے فائدہ کیا ہوگا؟ اوّلین بات تو یہ ہے کہ یہ علم خود اعلیٰ ترین بیش قیمت صلہ ہے۔ اور پھر اس سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس سے ہماری مصیبتیں اور مشکلیں دور ہو جائیں گی۔ جب انسان اپنے من کی پرکھ پرکھ کرتے ہوئے دو بدو اس شے کے مقابلہ پر آ جائے گا۔ جو لافانی، مکمل، اور پاک و مقدس ہے تو پھر کبھی دکھی اور غمگین نہ ہوگا۔ تمام مصیبتیں یا خوف سے پیدا ہوتی ہیں یا پھر ان خواہشوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جو پوری نہیں ہوتیں۔ لیکن جب انسان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ آتما ہے وہ کبھی مر نہیں سکتا۔ تب اس کو موت کا ڈر نہ رہے گا۔ جب وہ سمجھ لے گا۔ کہ وہ بطور خود مکمل ہے۔ اس کی خواہشیں جاتی رہیں گی۔ اور جب یہ دونوں باتیں نہ رہیں گی مصیبت بھی نہ رہے گی۔ اور اس جسم میں رہتے ہوئے بھی وہ سکھی ہوگا۔

اس علم کے حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یکسوئی قلب ہے۔ دنیا بھر کا علم من کے یکسو کرنے کے علاوہ اور کس طرح حاصل ہوا ہے؟ دنیا تمام علم و آگہی تمہارے دامنوں میں انڈیل دینے کے لئے بیتاب ہے بشرطیکہ تم کو کھٹکھٹانے کا علم حاصل ہو۔ ایسی حالت میں قدرت اپنا کوئی راز تم سے نہ چھپائے گی۔ صرف ضرورت یہ ہے کہ تم کھٹکھٹانے کے راز کو سمجھو اور زور سے ضرب لگا سکو۔ انسان کے دل کی طاقت و قوت کی کوئی حد نہیں ہے۔ جس قدر آپ اپنی یکسوئی سے ایک نقطہ پہ قائم ہو سکیں۔ اسی قدر آپ میں طاقت آتی جائے گی۔ صرف یہی ایک راز ہے ترقی کا آگے بڑھنے کا۔

باہری چیزوں پہ من ٹھہرانا آسان ہے کیونکہ اس کا رخ قدرتاً باہر کی طرف ہے۔ لیکن مذہب، علم الروح۔

علمِ عرفان میں باہر بھیتر ایک ہی شے ہے من ہی وہ چیز ہے من ہی کا مطالعہ کرنا ضروری ہے من خود من کا مطالعہ کرتا ہے۔ دل ہی دل کو پڑھتا ہے۔ ہم جانتے ہیں من میں عکس ڈالنے کی طاقت ہے میں آپ سے گفتگو کر رہا ہوں، لیکن میں الگ کھڑا ہو کر غیر کی طرح، یہ سب کچھ سن رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں جو میں بول رہا ہوں۔ آپ کام کرتے ہو اور اسی وقت ساتھ ہی ساتھ سوچتے بھی جاتے ہو ایک حصہ تمہارے من کا ٹھہرا ہوا ہے وہ دیکھتا جاتا ہے تم کیا سوچ رہے ہو، من کی قوتوں کو روک کر اپنے ہی پہ ڈالنا ہے جس طرح سورج کی چھیدنے والی تیز شعاعیں پڑتے ہی تاریک ترین گوشوں کے اسرار و رموز منکشف ہو جاتے ہیں اسی طرح جب انسان کے اپنے یکسو من کی سب طاقتیں اور قوتیں اپنے اندر پڑتی ہیں اس کی عمیق ترین گہرائیوں میں چھپی ہوئی طاقتیں اجاگر ہو جاتی ہیں۔ ایسا کرنے سے ہی انسان کو بنیادِ یقین ملے گی سچے دین و ایمان کی دولت نصیب ہوگی۔ ایسا کرنے سے ہی ہم اس بات کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے کہ کیا ہم روحیں رکھتے ہیں۔ یہ زندگی پانچ منٹی ہے یا حیاتِ جاودان ہے کیا اس کائنات میں ایشور ہے یا نہیں یہ سب راز اپنے آپ ہم پہ کھلنے شروع ہو جائیں گے۔ راج یوگ انہی باتوں کی تعلیم دیتا ہے اس کی سب تعلیموں کا مقصد یہ ہے کہ انسان کس طرح اپنے من کو یکسو کر سکتا ہے اور کس طرح اپنے من کی چھپی ہوئی بے پناہ طاقتوں کو دریافت کر سکتا ہے اور حالاتِ عالم کی تشریح و صراحت کی جا سکتی ہے اور کس طرح اس تشریح و صراحت سے صحیح نتیجے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ راج یوگ آپ سے یہ دریافت نہیں کرتا کہ ہم کون ہیں؟ منکر و کافر ہیں یا معتقد و دین دار ہیں عیسائی ہیں یا یہودی ہیں، بودھ ہیں یا مسلمان ہیں ہندو ہیں یا سکھ۔ آپ کا مذہب ایمان کچھ ہو اسے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں اس کے لئے تو صرف اتنا کافی ہے کہ ہم انسان ہیں۔ راج یوگ کہتا ہے کہ ہر بنی نوع انسان کو اس بات کا حق و اختیار ہے کہ وہ حقیقی دین و ایمان کی جستجو کرے۔ راج یوگ کہتا ہے کہ ہر بنی نوع انسان کو حق حاصل ہے کہ سوال کرے۔ اور اگر انسان خود ذرا سی تکلیف کرے تو اس کے سب سوالوں کا جواب اسے اپنے اندر سے ہی ملنا شروع ہو جائے گا۔

اس طرح ہم اس نتیجہ پہ پہنچیں گے کہ راج یوگ کے مطالعہ کے لئے ایمان لانے یا اعتقاد رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کسی بات پر اس وقت تک ایمان مت لاؤ۔ جب تک خود ہر چیز کی ماہیت دریافت نہ کر لو جب تک نہ معلوم کر لو مطلق یقین نہ کرو۔ یہ اس کی تعلیم ہے سچائی کے کھڑے ہونے کے لئے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ کیا آپ کو اپنے بیدار باطن اور روشن دماغ ثابت کرنے کے لئے کسی خوابِ تخیل کی ضرورت ہے؟ ہرگز نہیں۔ راج یوگ کے مطالعہ میں زیادہ وقت لگتا ہے زیادہ ریاضت کی ضرورت ہے۔ اس ریاضت کا کچھ حصہ جسمانی ہے یعنی تھوڑی بہت جسمانی ریاضت کرنی ہوتی ہے لیکن بیشتر ریاضت نفس کشی کی ہے جوں جوں ہم

آگے بڑھتے جائیں گے جسم و مَن (نفس) کے تعلقات سمجھ میں آتے جائیں گے۔ اگر ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ مَن جسم کا لطیف حصہ ہے اور مَن جسم پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے تو بھی سوال پیدا ہوگا کہ کیا جسم کا اثر بھی مَن پر پڑتا ہے؟ اگر جسم بیمار ہے تو مَن بھی بیمار ہو جاتا ہے۔ اگر جسم تندرست ہے تو مَن بھی تندرست رہتا ہے جب کوئی آدمی غصہ میں ہے تو مَن بھی بے چین ہو جاتا ہے۔ جب مَن یکسو نہیں ہے تو جسم میں بھی سکون و قرار نہیں ہوتا۔ قریب قریب ساری دنیا سمجھتی ہے کہ مَن بالکل جسم کے تابع ہے۔ ایسا وہی لوگ سوچتے ہیں جن کا مَن کوئی خاص ترقی پذیر نہیں ہوتا۔ انسان حیوانوں سے بہت کم تفاوت رکھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بہت موقعوں پر بعض آدمیوں کو اپنے مَن کے اوپر اتنا قابو بھی نہیں رہتا، جتنا حیوانوں کو حاصل ہوتا ہے ہم کو اپنے دلوں پر بہت کم قابو اور اختیار ہے۔ اس حق و اختیار کو حاصل کرنے کے لئے، مَن اور جسم دونوں کو اپنے بس میں کرنے کے لئے پہلے ہم کو یقیناً جسمانی مدد کی ضرورت ہوگی۔ اور جب جسم پر کچھ قابو مل جائے تب مَن پر اختیار حاصل کرنے کی کوشش ہونی چاہیئے۔ مَن کے قابو میں رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کو اختیار میں لائیں اور اس سے کام لیں۔ جہاں چاہیں اس کو یکسو ہونے کے لئے مجبور کر سکیں۔

راج یوگ کے مطابق یہ باہری دنیا۔ اندرونی یا لطیف (سوکشم) دنیا کی ہی کثیف صورت ہے۔ سوکشم ہمیشہ کارن (علّت) ہوا کرتا ہے سھتول (کثیف) ہمیشہ کاریہ (معلول) ہے۔ اس لئے باہری دنیا کاریہ کی معلول ہے۔ اندرونی کارن یعنی علّت ہے۔ اسی طرح باہری طاقتیں صرف سھتول حصے ہیں اس کی اندرونی طاقتیں سوکشم ہیں۔ جس نے اندرونی طاقتوں کو دریافت کر کے ان کو ماتحت کرنا سیکھ لیا ہو۔ وہ قدرت کو اپنے بس میں لا سکتا ہے۔ اس طرح یوگی چاہے تو کل کائنات کو زیر کر سکتا ہے۔ کل قدرت پر غالب آنے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ اس نقطہ تک پہنچنے کی فکر میں رہتا ہے۔ جہاں قانونِ قدرت کو اس پر اثر انداز ہونے کا خوف نہیں رہتا۔ جہاں وہ سب سے پرے پہنچ جائے گا۔ اس طرح وہ اندرونی و بیرونی قدرت پر فتح حاصل کر لے گا۔ انسان کی اعلےٰ تہذیب و ترقی کیا ہے؟ ان فطرت اور قدرت پر غالب آنے کی ہمت۔

تسخیر قدرت کے لئے مختلف فرقے اور قومیں مختلف طریقے بروئے کار لاتی ہیں۔ بلکہ اسی طرح جیسے ایک ہی معاشرے کے بعض افراد خارجی قدرت پر قابو پانے کی تگ و دو کرتے ہیں اور بعض افراد داخلی دنیا پر ضبط و اختیار حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ بعض اس مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں کہ اندرونی یا داخلی دنیا پر ضبط حاصل کرنے سے انسان ساری دنیا پر فتح حاصل کر سکتا ہے۔ بعض اس خیال و فکر کے حامی ہیں کہ خارجی دنیا پر اختیار حاصل کرنے سے انسان سب پر قادر ہو سکتا ہے۔ اگر ان دونوں باتوں میں انتہا تک چلا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں نظریے درست ہیں۔ کیونکہ قدرت میں خارجی اور داخلی دنیاؤں کی کوئی تمیز نہیں۔ یہ مفروضہ حد بندیاں انسان کی تخلیق کردہ ہیں جن کا حقیقتاً کوئی وجود نہیں۔ خارجہ اور داخلہ دنیاؤں کی تسخیر میں

جُتے ہوئے افراد بالآخر ایک ہی مقام پہ پہنچتے ہیں۔ مادہ پرست جب انتہا تک جاتے ہیں تو اس نتیجہ پہ پہنچتے ہیں اور یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ ان کا علم مادہ علم قواء میں تحلیل ہو کر رہ گیا ہے۔ یہی کیفیت انسان کی روح کے علم کی تحقیقات کرنے والے کی ہوتی ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کا علم، علم مادہ کی صورت اختیار کر گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جتنے امتیازات ہیں سب ہمارے ہی گھڑے ہوئے ہیں۔ حقیقتاً ان کی کوئی ہستی نہیں حقیقت ایک ہے۔

ساری سائینس کا مقصد اس حقیقت کو جاننا اور سمجھنا ہے۔ اس حقیقت اور اس وحدت کو پہچاننا ہے جو مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہے۔ راج یوگ میں یہ تحقیقات داخلی دنیا سے شروع کی جاتی ہے یعنی انسان اپنی روح کی گہرائیوں پر قدرت حاصل کرتا ہے۔ اور اس طرح داخلی اور خارجی دنیاؤں پہ ضبط و اختیار حاصل کر لیتا ہے۔ زمانۂ قدیم سے ہی یہ کوشش ہوتی آئی ہے۔ ہندوستان اس علم کا خاص گہوارہ رہا ہے۔ لیکن دوسری قوموں نے بھی ایسی کوششیں اور مساعی کی ہیں مغربی ممالک میں اس علم کو علم تصوّف کہا جاتا تھا۔ اور جو افراد اس پراسرار علم باطن کی طرف رجوع کرتے تھے انہیں جادوگر اور فسوں ساز کہہ کر زندہ جلا دیا گیا یا موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ہندوستان میں یہ علم کئی وجوہات سے ایسے افراد کے ہاتھوں پڑ گیا جنہوں نے اس کے نوّے فی صدی حصّہ کو تلف و برباد کر کے رکھ دیا۔ اور بچے کھچے علم کو دوسروں کے لئے پراسرار بنا دیا۔ حال ہی میں مغرب میں اس علم کے بہت سے خود ساختہ معلّم ہوئے ہیں جو ہندوستان کے معلّموں سے بھی گئے گزرے تھے۔ کیونکہ جہاں ہندوستان کے معلّم کچھ نہ کچھ ضرور جانتے تھے، وہاں یہ تو کچھ بھی نہیں جانتے۔ کوئی بھی بات جو یوگ کے متعلق مخفی اور پراسرار ہو فوراً ترک کر دینی چاہیئے۔ زندگی میں بہترین اور اعلےٰ ترین معلّم مضبوط قوّت ارادی ہے۔ دوسری باتوں کی طرح مذہب و ایمان کے متعلق بھی جو بات کمزوری اور شک و شبہ پیدا کرے اسے فوراً ترک کر دینا چاہیئے۔

قبل اس کے کہ میں آگے بڑھوں میں کچھ سانکھ فلاسفی کی نسبت کہنا چاہتا ہوں جس پہ راج یوگ کا دارومدار ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق من کو علم اندریوں (حواس یعنی آنکھ) سے ہوتا ہے۔ پھر من اس کو بدّھی تک پہنچاتا ہے۔ جو نشچے آتمک ہے۔ بدّھی اس کو پُرش (آتما) کی بھینٹ کرتی ہے۔ پُرش حکم دیتا ہے۔ پھر وہ منزل بمنزل نیچے اترتی ہے۔ اس طرح اندریوں کا گیان پر ہدایت ہوتا ہے۔ پُرش کے علاوہ یہ سب مادّی (پرکرتی سے بنی ہوئی) ہیں۔ مگر من دوسری اندریوں کے مقابلہ میں لطیف تر ہے۔ وہ مادّہ جس سے من بنا ہوا ہے نسبتاً پہلے سے ستھول ہے۔ اس کو تن ماترا کہتے ہیں۔ یہ رفتہ رفتہ اور بھی ستھول ہوتا گیا ہے جس سے یہ خارجی دنیا بنی ہے۔ یہ سانکھ کا اصول ہے۔ اس لئے بدّھی اور خارجی مادّہ میں کسی قدر لطافت اور کثافت کا فرق ہے ورنہ اصلیت میں دونوں ایک ہیں صرف پُرش ایسا ہے جو غیر مادّی ہے۔ من آتما کے ہاتھ میں آلہ کار ہے جس سے وہ باہری چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے۔ یہ من ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور پختگی حاصل کرنے پر وہ چاہے تو ایک یا ایک سے زیادہ اندریوں سے

تعلق رکھے چاہے بے تعلق رہے مثلاً میں گھڑی کی آواز کو بہت توجہ سے سنتے ہوئے بھی شاید کھلی آنکھوں سے اسے نہ دیکھ سکوں کیونکہ من قوتِ باصرہ سے متعلق نہ تھا۔ لیکن پختہ من کو بیک وقت بہت سی اندریوں (حواسوں) سے وابستہ رکھا جا سکتا ہے۔ من کو یہ بھی طاقت ہے کہ اپنی گہرائیوں میں غوطہ مار سکے۔ یوگ کا مقصد اس غوطہ مارنے کی طاقت کا حاصل کرنا ہے۔ اور یہ علمِ من کی قوتوں کے یکسو کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ وشواس کا مضمون نہیں۔ بلکہ خاص خاص فلاسفروں کی تحقیقات اور تجربہ کا نچوڑ ہے۔ علم ترکیب اجسام حیوانات و نباتات کے جدید ماہر آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ قوتِ باصرہ کا مخزن آنکھ نہیں بلکہ دماغ کی ایک خاص رگ ہے۔ یہی کیفیت ہر ایک حس (اندری) کی ہے۔ اس کی اصل طاقت کا مخزن دماغ کی ہی خاص رگیں ہوتی ہیں۔ اور یہ سب رگیں ایک جیسے مادہ سے بنی ہوئی ہیں۔ سانکھ بھی ہمیں یہی علم سکھاتا ہے۔ پہلا علم جسمانی ساخت کا ہے۔ دوسرا علم، علمِ روح ہے۔ ان دونوں علموں کی صورتیں الگ الگ ہیں۔ لیکن فی الحقیقت یہ دونوں ایک ہیں۔ لیکن ہماری تحقیق ان سے بھی بہت پرے کی ہے۔

یوگی ان سب باتوں کا کما حقہ علم حاصل کرنا اپنا مقصدِ حیات سمجھتا ہے۔ اور یہ جاننا چاہتا ہے قوتِ حس کس طرح سے کام کرتی ہے؟ من کس طرح اس کو حاصل کرتا ہے؟ بدھی اس کو پا کر کس طرح پرش کے حوالہ کرتی ہے؟ چونکہ ہر سائنس کی تیاری کے لئے کچھ نہ کچھ قاعدے اور ضابطے مقرر ہیں۔ اسی طرح "راج یوگ" بھی اس سے مستثنےٰ نہیں ہے۔

اور تو اور کھانے پینے کی نسبت بھی چند قسم کے ضابطے ضروری ہیں۔ ہم کو صرف وہی غذا کھانی چاہیئے جس سے من پاک صاف، شدھ و پوتر ہو۔ اگر آپ غور کر کے دیکھیں تو آپ کو اس کا پتہ لگ جائے گا کہ غذا کا نفس پر کس قدر گہرا اثر پڑتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہاتھی حلیم اور سلیم الطبع ہوتا ہے۔ مگر شیر اور چیتے چنچل ہوتے ہیں۔ یہ فرق خوراک کی وجہ سے ہے۔ جتنی قوتیں بھی ہمارے جسم میں کام کر رہی ہیں۔ وہ سب خوراک سے بنی ہیں۔ جس کو ہم روزانہ استعمال کر رہے ہیں۔ اگر آپ فاقہ کریں گے تو پہلے آپ کا جسم کمزور ہو گا۔ اور پھر یہ قوتیں کمزور ہونی شروع ہو جائیں گی۔ چند روز بعد دماغی طاقت زائل ہونے لگے گی۔ سب سے پہلے قوتِ حافظہ خراب ہو گی۔ پھر آپ نہ سوچ سکو گے نہ سمجھ سکو گے۔ اس لئے شروع شروع میں کم از کم خوراک کے متعلق زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ البتہ اگر ریاضت بڑھ جائے اور اس میں کافی ترقی ہو جائے تب بے شک اس بات میں اس قدر احتیاط روا نہ رکھی جائے۔

یوگی کو اعتدال پسند ہونا چاہیئے۔ اسے نہ بھوکا رہنا چاہیئے نہ فاقہ کرنا چاہیئے اور نہ ہی اپنے جسم کو طرح طرح کی اذیت دینی چاہیئے۔ جو ایسا کرتا ہے وہ گیتا کے قول کے مطابق یوگی نہیں ہے۔ "جو ورزہ رکھتا ہے جو بیدار رہتا ہے، جو بہت سوتا ہے، جو بہت کام کرتا ہے، جو بالکل کام نہیں کرتا ان میں سے کوئی بھی یوگی نہیں ہے"

(گیتا۔ ادھیائے چھ۔ شلوک ۱۶)

ابتدائی مرحلے

"راج یوگ" آٹھ انگوں (حصّوں) میں منقسم ہے۔ ان میں سے پہلا انگ یَم ہے جس میں اہنسا، ستیہ، استے، برہمچریہ اپاری گرہ شامل ہیں۔ دوسرا نیم ہے۔ شوچ، سنتوش، تپ، سوادھیائے، ایشور پرندھان نیم کہلاتے ہیں۔ ان کے بعد آسن، پرانایام، پرتیاہار، دھارنا، دھیان اور سمادھی ہے۔ یم اور نیم اخلاقی تربیت سے متعلق ہیں۔ ان کے بغیر یوگ کا شغل اس قدر مفید نہیں ہوتا۔ یوگ کمانے والا جوں جوں ان میں پختگی حاصل کرے گا۔ توں توں اسے لطف و سرور آنا شروع ہو جائے گا۔ یوگی کو من، بچن اور کرم سے کسی کو ایذا نہیں دینی چاہیئے۔ اس کا عمل ذرا آئندہ صرف انسان کے ساتھ نہیں بلکہ حیوانات کے ساتھ بھی ہو۔ اس لیے اس کا رحم و کرم صرف انسان کے لئے نہیں بلکہ کل کائنات کے لئے ہونا چاہیئے۔

پھر آسن کی باری آتی ہے۔ جب تک ایک قسم کی جسمانی و مانسک شغل کی ریاضت نہیں ہو لیتی۔ تب تک انسان اعلےٰ قابلیت حاصل کرنے کے لائق نہیں بنتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کسی نہ کسی قسم کا آسن پسند کرے۔ جس میں وہ دیر تک بیٹھ سکے۔ وہ آسن اچھا ہوتا ہے جو سہل ہو اور جس میں آسانی ہو۔ ممکن ہے کوئی آسن کسی کے لئے آسان اور کسی کے لئے مشکل ہو۔ اس کے لئے ایک قاعدہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد روحانی معاملات کے مطالعہ میں ہم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جسم میں ایک قسم کا کام برابر جاری رہتا ہے جو رگ و ریشہ کی حرکات کو بدل دیتا ہے۔ نئی حرکات پیدا ہوں گی۔ اور تمام ترتیب کو گویا از سرِ نو مرتّب کرنا ہوگا۔ لیکن اس شغل کا خاص ضروری مقصد یہ ہے کہ میرو دنڈ یعنی ریڑھ (پیٹھ کی ہڈّی) ٹھیک سیدھی رہے۔ آدمی آزادی سے سیدھا بیٹھ سکے یعنی اس کے سینہ گردن اور سر تینوں خطِ مستقیم کی صورت میں رہیں گی۔ جسم کا کل بوجھ پسلیوں پر رہے اور

تمام آسن درست ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ جب سینہ جھکا ہوا ہوتا ہے۔ انسان اونچے خیالات نہیں سوچ سکتا ہے۔ یوگ کا یہ حصہ کسی کسی معنی میں ہٹھ یوگ کے مشابہ کہا جا سکتا ہے۔ ہٹھ یوگ کا تعلق بالکل جسم سے ہے اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ جسم بہت مضبوط ہو جائے۔ ہمیں اس مضمون سے یہاں کوئی غرض نہیں ہے کیونکہ اس کا ابھیاس اور اس کی ریاضت بہت مشکل ہے جو ایک دو دن میں نہیں آ سکتی۔ اور پھر روحانی نشو و نما میں یہ اس قدر کار آمد اور مفید بھی نہیں ہے۔ آپ نے اکثر جاہلوں کو مختلف قسم کے آسن لگاتے دیکھا ہوگا۔ لیکن ایسے آسنوں کا مقصد جسمانی ہے روحانی نہیں۔ جسم میں کوئی بھی رگ و ریشہ اس قسم کا نہیں ہے جس پر انسان پورا پورا قابو نہ حاصل کر سکتا ہو۔ یوگی چاہے تو اس کے حکم سے من اپنی حرکت کو بند کر سکتا ہے۔ اور تمام جسمانی نظام اس کا حکم پا کر تھم جائے یا کام کرنے لگ جائے۔

یوگ کے اس حصّہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان زیادہ مدّت تک زندہ رہ سکے۔ اس کا اصل نصب العین تندرستی حاصل کرنا ہوتا ہے اور صرف یہی اصلی غرض ہٹ یوگ کی ہے اس نے مصمّم ارادہ کیا ہوتا ہے کہ وہ بیمار نہ ہو۔ اور وہ بیمار نہیں ہوتا۔ وہ بہت دنوں تک زندہ رہ سکتا ہے۔ سو برس کی عمر اس کے لئے کچھ نہیں ہے کبھی کبھی ڈیڑھ سو برس کی عمر تک پہنچنے پر بھی وہ جوان بنا رہتا ہے۔ اور سر کا ایک بال تک بھی سفید نہیں ہوتا۔ اس یوگی کی غرض و غائیت صرف اسی حد تک محدود ہے۔ برگد کا درخت پانچ ہزار برس تک زندہ رہ سکتا ہے مگر وہ برگد کا درخت بنا رہتا ہے۔ اس کے سوا اس کی حالت نہیں بدلتی۔ پس اگر کوئی شخص زیادہ عمر تک زندہ رہ سکے۔ تو وہ صرف تندرست جاندار کہا جا سکے گا۔ لیکن ہٹھ یوگ کے ایک دو سبق پھر بھی کچھ مفید ہیں مثلاً آپ میں سے بعض آدمی جانتے ہوں گے کہ سر درد کے موقع پر صبح اٹھتے ہی ناک کی راہ سے ٹھنڈا پانی پینا مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس سے سارا دن دماغ اچھا رہے گا اور آپ کو زکام نہ ہوگا۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اپنی ناک کو پانی سے لگا دیں اور گلے کی مدد سے پمپ کی طرح پانی کو اندر کھینچیے۔

جب آدمی کو ایک آسن پر سیدھے بیٹھنے کی عادت پڑ گئی تب اسے جسم کے شُدّھ یعنی پاک صاف کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ یوگ کے مفسروں نے اس کو غیر ضروری بتایا ہے۔ مگر یوگ ودیا کے عظیم ترین رہنما سوامی شنکر آچاریہ جی اس کی ہدایت کرتے ہیں۔ وہ سوتیا سوتر اپنشد کی تفسیر میں اس طرح لکھتے ہیں "جب نفس یعنی من کی کثافت دور ہو جاتی ہے۔ پرانایام کرنے سے وہ برہم کے دھیان میں ٹھہر جاتا ہے۔ اس لئے پرانایام ضروری ہے پہلے رگ و ریشہ کو شُدھ کر کے تب پرانایام کرنا چاہیئے۔ داہنے نتھنے کو انگوٹھے سے روک کر بائیں نتھنے سے اپنی طاقت کے موافق ہوا اندر کھینچیے۔ اور تب بائیں کو بند کر کے داہنے سے خارج کیجیے۔ پھر داہنے سے ہوا کو اندر کی طرف کھینچ کر بائیں سے نکال دیجیے۔ دن میں یہ شغل تین چار دفعہ کرنا چاہیئے۔ دن چڑھنے سے پہلے۔ دوپہر۔ شام اور آدھی رات کو۔ پندرہ دن سے لے کر ایک مہینہ کے عرصہ میں رگ و ریشہ کی شُدّھی ہو جاتی ہے۔ تب پرانایام کی ابتدا شروع ہوتی ہے"۔

ابھیاس یعنی مشق و عمل نہایت ضروری چیز ہے۔ آپ رات دن کسی ایک مضمون کے متعلق وِیا کھیان یعنی

وعظ سنتے رہیئے۔ لیکن جب تک عمل نہیں کریں گے تب تک ایک قدم بھی آگے ترقی نہ کر سکیں گے۔ ساری بات کا انحصار ابھیاس یعنی مشق و عمل پر ہے جب تک ہم ذاتی تجربہ نہ کریں گے۔ ہم ان باتوں کو کچھ بھی سمجھ نہیں سکتے ہم کو خود دیکھنا اور پرکھنا چاہیئے۔ صرف مسائل پر بحث و مباحثہ کرتے رہنا اور ان کی تشریحوں کا پڑھنا مفید نہ ہوگا۔ عمل و مشق کی راہ میں کئی رکاوٹیں ہیں۔ سب سے مقدم چیز تندرستی ہے۔ اگر انسان تندرست نہیں ہے تو وہ عمل و مشق نہ کر سکے گا۔ اس لئے تندرستی کی قدر کرنا لازمی ہے۔ کھانے پینے اور کام کرنے میں احتیاط شرط ہے۔ جسم کا اس مضمون سے تعلق صرف اسی قدر ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ مطلب نہیں ہے۔ ہم کو بھولنا نہ چاہیئے کہ تندرستی صرف حصول مقصد کا ذریعہ ہے۔ وہ خود مقصد نہیں ہے۔ اگر تندرستی ہی مقصد ہوتی۔ تو ہم جانوروں کی طرح ہٹے کٹے رہ سکتے تھے۔ کیونکہ جانور شاذ و نادر ہی بیمار پڑتے ہیں۔

دوسری رکاوٹ شک و شبہات ہیں جن چیزوں کو ہم خود نہیں دیکھ پاتے۔ ان کی نسبت شک و شبہ کرنا عام بات ہے۔ آدمی ہزار کوشش کرے۔ مگر وہ صرف لفظوں کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ اس لئے یہ مضمون صحیح ہیں یا غیر صحیح ہم میں سے اچھے اچھے آدمی بھی شک کرنے لگ جاتے ہیں مگر چند روز کے عمل و مشق کرنے سے انسان کو تھوڑی بہت روشنی ملنے لگتی ہے۔ اور وہ روشنی آئندہ ترقی و امید کی یقین دہانی کرتی جاتی ہے۔ یوگ فلاسفی کی شرح اور تفسیر کرنے والے نے بجا کہا ہے کہ "جب تھوڑا بھی ثبوت مل جاتا ہے۔ تو یوگ کی جملہ تعلیم کے متعلق خود بخود متلاشی کے دل کا اطمینان ہو جاتا ہے۔" مثلاً ایک مہینے کی تعلیم و تربیت کے بعد آپ دوسروں کے خیالات پڑھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ان کے خیالات تصویروں کی صورت میں آپ کے سامنے آنے لگیں گے۔ سننے پر طبیعت کو یکسو کرنے سے آپ دور کی آواز سننے لگیں گے۔ پہلے پہلے بہت تھوڑی سی روشنی ملنے لگتی ہے لیکن اس سے کافی وشواس مضبوطی اور امید پیدا ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً اگر آپ خیالات کو یکسو کر کے اپنی آنکھ کو ناک کے سرے پر جمانے کی عادت ڈالیں گے تو چند روز کے بعد بہت اچھی خوشبو آنے لگے گی۔ اور اس سے آپ کو یقین ہونے لگے گا۔ کہ بعض روحانی مشاہدات و معاملات اس قسم کے ہیں کہ بلا خارجی اشیاء سے ملے ہوئے اثر انداز ہوتے ہیں لیکن ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب باتیں محض ذرائع ہیں مقصد اور غرض اور منزل اس عمل و مشق کی صرف تلاش کی نجات ہے۔ قدرت پر پورا اختیار حاصل کرنا ہی ہمارا مقصد ہونا چاہیئے۔ اس سے کم کسی بات پر قناعت نہیں کرنی ہوگی ہم کو مالک بننا چاہیئے۔ نہ کہ اپنے آپ کو قدرت کا غلام بنانا ہے۔ جسم و نفس کو ہم پر اختیار و قابو نہیں ہونا چاہیئے ہم کو کبھی اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ جسم ہمارا ہے۔ ہم جسم کے نہیں ہیں۔

روایت ہے ایک دیوتا اور ایک راکشس کسی رشی سے آتما کی نسبت سوال کرنے گئے۔ عرصہ تک اس سے تعلیم پائی۔ آخر میں رشی نے کہا۔ کہ "تو وہی آتما ہے جس کی نسبت تجھ کو تلاش ہے۔" دونوں نے سوچا یہ جسم ہی آتما

ہے۔ دونوں نے کہا "ہم کو علم ہو گیا۔ ہم گیان پا گئے۔ اور خوشی خوشی اپنے تعلق داروں کے پاس آکر کہنے لگے "ہم کو جس کی تلاش تھی وہ مل گیا۔ بس کھاؤ پیو۔ خوب موج اڑاؤ۔ ہم خود ہی آتمائیں ہیں ہمارے سوا اور کچھ بھی نہیں" راکشس بالکل اگیانی تھا۔ اس نے مزید تحقیقات ہی نہیں کی۔ اس نے سمجھ لیا، آتما اور جسم ایک چیز ہیں۔ مگر دیوتا عقل سلیم رکھتا تھا پہلے اس کو فوراً یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ جسم ہی آتما ہے۔ اس نے اس خیال کو پکڑے رکھنے اور عیش و عشرت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر چند ہی روز بعد اس کو معلوم ہو گیا کہ رشی کے کلام کا یہ مطلب کبھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سے کچھ اور ہی مراد ہو گی۔ وہ واپس آیا اور پوچھنے لگا "مہاراج! آپ نے فرمایا تھا کہ یہ جسم آتما ہے۔ مگر یہ جسم مر جاتا ہے جبکہ آتما یعنی روح نہیں مرتا"۔ رشی نے کہا "تو خود تحقیقات کر"۔ دیوتا نے پرانوں کو آتما سمجھا مگر پھر شک ہونے پر رشی کے پاس واپس آیا۔ رشی نے وہی رائے دی۔ دیوتا نے نفس یعنی من کو، پھر بدھی کو آتما سمجھا۔ اور وقت پر اس تحقیقات کے سلسلہ کے جاری رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنے آتما کو سمجھ لیا۔ "اجنما۔ امر۔ اوناشی۔ جس کو نہ تلوار کاٹ سکتی ہے، نہ آگ جلا سکتی ہے، نہ ہوا سکھا سکتی ہے۔ انادی۔ اننت۔ اچل۔ ایسا میرا آتما ہے۔ اس طرح دیوتا کو حقیقت تک رسائی ہو گئی۔ لیکن راکشس کو سچائی نہیں ملنی تھی، نہ مل سکی۔ وہ اپنے جسم کا ہی شائق اور پجاری بنا رہا۔

اس دنیا میں راکشس بہت ہیں مگر کچھ لوگ دیوتا بھی ہیں۔ اگر کوئی شخص بھوگ ولاس کی تعلیم دینا چاہے تو ہجوم کے ہجوم اس کے گرد حلقہ مار کر تیار ہو جائیں گے۔ لیکن اگر انسانی زندگی کے مقصد کی تعلیم دی جانے لگے تو کوئی بھی غور و خوض نہیں کرے گا۔ بہت کم آدمی ایسے ہیں جو اعلیٰ سچائی کی سوچ اور فکر رکھتے ہیں۔ اس کے حاصل کرنے والوں کی تعداد تو اور بھی کم ہے اور صرف گنتی کے کچھ آدمی ایسے ملیں گے جو اس راز اور اس مقصد حیات تک رسائی حاصل کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ یہ جسم خواہ ہزارہا سال تک قائم رہے۔ تب بھی نتیجہ وہی ہوگا۔ جو قوتیں اس کو متحد رکھتی ہیں جب منتشر ہو جائیں گی۔ یہ جسم برباد ہو جائے گا۔ کوئی آدمی ایسا پیدا نہیں ہوا۔ جو اس کو ایک لمحہ کے لئے تبدیل ہونے سے روک سکے۔ یہ جسم بھی اس تبدیل ہونے والے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جس طرح دریا کے پانی کے بہاؤ کی مقدار تمہاری آنکھوں کے سامنے ہر لمحہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح پانی کی نئی نئی لہریں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اور اسی رنگ و روپ کا جلوہ دکھاتی ہیں۔ وہی کیفیت اس جسم کی بھی ہے۔ تاہم اس جسم کے تندرست اور مضبوط رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ نہایت قیمتی ذریعہ ہے جس کی مدد سے ہمیں اپنی روحانی منزل تک پہنچنا ہے۔

انسانی جسم ساری کائنات میں افضل ترین جسم ہے اور انسان اشرف المخلوقات ہے۔ انسان سب جانداروں سے ہی افضل نہیں، بلکہ فرشتوں سے بھی افضل اور اشرف ہے۔ انسان سے بڑھ کر کوئی نہیں فرشتوں اور دیوتاؤں کو بھی انسانی جسم اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اور اس جسم کے ذریعہ نجات حاصل کرنی

پڑتی ہے۔ اِنسان ہی مذہبی اَور رُوحانی کمال حاصِل کرسکتا ہے۔ فرِشتوں اَور دیوتاؤں کو بھی یہ شرف نصیب نہیں یہودیوں اَور مُسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خُدا نے فرِشتوں اَور باقی ساری کائنات پیدا کرنے کے بعد اِنسان پیدا کیا۔ اَور فرِشتوں کو حکم دیا کہ وُہ اِنسان کے آگے سر جُھکا کر سلام کریں۔ سب فرِشتوں نے تعمیلِ اِرشاد کی لیکن اِبلیس ایسا کرنے پر راضی نہ ہُوا۔ خُدا نے اس کی اس نافرمانی سے ناخوش ہو کر اسے بد دُعا دے دی۔ اَور وُہ شیطان بن گیا۔ اِس حکایت کے پیچھے بھی یہ حقیقت پنہاں ہے کہ یہ اِنسانی جسم جو ہمیں حاصِل ہُوا ہے، افضل ترین ہے۔ دُوسرے جاندار اَور حیوان وغیرہ بے شعور اَور جاہِل ہوتے ہیں۔ اَور صرف تامس مادہ سے بنائے جاتے ہیں۔ جانور تو اعلےٰ اخلاقی قدریں سمجھ ہی نہیں سکتے۔ رہ گئے فرِشتے اَور دیوتے، وُہ بھی اِنسانی جسم اختیار کیے بنا مکتی اَور نجات حاصِل نہیں کرسکتے۔

اِس طرح اِنسانی مُعاشرہ میں بھی بہت زیادہ امیری یا بہت زیادہ غریبی، رُوح و آتما کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ بن جاتی ہے۔ صرف متوسط طبقہ نے ہی اس دُنیا کو اعلےٰ ترین مفکر، درویش، سالک اَور عابد عطا کئے ہیں۔ کیونکہ اس طبقہ میں سب قوتیں متناسب مقدار میں کارفرما ہوتی ہیں۔ اَور کسی خاص طاقت کا غلبہ نہیں ہوتا۔

قصہ کوتاہ اَب ہم پھر نفسِ مضمون کی طرف آتے ہیں۔ اَور اَب پھر پرانا یام کا ذکر کرتے ہیں۔ پرانا یام حرکاتِ تنفس پر قابو پانے کی سائنس ہے۔ آپ دریافت کریں گے۔ اِس کا مَن کی یکسُوئی سے کیا تعلق ہے؟ سانس اِنسانی کل کی پنکھی (فلائی شٹل یا فلائی وہیل FLY SHUTTLE OR FLY WHEEL) ہے۔ بڑے انجن میں آپ دیکھتے ہوں گے۔ سب سے پہلے پنکھی چکر کھاتی ہے۔ اَور اس کی حرکت چھوٹے چھوٹے پہیوں اَور پُرزوں کو جُنبش دیتی ہے۔ یہ سانس ہی جسم کے تمام رگ و ریشہ کو وُہ حرکت مُہیا کرتا ہے اَور باقاعدہ چلاتا ہے۔

روایت ہے کہ کسی راجہ کا وزیر ایک مرتبہ زیرِ عتاب آگیا۔ راجہ نے اس کو ایک اُونچے مینار پر بند کر دیا۔ یہاں وُہ مر گیا ہوتا۔ مگر اس کی وفادار بیوی رات کو آئی۔ اَور شوہر سے بآوازِ بلند دریافت کرنے لگی "میں کس طرح تمہارے کام آسکتی ہوں"؟ اس نے جواب دِیا۔ کل رات کو یہاں آنا۔ اَور اپنے ساتھ ایک لمبی رسّی، مضبوط ڈوری، بٹا ہُوا سُوت، ریشمی دھاگا، ایک گوبریلا (کیڑا) اَور تھوڑا سا شہد لانا"۔ عورت سُن کر متعجب ہُوئی کہ وُہ ان سے کیا کام لے گا۔ مگر دُوسری رات اس نے ان چیزوں کو حسبِ ہدایت حاضر کر دیا۔ شوہر نے کہا کہ "ریشم کا دھاگا گوبریلے کی کمر سے باندھ دے۔ اَور اس کے ماتھے پر شہد کا ٹیکا لگا کر مینار کی کھڑکی کے رُخ اُوپر کی طرف چلا دے"۔ عورت نے ایسا ہی کیا۔ گوبریلا سمجھا تھا شہد کی بُو اُوپر سے آرہی ہے۔ وُہ اسی جانب روانہ ہُوا۔ جب وُہ وہاں پہنچ گیا۔ وزیر نے اس کو پکڑ لیا۔ اَور ریشمی دھاگے کو ہاتھ میں لے کر عورت سے کہا کہ "اس کے سرے پر بٹا ہُوا سُوت باندھ دے"۔ اس کے بعد اِسی طرح پر اس نے ڈوری کھینچی۔ اَور ڈوری کی مدد سے مضبوط رسّے کو بھی اُوپر لے لیا۔ پھر تو کام بن گیا۔ مضبوط رسّے کو مینار کے کسی شہتیر سے باندھ کر وُہ آہستہ آہستہ اس کی مدد سے نیچے اُتر آیا۔ اَور بھاگ کر اپنی جان بچالی۔

ہمارے اِس جسم میں حرکاتِ تنفس ریشمی دھاگے ہیں۔ ان کو قابو میں کر لینے سے ہم نس اور ناڑیوں کو بس میں کر لیتے ہیں جو بٹے ہوئے سوت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر ان کی مدد سے خیالات پر حاوی ہوتے ہیں۔ جو ڈوری ہے اور آخر پران کے موٹے رسّے کو ہاتھ سے تھام کر آزادی حاصل کر لیتے ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ ہم اپنے جسم سے بھی بے خبر ہیں اور اس کے تئیں کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی ہم اس کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ کسی مُردہ آدمی کی لاش کو لے لیں۔ اور اس کی چیر پھاڑ کر لیں۔ اور بعض آدمی زندہ جانوروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دیکھتے ہیں کہ ان کے اندر کیا ہے؟ لیکن اس کے باوجود ہم اپنے جسم کے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتے۔ ہمارا علم اس کی نسبت کچھ بھی نہیں ہے۔ کیوں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم اس قدر زیرک عقلمند اور تیز فہم نہیں ہیں کہ ان لطیف حرکتوں کو سمجھ سکیں جو ہمارے جسم کے اندر جاری ہیں۔ ہم ان کو صرف اس وقت جان سکتے ہیں۔ جب مَن جسم کے اندر گھس کر لطیف (سوکشم) بن جائے۔ اس لطیف مشاہدہ کے لئے کثیف (ستھول) مشاہدات سے ابتدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ہم اس چیز کو اپنے اختیار میں کر سکیں جس نے سارے انجن کو حرکت دے رکھی ہے۔ اور وہ پران ہے جس کا ظاہری ظہور حرکتِ تنفس ہے تب سانس کے ساتھ ہم آہستگی سے جسم کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اور وہاں باریک اور لطیف قوتوں کا پتہ لگتا ہے کہ کس طرح نس اور ناڑیاں جسم کو متحرک کرتی ہیں۔ اور جونہی ہم اس کو سمجھنے لگتے ہیں۔ ہم کو ان پر قابو ملنے لگتا ہے۔ اور جسم کی ساری کل ہاتھ میں آجاتی ہے۔ یہی مختلف نس اور ناڑیاں من کو بھی متحرک رکھتی ہیں۔ پس آخر کار جب ہم کو من اور جسم پر قابو حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم دونوں کو اپنا خدمتگار و ماتحت بنا لیتے ہیں۔ علم طاقت ہے۔ ہم کو اس طاقت کا حاصل کر لینا ضروری ہے پس ہم کو پرانایام سے ابتدا کر کے پران کے روکنے کی شروعات کر دینی چاہیئے۔ پرانایام بڑا لمبا چوڑا مضمون ہے۔ اور اس کی تشریح کے لئے کئی اسباق کی ضرورت ہوگی۔ ہم اس کو بالتفصیل بیان کریں گے۔

ہم آہستہ آہستہ دیکھیں گے کہ ہر علم و ریاضت کی وجہ کیا ہے؟ اور کس طرح یہ قوتیں جسم کو حرکت میں رکھتی ہیں؟ ان کے لئے مشق اور عمل بہت ضروری ہے۔ عمل و مشق کی بدولت ہی خود بخود ثبوت ملتا ہے۔ اس بارے میں بحث و مباحثہ بالکل لاحاصل ہیں۔ تاوقتیکہ کہ آپ اپنے بارے میں خود نہ جان لو۔ جب آپ ان حرکتوں کو سمجھنے لگے تو تمہارے شکوک خود بخود دور ہو جائیں گے۔ آپ کم از کم دو دفعہ دن میں عمل و مشق کیجیئے۔ اس کے لئے صبح اور شام کا وقت بہتر وقت ہیں۔ جب رات سے دن اور دن سے رات ہونے لگے۔ تمہارے لئے نسبتاً ہمیشہ سکون و راحت ملتے رہیں گے۔ صبح اور شام یہی دونوں وقت سکون کے ہیں۔ ان وقتوں میں تمہارے جسم کا میلان خود ہی سکون و راحت کی جانب ہوتا ہے تم ان وقتوں کو کبھی نہ بھولو۔ عادت بنالو۔ کہ جب تک یہ عمل و مشق نہ کر لو کبھی کھانے کے لئے نہ بیٹھو۔ بھوک کا غلبہ تمہاری کاہلی کو ضائع کر دے گا۔ ہندوستان میں لڑکوں کو تعلیم ہی یہ دی جاتی ہے کہ جب تک وہ نہا دھو کر ریاضت و عبادت نہ کر لیں کچھ نہ کھائیں۔ یہ دستور جب جزوِ حیات بن جاتا ہے تو ریاضت و عبادت

کئے بنا بھوک لگتی ہی نہیں۔

آپ میں سے جتنے اشخاص سے ممکن ہو سکے۔ ریاضت و عبادت کی مشق و عمل کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر لو۔ اس کمرہ میں کبھی مت سوؤ۔ وہ ہمیشہ پاک رہنا چاہیئے۔ جب تک اشنان نہ کر لو۔ اور من و جسم پاک نہ ہو جائیں۔ اس کرہ میں کبھی داخل نہ ہوں۔ اس کرہ میں ہمیشہ پھول رکھیئے۔ یوگی کے لئے یہ ضروری اسباب ہیں صبح و شام خوشبو جلائیے تصویریں بھی لگاؤ ایسی جو سکون اور فرحت بخش ہوں۔ اس کمرہ میں لڑائی جھگڑے غصہ یا ناپاک خیالات کا اظہار نہیں ہونا چاہیئے۔ جب تک کوئی آپ کا ہم خیال نہ ہو۔ اسے اس کمرہ میں مت جانے دیجئے۔ رفتہ رفتہ اس کمرہ کے ارد گرد کی فضا پاک مقدس ہوتی جائے گی۔ اور جب کبھی آپ کو رنج۔ شک و شبہ سے صدمہ پہنچے گا۔ اس میں داخل ہوتے ہی آپ کو سکون و راحت ملے گی۔ قدیم زمانہ میں مندر اسی کام کے لئے مخصوص ہوتے تھے آج بھی بہت سے مندر اور گرجا گھر یا دوسری عبادت گاہیں ایسی ہی ملیں گی لیکن ان میں سے بیشتر اس تقدیس و راحت بخش فضا کو کھو بیٹھی ہیں مقصد یہ ہے کہ متبرک اور مقدس فضا باندھنے سے یہ جگہ مقدس اور متبرک بن جاتی تھی جن کے پاس اتنی جگہ نہیں کہ وہ اس عمل و شغل کے لئے الگ کمرہ مخصوص کر سکیں وہ جہاں چاہیں ایسا کریں۔ سیدھے عمودی وضع میں بیٹھنے کی عادت ڈالیے۔ دل کو خوش رکھیئے۔ کل دنیا کے نفع اور خوشی کے خیال کو دل میں لائیے۔ اپنے من ہی من میں اس بات کو دہرایئے کہ سب کا بھلا ہو۔ سب خوش و خرم رہیں۔ سب پر اس کا رحم و کرم ہو۔ مشرق۔ مغرب۔ شمال۔ جنوب۔ گویا آپ کی نگاہ میں سب لوگ سکون و راحت، محبت اور رحم و کرم کے مستحق ہیں۔ آپ جتنا ان خیالوں کو دل میں جگہ دیں گے۔ اتنا ہی آپ کے لئے بہتر ہوگا۔ اور آخر میں آپ کو معلوم ہوگا کہ اپنے آپ کو تندرست پر سکون اور صحتمند بنانے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ آپ دوسروں کو تندرست دیکھیں اور دوسروں کی خوشی میں اپنی خوشی تصور کریں۔ اس کے بعد ایشور سے دعا کرتے ہوئے دولت تندرستی یا سورگ کی خواہش نہ کیجئے۔ ایشور سے صرف گیان اور روشنی مانگیئے۔ اس کے سوا اور قسم کی پرارتھنائیں خود غرضی کی دعائیں ہیں تب اپنی جسمانی تندرستی کا خیال کیجئے۔ جو آپ کے پاس بہترین آلہ کار ہے۔ اس کی تندرستی کا دل میں تصور کیجئے۔ اور اس جسم کی مدد سے آپ بھوساگر کو پار کر جائیں گے۔ مکتی اور نجات کمزوروں کے لئے نہیں ہے۔ ساری کمزوری کو دور پھینک دیجئے۔ اپنے جسم سے کہیئے کہ وہ مضبوط بنے من سے کہیئے وہ مضبوط بنے۔ اپنے اوپر اسی قسم کا بھروسہ رکھیئے۔ تاکہ آپ ہر قسم کے شک و شبہات سے پاک و صاف ہو جائیں۔

پران

بہت سے آدمی غلطی سے پرانا یام کو حبسِ دم یا سانس روکنے کا شغل سمجھتے ہیں۔ پرانا یام کو درصل سانس سے بہت کم تعلق ہے۔ یہ سچ ہے سانس روکنے کا شغل کیا جاتا ہے مگر وہ صرف یوگ کے بلند طبقہ پر چڑھنے کا ابتدائی زینہ ہے اسے شروع کر کے ہم پرانایام کی منزل تک پہنچتے ہیں۔ پرانایام کا مطلب ہے پرانوں کو بس میں کرنا۔ ان پر قابو پانا۔ ہندوستانی مفکروں کے خیال کے مطابق یہ دنیا دو چیزوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک ان میں سے آکاش ہے جو محیطِ کُل ہے۔ یہ ہر جگہ ہے۔ ہر چیز میں ہے۔ اور ہر چیز، جو مرکب آپ دیکھ رہے ہیں، آکاش سے بنی ہوئی ہیں۔ آکاش ہی رقیق اور آکاش ہی منجمد ہوتا ہے۔ آکاش سورج بنا ہے۔ آکاش ہی زمین۔ چاند۔ تارا بنا ہے۔ آکاش جسم نباتات ہے۔ جو آپ دیکھتے۔ سنتے۔ چھوتے۔ پکڑتے ہو سب آکاش ہے۔ بطورِ خود وہ نظر نہیں آتا۔ وہ اتنا لطیف ہے کہ معمولی اندریاں اس کو نہیں جان سکتیں۔ جب وہ استھول یعنی کثیف ہو جاتا ہے تب نظر آتا ہے۔ پرکرتی یعنی مادہ کے تین گن وُبدھی وغیرہ کو نظر انداز کر کے دیکھو۔ شروع میں صرف آکاش ہی رہتا ہے۔ پرلے یعنی وقت قیامت میں سب تحلیل ہو کر آکاش میں مل جاتے ہیں۔ پھر سرشٹی یعنی کائنات ہونے کے وقت آکاش سے پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن آکاش کس کی وجہ سے مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے؟ پران کی وجہ سے جس طرح آکاش محیط ہے۔ ویسے ہی یہ پران بھی محیط، لامحدود ہے جس طرح شروع و آخر میں ہر چیز آکاش ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قدرت کی تمام قوتیں پران میں مل جاتی ہیں اور سرشٹی یعنی کائنات پیدا ہونے پر پھر اس میں سے نکلتی ہیں۔ حرکت وغیرہ جو آپ دنیا میں دیکھ رہے ہیں پران ہی ہے۔ قوتِ کشش۔ قوتِ مقناطیسی۔ قوتِ برقی۔ جسم کی طاقتیں۔ رگ و ریشے کی حرکتیں۔ خیال کی رفتار،

یہ سب پران ہی خیال سے لے کر نیچے کے تمام حرکات تک سب پران ہی پران ہیں۔ جب یہ نہ تھا، وہ نہ تھا، جب اندھیرے پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس وقت کیا تھا؟ آکاش بغیر حرکت کے تھا۔ پران کی حرکت سکون میں آگئی تھی۔ مگر وہ موجود تھا۔ دنیا میں جو قوتیں موجود ہیں وہ موجودہ سائینس کے بموجب لاتغیر ہیں۔ جو کچھ آپ دنیا میں اور قوتوں کا کرشمہ دیکھ رہے ہو۔ پرلے یعنی قضا کے وقت یہ سب خاموش ہو جاتا ہے۔ پھر سرشٹی یعنی کائنات کی پیدائش کے وقت جاگ اٹھتا ہے۔ اور آکاش پر ان کا کام چلنے لگتا ہے۔ آکاش ان کی وجہ سے تبدیلی اختیار کرتا جاتا ہے یہ سچ مچ پران ہی ہے جو ایسا کرتا ہے۔ اور اس پران کا علم اور اس کے قابو کرنے کا راز پرانایام کہلاتا ہے۔

پران کا علم ہمارے لئے بیشمار طاقتوں کا دروازہ کھول دیتا ہے تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ جب پران کی اصلیت اور اس کے مغلوب کرنے کا بھید مل گیا۔ تو دنیا کی کونسی طاقت ہے جو انسان کی نہیں ہو سکتی؟ وہ قدرت کے تمام شعبوں پر حاوی ہو جاتا ہے وہ چاہے تو چاند ستاروں کو جنبش دے سکتا ہے وہ چاہے تو آفتاب ماہتاب کو ہلا کر رکھ سکتا ہے۔ اس کائنات کے ایک خفیف سے ذرے سے لے کر سورج تک سب اس کے بس میں ہوتے ہیں سب دیوتا اس کے بس میں آجاتے ہیں کیونکہ اس کو پرانوں کا علم ہے۔ پرانایام کا مقصد اور مطلب یہی ہے۔ یوگی جب نقطہ کمال تک پہنچ جاتا ہے اور پختہ کار ہو جاتا ہے تب اس کائنات کی کوئی بات ایسی نہیں رہ جاتی۔ جو اس کے قابو و اختیار میں نہ آجائے۔ وہ چاہے تو مرے ہوئے اشخاص کی روحیں واپس آجائیں۔ وہ چاہے تو دیوتا اور فرشتے اس کے حکم و ارشاد کی تعمیل میں رقص کرنے لگ جائیں۔ یوگیوں کی اس طاقت کے کام دیکھ کر بے سمجھ لوگ ان کو معجزہ کہتے ہیں مگر یہ ان کی غلطی ہوتی ہے۔ ویدوں میں سوال کیا گیا ہے ہو وہ کیا ہے جس کے جان لینے سے ہم سب کچھ جان سکتے ہیں؟ اگر تمام دنیا کے علم جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کے ذرہ ذرہ کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو کتنی عمریں صرف ہوں گی۔ اور پھر بھی اس کائنات کا علم ادھورا رہے گا۔ کل دنیا کا حال اس طرح جان لینا غیر ممکن ہے مگر کیا ترکیب ہے جس سے یہ علم حاصل ہو جائے فی الحقیقت سب اعلیٰ کتابوں اور فلسفوں کا مقصد اس علم کو حاصل کرنا ہے۔ جس کو جاننے کے بعد سب کچھ جانا جاتا ہے۔ یوگی جواب دیتے ہیں کہ اس سرشٹی اور کائنات کی تہ میں ایک خاص اصول (تتو) کام کر رہا ہے۔ اس کو پکڑ لیجئے سب کچھ آپ کے ہاتھ میں آجائے گا۔ ان تمام قوتوں کا اصل اصول پران ہے۔ پران کے بس میں آجانے سے سب کچھ بس میں آجائے گا۔ پھر ان پر قبضہ حاصل کر لیجئے۔ من اندریاں سب قابو میں آجائیں گی۔ جسم پر آپ کی حکومت ہو جائے گی۔ آپ قدرت کی قوتوں پر حاوی ہو جائیں گے۔ کیونکہ ہر جگہ اسی پران کا ظہور ہو رہا ہے۔

پرانایام کا ایک مقصد پران کو قابو کرنے کا علم حاصل کرنا ہے۔ یہ تمام مشاغل تمام ترکیبیں اور مشاقیوں کی یہ ایک غرض ہے۔ اور ہر شخص کو جہاں وہ کھڑا ہو وہاں سے آگے بڑھنا ہوگا۔ اور اپنے قرب کی چیزوں کو اپنے بس میں لانا ہوگا۔ اس چیز سے شروع کرنی چاہئیے جو اس سے بہت قریب ہے۔ یہ جسم آپ سے بہت قریب ہے۔

دنیا میں اس سے نزدیک تر اور کیا ہے۔ اور من اس سے بھی قریب ہے جس پر ان نے ہمارے جسم اور من کو متحرک کر رکھا ہے وہ کائنات کے اور پرانوں سے بہت نزدیک ہے۔ پران کی چھوٹی لہر یعنی دھارا جو ہماری جسمانی و دماغی قوتوں کو متحرک کر رہی ہے۔ ہم سے بمقابلہ اور پران کی قوتوں کے بہت ہی قریب ہے۔ اگر یہ بس میں آ جائے تو پھر اور دوں پر حاوی ہو جانا کیا مشکل بات ہے۔ جو یوگی اس قدرت اور طاقت کو حاصل کر لیتا ہے تب وہ کسی طاقت کا غلام نہیں رہتا۔ وہ سب کا مالک اور سب پر حاوی ہو جاتا ہے۔ وہ قادر مطلق بن جاتا ہے۔ وہ قادر علم بن جاتا ہے۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں کتنے ہی فرقے ایسے لوگوں کے ہیں جنہوں نے اس پران پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے ملک کو ہی لے لیجئے۔ یہاں جادوگر، سحر طراز، روحانی ماہر، کرسچین سائینٹسٹس، ہپناٹزم کرنے والے ملیں گے۔ ان میں کسی بھی علم اور ہنر کی تحقیقات کر کے دیکھ لیجئے۔ آپ کو ہر ایک شعبہ علم میں پران کو قابو کرنے کا علم ہی کار فرما ہے خواہ یہ جادو، ٹونے، تعویذ، گنڈے کرنے والے اور دوسرے لوگ اس سے آگاہ ہوں یا نہ ہوں۔ ان میں کسی بھی علم کی چیر پھاڑ کر دیکھیں سب کی پشت پر اسی علم کو محو عمل پائیں گے۔ نکتہ اور کام کی بات تو پرانوں کو قابو کرنے کے علم میں ہے سب جادو کی طاقتیں اسی سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں۔

پران ہر وجود کی جان ہے۔ اور پران کا لطیف کام خیال ہے۔ یہ خیال معمولی چیز نہیں ہے۔ بلکہ غور کرنے کے قابل چیز ہے۔ کیا جانے کتنی قسم کے خیال ہوتے ہیں اور وہ کس طرح کام کرتے ہیں۔ مثلاً ایک مچھر نے ہم کو ڈس لیا۔ ہمارا ہاتھ بلا سوچے سمجھے اس کے مارنے کے لئے اٹھ گیا۔ یہ خیال کے اظہار کا ایک ڈھنگ ہے۔ پھر اعلیٰ خیال کا طبقہ آتا ہے ہم سوچتے ہیں سمجھتے ہیں۔ غور کرتے ہیں نتیجہ نکالتے ہیں۔ مگر یہاں ہی تک اس کا کام محدود نہیں ہے۔ آپ جانتے ہونگے عقل محدود ہے۔ وہ صرف ایک حد تک جا سکتی ہے۔ اس کے آگے جانا مشکل ہے جس دائرہ میں وہ چکر لگاتی ہے وہ محدود ہے مگر اس تنگ دائرہ کے اندر بھی کبھی کبھی کیسے عجیب خیالات داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کی کیفیت دم دار ستاروں کی سی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں خاص بات ہم میں باہر سے داخل ہو رہی ہے۔ مگر اس کا پتہ نہیں بتا سکتی۔ ایسے مناظر کے اسباب عقلی دائرہ کے اندر نہیں بلکہ باہر رہتے ہیں یوگی کہتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ تمہارا من اور بھی اونچے طبقات اور اونچے حالات کی سیر کر سکتا ہے۔ جب من اس حالت میں ہوتا ہے، جس کو سمادھی کہتے ہیں۔ وہ عقل کے دائرہ سے کہیں پرے کی باتیں معلوم کر لیتا ہے وہ ان واقعات سے دوبدو ملتا ہے جن تک عقل کی رسائی محال ہے۔ یہ سارا علم اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب من کی تربیت کر کے اس کو اونچے طبقات میں بھیجنے کا راز معلوم ہو جائے۔

اس کائنات کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ یہ مادہ ہے۔ مادہ کا ذخیرہ ہے۔ ہم سب کچھ ہی کیوں نہ کہے جائیں جسمانی طور پر اسی مادہ کی مختلف شکلیں ہیں۔ سائنسدان کہیں گے کہ تم میں اور سورج میں کوئی فرق نہیں

منیر میں اور تمہارے جسم میں کوئی اختلاف نہیں۔ مادہ کے اس ذخیرہ میں منیر ایک نقطہ ہے میں دوسرا نقطہ ہوں جس طرح ایک بہتی ہوئی ندی میں ہزاروں لاکھوں بھنور کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اور پانی ایک بھنور سے نکل کر دوسرے میں داخل ہوا کرتا ہے۔ اور وہ ہر لمحہ تازہ رہتا ہے ایک لمحہ ایک میں اور دوسرے لمحہ دوسرے میں جا رہتا ہے۔ وہی تماشا ہم کو ہر وقت اس کائنات میں نظر آ رہا ہے۔ ان سب بھنور کے اندر مختلف صورتوں میں ہے۔ مادہ بھی اسی شکل میں چکر کھاتا ہوا گھوم رہا ہے۔ کبھی انسان کا جسم اختیار کر کے بدل جاتا ہے پھر جانور بن جاتا ہے۔ پھر گھوم پھر کر چند سال بعد دوسرے بھنور میں داخل ہو کر معدنی اشیاء کا قالب اختیار کر لیتا ہے۔ ہر وقت تبدیلی ہو رہی ہے۔ کوئی جسم مستقل نہیں ہے "میرا جسم"۔ "تمہارا جسم" یہ نادانی کی گفتگو ہے اور ایسے جسموں کی ہستی صرف لفظوں میں ہے۔ دنیا مادہ کا بڑا ذخیرہ ہے۔ ایک نقطہ سورج دوسرا چاند تیسرا آدمی چوتھا زمین پانچواں ستارہ چھٹا پہاڑ ہے۔ اور یہ بھی ایک حالت میں نہیں۔ لمحہ لمحہ بدل رہے ہیں۔ یہی حالت ہمارے تمہارے من کی بھی ہے۔ مادہ کے لئے وسیع المعنی لفظ آکاش ہے۔ جب پران کا کام نہایت لطیف درجہ کا ہوتا ہے۔ اور جب اس آکاش سے لطیف و سوکشم دھار نکلنے لگتی ہے اس کو تم من کہہ سکتے ہو۔ تاہم یہ سب مادہ ہی مادہ ہے اور ان کا سلسلہ لا ینقطع و لا مقطوع ہے اگر کسی طرح تم کو ان لطیف دھاروں کا علم حاصل ہو جاتا۔ تو تم سمجھ لیتے کہ دنیا کس طرح ان سے بنی ہوئی ہے بعض بعض ادویات میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ وہ ہم کو حواس (اندریوں) کے طبقہ سے نکال کر وہاں تک رسائی بخشتے ہیں۔ ایک عالم شخص سر ہمفری ڈیوی صاحب کا ذکر ہے لیکچر دیتے وقت ایک لطیف گیس نے اس کو مغلوب کر لیا۔ وہ بے حرکت اور بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا۔ یہ دنیا صرف خیال کی لہروں کی بنی ہوئی ہے کیونکہ اس وقت مادہ کے کثیف دھار موقوف ہو گئے تھے۔ اور اس کے من کو لطیف دھاروں سے دوچار ہونے کا موقع ملا۔ ان سب کو وہ من بتانے لگا۔ وہ اپنے ادراک و معرفت بار یک خیالات کو محسوس کرنے لگا۔ ہر چیز اس کی نگاہ میں خیال ہی خیال سجھنے لگی۔ دنیا خیال کی سمندر معلوم ہوئی۔ اور خیال ہی بھنور کی شکل میں نظر آنے لگا۔

اس طرح ہم اس نتیجہ پہ پہنچ جاتے ہیں کہ خیالوں کی دنیا میں بھی ایکتا وحدت و یگانگت ہے۔ بالخصوص جب ہم خود شناسی کی طرف رجوع کریں۔ تو ہم یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ہم سب کی اصلیت ایک ہے۔ مادہ کی جتنی بھی صورتیں ہماری آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہیں۔ اور ان کی سب نظر آنے والی اور نہ نظر آنے والی تمام جنبشوں اور حرکتوں میں وہی ایک کار فرما ہے سب ظہور اسی کی ذات کا پسارا ہے۔ اس حقیقت کو نہ کوئی جھٹلا سکتا ہے نہ جھٹلا سکا ہے۔ علم طبعیات کے جدید ترین ماہروں نے بھی یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ اس کائنات کی سب طاقتوں میں ایک وہی پنہاں ہے۔ تجربہ سے یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے۔ کہ طاقت دو صورتوں میں عیاں ہوتی ہے پر جوش صورت میں یا خاموش صورت میں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے روزمرہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض چیزیں جوش و خروش سے

سامنے آتی ہیں۔ پھر ان کی شدت میں کمی ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ مدھم پڑ جاتی ہیں۔ اور پھر خاموش ہو کر پس پشت پڑ جاتی ہیں۔ لیکن بعض صورتیں جو پس پشت پڑی ہوئی تھیں آہستہ آہستہ حرکت میں آ جاتی ہیں۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مختم خیال بن جاتی ہیں۔ ان کی یہ حرکت ان کا یہ اقبال و زوال گویا قانونِ قدرت کے ماتحت تھا پر ان کی اس قوت کو بس میں کرنا ہی حقیقی پرانایام ہے۔

پرانایام کا سانس سے بہت ہی کم تعلق ہے۔ صرف شغل کے وقت اس کا کام ہوتا ہے۔ ہمارے جسم میں پران کا ظہور سانس میں ہے۔ اگر یہ رک جائے تو جسم بے حس ہو جائے گا۔ اور جسم کی تمام قوتیں رک سی جائیں گی۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو جسم کو سانس کی حرکت رک جانے کے بعد بھی زندہ اور سلامت رکھ سکتے ہیں۔ ان کا سانس موقوف ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی زندہ ہوتے ہیں ایسے بھی آدمی دیکھے گئے ہیں جو زمین کے تلے مہینوں دفن رہے۔ پھر بھی وہ زندہ تھے لیکن معمولی آدمیوں کے لئے یہ سیتھول حرکت ہی خاص چیز ہے۔ استھول سے مدد لے کر سوکشم تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے اور بتدریج سوکشم تر حالت کو حاصل کر کے مقصد کے حصول کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ سب سے ظاہری حرکت ہمارے پھیپھڑوں کی ہے جو اور طاقتوں کو متحرک رکھتی ہے۔ اس لئے پرانایام کو پھیپھڑوں کی حرکت روکنے کا شغل کہا جاتا ہے۔ یہ نہ سمجھیئے کہ یہ حرکت سانس پیدا کرتا ہے۔ نہیں بلکہ پھیپھڑا سانس کو پیدا کر رہا ہے اور پران پھیپھڑوں کو اور پھیپھڑوں کی حرکت کو تقویت دے رہا ہے۔ پس پرانایام سانس لینے کا شغل نہیں۔ بلکہ اس چیز کے قابو میں کرنے کا طریقہ ہے جو پھیپھڑوں کو حرکت میں رکھتا ہے۔ اور جس سے جسم کے تمام رگ و ریشہ متحرک رہتے ہیں۔ یہ پرانایام ہے جب پران قابو میں آ گئے تو آہستہ آہستہ پران کی قوتیں بھی قابو میں آ جاتی ہیں۔ میں نے ایسے ایسے آدمی دیکھے ہیں جنہوں نے جسم کے ایک ایک عضو پر اختیار و قابو حاصل کر لیا تھا۔ اور ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ جب ہم کو کسی خاص عضو پر دسترس حاصل ہو جاتی ہے تو سب پر کیوں نہ ہو جائے؟ کیا یہ کوئی مشکل بات ہے؟ ہم کان کو اپنی خواہش کے مطابق نہیں ہلا سکتے۔ مگر حیوان ہلاتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم کو اس کی مشق و مہارت نہیں ہے۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں جب کسی عضو کی حرکت سو گئی تو اس کو بیدار کیا جا سکتا ہے سخت مشاقی اور ابھیاس سے جسم کی بعض حرکتیں جو مجہولیت کی حالت میں آ گئی ہیں۔ وہ قابو میں آ سکتی ہیں۔ اسی طرح غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جسم کا ہر حصہ اختیار میں آ سکتا ہے۔ یوگیوں کو یہ طاقت پرانایام کی مدد سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ کیفیت ہو جائے تو جسم کے تمام دکھ اور بیماریوں پر حاوی ہونے کا موقع مل جائے۔ اور یہی نہیں بلکہ دوسروں کے جسم کو اپنے تابع کر لیا جائے۔ دنیا میں ایک کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے۔ اگر تمہارا دل کسی خاص حالت پر قائم ہو گیا ہے تو تم وہی حالت دوسرے میں بھی پیدا کر سکتے ہو۔ اگر تم مضبوط و تندرست ہو تو تمہارے پاس رہنے والوں میں خود بخود تندرست و مضبوط رہنے کا میلان پیدا ہو گا۔ لیکن اگر تم بیمار و کمزور ہو تو دوسروں کے لئے بھی وہی خطرہ

ہے ایک کا اثر دوسرے تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ جب ایک شخص دوسرے کو اپنی طاقت سے تندرست بنا رہا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی تندرستی کو اس میں منتقل کر رہا ہے شروع شروع میں معالجہ کا یہ طریقہ رائج تھا۔ معالجہ کرنے والے کو ہر حالت میں پران پر کسی نہ کسی شکل کا اختیار ہوتا تھا۔ اور وہ اس کی مدد سے صحت بخش دھارا کو مریض میں منتقل کر دیتا تھا۔

یہ عمل زیادہ فاصلہ یا دوری تک بھی کیا جاسکتا ہے۔ دنیا میں فاصلہ کا بھی خیال ایسا ہی ہے کیوں کہ کائنات اپنے سلسلہ کے لحاظ سے لامقطوع ہے ہم میں اور سورج میں دھار کے لحاظ سے کہیں علیحدگی نہیں ہے ذرہ کا ایک سلسلہ جاری ہے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہی سلسلہ ہے پھر کیوں خیال کی طاقت کی رفتار ایک جگہ سے دوسری جگہ جاری نہ رہے ہ پرانوں کے ذریعے سے سب کچھ ممکن ہے مانا کہ اکثر حالتوں میں لوگ دھوکہ فریب سے کام لیتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی سچے واقعات بھی ممکن ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ محض وشواس سے بھی معالجہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ نادانی ہے۔ اس میں پران کا تعلق رہتا ہے۔

دم پھونکنے والے اور گنڈے تعویذ سے علاج کرنے والے ایک غلطی لگا تار کرتے رہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یقین واعتقاد سے انسان کا علاج کیا جاسکتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ محض وشواس اور اعتقاد ہی سب کچھ نہیں بعض بیماریاں ہی مہلک ہوتی ہیں مریض کے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی بھلا ایسے مریض کو اعتقاد اور وشواس خاک شفا دے گا۔ اگر محض اعتقاد اور وشواس ہی سب کچھ ہوتا تو کوئی مریض نہ مرتا سب شفایاب ہو جاتے۔ سچ تو یہ ہے کہ شفا بھی ہوتی ہے تو پرانوں سے ہوتی ہے۔ پاک باطن اور بے نفس آدمی اپنے پران پر اس قدر اختیار وقابو پا لیتے ہیں کہ وہ چاہیں تو حالت صحت کی علامتیں بیمار کے اندر بھی پیدا کر دیں مثال کے طور پر مجھے ہی لے لیجئے میں کیا کر رہا ہوں۔ اپنے دل کے خیالات کو خاص جامہ میں پیش کر رہا ہوں۔ اپنی اس کوشش میں مجھے جس قدر کامیابی حاصل ہوتی ہے اسی قدر آپ میری باتوں سے اثر پذیر ہوتے ہیں جس دن میں زیادہ جوش وخروش سے بولتا ہوں۔ اس دن آپ سب زیادہ متاثر ہوتے ہیں میرا ہی جوش ہوتا ہے جو آپ کے دلوں کو متاثر کرتا ہے۔ یہ میری ہی سرد مہری ہوتی ہے جس کی وجہ سے آپ کم متاثر ہوتے ہیں۔

جو لوگ دنیا کے ہلا دینے والے ہیں۔ وہ اپنے پران کو ایسی خاص صورت میں قائم کرتے ہیں کہ ایک ہی لمحہ میں ہزاروں آدمی ان کے ہمخیال بن جاتے ہیں۔ اور آدھی دنیا ویسا ہی سمجھنے لگتی ہے۔ دنیا کے بہت بڑے بڑے مہان آتما والے آدمی اس پران کے قابو کرنے کی طاقت سے بہرہ ور تھے اور اس نے ان کی قوت ارادہ کو بہت بڑا زور عطا کیا تھا۔ وہ پران کو زبردست حرکت کی حالت میں لا سکے۔ اور دنیا کو دھر کر ہلا دیا۔ تمام قوتوں کا انحصار صرف پران کے اوپر ہے ممکن ہے کہ لوگ اس راز کو نہ جانتے ہوں مگر یہ اس کی تشریح ہے جب پران میں خلل آجاتا ہے کبھی کبھی

سامنے آتی ہیں۔ پھر ان کی شدت میں کمی ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ مدھم پڑ جاتی ہیں۔ اور پھر خاموش ہو کر پس پشت پڑ جاتی ہیں۔ لیکن بعض صورتیں جو پس پشت پڑی ہوئی تھیں آہستہ آہستہ حرکت میں آتی ہیں۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے محشر خیال بن جاتی ہیں۔ ان کی یہ حرکت ان کا یا قبال و زوال گو یا قانونِ قدرت کے ماتحت تھا پران کی اس قوت کو بس میں کرنا ہی حقیقی پرانایام ہے۔

پرانایام کا سانس سے بہت ہی کم تعلق ہے۔ صرف شغل کے وقت اس کا کام ہوتا ہے۔ ہمارے جسم میں پران کا ظہور سانس میں ہے۔ اگر یہ رک جائے تو جسم بے حس ہو جائے گا۔ اور جسم کی تمام قوتیں رک سی جائیں گی بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو جسم کو سانس کی حرکت رک جانے کے بعد بھی زندہ اور سلامت رکھ سکتے ہیں۔ ان کا سانس موقوف ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی زندہ ہوتے ہیں ایسے بھی آدمی دیکھے گئے ہیں جو زمین کے تلے مہینوں دفن رہے پھر بھی وہ زندہ تھے لیکن معمولی آدمیوں کے لئے یہ سیتھول حرکت ہی خاص چیز ہے اسی تھول سے مدد لےکر سوکشم تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے اور بتدریج سوکشم تر حالت کو حاصل کر کے مقصد کے حصول کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ سب سے ظاہری حرکت ہمارے پھیپھڑوں کی ہے جو اور طاقتوں کو متحرک رکھتی ہے۔ اس لئے پرانایام کو پھیپھڑوں کی حرکت روکنے کا شغل کہا جاتا ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ یہ حرکت سانس پیدا کرتا ہے۔ نہیں بلکہ پھیپھڑا سانس کو پیدا کر رہا ہے اور پران پھیپھڑوں کو اور پھیپھڑوں کی حرکت کو تقویت دے رہا ہے پس پرانایام سانس لینے کا شغل نہیں۔ بلکہ اس چیز کے قابو میں کرنے کا طریقہ ہے جو پھیپھڑوں کو حرکت میں رکھتا ہے۔ اور جس سے جسم کے تمام رگ و ریشہ متحرک رہتے ہیں۔ یہ پرانایام ہے جب پران قابو میں آ گئے تو آہستہ آہستہ پران کی قوتیں بھی قابو میں آجاتی ہیں۔ میں نے ایسے ایسے آدمی دیکھے ہیں جنہوں نے جسم کے ایک ایک عضو پر اختیار و قابو حاصل کر لیا تھا۔ اور ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ جب ہم کو کسی خاص عضو پر دسترس حاصل ہو جاتی ہے تو سب پر کیوں نہ ہو جائے؟ کیا یہ کوئی مشکل بات ہے؟ ہم کان کو اپنی خواہش کے مطابق نہیں ہلا سکتے۔ مگر حیوان ہلاتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم کو اس کی مشق و مہارت نہیں ہے۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں جب کسی عضو کی حرکت سو گئی تو اس کو بیدار کیا جا سکتا ہے سخت مشاقی اور ابھیاس سے جسم کی بعض حرکتیں جو مجہولیت کی حالت میں آ گئی ہیں۔ وہ قابو میں آسکتی ہیں۔ اسی طرح غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جسم کا ہر حصہ اختیار میں آسکتا ہے۔ یوگیوں کو یہ طاقت پرانایام کی مدد سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ کیفیت ہو جائے تو جسم کے تمام دکھ اور بیماریوں پر حاوی ہونے کا موقع مل جائے۔ اور یہی نہیں بلکہ دوسروں کے جسم کو اپنے تابع کر لیا جائے۔ دنیا میں ایک کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے۔ اگر تمہارا دل کسی خاص حالت پر قائم ہو گیا ہے تو تم وہی حالت دوسرے میں بھی پیدا کر سکتے ہو۔ اگر تم مضبوط و تندرست ہو۔ تو تمہارے پاس رہنے والوں میں خود بخود تندرست و مضبوط رہنے کا میلان پیدا ہو گا۔ لیکن اگر تم بیمار و کمزور ہو تو دوسروں کے لئے بھی وہی خطرہ

ہے ایک کا اثر دوسرے تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ جب ایک شخص دوسرے کو اپنی طاقت سے تندرست بنا رہا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی تندرستی کو اس میں منتقل کر رہا ہے۔ شروع شروع میں معالجہ کا یہ طریقہ رائج تھا۔ معالجہ کرنے والے کو ہر حالت میں پران پر کسی نہ کسی شکل کا اختیار ہوتا تھا۔ اور وہ اس کی مدد سے صحت بخش وہار کو مریض میں منتقل کر دیتا تھا۔

یہ عمل زیادہ فاصلہ یا دوری تک بھی کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں فاصلہ کا بھی خیال ایسا ہی ہے کیوں کہ کائنات اپنے سلسلہ کے لحاظ سے لامقطوع ہے ہم میں اور سورج میں دھار کے لحاظ سے کہیں علیحدگی نہیں ہے ذرّیا کا ایک سلسلہ جاری ہے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہی سلسلہ ہے پھر کیوں خیال کی طاقت کی رفتار ایک جگہ سے دوسری جگہ جاری نہ رہے؟ پرانوں کے ذریعے سے سب کچھ ممکن ہے مانا کہ اکثر حالتوں میں لوگ دھوکہ فریب سے کام لیتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی سچے واقعات بھی ممکن ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ محض وشواس سے بھی معالجہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ نادانی ہے۔ اس میں پران کا تعلق رہتا ہے۔

دم پھونکنے والے اور گنڈے تعویذ سے علاج کرنے والے ایک غلطی لگاتار کرتے رہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یقین و اعتقاد سے انسان کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ محض وشواس اور اعتقاد ہی سب کچھ نہیں بعض بیماریاں ہی مہلک ہوتی ہیں مریض کے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی بھلا ایسے مریض کو اعتقاد اور وشواس خاک شفا دے گا۔ اگر محض اعتقاد اور وشواس ہی سب کچھ ہوتا تو کوئی مریض نہ مرتا سب شفایاب ہو جاتے۔ سچ تو یہ ہے کہ شفا بھی ہوتی ہے تو پرانوں سے ہوتی ہے۔ پاک باطن اور بےنفس آدمی اپنے پران پر اس قدر اختیار و قابو پا لیتے ہیں کہ وہ چاہیں تو حالت صحت کی علامتیں بیمار کے اندر بھی پیدا کر دیں۔ مثال کے طور پر مجھے ہی لے لیجیے میں کیا کر رہا ہوں۔ اپنے دل کے خیالات کو خاص جامہ میں پیش کر رہا ہوں۔ اپنی اس کوشش میں مجھے جس قدر کامیابی حاصل ہوتی ہے اسی قدر آپ میری باتوں سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ جس دن میں زیادہ جوش و خروش سے بولتا ہوں۔ اس دن آپ سب زیادہ متاثر ہوتے ہیں میرا ہی جوش ہوتا ہے جو آپ کے دلوں کو متاثر کرتا ہے۔ یہ میری ہی سرد مہری ہوتی ہے جس کی وجہ سے آپ کم متاثر ہوتے ہیں۔

جو لوگ دنیا کے ہلا دینے والے ہیں۔ وہ اپنے پران کو ایسی خاص صورت میں قائم کرتے ہیں کہ ایک ہی لمحہ میں ہزاروں آدمی ان کے ہم خیال بن جاتے ہیں۔ اور آدھی دنیا ویسا ہی سمجھنے لگتی ہے۔ دنیا کے بہت بڑے بڑے مہان آتما والے آدمی اس پران کے قابو کرنے کی طاقت سے بہرہ ور تھے اور اس نے ان کی قوت ارادہ کو بہت بڑا زور عطا کیا تھا۔ وہ پران کو زبردست حرکت کی حالت میں لا سکے۔ اور دنیا کو دھڑ کر ہلا دیا۔ تمام قوتوں کا انحصار صرف پران کے اوپر ہے ممکن ہے کہ لوگ اس راز کو نہ جانتے ہوں مگر یہ اس کی تشریح ہے جب پران میں خلل آ جاتا ہے کبھی کبھی کسی قسم

حصہ میں پران کے کم ہونے سے بیماری آجاتی ہے۔ پرانایام یہ بھی بتا دیتا ہے کہ جسم کے کس حصہ میں پران کم ہے یا زیادہ ہے ابھیاس کرنے سے اس قدر معلوم ہو جاتا ہے کہ انگلی یا انگوٹھے میں کتنا پران ہے اور کتنے کی ضرورت ہے۔ یہ پرانایام کے مختلف فائدے ہیں۔ ان کی سمجھ رفتہ رفتہ آتی ہے۔ راج یوگ دراصل پران کو ماتحت بنانے اور جسم کے مختلف حصوں کو اس کے تابع رکھنے کا شغل ہے۔ جب یہ پران قبضہ میں آجاتا ہے۔ پھر دل کو یکسو کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ دھیان کرنا بھی دراصل پرانوں کے یکسو کرنے کا شغل ہے۔

سمندر میں لہریں اٹھا کرتی ہیں بعض پہاڑوں کی طرح اونچی بعض چھوٹی ہوتی ہیں بعض ان سے بھی چھوٹی ہوتی ہیں سب کے بعد آتے ہیں بلبلے مگر سب کے پس پشت سمندر رہتا ہے۔ اونچے سے اونچی لہر اور چھوٹے سے چھوٹے بلبلے تک دونوں لامحدود سمندر کے اندر ہی ہیں اور اس سے متعلق ہیں۔ اسی طرح چاہے ایک آدمی بڑی لہر اور دوسرا ایک بلبلا ہی کیوں نہ ہو دونوں ہی زندگی کی سرگرمی کے سمندر ہیں اور یہ زندگی کی سرگرمی ہر جاندار کی قدرتی میراث ہے جہاں زندگی ہوگی وہاں ہی لامحدود سرگرمی جدوجہد ہوگی۔ وقت آتا ہے جب نباتات حیوانات بنتے ہیں حیوانات انسان اور انسان دیوتا ہو جاتے ہیں۔ اس ترقی میں ہزارہا، لاکھہا، اور کروڑہا برس گذر جاتے ہیں لیکن تیزی و سرعت کی زیادتی اور جدوجہد کی سرگرمی سے وقت کا فاصلہ کم ہو جایا کرتا ہے جس کام کے لئے زیادہ وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یوگی اس کو اپنی کشمکش کی گرمی سے جلدی کم کر لیتا ہے۔ آہستہ رفتار سے آہستہ ترقی ہوتی ہے ممکن ہے آدمی کروڑوں برس میں جاکر مکمل ہو۔ مگر جو لوگ کم وقت میں کام کرنا جانتے ہیں وہ جلد مکمل ہونے کی حالت حاصل کر لیتے ہیں کوشش کرنے سے چھ مہینہ یا چھ برس میں ایک خاص حالت کی تکمیل ممکن ہے عقل اس بات کی تائید کرتی ہے اگر کسی انجن میں تھوڑا کوئلہ دیا جائے تو وہ آہستہ چلے گا۔ زیادہ کوئلہ داخل کر دینے سے اس کی رفتار بہت جلد بڑھ جاتی ہے اسی طرح کیا بہت سرگرمی کرنے سے زندگی کا مکمل کر لینا و منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہے؟ ہم جانتے ہیں تمام جانداروں کو مکمل ہونا ہے لیکن کروڑوں واربوں برس تک انتظار کون کرے؟ اس مقصد اور منتہائے مقصود کو اسی جسم میں کیوں نہ حاصل کر لیا جائے؟ کیوں ہم فوراً لامحدود گیان و طاقت حاصل کرلیں؟

یوگی جانتا ہے۔ یوگ کی سائنس سرگرمی کے بڑھا دینے سے زیادہ طاقت بخشتی ہے انتظار کا فاصلہ کم کر دیتی ہے۔ بالعوض اس کے کہ بتدریج ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک پہنچ کر اوروں کی ترقی کا انتظار کیا جائے وہ مکمل بن جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے سنت مہاتما اسی علم سے ایسے بنے۔ اور انہوں نے یہی کمال کر دکھایا تھا وہ اپنی زندگی میں اتنی زندگی جئے جتنا عرصہ بعض قومیں نقطۂ کمال تک پہنچنے میں لیتی ہیں۔ انہوں نے اپنی ایک ہی زندگی میں پختگی حاصل کرلی۔ ان کو ہر وقت یہی دھن سوار رہتی تھی۔ اس ایک سوال کے سوا دوسرا خیال ان کے پاس نہیں آیا تھا کہ ان کی میعاد کم ہو جائے گی۔ اور رہ گئی۔ اپنی منزل کو جلد سے جلد حاصل کرلیں۔ قوت خیال کی یکسوئی کا مطلب یہی ہے کہ

دِل میں ایک خیال جاگزین ہو۔ تاکہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ منازل طے کر لی جائیں۔ راج یوگ اس یکسوئیِ قلب کی تعلیم دیتا ہے۔

پرانایام کا رُوحانیت کے مسئلہ سے کیا تعلق ہے؟ رُوحانیت بھی پرانایام کا ہی اظہار ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ جسم سے نکلنے کے بعد رُوحیں زندہ رہتی ہیں تو ممکن ہے کہ اِس وقت یہاں کروڑوں رُوحیں موجود ہوں گی کہ جن کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ نہ چھو سکتے ہیں ممکن ہے کہ ہم اُن کے جسم میں سے گذر جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے وہ ہم کو نہ دیکھتے ہوں۔ یہاں دائرہ کے اندر دائرہ اور دُنیا کے اندر دُنیا کا مضمون ہے جو جاندار ایک طبقہ میں ہوتے ہیں وہی نظر آتے ہیں۔ ہم میں پانچ اندریاں ہیں۔ ہمارا پران اُن کی صُورت میں کام کرتا ہے جن میں ہماری ایسی حالت ہے۔ وہ ہم کو دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر ایسے جانداروں کا امکان ہے جن میں زیادہ لطیف پران کا گُمان ہے تو اُن کو دیکھنا مشکل ہو گا۔ جب روشنی حد سے زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ ہم کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن ممکن ہے ایسے بھی جاندار ہوں۔ جن کی نگاہ زیادہ طاقت والی ہو۔ اور جو اس درجہ کی روشنی برداشت کر سکتے ہوں مثلاً آپ بلّی اور اُلّو کی حالت سے اندازہ کر سکتے ہو۔ آپ ہوا کے طبقات پر غور کرو۔ وہ تہہ بہ تہہ موجود ہے۔ تُمہارے نزدیک کی ہوا گھنی ہے لیکن اُونچے طبقات کی بتدریج لطیف ہوتی گئی ہے یا سمندر کے پانی کی حالت پر غور کرو۔ جتنا گہرے چلے جاؤ گے اتنا ہی پانی کا گھنا پن زیادہ ہوتا جائے گا۔ اور جو جانور عمیق سمندر کی گہرائی میں رہتے ہیں وہ اُوپر نہیں آ سکتے۔ کیونکہ لہروں کی وجہ سے فوراً ہی پاش پاش ہو جائیں گے۔

یہ دُنیا بھی آکاش کا سمندر ہے اس میں پرانوں کی تیزی کی وجہ سے دھاریں نکلا کرتی ہیں۔ اور یہ دھار ایک دوسرے پر تہہ بر تہہ موجود ہیں۔ باہری حصّہ کی طرف یہ دھار کم۔ مگر اندر یعنی مرکز کی جانب زیادہ تیز ہوتی گئی ہیں۔ ان دھاروں کی تہوں کے سلسلے بطور خود ایک ایک طبقہ ہیں۔ ذرا سوچ کر دیکھو۔ اس کو ایک دائرہ خیال کر لو۔ اس کا مرکز مکمّل جگہ ہے۔ مرکز سے جس قدر تم دُور ہو جاؤ گے اتنی ہی دھاریں کمزور ہوں گی۔ ایک طبقہ میں ایک قسم اور دُوسروں میں دوسری قسم کی دھاریں ہیں۔ جو ایک طبقہ میں رہتے ہیں ایک دُوسرے کو دیکھ سکتے ہیں اور پہچان سکتے ہیں۔ مگر اپنے سے اُونچے یا نچلے طبقہ والوں کو نہ دیکھ سکیں گے نہ پہچان سکیں گے۔ تاہم جس طرح دُوربین اور خوردبین ہماری نگاہ کی طاقت کو بڑھا دیتی ہیں اسی طرح انسان اُونچی دھار سے ہم پہلو ہو کر اُونچے طبقہ کا حال دیکھ سکتا ہے۔ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے فرض کرو یہ کمرہ ایسے جانداروں سے بھرا ہے۔ جن کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ وہ پران کے خاص دھار سے تعلّق رکھتے ہیں ہم کو دُوسرے دھاروں سے نسبت ہے اُن کے دھار تیز ہیں ہمارے ہلکے ہیں۔ مگر پران ہی سے ہم بنے ہیں اور پران ہی سے وہ بنے ہیں سب پران کے سمندر میں رہتے ہیں مگر دھار کا فرق ہے اگر کسی طرح ہم اس تیز دھار سے دو بدو ہو جائیں۔ تو ہمارا طبقہ فوراً تبدیل ہو جائے گا۔ ہم تم کو نہ دیکھ سکیں گے تم نگاہ سے غائب ہو جاؤ گے۔ تم میں سے شاید اکثر لوگ اس کو سچّا تسلیم کر لیں۔ دِل کو اس اُونچی دھار کی حالت

مول آدھار ہے جو سب سے نیچے ہے۔ ایک سوادھشٹھان ہے جس کو نابھی کہتے ہیں تیسرا سہسرار ہے جو دماغ کا ہزار دل کنول کا ہے۔ ناف کا کنول (منی پور) جسے نابھی کنول بھی کہا جاتا ہے۔

یوگ یا پرانایام سمجھنے کے لئے اب ہم فزکس، علم مادہ کی مدد لیتے ہیں۔ ہم بجلی اور اس سے متعلق بہت سی قوتوں کا نام سنتے ہیں لیکن بجلی کیا ہے، کوئی بھی نہیں جانتا۔ بلکہ یوں سمجھنے کہ ایک طرح کی حرکت ہے، ایک رو ہے لیکن اس کائنات میں دوسری حرکتیں اور دوسری رَویں بھی ہیں پھر ان میں اور بجلی میں کیا فرق ہے۔ مثال کے طور پر اگر میز حرکت کرنے لگے جن عناصر سے یہ میز بنا ہے وہ سب عناصر حرکت پذیر ہیں لیکن مختلف سمتوں میں۔ لیکن اگر ان کی حرکت کا رخ ایک ہی سمت میں ہو تو ان کی یہ حرکت بجلی کی رو کہلائے گی۔ بجلی کی رو کسی شے کے عناصر کو ایک ہی سمت میں متحرک کرتی ہے۔ اگر ہوا کے عناصر ایک ہی سمت میں متحرک ہو جائیں تو کمرہ میں قیامت کی بجلی کی قوت موجزن ہو اٹھے یہ اصول سمجھنے کے ساتھ ہمیں علم ترکیب اجسام حیوانات و نباتات کا یہ اصول بھی ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ جسم کا وہ مرکز جو تنفس کو چلاتا ہے انسان کے جسم کی تمام رگوں اور ریشوں کو بھی کنٹرول کرنے والا مرکز ہے۔

پرانایام میں سانس لینے کا شغل اس وجہ سے کیا جاتا ہے۔ تاکہ جسم کی تمام قوتوں کا رخ ایک طرف ہو جائے۔ اس کی دھار بجلی کی طاقت کی طرح بن جاتی ہے اور پھر قوت ارادی سے زبردست کام لینے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ پرانایام کا مقصد یہ ہے کہ مول آدھار کی سوتی ہوئی کنڈلنی کو جگا دیا جائے۔ یوگی کہتے ہیں اگر کسی طرح آپ یہ کام کر لو۔ تو پھر آپ کا کام بنا بنایا ہے۔ جہاں یہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف چلنے لگی۔ من کی تمام تہیں خود بخود کھل جائینگی۔ اور یوگی کو دنیا کے کارن اور کارج کا گیان پراپت ہو جائے گا۔

اس قدر مختصر صراحت کے ساتھ اب ہم پرانایام کا ذکر کرتے ہیں۔ پرانایام میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ پھیپھڑوں کی حرکت کو قابو میں کیا جائے۔ تاکہ ہم ان لطیف حرکتوں کو سمجھ سکیں جو جسم کے اندر کام کر رہی ہیں۔ ہماری طبیعتوں کا رخ باہر کی طرف ہے۔ اندرونی حرکات کی ہم کو ذرا بھی خبر نہیں ہے۔ اگر ہم ان کی ذرا بھی واقفیت حاصل کر لیں تو ان کو قابو میں لانے کی فکر ہو۔ رگوں کی دھاریں تمام جسم میں چل رہی ہیں۔ ان کی ہی مدد سے طاقت اور زندگی ملتی ہے۔ مگر ہم ان کو جانتے نہیں۔ یوگی کہتا ہے تم ان کو جان سکتے ہو۔ کس طرح؟ پہلے ان کی حرکات کو پکڑ لینے اور ان کے روک رکھنے سے پھیپھڑوں کی حرکتوں کو جہاں کچھ عرصہ کے لئے روک رکھا۔ پھر خود بخود لطیف حرکات کے روک رکھنے اور ان پر قابو پانے کی قوت آجائے گی۔

پران پر قابو پانا

اب ہم پرانایام کے مختلف طریقوں کا ذکر کریں گے۔ ہم یہ معلوم کر چکے ہیں کہ یوگیوں کے نزدیک اوّلین اقدام پھیپھڑوں کی حرکت پر قابو پانا ہے مقصد یہ ہے کہ ہمارے جسم کے اندر جو لطیف حرکتیں اور جنبشیں ہوتی ہیں انہیں محسوس کیا جائے۔ ہمارے دل بیرونی دنیا میں کھوئے رہتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم اندرونی دنیا سے تعلق کھو بیٹھتے ہیں۔ اور جسم کے اندر ہو رہی حرکتوں اور تحریکوں سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم انہیں دیکھنا شروع کر دیں۔ تو ایک دن ان پر قابو پانا بھی سیکھ جائینگے زندگی کی لہر ہماری ایک ایک رگ اور ایک ایک نس میں موجزن ہے اور اسی کی بدولت ہمارا بال بال رواں رواں زندگی سے شاداب ہے لیکن ہم نے ان لہروں کو کبھی دیکھنے یا قابو کرنے کی نہیں سوچی۔ یوگی کہتے ہیں کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں کیسے؟ اس طریقہ کی ابتدا پھیپھڑوں کی حرکت کو قابو میں لانے سے ہوتی ہے جب ہم کافی عرصہ تک ایسا کرتے ہوئے پختگی حاصل کر لینگے تب ہم ان لطیف حرکتوں اور جنبشوں کو بھی قابو کرنا سیکھ جائیں گے۔

اب پرانایام کا طریقہ سنیئے سیدھے بیٹھئے۔ آپ کا جسم سیدھا رہنا چاہیئے میرو ڈنڈ، پیٹھ کی ہڈی سیدھی رہے۔ اگر آپ سیدھے نہیں بیٹھیں گے۔ تو آپ کو نقصان پہنچے گا اور آپ دھیان نہیں کر سکیں گے جسم کے تینوں حصے سینہ گردن اور سر ایک خط مستقیم میں رہنے چاہئیں۔ چند روز کے شغل کے بعد آپ دیکھیں گے۔ یہ بات خود بخود بہت آسان ہو جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ رگوں کو قابو میں کیا جائے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سانس لینے والی حس کو ایک طرح پر دوسری رگوں کے قابو میں رکھنے کی طاقت ہے۔ اور اس لئے باقاعدہ سانس لینا کتنا ضروری ہے جس طرح ہم سانس لیا کرتے ہیں وہ باقاعدہ سانس لینا نہیں کہلاتا۔ بلکہ بے قاعدہ ہے۔ اس کے سوا عورتوں مردوں کے سانس لینے میں بھی فرق ہوتا ہے۔

پہلا سبق یہ ہے کہ اندر اور باہر باقاعدہ سانس لینا سیکھئے۔ ایسا کرنے سے جسم میں سکون و راحت آئے گی جب

کچھ دنوں اس کا شغل کر لو۔ اس کے ساتھ "اوم" یا دوسرے مقدس نام کے جپ کو شامل کر لو۔ اس طرح کہ سانس کے اندر اور باہر جاتے وقت ساتھ ہی ساتھ اس لفظ کا ورد بھی جاری ہے۔ اس سے آپ دیکھیں گے آپ کو اور آپ کے جسم کو قدرے آرام ملنا شروع ہو جائے گا۔ اور آپ کو یہ آرام اور سکون بہت عزیز لگنے لگا نسبتاً زیادہ آرام کی حالت نہیں ہے۔ اگر ایک مرتبہ آرام مل جائے۔ تو رگوں کو استراحت ہو گی اور آپ سمجھیں گے کہ فی الحقیقت آرام ملا ہے۔ بعض لوگ سانس کے ساتھ ایک دو تین وغیرہ گنا کرتے ہیں مگر "اوم" کا جاپ سب سے بہتر ہے۔

اس عمل کا پہلا اثر یہ ہوگا کہ چہرہ میں تبدیلی آنی شروع ہو جائے گی سخت قسم کی جھریاں غائب ہو جائیں گی۔ اور صورت شکل سے شانتی برسنے لگے گی۔ پھر آواز کی کرختگی دور ہو جائے گی۔ اور اس میں ایک طرح کی مٹھاس اور شیرینی پیدا ہو جائیگی۔ آج تک کسی یوگی کی نسبت نہیں سنا گیا کہ اس کی آواز کرخت تھی۔ یہ علامتیں صرف چند ہی مہینوں کے شغل میں نظر آئیں گی جب چند دنوں تک اس طرح سانس لینے کا محاورہ کریں گے۔ تب اس سے اونچے شغل کا شوق کیجئے۔ آہستگی سے ایڈا یعنی بائیں نتھنے کی مدد سے پھیپھڑے کو ہوا سے بھر لیجئے۔ اور من کو رگ کی دھار پر یکسو کر رکھیئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ گویا آپ نیچے کی طرف رگوں کی دھار کو بھیج رہے ہیں تاکہ وہ آخری ستھان میں ضرب لگائے اور کنڈلنی کو جگا دے پھر اس دھار کو تھوڑی دیر تک (حساب کے بموجب) روک رکھیئے پھر یہ سوچیئے کہ آپ سانس کو دوسری طرف سے نکال رہے ہیں اور اس کو آہستہ آہستہ داہنے نتھنے سے نکال دیجئے۔ اس عمل اور ابھیاس سے آپ کو کوئی دقت محسوس نہ ہوگی۔ آسان طریقہ یہ ہے۔ جب بائیں طرف سے سانس لے رہے ہوں۔ دائیں نتھنے کو انگوٹھے سے بند کر رکھیئے، اور تب دونوں نتھنوں کو انگوٹھا اور دوسری انگلی سے بند کر دیجئے اور سوچتے رہیئے کہ سانس کو نیچے کی طرف دھکیل رہے ہیں اور سوشمنا نا ڑی کے سرے پر ضرب لگا رہے ہیں۔ پھر انگوٹھے کو علیحدہ کر لیں۔ اور سانس کو دائیں نتھنے سے آہستہ آہستہ نکال دیں۔ پھر اسی طرح آہستہ آہستہ داہنے نتھنے سے سانس لیں پھر دونوں کو بند کر دیں۔ اور پہلے کی طرح عمل کریں۔ اگر چار سیکنڈ میں سانس لیتے ہوں تو سولہ سیکنڈ روک رکھیئے اور آٹھ سیکنڈ میں خارج کیجئے۔ علےٰ ہذا القیاس اس کو ایک پرانایام کہتے ہیں۔ اسی وقت مثلث کا دھیان ہے۔ اور من کو اس نقطہ پر جما رکھیئے۔ اس کا تصور آپ کو اس کام میں زیادہ کام دیگا۔ اس کے بعد سانس بہت آہستگی کے ساتھ اندر کی طرف کھینچی جاتی ہے اور فوراً آہستگی سے باہر نکال دی جاتی ہے۔ اور پھر باہر روکنے کا شغل کیا جاتا ہے۔ اور اس کا حساب وہی رہتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ پہلے تو سانس کو اندر روکا گیا تھا۔ اس دفعہ باہر روکا گیا۔ یہ اس سے بھی آسان ہے پرانایام کا عمل زیادہ نہ کیا جائے۔ صرف چار مرتبہ صبح اور چار مرتبہ شام کے وقت۔ پھر آہستہ آہستہ اس کو بڑھاتے جایئے تھوڑے دنوں میں آپ دیکھیں گے کہ آپ میں اس کام کے کرنے کی طاقت خود بخود آ رہی ہے۔ اور آپ کو اس شغل سے خوشی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اپنی طاقت کا اندازہ لگا کر چار کے عوض پھر چھ دفعہ کر لیجئے۔ مگر یہ یاد رکھیئے اگر بے قاعدگی کریں گے۔ تو آپ کا نقصان ہوگا۔

ان تین ریچک (کھینچنا) کُمبھک (روک رکھنا) اور پُورک (نکالنا) میں شروع و آخر کا کام سہل ہے۔ سانس کا باہر نکال دینا یا اندر کھینچنا مشکل نہیں ہے نہ خطرناک ہے جس قدر تم پہلے کی مشق و ابھیاس کرو گے۔ اتنی ہی جلدی سے شانتی آئیگی ہمیشہ "اوم" کا سمرن (ورد) کیجئے یہاں تک کہ جب بیٹھے ہوئے ہو۔ تب بھی شغل جاری رہے۔ جب مشق بڑھ جائے تو کسی دن کُنڈلنی پر سخت ضرب لگا دو۔ اور وہ اُٹھ کھڑی ہوگی۔ جو دن میں ایک یا دو مرتبہ شغل کریں گے ان میں شانتی اور آواز میں شیرینی آئے گی۔ جو زیادہ شغل کریں گے۔ کُنڈلنی کے جاگتے ہی ان میں تبدیلیاں آنے لگیں گی۔ اور گیان کا دفتر ان کے لئے کُھل جائے گا۔ اُس وقت کتابوں کی طرف گیان کے لئے رجوع کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ آپ کا مَن خود کتاب بن جائے گا۔ اور اس میں بے حد گیان نظر آئے گا۔ مَیں نے ایڈا پنگلا اور سُوکشمنا کا کافی ذکر کر دیا۔ یہ ہر جاندار میں ہوتے ہیں جس کسی میں ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے اس میں یہ تینوں ناڑیاں ہوتی ہیں۔ لیکن یوگیوں کا دعویٰ ہے کہ عام انسان میں سُوکشمنا بند رہتی ہے۔ صرف دُوسری دونوں ناڑیاں ایڈا اور پنگلا کام کرتی رہتی ہیں صرف یوگیوں کی کُھلی ہوتی ہے۔

جب سُوکشمنا کُھل جاتی ہے۔ اور اُس میں سے جو خیالات اُٹھنے لگتے ہیں۔ تو یوگی اندریوں کے طبقات سے بلند اور اُوپر اُٹھ جاتا ہے۔ ہمارا مَن کچھ اور ہی چیز بن جاتا ہے۔ اور ہم بُدھی سے بھی دُور جا نکلتے ہیں سُوکشمنا کا کھولنا یوگی کا پہلا کام ہے۔ یوگیوں کی رائے میں جب تک سُوکشمنا نہیں کُھلتی۔ کنولوں سے گزر نہیں ہوتا۔ ان کنولوں کی تشریح حسب ذیل ہے: مول آدھار۔ (۲) سوادِشٹھان (۳) منی پور (۴) اناہت (۵) وِشُدھ (۶) سہسرار یا سہس دل کنول۔

مُول آدھار سب سے نیچا اور سہسرار دماغ میں سب سے اُونچا ہے۔ ان دونوں میں سے ہم کو دو کنول مخصوص مول آدھار اور سہسرار کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ ہمیں قوّت کو نیچے کی طرف سے نکال کر اُونچے کی طرف رجوع کرنا اور دماغ تک پہنچا دینے کا کام کرنا ہے۔ یوگی کہتے ہیں انسانی جسم کی تمام قوّت کا اعلیٰ جوہر وہ ہے جو دماغ میں رہتا ہے۔ اس کو "اوجس" کہتے ہیں۔ انسان کے سر میں جتنا "اوجس" ہوگا۔ اتنا ہی انسان دماغی اور رُوحانی لحاظ سے طاقتور ہوگا۔ "اوجس" والے آدمی کے کام میں جادُو کا اثر ہوتا ہے۔ ایک شخص رات دن بکتا رہتا ہے۔ مگر بے سُود۔ اس کے خیالات اچھے ہیں زبان خوبصورت ہے مگر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ دوسرا شخص نہ اچھی بولی بولتا ہے نہ اس کے خیالات دلکش ہیں مگر لوگ سنّاٹے میں آ جاتے ہیں۔ سب پر جادُو کا اثر ہو جاتا ہے۔ یہ صرف "اوجس" کی برکت ہے عظمت ہے۔

اس "اوجس" کا ذخیرہ ہر انسان میں ہوتا ہے۔ اور تمام قوتیں جو جسم میں کام کر رہی ہیں اعلیٰ نشو و نما کی حالت میں "اوجس" بن جاتی ہیں۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیئے صرف تبدیلی کا سوال ہے۔ یوگی کہتے ہیں "ویریہ" جو تولیدِ تناسل کا باعث ہوتا ہے۔ روک دیئے جانے سے "اوجس" بن جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ نچلے طبقہ کی طرف رجوع رہتا ہے یوگی محنت و مشقت کر کے خاص توجہ کے ساتھ اُس کی رفتار اوپر کی طرف کر دیتا ہے شہوت یا نفسانی لذات کے

خیالات اس کے دل سے دور ہو جاتے ہیں جب مرد و عورت پاک بن جاتے ہیں۔ ان میں "اوجس" مقدار میں زیادہ دماغ میں اکٹھا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے جس کے خیال سے برہمچریہ پر خواہ مرد کا ہو یا عورت کا زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ یہ بہت بڑا وصف سمجھا جاتا ہے کیونکہ اگر انسان پاک نہیں ہے تو اس کی روحانیت ضائع ہو جاتی ہے۔ اس کی اخلاقی طاقت میں زوال آجاتا ہے۔ ویریہ کی رکھشا سے مہان شکتی والی آتمائیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ جو من، بچن اور کرم سے شدّھ ہوتے ہیں۔ برہمچاری یا سادھوؤں کے برہمچریہ رکھنے کا مقصد یہی تھا۔ یہ شادی نہیں کرتے تھے جب تک یہ نہ ہو راج یوگ کا عمل خطرناک اور مضر ہے۔ اور انسان کو فاتر العقل اور پاگل بنا دے گا۔ اس لئے یوگ کے عمل و شغل اختیار کرنے سے پہلے زندگی پوتر بنا لینی چاہیئے۔ تاکہ آپ یوگی کے درجہ کو حاصل کر سکیں۔ ورنہ ساری کوشش بے سود رہے گی۔ راج یوگ کماتے ہوئے اگر کوئی شخص بدکاری اور نفس پرستی شروع کر دے تو یوگی کیسے بن سکتا ہے۔





پرتیاہار اور دھارنا

پرانایام کے بعد پرتیاہار آتا ہے۔ پرتیاہار کیا ہے؟ آپ جانتے ہو سب کو گیان ہوتا ہے۔ پہلے باہر کی اندریاں اور پھر اندر کی اندریاں جسم پر دماغ کے ذریعہ کام کرتی رہتی ہیں اور من بھی ہوتا ہے۔ جب یہ ساتھ ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کا کسی باہر کی چیز سے تعلق کرتے ہیں تب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں۔ من کو یکسو کر کے صرف ایک ہی اندری سے لگا رکھنا مشکل ہے۔ کیونکہ من غلام ہے۔

ہم سنتے ہیں نیک بنو۔ نیک بنو۔ نیک بنو۔ تمام دنیا نیک بننے کی تعلیم دیتی ہے مشکل سے کوئی لڑکا اپنے ہوش سنبھالنے پاتا ہوگا جب سے اس کو ایسی تعلیم دی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں "چوری مت کرو"۔ "جھوٹ مت بولو"۔ مگر کوئی کسی سے یہ نہیں کہتا۔ کہ وہ کس طرح ان عادتوں سے بچے۔ صرف زبانی جمع خرچ سے کام نہیں نکلتا۔ کیوں؟ وہ کیوں نہ چور بن جائے؟ آپ اس کو یہ نہیں سکھلاتے کہ وہ کس طرح چوری نہ کرے۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ چوری نہ کرو۔ یہ بات صرف من کے قابو کر لینے سے ممکن ہے۔ تمام اندرونی و بیرونی کام اس وقت ہوتے ہیں جب من کسی مرکز سے ملحق ہو جاتا ہے۔ یہ مرکز تمہاری اندریاں ہیں۔ خوشی یا ناخوشی سے من کا ان اندریوں کے ساتھ لگاؤ ہو جاتا ہے۔ اور تب لوگ بیہودہ کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور پھر پچھتاتے ہیں۔ اگر من قابو میں آجائے۔ تو یہ حالت کبھی نہ ہوگی۔ من کے بس میں آجانے سے کیا نتیجہ ہوگا۔ اس وقت وہ اپنے آپ اندریوں کے ساتھ لگ جائے گا۔ اور اس لئے قدرتی طور پر خواہش اس کے تابع رہے گی۔ غالباً آپ نے اس کو سمجھ لیا ہوگا کیا یہ ممکن ہے؟ ہاں ممکن ہے۔ تو دیکھتے ہیں آجکل یہ بات دیکھنے میں عام آتی ہے۔ لوگوں کو وشواس دلایا جاتا ہے' آپ بیمار نہیں ہو۔ اور وہ مصیبت و دکھ محسوس نہیں کرتے۔ گو یہ بات بہ آسانی سمجھ میں نہ آئے گی مگر حقیقت

میں یہ بھی ایک طرح کا یوگ اور پرتیاہار ہے۔ جن حالتوں میں اس ترکیب سے علاج ہو جاتا ہے۔ وہاں بمشکل مختلف وہ پرتیاہار کے ایک حصّے کی تعلیم دیتے ہیں۔ کیونکہ وشواسی کا دل مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور وہ اندریوں کی طرف متوجہ ہونے سے انکار کر دیتا ہے۔ ہپناٹزم کرنے والے کیا کرتے ہیں۔ ٹکٹکی باندھ کر کسی کے دل و دماغ کو اپنے قابو میں لاتے ہیں۔ جس کے دل پر ہپناٹزم کرنے والے کا اثر نہیں ہوتا۔ اس دل پر ہپناٹزم بھی بیکار ہو جاتا ہے۔

یہ سچ ہے مگر یہ طریقہ گمراہی کا ہے۔ انسان کو بتا دینا چاہیئے۔ کہ وہ محض وشواس سے نہیں۔ بلکہ جان بوجھ کر من کو قابو میں کر رہا ہے۔ ہر آدمی کا منزلِ مقصود موکش ہے۔ اگر اس کو کسی اور کا معتقد بنا کر یہ سکھایا جائے تو نتیجہ خراب ہو گا۔ وہ مادّہ کی غلامی سے نکلے گا۔ اور اس کو نکالنے میں مدد دینی چاہیئے۔ اس کو موقعہ ملے کہ وہ اندرونی اور بیرونی اندریوں پر غالب آ جائے۔ اگر یہ حالت نہیں ہے۔ تو جو علم حاصل ہو گا۔ وہ غلامی کی نئی زنجیر گھڑے گا۔ اور بندھن کے پُرانے باطل خیالات میں اضافہ ہونے لگے گا۔ اس لئے جب کبھی دوسرے آدمی آپ پر اثر ڈالنے لگیں۔ تو ان سے ہمیشہ ہوشیار رہو۔ یہ سچ ہے۔ اس طریقہ سے اکثر بُری طبیعتیں اچھّی بھی ہو جاتی ہیں مگر اس ڈھنگ کے جاری ہو جانے سے کروڑوں کا نقصان بھی ہو رہتا ہے۔ اور وہ نادانستگی کی حالت میں پڑ کر ہمیشہ کے لئے مجہول اور نکمّے ہو جاتے ہیں۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اندھے بن کر میری پیروی کریں یا بلا سمجھے بوجھے پیچھے چلنے لگ جائیں۔ وہ اپنی زبردست قوّتِ ارادی سے انسان کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ گو وہ خود اس کا علم نہ رکھتا ہو۔

اس لئے آپ خود کوشش کیجئے۔ اپنے من کو خود استعمال کیجئے۔ خود ہی جسم اور من کو استعمال کیجئے۔ خود ہی جسم اور من کو قابو میں لائیے۔ یاد رکھیئے کہ جب تک آپ کو کوئی بیماری نہ ہو گی تب تک کسی شخص کی قوّتِ ارادی آپ پر کام نہیں کر سکتی۔ اور ایسے آدمیوں سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہیئے۔ خواہ وہ کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں جو اوروں کو اندھوں کی طرح محض وشواس دے کر اپنے پیچھے چلانا چاہتے ہیں۔ دنیا میں ناچنا۔ گانا۔ کودنا۔ پھاندنا ہر جگہ ہوا کرتا ہے اس کی بھی چھوت لگ جایا کرتی ہے۔ اسی طرح سے وعظ و تلقین۔ اپدیش و سکھشا کا بھی حال ہے بھولی بھالی نرم طبیعتوں پر وہ خوب اپنا اثر جما لیتے ہیں۔ مگر آگے چل کر وہ نسل ہمیشہ کے لئے برباد ہو جاتی ہے اس کو ہم مانتے ہیں کہ بہت سے بُرے آدمی اس طریقہ سے سنبھل جاتے ہیں ان کو فائدہ پہنچ جاتا ہے مگر انسانی جماعت کو عام طور پر اتنا نقصان پہنچتا ہے جس کا کوئی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ قومیں ضائع ہو جاتی ہیں باطل پرستی بڑھ جاتی ہے ایسے مذہبی معلّم جو خیال کے نیک طبیعت کے سچّے اور نیّت کے درست ہوتے ہیں۔ مگر غلطی سے اور غلط فہمی سے وہ اپنے شاگردوں کے دلوں میں اس طرح کا ناقص جوش بھر دیتے ہیں جو جنون کے درجہ پر پہنچتا ہے کہ جو پا ہمیشہ قابلِ نفرت ہے۔ وہ نہیں جانتے ان کی باتوں سے جو مذہبی جوش پیدا ہو جاتا ہے اور جس کو گانے بجانے سے ٹھہرایا

جاتا ہے وہ اصل میں مجہولیت اور کمزوری کا شکار بنے گا۔ اور دوسرے خیال کے لئے خواہ وہ بُرا ہی کیوں نہ ہو تیار رہے گا۔ بیہ نادان اور بھولے بھالے لوگ نہیں جانتے کہ جن طاقتوں کو وہ معجزہ سمجھ کر کسی اعلےٰ وجود کی بخشش مان رہے ہیں وہ آئندہ زمانہ میں بربادی جُرم جنون اور موت کا پیدا کرنے والا ہوگا جس نے یہ تیا ہار کر لیا ہے یعنی اپنے من کو کسی ستھان پہ لگایا۔ خواہ ہٹا لیا یا اُس کی دھار اُلٹ دی۔ اور من کو باہر کی طرف جانے سے روک دیا۔ اس نے اندریوں کی غلامی سے محفوظ رہنے کا سامان پیدا کر لیا۔ جب ہم ایسا کر لیں گے ہمارا چال چلن اچھا ہو جائے گا۔ ہم موکش کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے چل نکلیں گے۔ اس سے پہلے ہماری حالت محض ایک کل یا مشین کی تھی۔

من کا روکنا کتنا مشکل ہے! اس کی مشابہت بندر سے دی جاتی ہے جو فطرتاً سیمابی اور مضطرب طبیعت ہوتا ہے۔ روائت ہے۔ ایک بندر تھا قدرتی طور پر اس بندر کے اندر بھی سخت چنچلتا تھی۔ بندر بالطبع چنچل ہوتے ہیں۔ کسی نے اس کو خوب شراب پلا دی۔ وہ پہلے ہی مضطرب تھا۔ اب اس کا مزاج اور بھی بھڑک اُٹھا۔ پھر ایک بچھو نے ڈس لیا۔ جب کسی کو بچھو کاٹ لیتا ہے۔ وہ دن بھر درد سے اچھلتا کودتا رہتا ہے۔ بندر کی حالت پہلے سے بدتر ہو گئی۔ اس کے بعد ایک بھوت یعنی شیطان اس پر سوار ہو گیا۔ اب تو کہنا ہی کیا تھا۔ بندر کی حالت غیر ہو گئی۔ زبان اس کی حالت ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتی؟ انسان کا دل اس بندر سے مشابہ ہے۔ وہ یونہی لمحہ لمحہ زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتا ہے۔ پھر اس کو خواہش کی شراب پلا دی جاتی ہے چنچلتا اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ خواہش کے بعد اس کو حسد کا بچھو کاٹ لیتا ہے۔ دوسروں کی ترقی یا بھلائی دیکھ کر اس میں بیقراری آجاتی ہے۔ اس کے بعد جب غرور کا آسیب سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ تب وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ ایسے من کو قابو میں لانا مشکل ہے۔

پہلا سبق یہ ہے کہ ایک جگہ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جایئے۔ اور دل کو اپنے ترنگ اُٹھانے دو۔ من تھوڑی دیر تک اُبلتا رہے گا۔ اس کی حالت کودنے اچھلنے والے بندر کی ہے۔ وہ جتنا کودنا چاہے کودنے دیں۔ آپ اس کی اُچھل کود دیکھتے رہیئے۔ ایک مشہور کہاوت ہے "علم طاقت ہے"۔ اور یہ سچ ہے۔ جب تک آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ من کیا کر رہا ہے آپ اس کو قابو میں نہیں لا سکتے۔ اس کو بے لگام کر دیں۔ جب وہ مطلق العنان ہو جائے گا۔ آپ کو تعجب ہوگا۔ وہ کیسے اس طرح کے خیالات سوچتا ہے۔ اس طریقہ سے رفتہ رفتہ دل کی بیہودگیاں روز بروز کم ہوتی جائیں گی۔ اس کا زور جاتا رہے گا۔ اور خود بخود شانتی آتی جائے گی۔ پہلے چند مہینوں میں آپ دیکھیں گے کہ من میں ہزاروں خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ بعد کو شاید وہ گھٹ کر سات سو ہو جائیں پھر رفتہ رفتہ اس سے بھی کم ہو جائیں گے۔ اور آخر میں وہ آپ کے قبضہ میں آجائے گا لیکن شرط یہ ہے یہ روز صبر کے ساتھ ابھیاس، عمل و مشق کریں۔ سرعت و عجلت کی ضرورت نہیں۔ جلدی کرنے سے اس کے پھر چنچل ہو جانے کا احتمال رہے گا۔ جب بھی بھاپ چھوڑیں گے انجن چل نکلے گا۔ اور جس طرح جو چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ہم ان کو دیکھنے لگتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ آپ پر یہ بات ظاہر

ہوگی کہ ہماری حیثیت مشین بالکل کی نہیں ہے۔ اور ہم کسی کے تابع نہیں ہیں من کا بس میں کرنا اور اس کو کسی اندری سے ملحق نہ ہونے دینا پرتیاہار کہلاتا ہے۔ اس کے شغل کی کتنے دنوں تک ضرورت ہے۔ یہ کام کسی دن جاکر ختم ہوگا۔ ایک دن میں کوئی اس کو نہیں کر سکتا۔ چند برسوں تک لگاتار صبر کے ساتھ جدوجہد کرنے کے بعد ہی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

دوسرے سبق کا دارومدار پہلے سبق پر ہے جب آپ نے کچھ دنوں پرتیاہار کر لیا تب دوسری منزل کی طرف چلیئے یہ دھارنا ہے من کو کسی استھان پر لگا دینا اور لگائے رکھنا دھارنا کہلاتا ہے من کو کسی استھان پر لگانے کا مقصد کیا ہے؟ اس کی غرض یہ ہے کہ من کل جسم کے خیال کو چھوڑ کر صرف ایک کسی خاص نقطہ پر جم کر بیٹھ رہے مثلاً چاروں طرف سے چت کی ورتیوں کو ہٹا کر صرف ہاتھ تک محدود رکھے جب من اس طرح کسی ایک محدود مقام میں یکسو ہو جائے تو اس کو دھارنا کہتے ہیں۔ دھارنا کئی قسم کی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ذرا وچار کو بھی شامل کر دینا چاہیئے مثلاً من کو مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ کسی ایک خاص مقام پر جم کر اس کا خیال کرے مشکل ہے مگر آسان طریقہ یہ ہے کہ وہاں ایک کھلے ہوئے کنول کا تصور باندھ کر کام لے۔ کنول روشنی سے معمور ہے جس کے دیکھنے سے آنکھوں کو خیرگی ہوتی ہے من کو اس میں گاڑ دیں یا اس روشن کنول کا تصور دماغ کے کسی حصہ میں کریں یا سشمنا ناڑی جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے کے کسی حصہ میں کریں۔

یوگی کو ہمیشہ ابھیاس کرنا چاہیئے۔ اور مشق و عمل جاری رکھنا چاہیئے اسے تنہائی پسند ہونا چاہیئے اور بہت کم آدمیوں سے ملنا چاہیئے مختلف قسم کے آدمیوں کی صحبت دل کو پریشان کر دیتی ہے اور اس سے یکسوئی کی عادت میں فرق آجاتا ہے۔ اس کو زیادہ نہ بولنا چاہیئے۔ کیونکہ زیادہ بولنے سے بھی یکسوئی قلب ختم ہو جاتی ہے اور دل بے قرار ہو اٹھتا ہے۔ اسے زیادہ کام بھی نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کثرت کار سے بھی دل کو یکسوئی نصیب نہیں ہو سکتی۔ جس میں یہ عادتیں ہوں وہی یوگی ہو سکتا ہے۔ اگر اس طرح کی عادت بنا کر تھوڑا بھی کام کیا جائے گا تو اس سے زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔ اس عادت سے کسی کو نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ بہت آدمیوں کا فائدہ متصور ہوگا۔ سب سے پہلے چت کی اضطرابی اور پریشانی کو دور کریں۔ جب من شانت ہوگا۔ تو ہر چیز صاف صاف نظر آئے گی۔ مزاج سلیم بنتا جائے گا۔ اور تندرستی بہتر حالت میں رہے گی۔ تندرستی یوگی کی پہلی علامت ہے۔ اس کی آواز بھی رسیلی اور شیریں ہو جاتی ہے۔ آواز کے نقص جلد تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان کو ابھیاس کی پہلی علامات سمجھنا چاہیئے۔ بعض وقت آوازیں سنائی دیں گی۔ ایسا معلوم ہوگا۔ گویا دور فاصلہ پر گھنٹہ بج رہا ہے۔ یہ آواز ملی جلی اور لگاتار ہوگی۔ بعض وقت مناظر نظر آئیں گے۔ روشنی دکھائی دے گی۔ پہلے چھوٹے چھوٹے ستاروں کی صورت میں، بعد کو یہ بڑھتی چلی جائے گی۔ جب یہ نظر آنے لگیں تو سمجھ لیں کہ ابھیاس میں خوب ترقی ہو رہی ہے۔ جو لوگ یوگی بننا چاہتے ہیں اور زیادہ سخت ابھیاس کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو شروع شروع میں اپنی

غذا کا خیال رکھنا بھی مقدم ہے جو جلد ترقی کے خواہشمند ہیں اگر وہ چند مہینے دودھ یا ہلکی غذا پر رہ سکیں تو بہت ہی اچھا ہے لیکن جو دنیاوی کاروبار کی مصروفیت کی وجہ سے تھوڑا ابھیاس کرتے ہیں۔ ان کو کم غذا کھانا چاہیئے۔

جلد ترقی کے خواہشمند کو غذا کا اہتمام ضرور کر لینا چاہیئے۔ چونکہ جسم روز بروز لطیف ہوتا جائے گا۔ ذرا بھی بد احتیاطی سے چت کو دکھ اور نقصان پہنچے گا۔ جب پورا پورا قابو حاصل ہو جائے۔ اس وقت کھانے پینے کا اختیار حاصل ہے۔

جب آدمی چت کو ایکاگر کرنے لگے گا۔ سوئی کے گرنے کی آواز اس کو سخت کرخت اور بھاری معلوم ہوگی اور دماغ کو تکلیف محسوس ہوگی۔ اندریاں بھی لطیف و سوکشم ہونے لگیں گی۔ اور ان کے گیان کی طاقت بھی لطیف ہوتی جائے گی۔ ان منزلوں سے آپ کو گزرنا ہوگا۔ اور جو استقلال سے کام کریں گے وہ کامیاب ہوں گے۔ بحث مباحثہ و مجادلہ مناظرہ سے قطعی پرہیز رکھو۔ ورنہ پھر چت یکسو نہ ہوگا۔ اس قسم کے فضول مناظروں، بحثوں اور تکرار میں دھرا کیا ہے؟ فضول دلیل بازی سے من کی شانتی زائل ہو جائے گی۔ یہ باتیں آپ پر خود تجربہ سے ظاہر ہونگی۔ کیا محض باتوں کے کرنے سے آپ یوگ کو سدھ کر سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ پھر زبان بند کر لیں فضول بات نہ کریں مطلب سے مطلب رکھیں۔ صرف وہ کتابیں پڑھیں۔ جن کو عاملوں اور شاغلوں نے لکھا ہے جنہوں نے یوگ کا خود اُلُوبھو (مجاہدہ اور مشاہدہ) کی لطافتوں سے اپنا دامن دل بھرا ہوا کیا ہے۔ صرف ان کے کلام مفید ہو سکتے ہیں۔ جو عامل نہیں ہیں ان کی تصانیف بھی اس حیثیت میں فضول و ناکارہ ثابت ہوں گی۔

آپ کو صدف کی مثال کو نگاہ کے سامنے رکھنا چاہیئے۔ لوگ کہتے ہیں جب سوانتی نکشتر میں پانی برستا ہے تو ایک قطرہ اس کا سیپ میں چلا جاتا ہے اور وہی موتی ہوتا ہے سیپ جانتی ہے ستارہ چمکے گا۔ وہ وقت مقررہ پر سمندر کی سطح پر آ جاتی ہے۔ اور پانی کی بوند کا انتظار کیا کرتی ہے۔ جہاں بوند اس میں داخل ہوگئی۔ وہ منہ بند کر کے جھٹ سمندر میں غوطہ کھا جاتی ہے۔ اور پانی کی تہ میں بیٹھ کر صبر کے ساتھ اس وقت تک انتظار کرتی ہے۔ جب تک وہ بوند موتی نہیں بن جاتی۔ ہم کو بھی اس سیپ اور صدف کی تقلید کرنی چاہیئے۔ پہلے سنیئے تب سمجھئے پھر تمام جھگڑوں کو دور ہٹا کر دل کو اس طرف رجوع کریں۔ اور سچائی کی تکمیل و نشو و نما میں مصروف ہو جاؤ۔ تاکہ تمہارے اندر سچائی کا پرکاش ہو۔ جو لوگ محض عجائب پسندی یا یوگ کو نئی بات سمجھ کر ہاتھ میں لیتے ہیں۔ ان کی طاقت چند ہی روز بعد منتشر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کو نئے نئے خیالات کی دھن لگی رہتی ہے۔ پہلے ایک چیز لے لیں۔ اس کو کریں اور جب تک اس کا نتیجہ نہ دیکھ لیں۔ کبھی ترک نہ کریں۔ جو شخص کسی ایک دھن میں لگ جاتا ہے صرف وہی سچائی کو دیکھ سکے گا۔ جو لوگ کچھ یہاں سے اور کچھ وہاں سے لیتے رہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ کچھ نہ لگے گا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے چاہے کچھ کر لیں مگر انجام میں کامیابی مشکل ہے وہ پرکرتی (مادہ) کے غلام رہیں گے۔ اور اندریوں کے لپیٹ سے کبھی نہ بچ سکیں گے وہاں ہی ہیں اور وہاں ہی رہیں گے۔

جو یوگی ہونے کی تمنا رکھتے ہیں وہ تلوّن مزاجی کو چھوڑ دیں۔ آپ صرف ایک خیال کر لیں۔ اسی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں۔ اسی کا خواب دیکھیں۔ اسی کو سوچتے رہیں۔ اسی پر ڈٹے رہیں۔ جسم۔ دل۔ دماغ۔ رگ و ریشہ میں وہی سرایت کر جائے۔ سارا جسم چوٹی سے ایڑی تک صرف وہی ایک خیال دل میں رہے۔ باقی اور کسی کی گنجائش نہ ہو۔ یہ کامیابی کا راز ہے اور بڑے بڑے روحانی طاقت والے اسی تدبیر سے کامیاب ہوئے ہیں۔ دوسرے لوگ صرف بکواس کرنے والی مشین ہوتے ہیں۔ اگر منظور ہے کہ آپ پر برکت نازل ہو اور آپ دوسروں کو با برکت بناؤ۔ تو گہرے ہو جائیے۔ پہلے ہی قدم پر من کو متزلزل اور کمزور نہ کیجئے۔ اور ایسے آدمی یا ایسے خیالات سے بے تعلق رہیں جو چت کی یکسوئی کو زائل کرتے ہیں۔ آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے۔ کہ بعض آدمی، بعض غذائیں بعض مقامات اور بعض چیزوں کے دیکھنے سے نفرت آتی ہے۔ ان سے بچ کر رہیں۔ اور جو سب سے زیادہ اونچی حالت کے خواہشمند ہیں وہ اچھے اور برے دونوں کی صحبت سے کنارہ کش رہیں۔ ابھیاس کریں مضائقہ نہیں مرو خواہ جیو۔ خواہ مارے جائیں۔ کام میں لگ جائیں نتیجہ کا بھول کر بھی خیال نہ کریں۔ اگر آپ بہادر آدمی ہیں، چھ مہینہ میں پورے یوگی بن جائیں گے۔ خوشہ چینی اچھی نہیں ہے سبق پڑھ کر اس پر عمل نہ کرنا نادانی ہے جن میں آپ ہیں اگیانی اور سست ہیں۔ اور من کو کسی ایک خیال پر قائم نہیں رکھ سکتے۔ اور محض اپنی تفریح کے خیال سے مذہب، فلاسفی کے لیکچر سنا کرتے ہیں، لوگ ان کے لئے نہیں ہے۔ انہوں نے مذہب کو مذاق۔ تفریح اور دل لگی سمجھ رکھا ہے۔ ان میں استقلال نہیں ہے۔ وہ ایک بات سن لیتے ہیں۔ آہا کتنا اچھا ہے۔ اور گھر جا کر بھول جاتے ہیں کامیابی کے لئے سخت قسم کا آہنی استقلال اور مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہے۔ روح کہتی ہے "میں سمندر کو پی جاؤں گی میرے ارادہ کے سامنے پہاڑوں کو پاش پاش ہونا پڑے گا"۔ اس قسم کا ارادہ ہو۔ اس قسم کا کام ہو۔ اس طرح کا استقلال ہو تب آپ کی منزلیں آپ کے خیر مقدم کے لئے آگے بڑھیں گی۔ اور آپ کا سواگت کریں گی۔





دھیان اور سمادھی

ہم نے سرسری طور پر "راج یوگ" کے چھ مختلف مرحلوں کی وضاحت کر دی۔ لطیف مرحلے باقی ہیں جو یوگ کے مقصد اور اصلی غرض کہلاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں ہم کو جو کچھ گیان ہے اس کا زیادہ حصّہ ایسا ہے جس کو ہم مرئی جانتے ہیں مثلاً ہم میز کو دیکھ لیتے ہیں اور اس سے سمجھتے ہیں کہ ہم یہاں موجود ہیں میز سامنے رکھا ہوا ہے۔ اور ہم چیزوں کو دیکھتے، سنتے چھوتے ہیں پھر بھی ہستی کے متعلق بہت بڑا علم ایسا بھی ہے جس کو ہم نہیں جانتے۔ جسم کے اندر کی مختلف اندریاں۔ دماغ کے مختلف حصّے خود دماغ ایسے اسباب ہیں جن کا کسی کو گیان نہیں ہے۔

ہم جب کھانا کھاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم کھا رہے ہیں۔ لیکن اس غذا کو تحلیل و تقسیم کرنے کا کام ہمارے جسم کے اندر خود بخود ہو رہا ہے۔ اس کا ہم کو کوئی علم نہیں۔ یہ غذا خون بنتی ہے۔ خون سے اور اور چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ ہم ہی اس کو کر رہے ہیں مگر نہیں جانتے، اس جسم میں اس کے کرنے والے ہم ہی تو ہیں۔ اس میں دس بیس، پچاس آدمی تو نہیں ہیں۔ لیکن ہم کو کس طرح معلوم ہو کہ جسم کے اندر کام کرنے والے ہم ہی ہیں اور دوسرا کوئی نہیں۔ لوگ کہیں گے اس سے آپ کو کیا پڑی ہے۔ آپ کا کام صرف کھانا اور اس کو تحلیل کرنا ہے۔ اس غذا سے جسم کا بنانا دوسرے کا کام ہوگا۔ یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ اچھی طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے جسم کے سارے کام کو علم کے طبقہ میں لا کر دکھا دیا جا سکتا ہے۔ دل دھڑک رہا ہے۔ اس پر ہمارا اختیار نہیں ہے ہم میں سے کوئی اس پر قابو نہیں رکھتا۔ وہ اپنے ڈھنگ پر کام کر رہا ہے۔ لیکن ابھیاس سے آدمی من پر قابو پا سکتا ہے۔ یہاں تک اس کی حالت ہو جاتی ہے کہ وہ انسان کی خواہش پر نہ صرف دھڑکنے لگ جاتا ہے بلکہ آہستہ چلتا ہے۔ اگر حکم دیا جائے۔ تو بالکل اس کا دھڑکنا بند ہو جاتا ہے۔ قریب قریب جسم کا ہر ایک حصّہ قابو میں آ سکتا ہے۔ اس سے کیا سمجھ میں آتا

راج یوگ صفحہ 140

ہے، جو بات ہمارے ظاہری علم میں نہیں ہے۔ اس کے کرنے والے بھی ہم ہی خود ہیں۔ اور ہماری ہی ذات سے اس کا بھی کام ہو رہا ہے، گو ہم ظاہرہ طور پر اس کو جانتے نہیں۔ ہمارے جسم میں دو طبقے ہیں جن میں مَن کا کام ہوتا رہتا ہے۔ پہلا وہ ہے جس کی ہم کو خبر رہتی ہے اور جس کے ہر کام میں ہر بات میں، ہر خیال میں اہنکار یعنی خودی کے سنسکار کی شمولیت ہوتی ہے۔ دوسرا وہ ہے جس میں یہ "اہم" بھاو شامل نہیں ہوتا۔ چھوٹے جانوروں میں اس نادانستگی کے کام کرنے کی عادت کو عقلِ حیوانی کا نام دیا جاتا ہے۔ اونچے درجہ کے جانداروں اور بڑے جانداروں (انسان) میں یہ دوسرا طبقہ جس میں اہنکار اور خودی رہتی ہے موجود ہوتا ہے اور ان کو اس کا علم بھی ہوا کرتا ہے۔

لیکن صرف یہی بات نہیں ہے۔ اس سے بھی اونچا طبقہ ہے جہاں انسان کا مَن کام کرتا ہے وہ اس سمجھ بوجھ کے طبقہ سے بھی اونچا جا سکتا ہے۔ جس طرح نادانستگی کا کام سمجھ بوجھ کے طبقہ سے نیچا ہے ویسے ہی اس سے بھی اونچا طبقہ ہے جو اس سمجھ بوجھ والے حصہ سے اوپر ہے۔ خودی یا اہنکار کی جگہ صرف درمیانی ہے جب مَن نیچے یا اوپر چلا جاتا ہے اس "مَیں" کا ذھیہ ہو جاتا ہے۔ جب مَن اس ظاہری سمجھ کے طبقہ سے اونچے چڑھتا ہے۔ اسی کا نام "سمادھی" ہے۔ یہ سمجھ کے طبقہ سے پرے ہے۔ لیکن ہم کیسے سمجھیں کہ سمادھی کی حالت میں پہنچا ہوا آدمی اونچے کی طرف گیا ہے، نیچے کی طرف نہیں؟ کیونکہ ہر دو حالت میں کام کرتے وقت خودی نہیں رہتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اس کے نتیجہ کو دیکھیں۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اونچے گیا ہے یا نیچے۔ جب آدمی سوشپتی یعنی گہری نیند میں جاتا ہے وہ سمجھ کے طبقہ سے یپنچے پہنچتا ہے وہ ہر وقت جسم کے ساتھ رہتا ہے۔ سانس لیتا ہے، حرکت کرتا ہے، بلا کسی خودی کے سنسکار کے کام کر رہا ہے۔ جب بیدار ہوتا ہے اس کی حالت وہی رہتی ہے جو پہلے تھی۔ اس کی سمجھ بوجھ میں کچھ ترقی نہیں ہوتی۔ نہ اس کا علم بڑھتا نہ روشن ضمیری آتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص سمادھی میں چلا جائے تو اگر نادان بھی ہے تو دانا بن جاتا ہے۔

فرق کی کیا بات ہے؟ ایک حالت میں تو انسان جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہا۔ دوسری حالت میں وہ دانا، روشن ضمیر اور صاحبِ فہم ہو گیا۔ سنت بن گیا۔ چال چلن بدل گیا۔ اور زندگی بدل گئی۔ یہ دونوں نتیجے تمہارے سامنے ہیں۔ چونکہ نتیجے مختلف ہیں۔ اس لئے ان کے سبب بھی مختلف ہوں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سمادھی کی حالت نادانستگی و دانستگی کی حالتوں سے مختلف اور خاص قسم کی ہے اس کا گیان ظاہری سمجھ بوجھ والی حالت سے کہیں اونچی کا ہے۔

یہ سمادھی کا مختصر حال ہے اس سے فائدہ کیا ہوتا ہے؟ فائدہ یہ ہے کہ عقل کا میدان تنگ ہے۔ مَن کے کام کرنے کا ڈھنگ تنگ و محدود رہتا ہے۔ انسان کے دل کے اندر ایک محدود چھوٹا سا دائرہ ہے مَن اس کے ارد گرد چکر لگایا کرتا ہے۔ اس سے باہر جانا مشکل ہے ہزار کوشش کی جائے۔ اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ لیکن جس بات کو انسان سب سے زیادہ قیمتی، عزیز اور قابلِ عزت جانتا ہے وہ اس تنگ دائرہ سے باہر ہے اس قسم کے سوال مثلاً کیا روح آتما لافانی ہے، ایشور کی ہستی ہے وہ دنیا کا اعلیٰ منتظم و نگران ہے۔ ان سب سوالوں کو انسانی عقل حل نہیں کر سکتی۔ عقل

ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی۔ عقل کیا کہتی ہے؟ اس کو بھی سن لو۔ "میں نہ ہاں نہ نہیں کہہ سکتی ہوں"۔ مگر یہ سوالات کیسے ضروری ہیں اگر ان کا جواب نہ ملے تو انسان کی زندگی غیر ممکن ہو جائے۔ تمام اخلاقی اصول، تمام اخلاقی تعلیم اور اس کے سارے نیک اوصاف، انسان کی اصلی بزرگی کے سامان یہ سب اس طبقہ سے آتے ہیں جو اس محدود دائرے سے پرے ہے۔ اگر ان سوالوں کا معقول جواب نہ دیا جائے تو ابھی ہماری زندگی درہم برہم ہو جائے۔ اگر زندگی ناپائیدار ہے پانچ دس منٹ کی ہے۔ اگر مادہ کے ذروں سے مل کر زندگی بنتی ہے۔ تو پھر ہم کو دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں ہم کسی پر رحم کریں؟ کیوں انصاف مدنظر رکھا جائے؟ جب تک زندگی ہے خوب عیش کیوں نہ کریں؟ کیوں نہ رنگ رلیاں منائیں؟ اگر آئندہ کی امید نہیں ہے تو اپنے بھائی کا گلا کاٹ کر کیوں نہ دنیا کے مزے اڑائیں؟ کیا تم آج کل کے عقل والے آدمیوں کی باتیں نہیں سنتے۔ وہ اخلاق کو صرف سوسائٹی کے ترتیب میں رکھنے کے لیے ایک ضروری اصول بتاتے ہیں۔ اس سے زیادہ اس کو اہمیت نہیں دیتے۔ کیوں؟ جواب یہ ہے زیادہ آدمیوں کو زیادہ نفع پہنچے۔ میں کیوں ایسا کرنے لگا ہوں کیوں زیادہ آدمیوں کو زیادہ نقصان نہ پہنچاؤں۔ اگر اس سے مجھ کو نفع پہنچتا ہے۔ نئی تہذیب کے شیدائیوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے تم کو نیک و بد کا علم ہی کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھ کو خوشی کی خواہش ہے اور میں اس خواہش کو پوری کرتا ہوں۔ یہ مجھ میں قدرتی بات ہے اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ کو خواہش ہے میں خواہش کو پوری کروں گا۔ تم کو کیوں شکایت ہونی چاہیے۔ "ہماری سچائیاں جو انسانی زندگی سے وابستہ ہیں۔ اخلاق کے اصول۔ روح کی لافانیت کے سوال کا ضروری حل۔ ایشور کی ہستی۔ پریم اور ہمدردی کے مسئلے۔ نیک بننے اور بے غرضانہ زندگی بسر کرنے کی ہدایتیں یہ آخر کہاں سے آتی ہیں؟

تمام اخلاقی اصول تمام انسانی فرائض تمام انسانی خیالات کا دارومدار صرف بے غرضانہ کام کرنے کے خیال کے اردگرد چکر لگاتے ہیں۔ انسانی زندگی کے جملہ اوصاف و مقاصد کا لب لباب صرف ایک لفظ ہے بے غرضی۔ مگر ہم کیوں بے غرض بنیں؟ اس کی ضرورت، اس کی اہمیت اور اس کی عظمت کہاں ہے؟ میں کیوں ایسا بنوں؟ تم کو اپنی عقل پر ناز ہے تم عقل کے قائل ہو۔ لیکن اگر اس سوال کا معقول جواب نہیں دے سکتے۔ تو تم بے عقل ہو۔ مجھ کو سبب بتاؤ میں کیوں بے غرض بنوں میں اپنی غرض کو کیوں نگاہ کے سامنے نہ رکھوں۔ میں حیوان کی طرح کیوں بے عقلی سے کام کروں؟ بے غرضی اچھی بات ہے۔ لیکن اس کا سبب بھی ضرور ہوگا سبب بتاؤ۔ اگر یہ کہو کہ فلاں شخص ایسا کرتا ہے تو میں اس بات کا قائل نہیں ہوں۔ اس کا کرنا نہ کرنا میرے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ میرا اصول بن گیا ہے کہ میں خود غرض ہو جاؤں۔ اس میں مجھ کو سکھ ملتا ہے۔ میں دوسروں کو دھوکا دے کر کیوں نہ خود خوش ہوں؟ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ نئی تہذیب جواب نہیں دے سکتی۔ جواب یہ ہے یہ دنیا لامحدود برہمانڈ کے سمندر میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اس برلسی زنجیر میں ایک معمولی کڑی ہے جنہوں نے بے غرضانہ زندگی کی تعلیم دی۔ ان کو کہاں سے یہ اصول مل گیا؟ ہم دیکھ رہے ہیں نہ یہ عقل حیوانی سے متعلق ہے نہ عقل انسانی سے۔ عقل اس کو جان نہیں سکتی۔ پھر یہ کہاں سے آیا؟

لارج لیگ صفحہ 42

تواریخ کہتی ہے۔ مذہب کہتا ہے یہ ایسے طبقہ سے آیا ہے جو اس سے پَرے ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب کسی نہ کسی صورت میں اس سچائی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کو یہ خیالات اونچے طبقات سے ملے۔ مگر ان میں سے بہت کم آدمیوں نے ان کو سمجھا۔ ایک شخص کہے گا۔ فرشتہ نے آکر یہ پیغام سنایا۔ دوسرا اپنا دیوتا پیش کرتا ہے۔ تیسرا کہتا ہے میرے بزرگوں نے خواب میں مجھ کو یہ سندیسہ دیا۔ اس کے سوا اور کوئی حل نظر نہیں آتا۔ مگر انسان میں یہ بات معمولی ہے۔ یوگ تعلیم دیتا ہے کہ یہ باتیں اعلیٰ طبقات سے آئیں مگر ان کا اظہار انسان کے اندر ہی ہوا ہے۔

یوگی بتلاتا ہے کہ من عقل کے دائرہ سے اونچے بھی جا سکتا ہے۔ وہ فوق العقل کی حالت ہے عقل کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ جو یوگ کو نہیں جانتا ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے۔ اور پھر اس کی تاویل خارجی واقعات سے منسوب کرتا ہے۔ جب اس کے عقاید و توہمات مل جاتے ہیں۔ اس کی شکل بدل جاتی ہے مذہب کے بانی ٹھوکر کھا گئے اور اس کو سمجھ نہ سکے۔ یوگی کہتا ہے ٹھوکر کھانے میں خطرہ ہوتا ہے بعض حالتوں میں تو دماغ کے برباد ہو جانے کا خوف رہتا ہے بعض تو اس قدر محویت میں آ گئے کہ تاریکی میں ٹٹولنے لگے۔ اور وہم و باطل پرستی کو اپنے علم کے ساتھ ملا دیا۔ اور ان سے بالعوض فائدہ کے نقصان ہو گیا۔

یوگی کے تمام مدارج کا انحصار سائینس پر ہے اور وہ سائینس کے اصول کے موافق انسان کو اعلیٰ طبقہ پر لانے کا اہتمام کرتا ہے۔ یہ اعلیٰ طبقہ سمادھی ہے انسان جیسے پہلے تھے ویسے ہی اب بھی ہیں جیسے پہلے ان میں روحانی قابلتیں آتی تھیں اب بھی آ سکتی ہیں۔ اگر پہلے یوگی اور سنت ہو سکتے تھے۔ تو ہم اور تم بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ اس درجہ پر پہنچ جاتے تھے ہم اور ہم بھی اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ان میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں تھی۔ جو ہم میں اور تم میں نہ ہو۔ ان کے یوگ کے مدارج طے کرنے کا واقعہ بطور خود صریحی ثبوت ہے۔ کہ ہم اور تم بھی ان کو طے کر سکتے ہیں۔ اس حالت پر پہنچنا مذہب ہے اور ہر شخص اگر سچائی کو سمجھے بغیر دلیل بازی میں لگا رہے تو کچھ کام نہ نکلے گا۔ تم کسی آدمی کو محض کتاب دے کر جراح یا ڈاکٹر نہیں بنا سکتے۔ تم ایک نقشہ دکھا کر ہمارے دنیا کی سیاحت کے شوق کو پورا نہیں کر سکتے۔ مجھ کو خود تجربہ ہونا چاہیئے نقشوں سے شوق پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن گیان یا علم نہیں مل سکتا۔ اور اس معنی میں ان کی کوئی قیمت نہیں ہے ہمیشہ کتابوں کے کیڑے بنے رہنے سے دل و دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ ایشور کا گیان محض کسی کتاب کے پڑھنے تک محدود ہے سخت غلطی اور جہالت ہے۔ انسان کو خود تجربہ کر کے کوشش کر کے دیکھنا چاہیئے۔

اس حالت میں پہنچنے کے لئے "راج یوگ" آپ کو کئی مرحلوں کی تعلیم دیتا ہے پرتیا ہار اور دھارنا کے بعد دھیان کا درجہ آتا ہے جب من کسی ستھان پر یا نقطہ پر اندر یا باہر کی طرف ٹھہرنے لگا اس میں خود بخود ایسی طاقت آ جاتی ہے کہ وہ اس کی طرف ہمیشہ جانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس کو دھیان کہتے ہیں جب دھیان اتنا گہرا ہو جاتا ہے کہ باہر کی کسی چیز کا خیال نہیں رہتا۔ اور ایک ہی اندرونی نقطہ یا ستھان پر جم جاتا ہے اس کو سمادھی کہتے ہیں دھارنا

دھیان۔ سمادھی۔ ان تینوں کا مجموعی نام سنیم یا سنجم ہے یعنی چت کا ایک جگہ ٹھہرنا۔ اس کو دیر تک ٹھہرا رکھنا۔ اور پھر ٹھہر کر لگاتار یکسوئی کے ساتھ اس کے اندرونی حصہ میں قائم ہو جانا سمادھی کہلاتا ہے۔

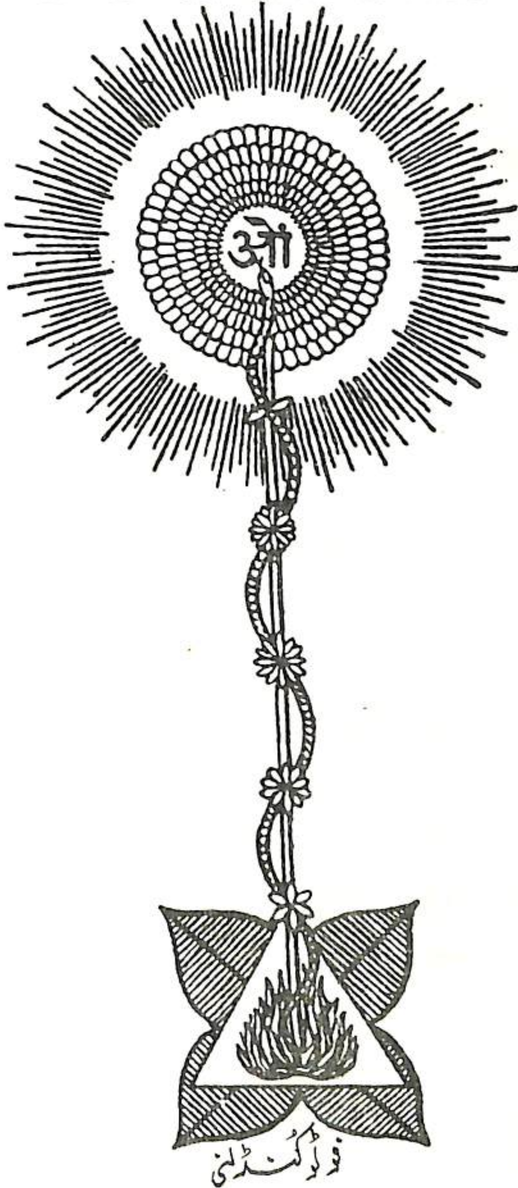
دھیان کی حالت انسانی ہستی کی نہایت باوقعت حالت ہے جب تک انسان میں خواہش ہے تب تک اس کو اصلی سکھ نہیں مل سکتا۔ جو صرف ساکشی کی طرح رہتا ہے اس کو اصلی سکھ نصیب ہوتا ہے۔ جانوروں کی خوشی اندریوں میں ہے انسان کی خوشی عقل میں ہے اور دیوتاؤں کی روحانیت میں ہے جب روح یہ لطافت اور فضیلت کی حالت حاصل کر لیتی ہے دنیا زیادہ خوبصورت اور فرحت بخش تصویر بن جاتی ہے۔

یہ سب باتیں دھیان میں سمجھ میں آسکتی ہیں ہم آواز کو سنتے ہیں۔ پہلے اس میں باہر کی طرف ایک قسم کی تھرتھراہٹ ہوتی ہے پھر رگوں کی حرکت اس کو من کی طرف لے جاتی ہے تیسری دفعہ من سے ایک لہر نکل کر اس چیز کو اپنے وشے (ماتحت) بناتی ہے۔ اور تب اس خارجی چیز کا علم ہوتا ہے جس سے یہ آکاش کی لہریں پیدا ہوئی تھیں۔ یوگ میں ان تینوں کو شبد، آواز، ارتھ، مقصد، گیان، علم کہتے ہیں۔ اندری گیان سے ہر کام میں یہ باتیں ملیں گی۔ اور ہم کو چاہیئے کہ ان پر غور کر کے ان کے درمیان فرق کو دیکھتے رہیں۔

جب سالک ابتدائی مرحلوں کو طے کر کے من کو مضبوط و ماتحت بنا لیا۔ اور اس میں لطیف گیان حاصل کرنے کی طاقت آگئی تب دھیان میں لگانا چاہیئے۔ یہ دھیان آہستہ آہستہ سھول سے شروع ہو کر لطیف حالت کو پہنچتا ہے۔ اور پھر ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کی شکل و صورت نہیں رہتی من کو پہلے اندریہ گیان کی طرف تب اندرونی حرکت اور پھر من کی وِرتی کی رفتار کے سمجھنے میں لگانا چاہیئے۔ جب وہ اندریہ گیان کے باہری چیزوں کے جاننے میں کامیاب ہو گیا۔ تب وہ مادی اشیا کے لطیف حالت کے سمجھنے کے قابل بنے گا۔ اور سوکشم اثر اور رنگ و روپ کو سمجھے گا۔ جب اس کو اندرونی حرکتوں کی خود بخود خبر آنے لگتی ہے وہ دماغ کی لطیف لہروں کو بس میں لاسکے گا۔ اور جسمانی قوتوں پر اثر انداز ہونے سے پہلے ان کو سمجھ سکے گا۔ اور جب وہ دماغ کی دھاروں کو محسوس کرنے لگے گا۔ اس کو ہر ایک محسوس چیز کا علم ہونے لگے گا۔ کیونکہ ہر محسوس چیز اور ہر خیال کا تعلق اس کے دماغ سے ہے۔ تب وہ اپنے من کی بنیاد کو سمجھ جائے گا۔ اور اس پر اچھی طرح حاوی ہو جائے گا۔ یوگیوں میں مختلف طرح کی سدھی شکتیاں بھی آجاتی ہیں۔ اگر وہ ردھیوں اور سدھیوں کے لالچ میں پڑ گیا۔ تو پھر ترقی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ بھوگ کے پیچھے دوڑنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ مضبوط ہے اور ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ تو وہ یوگ کی منزل کو طے کر لے گا۔ من کے سمندر کی لہریں اس کے بس میں آجائیں گی تب روح کا جلال اپنے لاثانی نور میں جلوہ افگن ہو گا۔ اور من اس پر پردہ نہ ڈال سکے گا۔ اور یوگی تب دیکھ لے گا کہ وہ لافانی ہے اور اپنی ذات کی اس کو خبر پڑ جائے گی۔

سمادھی کا حق ہر انسان و حیوان کو حاصل ہے۔ چھوٹے جانوروں سے لے کر بڑے شاندار دیوتاؤں تک

سب کو کسی نہ کسی وقت اس حالت میں آنا ہوگا۔ اور سچے مذہب کی ابتدا تب ہی شروع ہوگی۔ پھر اس وقت ہم سب لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ہم اس منزل کی طرف جانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اس وقت ہم میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں۔ جو صاحبِ مذہب نہیں ہیں۔ کیونکہ نہ ہم کو تجربہ ہے نہ ان کو تجربہ ہے۔ تجربہ حاصل کرنے کے سِوا اور اس من کی یکسوئی کا نفع بھی کیا ہوتا ہے؟



فوٹو کنڈلنی

راج یوگ صفحہ 45

راج یوگ کا مختصر بیان

راج یوگ کا مختصر بیان "کورم پران" سے ترجمہ کرتے ہیں۔

یوگ کی آگ پاپ کے پنجرے کو جو انسان کو قید کئے ہوئے ہے خاکستر کر دیتی ہے۔ گیان شُدھ اور پوتر ہو جاتا ہے اور نروان کی اوستھا پراپت ہوتی ہے۔ یوگ سے گیان ملتا ہے۔ اور گیان یوگی کا مددگار اور معاون بنتا ہے جس میں یوگ اور گیان دونوں ہیں اس سے ایشور اپنے لطف و کرم کی بارش کرتا ہے۔ جو دن میں ایک۔ دو تین بار یا سدا ہی مہا یوگ کا ابھیاس کرتے ہیں وہ دیوتا ہیں فرشتے ہیں انسان نہیں۔ یوگ کے دو حصے ہیں ایک ابھاو کہلاتا ہے دوسرا مہا یوگ ہے جس سے اپنے آتما کا دھیان بطور صفر یا نرگن کے کیا جاتا ہے وہ ابھاو ہے جس سے ایشور کا دھیان کیا جاتا ہے مہا یوگ ہے۔ یوگی ان میں سے جس یوگ کے کمانے سے خود شناس اور خدا شناس بن سکتا ہے۔ دوسرے یوگ جن کا ذکر ہم سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں اس قدر اعلےٰ اور ارفع نہیں کہ انہیں مہا یوگ کا ہم پلہ کہا جا سکے۔ صرف مہا یوگ کی بدولت انسان اپنے اندر اور ساری کائنات میں ایشور کے درشن کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ سب یوگ سے مہا اُتم یعنی اعلےٰ ترین ہے۔

راج یوگ کے انگ یہ ہیں:۔

یم۔ نیم۔ آسن۔ پرانا یام۔ پرتیا ہار۔ دھارنا۔ دھیان اور سمادھی۔

"اہنسا۔ ستیہ۔ استیہ۔ برہمچریہ۔ اپری گرہ" یم ہے۔ اس سے چت شُدھ ہوتا ہے۔ من بچن کرم سے کسی جاندار کو ایذا یعنی دکھ نہ دینا اہنسا ہے۔ اور اہنسا پرم دھرم ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی سکھ نہیں ہے۔ کہ انسان کسی مخلوق کو ضرر یا نقصان نہ پہنچائے سچائی سے ہم نصب العین حاصل کرتے ہیں سچائی سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور سب کچھ سچائی پر ہی منحصر ہے۔ جو جیسا ہے اس کو ویسا بتانا سچائی ہے۔ کسی کی کوئی شے چوری نہ کرنا "استیہ" ہے۔ من بچن کرم

یعنی خیال۔ قول اور فعل سے پاک و صاف رہنا برہمچریہ ہے۔ کسی سے کچھ نہ لینا، دکھ کے وقت بھی لینے کی اچھیا نہ رکھنا اپری گرہ ہے۔ جب کوئی منشیہ کسی سے کچھ لے لیتا ہے۔ اُس کا من اپوتر ہو جاتا ہے۔ پھر وہ نیچ بن جاتا ہے۔ اُس کی آزادی جاتی رہتی ہے وہ بندھن میں پھنس جاتا ہے۔

یوگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل باتیں بہت مددگار ہیں۔ انہیں نیم یا مستقل عادتیں یا ضروری قواعد کہا جاتا ہے۔ تپ یعنی نفس کشی سوادھیائے (پاٹھ یعنی مطالعہ مقدس کتب کا) سنتوش (قناعت یعنی صبر تسلیم و رضا) شوچ یعنی طہارت (صفائی اندرونی و بیرونی) ایشور پرندھان (ایشور پوجا یعنی عبادت خدا) کو نیم کہتے ہیں۔

جسم کے بس میں لانے کی غرض سے فاقہ کرنا تپ یعنی روزہ ہے۔ وید منتروں اور دوسری مقدس کتابوں کا مطالعہ یا پاٹھ کرنا سوادھیائے ہے۔ یہ تین طرح کا ہے۔ زبان سے پڑھنا۔ زبان اور دل سے پڑھنا۔ اور قلب سے پڑھنا۔ زبان کا سوادھیائے سب کے سننے میں آتا ہے۔ دل اور زبان کے سوادھیائے میں ہونٹ وغیرہ ہلتے ہیں۔ آواز سنائی نہیں دیتی۔ اگر کوئی پاس بیٹھا ہو تو وہ بھی نہیں سن سکتا۔ قلبی ذکر و فکر اور مطالعہ میں نہ آواز سنائی دیتی ہے نہ ہونٹ ہلتے ہیں۔ من ہی من میں کالج ہوتا ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ اور ارفع مطالعہ ہے۔ شوچ دو طرح کا ہے۔ اندری اور باہری طہارت۔ جسم کو پانی وغیرہ سے نہا دھو کر پوتر یعنی پاک و صاف کیا جاتا ہے۔ قلب و باطن کی پوترتا یعنی پاکیزگی ستیہ بھاشن یعنی حق گوئی اور دھرم بھاؤ (ایمان) سے ہوتی ہے۔ یہ انتریہ شوچ (باطنی طہارت) ہے۔ دونوں بے حد ضروری بلکہ لازمی ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہونا چاہیئے کہ انتر یا باطن شدھ ہے اور باہر جسم میلا ہو۔ انتر کی (باطنی طہارت) پوترتائی اچھی ہے لیکن باہر جسم کی پوترتائی (پاکیزگی و طہارت) کے بغیر کوئی بھی یوگی نہیں ہو سکتا۔

ایشور پوجا سمرن بھجن اور استتی سے ہونی چاہیئے یعنی عبادت خدا کے لیے ضروری ہے کہ ذکر و فکر اور قول و فعل سے توحید کو دستورِ حیات بنائے۔

ہم نے یم اور نیم بتا دیئے۔ ان کے بعد آسن کی باری ہے یعنی کس حالت میں بیٹھ کر یادِ خدا کی جائے۔ آسن کے متعلق سمجھنے والی بات صرف اتنی ہے کہ جسم آزاد۔ ڈھیلا ہو۔ اور چھاتی۔ کندھے اور سر تنا ہوا۔ ایک سیدھ میں عموداً اوپر اٹھا ہوا ہو۔

اس کے بعد پرانایام کی باری ہے۔ پرانایام کی بھی تین قسمیں ہیں۔ آسان۔ متوسط درجہ کا اور بہت اعلےٰ۔ انہیں ہندی میں نکشٹ، مدھیم اور اتم کہا جاتا ہے۔ پرانایام کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ سانس اندر کھینچنا، اسے اندر ٹھہرائے رکھنا اور باہر نکالنا۔ جب آپ بارہ سیکنڈوں سے شروع کرتے ہیں۔ تو یہ پرانایام معمولی اور آسان ہوتا ہے۔ اگر آپ بیس سیکنڈوں سے شروع کرتے ہیں تو یہ درمیانہ یعنی مدھیم۔ بہترین یعنی اتم پرانایام وہ ہے جو چھتیس سیکنڈوں سے شروع کیا جائے۔ آسان اور معمولی پرانایام کرنے سے جسم کو پسینہ آنے لگتا ہے۔ متوسط درجے کے پرانایام سے جسم کانپنے

لگتا ہے۔ اور اعلیٰ ترین پرانایام سے دِل میں کیف و سُرور آنند آتا ہے۔

ایک وید منتر (چھند) گائیتری منتر ہے۔ جو ویدوں میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جس کے معنی ہیں "ہم الیشور کی مہا ــــــ خدا کی عظمتوں اور بڑائیوں کا ذکر و فکر کرتے ہیں۔ جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے اور سرشٹی کی رچنا کی ہے۔ یہ الیشور ہمارے قلب و ذہن کو روشنی دے اور ہمارے دِلوں اور مَنوں کو اپنے نور سے منوّر کر دے۔"

گائیتری منتر کے آغاز اور انجام شروع آخر میں "اوم" کا اضافہ کر لینا چاہیئے۔ ایک پرانایام میں تین دفعہ گائیتری منتر کا جاپ کیجئے۔

تمام کتابوں، گرنتھوں میں پرانایام کے تین حصّے ہیں۔ ریچک ــــــ سانس باہر نکالنا۔ پُورک ــــــ سانس کو اندر کھینچنا اور کُمبھک ــــــ سانس کو اندر ٹھہرانا، روکنا۔ اِندریوں یعنی حواس کو جو باہر نکل کر دُوسری چیزوں سے دیکھ کر، سُن کر، چُھو کر، سُونگھ کر تعلق جوڑتی ہیں۔ انہیں قابو میں لانے کو پرتیاہار یعنی سمیٹنا کہا جاتا ہے۔ خیالات دماغ کے اندر، دِل کے کنوَل پہ (دو بھرو مدھیہ۔ دونوں آنکھوں کے بیچ مستک میں) مرکوز کرنا دھارنا کہلاتا ہے۔

جب خیالات ایک جگہ مرکوز ہو جائیں اور دھارنا میں پختگی آ جائے تب خاص قسم کی دماغی لہریں اُٹھنی شروع ہو جاتی ہیں۔ ان لہروں کو کوئی دُوسری لہریں فنا نہیں کر سکتیں۔ بلکہ یہ لہریں زیادہ نمایاں اور زوردار ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ دُوسری سب ترنگیں اور لہریں مر جاتی ہیں۔ اور صرف یہی خاص ترنگیں اور لہریں محیط ہو جاتی ہیں۔ اور پھر ان لہروں کی بہتات سے ان کی وحدت اور یگانگت اُبھرنے لگتی ہے۔ اور پھر ایک ہی لہر سب پہ چھا جاتی ہے۔ باقی سب لہریں اس میں جذب و فنا ہو جاتی ہیں۔ عبادت کے اس مقام کو دِھیان کہا جاتا ہے۔ اور جب عبادت کے لئے کسی بُنیاد کی ضرورت نہ رہے جب قلب و ذہن ایک لہر اور ترنگ بن جائیں۔ اور احساس دُنیا اور احساس خودی مِٹ جائے تو اس مقام کو سمادھی کہا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بندہ عشقِ الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے اور ماسوا اللہ، بلکہ خود اپنی ذات اور مقام سے بھی فنا ہو جاتا ہے۔ صُوفیوں کی زبان میں سمادھی کی اس حالت سے مراد فنا فی اللہ اور بقا باللہ ہی ہوتی ہے۔

اگر مَن کو کسی ایک مرکز پہ بارہ سیکنڈوں تک مرکوز رکھا جائے تو اسے دھارنا کہا جائے گا۔ ایسی بارہ دھارناؤں کو دِھیان کہا جائے گا۔ اور ایسے بارہ دِھیانوں کو سمادھی کہا جائے گا۔

جہاں آگ ہو، پانی ہو، ایسی پرتھوی پہ جہاں سوکھے پتّے پڑے ہوں یا جہاں جیو جنتو اور بھیانک پشو ہیں، چو راستے پہ، جہاں بہت شور و شر ہو، خوف کے مقام پہ، سانپ یا دُوسرے زہریلے جانوروں کے بِل کے نزدیک، جہاں دُشٹ آتما (مَن) والے منشیہ (بدنفس افراد) رہتے ہوں۔ وہاں بھُول کر بھی یوگ اُبھیاس کریں۔ جب جسم میں آلسیہ ہو یا بیماری ہو، تب اُبھیاس نہ کرنا چاہیئے۔ اُبھیاس یعنی ریاضت کی جگہ گُپت یعنی تخلیہ میں

ہونی چاہیئے۔ تاکہ لوگ آکر چھیڑ چھاڑ نہ کر سکیں۔ کوئی یہ نہ جاننے پائے کہ تم کیا کر رہے ہو۔ لوگوں کی فطرت ہوتی ہے کہ اگر کوئی کام چھپا کر کیا جائے۔ تو وہ جاننا چاہتے ہیں۔ اور اگر آپ چلّا کر یہ کہیں کہ ہم یہ کر رہے ہیں تو کوئی کچھ نہ کرے گا۔ جگہ میلی یا گندی نہیں ہونی چاہیئے بلکہ یہ جگہ سُہاونی، سُندر، منوہر، صاف ستھری ہو۔ یا پھر اپنے گھر کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر پہلے اپنے گورو کو اور ایشور کو، دوسرے عابدوں اور عارفوں کو دھیان میں نمسکار، سلام عقیدت کر کے آرمبھ یعنی شروع کریں۔

دھیان کرنے کا طریقہ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ سیدھے بیٹھ کر اپنی ناک پر چیت کی ورتی کو جمائیے اور من کو ایکاگر یعنی یکسو کیجیئے۔ اپنے سر پر کنول کا تصوّر کرو۔ جو کئی اِنچ اونچا ہو۔ دھرم، ایمان، جس کا کینڈر، مرکز اور پریدھ محیط، جس کا گیان توحید ہے۔ اس کنول کے آٹھ دَل، آٹھ پنکھڑیاں، یوگ کی آٹھ سدّھیاں ہیں۔ اس کنول کی جڑ میں ویراگ ہے۔ اگر یوگی دوسرے خارجی خیالات کو یکسر مسترد کر دے۔ اس کنول پر اپنی ساری توجّہ مرکوز کر دے تو یوگی مکتی پراپت کر لے گا۔

ان کراماتی اور معجز اثر طاقتوں یعنی رِدّھیوں، سدّھیوں سے ترک اور ویراگ ہونے پر اس کنول کی آٹھوں طاقتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اس کنول کا دھیان کرتے ہوئے تصوّر کیجیئے کہ اس سنہری نور، اس پر وردگار مالک کا جو خدا ہے، جو رحیم و کریم ہے۔ جو اپنی بے نیازی اور کبریائی کے انوار سے دلوں کی مُردہ زمین کو زندہ کرنے والا ہے جو نا قابلِ لمس ہے جس کا نام اوم ہے۔ جس کا بیان ممکن نہیں جو نوری نور، روشنی ہی روشنی سے چمک دمک رہا ہے۔ جو جیوتر مئے ہے اسی روشنی اور اسی نور کا تصوّر اور دھیان کیجیئے۔

دھیان کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔ اپنے دل میں ایک خلا کا تصوّر کیجیئے، جس میں ایک شمع جل رہی ہو خیال کیجیئے کہ یہ فروزاں شمع آپ کی رُوح ہے اور اس کی لَو میں جو روشنی کا جگمگ کرتا ہوا شعلہ ہے وہ کُل روحوں کی روح ——— پروردگارِ عالم ——— ایشور اور خدا کی روشنی ہے۔ اپنے دل میں اسی روشنی اور اسی شعلہ کا دھیان کیجیئے۔ برہمچریہ یعنی ایثارِ نفسی۔ دوسروں کو کسی طرح بھی ایذا نہ دینا۔ سچائی اور راستی۔ ایشور میں وشواس اور اعتماد و اعتقاد۔ اور اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی مُعاف کر دینا۔ اس کی کوتاہیوں اور غلط کاریوں کو نظر انداز کر دینا۔ یہ سب اخلاقی خوبیاں اپنے اندر پیدا کیجیئے۔ اگر ان میں آپ کو کمال نصیب نہیں تو ڈرنے یا جھجکنے کی کوئی بات نہیں۔ ریاضت و عبادت میں جُٹ جاؤ۔ یہ خوبیاں اپنے آپ پیدا ہو جائیں گی۔ یقین جانیئے کہ جس دل نے سب تعلّق اور رشتے توڑ دیئے ہوں اور بے نیاز ہو چکا ہو۔ جس نے اپنے دل سے ہر طرح کا رنج و خوف مٹا دیا ہو۔ جس کی رُوح ایشور میں ہی جذب و فنا ہو چکی ہو۔ جو اپنے آپ کو اس مالک کی پناہ میں پیش کر چکا ہو جس کا دل سب آلائشوں اور نفس کی سرکشیوں سے پاک و صاف ہو چکا ہو۔ جس کی سب خواہشیں مٹ چکی ہوں جس کے خیال و خواب میں

صرف اس سے ملنے کی ہی آرزو باقی رہ گئی ہو۔ اسے ایشور درشن ہوتے ہیں۔ اسے بارگاہِ عالی میں حضوری نصیب ہو جاتی ہے۔ اس لئے علم و گیان سے، محبت اور عقیدت سے، ترک و تیاگ سے، ویراگیہ اور نفس کشی سے اسی مالک کی عبادت و ریاضت کیجئے۔

"وہ میرا پیارا بھگت ہے، وہ میرا پیارا سیوک ہے۔ جس میں کسی کی ایرشا نہیں۔ جو سب کا متر ہے۔ جس کا اپنا کچھ نہیں۔ جس میں اہنکار نہیں، وہ سدا سکھی ہے۔ جو سدا یوگ کیا کرتا ہے۔ جس کا من شانت ہو گیا۔ جس کا ورت درڑھ ہے۔ جس کے بدھی اور من مجھ میں رہتے ہیں۔ اس کو میرا بھگت سمجھو۔ وہ کسی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا۔ دوسروں کو دکھ نہیں دیتا۔ جس نے سکھ، راحت۔ دکھ، عذاب۔ بھے، خوف چنتا، فکر کو تیاگ دیا۔ اور ان سے دامن کش ہو گیا۔ ایسا بھگت مجھ کو پیارا ہے۔ جس کا اور کوئی سہارا نہیں۔ شدھ۔ پوتر۔ ویراگی۔ جس کو اچھے برے کی چنتا نہیں۔ کبھی دکھی نہیں بنتا۔ استتی، تعریف۔ نندا، رسوائی میں سمان، برابر رہے۔ چپ، وچار وان من والا۔ تھوڑے میں سنتوشی قناعت کرنے والا۔ گرہ ہین سنسار کو اپنا گھر سمجھنے والا۔ اپنے وچار میں پکا۔ اپنے عقیدہ میں راسخ۔ ایسا انسان ہی یوگی بنتا ہے۔

ایک بہت بڑے ہندو رشی، سالک اور عابد ہوئے ہیں جن کا نام تھا نارد۔ جس طرح انسانوں میں یوگی ہوتے ہیں اسی طرح یوگیوں میں کوئی ایک کا درجہ بہت بلند و بالا ہوتا ہے۔ نارد بہت بڑے رشی تھے اور ان کا مقام اور درجہ بہت اونچا ہے۔ آپ ہر وقت گھومتے رہتے تھے۔ ایک دن آپ کا گزر ایک جنگل میں ہوا۔ جہاں انہوں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا۔ جو نہ جانے کتنی مدت سے ریاضت و عبادت کر رہا تھا۔ کہ چیونٹیوں نے اس کے سر پر اتنا اونچا گھر بنا لیا تھا کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہ جائیں۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ شخص بہت لمبے عرصہ سے عبادت کر رہا تھا۔ یہ شخص نارد سے بولا۔ "آپ کہاں جا رہے ہیں؟" نارد بولے: "میں سورگ جا رہا ہوں"۔ ——— "تب ایشور سے کہنا کہ وہ کب مجھ پر اس قدر مہربان ہوں گے کہ میں مکتی اور نجات حاصل کر لوں"۔ یہ شخص نارد سے بولا۔

کچھ اور آگے گئے۔ تو نارد نے ایک دوسرے شخص کو دیکھا۔ جو ناچتا کودتا اور گاتا ہوا ادھر ادھر خوشی سے اچھل رہا تھا۔ اس نے بھی نارد سے پوچھا کہ "آپ کدھر جا رہے ہیں"؟ اس شخص کی آواز اور لہجہ میں ایک عجیب وارفتگی سی تھی۔ نارد نے کہا۔ "میں سورگ جا رہا ہوں"۔ "تب!" وہ آدمی بولا۔ "ایشور سے کہنا کہ میں کب مکتی حاصل کروں گا؟" نارد یہاں سے سورگ پہنچے۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس راستے سے گزرے۔ وہ آدمی جسے اتنے عرصہ سے بھگتی کرتے ہو گئے تھے کہ اس کے سر پر چیونٹیوں نے ڈھیری کی صورت میں بل بنا رکھے تھے، بولا: "نارد جی! کیا آپ نے ایشور سے پوچھا تھا کہ وہ کب اس پر رحم و کرم کریں گے تاکہ میں نجات حاصل کروں"! نارد بولے: "کہا تھا۔ ایشور نے کہا تھا کہ ایسے چار جنموں کے بعد"۔ یہ سن کر اس شخص نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ اور کہنا شروع

کر دیا۔ کہ غضب ہو گیا میں نے اتنی عبادت و ریاضت کی ہے۔ کہ میرے سر پہ چیونٹیوں نے اتنا اونچا گھر بنا لیا ہے لیکن ایشور کی بے نیازی کی حد یہ ہے کہ یہ حکم فرمایا ہے کہ مجھے ابھی مکتی پانے میں ایسے چار جنم اور لگیں گے"۔ نارد آگے بڑھے تو دوسرے شخص نے راستہ روک لیا۔ اور کہا کہ "کیا میرا بھی سوال ایشور تک پہنچا دیا تھا؟" "ہاں پہنچا دیا تھا"۔ نارد بولے "یہ سامنے جو درخت دیکھ رہے ہو۔ اس کے جتنے پتے ہیں۔ جتنی شاخیں ہیں۔ آپ کو اتنے جنم لینے کے بعد شاید مکتی مل سکے"۔ یہ جواب سن کر اس شخص نے ناچنا گانا اور کودنا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگا:۔ "ہے ایشور، میں کس منہ سے تیرا شکریہ ادا کروں۔ تیرا اتنا رحم و کرم کہ میں اتنے مختصر سے عرصہ کے بعد مکتی پراپت کر لوں گا"۔ —— نارد یہ سن کر حیران رہ گئے تبھی انہوں نے سنا۔ آکاش وانی ہوئی، عالم غیب سے آواز آئی:۔ "جاؤ! ہم نے ابھی مکت کر دیا۔ ابھی سب بندھنوں سے رہا کر دیا"۔ جانتے ہیں یہ مکتی اسے اس قدر جلدی کیسے مل گئی؟ اس لئے کہ اس نے ایشور کے رحم و کرم پہ بھروسہ کیا۔ اس کے ہونٹوں پہ حرف شکایت نہیں آیا۔ بلکہ اس نے سچے دل سے اس کے لطف و کرم پہ اعتماد کیا۔ وہ اتنے جنم لینے، ایشور کو پانے کی تمنا کے سہارے بار بار جنم لینے کو بھی تیار تھا۔ کوئی بھی بات اس کا حوصلہ پست نہیں کر سکی۔ لیکن دوسرا شخص منہ سے بھگتی کرتا تھا دل سے اس پہ وہ ڈگالہ اور مالک کے خلاف گلہ و شکایت کر رہا تھا۔ چار مزید جنم لینے کی بات اس کے لئے ہمت شکن تھی۔ اسے اپنی بھگتی پہ گھمنڈ تھا۔ وہ مکتی کو گویا اپنا حق تصور کرتا تھا۔ اور اس قدر انتظار کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

یہ کہانی سنانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ "راج یوگ" میں، عبادت اور ریاضت میں وہی انسان کامیاب اور کامران ہو سکتا ہے جو صبر و استقلال سے کام لے کبھی ہمت نہ ہارے، دل نہ چھوڑے، مستقل مزاجی کی بدولت انسان اعلیٰ ترین زندگی —— معراج زندگی حاصل کر سکتا ہے۔







LETTERS
OF
SWAMI VIVEKANANDA

فہرست خطوط

جے بھگوان

غازی پور
3 مارچ 1890
جناب محترم[1]!

ابھی ابھی آپ کا نوازش نامہ ملا محترم آپ نہیں جانتے کہ ویدانت کی تعلیمات کا سخت معتقد ہو کر بھی میں بہت ہی رقیق القلب آدمی ہوں، اور یہی وجہ ہے کہ اپنے کیے پر آپ پانی پھیر دیتا ہوں۔ اپنے متعلق مجھے جو بھی ذرا سی فکر رہ گئی ہے اُس کی بنا پر حتی الامکان اپنی بہبود کے متعلق سوچنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود پھسل جاتا ہوں اور دوسرے لوگوں کے مفادات کے متعلق سوچنے لگتا ہوں، اِب کے تہیہ کیا تھا کہ خود کو اپنی فلاح و بہبود کے لیے آمادہ کروں گا لیکن الہ آباد سے اس خبر کے آتے ہی کہ ایک بھائی[2] علیل ہے میں دوڑ پڑا۔ اب رشی کیش سے یہ خبر آئی ہے اور میرا دل جیسے کھنچے لیے جا رہا ہے شرت[3] کو تار دیا تھا لیکن اب تک کوئی جواب نہیں آیا۔ واقعی یہ کتنا عمدہ مقام ہے جہاں تار پہنچنے میں بھی اتنی تاخیر ہوتی ہے اگھٹیا کا مرض پیچھا نہیں چھوڑتا، اور درد بہت زیادہ ہے۔ کئی دن سے تو اس قابل بھی نہیں ہوں کہ پاؤ آہاری جی سے ملنے جاؤں، وہی ازراہِ مہربانی روزانہ خیریت دریافت کرا لیتے ہیں، مگر اب محسوس کرتا ہوں کہ ہر بات کی شکل ہی پلٹ گئی ہے۔ میں تو خود ہی جب کہ اُن کے در پر بھکاری ہوں تو اب وہ اُلٹے مجھ سے ہی کچھ سیکھنا چاہتے ہیں یہ درویش شاید کامل نہیں ہیں۔ اتنی ریاضت، اتنے مجاہدات، اتنے مراقبات اور اس کے باوجود انہوں نے اپنے اوصاف و کمالات کو اس قدر چھپا کر رکھا ہوا ہے کہ سمندر جب پورا پورا بھر جاتا ہے تو اپنے کناروں کے اندر نہ تھم سکتا ہے نہ رُک سکتا ہے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اس سادھو کو بے وجہ

---

[1] پرامداداس مترا [2] سوامی یوگانند جو چیچک سے بیمار تھے [3] سوامی سارادانند جو سوامی ددیکانند کے گورو بھائی تھے

پریشان کیا جائے، اِس لئے میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ان سے رُخصت ہونے کی اجازت مانگوں! فکرِ عاقبت کی بنا پر میری موت میرے سامنے رہتی ہے جس نے مجھے اس قدر رقیق القلب بنا دیا ہے۔ نہ بابا جی مجھے چھوڑتے ہیں نہ گگن، بابو غالباً آپ گگن بابو کو جانتے ہیں، وہ ایک راستباز، خلیق و متواضع اور پُرخلوص آدمی ہیں، اگر تار کا جواب آنے پر، مجھے یہ مقام چھوڑنے کی ضرورت پیش آئی تو میں آپ کے پاس چند دنوں کے لیے وارانسی آؤں گا میں آپ کو چھوڑوں گا نہیں۔ مجھے آپ کو اپنے ساتھ رِشی کیش لے جانا ہی ہے۔ نہ کوئی عذر کام دے گا نہ کوئی بہانہ! صفائی رکھنے کی دُشواریوں کے متعلق آپ کیا بات کہتے ہیں؟ پہاڑیوں میں اور پانی کا قحط یا جگہ کی کمی!- کل یگ کے تیرتھ اور سنیاسی -! آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہوتے ہیں! روپیہ خرچ کیجئے۔ اور مندروں کے مالک بھگوان کی مورتیاں ہٹا کر اُن کے مقام پر آپ کے لیے جگہ نکال دیں گے۔ لہذا آرام کی جگہ کے متعلق آپ کوئی چنتا نہ کریں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کو کسی بھی تکلیف کا سامنا نہیں ہوگا، موسم گرما ضرور شروع ہوگیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وارانسی جیسی گرمی نہیں ہوتی۔ یہ کیا کم غنیمت ہے! راتیں ہمیشہ ٹھنڈی ہوتی ہیں، اور خوب گہری نیند آتی ہے۔

آپ اتنا پریشان کیوں ہیں؟ میں ضمانت لیتا ہوں کہ آپ اپنے گھر بخیریت لوٹیں گے اور کسی جگہ بھی آپ کو کوئی دشواری یا مشکل و آفت پیش نہیں آئے گی۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ اس حکومت کے عہد میں کسی فقیر یا کسی گرہستی کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

کیا یہ میرا صرف وہم ہی وہم ہے کہ پچھلے جنم میں بھی ہمارے درمیان کوئی رشتہ ناطہ تھا، ذرا دیکھئے تو کہ کس طرح آپ کے صرف ایک خط نے میرے تمام منصوبے ہوا میں اُڑا کر رکھ دیئے ہیں اور میں تمام معاملات چھوڑ چھاڑ کر وارانسی کی جانب قدم بڑھانے کے لیے تیار ہوگیا ہوں۔

میں نے بھائی گنگا دھر کو دوبارہ لکھا ہے کہ وہ اس وقت مٹھ واپس آجائیں۔ اگر وہ آئے تو آپ سے ملیں گے، وارانسی کا اب موسم کیسا ہے؟ یہاں رہنے سے میرا ملیریا تو ٹھیک ہوگیا ہے لیکن جوڑوں میں درد باقی ہے جو مجھے پاگل بنائے ہوئے ہے۔ دن رات درد ہوتا ہے۔ اور میں سینکتا رہتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں پہاڑیوں پر کیسے چڑھوں گا؟ میں نے بابا جی میں حیرتناک قوّتِ برداشت دیکھی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں ان سے یہی بھیک مانگتا ہوں کہ تھوڑی سی مجھے بھی دیدیں لیکن وہ دینے کی طرف تو مائل نہیں ہوتے، اور صرف حاصل کیے جارہے ہیں جو کچھ میرے پاس ہے لیتے جارہے ہیں۔ لہذا میں بھی اڑ جاؤں گا۔!

آپ کا

وویکانند

2

57، رام کانت بوس سٹریٹ ۔ باغ بازار کلکتہ

26 مئی 1890

جنابِ محترم[1]!

وشوا ناتھ کے کہنے سے جب یہ لکھ رہا ہوں، اِس وقت ذہن میں ہیجان و تلاطم ہے، متعدد ناخوشگوار واقعات و حالات کے چکّر میں پھنسا ہوا ہوں، ذیل میں جو کچھ تحریر کر رہا ہوں مہربانی فرما کر اس کی افادیت و مناسبت، امکان اور عدم امکان کے بارے میں غور کیجئے اور پھر جواب دے کر شکرگزار کیجئے۔!

1:۔ میں شروع ہی میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں شری رام کرشن کا غلام ہوں، اور میں نے اپنے شریر کو اُن کے قدموں پر ڈال دیا ہے "تل اور تلسی کے پتّوں کے ساتھ" میں اُن کی ہدایت و حکم سے مُنہ نہیں موڑ سکتا، اگر اس عظیم درویش کی سعی بھی رائیگاں ہے جس نے گیان بھگتی، رُوحانی عشق، اور اقتدار و اختیار کی مافوق البشر بلندیاں حاصل کیں اور چالیس برس تک ترکِ دُنیا، بے تعلقی، تقدس و پرہیزگاری اور عظیم راستبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی زندگی تج دی تو ہمارے لیے کہاں کوئی چیز باقی رہ جاتی ہے جس پر ہم بھروسہ، اعتماد یا انحصار کریں۔ لہٰذا میں مجبور ہوں کہ اُن کے الفاظ پر اُنہیں صداقت آفریں الفاظ سمجھتے ہوئے بھروسہ کروں۔

2:۔ اَب میرے لئے اُن کی یہ ہدایت تھی کہ اُن کے تمام سب کچھ نچھاور کر دینے والے سیوک اور بھگتوں کی خدمت کے لیے وقف کر دوں اس فرض کی راہ میں جو کچھ بھی بیتے اسے برداشت کروں جو کچھ بھی ملے اُس کا خیر مقدم کروں چاہے وہ سورگ ہو یا نرک، چاہے وہ مُکتی ہو چاہے کچھ اور!

3:۔ اُن کی ہدایت تھی کہ اُن کے تمام معتقدین باہمی طور پر منظم ہو جائیں اور مجھے اس کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ ہر چند یہ کوئی بات نہیں ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک یا دوسری جگہ گھومنے پھرنے چلا جائے لیکن یہ جانا گھومنے پھرنے کے مقصد تک ہی محدود رہنا چاہیئے۔ اس لیے اُن کا اپنا خیال یہ تھا کہ قطعی طور پر خانہ بدوش ہو کر گھومنا پھرنا، صرف اُنہیں کو زیب دیتا ہے جو بلند تر مرکز پر پہنچ کر کامل ہو گئے ہوں، اس حالت پر پہنچنے سے پہلے بہتر یہ ہے کہ کسی جگہ قیام کر کے خود کو ریاضت و مجاہدہ میں لگایا جائے، جب جسم و جان کے تمام تصورات اور اسی طرح کی دوسری باتیں خود کو تحلیل کر ڈالتی ہیں، تب ہی ایک شخص خود کو اس حالت میں مستعد بنا سکتا ہے جو اس کے سامنے آئے، ورنہ ہمیشہ گھومتے پھرتے رہنا ایک نوشق یوگی کے حق میں زہر ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] پرمدا داس مترا، آپ وارانسی کے رہنے والے تھے شری سوامی وویکانند ان کی اپنائیت، بلند کرداری اور اوصاف باطنی کے بڑے مداح تھے

4 ۔ لہذا اُن کے آدرش کی تعمیل میں اُن کے سنیاسیوں کا گروپ ایک بوسیدہ سے مکان میں اکٹھا ہے جو ہرناگور میں واقع ہے، اور ان کے دو چیلے بابو سریش چندر مترا اور بالا رام بوس اب تک ان کے طعام کا خرچہ اُٹھاتے رہے ہیں اور مکان کا کرایہ ادا کرتے رہے ہیں۔

5 :۔ بہت سے وجوہ کی بنا پر بھگوان رام کرشن کی نعش کو سپرد آتش کیا گیا تھا، اِس میں کوئی شبہ نہیں ہے یہ بہت ہی زیادہ قابلِ اعتراض بات تھی، اب ان کی استھیاں محفوظ ہیں، اور اگر گنگا کے کنارے کسی جگہ اُن کی مقدس یادگار تعمیر کردی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس گناہ کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائیگا جو ہمارے کاندھوں پر پڑا ہوا ہے، ہمارے مٹھ میں ان کی تصویروں کے استھان اور ان کی استھی کی ٹھیک ٹھیک طریقہ سے پوجا ہوتی ہے اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں میرا ایک گورو بھائی جو ورن سے برہمن ہے آٹھوں پہر خدمت میں مصروف رہتا ہے، پوجا کے جملہ اخراجات بھی وہی دونوں پاکیزہ ضمیر اشخاص برداشت کرتے ہیں جن کا ذکر مندرجہ بالا سطور میں کیا گیا ہے۔

6 ۔ اِس سے زیادہ رنج و ملال کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ بنگال کی سرزمین پر ان کی کوئی یادگار تعمیر نہیں ہو سکی، حالانکہ یہ اس استھان کا پڑوس ہے جہاں انہوں نے رُوحانی ریاضت کی تھی اور جن کی ولادت سے، بنگال کی سرزمین پر جو بالکل کھوکھلی ہو گئی تھی۔ بنگالیوں کی نسل کو گناہوں کی آلائش سے چھٹکارا ملا اور جو اس دھرتی پر محض اس مقصد سے آئے تھے کہ ہندوستانیوں کو مغربی تہذیب کی نفس پرستیوں سے محفوظ و مامون کریں اور جن کے تمام معروف و مشہور پیروکار اعلیٰ درس گاہوں کے تعلیم یافتہ ہیں۔

7 :۔ دونوں متذکرہ اشخاص گنگا کے کنارے کچھ زمین خرید کر اس پر ایک یادگار تعمیر کرانے کی بے پناہ خواہش رکھتے ہیں جس میں اُن کے سب چیلے ایک ساتھ رہ سکیں۔ سریش بابو نے اس مسئلہ کے لیے ایک ہزار روپے کی پیش کش بھی کی ۔ اور مزید رقم دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن نہ جانے بھگوان کی کیا مرضی ہے کہ گزشتہ رات سریش بابو اس دُنیا سے چل بسے، بالا رام بابو کی مرتیو کی خبر تو آپ جانتے ہی ہیں۔

8 ۔ اب کچھ پتہ نہیں ہے کہ اُن کے چیلے کس جگہ اُن کی یادگار اور ان کا استھان بنائیں گے، (آپ تو اچھی طرح جانتے ہی ہیں کہ بنگال کے لوگ باتیں بڑی لمبی چوڑی کرتے ہیں لیکن کام ذرا سا بھی نہیں کرتے) ان کے تمام چیلے سنیاسی ہیں اور موجودہ حالات میں وہ اس بات کے لیے تیار ہیں کہ جدھر اُن کے قدم اٹھیں

بشستی یا سوامی رام کرشنانند ـــــ!

اُدھر چلے جائیں۔ لیکن میں ان کے خادم کی حیثیت سے حالات کے ایک کرب اور کڑھن میں مبتلا ہوں اور یہ سوچ کر میرا دل ریزہ ریزہ ہوتا ہے کہ زمین کا ایک چھوٹا سا قطعہ بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا، جہاں بھگوان رام کرشن کی استھیوں کو رکھا جا سکے۔ اور اُن کی یادگار تعمیر کی جا سکے۔

9۔ ہزار روپے میں تو آراضی کا ایک قطعہ خرید نا اور کلکتہ کے نزدیک ایک مندر تعمیر کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ صرف زمین ہی کی قیمت کم سے کم پانچ سات ہزار روپے ہوگی۔

10۔ بس آپ ہی شری رام کرشن کے چیلوں کے واحد دوست اور تنہا سرپرست رہ جاتے ہیں، اُتر پردیش میں آپ کی بڑی پوزیشن ہے۔ آپ کی بڑی شہرت ہے۔ اور آپ اپنے احباب کا وسیع حلقہ رکھتے ہیں، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس بارے میں سوچیں کہ اپنے صوبہ کے امیر لوگوں سے چندہ اکٹھا کر کے اس کام کو انجام دینا آپ کے خیال میں کہاں تک ممکن ہو سکتا ہے، اگر آپ یہ ٹھیک سمجھتے ہیں کہ بنگال میں گنگا کے کنارے بھگوان رام کرشن کی استھیوں کو رکھنے اور ان کے چیلوں کے رہنے سہنے کے لیئے ایک ٹھکانا تعمیر کیا جائے تو میں سُرعت اور عجلت میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا اور اس نیک مقصد کے لئے یعنی اپنے بھگوان اور اس کے بچوں کی خاطر مجھے در در بھیک مانگنے میں بھی ذرا سی شرم نہیں ہے مہربانی فرما کر اس تجویز پر غور فرمایئے جس کی وشوا ناتھ نے سفارش کی ہے،

میرے خیال میں اگر یہ تمام مخلص، تعلیم یافتہ، نوجوان اور راسخ الاعتقاد سنیاسی پرم ہنس شری رام کرشن کی تعلیم و ہدایت کے مطابق محض اسی بنا پر اپنی زندگی بسر نہ کر سکیں کہ انہیں سر چھپانے کا ایک ٹھکانہ تک میسر نہ آسکا تو پھر ہمارے ملک پر افسوس، صد ہزار افسوس!

11۔ اگر آپ یہ فرمائیں کہ — آپ تو سنیاسی ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ان خواہشوں کے لئے اس قدر پریشان ہو رہے ہیں، تو اس کا میں یہ جواب دوں گا کہ میں بھگوان رام کرشن کا غلام ہوں اور اگر اس کام کے لیئے چوری کرنی پڑے، ڈاکہ ڈالنا پڑے تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں کہ ان کی ولادت اور سادھنا کی سرزمین پر ان کا نام چلے اور ان کے چیلوں کو اُن کی عظیم تعلیمات پر عمل کرنے میں مدد ملے، میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے قریبی رشتہ رکھتے ہیں، لہٰذا میں نے آپ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے، میں اسی غرض سے کلکتہ واپس آرہا ہوں، روانگی سے قبل بھی میں نے آپ سے یہی کہا تھا، اب آپ جو بہتر سمجھیں وہ کریں؛

12۔ اگر آپ کی رائے یہ ہو کہ کاشی جیسے کسی مقام پر اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانا چاہیئے تو اس سلسلہ میں جیسا کہ میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان کی ولادت اور سادھنا کی سرزمین پر ان کی یادگار کا تعمیر نہ ہونا بہت ہی افسوسناک ہوگا، بنگال کی حالت بہت ہی افسوسناک ہے، یہاں کے لوگ خواب میں مکتی کے حقیقی معنوں کو نہیں دیکھ سکتے، عیش و عشرت اور آرام طلبی، قومیت کی بنیاد کو کھوکھلا کر رہی ہے سوا ایشور

اس سرزمین کے لوگوں میں اپنے کرم سے تزکیۂ نفس کا احساس پیدا کریں اور دنیا پرستی سے نجات دیں۔ یہاں کے لوگوں میں نہ تو اس نیک مقصد کا کوئی شوق ہے نہ وہ ان اچھی باتوں کا کوئی تذکرہ ہی کرتے ہیں، اس کے برخلاف جیسا کہ مجھے یقین ہے اتر پردیش کے خصوصیت سے اُمرا اس طرح کے نیک مقاصد سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور ان میں ان اچھی باتوں میں حصہ لینے کا شوق بھی ہے، آپ جو بہتر سمجھیں، براہِ مہربانی اس سے مجھے مطلع فرمائیں، گنگا دھر آج تو ابھی تک آئے نہیں۔ شاید کل آئیں۔ میں اُن سے دوبارہ ملنے کے لیے چشم براہ ہوں۔

براہِ مہربانی مندرجہ بالا پتہ پر جواب دیجئے۔

آپ کا

دویکانند

(3)

بمبئی

23 مئی 1893

عزیزم بالاجی[1]!

کسی قدیم اسرائیلی درویش نے جو انسان پر پڑنے والی سخت مصیبتوں میں مبتلا تھا بجا طور پر یہ بات کہی تھی "خالی ہاتھ آیا ہوں، خالی ہاتھ جاؤں گا، ایشور ہی دیتا ہے، ایشور ہی لیتا ہے۔ اور اُسی کا نام تمام تعریفوں کا مستحق و سزاوار ہے"۔ اِس قول میں زندگی کا سارا راز نہاں ہے۔ سطح دریا پر تو موجوں کا خروش دکھائی دے سکتا ہے لیکن دریا میں لامحدود اَمن۔ لامحدود سکون اور لامحدود مسرت کی ایک لہر نہاں ہوتی ہے، قابلِ رحم ہیں وہ جو گریۂ وزاری کرتے ہیں اِس لیے کہ وہ تسلّی پائیں گے، مگر کیوں؟ اِس لیے کہ معمولاتِ زندگی کے اِن لمحات میں جب کہ دل ہاتھوں اُچھلتا ہے، جو کسی باپ کی آہ و بکا اور کسی ماں کی گریۂ وزاری کی بنا پر تھمتا نہیں، اور جب کہ غم والم، مایوسی و نامرادی کے بوجھ تلے ہم یہ محسوس کرتے ہیں جیسے دُنیا ہمارے پیروں کے نیچے سے سرک گئی ہے۔ اور سارا آسمان، ایسا لگتا ہے کہ اندوہ و مصیبت کی ایک پھیلی ہوئی چادر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ تب باطن کی آنکھیں کھُلتی ہیں۔ اچانک تجلّیوں کی بارش ہوتی ہے۔ خواب و خیال ہَوا ہو جاتا ہے اور خانۂ دل میں ہمارا آمنا سامنا، فطرت کے سب سے عظیم اسرار "بقا" سے ہوتا ہے'۔۔۔ ہاں جب ٹوٹے پھوٹے ڈھانچے کو ڈبو دینے کے لیے کافی وزن ہو گا تب ہی ایک انسان جو پیرد ہوتا ہے، عقل و دانش اور توانائی' کا پیکر ہوتا ہے لامکانیت کو دیکھتا ہے لامحدود مسرت آفریں حیات کو دیکھتا ہے اس ذاتِ لامکاں کو دیکھتا ہے جس کی مختلف ناموں سے مختلف مقامات پر پرستش کی جاتی ہے، تب ہی یہ

---

[1] ڈی۔ آر بالاجی راؤ جنھوں نے سوامی جی سے گھریلو تعلقات قائم کیے تھے۔ آپ تریلیکین مدراس کے رہنے والے تھے۔ غالباً آپ انڈین بینک مدراس کے سیکریٹری بنے۔

ہوتا ہے اور وہ زنجیریں جو رُوح کو مصیبتوں کے قفس میں باندھ کر رکھتی ہیں ٹوٹ جاتی ہیں اور جب ایسا ہوتا ہے تو اُس وقت آزاد رُوح بلند ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایشور تک پہنچ جاتی ہے، جہاں اس شیطنت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، جو مصیبتوں اور پریشانیوں کا موجب ہوتی ہے۔ اور پھر سکون ہی سکون ہوتا ہے، لہٰذا میرے بھائی، دن رات دُعا کیے جاؤ۔ رات دن کہے جاؤ کہ بس وہی مالک ہے، بس وہی مختار ہے، ہمارے لیے چون وچرا کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

ہمارا کام ہے — کرنا اور مرنا!

او! بھگوان! تمام تعریفیں بس تیرے ہی لیے ہیں، اور بس تو ہی قادر و مختار ہے، او بھگوان ہم جانتے ہیں کہ ہم بس تیری اطاعت کے لیے ہیں، او بھگوان ہم جانتے ہیں کہ جو ہاتھ چوٹ لگا رہا ہے وہ ماں کا ہاتھ ہے اور آتما باقی ہے یہ شریر یہ جسم فانی ہے، بے شک محبت کا خالق موجود ہے لیکن دل میں ایک وسوسہ ہے جو پُرسکون ترکِ خودی کے خلاف جنگ کر رہا ہے جس کو تو نے تعلیم دی ہے ہم کو توفیق دے، ہم کو طاقت عطا کر — اے تو کہ جس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے گھر کو برباد ہوتے دیکھا اور تیرے ہاتھ تیرے سینے پر ماتم کناں رہے! آ! اے بھگوان! ہمارے مُعلم ستگورو! جس نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ سپاہی کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حکم بجالائے، کوئی عذر نہ کرے! آ اے بھگوان اے ارجن کے رتھ بان اور مجھے بھی اسی طرح تعلیم دے جس طرح تو نے اُسے یہ تعلیم دی تھی کہ ترکِ خودی ہی اس زندگی کا منتہائے مقصود ہے تاکہ میں بھی ماضی کے ان عظیم انسانوں کے ساتھ مل کر استغراق کے عالم میں پوری توانائی سے یہ نعرہ لگاؤں "اوم شری کرشن اپن استو"۔

ایشور تم پر دیا کریں، شب و روز یہی دُعا کرتا ہوں —!

وویکانند

(4)

بریزی میڈوز، میکاف میں
20۔ اگست 1393ء

عزیزم آلاسنگھ[1]!

آپ کا خط کل ملا، اِس اثنا میں غالباً آپ کو بھی میرا خط مل گیا ہوگا جو میں نے جاپان سے لکھا تھا

---

[1] ان کا پورا نام تھا آلاسنگھ پیرومل۔ یہ سوامی جی کے اننیہ بھگت تھے اور ان پُرجوش نوجوانوں میں پیش پیش تھے جنھوں نے سوامی جی کے امریکہ جانے کے لیے چندہ فراہم کیا تھا۔

جاپان سے میں شمالی بحرالکاہل کے راستے وانکوور پہنچا، بڑی سخت سردی تھی۔ اور گرم کپڑوں کی کمی کی وجہ سے کافی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ بہرطور کسی نہ کسی طرح وانکوور پہنچا، اور پھر وہاں سے براہِ کناڈا، شکاگو آیا، شکاگو میں تریب قریب بارہ دن رہا اور تقریباً ہر روز میلہ میں جاتا رہا، اسے پوری طرح دیکھنے کے لیئے کم سے کم دس دن چاہیئں، وہ خاتون جن سے ورداراؤنے میرا تعارف کرایا تھا، ان کے شوہر شکاگو کی اعلیٰ سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں، مجھ پر بہت مہربان رہے، شکاگو سے میں بوسٹن آیا، مسٹر للّو بھائی بوسٹن تک میرے ساتھ رہے، وہ بھی مجھ پر بڑا کرم فرماتے ہیں.....

یہاں جو خرچہ کرنا پڑتا ہے وہ بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے مجھے 178 پونڈ نوٹ اور 9 پونڈ نقد دیئے تھے، اب میرے پاس کل 130 پونڈ رہ گئے ہیں۔ اوسطاً ایک پونڈ روزانہ کا خرچ ہے۔ ہمارے روپے کی در سے یہاں ایک سگار کی قیمت آٹھ آنہ ہوتی ہے۔ امریکن لوگ اتنے امیر ہیں کہ وہ روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں اور قانون کے ذریعہ ہر چیز کی قیمت اتنی اونچی رکھتے ہیں کہ اس کرۂ ارض پر بسنے والی کوئی بھی قوم قیمتوں اس سطح تک نہیں پہنچ سکتی، ایک معمولی قلی تک نو دس روپے تک کما لیتا ہے، اور خرچ کر ڈالتا ہے، روانگی کے وقت ہمارے جو خواب تھے وہ سب پگھل کر ڈھیر ہو گئے ہیں اور اب مجھے ناممکنات کے خلاف جنگ لڑنی ہے، سو بار میں نے سوچا ہے کہ میں اِس مُلک سے چلا جاؤں اور واپس ہندوستان لوٹ جاؤں لیکن میں کیا کروں ایسا کرنے سے معذور ہوں کیونکہ میں یہاں خود نہیں آیا۔ کسی کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھے کسی نے یہاں مامور کیا ہوا ہے۔ اوپر سے میری طلبی ہوئی ہے۔ مجھے کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی لیکن میں جانتا ہوں کہ جس نے مجھے یہاں بھیجا ہے اُس کی آنکھیں مجھے دیکھتی ہیں۔ اور پھر مجھے اپنے اوپر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ زندگی یا موت.....!

آج کل میں بوسٹن کے نزدیک ایک گاؤں میں ایک بزرگ خاتون کے یہاں بحیثیت مہمان مقیم ہوں، یہ محض حسنِ اتفاق تھا کہ ریل میں میری اُس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے دعوت دی کہ میں اُس کے گھر آؤں اور اُس کے یہاں رہوں۔ یہاں رہنے سے میرا فائدہ تو یہ ہے کہ کچھ عرصے تک میں ایک پونڈ روزانہ کا خرچ بچا سکوں گا اور وہ بزرگ خاتون اپنے گھر میں میرے قیام کا یہ فائدہ اُٹھا رہی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو مدعو کرتی ہے کہ وہ اُس کے یہاں آکر ہندوستان سے آئے ہوئے ایک عجوبہ شخص کو دیکھیں، اور اس سب کچھ پر صبر ہی کرنا چاہئے، بھوک، فاقہ کشی، سردی، میرے قدیم وضع کے لباس کی بنا پر کوچہ و بازار میں ہونے والی لولوہو، ان سب چیزوں کا مجھے مقابلہ ہی کرنا ہے، مگر میرے عزیز! سخت ترین محنت و مشقت کے بغیر کبھی کوئی بڑا کام انجام نہیں دیا گیا۔

.....اور آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ عیسائیوں کا مُلک ہے۔ یہاں کسی دوسرے دھرم کا اثر صفر کے برابر

ہے، مجھے کسی کی دشمنی کی رتی بھر پرواہ نہیں ۔۔ دُنیا میں کسی بھی شے کی کوئی پرواہ نہیں ۔میں یہاں فرزندِ مریم کی اولاد کے درمیان ہوں اور میرا یقین ہے کہ یسوع مسیح میری مدد کریں گے! یہ لوگ ہندو دھرم کے عقائد کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اُنھیں میری یہ بات بھی بہت مرغوب ہے کہ میں نصاریٰ کے حضرت یسوع مسیحؑ سے بڑا، نہایت محبت وعقیدت رکھتا ہوں۔ میں نے اُنہیں بتایا ہے کہ میں گلیلی کے کسی عظیم شخص کے خلاف کوئی بات نہیں کہتا۔ میں تو عیسائیوں سے صرف اِتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ وہ یسوع مسیح کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی عظیم شخصیتوں کو بھی شمار کریں۔ اور وہ لوگ میری اِس بات کی تعریف کرتے ہیں۔

جاڑوں کا موسم قریب آرہا ہے اور مجھے ہر قسم کے گرم کپڑوں کی ضرورت ہوگی، یہاں ہندوستان کی بہ نسبت زیادہ گرم کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔۔۔۔ میرے عزیز، فوری توجہ کیجئے۔ ہمت سے کام لیجئے ہمیں ایشور نے ہندوستان میں عظیم کارنامے انجام دینے کے لئے مامور کیا ہے۔ یقین کیجئے ہم یہ کارنامے ضرور انجام دیں گے، ہم غریب اور پسماندہ لوگ ہی حقیقی احساس رکھتے ہیں نہ کہ وہ ۔۔۔۔

گزشتہ دنوں شکاگو میں ایک دلچسپ بات ہوئی، کپورتھلہ کے مہاراجہ صاحب یہاں قیام فرما ہیں، بعض لوگوں نے اُنہیں شیر بنا دیا ہے۔ ایک بار میلہ میں راجہ صاحب سے میری مُلاقات ہوگئی۔ مگر اتنا بڑا آدمی اور ایک غریب فقیر سے اِس طرح بات چیت کرے ؟ اس میں کسرِ شان تھی۔ اس میلہ میں ایک مرہٹہ براہمن بھی موجود تھا۔ جس کا کوئی گھر در نہیں تھا اور وہ ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں بیچ رہا تھا، اور ایک دھوتی میں ملبوس تھا اس شخص نے اخباروں کے رپوٹروں سے راجہ کے خلاف ہر قسم کی باتیں کہیں۔ یہاں تک کہہ دیا کہ راجہ نیچی ذات کا آدمی ہے، راجاؤں کی حیثیت غلاموں سے زیادہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ راجہ بالعموم بداخلاقی میں مبتلا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ ۔۔ اور ان صداقت شعار ایڈیٹروں نے جس کے لئے امریکہ کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ اس لڑکے کی بتائی ہوئی باتوں کو خوب اُچھالا اور دوسرے ان کے اخبارات میں اُنہوں نے ہندوستان سے آئے ہوئے مردِ عقل وہوش (اِس سے میری ذات مراد ہے) کے بارے میں بڑے بڑے کالم لکھے اور مجھے آسمان پر چڑھا دیا اور کپورتھلہ کے مہاراجہ کے بارے میں جو باتیں مرہٹہ براہمن نے کہی تھیں وہ سب کی سب میری زبان سے کہلوا دیں۔ حالانکہ یہ باتیں میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھیں، اِن سب باتوں کی وجہ سے مہاراجہ کی عزت پر پانی پھر گیا اور شکاگو کی سوسائٹی میں اُن کے خلاف نفرت کی گرم لہر دوڑ گئی، اِن اخباروں کے ایڈیٹروں نے میرے متعلق یہ نتیجہ اخذ کیا کہ میں نے اپنے ایک ہم وطن کی قلعی کھول دی ہے۔ بہرطور اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مُلک میں عقل وفراست کو جو وقعت حاصل ہے وہ وقعت اور وہ قدرومنزلت شان وشوکت، دولت اور خطابات وغیرہ کو حاصل نہیں ہے۔

زنانہ جیل کی سپرنٹنڈنٹ خاتون مسز جانسن کل یہاں آئی تھیں۔ امریکی باشندے اُسے جیل یا قیدخانہ نہیں کہتے بلکہ اُسے اصلاح گھر کے نام سے پکارتے ہیں۔ جو کچھ میں نے امریکہ میں دیکھا ہے۔ ان میں یہ اصلاح گھر عظیم ترین ہے۔ اصلاح گھر میں قید کی گئی عورتوں سے کیسا مفید برتاؤ کیا جاتا ہے، اُن کی کیسی اصلاح کی جاتی ہے اور سوسائٹی کا مفید ممبر بنا کر رہا کیا جاتا ہے، آپ اُسے دیکھ کر ہی یقین کر سکتے ہیں کہ یہ اصلاح گھر کتنا شاندار اور کتنا خوشنما ہے، اور ہاں یہ خیال کر کے ہی یہاں کتنے دل ایک درد محسوس کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہم غریبوں اور پسماندہ لوگوں سے کیسا سلوک کرتے ہیں۔ اُنہیں کوئی موقع حاصل نہیں ہوا ہے، تحفظ کی کوئی راہ نہیں ہے۔ بلند ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہندوستان میں جو غریب پسماندہ گناہگاروں کا کوئی دوست نہیں ہے انہیں کوئی مدد نہیں ملتی۔ وہ چاہے جتنی کوشش کریں مگر وہ اونچے اُٹھ ہی نہیں سکتے، روز بروز وہ پستی میں گر رہے ہیں اور یہ احساس رکھتے ہیں کہ ایک ظالم سوسائٹی نے ان پر ظلم و ستم کی بارش کی۔ کیا جانے کہ کب اُن پر گھونسے برسنے لگیں! وہ یہ بھی نہیں جانتے، وہ یہ بھی فراموش کر بیٹھے ہیں کہ وہ بھی آدمی ہیں، اور اسی کا ثمر ہے غلامی! پچھلے چند برسوں میں سمجھدار لوگوں نے اس صورت کو محسوس کیا ہے لیکن بدقسمتی سے اُنہوں نے اس کی ذمہ داری ہندو دھرم کے ذمے لاد ڈالی ہے اور اُن کے نقطۂ نظر سے بہتری کی ایک ہی راہ ہے کہ دُنیا کے اس عظیم الشان اور شاندار دھرم کو کچل ڈالا جائے۔ میری سُنئے میرے دوست! ہم پر ایشور کی کرپا سے حقیقت آشکار ہو گئی ہے کہ اس صورتِ حالات کے لئے دھرم کا کوئی قصور نہیں ہے، بلکہ حقیقتاً آپ کا دھرم تو آپ کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر ذی حیات خود آپ ہی کی ذات کا حاصلِ ضرب ہے۔ کمی کیا ہے؟ محض اس کے نفاذ و عمل کی، ہمدردی کی، رحم دلی کی! ایشور ایک بار پھر بھگوان بدھ کی صورت میں آپ کے سامنے آیا اور اُس نے آپ کو بتایا کہ کس طرح غریبوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کس طرح مصیبت کے ماروں اور گنہگار لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرنا چاہیئے۔ لیکن آپ نے ایشور کی بات سنی ہی نہیں! اُلٹا آپ کے پجاریوں نے ایک ہولناک کہانی گھڑ لی کہ ایشور کا کام یہ ہے کہ وہ اِن نام نہاد جھوٹے عقیدوں میں سے شیطان کو خارج کر دے۔ بے شک یہ سچ ہے مگر ہم شیطان ہیں، وہ نہیں ہیں جو ایشور میں یقین رکھتا ہے، اور جس دن سے یہودیوں نے حضرت موسٰی کو ماننے سے انکار کیا تھا اسی دن سے وہ ساری دُنیا میں خانہ بدوش فقیروں کی طرح مارے مارے پھر رہے ہیں، اور ہر قسم کے ظلم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ بالکل انہی کی طرح آپ بھی اس قوم کی غلامی کے لئے مجبور ہیں جو آپ پر حکومت کرنا مناسب خیال کرتی ہے آہ ظالمو! آپ نہیں جانتے کہ اس صورتِ حالات کا ایک رُخ ظلم ہے تو دوسرا رُخ غلامی ہے، ظلم اور غلامی ہمزاد ہیں۔ بالاجی اور جی جی کو پانڈیچری کی ایک شام یاد ہوگی۔ ہم لوگ ایک پنڈت کے ساتھ سمندری سفر کے بارے میں تبادلۂ خیال کر رہے تھے، مجھے اُس پنڈت کی ظالمانہ باتیں اور اس کی کدائی نہ" (کبھی نہیں، ہمیشہ یاد رہے

گی! ایسے لوگ نہیں جانتے کہ ہندوستان دُنیا کا چھوٹا سا حصہ ہے، اور ساری دُنیا ان تیس کروڑ مِلنی کیڑوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے جو ہندوستان کی پاک صاف زمین پر رینگ رہے ہیں اور ایک دوسرے کو کچلنے کی کوشش کر رہے ہیں، یہ حالت اب ختم کرنی چاہیئے، لیکن دھرم کو برباد کر کے نہیں، بلکہ ہندو دھرم کی عظیم الشان تعلیمات کی پیروی کر کے اور اس ہمدردی کو اختیار کر کے جو ہندو دھرم ــــ بُدھ مت ــــ کے منطقی ارتقا کا موجب بنی ہے۔ ایک لاکھ مرد و زن اپنے دل میں تقدس اور پاکیزگی کی حرارت بھر کر، ایشور میں لافانی یقین و ایمان رکھتے ہوئے غریبوں اور پسماندہ لوگوں کے لیئے اپنی ہمدردی کی بدولت شیر دل بن کر مُلک کے طول و عرض میں پھیل جائیں، اور تعلیم کی نہریں بہا دیں۔ اپنی بھگتی کے آدرش کی، امداد، سماجی ارتقاء اور مساوات کے آدرش کی تعلیم و تدریس دیں تو دنوں ہی میں صورتِ حالات بدل جائے گی۔

مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یاد رکھیں کہ ایشور نے گیتا میں کہا ہے کہ "آدمی کو عمل پر اختیار ہے۔ عمل کے بُرے بھلے نتیجہ پر نہیں"۔ میرے بچے! اپنی کمرِ ہمت کو باندھے رہو! مجھے ایشور نے اسی کام پر مامور کیا ہے، میری پُوری زندگی زخموں سے بھری ہوئی ہے۔ میں نے اپنے عزیز ترین اور قریب ترین رشتہ داروں کو مرتے دیکھا ہے، ان کو فاقہ کشی کی حالت میں دَم توڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ غم واندوہ کے اس طوفان میں بھی میرا مذاق اُڑایا گیا ہے۔ مجھ سے تمسخر کیا گیا ہے۔ مجھ سے حقارت کی گئی اور انہی لوگوں کے ہاتھوں سے جو میری ہمدردی کے مستحق و محتاج تھے مجھے تکلیفیں اور اذیتیں پہنچی ہیں۔ میرے عزیز دارالمحن ہے۔ یہ ہمدردی اور صبر کی فصل اُگانے کے لیئے عظیم روحوں سالکوں اور عابدوں، رشیوں، مہان سنتوں اور پیغمبروں کی درسگاہ بھی ہے اور اس سے بھی بالاتر وہ فولادی ارادہ اور عزم ہے جو اُس وقت بھی متزلزل نہیں ہوتا۔ جبکہ ساری دُنیا لرز لرز کر ہمارے قدموں پر گر پڑے۔ مجھے ان پر ترس آتا ہے! اس میں ان کا قصور نہیں ہے، وہ بچے ہیں۔! ہاں! ہاں! حقیقت میں وہ بچے ہیں، خواہ سوسائٹی میں وہ کتنے ہی بڑے اور اونچے کیوں نہ ہوں! کھانا، پینا، کمانا اور بچے پیدا کرنا اور ایک دوسرے کی اس طرح پیروی کرنا جیسے ایک کے آگے دو اور دو کے آگے تین، یہ اُن کے معمولات ہیں۔ اور ان معمولات کے چھوٹے سے اُفق کے باہر، جس کی وسعت چند گز سے زیادہ نہیں۔ اُن کی آنکھیں کوئی چیز دیکھ ہی نہیں پاتیں، وہ اپنی چھوٹی سی مسرور رُوحوں کے علاوہ کسی چیز کو نہیں جانتے، اُن کی نیند میں کبھی خلل نہیں پڑتا اُن کی زندگیوں کے چھوٹے سے سُنہرے اور خوشنما مشاہدہ میں غریبی، عذاب اور خستہ حالی کی کسی جھلک سے کبھی کوئی ہیجان پیدا نہیں ہوتا، حالانکہ ہندوستان کی فضائیں ان چیزوں سے معمور ہیں ــــ اِس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ صدیوں سے تشدّد و استبداد جاری ہے، وہ خواب میں بھی کبھی اس ظلم کے بارے میں نہیں سوچتے جو صدیوں سے ذہنوں پر ہو رہا ہے۔ اخلاق و رُوح اور جسموں پر ہو رہا ہے اور جس نے ایشور کے تصور اور ایمان کو گھٹا کر اور حقیر بنا کر

محض باربرداری کا جانور بنا ڈالا ہے، ایک غلام کے نقطۂ نظر سے ایشور کا رحم وکرم صرف یہ ہے کہ بس وہ بچے پیدا کرتا رہے، اور زندگی بجائے خود ایک لعنت بنی رہے۔ مگر کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں جو اِن حالات کو دیکھ کر خون کے آنسو روتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اس کا علاج کیا جا سکتا ہے، ایسے لوگ علاج کرنا چاہتے ہیں، اور ہر قیمت پر کرنا چاہتے ہیں، خواہ اُنہیں اپنی جان سے ہی کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔" اور یہ ہے سورگ کا حال" تو پھر کیا میرے دوستو! یہ حقیقت نہیں ہے کہ ان لوگوں کے پاس وقت نہیں ہے کہ وہ اپنی بلندیوں سے نیچے کی جانب اِن کیڑوں کو دیکھیں جو کسی لمحہ بھی بحرِ فنا میں نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔

نام نہاد امیروں پر کوئی بھروسہ نہ کیجئے، وہ جتنے زندہ ہیں، اس سے کہیں زیادہ مُردہ ہیں۔ اُمید کی روشنی اگر کہیں ہے تو آپ کے اندر ہے ___ یہ روشنی ہمیشہ ہمیشہ پست اور کمزور کے اندر رہتی ہے ___ بالخصوص ایسے پست اور کمزور کے اندر جو پست و کمزور ہو کر بھی ایشور پر صدق دا یمان رکھتا ہے اور ہمیشہ ایشور سے ہی رحم وکرم کی بھیک مانگتا ہے۔ آپ بھی سب ایشور میں یقین رکھیئے اور کسی دوسری بات کی کوئی چنتا نہ کیجئے۔ دوسروں کی مصیبتوں کو محسوس کیجئے۔ غریبوں کی مدد کے لئے تیار رہنا چاہیئے! ایشور کی رحمت و نصرت آپ کے ساتھ رہے گی! میں گزشتہ بارہ برس سے اپنے دل پر اس بوجھ کو اُٹھائے ہوئے اور اپنے دماغ میں اِس خیال کو تھامے ہوئے پیہم سفر کر رہا ہوں۔ میں اِن نام نہاد امیروں اور اپنی غلط بڑائی کی نمائش کرنے والوں کے دروازے پر صدا دیتا رہا ہوں، اور اپنے اس دل کے ساتھ جو خون کے آٹھ آٹھ آنسو بہا رہا ہے۔ میں نصف دُنیا کا سفر کرتے ہوئے اس حیرتناک ملک "امریکہ" میں آیا ہوں تاکہ یہ مُراد ان سے پا سکوں اور ان سے امداد حاصل کر سکوں! ایشور ہی عظیم و قدیر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ ضرور بالضرور میری مدد کرے گا۔ میں اس ملک میں سردی اور بھوک سے مر سکتا ہوں۔ لیکن نوجوان دوستو! میری آپ سب کو یہی نصیحت اور وصیت ہے کہ غریبوں کے حق میں لڑائی لڑتے رہو، پسماندگی اور جہالت کے خلاف جدوجہد جاری رکھو اور ہمدردی کی فصل اُگاتے رہو، اسی لمحہ "پارتھ سارتھی"[1] کے مندر میں جایئے اور اس کے سامنے "جو روزِ ازل سے غریبوں اور محتاجوں، دُکھیوں اور درد کے ماروں کا سچا دوست تھا جو گوکل کے پسماندہ لوگوں کا مددگار اور ساتھی تھا جس نے شودر تک کو گلے لگانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی تھی جس نے بڑے بڑے شرفا پر ایک طوائف کو اس کی دعوت منظور کرتے ہوئے ترجیح دی۔ اور اس کو بشکل بھگوان بدھ ظاہر ہو کر گناہ کی زندگی سے بچا لیا تھا___ ہاں! ہاں! اُسی بھگوان کے سامنے اپنے سر جھکایئے۔ سجدہ کیجئے۔ اس کے مندر کی چوکھٹ پر جبینِ عقیدت جھکا کر جس نے غریبوں کے لئے عظیم قربانی دی، ان کے لئے اپنی پوری زندگی قربان کر دی جن سے وہ پیار کرتا ہے۔ یعنی یہ غریب، یہ پسماندہ، یہ مظلوم انسان! جن کی خاطر وہ وقتاً فوقتاً انسانوں کی صورتوں میں

---

[1] پارتھ = ارجن۔ سارتھی رتھ بان۔ پارتھ سارتھی = بھگوان سری کرشن

ظاہر ہوتا رہا ہے اس کے سامنے جاکر آپ بھی یہی عہد کیجئے کہ ان تیس کروڑ انسانوں کی فلاح وبہبود کی خاطر آپ بھی اپنی زندگی وقف کردینگے، جو روز بروز پستی میں گرتے چلے جارہے ہیں۔

یہ ایک دن کا کام نہیں ہے، اِس راستے میں کانٹے ہی کانٹے بچھے ہوئے ہیں مگر پارتھ سارتھی بھگوان شری رام کرشن ہمارا سارتھی اور رہبر بننے کو تیار ہے، انہی کا نام لیجئے ان میں غیر فانی عقیدہ رکھیئے۔ اور پھر مصیبتوں کے اس پہاڑ کو نذرِ آتش کردیجئے، جو صدیوں سے ہندوستان کی سرزمین پر معلّق ہے — اور یقیناً یہ پہاڑ جل کر خاکستر ہو جائے گا، تب آؤ! میرے بھائیو! اِس حالت کا سامنا کریں، یہ کام جتنا عظیم الشان ہے ہم اُتنے ہی پست ہیں۔ لیکن ہم نُور کے بیٹے ہیں، ایشور کے سپتر ہیں۔ اس مالک کی سب عظمتیں ہمارے ساتھ ہیں۔ اِس لیئے ہم کامیاب ہونگے اور ضرور کامیاب ہوں گے، سینکڑوں لوگ جدّوجہد کے اس میدان میں کود پڑیں گے، اور سینکڑوں لوگ اِس جدوجہد میں حصّہ لینے کے لیئے کمربستہ ہو جائیں گے میں یہاں کا کام کرتا کرتا مرجاؤں گا لیکن اِس کام کو میرے بعد کوئی دوسرا اپنے ذمہّ لے لے گا۔

آپ مرض جانتے ہیں، آپ علاج جانتے ہیں، آپ کو بس صدق ویقین، ایمان واعتماد کی ضرورت ہے۔ ان لوگوں کی طرف مت دیکھئے جو بڑے بنتے ہیں، امیر بنتے ہیں۔ ان ادیبوں کی بھی پروا نہ کیجئے جن کے سینے میں دل نہیں ہے۔ ان اخباروں کی فکر نہ کیجئے جن کا خون سفید ہو چکا ہے۔ اعتماد اور ہمدردی — اِس سرمایۂ حیات کو لے کر جدوجہد کے میدان میں کود پڑیئے۔ زندگی کچھ نہیں ہے۔ موت کچھ نہیں! بھوک کچھ نہیں۔ سردی کچھ نہیں۔ سب عظمتیں بس ایشور کے لیئے ہیں۔ اِس لیئے اس کی رحمتوں اور عظمتوں کو پکارتے ہوئے قدم بڑھاؤ۔ مارچ کرو! ایشور ہمارا سالار ہے۔ ہمارا جنرل ہے۔ پلٹ کر مت دیکھو کہ پیچھے کون گر گیا ہے۔ بس آگے بڑھتے جاؤ، بڑھتے جاؤ! اِس طرح اور صرف اِس طرح ہم آگے جائیں گے بھائیو! ایک گرتا ہے تو دوسرا کام سنبھال لے۔

اِس گاؤں سے میں کل بوسٹن جارہا ہوں۔ مجھے یہاں ایک بہت بڑی لیڈیز کلب میں تقریر کرنے جانا ہے، جو رما بائی کی مدد کررہا ہے۔ مجھے پہلے بوسٹن جاکر کچھ کپڑے خریدنے ہیں۔ یہاں تادیر قیام کرنے کی صورت میں میرا یہ عجیب وغریب وضع کا لباس کام نہیں دے گا، سینکڑوں لوگ محض مجھے دیکھنے کے لیئے کوچوں اور بازاروں میں اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ اِس لیئے میں چاہتا ہوں کہ تقریر کرنے کے وقت میں لمبا کالا کوٹ، سُرخ رنگ کی پگڑی اور گلوبند پہنا کروں، یہاں کی دیویاں بھی اسی طرح کی صلاح دیتی ہیں اور وہی چونکہ حقیقی طور پر یہاں حکومت کرتی ہیں۔ لہٰذا ان کی ہمدردیاں حاصل کرنا میرے لیئے بہت ضروری ہے۔

جب آپ کو میرا یہ خط ملے گا تو اس اثنا میں خرچہ وغیرہ ہو کر میرے پاس کُل ساٹھ یا ستّر پونڈ باقی رہ جائیں گے، اس لیئے مجھے کچھ روپیہ بھیجنے کی کوشش کیجئے۔ یہاں اثر ورسوخ پیدا کرنے کے لئے مزید تھوڑے عرصے

تک میرا مقیم رہنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مجھے یہاں مسٹر بھٹا چاریہ کا فونوگراف دیکھنے کا موقع نہیں ملا جیسا کہ انہوں نے اپنے خط میں مجھے یہاں لکھا ہے۔ اگر میں شکاگو گیا تو وہاں ان کو تلاش کروں گا۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ میں شکاگو واپس جاؤں گا یا نہیں۔ میرے احباب وہاں سے مسلسل اصرار کرتے آرہے ہیں کہ مجھے ہندوستان کی نمائندگی کرنی چاہیئے۔ ورداڈ نے جن صاحب سے میرا تعارف کرایا تھا وہ اس پارلیمنٹ کے ڈائریکٹروں میں سے ایک ہیں لیکن میں نے انکار کر دیا ہے اس لئے کہ میرے پاس جو تھوڑی سی رقم باقی ہے وہ شکاگو کے زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے قیام ہی میں خرچ ہو جائے گی

سوائے کینیڈا کے امریکہ کے اندر ریل گاڑیوں میں مختلف درجے نہیں ہوتے۔ اس لئے مجھے فرسٹ کلاس درجہ اوّل میں سفر کرنا پڑتا ہے، کیونکہ یہی ایک درجہ ہوتا ہے البتہ "پلمین" Pullmans میں بیٹھنے کی جرأت نہیں کرتا، ویسے بڑے آرام دہ ہوتے ہیں ــ آپ سو سکتے ہیں۔ کھا سکتے ہیں، پی سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں غسل بھی کر سکتے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے آپ کسی ہوسٹل کے اندر ہیں۔ لیکن اُن کا خرچہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

کسی سوسائٹی میں جانا اور تقریر کرنا بڑا ہی کٹھن کام ہے۔ شہروں میں تو کوئی ہے نہیں، سب کے سب موسم گرما کے مقامات پر گئے ہوئے ہیں۔ وہ جاڑوں میں واپس آئیں گے۔ اس لئے مجھے اُن کی واپسی کا انتظار کرنا ہے۔ اتنی سخت محنت کی ہے۔ بھلا اسے اس آسانی سے کیسے چھوڑ دوں گا آپ صرف اتنا کیجئے کہ جتنی بھی آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔ اس میں دریغ نہ کریں، اگر آپ میری کوئی مدد نہ کر سکے تو بھی مجھے آخری دم تک اپنی کوشش تو جاری ہی رکھنی چاہیئے اور اگر میں یہاں سردی سے، بیماری سے، بھوک سے مر بھی جاؤں تو اس کام کو آپ اپنے ذمہ لے لیں! پاکیزگی، اخلاص اور اعتماد و اعتقاد! میں نے جہاز ران کمپنی کو مطلع کر دیا ہے کہ اگر میرے نام کوئی خط یا روپیہ آئے تو میں جہاں کہیں ہوں اُسے وہاں بھیج دیا جائے، آپ جانتے ہو کہ روم ایک دن میں تو تعمیر نہیں ہوا تھا، اگر آپ مجھے یہاں کم سے کم چھ ماہ تک اور رکھ سکے تو مجھے توقع ہی نہیں، یقین ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس اثنا میں بھی یہاں اس بات کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہوں کہ اپنا کام جاری رکھنے کے لئے کوئی وسیلہ ڈھونڈھ نکالوں، اور اگر مجھے کوئی ذریعہ جس سے میں اپنی کفالت آپ کر سکوں میسر آگیا تو میں فوراً ہی بذریعہ تار آپ کو اطلاع دیدوں گا۔

پہلے میں امریکہ میں کوشش کروں گا، اگر یہاں ناکام رہا تو پھر برطانیہ میں کوشش کروں گا۔ اور اگر وہاں بھی ناکام رہا تو ہندوستان واپس آکر، ایشور کے اشارے کا انتظار کروں گا۔ جو وہ چاہے گا میں وہی کچھ کروں گا۔ رام داس کے والد لندن چلے گئے ہیں۔ انہیں اپنے گھر واپس پہنچنے کی جلدی ہے، وہ دل کے بہت ہی

نیک آدمی ہیں ۔ بنیا پن صرف اُوپری ہے ۔ یہ خط پہنچنے میں قریب قریب بیس[1] دن لگیں گے جب کہ آج کل بھی نیوانگلینڈ میں اتنی زیادہ سردی ہے کہ ہمیں تاپنے کے لئے صبح و شام آگ جلانی پڑتی ہے۔ کینیڈا میں تو اس سے کہیں زیادہ سردی ہے، میں نے اتنی نیچی پہاڑیوں پر برف گرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھی تھی جتنی نیچی پہاڑیوں پر یہاں سپید سپید نرم نرم روئی کے گالے گرتے ہیں ۔

آہستہ آہستہ میں کوئی راہ نکال ہی لوں گا لیکن اس کے لئے اِس بے پناہ خرچہ کے ملک میں زیادہ عرصہ تک قیام کرنے کی ضرورت ہوگی ۔ ہندوستان میں روپیہ کی قدر میں اضافہ ہونے پر اس مُلک میں سنسنی سی پھیل گئی ہے اور کئی مِلیں بند ہوگئی ہیں ۔ اِن حالات میں فی الحال تو میں کوئی توقع نہیں کرسکتا۔ لیکن مجھے انتظار کرنا چاہیئے۔ ایشور کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکال دینگے ۔

ابھی ابھی میں ایک درزی کے پاس گیا تھا اور میں نے اسے جاڑوں کے کچھ کپڑوں کا آرڈر دیا ہے ، اُن کی قیمت کم سے کم تین سو روپے یا کچھ زیادہ ہی ہوگی ۔ اس پر بھی یہ کوئی بہت اچھے کپڑے نہیں ہوں گے بس کام چل جائے گا ۔ یہاں کی عورتیں، مَردوں کے لباس کے بارے میں بڑی فکر و تشویش کرتی ہیں ۔ اور عورتیں ہیں جو حقیقت میں یہاں پر حکومت کرتی ہیں ۔ وہ . . . . پرچارکوں اور مبلّغوں کو ناکام نہیں بنایا کرتیں ، وہ ہر برس رامابائی کی مدد کیا کرتی ہیں ۔ آپ اگر مجھے یہاں مقیم رکھنے سے معذور ہوں تو پھر مجھے کچھ روپیہ بھیج دیجئے تاکہ میں اِس مُلک امریکہ سے نکل سکوں ، اِس اثناء میں اگر کوئی صُورت میرے حق میں پیدا ہوگئی تو میں آپ کو خط یا تار سے اطلاع دوں گا ۔ بحری تار میں چار روپے فی لفظ خرچہ بیٹھتا ہے ؛

آپ کا
وویکانند

5

شکاگو
2 ، اکتوبر 1893 ء

عزیزم ادھیاپک جی[1] !

میری اس طویل خاموشی کے بارے میں آپ کیا سوچتے رہے ہیں، میں نہیں جانتا ! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں عین وقت پر بغیر کسی تیاری کے کانگرس میں کھینچ لایا گیا ، اور اس بنا پر تھوڑے عرصہ تک بے حد

[1] Prof. J. H. Wright.

[1] پروفیسر جے ۔ ایچ رائیٹ

مصروف رہا، دوسری بات یہ ہے کہ قریب قریب ہر روز میں نے کانگرس میں تقریر کی اور قسط لکھنے کا وقت نہ ملا، آخری اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے ——— میرے پیارے دوست ——— کہ آپ کا مجھ پر بڑا حق ہے اور آپ کو عجلت میں تجارتی نوعیت کے سرسری خط لکھنا میرے نزدیک آپ کی بے لوث وبے غرض دوستی کی توہین کے مترادف ہے۔ اب کانگرس ختم ہو گئی ہے۔

عزیز بھائی! میں اس عظیم اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کتنا ڈر رہا تھا جس میں ساری دُنیا کے بہترین مقررین و مفکرین اکٹھا ہوئے تھے لیکن بھگوان نے مجھے شکتی دی اور میں نے قریب قریب ہر روز بہت ہی پرجوش انداز میں سامعین کا سامنا کیا، اگر میں نے سب کچھ اچھا کیا اور کامیاب ہوا تو اُس کی شکتی مجھے ایشور نے دی تھی اور اگر میں افسوسناک طریقہ پر ناکام رہا ——— جیسا کہ میں پہلے ہی سے جانتا تھا ——— تو اس کی وجہ میری اپنی مایوس کُن جہالت تھی۔

آپ کے دوست پروفیسر بریڈلے، میرے ساتھ بڑی محبّت اور شفقت سے پیش آتے رہے اور ہمیشہ میری تعریف کرتے رہے اور ہاں یہاں کا ہر شخص اس ناچیز پر کس قدر مہربان ہے۔ اِس کا اظہار و بیان میری طاقت سے باہر ہے۔ یہ ایشور کا کمالِ فضل ہے کہ جس کی نظر میں ہندوستان کا ایک غریب و جاہل مُسافر اور اس عظیم مُلک کے عالم و فاضل یکساں حیثیت رکھتے ہیں، اور ایشور میری زندگی میں ہر روز میری کیسی مدد کرتا ہے میرے بھائی! ——— بسا اوقات میں لاکھوں برس کی عمر کی آرزو کرنے لگتا ہوں تاکہ میں خدمتِ خلق کر کے اُس کی خدمت کرتا رہوں خواہ پہننے کو چیتھڑے ملیں اور کھانے کو خیرات کی روٹی!

اور ہاں! میرا دل کیا کیا چاہتا ہے کہ آپ بھی یہاں ہوتے، اور ہمارے اِن مشفقوں میں سے چند سے مُلاقات کرتے جو ہندوستان سے یہاں آئے ہوئے ہیں، مثلاً خطیب و مُقرّر مزمدار سے ملتے، دھرم پال کی مُلاقات کرتے جو بہت ہی نیک دل ـ بُدھ ہیں۔ ان سے مل کر آپ اندازہ کرتے کہ اس دُور افتادہ اور غریب ہندوستان میں وہ دل بھی ہیں جو آپ کے لیئے ہمدردی میں دھڑکتے ہیں۔ اور جو اس عظیم اور وسیع مُلک میں پیدا اور بڑے ہوئے ہیں۔

آپ کی پاک طینت اہلیہ کی خدمت میں میرا بے پناہ ادب اور احترام، اور آپ کے بچوں کے لیئے میرا لامحدود پیار اور دُعائیں۔

ایک وسیع القلب انسان، کرنل ہنگنس نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کی بیٹی نے اُن کی صاحبزادی کو جو خط لکھا ہے اس میں میرا بھی تذکرہ ہے، وہ مجھ سے بڑی ہمدردی و مہربانی سے پیش آئے، میں کل ایونسٹن جا رہا ہوں اور وہاں پروفیسر بریڈلے سے مُلاقات کی توقع ہے۔

ایشور ہمیں زیادہ سے زیادہ پاک وصاف بنائے ہم مکمل رُوحانی زندگی بسر کرسکیں یہاں تک کہ مٹی کے اِس جسم سے کنارہ کش ہوجائیں۔

اب میں اپنے قیام کے متعلق اپنے نظریات کو ڈھال چکا ہوں، تمام عمر میں نے یہی مانا ہے کہ ہربات ایشور کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور میں اطمینانِ قلب کے ساتھ اُسے قبول کرلیتا ہوں، ابتداً میں امریکہ میں اپنے قابو میں نہیں تھا، ڈرتا تھا کہ کہیں وہ راستہ ہی نہ چھوٹ جائے جس کی طرف ایشور نے میری رہنمائی کی ہے۔ اور جو میرے لئے متعین کر دیا ہے، —— اور یہ کتنا لرزہ خیز شیطانی وسوسہ اور ناسپاس گزاری تھی! اگر اب مجھ پر یہ بھید کھلتا جارہا ہے کہ جو ایشور ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں اور ہندوستان کے گرم میدانوں میں میری رہنمائی کررہا تھا وہی ایشور یہاں بھی میری مدد اور رہنمائی کررہا ہے، تمام عظمتیں اسی کے لئے ہیں۔ میں اپنے قدیم راستوں پر اطمینان سے گامزن ہوں، کوئی مجھے قیام کا ٹھکانہ اور کھانا دے دیتا ہے کوئی میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایشور کا تذکرہ کروں اور میں سمجھتا ہوں کہ ایشور ہی اُنہیں میرے پاس بھیجتا ہے اور میرا کام یہ ہے کہ میں اس کے حکم کی تعمیل کروں! اور پھر وہی میری ضروریات پوری کرتا ہے۔ اور اس کی مرضی پوری ہوگی۔

''وہ مجھ میں نہاں ہے اور میں اپنے نفس کی تمام دوسری خواہشات کو چھوڑ کر صرف اسی بات کے لئے جدّوجہد کرتا ہوں جو وہ چاہتا ہے (گیتا)''

وہی ایشیا میں ہے، وہی یُورپ میں ہے، وہی امریکہ میں ہے، وہی ہندوستان کے ریگ زاروں میں ہے وہی امریکہ کی تجارت گاہوں میں ہے۔ کیا سچ وہ یہاں نہیں ہے؟ اگر وہ نہیں ہے تو میں یقین کروں گا کہ اُس کی یہ مرضی ہے کہ میں مٹی کا یہ سستہ عنصری سٹر ایک طرف پھینک دوں۔ میں اور میں بخوشی ایسا ہی کروں گا!

بھائی! ہم ملیں یا نہ ملیں، وہ جانتا ہے، آپ بڑے ہیں، عالم ہیں، مقدس ہیں ہمیں آپ کو یا آپ کی اہلیہ کو تلقین کی جرأت نہیں کرسکتا لیکن آپ کے بچوں کے لئے ویدوں کے کچھ اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں۔

چار وید، سائنس، لسانیات، فلسفہ اور دوسرے عُلوم تو محض دکھاوا ہیں حقیقی علم تو وہ سچی آگہی ہے جو ہمیں ایشور تک پہنچاتی ہے جس کا لطف وکرم اور جس کی محبت وشفقت ناقابلِ تغیر ہے، اٹل اور اَمر ہے۔

کتنا حقیقی، کتنا واضح اور کتنا ظاہر ہے وہ جسے ہماری کھال محسوس کرتی ہے۔ ہماری آنکھیں دیکھتی

ہیں اور دُنیا جس کی حقیقت پاتی ہے ۔

اسے سُن کر کچھ اور سُننے کی حاجت نہیں رہتی ۔

اسے دیکھ کر کچھ اور دیکھنا باقی نہیں رہتا۔

اسے پاکر کچھ پانے کو باقی نہیں رہتا۔

وہ ہماری آنکھوں کی آنکھ ہے ۔ہمارے کانوں کا کان ہے ۔ہماری رُوح کی روح ہے ۔

میرے پیارے ! وہ تم سے تمہارے باپ اور تمہاری ماں سے زیادہ نزدیک ہے تم معصوم ہو اور پھُولوں کی طرح خالص ہو، ایسے ہی رہو یہاں تک کہ وہ تم پر اپنی ذات کو منکشف کردے ، پیارے آسٹن جب تم کھیلتے ہو تو تمہارے ساتھ کوئی دوسرا کھلاڑی بھی ہوتا ہے اور یہ تم سے ہر شخص سے زیادہ پیار کرتا ہے اور ہاں وہ بے انتہا خوش مذاق بھی ہے ۔ وہ سدا کھیلتا رہتا ہے کبھی بہت بڑی گیندوں سے کھیلتا ہے جن کو ہم چاند اور سُورج کے نام سے پکارتے ہیں اور کبھی تم جیسے ننھے بچوں کے ساتھ ہنستا کھیلتا ہے ۔

کتنا مزہ آئے گا اسے دیکھنے اور اس کے ساتھ کھیلنے میں ، میرے پیارو، ذرا سوچو تو !

پیارے ادھیاپک جی ! میں بس روانہ ہی ہونے والا ہوں ۔شکاگو آنے پر میں ہمیشہ مسٹر اور مسز لین سے ملتا جُلتا رہوں گا ، یہاں جن لوگوں سے میری مُلاقات ہوئی ہے ان میں سے یہ ایک انتہائی شریف الطبع جوڑا ہے ۔ اگر آپ مجھے چٹھی لکھیں تو براہِ مہربانی مسٹر جان بی لین ۲۶۲ سٹی گن الوشکاگو کی معرفت لکھیئے ۔

وہی ہے جو کثرت میں وحدت کو قائم کئے ہوئے ! اتھر کتی پرچھائیوں کی اِس دُنیا میں ایک لافانی وجود — عالم فنا میں ایک زندگی — صرف وہی مصیبت جہد کے اس سمندر کو عبور کرسکتا ۔صرف وہی اور کوئی نہیں ، (وید)

وہ جو ویدانتیوں کا براہمن ہے ، نیائے شاستر کے ماننے والوں کا ایشور ، سانکھ شاستر کے حامیوں کا پُرش مُیمانسا شاستر کے ماننے والوں کا محلُول ۔ بُودھوں کا آئین ودستور ، دہریوں کا نقطۂ وجود وعدم اور اُن کے لئے جو محبت میں عقیدہ رکھتے ہیں لامحدود محبت ہے ہمیں اپنے دامنِ کرم کے سایہ اور اپنی امان وحفاظت میں رکھے — اُدائین آچاریہ نیائے شاستر کے ایک عظیم فلسفی تھے ، اُنھوں نے اپنی انتہائی گراں قدر کتاب "کسما نجلی" جس کے معنیٰ ہیں پھُولوں کا گجرا — "گجرا" کے آغاز ہی میں ایشور کو اتھاہ پریم عشق ومحبت کا بحرِ بیکراں قرار دیتے ہُوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وُہ خالق دو جہاں محبت سے ملتا ہے ۔اور صرف محبت سے اس کا وصال ممکن ہے۔

آپ کا شکرگزار دوست

وویکانند

6

شکاگو

2 نومبر 1893

عزیزم آلاسنگھ!

مجھے بڑا ہی افسوس ہے کہ میری ذراسی کمزوری سے آپ کو اتنی زیادہ تکلیف پہنچی میں اس وقت بالکل ہی مُفلس تھا، اسی وجہ سے الیشور نے میرے پاس دوستوں کو بھیج دیا ہے۔ بوسٹن کے نزدیک ایک گاؤں میں ڈاکٹر رائٹ (ڈاکٹر رائیٹ' Dr. Wright,) سے میری شناسائی ہوئی وہ ہارورڈ یونیورسٹی میں یونانی زبان کے پروفیسر ہیں اور مجھ سے بڑی ہمدردی رکھتے ہیں، اُنہوں نے اصرار کیا ہے کہ مجھے تمام مذاہب کی پارلیمنٹ میں ضرور شریک ہونا چاہیئے۔ اُن کا خیال ہے کہ اس طرح اس پُوری قوم سے متعارف ہو جاؤں گا۔ چونکہ میں کسی سے شناسا نہیں ہوں۔ لہٰذا پروفیسر صاحب ہی نے یہ ذمہ داری لے لی کہ وہ میرے لئے سب انتظام کر دینگے۔ اِس بنا پر میں شکاگو واپس آگیا، یہاں مجھے اور مذاہب کی پارلیمنٹ میں شرکت کرنے والے تمام دوسرے مقامی وغیر مقامی وفود کو ایک ساتھ ہی ایک صاحب کے مکان میں ٹھہرا گیا ہے۔

جس روز پارلیمنٹ کا آغاز ہوا اُس کی صُبح کو ہم سب ایک عمارت میں اکٹھے ہوئے جس کا نام آرٹ پیلیس ہے اس میں پارلیمنٹ کی کوششوں کے لئے ایک بہت بڑا اور چند دُوسرے چھوٹے ہال عارضی طور پر تعمیر کئے گئے ہیں سب مذاہب رُوحانی عقیدوں اور دُنیا بھر کی قوموں کے لوگ اس پارلیمنٹ میں حصّہ لے رہے ہیں۔ ہندوستان سے برہمو سماج کے ذمہ دار اور بمبئی کے ناگرک آئے ہوئے ہیں، مسٹر گاندھی جینیوں کی نمائندگی کر رہے ہیں اور مسٹر چکروَرتی مسز اینی بیسنٹ کے ساتھ "تھیوسافی" کی ترجمانی کر رہے ہیں، سب نمائندوں کا بہت ہی شاندار جلوس نکلا ہم سب ایک پلیٹ فارم پر صف بستہ تھے ذرا تصور کی نگاہ سے دیکھئے کہ اوپر ایک عظیم الشان گیلری ہے، اس کے نیچے بہت بڑا ہال ہے جو مختلف ممالک کے بہترین کلچر کی نمائندگی کرنے والے چھ سات ہزار مرد و زن سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، اور پلیٹ فارم پر ان تمام اقوام کے علماء تشریف فرما ہیں جو روئے ارض پر پائی جاتی ہیں اور مجھے جس نے اپنی عمر میں کبھی کسی عوامی جلسے میں تقریر نہیں کی، اس عظیم الشان اجتماع کو خطاب کرنا ہے، اجلاس کا آغاز شاندار موسیقی سے ہوا، کچھ رسمیں پوری کی گئیں، کچھ تقریریں ہوئیں، اور پھر ایک ایک ڈیلی گیٹ کا تعارف کرایا گیا جو اُوپر ڈائس پر آتے گئے، اور تقریر کرتے گئے، میرا دل دھڑک رہا تھا، میری زبان قریب قریب سوکھ گئی تھی، میرے ہونٹ خشک اور زرد ہوتے جا رہے تھے اور میں اِس قدر پریشان تھا کہ صُبح کے اجلاس میں تقریر کرنے

کی ہمت ہی نہ کر سکا، مزمدار نے شاندار تقریر کی، چکرورتی کی تقریر بھی شاندار تھی، دونوں نے دادِ تحسین حاصل کی، وہ سب پُوری طرح تیار ہو کر آئے تھے، اور تیار شدہ تقریروں کو ساتھ لائے ہوئے تھے، ایک میں ہی بے وقوف تھا، جس کے پاس کچھ بھی نہ تھا، لیکن دیوی سرسوتی کے چرنوں میں سر جھکا کر میں اوپر آیا اور ڈاکٹر بارروز (Dr. Barrows) نے میرا تعارف کرایا، میں نے مختصر سی تقریر کی، میں نے جیسے ہی اس اجتماع کو ان الفاظ سے مخاطب کیا "امریکہ کے بہنو اور بھائیو!" ویسے ہی سارا ہال تالیوں کے شور سے گونج اُٹھا اور دو منٹ تک لگاتار اس قدر تالیاں گونجتی رہیں کہ کان پھٹے جاتے تھے پھر میں نے تقریر شروع کی، اور جب تقریر ختم کر کے بیٹھا تو جذبات اور تاثرات کی شدت کی بنا پر قریب قریب سر د ہو چکا تھا، دوسرے دن کے تمام اخبارات نے لکھا کہ پورے دن کی تقریروں میں میری تقریر ایک شاہکار تھی، اس طرح پورا امریکہ مجھ سے واقف و متعارف ہو گیا، ایک زبردست مبصر شری دھرنے سچ سچ یہ بات کہی - مُوکے کروتی واچالے -(मूकं करोति वाचालं-) کس نے ایک گونگے کو اس قدر دھواں دھار مقرر بنا دیا) تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اس دن سے میری شخصیت مان لی گئی ہے اور جس روز میں نے "ہندوازم" پر اپنا مقالہ پڑھا، اس روز اتنا زیادہ ہجوم تھا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا زیادہ مجمع نہیں ہوا تھا،

میں اخبارات میں سے ایک اخبار کی آپ سے چرچا کرتا ہوں، "عورتیں، عورتیں، ہر طرف عورتیں ہی عورتیں، ہر گوشہ ان سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور وہ صبر کے ساتھ انتظار کرتی ہیں اور اس وقت تک انتظار کرتی رہتی ہیں جب تک کہ پڑھے جانے والے مقالات وویکانند کو ان سے جدا نہ کر دیں" وغیرہ وغیرہ! اگر میں اخبارات کے تراشے آپ کو بھیجوں تو آپ کو اچنبھا ہو گا، لیکن آپ جانتے ہی ہیں کہ میں شہرت سے متنفر رہتا ہوں، اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ جب بھی میں پلیٹ فارم پر آتا ہوں، تالیوں کے شور سے پورا ہال دیر تک گونجتا رہتا ہے، قریب قریب تمام اخبارات نے میری زبردست تعریف کی ہے اور ان اخباروں نے بھی جو بہت زیادہ متعصب ہیں، اتنا اقرار تو کیا ہی ہے کہ "یہ آدمی اپنے وجیہہ چہرہ، اپنی پُر کشش شخصیت اور حیرت ناک قوتِ خطابت کی بدولت پارلیمنٹ کا نمایاں ترین فرد بن گیا ہے" وغیرہ وغیرہ! آپ کے لئے اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ اس سے پہلے کسی مشرقی مقرر نے امریکن سوسائٹی کو اس درجہ متاثر نہیں کیا،

اور میں کس طرح بتاؤں کہ وہ کتنی مہربانی سے پیش آتے ہیں؟ اب مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے، میں بہت اطمینان سے ہوں اور یورپ کا دورہ کرنے کے لئے مجھے جتنے روپے کی ضرورت ہو گی وہ سارا روپیہ مجھے یہاں سے مل جائے گا ...... ایک لڑکا جس کا نام نرسمہ چاری ہے ہمارے حلقہ سے نِکل گیا ہے، وہ گذشتہ تیس برس سے شہر میں خاک اُڑاتا پھر رہا ہے، مارا مارا پھرے نہ پھرے، لیکن میں اُسے پسند کرتا ہوں، اگر

آپ کو اس کے بارے میں کوئی خبر ہو تو براہ مہربانی مجھے مطلع فرمایئے، وہ آپ کو جانتا ہے، جس برس پیرس میں نمائش ہوئی اُسی برس وہ یورپ آیا تھا،

اب مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں اس شہر کی خوشنما سے خوشنما کوٹھیوں کے دروازے مجھ پر وا رہتے ہیں، ہر وقت میں کسی نہ کسی کے یہاں مہمان رہتا ہوں اس قوم میں ایک طرح کا تجسُس ہے، ایسا تجسُس جو آپ کو کسی دُوسری قوم میں نظر نہیں آئے گا، وہ ہر بات جاننا چاہتے ہیں اور ان کی عورتیں ـــــ وہ تو ساری دُنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں، ایک عام امریکن عورت ایک عام امریکن مرد کی بہ نسبت زیادہ مہذب ہوتی ہے مردوں نے تو اپنی تمام عمر کو دولت کا غُلام بنا رکھا ہے لیکن امریکن عورتیں اپنے ارتقاء کا کوئی بھی موقع فروگذاشت نہیں کرتیں، وہ بہت ہی نرم دل، اور راست باز لوگ ہیں، ہر شخص جو بھی کسی نظریہ کو پھیلانا چاہتا ہے یہاں آتا ہے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر بیکار اور فضول ہوتے ہیں، امریکنوں میں بھی ان کے اپنے نقائص موجود ہیں، اور کس قوم میں نہیں ہوتے؟ لیکن اپنے طور پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایشیا نے تمدن کی داغ بیل ڈالی، یورپ نے مرد کو پروان چڑھایا اور امریکہ عوام اور عورت کو ترقی کی راہ پر لیئے جا رہا ہے، یہ ملک مزدور اور عورت کی جنت ہے، اگر آپ اپنے یہاں کے عوام اور عورتوں کا موازنہ کریں گے تو فوراً ہی آپ کے سامنے یہ حقیقت آجائیگی کہ امریکہ مزدور اور عورت کی جنت ہے، امریکن بڑی تیزی سے رواداراور اعتدال پسند بنتے جارہے ہیں آپ ہندوستان میں نظر آنے والے ان عیسائیوں کو دیکھ کر جو متعصب اور تنگ دل (یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے) ہیں امریکنوں کا اندازہ نہ لگایئے، اس قماش کے یہاں بھی موجود ہیں لیکن ان کی تعداد میں بڑی تیزی سے کمی ہو رہی ہے اور یہ عظیم قوم رُوحانیت کے اس معیار کے جانب تیزی سے قدم بڑھا رہی ہے جس معیار پر کبھی ہندو فخر کیا کرتے تھے،

ہندو کو اپنا دھرم ترک نہ کرنا چاہیئے، لیکن دھرم کو اس کی مناسب حدوں کے اندر رکھتے ہوئے سوسائٹی کو پھولنے پھلنے کی آزادی دینی ہوگی ہندوستان کے تمام ریفارمروں سے یہ شدید غلطی ہوئی ہے کہ دھرم کی ٹھیکہ داری اور گراوٹ کی تمام تر ذمہ داری انہوں نے دھرم پر رکھ دی اور پھر اس ڈھانچہ کو گرانے میں مصروف ہو گئے، جو ٹوٹ نہیں سکتا، اگر نہیں سکتا، چنانچہ نتیجہ کیا ہوا؟ ناکامی! مہاتما بدھ سے لے کر رام موہن رائے تک ہر شخص سے یہی غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے ذات پات کے نظام کو دھرم کا ایک شعبہ سمجھ لیا اور پھر ذات پات کے نظام اور دھرم دونوں کو ایک ساتھ گرانے لگے، لیکن اس کوشش میں انہیں ناکامی ہوئی پجاریوں کی تمام ہرزہ سرائیوں اور بداعمالیوں کے باوجود ذات پات ایک طرح کا قطعی سماجی نظام ہے جو اپنا کام تمام کر چکا ہے اور اب ہندوستان کی فضا کو بدبُو سے بھر رہا ہے، اس بدبو کو ختم کرنے کا ایک

سوامی دویکانند کے خطوط صفحہ 23

ہی طریقہ ہے کہ عوام کی کھوئی ہوئی سماجی انفرادیت انہیں واپس لوٹائی جائے۔ یہاں پیدا ہونے والا ہر بشر جانتا ہے کہ وہ ایک انسان ہے، ہندوستان میں جو بشر پیدا ہوتا ہے اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی کا غلام ہے، چونکہ آزادی ہی ارتقاء کی واحد ضمانت ہے، لہذا جب آزادی سلب کر لی جاتی ہے تو نتیجہ گراوٹ اور پستی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے عصرِ حاضر کی سوسائٹی میں "مقابلہ بازی" کی ابتدا ہونے پر آپ دیکھتے ہیں کہ ذات پات کس تیزی سے غائب ہو رہی ہے اب ذات پات کو مارنے کے لئے کسی دھرم کا ہونا ضروری نہیں ہے، شمالی ہندوستان میں عام طور پر اب برہمن دکاندار بھی ملتے ہیں، موچی اور شراب کشید کرنے والے بھی، ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ مقابلہ بازی کا دور شروع ہو چکا ہے، موجودہ حکومت کے تحت ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ زندگی بسر کرنے کے لئے اپنی پسند کا جو پیشہ بھی اختیار کرنا چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی روک ٹوک نہیں ہے، نتیجہ یہ ہے کہ قدم بقدم مقابلہ بازی ہو رہی ہے، اور اس طرح ہزاروں لوگ پستی میں گرنے کے بجائے اس بلند سطح تک پہونچ رہے ہیں جسے حاصل کرنے کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے،

مجھے کم سے کم جاڑوں جاڑوں اسی ملک میں قیام کرنا چاہیئے اور پھر یورپ کے لئے روانہ ہونا چاہیئے، ایشور میرے لئے ہر چیز مہیا کر دے گا، آپ کو اس کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ کی محبت کا شکریہ ادا کر سکوں!

روز بروز میں محسوس کر رہا ہوں کہ ایشور میرے ساتھ ہے اور میں اس کی ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں......ایشور کی اچھا ہی پوری ہوگی، ہم دنیا کے لئے بڑے بڑے کام کریں گے مگر یہ کام محض نیکی اور بھلائی کے لئے انجام پائیں گے، اس لئے متفق ہوں گے کہ انہیں شہرت ملے، یا ہمارا نام چلے،

ہمارے لئے چون وچرا کا کوئی محل نہیں ہے، ہمارا کام ہے کرنا اور مرنا!

خوش اخلاق و روشن ضمیر بنو اور یقین رکھو کہ ایشور نے ہمیں بڑے کاموں کے لئے چن لیا ہے اور ہم وہ کام انجام دیں گے، خود کو کمربستہ رکھو، یعنی یہ کہ پاک وصاف رہو، محبت برائے محبت کرو اور ایشور تم پر اپنا کرم نازل کرے گا؛

وقتاً فوقتاً آر—— اور دوسروں سے ملتے جلتے رہیئے اور ان سے تاکید کرتے رہیئے کہ وہ ہندوستان کے عوام کے ساتھ ہمدردی رکھیں، ان سے کہیئے کہ وہ کس طرح غریب کی گردن پر پاؤں دھرے کھڑے ہیں اور یہ کہ اگر وہ انہیں اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے تو وہ انسان کہے جانے کے مستحق نہیں ہیں، بے خوف رہیئے، ایشور آپ کے ساتھ ہے اور اُسے ہندوستان میں ابھی ان لکھوکھا انسانوں کو اٹھانا ہے جو بھوکے ہیں، بے خبر و بے علم ہیں، آپ کے یہاں کے نوجوانوں اور اکثر شہزادوں کی بہ نسبت یہاں کا ایک ریلوے قلی زیادہ تعلیم یافتہ ہوتا ہے، ہندو خواتین کی

اکثریت جتنی تعلیم حاصل کرسکتی ہے ایک امریکن عورت کی تعلیم اس سے کہیں بہتر ہوتی ہے، ہم کیوں ایسی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے؟ ہمیں کرنی چاہیئے!

یہ مت سوچئے کہ آپ غریب ہیں، دولت طاقت نہیں ہے، صرف نیکی و پاکیزگی طاقت ہے آیئے اور دیکھئے کہ کس طرح ساری دنیا میں ایسا ہی ہو رہا ہے؟

آپ کا خیر اندیش

وویکانند

7

شکاگو

15 نومبر (? 3) 1894

پیارے دیوان جی[1] صاحب!

آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا، آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ نے مجھے یہاں بھی یاد فرمایا، آپ کے نرائن ہیم چندر سے میری ملاقات نہیں ہوئی، مجھے یقین ہے کہ وہ امریکہ میں نہیں ہیں، میں نے بہت سے حیرتناک مقامات اور شاندار چیزیں دیکھی ہیں، مجھے خوشی ہے کہ آپ کے لئے بھی یورپ آنے کا کافی امکان ہے، کسی بھی صورت سے آپ اس موقع کا فائدہ اٹھائیں، یہ واقعہ ہماری پستی اور گراوٹ کا موجب ہے کہ ہم دنیا کی تمام اقوام سے الگ تھلگ رہے ہیں اور اس کا علاج یہ ہے کہ ہم باقی دنیا کی رَو کے اندر خود کو بلٹائیں، حرکت زندگی کی علامت ہے، امریکہ ایک عظیم الشان ملک ہے، یہ عورتوں اور غریبوں کی جنّت ہے، اس ملک میں کوئی غریب نہیں ہے اور دُنیا کے کسی بھی حصّہ کی عورت اتنی مہذب نہیں ہے، سوسائٹی میں انہیں ہر چیز حاصل ہے،

یہ بڑا سبق ہے، سنیاسی کے سنیاس کا ایک حبّہ بھی ضایع نہ ہوا یہاں تک بود و باش کے طور و طریق میں سے بھی کچھ نہیں کھویا اور اس ملک میں جس کے لوگ بہت ہی زیادہ مہمان نواز واقع ہوئے ہیں ہر گھر کا دروازہ مجھ پر ہمیشہ کشادہ رہتا ہے، جو ایشور ہندوستان میں میری رہنمائی کرتا ہے کیا وہی اس مقام پر میری رہنمائی نہیں کرے گا؟ اور اس نے کی ہے!

ہو سکتا ہے کہ آپ یہ بات نہ سمجھیں کہ ایک سنیاسی کو امریکہ میں کیوں ہونا چاہیئے لیکن یہ بہت ضروری ہے، اس لئے کہ آپ کا محض ایک ہی دعویٰ ہے جسے دُنیا نے مانا ہے اور وہ ہے آپ کا دھرم! اور ضرورت اس بات کی ہے کہ دوسری

---

[1] شری ہری داس. بہاری داس ڈیسائی دیوان جوناگڑھ

اقوام کو یہ محسوس کرانے کے لئے کہ ہندوستان مُردہ نہیں ہے ہم اپنے مذہبی اشخاص کے بہترین نمونے بھیجیں!

کچھ نمائندہ افراد کو ہندوستان کے باہر آنا چاہیئے اور رُوئے ارض کی تمام قوموں میں جانا چاہیئے کم سے کم اتنا ہی دکھانے کے لئے کہ ہم وحشی نہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے ہندوستانی گھر میں بیٹھ کر اس ضرورت کو محسوس نہ کرسکیں لیکن میرا یقین کیجئے کہ اس بات پر آپ کی قوم کی بہت بڑی بھلائی منحصر ہے، اور ایک سنیاسی جو اپنے ابنائے وطن کی بھلائی کا کوئی خیال نہیں رکھتا، وہ جلاّد تو ہوسکتا ہے سنیاسی نہیں ہوسکتا۔

میں نہ ہی سیّاح ہوں، نہ ہی یاتری، ایشور آپ کو زندہ رکھے، آپ دیکھیں گے میں نے کیا کام کیا ہے اور تا عمر مجھے داد دیں گے

مسٹر دویدی کے مقالے، پارلیمنٹ کے لحاظ سے بہت طویل تھے اور مجبوراً انہیں مختصر کرنا پڑا۔

میں نے مذاہب کی پارلیمنٹ میں تقریر کی اور کیا اثر ہُوا اس کا اندازہ آپ کو ان اخبارات و رسائل کے تبصروں سے کرا سکتا ہوں جو میرے سامنے پڑے ہوئے ہیں، مجھے خود فریبی کی ضرورت نہیں ہے لیکن آپ کی محبت اور اعتماد کی بناء پر یہ کہنے کے لئے مجبور ہوں کہ کسی بھی ہندو نے امریکہ پر مجھ سے بہتر تاثر نہیں چھوڑا، اور اگر میرا آنا بیکار ہی ہوا تو بھی اتنا فائدہ ضرور ہوا ہے کہ امریکن یہ بات جان گئے ہیں کہ آج بھی ہندوستان ایسے لوگوں کو جنم دے رہا ہے جن کے دم قدم سے انتہائی مہذب اقوام تک مذہب و اخلاق کا سبق حاصل کرسکتے ہیں کیا آپ کے خیال ہندو قوم سے یہ کہنے کے لئے کہ "اپنے سنیاسیوں کو یہاں بھیجے صرف یہی ایک بات کافی نہیں ہے، ویرچند گاندھی سے آپ کو تفصیلات سُننے کا موقع ملے گا،

ذیل میں اخبارات و رسائل کے آراء درج کر رہا ہوں۔

"متعدد مختصر تقریریں، اگرچہ اثر آفریں تھیں، لیکن ان میں سے کسی میں بھی (مذاہب کی) پارلیمنٹ کے اعتراض مقاصد اور حدود عمل کو اس خوبی کے ساتھ ظاہر نہیں کیا جاسکا جس شاندار طریقہ پر ایک ہندو سادھو نے اپنی تقریر میں واضح کیا میں اُس کی پوری تقریر نقل کرتا ہوں

لیکن میں محض اس کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو سامعین کے ذہنوں پر مرتب ہوا اس لیئے کہ قدرت نے اُسے ایک خطیب و مقرر بنا کر پیدا کیا ہے، اس کا وجیہہ چہرہ جس سے ذہانت ٹپکتی ہے اور اُس کا پُرکشش زرد و گلابی لباس سامعین کے لیئے خلوص میں ڈوبی ہوئی تقریر اور اس کے ترنم ریز لہجہ کی بہ نسبت کچھ کم موجب دلچسپی نہیں تھا۔"

(ذیل میں تقریر کا پورا متن درج کیا جا رہا ہے) نیویارک کریٹک ! New York Critique. نے لکھا تھا "اس نے کلبوں اور چرچوں میں تبلیغ کی ہے یہاں تک کہ ہم اس کے عقیدہ سے روشناس ہوگئے ہیں

......اس کی سنسکرتی، اس کی خطابت اور اُس کی پُرکشش شخصیت نے ہمیں ہندو سنسکرتی کے متعلق نیا تصور دیا ہے، اس کا خوب صورت اور ذہین چہرہ، اور اس کی گہری ترنم ریز آواز ہر شخص کو اس کا گرویدہ بنا دیتی ہے ......وہ فی البدیہہ تقریر کرتا ہے اور اپنے دلائل و نتائج کو فنکارانہ مہارت، مطمئن کر دینے والے اخلاص اور انتہائی اثر آفریں خطیبانہ انداز میں پیش کرتا ہے،

"بے شبہ دویکانند مذاہب کی پارلیمنٹ کی گرامی مرتبت شخصیت ہیں، اُن کی تقریر سُن کر ہمیں محسوس ہوا ہے کہ اس عالم قوم میں مبلغین کو بھیجنا کتنی بڑی بے وقوفی ہے" ہیرلڈ (یہاں کا سب سے بڑا اخبار) میں مزید آرا پیش نہیں کر رہا ہوں، مبادا آپ اسے خود ستائی قرار دینے لگیں، لیکن کیا یہ آپ کے لئے ضروری نہیں ہے جو قریب قریب کنوئیں کا مینڈک بن کر رہ گئے ہیں کہ دنیا کو دیکھیں اور سمجھیں کہ کہاں کیا ہو رہا ہے اور اس طرح ہو رہا ہے، میرے محترم دوست میری مراد آپ کی تنہا ذات سے نہیں ہے، میری مُراد ہے — ہماری قوم!

میں یہاں بھی ویسا ہی ہوں جیسا ہندوستان میں تھا، فرق صرف یہ ہے کہ اس انتہائی ترقی یافتہ اور مہذب ملک میں ایک ہمدردی ہے، ایک امتحان ہے، جس کا ہمارے جاہل بے وقوفوں نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا، ہمارے عوام سادھوؤں کو روٹی کا ایک ٹکڑا دیتے ہوئے چڑتے ہیں لیکن یہاں کے لوگ محض ایک تقریر کے ہزار روپے دینے کو تیار رہتے ہیں اور اس کے بعد بھی انہیں جو ہدایت کی جاتی ہے اس کے لیے وہ سدا شکرگزار رہتے ہیں،

ان اجنبیوں نے میری جتنی قدر کی ہے اتنی ہندوستان میں کبھی نہیں ہوئی، اگر میں چاہوں تو یہاں ساری عمر بڑے عیش سے رہ سکتا ہوں لیکن میں ایک سنیاسی ہوں اور "اے وطنِ عزیز تیری تمام بے مہریوں کے باوجود میں تجھ سے محبت کرتا ہوں" لہٰذا میں چند ماہ کے بعد آ رہا ہوں اور جیسا کہ اب تک کرتا رہا ہوں شہر شہر ان لوگوں میں ارتقا اور دھرم کی تخم ریزی کروں گا جو نہیں جانتے امتحان کیا ہے "شکر کیا ہے"،

امریکہ کے لوگوں نے جو ایک بدیشی دھرم کے نمائندہ ہیں میرے ساتھ امداد، تواضع، ہمدردی اور احترام و عزت کا جو برتاؤ کیا ہے میں جب اس کا موازنہ اپنی قوم کی خود غرضی، بھکاری پن جاہلانہ ناشکری اور ناسپاس گذاری سے کرتا ہوں تو مجھے بڑی ندامت ہوتی ہے، لہٰذا میں اپنے ملک سے باہر اس غرض سے نکلا ہوں کہ دوسروں کو دیکھوں اور موازنہ کروں!

کیا ان دلائل کے بعد بھی آپ یہ سوچتے ہیں کہ ایک سنیاسی کو امریکہ بھیجنا بے فائدہ ہے؟

براہِ مہربانی یہ شائع نہ کیجئے، جس طرح ہندوستان میں تشہیر مجھے ناپسند تھی اسی طرح میں اب بھی شہرت سے متنفر رہتا ہوں،

میں ایشور کی خدمت کر رہا ہوں وہ جدھر مجھے لے جا رہا ہے، میں اُدھر جا رہا ہوں (मूकं करोति वाचालं) وغیرہ وغیرہ — وہی ہے جس نے گونگے کو گویا کیا ہے اور لنجے سے پہاڑ عبور کرایا ہے، وہی میری مدد کرے گا، مجھے کسی شخص کی امداد کی پروا نہیں ہے، وہ ہندوستان میں میری امداد کو تیار تھا، امریکہ میں میری مدد کر رہا ہے اور اگر اس کی مرضی ہو گی تو قطب شمالی میں بھی میری مدد کرے گا، اگر اس کی مرضی نہیں ہے تو پھر کوئی بھی میری مدد نہیں کر سکتا، کبریائی اسی کے لئے ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے!

آپ کا خیر اندیش

وویکانند

(8)

شکاگو

29 جنوری 1894

پیارے دیوان جی[1] !

آپ کا آخری مکتوب چند روز ہوئے، موصول ہوا، آپ پر لازم تھا کہ آپ میری غریب ماں اور بھائیوں کی دیکھ بھال کرتے رہیں، مجھے خوشی ہے کہ آپ نے ایسا ہی کیا، لیکن آپ نے میرے دل کے نرم گوشہ کو چھو لیا ہے دیوان جی آپ کو جاننا چاہیئے کہ میں سنگدل جلاد نہیں ہوں، سارے سنسار میں اگر میں کسی سے محبت کرتا ہوں تو وہ صرف میری ماں ہے، مجھے یقین تھا اور اب بھی ہے کہ ترکِ دنیا کے بغیر، میں اس مشن کو روشنی میں نہیں لا سکونگا جس کی اشاعت کے لیئے میرے عظیم پیشوا پرم ہنس شری رام کرشن آئے تھے پھر وہ نوجوان کدھر جائیں گے جو اس زمانہ کے عیش و عشرت اور مادّہ پرستیوں کی طوفانی موجوں کے سامنے سینہ تانے کھڑے ہیں، انہوں نے ہندوستان میں خصوصیت سے بنگال میں بہت اچھا کام کیا ہے لیکن یہ تو محض ابتدا رہے، ایشور کی مدد سے وہ ایسے کارنامے بھی انجام دیں گے جن کی بنا پر ساری دنیا صدیوں تک ان کی ممنون رہے گی، لہذا ایک طرف میری نگاہ میں ہندوستان کے دھرم، بلکہ ساری دنیا کے دھرم کا مستقبل ہے، ان کروڑوں انسانوں کے لیئے میرے دل میں محبت ہے جو صدیوں سے گہرائی میں ڈوب رہے ہیں، اور کوئی نہیں ہے جو ان کی مدد کرے، بلکہ کوئی نہیں

---

[1] ہری داس بہاری داس ڈیسائی، دیوان جوناگڑھ۔

ہے جسے ان کی مدد کرنے کا خیال آتا ہو دوسری جانب میرے وہ قریب ترین وعزیز ترین لوگ ہیں جن کے خیال سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے میں ان میں سے اوّل الذکر کو منتخب کرتا ہوں، باقی ایشور کرے گا، ایک حقیقت کی طرح مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ایشور میرے ساتھ ہے، جب تک میں مخلص ہوں، کوئی چیز میری راہ میں مانع نہیں آسکتی، اس لئے کہ ایشور میری مدد کرے گا، ہندوستان میں بہت اور بہت لوگ مجھے نہیں سمجھ سکے، اور وہ بیچارے سمجھتے تو کیسے؟ ان کے خیالات کو صبح وشام کے کھانے پینے کے معمول ہی سے کب چھٹی ملتی ہے؟ آپ کی طرح چند ہی نیک دل لوگ ہیں جو مجھے سمجھ سکے ہیں ایشور آپ پر دیا کرے، امتحان در امتحان ہو یا نہ ہو لیکن میرا جنم ہی اس لئے ہوا ہے کہ میں ان نوجوانوں کی تنظیم کردوں اور بے شبہ ہر شہر میں سیکڑوں لوگ ہیں جو میرا ساتھ دینے پر رضامند ہیں، اور میں ان کو ان موجوں کی طرح بھیجنا چاہتا ہوں جو کسی سے رُک نہ سکیں اور پورے ہندوستان پر چھا جائیں اور کمتر سے کمتر گھرانوں تک آرام، اخلاق، دھرم اور تعلیم پہونچائیں، میں یہ کروں گا یا مروں گا!

ہمارے عوام میں کوئی نظریہ نہیں ہے، کوئی پرکھ اور پہچان نہیں ہے، مزید برآں ان میں ہولناک حسد اور اشتباہ کی فطرت پیدا ہوگئی ہے جو صدیوں کی غلامی کا قدرتی نتیجہ ہے اور اسی فطرت کی بنا پر وہ ہر نئے نظریہ کو دشمنوں کی طرح دیکھتے ہیں، پھر بھی ایشور کو بڑی قدرت ہے،

آپ نے آرتی اور دوسری چیزوں کی چرچا کی ہے، ہندوستان کے ہر حصہ کی عبادت گاہوں میں اس قسم کی چیز رائج اور ویدوں نے گورو کی پرستش کو پہلا فرض قرار دیا ہے، اس کے اچھے پہلو بھی ہیں اور برے پہلو بھی ہیں لیکن آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری کمپنی اس اعتبار سے بالکل انوکھی ہے کہ ہم میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ اپنے عقائد کو وہ کسی دوسرے کے سر پر مسلّط کرنے کی کوشش کرے، ہم میں سے اکثر دیوی پوجا کی کسی قسم میں بھی عقیدہ نہیں رکھتے لیکن ان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کی مزاحمت کریں جو دیوی پوجا میں عقیدہ رکھتے ہیں، مزید برآں ایشور انسان کے اپنے اندر پہچانا جاتا ہے یا انسان کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے، روشنی کی لہریں ہر جگہ ہیں یہاں تک کہ تاریک ترین گوشوں میں بھی ہیں لیکن وہ انسانوں کو صرف اسی وقت دکھائی دیتی ہیں جب وہ لیمپ کے اندر سے پھوٹتی ہیں، اسی طرح ایشور ہر جگہ موجود ہے آپ اُسے ایک عظیم انسان کے روپ میں دیکھ سکتے ہیں، ایشور کے یہ تمام اوصاف کہ وہ رحم کرنے والا ہے، محافظ و مددگار ہے انسان کے ذہن کی پیداوار ہیں، ماحول کی دین ہے، اور یہ اوصاف جس میں ہوں آپ اسے گورو کہہ سکتے ہیں، نبی اور رشی کہہ سکتے ہیں انسان اپنی فطرت سے آگے نہیں جاسکتا، اپنے شریر کے باہر آپ سے زیادہ کوئی جست لگا ہی نہیں سکتا، اگر کچھ لوگ اپنے گورو کی پرستش کرتے ہیں جبکہ گورو، ان تمام انبیاء سے جن کا تاریخ میں ذکر ہے سو گنا زیادہ صاف باطن تھا تو اس میں نقصان کی کون سی بات ہے اگر مسیح، کرشن یا بدھ کی

پرستش میں کوئی ہرج نہیں ہے تو پھر اس شخص کی پرستش میں کون سا ہرج ہوسکتا ہے جس نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور کبھی کسی کی تقدیس کی نفی نہیں کی، اپنی تعلیمات اور ذہانت وفراست کی بنا پر وہ تمام انبیا سے بلند تر اس لئے ہے کہ وہ سب یک رُخے تھے، اس نے سائنس، فلسفہ اور کسی دوسرے ذریعہ کی امداد کے بغیر ہر دھرم میں ہی نہیں بلکہ ہر دھرم کے اس حقیقت آفرین تصور کو پہلی بار دنیا کے سامنے منکشف کیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ لازم نہیں ہے کہ کوئی بھائی آپ سے یہ کہے کہ اس کے گورو کی پرستش ہونی چاہئیے، نہیں، نہیں، نہیں! لیکن اس طرح اگر کوئی شخص گورو کی پرستش کرتا ہے تو کسی کو مزاحمت کا حق بھی نہیں ہے کیوں؟ اس لئے کہ اگر ایسا ہوگا تو اس انوکھی سوسائٹی کی جڑیں اُکھڑ جائیں گی جو انبیا نے اپنی عمر میں پہلی بار دیکھی ہے جس میں مختلف عقائد رکھنے والے اشخاص مکمل رواداری اور اتحاد کے ساتھ رہتے سہتے ہیں دیوان جی انتظار کیجئے، ایشور عظیم ورحیم ہے آپ مزید کچھ دیکھیں گے،

ہم محض گوارا ہی نہیں کرتے بلکہ ہر دھرم کو قبول کرتے ہیں اور میں ایشور کی مدد سے ساری دنیا میں اس بات کا پرچار کرنے کی کوشش کر رہا ہوں،

ہر شخص اور ہر قوم کو عظیم بننے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں :-

۱۔ نیکیوں کی طاقتوں کا ایقان!

۲۔ اشتباہ اور حسد کا فقدان!

۳۔ ان سب کی مدد سے جو نیک بننے کی کوشش کرتے ہیں اور نیکی کرتے ہیں؛

ہندو قوم، حیرتناک ذہانت وفراست اور دوسری چیزوں کے باوجود کس وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی؟ میں آپ سے اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ اس کی وجہ حسد اور صرف حسد ہے، دنیا کی کسی قوم کے لوگوں نے ایک دوسرے کی ناموری وشہرت سے اتنا زیادہ حسد نہیں کیا ہے جتنا اس ہندو قوم نے جو چورہ چورہ ہوکر رہ گئی ہے، اگر آپ کو کبھی مغرب آنے کا موقع ملا تو سب سے پہلے آپ مغرب کی اقوام میں حسد کا فقدان دیکھیں گے؛

ہندوستان کے تین آدمی مل کر پانچ منٹ تک بھی ایک صحیح کام نہیں کرسکتے، ہر شخص اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور انجام کار پوری آرگنائزیشن کی حالت افسوسناک ہو جاتی ہے، اے ایشور! اے ایشور! ہم کب سیکھیں گے کہ ہمیں حاسد نہ ہونا چاہیئے، ایسی قوم میں، خصوصیت سے بنگال میں ایسے لوگوں کی جماعت کا معرض وجود میں آنا کیا ایک معجزہ نہیں ہے جو اختلافات کے باوجود محبت کے غیر فانی رشتوں میں منسلک ہیں؛ یہ جماعت بڑھے گی حیرتناک رواداری کا یہ نظریہ جس کے ساتھ غیر فانی شکتی اور ارتقار کا

کا خیال بھی شامل ہے پورے ہندوستان میں پھیل جانا چاہیئے اور پوری قوم میں جہالت وحسد، ذات پات کے امتیازات اور سماج کے دوسرے ناموروں کے باوجود جو غلاموں کی اس قوم کو ورثہ میں ملے ہیں، اس نظریہ کو بجلی کی ایک لہر کی طرح دوڑا دینا چاہیئے کہ اس لہر سے روشنی ہوگی ؛

آپ ان چند شریف الطبع انسانوں میں سے ہیں جو بے حسی کی اس دنیا کے سمندر کی سطح آب سے باہر چٹان کی طرح سر اٹھائے کھڑے ہیں، ایشور آپ پر سدا دیا کرتا رہے ؛

آپ کا مخلص

وویکانند

(9)

541 ڈیئر بورن ایونیو — شکاگو

3 مارچ 1894.

عزیزم کِڈی[1] !

.......جہاں تک آپ کی اس بات کا تعلق ہے کہ عقیدہ انسان کے باطن کا حیرتناک آئینہ ہے میں آپ سے متفق ہوں لیکن اس میں یہ خطرہ بھی ہے کہ اسی سے مذہبی جنون کی پرورش ہوتی ہے اور مزید ترقی مسدود ہو جاتی ہے گیان بالکل ٹھیک ہے لیکن یہ خطرہ بھی ہوتا ہے کہ گیان کہیں خشک عقلیت بن کر نہ رہ جائے، محبت عظیم شے ہے لیکن وہ بے معنی جذباتیت میں بھی فنا ہو سکتی ہے، جس چیز کی ضرورت ہے وہ رواداری ہے، رام کرشن اس قسم کی رواداری کا ایک نمونہ تھے، ایسے لوگ چند ہی ہوتے ہیں، اور صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں لیکن رام کرشن اور اُن کی تعلیمات کو آدرش کے طور پر سامنے رکھ کر اور ان تعلیمات پر عمل کر کے ہم آگے بڑھ سکتے ہیں، اور اگر ہم میں سے ہر شخص اس حد تک کامل نہیں ہو سکتا تو بھی ہم اجتماعی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ترتیب و توازن قائم رکھ کر رواداربن کر اور میل ملاپ کے ذریعہ وہ اکملیت حاصل ہی کر سکتے ہیں، یہ متعدد لوگوں کا اتحاد و یک جہتی ہو گی اور تمام دوسری نسلوں اور ذاتوں سے ایک طرح کی متعین پیش قدمی قرار پائے گی ؛

ایک دھرم کی اثر آفرینی کے لیے جوش وخروش لازمی چیز ہے، اسی کے ساتھ ہم کو نسلوں کی تقسیم اندر تقسیم کے خطرہ سے بھی بچنا چاہیئے، ہم اِس خطرہ سے صرف اسی صورت میں بچ سکتے ہیں کہ ہمارا فرقہ، غیر فرقہ وارانہ

---

[1] سوامی وویکانند کے ایک چیلے سنگارویلو مدلیار، آپ کرسچین کالج مدراس میں سائنس کے اسسٹنٹ پروفیسر تھے، آپ سوامی جی کے بہت شردھالو شِشیہ تھے، شری سوامی جی انہیں پیار کے ساتھ "کِڈی" پکارا کرتے تھے۔

ہو لیکن اس میں ایک فرقہ کے تمام فوائد بھی ہوں اور ایک عالمی دھرم کی وسیع النظری بھی ہو،

ایشور، اگرچہ ہر جگہ ہے لیکن ہم اس کو انسانی کردار میں دیکھ سکتے ہیں، انسانی کردار کے ذریعہ پہچان سکتے ہیں، رام کرشن کے کیریکٹر کی طرح کسی کا کیریکٹر اتنا کامل نہیں تھا، لہٰذا اسے مرکز مان کر ہمیں اس کے گرد جمع ہو جانا چاہیئے اسی کے ساتھ ہمیں ہر شخص کو آزادی دینا چاہیئے کہ وہ نقطۂ نگاہ کے مطابق ان کا احترام کرے، چاہے ایشور مانے، چاہے پیمبر مانے، چاہے معلّم و مصلح، ہادی و پیشوا یا عظیم آدمی مانے،

ہم نہ تو سماجی مساوات کی تبلیغ کرتے ہیں نہ عدم مساوات کی، لیکن جس بات کی تبلیغ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو حقوق ایک کے ہیں وہی حقوق دوسرے کو بھی حاصل ہیں، اور ہم اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ ہر شخص کو زندگی کے ہر شعبہ میں خیال و عمل کی مکمل آزادی حاصل ہے،

ہم نہ تو ان کا انکار کرتے ہیں جو ایک یا چند خداؤں کو مانتے ہیں، نہ ان کا انکار کرتے ہیں جو "ہمہ از اوست" کے نظریہ میں عقیدہ رکھتے ہیں، ہم نہ ان کا انکار کرتے ہیں جو دہریہ ہیں، نہ ان کا انکار کرتے ہیں جو دیوی پوجا کرتے ہیں، ہمارا پیروکار ہونے کی ایک ہی شرط ہے کہ فوراً ہی اپنے کردار کو وسیع النظری کی بنیاد پر قائم کیا جائے؛

نہ ہی ہم عمل و کردار کے لئے خصوصی اخلاقی ضابطوں پر امداد کرتے ہیں نہ کھانے پینے پر کوئی پابندی لگاتے ہیں جب تک کہ کسی دوسرے کے جذبات مجروح نہ ہوں!

جو چیز بھی ترقی میں مانع آئے اور گراوٹ میں مددگار بنے بدی کہلاتی ہے اور جو شے بھی ارتقا میں مدد کرے اور اتحاد و رواداری پیدا کرے وہ نیکی کہلاتی ہے۔

ہم ہر شخص کو آزادی دیتے ہیں کہ جو راہ بھی اسے مناسب معلوم ہو اور اس کی مددگار بنے، اُسے دیکھے، پرکھے اور اختیار کرے، لہٰذا مثال کے طور پر گوشت کھانا ایک کو مرغوب ہے اور پھل کھانا دُوسرے کو، ہر چیز کو ایک آدمی اپنی رغبت کے مطابق پسند کر سکتا ہے لیکن اُسے دُوسروں کے عمل و طریق کار پر نکتہ چینی کرنے کا کوئی حق نہیں پہونچتا، اس لئے کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ اپنے کو بھی نقصان پہونچائے گا اور دوسروں کو بھی لہٰذا دوسروں سے اس بات پر اصرار نہ کرنا چاہیئے کہ جو راستہ اس نے اختیار کر رکھا ہے اسی راستہ پر وہ بھی چلیں، کچھ لوگوں کی ترقی میں ایک بیتنی مددگار ہو سکتی ہے، کچھ لوگوں کے لئے ہو سکتا ہے کہ ازدواجی زندگی مضرت رساں ثابت ہو، لیکن غیر شادی شدہ مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس چیلے کو غلط قرار دے جس نے شادی کر رکھی ہے، اُسے اپنے اخلاقی آدرش کو اپنے بھائی پر مسلّط نہ کرنا چاہیئے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر بشر بھگوان ہے، ایشور ہے، ہر رُوح ایک آفتاب ہے جس پر جہل و بے خبری

کے بادل چھائے ہوئے ہیں، روح اور روح کے درمیان جو فرق ہے وہ ان بادلوں کے موٹا یا پتلا ہونے کی مانند ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام مذاہب کی شعوری یا غیر شعوری بنیاد یہی ہے، اور انسانی ارتقاء کی یہی توجیہہ ہے، خواہ یہ ارتقا مادّی سطح پر ہو، یا عقلی و روحانی سطح پر۔۔۔ یہی ایک روح ہے جو مختلف سطحوں پر بروئے کار رہتی ہے،

ہمارا عقیدہ ہے کہ ویدوں کا حقیقی جوہر بھی یہی ہے،

ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر بشر کا یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے بارے میں اس طرح سوچے اور اس طرح سلوک کرے جیسے وہ دیوتا ہیں، اور ان سے نہ نفرت کرے نہ عناد رکھے نہ کسی طریقے اور ذریعہ سے انہیں کوئی نقصان پہونچائے، یہ فرض صرف سنیاسیوں ہی کا نہیں ہے، بلکہ تمام مردوں کا ہے تمام عورتوں کا ہے۔

روح کی نہ کوئی جنس ہے نہ کوئی ذات ہے اور نہ ہی اس میں کوئی آمیزش ہے،

ہمارا عقیدہ ہے کہ ویدوں میں، درشنوں، یا پرانوں یا "تنتروں" میں کسی جگہ بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ روح کی کوئی جنس ہوتی ہے کوئی نسل یا کوئی ذات ہوتی ہے لہٰذا ہم ان لوگوں سے، جو یہ بات کہتے ہیں اتفاق رکھتے ہیں کہ "سماجی اصلاحات سے دھرم کا کیا تعلق ہے؟" مگر انہیں ہم سے بھی اس بات میں اتفاق کرنا چاہیئے کہ دھرم سے سماجی ضوابط بنانے کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی دھرم انسانوں کے درمیان فرق کرنے پر اصرار کرتا ہے، اس لئے کہ اس کا منتہائے مقصود ہی یہ ہے کہ وہ اس طرح کے تمام امتیازات کو ختم کر دے،

اگر کوئی یہ دلیل لائے کہ ان اختلافات ہی سے ہم اتحاد و مساوات کی آخری منزل تک پہونچیں گے تو اس دلیل کو رد کرنے کے لیئے ہم یہ جواب دیں گے کہ اسی دھرم نے بار بار کہا ہے کہ مٹی سے مٹی کو نہیں دھویا جا سکتا،

کیا کوئی شخص بد اخلاقی سے صاحبِ اخلاق بن سکتا ہے!

اقتصادی حالات نے دھرم کی منظوری کے ساتھ سماجی ضوابط کو جنم دیا ہے، دھرم کی سنگین غلطی یہ ہے کہ اس نے سماجی امور میں دخل دیا، لیکن کس بے کلی کے ساتھ وہ اپنی ہی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سماجی اصلاح دھرم کا کام نہیں ہے، بے شک ہم یہی چاہتے ہیں کہ دھرم کو "سماجی مصلح" یا سوشل ریفارمر نہیں ہونا چاہیئے لیکن اس کے ساتھ ہم اس پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ دھرم کو سماجی قانون ساز بھی نہ ہونا ہونا چاہیئے، دست کش ہو جاؤ! خود کو اپنی حدود کے اندر رکھو اور پھر ہر چیز درست ہو جائے گی،

۱۔ تعلیم اُس اکملیت کا ظہور ہے جو آدمی میں پہلے ہی سے موجود ہے،

۲۔ دھرم اُس آفاقیت کا ظہور ہے جو آدمی میں پہلے ہی سے موجود ہے،

لہٰذا ایک معلّم کا واحد فریضہ یہ ہے کہ وہ دونوں صورتوں میں ان رکاوٹوں کو ہٹائے جو راہ میں حائل ہوں دست کش ہو جاؤ! جیسا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں پھر ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی، لہٰذا راستہ کو صاف کرنا ہمارا فرض ہے، باقی کام ایشور کا ہے؛

تم کو خصوصیت سے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ مذہب کا تعلق صرف رُوح سے ہے، سماجی امور میں دخل انداز ہونا اس کا کام نہیں ہے، — یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ یہ پورے طور پر اس شرارت پہ نافذ ہوتا ہے جو پہلے ہی کی جا چکی ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص زبردستی کسی دوسرے کی ملکیت پر قبضہ کرے اور جب وہ اپنی ملکیت کو واپس لینے کی کوشش کرے تو اس پر منمنا منمنا کر انسانی حقوق کے تقدّس کی تبلیغ کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے۔

ایک بُجاری کا ہر سماجی معاملہ میں ٹانگ اڑانے کا کیا کام؟ (جو لاکھوں آدمیوں کی مُصیبت کا موجب ہو)

تم گوشت کھانے والے کھشتریوں کی بات کرتے ہو، گوشت کھانا یا نہ کھانا، اس سے قطع نظر، یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہندوازم کو حسن دیا ہے تقدّس دیا ہے، اپنشدوں کو کس نے لکھا؟ رام کون تھے؟ کرشن کون تھے؟ بُدھ کون تھے؟ جینیوں کے ترتھنکر کون تھے؟ جب بھی کھشتریوں نے دھرم کی تبلیغ کی ہے تعلیم دی ہے انہوں نے مساوات سے کام لیا ہے لیکن جب بھی برہمنوں نے کچھ لکھا ہے تو انہوں نے دوسروں کے تمام حقوق سے انکار کر دیا ہے، گیتا یا دیاس کی سوتروں کو پڑھو یا کسی سے کہو کہ وہ تمہیں پڑھ کر سنائے، گیتا میں تمام مردوں عورتوں نسلوں اور ذاتوں کے لئے کھلا ہوا راستہ ملے گا لیکن ویاس شودروں کو دھوکا دینے کے لئے ویدوں کو معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، کیا ایشور بھی تمہاری طرح مخبوط الحواس ہے کہ گوشت کے ایک ٹکڑے سے اُس کی دیا کے دریا میں ہلچل پڑ جائے اگر وہ ایسا ہو تو اُس کی قدر ایک پائی برابر بھی نہ ہو،

مجھ سے کوئی توقع نہ رکھو، لیکن مجھے اطمینان ہے جیسا کہ میں تم کو لکھ چکا ہوں کہ ہندوستان کا بچاؤ ہندوستانیوں ہی کو اپنے آپ کرنا ہوگا، لہٰذا مادرِ وطن کے تم نوجوان لوگ اس نئے آدرش کے بارے میں تقریباً جنونی ہو گئے ہو، سوچو اور ذرائع فراہم کرو، اور تمام کرامتوں کے ذکر جان بوجھ کر چھوڑتے ہوئے رام کرشن کی سوانح حیات تحریر کرو، سوانح حیات اس طرح لکھی جانی چاہیئے کہ جن آدرشوں کی انہوں نے تبلیغ کی ہے وہ ان کی عکاسی کرتی ہو، صرف ان کی سوانح حیات لکھو، اس میں میرا، یا کسی اور کا تذکرہ مت چھیڑو! اس کا بنیادی مقصد یہ ہونا

سوامی دویکانند کے خطوط صفحہ 34

چاہیئے کہ دنیا کو وہ بتایا جائے جس کی انہوں نے تعلیم دی ہے، اور ان کی اس سیرت سے اہلِ دنیا کو آگاہ کیا جائے جو ان کی تعلیمات کی آئینہ داری کرتی ہے، اگرچہ میں اس کا اہل نہیں ہوں اور من آنم کہ من دانم لیکن یہ آرزو رکھتا ہوں کہ جواہر کے اس صندوق کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے جو میرے پاس محفوظ ہے، اور میں جواہر کا یہ صندوق تمہارے حوالے کر سکتا ہوں، تمہیں کو یہ کیوں دینا چاہتا ہوں اس لئے کہ دھرم کے جنونی، حاسد، غلامانہ ذہنیت رکھنے والے بزدل، جو صرف مادیت میں عقیدہ رکھتے ہیں کبھی کوئی کام نہیں کر سکتے، حسد ہمارے قومی کردار کی اساس ہے جو غلاموں کی فطرت ہوتا ہے ایشور تک اپنی تمام قدرتوں کے باوجود حسد کے سلسلے میں کچھ نہ کیا کرتا؛

میرے بارے میں تو اب یوں سمجھو کہ میں اپنا کام پورا کر کے جا چکا ہوں، مر چکا ہوں اور تمام کام اب تمہارے کاندھوں پر آپڑا ہے، ...... یہ سوچو کہ یہ کام انجام دینا تمہارا ــــ مادرِ وطن کے نوجوانوں کا فریضہ ہے، خود کو اس کام میں لگا دو، ایشور تم پر دیا کرے، مجھے چھوڑ دو اور بھول جاؤ، نئے آدرش، نئے نظریے اور نئی زندگی کا پرچار کرو، کسی شخص کی مخالفت نہ کرو، کسی رسم کی مخالفت نہ کرو، نہ ذات پات کے حق میں کچھ کہو نہ مخالفت میں، کسی بھی سماجی برائی کے حق یا مخالفت میں کچھ نہ کہو، بس اس بات کا پرچار کرو کہ "دست کش رہو اور سب ٹھیک ہو جائے گا"

میرے بہادر، راستباز پیارے لوگو! میری تمام دعائیں تمہارے لئے ہیں،

تمہارا

وویکانند

10

امریکہ[1]

1894.

...... "درو دیوار کا نام گھر نہیں[1] ہوتا، گھر ستی سے بنتا ہے" یہ سنسکرت کے ایک شاعر کا خیال ہے اور کتنا صحیح خیال ہے، مکان کی چھت، آپ کو گرمی، سردی اور بارش سے بچاتی ہے، ستون اُسے اٹھائے رہتے ہیں، یہ ستون کتنے ہی خوب صورت و خوشنما کیوں نہ ہوں لیکن ایک گھر کا وسطی ستون جو پورے گھر کو اٹھائے رہتا ہے وہ حقیقت میں "عورت" ہی ہوتی ہے، اس اعتبار سے دیکھئے تو امریکن گھر کا موازنہ دنیا کے کسی بھی ملک کے گھروں سے نہیں کیا جا سکتا، میں نے امریکن گھرانے کے بارے میں بہت سے قصے کہانیاں سنی تھیں، اِس

---

1 "न गृहं गृहमित्याहुर्गृहिणी गृहमुच्यते ।"

[1] اقتباس از مکتوب بنام ہز ہائی نیس مہاراجہ کھیتڑی

آزادی کے قصّے اور افسانے جو بے راہ روی بن گئی، کہا جاتا ہے کہ عورتیں بہت ہی غیر نسوانی انداز میں دیوانہ وار رقص کرتی ہیں اور آزادی کے نام پر گھریلو زندگی کے سکون اور سُرور کو اپنے پاؤں کے نیچے روند رہی ہیں، اور اسی قسم کے احمقانہ قصے کہے جاتے ہیں، لیکن امریکن گھرانوں اور امریکن عورتوں کے متعلق اپنے ایک سالہ تجربہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ یہ قصے غلط اندازوں پر مبنی ہیں، جھوٹے اور غلط ہیں، امریکن عورتو! سو بار بھی مجھے زندگی ملے تو بھی تمہارے احسانوں سے سُبکدوش ہونے کے لئے یہ ناکافی ہوگی! میرے پاس تمہارا شکریہ ادا کرنے کو الفاظ نہیں ہیں، مشرقی مٹھاس اور شیرینی کی گہرائی ظاہر کرنے کے لئے مشرقی ہی کا غلو بھی درکار ہے — اگر بحرِ ہند روشنائی کی دوات بن جائے اگر سر بفلک ہمالیہ قلم کی شکل اختیار کرلے، زمین صفحہ قرطاس بن جائے اور خود زمانے کے ہاتھ محوِ تحریر ہو جائیں تو بھی اس مٹھاس اور شیرینی کا اظہار نہیں ہو سکے گا جو میرے دل میں تمہارے لئے موجود ہے۔"

میں پچھلے برس موسمِ گرما میں اس مُلک میں آیا تھا ایک دُور افتادہ ملک کے خانہ بر دوش مبلغ کی حیثیت سے! جو گمنام تھا، جس کی کوئی شہرت نہ تھی، جس کے پاس نہ دولت تھی، نہ علم تھا۔ جو آپ کی، امریکی دیویوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتا — بے یار و مددگار — قریب قریب ایک محتاج کی حالت میں — اور امریکن دیویوں نے اپنی دوستی کا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور مجھے اپنے یہاں پناہ دی، خوراک دی، وہ مجھے اپنے گھروں میں لے گئیں، اور انہوں نے میرے ساتھ وہی شفقت بھرا برتاؤ کیا جو ایک بیٹے کے ساتھ ایک ماں کا ہوتا ہے، ایک بھائی کے ساتھ ایک بہن کا ہوتا ہے، وہ اس وقت بھی میری رفیق اور مددگار بنی رہیں جبکہ خود ان کے اپنے پادری انہیں یہ ترغیب دینے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ مجھ جیسے "خطرناک غیر مسیحی" سے بچ کر رہیں تو بھی وہ میری دوست بنی رہیں، وہ اس وقت بھی میرے ساتھ شفقت و محبت بھرے برتاؤ سے پیش آتی رہیں جبکہ آئے دن ان کے بہترین رفیق انہیں کہتے تھے کہ اس اجنبی بدیشی سے بچ کر رہنا چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ خطرناک قسم کا آدمی ہو" لیکن واقعہ ہے کہ امریکی دیویاں رُوح و کردار کو پرکھنے والی بہترین جوہری ہیں اس لئے کہ انسان کا اپنا دل شفاف آئینہ کی طرح ہوتا ہے جس میں دوسروں کے حُسنِ کردار کا عکس و جمال دکھائی دیتا ہے۔

اور میں نے کتنے ہی خوب صورت و خوشنما گھر دیکھے ہیں، کتنی ہی پاک سیرت اور نیک مائیں دیکھی ہیں جو اپنے بچوں کے لئے اتنی بے لوث محبت و شفقت رکھتی ہیں جو بیان سے باہر ہے، کتنی ہی بیٹیاں اور عبادت گذار خدا پرست لڑکیاں دیکھی ہیں جو ڈیانا کے مندر Diana's temple" کی برف کی طرح پاکیزہ ہیں، تہذیب، تعلیم اور روحانیت کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہیں!

تو پھر کیا امریکہ میں عورت کی صورت میں صرف فرشتے ہی رہتے ہیں؟ درست ہے کہ بھلے اور بُرے

انسان ہر جگہ ہوتے ہیں لیکن ایک قوم کا اندازہ ان ناقص لوگوں سے نہیں کیا جاسکتا جو شرپسند، نفس پرست کہلاتے ہیں، اور ناپسندیدہ طور پر خود رو گھاس کی طرح اُگ آتے ہیں بلکہ ایک قوم کا اندازہ ان اچھے، شریف اور خالص کردار کے لوگوں سے کیا جاتا ہے جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قومی زندگی کا صاف دھارا پوری طاقت کے ساتھ بہہ رہا ہے !

کیا آپ ایک سیب کے درخت اور اس کے پھلوں کے ذائقہ کا اندازہ ان کچے، سڑے گلے اور کیڑوں کے کھائے ہوئے پھلوں سے کرسکتے ہیں جو بسا اوقات بہت بڑی تعداد میں زمین پر گر پڑتے ہیں؟ ان سیکڑوں دانوں کے مقابلے میں جو پوری طرح پک نہ سکے ہوں، صرف ایک پوری طرح پکا ہوا دانہ ہی یہ ظاہر کر دے گا کہ سیب کے درخت کی جڑیں کتنی گہری ہیں اور سیب کا ذائقہ کیا ہے !

اور پھر جہاں تک امریکہ کی ترقی یافتہ عورتوں کا تعلق ہے میں ان کی وسیع القلبی اور رواداری کی بیحد تعریف کرتا ہوں، میں نے اس ملک میں وسیع النظر اور روادار مرد بھی دیکھے ہیں، بعض افراد تو انتہائی متعصب بجوموں میں بھی مجھے بہت ہی وسیع القلب اور روادار ملے ہیں، لیکن یہاں ذرا سا فرق بھی ہے، — مردوں کے ساتھ تو یہ خدشہ بھی لگا رہتا ہے کہ وہ وسیع القلب اور روادار بنیں تو کہیں اس کے لئے اپنے دھرم اور اپنی روحانیت سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں لیکن عورتیں صرف اس جذبے کے تحت روادار اور وسیع القلب بنتی ہیں کہ جو اچھی چیز جہاں سے ملے وہ لے لو اور اس مقصد کے واسطے اپنے دھرم کا ایک شمہ بھی ضایع نہیں کرتیں وہ خوب اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہ مثبت کا مسئلہ ہے، نفی کا نہیں ہے، یہ جمع کا سوال ہے، تفریق کا نہیں ہے، وہ روز بروز اس حقیقت سے آگاہ ہوتی جارہی ہیں کہ ہر چیز کا مثبت رُخ ہی انہیں اختیار کرنا چاہیئے، اور محض ان کے اس عمل کی بدولت فطرت کی وہ طاقتیں جو روح کی تعمیر کر رہی ہیں، تخریبی عناصر کو دنیا میں فنا کر رہی ہیں ؛

شکاگو کا عالمی میلہ کتنی حیرتناک چیز تھا، مزید برآں مذاہب کی پارلیمنٹ بھی کتنی حیرتناک شے تھی، جس میں دنیا کے ہر گوشے سے لوگ آکر شریک ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے مذاہب کے عقائد بیان کئے تھے ڈاکٹر باروز اور مسٹر بونی کی مہربانی سے مجھے بھی اپنے دھرم کے عقائد بیان کرنے کا موقع ملا، مسٹر بونی کتنے اچھے آدمی ہیں، ذرا اس دماغ کے بارے میں سوچئے جس نے یہ عظیم الشان منصوبہ بنایا اور اسے شاندار کامیابی کے ساتھ انجام دیا، اور پھر وہ کوئی پادری بھی نہیں ہیں، ایک وکیل جو تمام چرچوں کی ممتاز شخصیتوں پر حکومت کرتا ہے — اخلاص، حلم اور علم کا ایک پیکر مسٹر بونی جن کی متبرک رُوح اُن کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے بولتی ہے !

آپ کا
وویکانند

(11)

بھگوان رام کرشن کو پرنام

معرفت جارج ڈبلیو ہیل اسکوائر
541 ڈیر بورن ایونیو، شکاگو
1894

میرے عزیز......[1]

آپ کا خط ملا بڑی خوشی ہوئی، مزمدار کی حرکتوں پر میں بہت خوش ہوں، خود کو دوسرے سے آگے دھکیلنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک شخص ہمیشہ ایسا ہی برتاؤ کرتا ہے، مجھے بہت زیادہ قصوروار نہیں ٹھہرایا جاسکتا مزمدار دس برس پہلے یہاں آئے تھے انہیں بڑی عزت ملی، بڑی شہرت ملی، مگر اب میرا نام ہو رہا ہے، گورو کی ایسی ہی مرضی ہے میں کیا کرسکتا ہوں؟ اگر مزمدار اس بات سے چڑتے ہیں تو یہ ان کا بچپنا ہے؛ خیر چھپتانہ کیجئے۔

उपेक्षितव्यं तद्वचनं भवत्सदृशानां महात्मनाम्। अपि कीटदंशनभीरुका वयं रामकृष्ण-तनयास्तद्हृदयरुधिरपोषिताः। "अलोकसामान्यम-चिन्त्यहेतुकं निन्दन्ति मन्दाश्चरितं महात्मनाम्" इत्यादीनि संस्मृत्य क्षन्तव्योऽयं जाल्म:।

جو کچھ وہ کہتے ہیں، اس پر آپ جیسے بڑے لوگوں کو کوئی دھیان نہ دینا چاہیئے کیا ہم، شری رام کرشن کے بچے جن کی رگوں میں اس کے دل کا خون دوڑ رہا ہے اس بات سے ڈریں گے کہ کوئی کیڑا ہمیں کاٹ نہ لے، جن کی طبیعت میں شر ہوتا ہے وہ ہمیشہ ہی حق پرستوں پر کیچڑ اچھالتے ہیں جن کا عمل غیر معمولی اور جن کے مقاصد کو سمجھنا دشوار ہوتا ہے، یہ سب یاد رکھیئے اور اس بے وقوف کو معاف کر دیجئے[2] ـــ! ایشور کی یہی مرضی ہوگی کہ اس کرسکے لوگوں میں اپنے خیالات کی آزمائش کی شکتی پیدا ہو لیکن کیا کسی شخص کی یہ شکتی ایشور کی قدرت کو روک سکتی ہے؟ میں کوئی نام نہیں چاہتا، کوئی شہرت نہیں چاہتا، میں چاہتا ہوں کہ ایک آواز ہو، تال اور ساز کے بغیر! میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص میری صفائی دے، میری مدافعت کرے، कोऽहं तत्पादप्रसरं प्रतिरोद्धुं समर्थयितुं वा, के वान्ये? तथापि मम हृदयकृतज्ञता तान् प्रति।

---

[1] سوامی راماکرشنانند [2] کالی داس کا کمار سمبھون!

.....''میں کون ہوتا ہوں کہ ایشور نے جو راہ اختیار کی ہے اسے روکوں یا اس کا ساتھ دوں ! اور دوسرے بھی کون ہوتے ہیں ؟ پھر بھی میں ان کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں'' "यस्मिंस्थितो न दुःखेन गुरुणापि विचाल्यते''—नैषः प्राप्तवान् तत्पदवीमिति मत्वा करुणादृष्ट्या द्रष्टव्योऽयमिति

.....''ایک آدمی کی جو حالت قائم ہو گئی ہے بڑی سے بڑی بد نصیبی بھی اُسے بدل نہیں سکتی (گیتا) — اس منزل پر وہ پہنچا نہیں ہے، یہ سوچتے ہوئے اس سے ہمدردی کیجئے ! یہ ایشور کی کرپا ہے کہ اب تک میرے من میں نام اور نمائش کی کوئی تمنا پیدا نہیں ہوئی ہے، اور میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ یہ تمنا کبھی پیدا نہیں ہوگی ! میں تو ایک آلہ ہوں اور ایشور اس آلۂ وسیلہ کی رہنمائی کرنے والا ہے اس آلہ اور وسیلہ کے ذریعے وُہ اس دُور اُفتادہ مُلک کے ہزاروں انسانوں کے دلوں میں مذہب و ایمان کا جذبہ بیدار کر رہا ہے، یہاں کے ہزاروں مرد و زن مجھ سے پیار کرتے ہیں اور ایک رُوحانی شخص ہونے کے ناطے مجھے عزت دیتے ہیں،

मूकं करोति वाचालं पङ्गुं लङ्घयते गिरिम्

.....''ایشور ہی گونگے کو قوتِ گویائی دیتا ہے اور لنگڑے کو پہاڑ سر کر لینے کی استطاعت دیتا ہے۔ میں اُس کی عظمت و قدرت دیکھ کر دم بخود ہوں جس شہر میں بھی جاتا ہوں وہاں دُھوم مچ جاتی ہے اُنہوں نے مجھے cyclonic Hindu یعنی (طوفانی ہندو) کا نام دے رکھا ہے، یاد رکھیئے یہ ایشور ہی کی مرضی ہے، ورنہ میں تو ایک صدائے بے ساز ہوں !

ایشور ہی جانتا ہے کہ آیا مجھے برطانیہ جانا ہوگا یا کسی دُوسری جگہ وہی ہر چیز کا انتظام کرے گا۔ یہاں قیامت کی گرانی ہے۔ ایک سِگار کی قیمت ایک روپیہ ہے کسی سواری کو لیجئے تو تین روپیہ کرایہ دینا پڑتا ہے ایک کوٹ کی قیمت ایک سو روپیہ ہوتی ہے، نو روپیہ یومیہ ہوٹل کا خرچہ ہے — لیکن ایشور ہی سب کچھ فراہم کر دیتا ہے، ......ساری تعریفیں بس ایشور ہی کے لئے ہیں، میں کچھ نہیں جانتا !

सत्यमेव जयते नानृतम्, सत्येन पन्था विनतो देवयानः

..... — ''فتح صرف حق کو ہوتی ہے باطل کو نہیں، صداقت ہی سے فتح و نصرت کی راہیں پھوٹتی ہیں، آپ کو نڈر، بے خوف ہونا چاہیئے، بیباک ہونا چاہیئے، وہ بزدل ہوتے ہیں جو ڈرتے ہیں، اپنی صفائی دیتے ہیں اپنی مدافعت کرتے ہیں، ہم میں سے کسی کو میری صفائی دینے اور میری مدافعت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے مدراس اور راجپوتانہ سے وقتاً فوقتاً تمام خبریں ملتی رہتی ہیں، ..... ایسی آنکھیں بھی ہیں جو چودہ ہزار میل کے فاصلے سے بھی دیکھ سکتی ہیں، یہ حقیقت ہے ! اب خاموش رہیئے اور وقت آنے پر جس حد تک ایشور چاہے گا ہر چیز کو روشنی کی راہ مل جائے گی،

ایشور کا ایک لفظ ایک اشارہ بھی صداقت سے عاری ثابت نہیں کیا جا سکتا 'میرے بھائی' کتّوں اور بلیوں کی لڑائی پر کیا انسان رنجیدہ ہوا کرتے ہیں؟ لہٰذا عام لوگوں کی بہتان طرازی' اور رشک وحسد کا آپ کے ذہن پر کوئی اثر نہ ہونا چاہیئے گذشتہ چھ ماہ سے میں برابر یہی کہے جا رہا ہوں کہ تاریکیوں کا پردہ اُٹھتا جا رہا ہے اور سورج تیزی سے بحر ظلمت سے طلوع ہوتا جاتا ہے بلاشبہ پردہ اُٹھ رہا ہے' درجہ بہ درجہ' آہستہ آہستہ مگر اُٹھ ضرور رہا ہے اور وقت آنے پر آپ کو سب معلوم ہو جائے گا' ایشور ہی عالم ہے! ایک شخص اپنی فطرت سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کر سکتا یہ لکھنے کی باتیں نہیں ہیں'...... تلوار کو مضبوطی سے پکڑے رہیئے اپنی گرفت کبھی ڈھیلی نہ کیجئے' ہم ٹھیک چل رہے ہیں کوئی غلطی نہیں ہو رہی البتہ دُوسرے ساحل پر اُترنے کے لئے بس وقت کی دیر ہے! کُل اتنی ہی بات ہے! میرے بھائی کیا ایک لیڈر بنایا جا سکتا ہے؟ لیڈر بنتا نہیں ہے' لیڈر پیدا ہوتا ہے' کیا آپ نے میرا مطلب سمجھ لیا؟ اور پھر ایک لیڈر کا کام انجام دینا بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے ایک شخص کو داسیوں کا داس ہونا چاہیئے۔ ایک ہزار دماغوں کی عقل اپنے دماغ میں رکھنی چاہیئے! رشک وحسد اور خود غرضی کا کوئی شائبہ بھی نہ ہونا چاہیئے تب ہی آپ لیڈر بن سکتے ہیں' لیڈر وہ ہوتا ہے جو پہلے جنم سے لیڈر رہا اور پھر بے لوث و بے غرض ہو' ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ آہستہ آہستہ سب کچھ منظر عام پر آجائے گا وہ مالک بالکل ٹھیک جال ڈالتا ہے اور پھر ٹھیک ٹھیک طریقے سے سمیٹ لیتا ہے

वयमनुसरामः वयमनुसरामः, प्रीतिः परमसाधनम्—

...... ہمارا کام بس یہ ہے کہ ہم اس کی اطاعت کریں' محبت بہترین آلہ ہے' انجام کار محبت ہی کی فتح ہوتی ہے' بے صبری کا کوئی فائدہ نہیں' انتظار کیجئے! انتظار کیجئے! صبر لازمی طور پر کامیاب رہتا ہے..... اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہنا چاہیئے

میرے بھائی! میں آپ سے کہتا ہوں کہ جو چیز جس طرح چل رہی ہے اسی طرح چلنے دیجئے' صرف اس بات پر نظر رکھیئے کہ کوئی چیز لابدی بن کر نہ رہ جائے — کثرت میں وحدت — بس یہ دیکھتے رہیئے کہ آفاقیت کو ادنیٰ سا بھی نقصان نہ پہونچنے پائے! آفاقیت کے محض ایک جذبہ کی خاطر اگر ضروری ہو تو ہر چیز قربان کر ڈالیئے' میں زندہ رہوں یا مر جاؤں میں ہندوستان واپس آؤں یا نہ آؤں' بس ایک بات خاص طور پر یاد رکھیئے اور وہ ہے' آفاقیت — محض رواداری ہی نہیں بلکہ مکمل ترین قبولیت! — ہم جس بات کی تعلیم دیتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں' بس اس بات کا خیال رکھیئے کہ دوسروں کے کم سے کم حقوق بھی پامال نہ ہونے پائیں' اس منجدھار میں بہت سے بڑے بڑے جہاز پھنس کر رہ گئے ہیں اور ڈوب گئے ہیں' اپنے کام میں تن من دھن سے جُٹے رہیئے' لیکن اس مشغولیت و سپردگی میں کوئی تعصّب پیدا نہ ہونے دیجئے! یاد رکھیئے دھیان پُورا ہو مگر اس میں تعصب کوئی نہ ہو' اور یہی وہ کام

ہے جو ہمیں عملی طور پر کر کے دکھانا ہے، اس کی کرپا سے ہر چیز ٹھیک ٹھیک چلے گی...... ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ لیڈر بن جائے لیکن یہ سمجھنے میں اس کی ناکامی کہ وہ لیڈر پیدا نہیں ہوا ہے اُس کے کذب و کفر کا موجب بن جاتی ہے ....

مجھے اُمید ہے کہ ہمارے سب ساتھی خوش و خرّم ہوں گے! گورو ماں کہاں ہیں؟ پارسا اور جرأت آفریں رُوح رکھنے والی ہمیں ایسی ہزار ماؤں کی ضرورت ہے — بس ہم اتنا ہی چاہتے ہیں، یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ ہم سب کو اپنے بھگوان میں اتنا اعتقاد رکھنا چاہیئے جتنا کہ ہم رکھتے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ بدی کی تمام طاقتوں کے مقابلہ میں نیکی کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر دیں!..... سنیاسیوں کا ایک تباہ کُن گناہ یہ ہے کہ وہ اپنے خانقاہی نظام میں فخر کرنے لگتے ہیں، ابتدائی مراحل میں اس کی کوئی افادیت ہو سکتی ہو گی لیکن جب وہ پورے طور پر نشو و نما پا چکے ہیں تو پھر انہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں! ایک شخص کو گھر گرہست اور سنیاسی کے مابین کوئی امتیاز روا نہ رکھنا چاہیئے — تب ہی وہ ایک سچا سنیاسی ہے!.......

ایک وقت تھا جب چھ مفلس نوجوان اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے تھے اور اب جو ایک زوردار تحریک کو لیکر آگے بڑھ رہے ہیں، تو کیا یہ سب کچھ بس ہنگامہ ہی ہنگامہ ہے یا اس میں کچھ ایشور کی مرضی کو بھی دخل ہے؟ اگر ایسا ایشور کی مرضی سے ہوا ہے تو پھر پارٹی بازی اور حسد کو چھوڑیئے اور اپنے عمل میں متحد رہیئے! پارٹی بندیوں کے ذریعہ ایک عالمگیر دھرم جاری نہیں کیا جا سکتا۔

اگر ایک دن تمام لوگ صرف ایک لمحہ کے لئے یہ بات سمجھ لیں کہ کوئی شخص محض اپنی خواہش کی بدولت بڑا نہیں بن سکتا اور یہ کہ صرف ایشور ہی جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے تو پھر یہ تمام مصیبتیں ختم ہو جائیں گی مگر یہ خود غرضی — جو بجائے خود کھوکھلی چیز ہے اور جس میں ایک اُنگلی تک کو حرکت دینے کی طاقت نہیں ہوتی — کس مضحکہ خیز انداز میں ایک شخص سے یہ کہلواتی ہے "میں کسی کو اُونچا نہیں اُٹھنے دوں گا" حسد اور عمل و اکرام میں اتحاد کا فقدان غلام اقوام کی فطرت بن جاتا ہے، مگر ہمیں اس فطرت کو جھنجھوڑنا چاہیئے تو فنا قسم کا حسد ہمارے کردار میں شامل ہو گیا ہے...... اگر آپ بھی دُوسرے ممالک میں جائیں تو آپ اس بات سے متفق ہو جائیں گے، اس اعتبار سے ہمارے ابنائے وطن کی حیثیت یہاں کے حبشیوں جیسی ہے، اگر اتفاق سے ان میں سے کوئی شخص ممتاز و نمایاں ہونے لگتا ہے تو وہ سب کے سب فوراً ہی اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور گوروں سے مل کر یہ مشترک مقصد بنالیں گے کہ اسے اپنی سطح تک کھینچ لانے کی کوشش کی جائے...... ایسے عناصر کو ہمیں اپنے اندر رینگ آنے کا کبھی کوئی موقع نہ دینا چاہیئے، خواہ اس مقصد کے لئے ہمیں کتنی ہی بڑی قیمت چکانی پڑے، کتنی ہی بڑی قربانی دینی پڑے، ہم ایک ہوں یا دو ہوں، اس کی کوئی چنتا نہ کیجئے لیکن جو بھی چند لوگ ہوں اُنکا

کیریکٹر کامل ہونا چاہیئے .... کسی شخص کے پتا سے یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ اگر ایشور کی مرضی ہوئی تو (اُس کے چیلوں کی دیکھ بھال کی جائے گی) اس معاملہ میں اپنے ذہن کو مطمئن اور من کو شانت رکھیئے کہ ایشور ایسا ہی کرے گا! ہمیں اس کے نام کو راجپوتانہ، پنجاب، یوپی، مدراس اور ایسے ہی دوسرے صوبوں میں پھیلا دینا چاہیئے ــــ خصوصیت سے راجپوتانہ میں جہاں کے لوگ اب بھی رگھو کے اس قول کو رواج کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں کہ جان جا سکتی ہے وچن نہیں جا سکتا! وہ قول کے دھنی ہیں اور جان کی قیمت دے کر بھی اپنا قول پورا کرتے ہیں۔

ایک پرند اپنی پرواز کے دوران میں اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں سے وہ پورے اطمینان و سکون کے ساتھ زمین کی طرف دیکھتا ہے، کیا آپ اس مقام پر پہنچ چکے ہیں؟ وہ شخص جو ابھی اس مقام تک نہیں پہنچا ہے دوسرے ل کو نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا، اپنے بازوؤں کو جنبش دیجئے، پتوار چلائیے اور کشتی کو دھارے پر چھوڑ دیجئے، آپ یقیناً اپنی منزلِ مقصود پر پہنچیں گے!

سردی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، اور مجھے قریب قریب پوری سردیاں یہاں گزارنی ہیں، یہاں سردی کے زمانے میں ایسا لگتا ہے گویا پورے بدن میں بجلی کا کرنٹ دوڑ گیا ہے، ہاتھ ملاتے ہوئے ایک آواز کے ساتھ جھٹکا سا محسوس ہوتا ہے، آپ محض اپنی انگلیوں سے گیس روشن کر سکتے ہیں، اور سردی کے بارہ میں تو پہلے بھی آپ کو لکھ چکا ہوں، میں ملک کے طول و عرض میں دورہ کر رہا ہوں، لیکن شکاگو میرا مٹھ ہے، جہاں میں گھوم پھر کر واپس آجاتا ہوں، اب میں مشرق کے لئے روانہ ہونے والا ہوں، وہی جانتا ہے کہ کشتی کس ساحل پر لگے گی ......

کیا دِشو آپ سے اسی قسم کا پیار رکھتا ہے؟ کیا وہ آپ سے ملنے کے لئے آیا کرتا ہے؟ بھوناتھ کیسے ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ کیا آپ اُن سے ملنے جاتے ہیں اور اُن کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ہاں برادرم! ایک سنیاسی اور ایک عام آدمی کے مابین، کسی امتیاز کا ہونا محض من گھڑت افسانہ ہے مूकं करोति वाचालं وغیرہ! ــــ "وہ گونگے کو زبان دیتا ہے" میرے دوست اس کا اندازہ کرنا کہ ایک خاص فرد کے اندر کیا کچھ ہے بہت ہی مشکل ہوتا ہے، شری پرم ہنس رام کرشن نے ان کی بڑی تعریف کی ہے، اور وہ بڑی عزت کے مستحق ہیں اگر اتنا زیادہ تجربہ ہوتے ہوئے بھی آپ کے دل میں اعتماد و اعتقاد موجود نہ ہو تو آپ پر افسوس! صد ہزار افسوس! کیا وہ آپ سے پیار کرتے ہیں؟ براہِ مہربانی ان کی خدمت میں میری محبت و عزت کا نذرانہ پہنچا دیجئے! کالی کرشن بابو سے میرا سلام کہیئے وہ بہت ہی شریف الطبع انسان ہیں، رام لال کیسے ہیں؟ کیا ان میں تھوڑا سا دھیان اور دِشواس پیدا ہو گیا ہے؟ میری طرف سے انہیں آشیرواد دیجئے! میرا خیال ہے کہ سانیال خیریت سے ہوں گے اور اُن کی مِل بھی ٹھیک چل رہی ہو گی! ان سے کہئے کہ صبر سے کام لیں اور مِل ٹھیک چلے گی،

سب کے لیے میرا خلوص اور میرے آشیرواد اور پیار کا نذرانہ

آپ کا مخلص۔

وویکانند

(12)

بھگوان رام کرشن کو پرنام

1894ء

عزیزم اکھنڈآنند![1]

آپ کا خط ملنے پر بڑی خوشی ہوئی، یہ خبر میرے لئے موجب مسرت ہے کہ کھیتڑی میں آپ کے قیام کی وجہ سے آپ کی صحت کسی حد تک بحال ہو گئی ہے،

بھائی تارک[2] نے مدراس میں بڑا کام کیا ہے، سچ مچ یہ بہت ہی عمدہ اور پسندیدہ اطلاع ہے، میں نے مدراس کے لوگوں سے اُن کی بڑی تعریف سُنی ہے،

راجپوتانہ کے مختلف مقامات کے ٹھاکروں میں رُوحانیت اور انسانی ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کیجئے یہ کام ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے سے نہیں ہو سکتا، ہمیں کام کرنا چاہیئے، وہاں جائیے، الموسر جائیے، السی سر جائیے، وہاں جتنے دوسرے "سر" ہیں ان سب میں جائیے، اور خوب توجہ سے سنسکرت اور انگریزی پڑھیئے، میرا خیال ہے کہ گُنا ندھی پنجاب میں ہیں، ان کو کھیتڑی لائیے اور ان کو میرا اسلام محبت پہنچا دیجئے، ان سے خود سنسکرت پڑھیئے اور خود کو انگریزی پڑھائیے مجھے ان کا پتہ تحریر کیجئے ضرور بالضرور! .....

قصبۂ کھیتڑی کے غربا اور پسماندہ طبقات کے گھر گھر جائیے اور انہیں دھرم کی تعلیم دیجئے، اسی کے ساتھ اُنہیں جغرافیہ اور اسی قسم کے دیگر علوم کے زبانی سبق دیجئے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے سے کوئی بھلائی نہ ہوگی، نہ مرغن غذائیں کھانے اور یہ کہتے رہنے سے کوئی بھلائی ہوگی کہ پرم ہنس شری رام کرشن او بھگوان بس تو ہی ہے جو غریبوں کے لئے بھلائی کر سکتا ہے وقتاً فوقتاً دُوسرے دیہات میں جائیے اور لوگوں کو دھرم اور زندگی کے ہنروں کی تعلیم دیجئے، کام، عبادت اور علم ـــــ پہلے کام اور پھر آپ کا ذہن پاک اور صاف ہو جائے گا ورنہ ہر چیز اسی طرح رائیگاں چلی جائے گی

---

[1] سوامی اکھنڈآنند شری پرم ہنس رام کرشن کے شِشیہ تھے سنیاس لینے سے پہلے ان کا شبھ نام گنگا دھر رگنگا تھا۔ آپ 1934ء سے 1937ء تک شری رام کرشن مٹھ اور مشن کے پردھان تھے۔

[2] سوامی شِواآنند۔ جو سوامی وویکانند کے گورو بھائی تھے۔ آپ پرم ہنس رام کرشن کے شِشیہ تھے سنیاس لینے سے پہلے ان کا نام تارک ــــــ تھا۔

جیسے کوئی شخص ہون کی مقدس آگ میں گھی ڈالنے کے بجائے راکھ کے ڈھیر میں ڈالتا رہے! جب گنا ندھی آئیں تو ان کو ساتھ لے کر راجپوتانہ کے ہر گاؤں میں غریبوں اور پسماندہ لوگوں کے گھر گھر جائیے! اگر اس قسم کے کھانے پر جو آپ کھاتے ہیں، لوگوں کو کوئی اعتراض ہوتا ہو تو آپ اسے فوراً ہی ترک کر دیں، دوسروں کی بھلائی کی خاطر گھاس پر بسر کر لینا زیادہ اچھا ہے گیروا لباس صرف تفریح کے لئے نہیں ہے، یہ جرأت آفریں کام کا ایک نشان ہے ایک پرچم ہے، آپ کو اپنا تن، اپنی عقل اور اپنی زبان دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دینی چاہیئے، آپ نے پڑھا ہے

मातृदेवो भव पितृदेवो भव

.....اپنی ماتا، اپنے پتا کو ایشور کی طرح مانیئے! لیکن میں کہتا ہوں

दरिद्रदेवो भव, मूर्खदेवो भव

غریب کو، ان پڑھ کو، مصیبت زدہ کو، ان سب کو اپنا ایشور بنا لیجئے! سمجھ لیجئے کہ ان تمام لوگوں کی خدمت ہی سب سے اونچا دھرم ہے۔

آپ کا خیر اندیش

وویکانند

(13)

بھگوان رام کرشن کو پرنام

1894.

عزیزی و محبی[1]

آپ کے خط سے وہاں کی جملہ خبریں ملیں، اس خبر سے کہ بالا رام بابو کی پتنی کی مرتیو ہو گئی ہے مجھے رنج ہوا ہے لیکن ایشور کی مرضی! یہ کام کا مقام ہے آرام کی جگہ نہیں ہے، ہر شخص اپنا کام پورا کر کے اپنے گھر واپس جائے گا، کچھ پہلے کچھ بعد کو، بس اتنی ہی حقیقت ہے، فقیر چلا گیا ہے ــــ بہرحال ایشور کی مرضی! یہ بڑی خوش خبری ہے کہ رام کرشن کا میلہ شاندار طریقہ پر اختتام پذیر ہوا، ان کا نام جتنا زیادہ پھیلے گا اتنا ہی زیادہ اچھا ہو گا، لیکن ایک بات جاننے کی ہے عظیم پیشوا دنیا کے لئے خاص پیغامات لے کر آیا کرتے ہیں محض ناموری اور شہرت کے لئے نہیں آتے، البتہ ان کے پیروان کی تعلیمات کو تو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور ان کے ناموں پر جھگڑنے لگتے ہیں ــــ یہ تاریخ عالم کی ایک حقیقت ہے! میں اس بات کو اہمیت نہیں دیتا کہ لوگوں میں ان کے نام کو مقبولیت ملتی ہے یا نہیں ملتی

[1] عالم بازار مٹھ کے گرو بھائیوں کے نام

لیکن میں ان کی تعلیمات، ان کی سوانح اور ان کے پیغام کو ساری دُنیا میں پھیلا دینے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینے کو تیار ہوں، مجھے جس چیز کا سب سے زیادہ ڈر رہتا ہے وہ ہے عبادت خانہ! بجائے خود اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے، لیکن یہ عام رُجحان ہے کہ بس سب کچھ اسی کو سمجھ لیا جاتا ہے اور پھر وہی قدیم انداز کی واہیات باتیں شروع ہو جاتی ہیں، — یہی چیز مجھے سب سے زیادہ پریشان رکھتی ہے، میں جانتا ہوں کہ وہ ان قدیم و فرسودہ رسوم و رواج میں خود کو کیوں مشغول رکھتے ہیں، ان کی رُوح کام کے واسطے بے کل ہوتی ہے اور کوئی راستہ نہ پاکر وہ اپنی توانائی کو گھنٹے بجانے اور اسی طرح کی دُوسری باتوں میں ضائع کرنے لگتے ہیں میں آپ کو ایک نیا خیال دیتا ہوں اگر آپ اس پر عمل کر سکے تو میں سمجھوں گا کہ آپ مرد ہیں اور کام کے آدمی ہیں ...... ایک منظم منصوبہ بنائیے! آپ کو کیا چاہیئے بس چند کیمرے، چند نقشے، چند گلوب اور کچھ کیمیادی چیزیں وغیرہ اس کے بعد دُوسری چیز جو آپ کو چاہیئے ہو گی وہ ہے ایک بڑی سی جھونپڑی! پھر آپ کو چاہیئے کہ آپ غریب اور اَن پڑھ دیہاتی عوام کو بڑی سی تعداد میں اکٹھا کریں اور جب یہ سب کچھ ہو جائے تو پھر آپ ان کو تصویریں دکھائیں، نجوم، جغرافیہ اور اسی طرح کے دُوسرے علُوم کی تعلیم دینے کے لئے اُن کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کیجئے تاکہ وہ دیکھیں کہ دُوسرے ممالک میں کیا ہو چکا ہے کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے یہ دُنیا کیسی ہے اور کیسی ہونے والی ہے، آپ کو بے شمار غریب اور اَن پڑھ عوام ملتے ہیں، ان کے گھروں پر جائیے دروازے دروازے، صبح کو شام کو دوپہر میں، جب بھی وقت ملے اِن کی آنکھیں کھولئے، کتابوں وغیرہ سے کام نہیں چلے گا، انہیں زبانی تعلیم دیجئے، تب آہستہ آہستہ اپنے مرکزوں کو توسیع دیجئے، کیا آپ یہ سب کر سکتے ہیں، یا صرف گھڑیال بجا سکتے ہیں ؟

مدراس سے مجھے تارک کے بارے میں سب باتیں معلوم ہوئیں، وہ ان سے بہت زیادہ خوش ہیں، پیارے بھائی تارک اگر آپ مدراس جائیں اور وہاں کچھ عرصہ قیام کریں تو بہت کچھ کام ہو سکے گا، مگر اپنے جانے سے پہلے وہاں اس کام کو شروع کر دیجئے کیا ہم مسلک استریاں کچھ بیوہ عورتوں کو اپنے حلقے میں نہیں لا سکتیں، کیا آپ ان کے دماغوں میں تھوڑی سی آگہی پیدا نہیں کر سکتے اور اس کے بعد کیا آپ ان استریوں کو شری رام کرشن کے پیغام کی تبلیغ کرنے کے لئے گھر گھر نہیں بھیج سکتے اور اس کے ساتھ ساتھ کیا وہ لوگوں کو تعلیم نہیں دے سکتیں

آیئے! اس کام میں اپنا تن من لگا دیجئے، گپ شپ اور رسوم و رواج کا زمانہ بیت چکا ہے میرے عزیز! اب آپ کو کام کرنا چاہیئے، اب مجھے دیکھنا ہے کہ بنگال کا ایک دھرم کہاں تک چلے گا، نرنجن (نرمجن آنند) لکھتے ہیں کہ لاٹو اَدبھوتا نند کو کچھ گرم کپڑوں کی ضرورت ہے! یہاں کے لوگ تو خود ہی یورپ اور ہندوستان سے گرم کپڑے درآمد کرتے ہیں، جو گرم کپڑا میں یہاں خرید سکتا ہوں وہی گرم کپڑا آپ کو کلکتہ میں ایک چوتھائی قیمت میں مل جائے گا، .... میں نہیں جانتا کہ میں کب یورپ جاؤں گا، میرے لئے ہر چیز غیر یقینی ہے ...... میں بہر طور کسی نہ کسی طرح اس ملک

میں گزارہ کر رہا ہوں :

یہ بہت ہی دلچسپ مُلک ہے، آجکل گرمیوں کا موسم ہے، آج کی صبح اتنی ہی گرم تھی جتنی گرمی اپریل کے مہینے میں کلکتہ میں ہوا کرتی ہے لیکن اسوقت اتنی ٹھنڈ ہے جتنی الہ آباد میں فروری کے مہینے میں ہوتی ہے۔ صرف چوبیس گھنٹے کے اندر موسم میں اتنا زبردست تغیر ہو جاتا ہے، اس مُلک کے ہوٹل محتاجِ تبصرہ نہیں ہیں، مثال کے طور پر نیویارک میں ایک ہوٹل ہے جس میں ایک کمرہ پانچ ہزار رُوپے روزانہ پر لیا جا سکتا ہے کھانے کے چارجز اس رقم میں شامل نہیں ہیں، یُورپ کا کوئی مُلک بھی عشرت کے اس مرکز تک نہیں پہنچ سکا ہے، بے شبہ دنیا بھر میں یہ ملک سب سے زیادہ دولتمند اور امیر ہے جہاں روپیہ پانی کی طرح بہتا ہے۔ میں اکثر ہوٹلوں میں رہتا ہوں مگر بالعموم یہاں کے بڑے آدمیوں کا مہمان ہوتا ہوں وہ سمجھتے ہیں کہ میں بہت مشہور آدمی ہوں اب پُورا ملک مجھ سے متعارف و روشناس ہو چکا ہے، لہٰذا جہاں بھی میں جاتا ہوں وُہ اپنے گھروں میں میرا فراخ دلی سے استقبال و خیر مقدم کرتے ہیں اور مجھے خوش آمدید کہتے ہیں شکاگو میں مسٹر ہیل کا گھر میرا مرکزی مقام ہے، میں ان کی پتنی کو ماتا کہتا ہوں اور ان کی بیٹیاں مجھے بھائی کہہ کر پکارتی ہیں، مجھے شاذو نادر ہی ایسا کوئی گھرانہ دیکھنے کو ملا ہے جس کے لوگ اس قدر پاکیزہ محبت رکھتے ہوں اور مہربان ہوں! یا ایشور نے بھی اس پر اپنا اتنا کثیر فضل نازل کر رکھا ہو میرے بھائی! ہاں وُہ حیرتناک حد تک مہربان لوگ ہیں، اگر انہیں پتہ چل جائے کہ کوئی غریب آدمی فلاں فلاں جگہ پر تنگی کی حالت میں پڑا ہوا ہے تو وُہ وہاں جائیں گے، عورتیں بھی مرد بھی اور وہ اسے کھانا دیں گے کپڑا دیں گے اور اس کے لئے روزگار تلاش کریں گے — مگر ہم لوگ کیا کرتے ہیں؟

گرمیوں میں یہ لوگ یا تو غیر ملکوں کی سیر و سیاحت کو نکل جاتے ہیں یا ساحلِ سمندر کا رخ کرتے ہیں۔ میں بھی موسم گرما میں کہیں جاؤں گا لیکن ابھی جگہ کا فیصلہ نہیں کر پایا۔ دوسری باتوں میں ان میں اور انگریزوں میں کوئی فرق نہیں۔ ان کی کتابیں اور دوسری چیزیں دیسی ہی ہیں لیکن بہت مہنگی۔ اتنے ہی داموں میں ہم کلکتہ میں اس سے پانچ گنا زیادہ چیزیں خرید سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ غیر ملکی مصنوعات کو درآمد کرنے کی اجازت نہیں دیں گے یا ان چیزوں پر بہت بھاری ٹیکس لگاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ منڈی بہت چڑھ جاتی ہے اور پھر یہ لوگ بہت زیادہ پارچہ بافی نہیں کرتے۔ یہ لوگ کل پرزے اور مشینیں تیار کرتے ہیں۔ گندم چاول اور کپاس بھاری مقدار میں پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ چیزیں یہاں بہت سستی ہیں۔

لگے ہاتھوں میں یہ بھی بتا دوں کہ یہاں ان دنوں ہلسا نامی مچھلی بافراط ملتی ہے۔ جتنی جی چاہے کھا لو سب کچھ ہضم ہو جاتا ہے۔ یہاں کئی قسم کے پھل ملتے ہیں کیلے۔ امرود سیب لیمن۔ بادام کشمش۔ انگور تو بہت افراط سے ہوتے ہیں اور پھر کیلے فورنیا سے بہت سے پھل آتے ہیں۔ لیکن یہاں نہ انناس ملتا ہے نہ آم ہوتا ہے نہ لیچی وغیرہ پھل ملتے ہیں۔

یہاں پالک ایسی سبزی ہوتی ہے جو پکانے پر بنگال کی سبزی نوٹے جیسی ہو جاتی ہے۔ یہاں ایک دوسری سبزی ہوتی ہے جسے یہاں کے لوگ سفید موسلی کہتے ہیں جو ہماری سبزی ڈینگو کی طرح ذائقہ دار ہوتی ہے لیکن یہاں ہم چرچری نہیں حاصل کر سکتے۔ یہاں کلائے قسم کی کوئی دال نہیں ہوتی بلکہ یہاں کے لوگ ان کا نام تک نہیں جانتے۔ یہاں چاول اور آٹا خوب ملتا ہے۔ مچھلی اور گوشت کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ جو بہت ذائقہ دار ہوتے ہیں۔ یہاں کھانوں کی فہرست فرانسیسی فہرست سے ملتی جلتی ہے دودھ بہت ہے لیکن دہی بہت کم پایا جاتا ہے۔ لیکن چھاچھ بہت ملتی ہے۔ کریم تو ہر روز بہت سے طریقوں سے کھائی جاتی ہے۔ چائے کے ساتھ۔ کافی کے ساتھ۔ یہ ہر شے کے ساتھ کریم لیتے ہیں۔ لیکن یہ کڑھے ہوئے دودھ کی بالائی یا ربڑی وغیرہ نہیں کھاتے۔ مکھن تو خوب ملتا ہے اور برفانی پانی چاہے گرمیاں ہوں یا سردیاں۔ دن ہو یا رات۔ چاہے آپ کو شدید زکام ہو یا بخار آرہا ہو آپ کو برفانی پانی ہی ملے گا۔ جوں جوں پیتے جائیں تندرست ہوتے جائیں گے اور آئس کریم بہت افراط سے ملتی ہے اور یہ کتنی ہی قسم کی ہوتی ہے۔ میں نے نیاگرہ کی مشہور عالم آبشار میں سات آٹھ بار دیکھی ہیں۔ یہ سب اس ایشور کی رحمت کے طفیل ہے۔ بلا شبہ بہت پر شکوہ ہیں لیکن اتنی نہیں جتنی آپ نے سن رکھی ہیں۔ ایک سردیوں میں ہم نے شمالی سمت میں سورج ڈوبنے سے پہلے آنکھیں چکا چوند کر دینے والا نور کا تڑکا دیکھا۔ جس کی کس منہ سے تعریف کروں۔

. . . . . . یہ محض طفلانہ باتیں ہیں۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں اس مختصر سی زندگی میں ایسی باتوں پر توجہ دوں۔ ایسی باتوں میں تو میں اگلے جنم میں ہی توجہ دے سکوں گا۔ مجھے امید ہے کہ اس مرتبہ یوگن —— (سوامی یوگانند) مکمل طور پر اشتراکِ عمل اور تعاون دے رہے ہوں گے۔ سارداسوامی ترگن آتمانند —— جہاں نہروی کی خواہش ابھی تک سیر نہیں ہوئی۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی وارفتگیٔ مزاج بدستور طغیانی پر ہے۔ ضرورت اس وقت تنظیم سازی کی ہے۔ کیا آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہیں یا نہیں؟ کیا آپ میں کسی کے پاس اس قدر عقل و دانش ہے۔ اگر ہے تو اسے کام میں لایئے۔ میرا خیال ہے کہ بھائی تارک، شرت اور ہری یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ یہ بھلے ہی کوئی نئی بات نہ سوچ سکتے ہوں۔ لیکن بہت محنتی ہیں اور مستقل مزاج ہیں جو بہت ضروری خوبی ہے۔ اور بہت حد تک دوسروں سے کام لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ . . .

. . . ہمیں چند عالی ہمت شعلہ کی طرح جیالے شیشوں اور مریدوں کی ضرورت ہے۔ کیا سمجھ گئے ہیں۔ ہمیں ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو قابل۔ بہادر اور تیز فہم ہوں۔ جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا سکیں۔ اور طغیانی بھرے سمندر کی متلاطم موجوں کے تیز بہاؤ کو چیر جائیں۔ آپ سمجھ گئے ہیں نہ کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ ہمیں ایسے سینکڑوں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی ضرورت ہے ایسے نوجوان حاصل کرنے کے لئے ہی اپنی سب کوشش وقف کر دیجئے۔ اپنے دائیں اور بائیں ایسے ہی چیلے بنایئے۔ اور ہمارے پارسا اور پرہیزگار۔ نیک نفس بنانے والی مشین میں جھونک دیجئے۔ تاکہ یہ دمکتے ہوئے ہیرے بن جائیں۔ اور انہیں دیکھ کر دوسرے رشک کر سکیں۔ . . . . آپ کو اخبار انڈین مرر Indian Mirror

کو یہ لکھنے کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ پرم ہنس دیو نربندر کے بارے میں یہ، یہ باتیں کہا کرتے ہیں۔ بھلا اس قسم کی دوسری فضول باتیں لکھنے کی کیا حاجت تھی۔ جیسے پرم ہنس کو ایسی باتیں کہنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں تھا۔ میرے نزدیک تو یہ سب باتیں فروعی اور بے کار سی ہیں۔ خواہ مخواہ ایک بھرم سا پیدا کر دینے والی باتیں ۔

یہ بہت اچھی بات ہے کہ سانیال وقتاً فوقتاً آکر آپ کو مل جاتا ہے۔ کیا آپ گپتا کو خطوط وغیرہ لکھا کرتے ہیں۔؟ اسے میرا پیار دیں اور اس کا بہت دھیان رکھیں۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ خطوط کے انبار لکھ سکوں۔ جہاں تک لیکچروں یا تقریروں کا تعلق ہے میں انہیں تیار نہیں کرتا۔ میں نے صرف ایک لیکچر لکھا تھا۔ جو آپ شائع کر چکے ہیں۔ باقی سب تقریریں اور لیکچر میں فی البدیہہ دیتا ہوں۔ جو بات ہونٹوں پر آ جاتی ہے کہہ دیتا ہوں۔ گورو دیو میری پشت پر ہوتے ہیں۔ مجھے اب کاغذ اور قلم سے لکھنے لکھانے کی کہاں فرصت؟ ڈیٹرائٹ Detroit میں ایک دفعہ میں لگاتار تین گھنٹے بولتا چلا گیا۔ بعض اوقات تو میں خود اپنے ان کارناموں پر محو حیرت ہو جاتا ہوں جیرت ہوتی ہے کہ اس کھوپڑی میں ایسی باتیں بھری پڑی تھیں! یہاں کے لوگ مجھے ایک کتاب لکھنے کو کہہ رہے ہیں۔ میرا اپنا بھی خیال ہے کہ اس مرتبہ کچھ نہ کچھ ضرور لکھوں۔ لیکن یہ کام سراسر مغز پچی ہے۔ کون اس کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کریگا؟ اور باقی لمبا چوڑا کام کون انجام دے گا؟ ہمیں سارے معاشرے میں بجلی بن کر کوند جانا چاہئے۔ ساری دنیا میں بجلی اور رعد کی طرح ٹوٹ پڑنا چاہئے۔ اناپ شناپ باتیں کہنے اور محض فضول رسم و رواج کو نبھانے کا وقت کہاں؟ رسم و رواج تو دنیا داروں کے لئے ہیں۔ آپ کا کام ہے بجلی کی لہروں کو بانٹنا اور ان کی اشاعت و تبلیغ کرنا۔ آپ اگر یہ کام انجام دے سکو تو ٹھیک ہے!

کیرکیٹر بننے دیجئے اور پھر آپ مجھے اپنے درمیان پائیں گے۔ ہمیں دس یا بیس ہزار نہیں صرف دو ہزار سنیاسی درکار ہیں۔ مرد و زن دونوں! ہماری گرہستنیں کیا کر رہی ہیں؟ ہم ہر قیمت پر شدھی چاہتے ہیں۔ ان کے پاس جائیے ان سے کہئے، ان پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کیجئے۔ اپنا من اور اپنی آتما لگا دیجئے! یاد رکھئے ہمیں گرہست چیلے نہیں صرف سنیاسی درکار ہیں۔ آپ میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ آپ سو، سو سنیاسی بنائیں۔ تعلیم یافتہ نوجوان — بے وقوف نہیں! تب ہی آپ ہیرو ہوں گے۔ ہمیں سنسنی کی ایک لہر دوڑا دینی چاہئے۔ تساہل و قنوطیت کا یہ رویہ چھوڑیئے۔ اپنا بوریہ لپیٹئے اور کھڑے ہو جائیے۔ میں بھی دیکھوں گا کہ آپ نے کلکتہ اور مدراس کے درمیان بجلی کی ایک رو دوڑا دی ہے مختلف مقامات پر مرکز قائم کیجئے اور سدا شدھی کرتے رہئے۔ جو شخص بھی آپ کے خانقاہی نظام میں شامل ہونے کی خواہش رکھتا ہے آپ اسے بلا امتیاز جنس اپنے خانقاہی نظام میں شامل کر لیجئے۔ اور تب ہی آپ مجھے اپنے درمیان پائیں گے۔ روحانیت کی ایک موج طوفان خیز آ رہی ہے۔ اور اشیور کے کرم سے وہ جو پست و رسوا ہے شریف و بلند مرتبت بن

جائے گا۔ اور وہ جو بے خبر ہے عظیم طلبا کا استاد ثابت ہوگا۔ उत्तिष्ठत जाग्रत प्राप्य वरान्निबोधत "اٹھو جاگو اور بڑھتے رہو، یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤ۔" زندگی سدا وسعت پذیری ہے اور جمود موت ہے۔ خود غرض آدمی جو صرف ذاتی آرام کی طلب و خواہش رکھتا ہے درحقیقت ایک سست و کاہل زندگی کی سمت بھاگا جا رہا ہے ــــ لیکن ایسے آدمی کے لئے تو نرکھ میں بھی کوئی جگہ نہیں ہے۔ شری رام کرشن کا فرزند تو وہی ہے جو تمام ذی حیات سے ہمدردی رکھتا ہے اور اپنی ذاتی رسوائی کے خدشہ کے باوجود اپنی زندگی ہر ذی حیات کی خدمت کے لئے تج دیتا ہے इतरे कृपणा: باقی عام لوگ ہیں۔ جو شخص بھی روحانیت کے اس عظیم موقع پر ہمت بھرے دل کے ساتھ کھڑا رہے گا، گھر گھر اور گاؤں گاؤں جا کر اس کا پیغام پھیلائے گا صرف وہی شخص میرا بھائی ہوگا اور صرف وہی شخص شری رام کرشن کا فرزند ہوگا۔ یہ ایک آزمائش ہے۔ وہ شخص جو شری رام کرشن کا فرزند ہے اپنی ذاتی بھلائی کا طالب نہیں ہوگا प्राणात्ययेऽपि परकल्याणचिकीर्षव: " وہ اس وقت بھی دوسروں کی بھلائی چاہتے ہیں جب کہ موت ان کے سامنے ہوتی ہے ــــ "۔ وہ لوگ ہم میں سے نہیں ہیں جو ذاتی آرام کی فکر میں گم رہتے ہیں، سست و کاہل زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اپنی خواہشات کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار رہتے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ وہ ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں۔ اُن کی سیرت کی اشاعت کیجئے۔ اُن کی تعلیمات اور اس کے دھرم کی تبلیغ کیجئے۔ صرف یہی چیز روحانی ریاضت ہے۔ یہ اصل ہے اور دوسری چیزیں فروعات ہیں۔ اٹھو اٹھو! ایک موج طوفاں خیز آ رہی ہے۔ اس کی نظر میں تمام مرد و زن اوپر سے لے کر نیچے جاندار ریزیہ، تک سب یکساں اور مساوی ہیں۔ آگے بڑھو! آگے بڑھو! ناموری، شہرت، مکتی یا بھگتی کی چنتا کرنے کا وقت نہیں ہے۔ کسی اور وقت ان باتوں کے متعلق سوچیں گے۔ اب تو ہمیں اس زندگی میں اس کی روشنی سیرت، اس کی تابناک زندگی اور اس لامحدود آتما کی اشاعت و تبلیغ کرنی ہے۔ صرف یہی ایک کام ہے ــــ اس کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے جو کیا جائے۔ جہاں بھی اس کا نام پہنچے گا کیڑے مکوڑے تک آفاقیت حاصل کرنے لگیں گے۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ وہ آفاقیت حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کے پاس آنکھیں ہیں کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہیں؟ کیا یہ بچوں کا کھیل ہے؟ بچوں کی باتیں ہیں؟ کیا یہ حماقت ہے उत्तिष्ठत जाग्रत اٹھیے، جاگیے، ایشور ہمارا پشت پناہ ہے۔ میں اور کچھ نہیں لکھ سکتا، ــــ بس یہ کہ آگے بڑھیے! شری بھگوان! ...... میں محسوس کرتا ہوں کہ جیسے کوئی ہے جو مجھ سے اس طرح لکھوانے کے لئے میرے ہاتھ کو جنبش دے رہا ہے آگے بڑھیے! شری بھگوان! ہر شے خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے گی۔ خبردار رہیئے وہ آ رہا ہے! جو شخص بھی اس کی، نہ صرف اس کی بلکہ اس کے بنیوں کی خدمت کے لئے تیار رہے گا یعنی غریبوں، کچلے ہوئے لوگوں، گناہگاروں اور مصیبت زدوں کی یہاں تک کہ جو شخص پست سے پست ذی حیات

کی خدمت کے لئے کمر بستہ رہے گا وہ خود کو اس میں ثابت کرے گا۔ اس کی زبان سے علم کا دیوتا بولے گا، خالق کائنات بولے گا جو بیکراں طاقت وقدرت ہے۔ اوران ہی کے دلوں میں مادرِ حیات جلوہ گری فرمائے گی۔ جو لوگ بے عقیدہ ہیں، دہریئے ہیں، بے قیمت وبیکار ہیں، وہ کس بنا پر اس کے دامن سے اپنی وابستگی کا دعویٰ کیا کرتے ہیں ......

اصلاح "تنظیم" کا مطلب ہے "تقسیم کار"۔ ہر فرد اپنا فرض ادا کرتا ہے اور تمام افراد مل کر اتحاد کے آدرش کی عکاسی کرتے ہیں .....

آپ کا خیر اندیش

وویکانند

(14)

بھگوان رام کرشن کو پرنام۔ !

1894

برادران عزیز ![1]

اس سے پہلے بھی میں نے آپ کو ایک خط لکھا تھا جو وقت نہ ملنے کی بنا پر نا تمام رہا۔ رکھل اور ہری[2] نے لکھنؤ سے لکھا تھا کہ ہندو اخبارات بڑی تعریف کر رہے ہیں اور بہت خوش ہیں کہ شری رام کرشن کی سالگرہ میں بیس ہزار لوگوں نے کھانا کھایا۔ میں مزید کام کر سکتا تھا لیکن برہمن اور مشنری لگاتار مخالفت کر رہے ہیں اور ہندوستان کے ہندو میرے لئے کچھ کر نہیں رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اگر کلکتہ یا مدراس کے ہندو ایک جلسہ منعقد کریں اور اس میں ایک ریزولیوشن کے ذریعہ مجھے وہ لوگ اپنا نمائندہ تسلیم کرتے ہوئے امریکی عوام کا اس بنا پر شکریہ ادا کریں کہ انھوں نے میرا بہت پرخلوص خیر مقدم کیا ہے تو حالات میں خاطر خواہ بہتری پیدا ہوگی۔ لیکن ایک سال بیت گیا اور کچھ بھی نہیں ہوا۔ بے شبہہ میں نے کبھی بنگالیوں پر انحصار نہیں کیا لیکن مدراسی بھی ایسی کوئی بات نہیں کر سکے ......

یہاں ہماری قوم کے لئے اُمید کی کوئی کرن نہیں ہے۔ کوئی نہیں ہے جس کے ذہن سے کوئی ایسا خیال جنم لے جس کو بنیادی وحقیقی خیال کہا جاسکے۔ سب کے سب لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ یعنی یہ کہ شری رام کرشن ایسے تھے ویسے تھے۔ کرامتوں کی کہانیاں ہیں، چمتکار کی داستانیں ہیں جن کا نہ کوئی سر ہے نہ کوئی پیر ہے۔ میرے ایشور! کیا آپ ایسی کوئی بات نہیں کریں گے جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ نے خود کو عام لوگوں کے راستہ سے ہٹا لیا ہے جو دیوانگی میں مبتلا ہیں .... آج آپ کے پاس ایک بیل ہے۔ کل آپ نے اس کے سینگ لگا دیئے اور تیسرے دن آپ چوری اور مرچھل لے کر کھڑے

---

[1] سوامی وویکانند کے گورو بھائی [2] سوامی برہمانند اور سوامی تریانند !

ہو گئے۔ یا آج آپ نے ایک چار پائی بنش کی، اور دوسرے دن اس کے پایوں پر چاندی منڈھ گئی، لوگوں کو ابلے ہوئے چاولوں سے اپنا پیٹ بھرنے کا موقع مل گیا اور آپ نے طوطا مینا کی دو ہزار کہانیاں گڑھ لیں ـــــ مختصراً یہ کچھ نہیں ہے۔ بس ظاہری رسوم! انگریزی زبان میں اسے امبیسلیٹی imbecility. کہا جاتا ہے یعنی دماغی کمزوری! جن لوگوں کے سر میں اس قسم کا سودا سما جاتا ہے انہیں دماغی طور پر کمزور کہا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو محض اس سوال پر رات دن پریشان رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے کہ آیا مندر کا گھنٹہ دائیں جانب سے بجانا چاہئے یا بائیں جانب سے، صندل ماتھے پر لگانی چاہئے یا کسی اور جگہ، آرتی دو مرتبہ اتارنی چاہئے یا چار مرتبہ، وہ صرف اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں بے وقوف کہا جائے۔ اور یہی وہ عادت ہے جس کی بنا پر قسمت نے ہمیں ٹھکرا دیا ہے۔ مغرب کے لوگ جبکہ پوری دنیا کے آقا ہیں تو مقدر نے ہمیں ٹھوکر مار کر اچھال دیا ہے اور انسانوں کی برادری سے باہر نکال پھینکا ہے...... ترکِ دُنیا اور کاہلی کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اگر آپ بہتری کے طالب ہیں تو پھر رواج و رسوم کو ایک طرف ڈال دیجئے اور زندہ ایشور کی پرستش کیجئے، اس کی کائناتی حیثیت میں بھی اور اس کی انفرادی حیثیت میں بھی! ایشور کی کائناتی حیثیت کا مطلب ہے یہ دنیا اور پرستش کا مفہوم ہے اس دنیا کی خدمت ــــ اور یہی حقیقی کام ہے۔ رسوم و رواج میں ملوث رہنا کوئی کام نہیں ہے۔ نہ ہی یہ کوئی کام ہے کہ ایشور کے سامنے چاول کی بھری ہوئی پلیٹ دس منٹ رکھی جائے یا آدھ گھنٹہ تک رکھی رہنے دی جائے۔ اسے دیوانگی اور پاگل پن کہا جاتا ہے۔ وارانسی یا بندرابن کے مندر کے دروازے پورے دن بند ہونے اور کھلتے رہنے پر لاکھوں روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اب ایشور اشنان کر رہا ہے اب وہ کھانا کھانے میں مصروف ہے اور اب کسی ایسے کام میں مشغول ہے جو ہمیں معلوم نہیں .... اور یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ جب کہ زندہ بھگوان بھوکا مر رہا ہے اور حیات کی تاریکی میں تڑپ رہا ہے، بمبئی کے بنیئے کھٹملوں کے لئے تو ہسپتال تعمیر کر رہے ہیں لیکن وہ انسانوں کے لئے کچھ کرنے کو تیار نہیں چاہے وہ مر ہی کیوں نہ جائیں، کیا آپ یہ معمولی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟....... یہ ہمارے وطن میں ایک طاعون ہے۔ پاگل خانے ہر طرف معرض وجود میں آ رہے ہیں،........ آپ میں سے کسی کو آگ کے شعلے کی طرح پھیل جانا چاہئے اور ایشور کے اس کائناتی پہلو کی پرستش کیلئے تبلیغ کرنی چاہئے.......... یہ وہ کام ہے جو ہمارے ملک میں اس سے پہلے نہیں ہوا۔ لوگوں سے جھگڑیئے نہیں......... ہمیں سب کے ساتھ درستی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

ہمارے نظریات کی اشاعت کیجئے! گاؤں گاؤں جایئے، گھر گھر جایئے۔ تب ہی حقیقی کام ہوگا۔ ورنہ بستر پر مراقبے میں پڑے رہنا اور وقتاً فوقتاً گھنٹہ بجا دینا ایک قسم کی بیماری ہے، سادہ سی اور خالص قسم کی بیماری!...

. . . . اپنے ذہن کو آزاد بنایئے اور آزادانہ فیصلہ کرنے کا طریقہ سیکھئے۔ فلاں فلاں تنتر کے فلاں فلاں باب میں وہ فاصلہ مقرر کیا گیا ہے جہاں سے گھنٹہ بجانا چاہئے۔ ان باتوں کی میرے لئے نہ کوئی وقعت ہے نہ کوئی اہمیت ہے۔ مجھے اس کی کیا فکر؟ ایشور کی مرضی سے لاکھوں وید، تنتر اور پران آپ کے ہونٹوں سے باہر آئیں گے . . . . . اب اگر آپ عملاً یہ ثابت کر سکتے ہیں اور اگر آپ ایک برس کے اندر ہندوستان میں تین یا چار اہل چیلے بنا سکتے ہیں تب ہی میں کوئی امید کر سکتا ہوں . . . . . .

بہرحال کیا آپ اس لڑکے کو جانتے ہیں جو اپنا سر منڈا کر بھائی ترک (شوانند) کے ساتھ بمبئی سے رامیشورم گیا تھا۔ وہ اپنے کو رام کرشن پرم ہنس کا چیلہ کہتا ہے، بھائی ترک کو اسے سمجھانا چاہئے۔ وہ کبھی شری رام کرشن سے ان کی زندگی میں نہیں ملا تھا، پھر بھی وہ ان کا چیلہ ہے! یہ کیا مذاق ہے! گورو پرم پرا गुरुपरम्परा کے بے شکستہ سلسلہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ ایک بچہ کا کھیل ہے؟ کسی طرح کا کوئی سمبندھ نہ رہا ہو اور ایک شخص خود کو چیلہ کہنے لگے! بے وقوف! اگر یہ لڑکا ٹھیک راستہ پر جانے سے انکار کرے تو اسے نکال دیجئے! میں کہتا ہوں کہ گورو پرمپرا کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک شکتی ہوتی ہے جو گورو اپنے چیلے میں منتقل کرتا ہے اور اس سے اس کے چیلے میں منتقل ہوتی ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں وہ آتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ شری رام کرشن کا چیلہ ہے . . . . . . یہ کیا احمقانہ بکواس ہے؟ جگ موہن نے مجھے بتایا تھا کہ کوئی شخص ہے جو اپنے کو میرا گورو بھائی کہتا ہے۔ اب مجھے شبہہ ہے کہ یہ وہی لڑکا ہوگا۔ جب وہ اپنے کو شِشیہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا تو پھر مجھے کہنے دیجئے کہ ایک دن آئے گا جب وہ سیدھے ہی خود گورو کہنے لگے گا۔ اور وہ مروجہ ضابطہ کی پابندی نہیں کرتا تو اسے فوراً نکال دیجئے۔

تلسی (نرملانند) اور سبودھ (سبودھانند) کی بے چینی کی باتوں کا کل اتنا مطلب ہے کہ ان کے پاس کرنے کے لئے کوئی کام نہیں ہے . . . . گاؤں گاؤں جایئے، اور عالم انسانیت کی بھلائی کا کام کیجئے۔ دوسروں کے لئے اگر جنسِ نجات کی خریداری کرنے نرکھ میں جانا پڑے تو وہاں بھی جایئے۔ اور دوسروں کے لئے فلاح و نجات کی جنس خریدیئے۔ اس زمین پر ایسی کوئی مکتی نہیں ہے جسے اپنی نجی چیز کہا جا سکے۔ جب آپ تنہا اپنی ذات کے بارے میں سوچتے ہیں تو آپ کو پریشانی ہوتی ہے۔ میرے بھائی آپ امن و سکون کے ساتھ کوئی کام کر سکتے ہیں؟ آپ کو سب کچھ ترک کر دینا ہے۔ آیئے! اب آپ کی باری ہے کہ آپ امن کی خواہش بھی چھوڑ دیں اور مکتی کی طلب بھی۔ سورگ، نرکھ بھگتی یا مکتی کے لئے ذرا سی چنتا بھی نہ کریں۔ کسی بھی چیز کی کوئی چنتا نہ کریں۔ لیکن میرے بھائی گھر گھر جایئے اور گورو کا نام پہنچایئے۔ اپنی فلاح کے حصول کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ دوسروں کی فلاح کے لئے کام کیا جائے۔ بھگتی و مکتی کی راہ

پر دوسروں کی رہنمائی کرکے ہی ایک شخص اپنی بھگتی و مکتی بھی پا سکتا ہے۔ اس کام کا بیڑا اٹھائیے۔ اس میں لگ کر خود کو بھول جائیے اور اس کام میں دیوانہ وار جٹ جائیے۔ شری رام کرشن نے جس طرح آپ سے سدا پیار کیا ہے، جس طرح میں آپ سے پیار کرتا ہوں آپ اسی طرح دنیا سے پیار کرنے لگیں۔ سب کو ملائیے، متحد کیجئے گاندھی کہاں ہیں۔؟ آپ کو سدا انہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہئے۔ ان سے میرا ابرنام کہئے، گپتا (سدانند) کہاں ہیں؟۔ اگر وہ پسند کریں تو انہیں بھی اپنے ساتھ شامل کر لیجئے۔ انہیں میرے نام سے پکاریئے۔ ذیل کے چند نکات ہمیشہ یاد رکھئے!

۱۔ ہم سنیاسی ہیں اور ہم نے ہر چیز ترک کر دی ہے —— بھگتی اور مکتی اور تفریحات اور سب کچھ!

۲۔ دنیا کی خدمت کرنا —— پست سے پست ترین شخص تک کی خدمت کرنا —— یہ ہمارا عہد ہے! اس راہ میں جو کچھ ملے اسکا خیر مقدم کیجئے چاہے وہ مکتی ہو چاہے وہ نرکھ ہو۔

۳۔ رام کرشن پرم ہنس دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے آئے تھے یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ انہیں بشر مانیں ایشور مانیں، اوتار مانیں۔ آپ ہی سے ہر کوئی اپنی من بھاؤنا سے جیسا چاہے ویسا مان لے،

۴۔ جو شخص بھی ان کے سامنے سر جھکائے گا وہ اسی لمحہ کندن بن جائے گا۔ اسی پیغام کو لے کر گھر گھر جائیے میرے بھائی اگر آپ یہ کام کر سکتے ہیں تو کیجئے اور پھر آپ کا سارا شور و شغب ختم ہو جائے گا —— ڈریئے مت! —— خوف کی گنجائش کہاں ہے؟ —— کسی بھی چیز کے لئے خواہ وہ کچھ بھی ہو حیثیت اور فکر مند نہ ہونا آپ کی زندگی کا ایک جزو ہے۔ آپ نے اب تک اپنے گرد و پیش اور بہت وسیع حدود میں ان کے نام اور ان کی سیرت کی اشاعت کی ہے۔ اور بہت عمدگی اور خوبی سے یہ کام انجام دیا ہے لیکن اب اشاعت کا یہ کام منظم طریقہ پر کیجئے، بھگوان آپکے ساتھ ہے بس اس کام میں من سے لگ جائیے!

میں چاہے زندہ رہوں یا مر جاؤں، ہندوستان واپس آؤں چاہے نہ آؤں آپ تو بس پریم کا پرچار کرتے رہئے پریم کی کوئی حد نہیں ہے کوئی سرحد نہیں ہے۔ ایس —— کو بھی اس کام میں لگائیے۔ مگر یاد رکھئے دوسروں پر غلبہ پانے کے لئے ہر شخص کو ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے

सन्निमित्ते वरं त्यागो
विनाशे नियते सति——

جب موت برحق ہے تو اچھے مقصد کے لئے مرنا بہتر ہے۔

آپ کا خیر اندیش

وویکانند

خوٹ:-

میرا پچھلا خط یاد رکھیئے ـــــ ہمیں عورتوں اور مردوں دونوں کی ضرورت ہے۔ روح تذکیر زنانیت کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ شری رام کرشن کو بس اوتار بکتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ کو اپنی شکتی بروئے کار لانی چاہیئے۔ گوربال[1]، یوگن ماں، گولپ ماں کہاں ہیں۔ ان سے کہیئے کہ وہ ان نظریات کی اشاعت کریں۔ ہمیں ہزاروں مرد اور ہزاروں عورتیں درکار ہیں جو جنگل کی آگ کی طرح ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک، قطب شمالی سے لے کر قطب جنوبی تک پورے کرۂ ارض پر پھیل جائیں، بچوں کے کھیل میں لگے رہنے کا کیا فائدہ ـــــ نہ ہی اس کے لئے کوئی وقت نہیں! جو لوگ بچوں کا کھیل سمجھ کر آئے تھے، ان سے کہئے کہ یہ وقت ہے کہ آپ ہمیں چھوڑ جائیں۔ ورنہ آپ رنجیدہ اور متاسف ہوں گے۔ ہم ایک تنظیم چاہتے ہیں سست اور کاہلوں سے الگ! پھیل جایئے! تمام مقامات کی طرف آگ کے شعلے کی طرح لپکئے۔ مجھ پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جایئے، میں چاہے زندہ رہوں یا مر جاؤں آپ اپنے کو پھیلاتے رہئے۔ دست دیتے رہئے۔

آپ کا خیر اندیش

وویکانند

15

شکاگو!

20 جون 1894.

پیارے دیوان جی صاحب[2]

آپ کا نوازش نامہ آج موصول ہوا۔ میں کتنا بُرا ہوں کہ میں اپنے تلخ و ترش الفاظ کے ذریعہ آپ جیسے شریف النفس انسان کو تکلیف پہنچانے کا موجب بن گیا۔ میں آپ کی تکلیف کے ازالہ کے لئے ندامت سے سر جھکاتا ہوں "اے کہ تو میں جس کا فرزند ہوں، مجھے منفعل و شرمسار ہونا لکھا ہے۔" ـــــ گیتا! لیکن دیوان جی صاحب آپ خوب جانتے ہیں کہ یہ میرا جذبۂ محبت ہی ہے جس نے مجھے وہ سب کچھ کہنے کے لئے مجبور کر دیا۔ مجھے کہنے دیجئے کہ نقلی گھونسوں نے بالواسطہ طور پر کبھی مجھ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ لیکن دوسری جانب اس واقعہ کے پیش نظر انھوں نے مجھے شدید طور پر مجروح کر ڈالا ہے کہ ہمارے ہندو عوام نے امریکنوں سے یہ کہنے کے لئے ابھی تک اپنے ہونٹوں کو جنبش بھی نہیں دی ہے کہ میں ان کی نمائندگی و ترجمانی کرتا ہوں ـــــ امریکنوں سے متواتر کہا جا رہا ہے کہ میں نے سنیاسی کا چولا بس امریکہ آکر ہی بدل لیا ہے اور یہ کہ میں

---

[1] پرم ہنس شری رام کرشن کی چیلیاں

[2] ہری داس بہاری داس ڈیسائی

ایک دھوکہ باز اور فریبی ہوں۔ اور کچھ بھی نہیں ۔جہاں تک میری عزت کا تعلق ہے امریکن قوم پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن جہاں تک مالی امداد کے مسئلہ کا تعلق ہے ان باتوں کا ان پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اپنا امدادی ہاتھ میری جانب سے کھینچ لیتے ہیں۔ ایک برس ہو چکا ہے کہ میں یہاں مقیم ہوں اور اس عرصہ میں ہندوستان کے ایک بھی معروف آدمی نے امریکنوں کو یہ نہیں بتایا ہے کہ میں کوئی دھوکہ باز آدمی نہیں ہوں۔ مزید براں مشنری سدا میری مخالفت میں لگے رہتے ہیں اور ہندوستان کے عیسائی اخباروں میں میرے خلاف جو کچھ شائع ہوتا ہے وہ اسے ان اخباروں سے لے کر یہاں شائع کراتے ہیں۔ آپکو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں ہندو اور عیسائی کے مابین جو فرق ہے اسکے بارے میں یہاں کے لوگوں کو بہت تھوڑی معلومات ہیں۔

ابتداً میں چاہتا تھا کہ اپنا کوئی کام کرنے کے لئے میں چندہ اکٹھا کروں۔ مجھے موقع دیجئے کہ میں یہ سب باتیں آپ سے دوبارہ کروں۔ !

مشرق و مغرب کا سارا فرق اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اقوام ہیں اور ہم نہیں ہیں۔یعنی یہ کہ وہ متمدن ہیں ، بالعموم تعلیم یافتہ ہیں اور تعلیم و تمدن کا سلسلہ عوام کی صفوں تک پھیلا ہوا ہے۔امریکہ اور ہندوستان کے اعلیٰ طبقات یکساں ہیں۔لیکن دونوں ممالک کے نچلے طبقات درمیان بے انتہا فرق ہے ۔ انگریزوں کے لئے ہندوستان کو فتح کر لینا اس قدر آسان کیوں تھا؟ ہمارے یہاں بڑے آدمیوں میں سے جب کوئی مرتا ہے تو ہمیں صدیوں انتظار کرنا پڑتا ہے کہ کوئی پیدا ہو اور اس کی خالی جگہ بھرے ، مگر مغرب میں جیسے ہی کوئی مرتا ہے ویسے ہی اس کی جگہ لینے والا بھی پیدا ہو جاتا ہے. جب ہمارے دیوان جی صاحب گذر یں گے (ہمارے وطن کی بھلائی کے لئے ایشور کرے کہ یہ وقت بہت دیر میں آئے) تو ان کی جگہ بھرنے کے لئے پوری قوم ایک دشواری محسوس کرے گی۔ اس سے یہ حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ انہیں آپ کی خدمات کی کتنی ضرورت ہے اور وہ کسی طرح بھی آپ کی خدمات سے دستکش نہیں ہو سکتے ، یہ ہے قحط الرجال! ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ ان کے پاس وسیع میدان ہیں جہاں سے بڑے لوگوں کی آمد ہوتی رہتی ہے۔ اور ہمارے پاس بہت چھوٹا میدان ہے۔ تین چار یا چھ کروڑ نفوس پر مشتمل اقوام کے بالمقابل تیس کروڑ کی ایک قوم کے پاس بڑے لوگوں کی بھرتی کا چھوٹا میدان ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ ان اقوام میں تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے میرے عزیز دوست، مجھے سمجھنے میں کوئی غلطی نہ کیجئے۔ یہ ہماری قوم کا بہت بڑا نقص ہے اور اس نقص کو دور کرنا چاہیئے ۔

عوام کو تعلیم دیجئے اور ان کو اونچا اٹھایئے ۔ بس یہی ایک طریقہ ہے جس سے ایک قوم کی تعمیر ممکن ہو سکتی ہے ہمارے لیفارمر یہ دیکھتے ہی نہیں کہ زخم کس جگہ ہے۔ وہ بیواؤں کی شادی کرا کے قوم کو بچانا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ کے خیال میں ایک

قوم محض اس بات سے مطمئن ہو سکتی ہے کہ اس کی بیواؤں کو ملنے والے شوہروں کی تعداد کتنی ہے؟ نہ ہمارے دھرم کا کوئی تصور ہے، ایک مورتی کے ہونے یا نہ ہونے سے کم و بیش کیا فرق پڑتا ہے۔ حقیقی نقص اس جگہ ہے کہ اصل قوم جو جھونپڑوں میں زندگی بسر کرتی ہے اپنی انفرادیت اور اپنی آدمیت کے احساس کو بھول چکی ہے، ہندو، مسلمان، عیسائی کے قدموں تلے کچل کر وہ یہ سوچنے لگے ہیں کہ وہ ہر اس شخص کے پاؤں تلے کچلنے ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں جس کی جیب دولت سے بھری ہوتی ہے، انہیں ان کی کھوئی ہوئی انفرادیت واپس لوٹانی ہے۔ انہیں تعلیم دینی ہے۔ مورتیاں رہیں یا نہ رہیں، بیواؤں کے شوہروں کی تعداد زیادہ ہو یا کم ہو، ذات پات کا نظام اچھا ہے یا بُرا ہے میں اس قسم کے سوالات میں خود کو پریشان نہیں کرتا۔ ہر شخص کو اپنی فلاح کے لئے آپ کام کرنا چاہئے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم کیمیاوی اشیاء کو ایک جا ملا دیں۔ اور پھر اس مرکب سے جو شے بننے والی ہے قانون فطرت کے تحت وہ از خود بن جائے گی۔ ہمیں اپنے نظریات ان کے ذہن میں، ڈالنا چاہئے باقی کام وہ خود انجام دے لیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عوام کو تعلیم دی جائے۔ یہ ہیں حقیقی دشواریاں!، ایک کھوکھلی حکومت کچھ نہیں کر سکتی، کچھ نہیں کرے گی۔ لہٰذا اس کی طرف سے کسی امداد کی کوئی توقع نہیں ہے۔

فرض کر لیجئے کہ ہم ہر گاؤں میں مفت اسکول کھولنے کی پوزیشن میں ہوں تو بھی غریب لڑکے اسکول میں آنے کی بجائے کسبِ معاش کی غرض سے کھیتوں میں ہل چلانے جائیں گے۔ نہ تو ہمارے پاس سرمایہ ہے نہ ہی ہم انہیں تحصیل علم کے لئے آمادہ کر سکتے ہیں۔ پورا مسئلہ ناممکن نظر آتا ہے۔ لیکن میں نے ایک طریقہ سوچا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر پیاسا کنوئیں کے پاس نہیں جاتا تو کنوئیں کو پیاسے کے پاس آنا چاہئے اگر غریب لوگ حصول تعلیم کے لئے نہیں آسکتے تو تعلیم کو ان کے کھیتوں ان کی فیکٹریوں اور ہر اس جگہ جانا چاہئے جہاں وہ موجود رہتے ہیں۔ مگر ان جگہوں پر تعلیم کس طرح جا سکتی ہے؟ آپ نے میرے بھائیوں کو دیکھا ہے؟ اب پورے ہندوستان کے لئے ویسے ہی سیکڑوں بے غرض، بے لوث، نیک اور تعلیم یافتہ لوگوں کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ گاؤں گاؤں جائیں اور نہ صرف یہ کہ گھر گھر میں دھرم پہنچائیں بلکہ تعلیم کی روشنی بھی پہنچائیں۔ لہٰذا میرے پاس وہ مرکزی خیال تو ہے جس سے بیواؤں کی تنظیم کی جا سکتی ہے اور جو مُعَلِّموں کی طرح ہماری عورتوں کی تربیت کر سکتا ہے۔

فرض کیجئے کہ دن بھر کے کام کے بعد گاؤں کے لوگ واپس آئے ہیں اور کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر حقہ پی رہے ہیں اور وقت گزارنے کے لئے گپ شپ کر رہے ہیں۔ اسی اثنا میں دو تعلیم یافتہ سنیاسی اپنے کیمرے سنبھال کر ان کے پاس پہنچ گئے اور انہیں دوسری اقوام کی تاریخ، ان کی زندگی اور نجوم وغیرہ سے متعلق تصاویر اور دیگر مناظر دکھانے لگے، اور اسی طرح اپنے ساتھ گلوب اور نقشے وغیرہ بھی لیتے گئے اور ان کے بارہ میں سب باتیں انہیں زبانی طور پر بتانے اور سمجھانے لگے تو اس طرح کتنا کچھ ہو سکتا ہے۔ دیوان جی صاحب! صرف آنکھ ہی تحصیل علم کا ذریعہ نہیں ہے۔ کان

کے ذریعہ بھی علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ان کو خیالات ملیں گے۔ ان میں اخلاقی قدریں پیدا ہوں گی اور بہتر مستقبل کی ان میں ایک آشا جنم لے گی۔ یہاں پہنچ کر ہمارا کام ختم ہو جاتا ہے۔ باقی ماندہ وہ خود انجام دے لیں گے، وہ کیا چیز ہے جو سنیاسیوں کو یہ قربانی دینے اور ایک ایسے کام کا بیڑہ اٹھانے کی ترغیب دیتی ہے؟ ——— یہ دھارمک جوش اور ولولہ ہے! ہر نئی دھارمک لہر ایک نئے مرکز محتاج ہوتی ہے۔ ایک نئے مرکز سے پرانے دھرم کی محض تجدید ہو سکتی ہے۔ عقائد اور دھرم کی کتابوں کو آپ بستہ میں رکھ دیں، اس کا کوئی فائدہ نہیں! یہ ایک شخصیت ہوتی ہے، ایک زندگی ہوتی ہے۔ ایک مرکز ہوتا ہے، ایک منشیہ بھگوان ہوتا ہے جو راستہ دکھاتا ہے، رہنمائی کرتا ہے اور جس کو مرکز مان کر جملہ عناصر اس کے گرد خود کو جمع کراتے ہیں اور پھر ایک طوفانی لہر اٹھتی ہے جو سوسائٹی پر کھیٹ پڑتی ہے اور جملہ نقائص وعیوب کو خس وخاشاک کی طرح اپنے ساتھ بہالے جاتی ہے۔ مزید براں لوہا لوہے سے ہی کٹ سکتا ہے، لہٰذا ہندوازم کی اصلاح اگر ہو سکتی ہے تو ہندوازم ہی کے ذریعہ، ان نئی خاردار اصلاحی تحریکوں کے ذریعہ نہیں ہو سکتی، اس کے ساتھ ہی ہندو دھرم کو اس قابل ہونا چاہئے کہ ان کی شخصیت، مشرق ومغرب کے کلچروں کی دو دھاروں کو ملانے والا سنگم بن سکتی ہو۔ کیا اب بھی آپ کا خیال نہیں ہے کہ آپ ایک ایسی عظیم تحریک کی مرکزیت کو پہلے ہی دیکھ چکے ہیں اور آپ کے کانوں میں آنے والی موج طوفان خیز کی ہلکی ہلکی آواز پہلے ہی گونج چکی ہے۔ وہ رہنمائی کرنے والا مرکز، وہ ہدایت کرنے والا منشیہ بھگوان ہندوستان میں پیدا ہوا۔ وہ عظیم المرتبت انسان، رام کرشن پرم ہنس تھے۔ اس مرکز کے گرد جمع ہونے والوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ لوگ کام کریں گے۔ اب دیوان جی مہاراج اس کام کے لئے ایک تنظیم کی ضرورت ہے۔ روپیہ کی احتیاج ہے۔ کم سے کم اتنے روپیہ کی کہ گاڑی کا پہیہ چل پڑے، ہندوستان میں کون ہے جو ہمیں روپیہ دے گا؟ لہٰذا دیوان جی مہاراج! میں نے سفر امریکہ کا عزم کیا اور یہاں آیا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے سارا روپیہ غریبوں سے بھیک مانگ کر اکٹھا کیا تھا اور امرا کی پیش کش قبول کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ میرے خیالات ان کی سمجھ میں نہ آ سکتے تھے۔ اب اس ملک میں لیکچر دیتے ہوئے مجھے اس منصوبہ میں قطعاً کامیابی نہیں ہوئی کہ اپنا کام چلانے کے لئے کچھ فنڈ اکٹھا کیا جائے (بے شک میں اپنی ذات کے لئے کسی چیز کا طلب گار نہیں ہوں)، پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سال امریکہ والوں کے لئے بہت ہی خراب ہے۔ ہزاروں غریب لوگ بے روزگار رہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مشنری اور ——— میرے تمام خیالات کو پسپا کر دینے کی کوشش کرتے رہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ایک برس بیت گیا اور ہمارے رہنمائے وطن کو امریکی عوام سے اتنی سی بات کہنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ میں سچا سنیاسی ہوں دھوکہ باز نہیں ہوں اور یہ کہ میں ہندو دھرم کی ترجمانی کرتا ہوں ان سب میں تو صرف الفاظ ہی کا خرچ تھا لیکن ان سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔ شاباش میرے ہم وطن بھائیو شاباش! دیوان جی صاحب!

پھر بھی مجھے ان سے عشق ہے! ایشر کی اِمداد تو میں اپنی ٹھوکر مارتا ہوں! وہ جو پہاڑوں پر، غاروں میں، صحراؤں اور جنگلوں میں میرا کفیل رہا ہے وہ یہاں بھی مجھے امید ہے کہ میرے ساتھ رہے گا میری کفالت کرے گا۔ اور اگر ایسا نہیں ہوا تو کسی نہ کسی وقت ہندوستان میں کوئی اور نڈر اور شریف النفس انسان پیدا ہوگا۔ جو مجھ سے کہیں زیادہ قابل اور اطمینان والا ہوگا۔ اور وہ اس کام کو جاری رکھے گا۔ بس میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے، دیوان جی صاحب، میرے خط کی طوالت کو معاف فرمائیں۔ میرے شریف النفس دوست! آپ میرے ان چند گنتی کے دوستوں میں سے ایک ہیں۔ جو سچ مچ میرے ہمدرد ہیں غمگسار ہیں اور مجھ پر مہربانی کرتے ہیں۔ میرے دوست آپ کو یہ سوچنے کی آزادی ہے کہ میں خواب و خیال کی دنیا بسایا کرتا ہوں اور ہوا میں محل بنایا کرتا ہوں۔ لیکن کم سے کم اتنا ضرور یقین کیجئے کہ میں بنیادی طور پر مخلص ہوں اور میری سب سے بڑی غلطی یا قصور یہ ہے کہ میں اپنے ملک سے محبت کرتا ہوں۔ آپ اور آپ کے متعلقین ہمیشہ ہمیشہ، سکھی اور شاد کام رہیں۔ جن سے آپ محبت کرتے ہیں ایشور ان پر اپنی کرپا کا سایہ رکھے۔ میں آپ کی خدمت میں امتنانِ شکر کی نذر پیش کرتا ہوں۔ مجھ پر آپ کا جو حق ہے وہ ظاہر ہے نہ صرف اس لئے کہ آپ میرے عزیز ترین دوست ہیں۔ بلکہ اسی بنا پر کہ آپ اپنی زندگی بھر بھگوان اور اپنے ملک کی خدمت بہت خوبی سے انجام دیتے رہے ہیں۔

آپ کا شکر گذار

وویکانند

16

امریکہ

21 ستمبر 1894.

پیارے آلا سِنگھا!

..... میں لگاتار سفر کر رہا ہوں۔ ایک مقام سے دوسرے مقام جا رہا ہوں، متواتر کام کر رہا ہوں لیکچر دے رہا ہوں کلاسیں لے رہا ہوں وغیرہ وغیرہ!

میں جو کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں، اس کی ایک سطر بھی ابھی تک نہیں لکھ سکا ہوں۔ کچھ عرصہ بعد ہی میں اس کام کو غالباً شروع کر سکوں گا۔ میں نے اپنے کچھ اچھے دوست بنالئے ہیں۔ ان لوگوں میں بھی جو آزاد خیال ہیں اور ان لوگوں میں بھی جو راسخ العقیدہ ہیں، مجھے امید ہے کہ میں جلد ہی بھارت واپس لوٹوں گا۔ میں نے اس ملک کو کافی دیکھ بھال لیا ہے۔ مجھے کام کی کثرت پریشان کر رہی ہے۔ متعدد عام جلسوں میں لیکچر دینا اور ہمہ وقت عجلت میں مبتلا رہنا

میری پریشانی کا موجب ہے۔ مجھے اس مصروف مگر بے مقصد اور روپیہ بنانے والی زندگی سے کیا لینا ہے۔ بس آپ دیکھیں گے کہ میں جلد ہی لوٹوں گا۔ بے شک ایک طبقہ ہے جس میں مجھے بڑی ہر دلعزیزی و مقبولیت حاصل ہے۔ اور اس طبقہ میں روز بروز اضافہ بھی ہو رہا ہے اور یہ طبقہ خواہش مند ہوگا کہ میں ہمہ وقت یہیں مقیم رہوں لیکن میں سوچتا ہوں کہ اخبار بازی کبھی کافی ہو چکی ہے اور عوامی زندگی کا شور و شغب بھی کافی ہو چکا ہے۔ جیسے اس کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں ہے...... ہمارے مقصدی منصوبہ کے لئے یہاں روپیہ اکٹھا ہونے کی کوئی آشا نہیں، کسی بھی ملک میں عض ہمدردی کی خاطر بھلائی کرنے والے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہوا کرتی۔ عیسائی ممالک میں معدودے چند لوگ جو حقیقت میں روپیہ دیتے ہیں، بسا اوقات پادریوں ہی کے ذریعہ ایسا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں جہنم کا خوف لاحق رہتا ہے۔ چنانچہ ہماری بنگالی کہاوت کے مطابق یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ "ایک گائے کو مار کر اس کی کھال کے جوتے بنایئے اور ثواب کی نیت سے ایک برہمن کو جوتے کا جوڑا دان میں دیدیجئے"۔ یہاں اور ہر جگہ یہ کہاوت صادق آتی ہے۔ پھر ہماری نسل کے مقابلے میں مغرب کے لوگ فطرتاً کچھ کنجوس واقع ہوئے ہیں۔ میں پوری دیانتداری سے یقین رکھتا ہوں کہ دنیا بھر میں ایشیائی نسلیں زیادہ دان دینے والی ہیں حالانکہ یہ نسلیں دنیا بھر سب سے زیادہ غریب بھی ہیں۔

میں چند ماہ نیویارک میں قیام کروں گا۔ یہ شہر اس ملک کا ہاتھ ہے، دماغ ہے اور روپیہ کا گڑھ ہے، بے شک بوسٹن کو براہمنی شہر کہا جاتا ہے اور یہاں ہزاروں لوگ ہیں جو مجھ سے ہمدردی رکھتے ہیں..... نیویارک شہری بہت راستباز اور صاف گو ہیں۔ میں اس شہر کا بھی تجربہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہاں کیا ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہاں میرے چند دوست ہیں جو بہت ہی با اثر اور با رسوخ ہیں۔ بہرحال میں اس لیکچر بازی سے تنگ آ گیا ہوں۔ مغربی باشندوں کو روحانیت کی اعلیٰ قدریں سمجھانے میں بڑا وقت لگے گا۔ ان کے لئے تو پونڈ شلنگ پنس ہی سب کچھ ہے۔ اگر کوئی دھرم اس کو روپیہ دلا سکتا ہے صحت، حسن اور درازیٔ عمر کی ضمانت دے سکتا ہے تو وہ اس دھرم کی جانب دوڑ پڑیں گے ورنہ نہیں..... بالا جی سے پرنام کہئے اور سب دوستوں کو پریم کا سندیش دیجئے۔

ہمیشہ آپ سے پریم کرنے والا

وویکانند

17

نیویارک

25 ستمبر 1894ء

میرے عزیزو!

آپ کے چند خطوط موصول ہوئے، خوشی ہوئی۔ یہ سن کر مجھے بڑی مسرت ہوئی ہے کہ ششی اور دیگر لوگ شاندار کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ ہمیں ایک تہلکہ ڈال دینا چاہئے اس سے کم میں بات بنے گی نہیں۔ آپ ساری دنیا کو ہلاکر رکھ دیں گے۔ گورو کی فتح! آپ کو معلوم ہی ہے श्रेयांसि बहुविघ्नानि 'شاندار کارناموں کے راستہ میں ہمیشہ ہی متعدد رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہیں'۔ یہی رکاوٹیں ہوتی ہیں جو ٹھونک پیٹ کر بڑی شخصیتوں کو تعمیر کرتی ہیں۔ کیا مشنریوں اور انہی کی قسم کے دوسرے لوگوں میں یہ طاقت ہے کہ وہ اس دھکے کی تاب لاسکیں؟ .... جہاں عقلمند ناکام ہو جائیں اس جگہ کیا ایک بیوقوف کامیاب ہو سکتا ہے؟ میرے بچے! یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اس بارے میں اپنے دل و دماغ کو پرسکون مطمئن رکھئے، ہر کام جب شروع ہوتا ہے تو ایک طبقہ تعریف کرتا ہے اور دوسرا کشتی میں سوراخ کرتا ہے۔ اپنے کام کو جاری رکھئے۔ کسی کو جواب دینے کی آپ کو ضرورت ہی کیا ہے سत्यमेव जयते नानृतं ——فتح صرف حق کی ہوتی ہے باطل کی نہیں—— सत्येन पन्था विततो देवयानः اور صداقت ہی سے دیویان راستہ نکلتا ہے..... ہر چیز بتدریج ہوگی!

یہاں کے لوگ موسم گرما میں سمندر کے ساحل پر چلے جاتے ہیں۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا، وہ کشتی رانی کے اتنے شوقین ہیں کہ ان کا یہ شوق قریب قریب جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ یاچ yacht ایک چھوٹی سی کشتی ہوتی ہے جوان بوڑھا ہر شخص جس کے بھی وسائل ہیں ایک یاچ کا مالک ہے، وہ ہر دن ان کشتیوں کو سمندر میں کھیتے پھرتے ہیں اور پھر اپنے گھروں کو واپس آکر کھاتے پیتے ہیں اور رقص کرتے ہیں—— موسیقی دن رات جاری رہتی ہے جو لوگ گھروں کے اندر رہ جاتے ہیں انہیں پیانو کی تانیں پریشان کر ڈالتی ہیں۔

میں کچھ باتیں آپ کو ہیلز کے بارہ میں بتاؤں۔ جن کے پتہ پر آپ نے میرے خطوط ارسال کئے تھے وہ اور ان کی اہلیہ ایک بوڑھا جوڑا ہے ان کی دو بیٹیاں ہیں، دو بھتیجیاں ہیں اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹا باہر رہتا ہے جہاں وہ روزی کماتا ہے۔ بیٹیاں گھر پر رہتی ہیں۔ اس ملک میں رشتہ داری لڑکیوں پر منحصر ہے، بیٹے کی شادی ہوتے ہی اس کا اپنے گھر سے کوئی تعلق نہیں رہ جاتا۔ لیکن لڑکیوں کے شوہر بسا اوقات اپنے خسر کے گھر آجایا کرتے ہیں۔ یہاں یہ کہاوت ہے: "بیٹا بس شادی ہونے تک بیٹا رہتا ہے، اور بیٹی عمر بھر بیٹی رہتی ہے۔"

چاروں جوان ہیں، لیکن ابھی شادیاں نہیں ہوئی ہیں۔ یہاں شادی بڑی تکلیف دہ اور پریشان کن چیز ہوتی

اپنے گورو بھائیوں کے نام

ہے، پہلے تو یہ کہ لڑکی کو من پسند شوہر ملنا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ شوہر پیسے والا ہونا چاہئے ...... وہ غالباً شادی نہیں کرینگی اور یونہی بسر کریں گی۔ بہرطور وہ میرے تعلق سے اب قطعی طور پر دنیا سے بے نیاز ہو چکی ہیں اور "برہم" کے متعلق غور و خوض کرنے میں مصروف ہیں۔

دونوں بیٹیوں کے بال سنہرے ہیں اور دونوں بھتیجیوں کے بال سیاہ ہیں۔ وہ ہر قسم کے پیشہ سے واقفیت رکھتی ہیں بھتیجیاں بہت امیر نہیں ہیں۔ وہ بچوں کا اسکول چلاتی ہیں لیکن بیٹیاں کچھ نہیں کماتیں۔ اس ملک کی بہت سی لڑکیاں اپنی روزی آپ کماتی ہیں۔ کوئی شخص کسی دوسرے پر منحصر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کروڑ پتیوں کے بیٹے تک اپنی روزی آپ کماتے ہیں جب ان کی شادی ہوتی ہے تو پھر وہ اپنا ذاتی کاروبار بھی علیٰحدہ شروع کر دیتے ہیں۔ بیٹیاں مجھے بھائی کہہ کر پکارتی ہیں۔ اور میں انکی ماں کو ماتا کہہ کر پکارتا ہوں، میری تمام چیزیں انہی کے گھر ہیں۔ اور جب میں کہیں جاتا ہوں تو وہ ان کی نگہداشت کرتی ہیں۔ یہاں اوائل عمر میں ہی نوجوان لڑکے تلاش معاش میں نکل جاتے ہیں اور لڑکیاں یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے میں لگی رہتی ہیں، بس آپ دیکھیں گے کہ ہر میٹنگ میں لڑکیوں کی حاضری ننانوے فیصدی ہوتی ہے انکے مقابل لڑکوں کا کوئی مقام ہی نہیں ہے۔ کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔

اس ملک میں روحانیت میں عقیدہ رکھنے والوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ ان کے پاس بھی ایک طریقِ عمل ہے جو روحانیت پیدا کرتا ہے۔ ایک شخص پردہ کے پیچھے چلا جاتا ہے اور پردہ سے ہر قسم، ہر سائز، اور ہر رنگ کے بھوت باہر نکل آتے ہیں۔ میں نے کئی چند بار مشاہدہ کیا ہے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ سب توہم پرستی ہے۔ پھر بھی کسی قطعی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے میں مزید آزمائش کروں گا۔ روحانیت پسندوں میں سے بہت سے میری عزت کرتے ہیں۔

اس کے بعد کرسچین سائنس کا نمبر آتا ہے۔ ان کی پارٹی سب سے زیادہ موثر اور بارسوخ بنتی جا رہی ہے۔ جو آج کل ہر جگہ نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اس کی توسیع دن دونی رات چوگنی ہو رہی ہے اور ان کی ترقی دیکھ دیکھ کر قدامت پسندوں کے دل جلے جا رہے ہیں۔ وہ ویدانتی ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ انھوں نے ادویتہ کے چند اصول چن لئے ہیں اور انہیں بائبل کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور ان کا دعویٰ ہے دماغی شکتی کے ذریعہ "سوہنگ سوہنگ" (میں ایشور ہوں! میں ایشور ہوں) کہہ کر جملہ بیماریوں کا علاج کرسکتے ہیں وہ میرے بہت زیادہ معترف ہیں۔"

آج کل اس ملک کا قدامت پسند طبقہ دہائی دے رہا ہے کہ کوئی اس کی مدد کرے۔ "شیطان کے پجاری[1]" یہ نام اب ماضی کی ایک چیز بن کر رہ گیا ہے۔ وہ میری طرف سے ہلاکت آفریں خوف میں مبتلا ہیں اور حیرت زدہ ہو کر کہتے ہیں "کیا عجب جانور ہے؟" ہزاروں مرد و زن اس کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ قدامت کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دے گا۔ بہرحال

[1] کٹر اور متعصب عیسائی، ہندوؤں اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

گورو کے کرم سے مشعل روشن ہو چکی ہے اور یہ مشعل اب کبھی خاموش نہیں ہوگی۔ وقت کے ساتھ ساتھ کٹر اور متعصب لوگوں کا دم بھی اکھڑ ہی جائے گا۔

Theosophists

تھیوسافسٹوں کا اگرچہ کوئی اثر نہیں ہے لیکن وہ بھی قدامت پسند طبقہ کے مقابلہ میں ہے اور اس طبقہ کے لئے ہلاکت آفریں بن گیا ہے۔

کرسچین سائنس ہمارے یہاں کا ایک طبقہ "کرتا بھج[1]" سے بہت مشابہہ ہے ـــــ زبان سے کہئے "مجھے کوئی بیماری لاحق نہیں ہے" اور پھر آپ کلیتاً شفایاب ہیں۔ زبان سے کہئے "میں وہ ہوں" ـــــ سوہنگ اور پھر تمام قیود ختم اور آپ کلیتاً آزاد ہیں۔ یہ بالکل مادہ پرست ملک ہے۔ اس عیسائی ملک کے لوگ صرف اسی مذہب کو مذہب تسلیم کرتے ہیں جو انہیں بیماریوں میں شفا دے سکتا ہے، چمتکار دکھا سکتا ہے، تحصیل دولت کی راہیں کھول سکتا ہے۔ سوا اس کے اور کوئی بات انکی سمجھ میں بہت کم آتی ہے لیکن پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہیں کچھ قابل احترام شخصیات بھی ہیں۔ یہاں کے لوگ میری ذات میں ایک نئی قسم کا تیبر پا رہے ہیں۔ یہاں تک قدامت پسندوں اور متعصب لوگوں کی عقلیں تک دنگ رہ گئی ہیں اور عوام مجھے عقیدت و احترام کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ میرے بچے! برہمچاریہ ـــ پاک نفسی ـــ کی اس تمکنی سے زیادہ بھی کوئی تمکنی ہو سکتی ہے!

اب میں مدراس کے اڈریس کا جواب لکھنے میں مصروف ہوں جو یہاں کے عام اخباروں میں چھپا تھا اور جس کی اشاعت نے یہاں سنسنی کی ایک لہر دوڑا دی ہے۔ اگر ارزاں ہوا تو میں اپنا جواب یہیں سے چھپوا کر بھیجوں گا۔ لیکن چھپائی اگر گراں ہوئی تو پھر میں ٹائپ کی ہوئی ایک کاپی بھیجدوں گا۔ آپکو بھی ایک نقل بھیجوں گا انڈین مرر میں اسے چھپوا دیجئے گا۔

اس ملک کی غیر شادی شدہ لڑکیاں بہت بھلی ہیں اور ان میں عزتِ نفس کا اچھا خاصا احساس موجود ہے۔ یہ (عوام) درروچن[2] نسل سے تعلق رکھتے ہیں ان کے نزدیک شریر کی خدمت و حفاظت سب سے بڑی چیز ہے، ان کی ساری توجہ اپنے بدن کی زینت و آرائش کی طرف لگی رہتی ہے۔ صرف ناخن کی درستگی کے لئے ایک ہزار قسم کے آلات ہیں۔ بال تراشنے کے لئے دس ہزار اقسام کے آلات ہیں۔ اور ان کے لباس کی اقسام نیز زینت و آرائش کی اشیاء کی تو کوئی

---

[1] یہ دیشنومت کی ایک بگڑی ہوئی شاخ ہے۔ اس شاخ کے لوگ ایشور کو "کرتا" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ (کرتا کے معنی ہیں مالک یا آقا) اور یہ لوگ علاج بالاعتقاد میں کامل ہونیکی بنا پر خاص شہرت رکھتے ہیں۔

[2] اسروں کا راجہ اور بھگت پرہلاد کا بیٹا برہما کے پاس حصولِ علم کے لئے گیا۔ لیکن ان کی تعلیمات کا مطلب غلط سمجھ کر مادّہ پرست بن گیا (چھاندوگیہ اپنشد ـــ VIII)

گنتی ہی نہیں ہے ۔

..... وہ نیک طبع، مہربان اور سچے لوگ ہیں۔ ان کی سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن بس مسرت ہی کو وہ اپنا ایشور مانتے ہیں۔ اس ملک میں روپیہ دریا کے پانی کی طرح بہتا ہے جس کے بھنور میں حسن ہے جس کی لہروں میں علم ہے اور جو عشرت و نشاط کے سمندر میں جا گرتا ہے۔

कांक्षन्तः कर्मणां सिद्धिं यजन्त इह देवताः ।
क्षिप्रं हि मानुषे लोके सिद्धिर्भवति कर्मजा ॥

اس دنیا میں (لوگ) مورتیوں کی پرستش کرتے ہیں تاکہ انہیں اپنے عمل میں، جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ تادیر قائم رہے۔ انسان کی اس دنیا میں صرف عمل ہی کے ذریعہ تیزی سے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے ——— (گیتا IV 12/)

یہاں ہمت و طاقت کے حیرتناک کرشمے نظر آتے ہیں، کتنی شکتی! کتنی فعالیت، اور کتنی بشریت! گھوڑے ہاتھیوں کی طرح بلند قامت ہوتے ہیں جو بڑے بڑے مکانوں جیسی گاڑیاں کھینچتے ہیں۔ آپ ایک مثال سے اندازہ کرسکتے ہیں۔ دوسری دیو ہیکل چیزوں کا کتنا بڑا جسم ہوگا! ...... یہ ایک کرشمہ ہے بے پناہ شکتی کا! یہاں کے لوگ عورتوں کو بجد احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جو یہاں کے لوگوں کی زندگی میں انتہائی اہم کردار انجام دیتی ہیں۔ یہاں عبادت کی یہ شکل کامل ہو چکی ہے۔ اس میں کوئی کمی و بیشی نہیں ہے۔ بہرحال میں پھر اپنے موضوع کی طرف پلٹتا ہوں۔ یہاں کی عورتوں کو دیکھ کر خود میری عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ مجھے اس طرح بازار اور دوسرے مقامات پر لے جاتی ہیں جیسے میں ایک بچہ ہوں۔ وہ ہر قسم کا کام کرتی ہیں۔ جتنا کام وہ کرتی ہیں میں تو اس کا سولہواں حصہ بھی نہیں کرسکتا۔ وہ لکشمی (خوش نصیبی کی دیوی) سمان ہیں۔ اپنے حسن میں سرسوتی (علم کی دیوی) کی مانند ہیں اپنے اوصاف و محاسن میں، اور ان میں خود مادرِ فطرت جلوہ گر ہے۔ ان کی پرستش کرکے ایک شخص ہر چیز میں اکملیت حاصل کرسکتا ہے ——— ہے ایشور! کیا ہم مردوں میں شمار ہونے کے قابل ہیں؟ اگر اپنی موت سے پہلے اپنے وطن میں بھی ایسی ہی ایک ہزار "مدونائیں" بنا سکوں جن میں مادرِ فطرت جلوہ گری کرے۔ تو میں اطمینان کی موت مروں گا۔ تب ہی آپ کے ملک کے مرد بھی مرد کہلانے کے مستحق ہوں گے۔

حقیقتاً میں یہاں کی عورتوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہوں۔ مادرِ فطرت ان پر کس قدر مہربان ہے۔ یہ بہت ہی حیرتناک عورتیں ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ وہ مردوں کو کونہ میں بٹھادیں جو مقابلہ کی دوڑ میں بُری طرح شکست کھا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ مادرِ فطرت ہی کے کرم کا ثمر ہے ...... ! میں جس وقت تک جنس کا فرق نہ مٹادوں گا اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا۔ کیا آتما میں جنس کا کوئی فرق ہے کوئی امتیاز ہے؟ پھر مرد و عورت کے درمیان یہ تفریق کیسی؟ سب کچھ آتما ہے۔ جسم کے فرق کو نظر انداز کر دیجئے اور کھڑے ہو جائیے، کہئے استی استی! ——— "ہر شے ہے" منفیانہ خیالات

مٹادیجئے! نستی نستی نہیں ہے، نہیں ہے (منفیت پرستی) پر حد سے زیادہ اصرار کرنے سے پورا ملک برباد ہو رہا ہے۔"سوہنگ سوہنگ شوم شوم ۔۔۔۔۔" میں وہ ہوں، وہ ہوں میں شیو ہوں، پریشانی کیا ہے۔ ہر آتما میں غیر محدود شکتی ہے، کیا منفیانہ خیالات کی جانب راغب ہو کر آپ خود کو کُتّا اور بلّی بنا لینا چاہتے ہیں؟ منفیت پرستی کی تبلیغ کی جرأت کون کر سکتا ہے؟ آپ کس کو بے طاقت اور کمزور کہہ سکتے ہیں؟ شوہم شوہم میں شیو ہوں میں شیو ہوں۔ جب میں سنتا ہوں کہ لوگ نستی نستی کی بات کر رہے ہیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی میرے سر پر ہزاروں ہتھوڑے مار رہا ہے۔ انکساری بھی ایک قسم کی بیماری کا نام ہے، کیا آپ خود کو کمترین کہنا انسانیت سے تعبیر کریں گے؟ یہ تکبّر کا بدلہ ہوا روپ ہے न लिङ्गं धर्मकारणं, समता सर्वभूतेषु एतन्मुक्तस्य लक्षणं — ظاہرداری کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک آزاد روح کی آزمائش کا یہ ہے کہ وہ تمام ذی حیات کو یکساں نگاہ سے دیکھے

अस्ति अस्ति, सोऽहं सोऽहं, चिदानन्दरूपः शिवोऽहं

शिवोऽहं آہا! آہا! میں "وہ" ہوں۔ میں شیو ہوں، رحمت و علم کا جوہر!

निर्गच्छति जगज्जालात् पिञ्जरादिव केशरी وہ خود کو دنیا کی آلائش سے اسی طرح آزاد کر لیتا ہے جس طرح ایک شیر ایک پنجرے سے۔ नायमात्मा बलहीनेन लभ्यः اپنے آپ کو "یہ خودی ایک کمزور کے بس کی نہیں ہے"...... برف کی چٹان کی طرح دُنیا پر پھٹ پڑو ۔۔۔۔ اور اپنے وزن سے دُنیا کے بیچ میں دراڑ ڈال دو ۔۔۔۔ ہر ہر مہادیو! ......

उद्धरेदात्मनात्मानम् —

ہر شخص کو اپنی ذاتی جرأت سے لے کر اپنی خودی کو اپنے ہی نفس کے ہاتھوں سے بچانا چاہیئے۔"

...... کیا ایسا دن کبھی آئے گا جب یہ زندگی دُوسروں کی بھلائی کی خاطر تمام ہو جائے گی؟" یہ دنیا بچوں کا کھیل نہیں ہے، ۔۔۔ عظیم اور برتر تو وہی لوگ ہوتے ہیں، جو دُوسروں کے لئے زندگی کی شاہراہیں تعمیر کرنے کے لئے اپنے دل کا لہو تک بہا دیتے ہیں، یہ بات ابتدائے آفرینش سے معرضِ عمل میں آ رہی ہے کہ ایک شخص خود اپنے ہی شریر کو پل بنا دیتا ہے اور پھر دُوسرے ہزاروں لوگ اس پُل کے ذریعہ دریا کی لہروں کو عبور کر جاتے ہیں، ......

एवमस्तु, एवमस्तु, शिवोऽहं शिवोहं

۔۔۔ "ایسا ہو! ایسا ہی ہو! میں شیو ہوں، میں شیو ہی ہوں"......

جائے مسرت ہے کہ مدراس میں ایک ارتعاش پیدا ہو رہا ہے، ایک ہل چل اور ایک تحریک سی پیدا ہو رہی ہے کیا آپ اخبار یا اسی قسم کی کوئی دُوسری چیز جاری نہیں کر رہے ہیں، اس کا کیا ہوا؟ ہم کو سب میں مل جل

کر رہنا چاہیئے اور کسی سے الگ تھلگ نہ رہنا چاہیئے، بدی کی تمام طاقتوں کے بالمقابل نیکی کی تمام قوتیں متحد کر کے کھڑی کر دیجئے ـــــ بس یہی کام ہے جو ہم کرنا چاہتے ہیں، کسی بات پر اصرار نہ کیجئے کہ وہ ہمارے گورُدو کو مانے.......

آپ کو ایک رسالہ کی ادارت کرنی ہوگی، جس کا نصف حصّہ بنگالی ہوگا اور نصف حصّہ ہندی کا! اور اگر ممکن ہو سکا تو پھر ایک اور رسالہ انگریزی میں نکالا جائے گا،.......بے مقصد گھومتے پھرتے رہنے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا، جہاں آپ جائیں وہاں آپ کو ایک تبلیغی مرکز (پرچار کیندر) ضرور بالضرور قائم کر دینا چاہیئے، تب ہی لوگوں میں ہم تبدیلی پیدا کر سکیں گے، میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں، جیسے ہی یہ ختم ہوگی میں اپنے واپس پہنچنے کے لئے دوڑ دوں گا،.......

ہمیشہ یاد رکھیئے کہ پرم ہنس شری رام کرشن دنیا کی بھلائی کے لئے آئے تھے ـــــ اپنی ناموری یا شہرت کے لئے نہیں آئے تھے، جس تعلیم کے لئے وہ یہاں آئے تھے بس اسی تعلیم کو پھیلایئے، ان کے نام یا شہرت کی چنتا نہ کیجئے ـــ اُن کا نام خود بخود پھیل جائے گا! اور وہ اپنے آپ شہرت پالیں گے، اپنے گورُدو کو ماننے کے لیے آپ کسی سے براہِ راست کوئی اصرار نہ کیجئے، اگر آپ اصرار کریں گے تو اس طرح ایک فرقہ کو جنم دیں گے اور پھر ہر چیز زمین پر ڈھیر ہو کر رہ جائے گی، ـــــ لہذا ہوشیار اور خبردار رہیئے! ہر شخص سے ملائمت، نرمی اور محبت سے بات کیجئے، غصّہ دکھلانے سے ہر بات خراب ہو جاتی ہے، جو بات بھی کوئی کہتا ہے اُسے کہنے دیجئے آپ تو بس اپنے اُصول پر ڈٹے رہیں، سب کچھ اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گا. کچھ ٹھیک ہے، دنیا آپ کے قدموں پر آپڑے گی، وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں اصُول میں عقیدہ رکھیئے لیکن میں کہتا ہوں کہ پہلے آپ اپنے میں عقیدہ رکھیئے اپنی ذات پر بھروسہ کیجئے ـــــ یہی صحیح اور بہترین طریقہ ہے، اپنی ذات پر بھروسہ کیجئے ـــــ اصل توانائی آپ ہی کے اندر ہے ـــ اس توانائی کو جانیئے اور پھر اُسے بروئے کار لایئے، کہیئے کہ میں ہر کام کرنے کی قدرت رکھتا ہوں، اگر آپ پورے یقین و وثوق کے ساتھ نہ مانیں تو پھر سانپ کا زہر تک بے اثر ثابت ہوگا؛

خبردار! "نہیں" مت کہا کیجئے! منفی خیالات مت رکھیئے ہمیشہ کہیئے "ہاں! ہاں "سوہنگ سوہنگ ـــــ میں ایشور ہوں، میں ایشور ہوں"۔

किन्नाम रोदिषि सखे त्वयि सर्वशक्तिरामन्त्रयस्व भगवन् भगदं स्वरूपम् ।
त्रैलोक्यमेतदखिलं तव पादमूले आत्मैव हि प्रभवते न जडः कदाचित् ॥

"میرے دوست! کون چیز ہے جو تمہیں رُلاتی ہے؟ ساری طاقت اور شکتی تو تمہارے اپنے اندر ہی موجود ہے! اپنی فطرت کو جو تمام طاقتوں کی حامل ہے، آواز دو، اور طاقتور رُوح بیدار ہو اور پھر یہ کُل کائنات تمہارے قدموں پر جھک جائے گی، یہ صرف خودی ہے جو ہر چیز پر غلبہ رکھتی ہے اور کوئی چیز نہیں ہے"

ناقابلِ تسخیر توانائی کے ساتھ کام کیجئے! ڈر کس بات کا؟ آپ سے زیادہ طاقتور کونسی چیز ہے جو آپ کو

اکھاڑ پھینکے!"   कुर्मस्तारकचर्वणं त्रिभुवन-

मुत्पाटयामो बलात्, किं भो न विजानास्यस्मान्, रामकृष्णदासा वयम्

ہم ستاروں کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیں گے، اور کائنات کا جوڑ جوڑ توڑ دیں گے، آپ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں؟ ہم پرم ہنس شری رام کرشن کے نام لیوا اور ان کے قالب ہیں، خوف؟ ڈرنا کس سے؟ سچ سچ ڈرنا کس سے!

وہ لوگ بے وقوف ہیں جو خود کو اپنے جسم سے مختص کرتے ہیں، اور دُہائی دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ہم کمزور ہیں، ہم پست ہیں، یہ سب کچھ دہریت ہے، ناستک پن ہے، اب کہ ہم خوف کی سطح سے بلند ہو چکے ہیں - ہم کسی چیز سے خوفزدہ نہیں ہوں گے اور ہیرو بنیں گے، یہی حقیقتاً دھرم ہے اور ہم نے جو شری رام کرشن کے ماننے والے ہیں اپنے لئے اسی دھرم کو منتخب کر لیا ہے؛

دنیاداریوں کو چھوڑتے ہوئے، بداخلاقیوں کے نشیلے مشروب کا متواتر پینا ترک کرتے ہوئے خود غرضی چھوڑتے ہوئے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، اور اپنے گورو کے مقدس قدموں پر سر جھکاتے ہوئے جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ

क्षीणाः स्म दीनाः सकरुणा जल्पन्ति भूढा जना
नास्तिक्यन्त्विदन्तु अहह देहात्मवादातुराः ।
प्राप्ताः स्म वीरा गतभया अभयं प्रतिष्ठां यदा
आस्तिक्यन्त्विदन्तु चिनुमः रामकृष्णदासा वयम् ॥
पीत्वा पीत्वा परमममृतं वीतसंसारसरागाः
हित्वा हित्वा सकलकलहप्रापिणीं स्वार्थसिद्धिम् ।
ध्यात्वा ध्यात्वा गुरुवरपदं सर्वकल्याणरूपम्
नत्वा नत्वा सकलभुवनं पातुमामन्त्रयामः ॥
प्राप्तं यद्वै त्वनादिनिधनं वेदोदधिं मथित्वा
दत्तं यस्य प्रकरणे हरिहरब्रह्मादिदेवैर्बलम् ।
पूर्णं यत्तु प्राणसारैर्भौमनारायणानां
रामकृष्णस्तनुं धत्ते तत्पूर्णपात्रमिदं भोः ॥

اور پیکرِ اوصاف و محاسن ہے اور اُسے پیہم سجدہ کرتے ہوئے، بار بار پرنام کرتے ہوئے ہم ساری دنیا کو نیکیوں کا امرت پینے میں اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں، نیکیوں کا یہ امرت ویدوں کے اتھاہ سمندر کو متھنے سے نکلا ہے، اور اس امرت میں برہما، وشنو، شِو اور دوسرے تمام دیوتاؤں نے اپنی طاقت اور رحمت بھر دی ہے اور اوتاروں کی زندگی کا جوہر ملا دیا ہے ـــــ وہ دیوتا جو زمین پر جنم لیتے ہیں ـــــ پرم ہنس شری رام کرشن، نیکیوں کے اسی امرت

کا ایک ایسا ساغر تھے جو لیالب بھرا ہوا تھا؛

ہمیں انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں میں کام کرنا چاہیئے۔

त्यागेनैके अमृतत्वमानशुः—

محض ترکِ دُنیا کی بناء پر بعض لوگ کبھی کبھار بد اخلاقیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ترکِ دنیا! ترکِ دنیا! ہر چیز سے ما وراء ہو کر آپ کو اسی ویراگ کی تبلیغ اور پرچار کرنی چاہیئے، جب تک ایک شخص دُنیا سے مُنہ نہ موڑے گا اس وقت تک اس میں کوئی رُوحانی طاقت پیدا نہیں ہوگی ؛

بابورام (پرمانند) اور یوگن (یوگانند) اس قدر بیمار کیوں رہتے ہیں؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ منفی ذہنیت اور انکساری کا جذبہ رکھتے ہیں، ان سے کہیئے کہ وہ اپنی تمام بیماریوں کا علاج اپنے دماغ کی طاقت سے کریں، ایسا کرنے سے ایک گھنٹے کے اندر اندر اُن کی تمام بیماریاں کافور ہو جائیں گی، اتنا چین کہیں ایشور ہوں اور مجھے بیماریاں لگیں! ختم کیجئے ان کی بیماریوں کو! ان سے کہیئے کہ وہ خوب دھیان سے ایک گھنٹہ تک مراقبہ کیا کریں، میں ایشور ہوں اور میں کسی بیماری سے متاثر کیسے ہو سکتا ہوں —— اور پھر ہر بیماری کافور ہو جائے گی، آپ سب کو یہ بات جان لینی چاہیئے کہ آپ کے نفوس میں لامحدود طاقت پنہاں ہے اور یہ طاقت کس طرح ظاہر ہوتی ہے! انکساری! خود کہتری! یہ کاہے کے لئے ہے! میں بیٹا ہوں اس کا جو غیر محیط ہے لامحدود ہے! میری نگاہ میں بیماری کی کیا اہمیت ہوتی ہے، خوف اور احتیاج کی کیا وقعت ہے! منفیانہ رُوح کو کچل ڈالیئے یہ سمجھ کر کہ منفیانہ رُوح طاعون کے مترادف ہوتی ہے، اور پھر ہر راہ میں آپ کو صرف بھلائی ہی بھلائی ملے گی، نفی کچھ نہیں، صرف اثبات ہی اثبات! میں ہوں! خدا ہے، ایشور ہے اور ہر شے میری ذات کے اندر ہی سمائی ہوئی ہے، میں جو چاہوں گا مجھے مل جائے گا، صحت! نیکی اور علم! یہ بدلتی لوگ تو میری تعلیمات کو سمجھ رہے ہیں اختیار کر رہے ہیں اور آپ اپنی تحقیقانہ ذہنیت کی بناء پر بیماریوں میں مبتلا ہیں کون کہتا ہے کہ آپ بیمار ہیں! —— آپ کو بیماری کیا ہے؟ اس پر جھاڑو پھیریئے!

वीर्यमसि वीर्यं, बलमसि बलं, ओजोऽसि ओजो, सहोऽसि सहो मयि धेहि

"تو طاقت ہے مجھے طاقت دے، تو قدرت ہے مجھے قدرت عطا کر، تو رُوح ہے، مجھے رُوح دے، تو صبر و برداشت ہے مجھے صبر و برداشت دے، آپ ہر روز بھگوان سے پرارتھنا اور التجا کریں اس کے آگے دُعا کے لئے ہاتھ پھیلائیں تو آپ میں سے ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ خود دار اور طاقتور ہے، اور اسی طرح کی دیگر باتوں پر دھیان رکھیئے۔ اصل مقصد کیا ہے؟ صدق دل کے ساتھ کہیئے کہ ہر شکتی میرے اندر موجود ہے۔ اور میں اپنی خواہش و مرضی سے اُسے بروئے کار لا سکتا ہوں، خود سے بار بار دوہرایئے کہ ایسا اور ایسا آتم ہوا کرتے ہیں اور وہ غیر محیط و غیر محدود ہوتے ہیں۔ اور انھیں کوئی بیماری کیسے لاحق ہو سکتی ہے، کبھی

کئی دن تک ہر روز گھنٹہ بھر یہی بات دُھراتے رہیئے۔ اور پھر تمام بیماریاں اور پریشانیاں کافور ہو جائیں گی ۔

ہمیشہ آپ کا

دویکانند

(18)

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ستمبر۔ 1894

مدراس کے ہم وطنو! ہم مذہبو! اور دوستو![لہ]

میرے لئے یہ بات نہ صرف اِس لئے بہت زیادہ موجب تشکّر ہے کہ میں نے اپنے دھرم کی جو حقیر خدمات انجام دی ہے۔ آپ اُن کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور یہ میری ذاتی تعریف اور اس کام کی تعریف ہے جو میں ایک اجنبی اِس دُور افتادہ مُلک میں انجام دے رہا ہوں بلکہ آپ کا اعتراف اِس بات کی یقینی علامت ہے کہ ہر چند بدیشی حملہ آوروں کی صفوں کی صفیں ہندوستان کے سرِ نیاز پر سے گزریں۔ اور ہر چند ہماری جانب سے فروگزاشت وکوتاہی اور فاتحین کی جانب سے نفرت وحقارت کا مظاہرہ ہوا اور قدیم آریہ ورت کی پُرعظمت شان میں کمی آئی اور ہر چند اُن بدعنوانیوں کی بدولت جو صدیوں سے مُلک پر چھائی رہیں وہ متعدد خوب صُورت اور شاندار ستون ٹوٹ گئے جن پر آریہ ورت کی شان کا انحصار تھا۔ مگر اس سب کے باوجود مرکز اپنی جگہ رہا اور سنگِ بُنیاد ہِل نہ سکا، روحانی بنیاد میں جس پر ایشور کی عظمتوں کا شاندار قصر تعمیر ہوا ہے اور جس قصر سے تمام ذی حیات رحم وکرم پا رہے ہیں۔ شاذونادر ہی کبھی ارتعاش پیدا ہوا ہے وہ جیسی پائیدار تھی ویسی ہی پائیدار رہی۔ آپ کی جانب سے اِسکی پُرجوش ستائش، جس کے پیغام کو میں اس کے نام لینے والوں میں سے اَدنیٰ ترین ہوتے ہوئے ہندوستان اور ساری دُنیا میں پہنچانے کا شرف پا رہا ہوں اور آپ کی اِس رُوحانی جس نے جو ابھی پردہ خفا میں ہے

لہ جب ہندوستان میں یہ خبر عام ہوئی کہ امریکہ میں سوامی دویکانند نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے تو یہاں متعدد جلسے ہوئے جس میں شکریہ اور مبارکباد کی قرار دادیں منظور کر کے سوامی دویکانند کو بھیجی گئیں۔ پہلا جواب جو انہوں نے اِس قرار داد کے سلسلہ میں تحریر کیا وہ مدراس کے ہندوؤں کے نام اسں خطبہ کی صورت میں تھا!

اس میں اور اس کی تعلیم میں جو کچھ دیکھا ہے وہ رُوحانیت کی اس طُوفانی لہر کی پہلی آہٹ ہے جو مستقبل قریب میں ہندوستان پر اپنی تمام ناقابلِ تسخیر طاقتوں کے ساتھ پھٹ پڑے گی اور اپنے سیلابی ریلے میں سب کو بہالے جائے گی جو کمزور ہے، ناقص ہے اور ہندو نسل کو اِس مقام تک اونچا اُٹھا کر پہونچائے گی۔ جو ایشور کی مشیّت نے اُس کے لیے متعین کر دیا ہے۔ ماضی میں اُس کے سر پر جو تاج تھا اُس کے حُسن و آرائش میں اور اضافہ ہوگا۔ اور یہ اضافہ ثمر ہوگا اِس بات کا کہ صدیوں سے خاموشی اور تحمل کے ساتھ مصیبتوں کو برداشت کیا جا رہا ہے۔ اور یہ سیلابی لہر عالمی نسلوں کے درمیان ہندو نسل کو یہ توفیق دے گی کہ وہ اپنا حصّہ ادا کرے۔ یعنی رُوحانیت کی بُنیاد پر اِنسانیت کی ترقی۔

شمالی ہند کے عوام خاص طور پر آپ دکھنیوں دکن والوں کے شُکرگزار ہیں اِس لیے کہ یہ بہت بڑا ذریعہ ہے ان محرکات کو معلوم کرنے کا جو پُورے ہندوستان میں بروئے کار ہیں۔ عظیم بھاشیہ کار (مُبصّرین) عہد ساز آچاریہ (مُعلّم) شنکر رامانُج اور مہادیو، جنوبی ہند میں پیدا ہوئے تھے، وہ عظیم شنکر جن کا ساری دُنیا میں ہر ادویتت وادی خود کو وفادار خادم قرار دیتا ہے۔ وہ عظیم رامانُج جن کے کریمانہ برتاؤ نے پس ماندہ لوگوں کو الوروں میں بدل دیا، وہ عظیم مہادیو جن کی قیادت ورہنمائی شمال کا وہ پیغمبر بھی تسلیم کرتا ہے جس کے اقتدار کو پُورے طول وعرض میں مانا جاتا ہے ــ یعنی سری کرشن چیتنیہ! آج کے دَور میں بھی یہ جُنوبی ہند ہی ہے جو وارانسی کے وقار اور عظمت وشان کا پرچم اُٹھائے ہوئے ہے، ــ یہ آپ ہی کی ایشور بھگتی ہے جو ہمالیہ کی بلند ترین چوٹیوں پر بنے ہوئے مندروں کی بھی حفاظت و نگہداشت کر رہی ہے، اور بےشبہ جس بات پر حیرت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی رگوں میں ان مہا رِشیوں کا خُون ہوتے ہوئے اور آپ کی زندگی پر ایسے آچاریوں کا سایہ ہونے کے باوجود آپ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے بھگوان سری رام کرشن کی تعریف وستائش اور مدح وثنا میں پہل کی ہے۔ اور اُن کے پیغام پر لبیک کہا ہے۔

آپ ویدک تعلیم کے ماننے والے ہیں۔ اِس لیے جب میں یہ کہتا ہوں کہ شدید جہالت و بے خبری کے باوجود یہ شُرتی ہے جو اب بھی ہندو دھرم کی تمام مختلف نیموں کی جُڑ بنی ہوئی ہے۔ تو آپ مجھ سے متفق ہوں گے۔

علم الانسان اور علم اللسان یعنی انسان کے علم وادب کے ماہرین کے نزدیک ویدوں میں سمہیتا اور برہم کے تعلق جو کچھ درج ہے، اس کے معنی خواہ کچھ ہوں، لیکن حق یہ ہے کہ طرح طرح کی دیدیوں اور قربانیوں अभिमीले شन्नो देवीरभीष्टये یا इषेत्वोर्जेत्वा کے ہزارہا اختلافات اور ان کے الگ الگ فائدوں کے باوجود یہ کہنا پڑے گا کہ سب کچھ بھوگ اور عیش پرستی کا ہی راستہ تھا۔ اور کوئی بھی یہ بات تسلیم نہیں کرتا تھا کہ اس سے موکش یا کبھی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گیان کانڈ، شُرتیاں، جو اعلیٰ ترین رُوحانیت اور موکش مارگ کی تعلیم دیتی

ہیں ہمیشہ ہمیشہ مسلط رہی ہیں۔ اور آیندہ بھی وہی ہندوستان پہ حاوی رہیں گی۔

جُوب ہمیں پہلے کہہ چکا ہُوں کہ ویدوں کے علوم کا ایک سرچشمہ بنا دیا ہے اور شُرتی، ہندو دھرم کے جتنے بھی فرقے ہیں ان کے لئے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، یہ بات آپ کو اچھی طرح ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ ویدوں میں سمہتا اور برہمن سے متعلق اجزا کے بارے میں علم الانسان اور علم اللسان کے ماہرین کی کاوش فکر کا کتنا ہی پسندیدہ نتیجہ کیوں نہ نکلے لیکن یہ سب کچھ بھوگ کا ہی راستہ تھا اور کسی نے بھی یہ اصرار نہیں کیا کہ اس سے موکش مارگ مل سکتا ہے۔

تعصّبات و مفروضات کی بنا پر دھرم کی مختلف تقسیموں اور مختلف راہوں کے پیچ وخم میں گم ہو کر ہم اس واحد دھرم کے حقیقی معنی و مفہوم کو سمجھنے کی قابلیت کھو بیٹھتے ہیں جس کا عالمی اعتقاد अणोरणीयान् महतो महीयान् کا پرتو ہے۔ -

- - - - - - - - - - - - - - - - - جو محض مادّہ پرست ہیں ثانوی درجہ کی رُوحانیت کا معیار مُستعار لے کر جدید ہندو حواس ظلمت میں روشنی ڈھونڈھتا ہے، اپنے آبا و اجداد کے دھرم کو سمجھنے کی سعیٔ رائیگاں کرتا ہے اور پھر مایوس ہو کر تجسس سے ہاتھ اُٹھا لیتا ہے اور دہریہ یا اسی قسم کی کوئی چیز بن جاتا ہے اور اپنے مخفی مذہبی جذبہ کے تلون کی بنا پر اس کا ذہن نشو و نما کے قابل نہیں رہتا اور بے پروائی سے مغربی مادیت پرستی کے ساغر پر ساغر مشرقیت کی خوشبو ملا کر چڑھانے لگتا ہے اور شُرتی کی اس پیشین گوئی کو پورا کرتا ہے،

परियन्ति मूढा अन्धेनैव नीयमाना यथान्धाः ।

بے وقوف اس طرح ایک دُوسرے کے آگے پیچھے بڑھتے ہیں جس طرح اندھے اندھوں کو راستہ دکھائیں" وہ صرف اس سے فرار کی راہ ڈھونڈھتے ہیں جس کی روحانیت میں ست گورو کا حیات بخش تعلق جذب و کشش پیدا کر دیتا ہے۔

بھگوان بھاسکر نے صحیح کہا ہے،۔

दुर्लभं त्रयमेवैतत् देवानुग्रहहेतुकम् ।
मनुष्यत्वं मुमुक्षुत्वं महापुरुषसंश्रयः ॥

یہ تین چیزیں دُنیا میں حاصل کرنا مشکل نہیں اور صرف دیوتاؤں کی مرضی پر منحصر نہیں —— آدمی کی پیدائش نجات کی خواہش، اور عظیم تر انسانوں کی صحبت ۔ (شنکر آچاریہ دویک چورامنی)

وشیشکاؤں کا خواہ تجزیہ ہو جس کے نتیجہ میں پرم انس، دویانس ترا سرانس[1] کے حیرتناک نظریات اور

---

[1] ایٹم، ذرہ جو دو ایٹموں سے عبارت ہو، ذرہ جو تین ایٹموں سے عبارت ہو،

Atoms, Entities composed of two atoms, Entities composed of three atoms.

دریافتیں ہاتھ آئیں یا جاتی، درویۂ گن ساما دیہ[1] کی مختلف درجہ بندیوں کے بحث و مباحثہ میں اس سے بھی زیادہ حیرتناک اور تعجب انگیز تجزیات ہاتھ لگیں جو نظریات ارتقار کے موجدین سانکھاؤں کے خیال کی منزل تک پہنچا دیں لیکن ان تمام تحقیقوں کا نتیجہ ویاس کا سوتر ہے اور یہی انسانی ذہن کے تجزیات کا واحد پس منظر ہے جس کی اساس شرتیاں ہیں، بودھوں یا جینیوں کی فلسفیانہ تصانیف تک میں شرتیوں سے مدد لی گئی اور کبھی انکار نہیں کیا گیا، نیز بودھوں بعض فرقوں میں اور جینیوں کی اکثر تصانیف میں شرتیوں کی قدر قیمت کا پوری طرح اقرار کیا گیا ہے اور انہوں نے اہنسا کا منبع شرتیوں کی تعلیم کو ہی تسلیم کیا ہے کہ براہمن بین الاقوامیت کے مبلغ، داعی اور حامی ہیں حالی قریب میں سوامی دیانند سرسوتی اِنہی خیالات کے حامل تھے،

اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ خیالات و نظریات کا وہ کیا طریقہ ہو سکتا ہے جو تمام قدیم و جدید ہندوستانی خیالات کو ایک مرکز پر لاکر جمع کرائے اور اگر کوئی شخص ہندو دھرم کی اپنی تمام مختلف شکلوں کے درمیان میں اس کی حقیقی اساس کو دیکھنا چاہتا ہے تو بلا تامل اس کی توجہ ویاس کے سوتروں کی طرف منعطف کی جاسکتی ہے جو انہی تمام باتوں سے عبارت ہیں،

ایک شخص چاہے ہمالیہ کے پرسکون جنگلوں اور بنوں کے درمیان جن میں دل میں دھڑکنیں تھم جاتی ہیں، جنتی دریا کی ڈمر باروانی کی آواز کے ساتھ ادویتیہ کیشری کی گونجتی ہوئی دہاڑ سُنے، استی بھاتی اور پریہ یا "دیمۃ کے لکڑی کی کٹیا میں ناختہ کی آواز کی طرح گونجتا ہوا" ادویت کا نغمہ سنے یا ایک شخص بنارس کی خانقاہوں کے خلوت کدوں کے مراقبا میں خود کو گم کر دے یا نادیا کے پیغمبر کے مجنونانہ رقص میں کھو جائے خواہ ایک شخص وشسٹ ادویتیہ کے نظام کے دداکال اور تن کالی اور دوسری ہر قسم کی تقسیم کے باوجود اس نظام کے معلم و مبلغ کے چرنوں میں بیٹھ جائے یا مہادیو کی تعلیمات کو صبر و سکون سے سنتا رہے خواہ ایک شخص وسیع النظر سکھوں کی عسکرانہ جوش بھری آواز میں واہگورو جی کی فتح کا نعرہ سنے یا اُداسیوں اور نرملوں کے گرنتھ صاحب کا پاٹھ کرے، خواہ ایک شخص "سنت صاحب" کہہ کر کبیرجی کے سادھو پیروکاروں کی خدمت میں سلام بجالائے اور مسرت کے ساتھ ساکھیاں اور بھجن سُنے خواہ وہ راجپوتانہ کے علاقہ کے نامور درویش سنت دادوجی کا دلدادہ ہو یا ان کے شاہی چیلے، سندر داس کی تصانیف سے لے کر تلسی داس تک کا پرستار ہو جو "وچار ساگر" کے مشہور مصنف ہیں اور جس کتاب سے زیادہ ہندوستان پر اثر کرنے والی کوئی کتاب تین صدیوں میں نہیں لکھی گئی اور اگر کوئی شخص شمالی ہند کے بھنگی اور مہتر سے کہے ذرا بیٹھو اور اپنے بالا لال گورو کی تعلیمات کا خلاصہ بتاؤ تو اُسے پتہ چلے گا کہ تمام مختلف معلم اور مختلف سمپرداؤں اور مت متانتروں کی بنیادی

---

[1] ایشور کے تین گن ست چت آنند   [2] شری رامانج کے دو دھڑے۔

طور پر تعلیم ایک جیسی ہے اور سب ایک ہی سرچشمہ رُوحانیت شُرتی کی تعلیم سے ہے اور گیتا جس نظام کی الہامی شرح یا مستند ترین کتاب ہے، اور یہ کہ "شریرک سُوتر" اور اس کا باقاعدہ نظام ہے، جس کی مختلف تشریحات ہو گئی ہیں پرم ہنس پریوراجک آچاریوں سے لے کر لال گورو کے چیلے غریب اور پسماندہ مہتروں تک!

یہ تین پرستھائیں اپنی مختلف تفسیروں اور تعبیروں میں جیسے دویت مت وشِسٹ ادویت یا ادویت معمولی سی جدید تشریحات کے ساتھ ہندو دھرم کی اساس بناتی ہیں، پُران، جو پراچین زمانے (ویدوں کا سمہیتا کا حصّہ) کے عصرِ جدید کی ترجمانی کرتے ہیں دیو مالا کا ذریعہ نہیں اور تنتر جو براہمنوں (رسوم و رواج سے متعلق ویدوں کا حصّہ) کے عصر جدید کا نمائندہ ہے رسوم و رواج کی بنا ہے، لہٰذا تینوں پرستھائیں بطور اساس تمام فرقوں میں یکساں ہیں لیکن پرانوں اور تانتراؤں کے اعتبار سے ہر فرقے کے اپنے پُران اور تنتر ہیں،

تنتر، جیسا کہ ہم کہا ہے، ویدک رسوم و رواج کی اصلاح شدہ شکل پیش کرتے ہیں اور قبل اس کے کہ کوئی اس کے بارے میں بہت ہی احمقانہ نتیجہ اخذ کرے میں اسے مشورہ دوں گا کہ وہ براہمنوں کے ساتھ خصوصیت سے ادھوار یو کے جز سے ملا کر تنتروں کا مطالعہ کرے، تب یہ پتہ چلے گا کہ بہت سے منتر جو تانتراؤں میں استعمال کئے گئے حرف بحرف براہمنوں سے لئے گئے ہیں، شروتہ اور سمرتہ رسوم و رواج سے الگ یہ مرکز ہے کہ تمام سمرتیاں اپنی ہر شکل میں جو ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک رائج ہیں تانتراؤں سے ماخوذ ہیں اور یہ رسُوم و رواج ترغیب دیتے ہیں، شکتی، شیو وشنو یا اسی طرح کے دُوسرے دیوتاؤں کی پرستش یا عبادت کے لئے!

بے شک میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تمام ہندو اپنے دھرم کی ان باتوں سے پوری واقفیت رکھتے ہیں، بہتوں نے بالخصوص جنوبی بنگال کے لوگوں نے تو ان فرقوں اور عظیم نظاموں کے نام تک نہیں سُنے ہیں لیکن شعوری یا غیر شعوری طور پر ان تین پرستھاؤں میں جو لائحہ عمل جو دستور حیات مقرر کیا گیا ہے اس کے مُطابق چلتے چلے جا رہے ہیں،

دوسری جانب جہاں کہیں بھی ہندی بولی جاتی ہے ویدک دھرم کی زیادہ واقفیت ہے، ہندی بولنے والے علاقوں کے پسماندہ طبقوں تک کو ویدک دھرم کی جتنی واقفیت ہے جنوبی بنگال کے اعلیٰ طبقوں کو بھی اتنی واقفیت نہیں ہے۔

ایسا کیوں ہے؟

متھلا کی سرزمین سے نو دیپ آنے والا وہ عقلی فلسفہ جیسے شرومنی گدادھر جگدیش اور اسی طرح متعدد دوسرے ذہین و عظیم لوگوں نے اپنی ذہانت سے ترقی دی اپنے بعض پہلوؤں کے اعتبار سے دنیا بھر کے دُوسرے نظاموں

لے سنیاسیوں کا سب سے بلند درجہ   ؁2 اُپنشد (شُرتی) گیتا اور شاریرک سُوتر

سے برتر تھا اور اُسے اتنے حیرتناک پیرایہ اور دل کش زبان میں پیش کیا گیا کہ وہ بنگال کا نیا نیائے اور سمپر دائے بن گیا جسے ہندوستان کے طول وعرض میں عزت واحترام کے ساتھ پڑھا جانے لگا، لیکن افسوس کہ ویدوں کا مطالعہ بُری طرح نظرانداز کر دیا گیا اور لوگوں کو ویدوں کی طرف پہلے ایسی دلچسپی نہ رہی، بنگال میں شاذونادر ہی کوئی پتنجلی کی "مہا بھاشیہ" پڑھانے والا ملتا تھا، بس ایک عزم صمیم رکھنے والی فہیم وذہین شخصیت، اوا چھناؤں اور اوا چھپدگاؤں سے ماورا ہو کر رہی اور وہ شخصیت تھی ـــــ بھگوان شری کرشن چیتنیہ، ایک بار ہی سہی لیکن مذہبی تعصبات کی چار دیواری ہل کر رہ گئی اور وہ ہندوستان کے دوسرے حصوں کی مذہبی زندگی سے کچھ وقت کے لئے رُوشناس ہوئے۔

یہ بات خاص طور پر دھیان دینے کی ہے کہ شری چیتنیہ مہاپربھو نے اگرچہ اپنا سنیاس ایک بنگالی سے لیا تھا اور اس طرح وہ خود بھی بھارتی ہی تھے لیکن یہ مادھو اندرپُری تھے جن کے ذریعہ ان میں پہلی بار روحانی فراست و شعور نے انگڑائی لی!

ایسا لگتا ہے کہ پُری بنگال کی رُوحانیت کو بیدار کرنے کا خصوصی مشن رکھتے ہیں، بھگوان شری رام کرشن پرم ہنس نے اپنا سنیاس آشرم بھی طوطا پُری سے لیا تھا،

شری چیتنیہ نے ویاس سوتر پر جو تبصرہ لکھا تھا وہ یا تو گم ہو گیا ہے یا اب تک دستیاب نہیں ہوا ہے، ان کے چیلوں نے خود کو جنوب کے سادھوؤں کے ساتھ شامل کر دیا۔ اور بتدریج رُوپ سناتن اور جیو گوسوامی جیسے دیوہیکلوں کا بوجھ باباجیوں کے کاندھوں پر پڑنے لگا، شری چیتنیہ کی عظیم تحریک تیزی سے زوال پذیر ہونے لگی، ابھی پچھلے برسوں تک اگرچہ احیا و تجدید کے آثار دکھائی دے رہے تھے، لیکن آثار کہتے ہیں کہ یہ تحریک اپنی گمشدہ شان و شوکت و طاقت و توانائی واپس حاصل کرے گی،

شری چیتنیہ کا اثر پُورے ہندوستان میں ہر جگہ ہے، جہاں کہیں بھی بھکتی کی راہ معلوم ہے وہاں ان کی تعریف کی جاتی ہے ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور ان کی پوُجا کی جاتی ہے، میرے لئے یہ یقین کرنے کی وجہ ہے کہ وَلبھ آچاریہ کا سارا اُپدیش اس اصل کی فرع ہے، جو شری چیتنیہ نے دیا ہے، لیکن بنگال میں ان کے بہت سے نام نہاد چیلے نہیں جانتے کہ ان کا اثر پورے ہندوستان میں کس طرح بروئے کار ہے، اور وہ جان بھی کیسے سکتے ہیں؟ چیلے اب گدّی نشین بن گئے ہیں، جبکہ وہ ہندوستان بھر میں گھر گھر ننگے پاؤں چل کر پرچار کرنے کے لئے جایا کرتے تھے، اور پنڈالوں تک کو ایشور بھکتی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

لہ نیا یا ہیں ـــ عزم صمیم اور عزم مصمم کے متعلقات ۔

گورُو کی مورُوثیت کا رواج جو بنگال میں ہے اور محض بنگال ہی کے وسیع علاقہ میں جاری ہے ایک دُوسرا سبب ہے، باقی ہندوستان کی مذہبی زندگی سے الگ تھلگ رکھنے کا ،

اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ سنیاسیوں کی عظیم برادری وسیع پیمانہ پر کبھی بنگال نہیں آئی جو ہندوستان کی اعلیٰ رُوحانی زندگی کے ترجمان اور نمائندہ ہیں، اور آج کے دور میں بھی یہ فرض وہی انجام دے رہے ہیں ۔

بنگال کے اعلیٰ طبقوں نے تیاگ اور تقویٰ کبھی پسند ہی نہیں کیا، ان کا رجحان ہمیشہ بھوگ کی طرف مائل رہا ہے۔ لہٰذا وہ کس طرح رُوحانی باتوں پر گہری نظر ڈال سکتے تھے ۔ ؟

त्यागेनैके अमृतत्वमानशुः— " صرف تیاگ ہی کے ذریعہ لا فانیت کی منزل حاصل ہو سکتی ہے" اس کا اور دُوسرا طریقہ کیا ہو سکتا ہے ؟

دُوسری جانب ہندی بولنے والی پوری دنیا میں روشن دماغ و اثر آفریں تیاگی معلموں اور گوروؤں نے سلسلہ بہ سلسلہ ویدانت کے عقائد و نظریات کو گھر گھر پہنچایا، خصوصیت سے پنجاب کے رنجیت سنگھ کے عہد میں جو تیاگ کا جوش و ولولہ پیدا ہوا اس نے ادنیٰ سے ادنیٰ تر کے لئے بھی فلسفہ ویدانت کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے اکتساب کا ایک موقع مہیا کر دیا، صداقت آمیز فخر کے ساتھ پنجاب کی سادہ لوح کسان لڑکیاں یہ بات کہتی ہیں کہ ان کے چرخہ سے "سوہنگ سوہنگ" کی آواز نکلتی ہے، اور میں نے سنیاسیوں کے لباس میں ویدانت پڑھتے ہوئے رِشی کیش کے جنگلوں میں بہتر تیاگی بھی دیکھے ہیں، اعلیٰ طبقہ کے بہت سے لوگ بھی ان کے چرنوں میں بیٹھ کر تعلیم لیتے ہوئے مسرت محسوس کرتے ہیں، اور کیوں نہ ہو

अन्त्यादपि परं धर्मं—

" آدمی ورن سے کمترین سہی لیکن اس سے بھی اعلیٰ علوم کا درس لیا جا سکتا ہے ۔"

اس طرح شمال مغربی ہند اور پنجاب کو جو مذہبی تعلیم حاصل ہے وہ بنگال، بمبئی یا مدراس سے کہیں زیادہ ہے، چنانچہ مختلف سلسلوں کے تیاگی استاد اور گورو جو ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں وہ وشنوئی ہوں چاہے بیراگی یا کبیر پنتھی ہوں ہر شخص کے دروازہ تک دھرم کی تعلیم کو پہنچاتے ہیں اور اس کام کی قیمت ہے، روٹی کا ایک ٹکڑا! اور یہ سب کتنے شریف اور دنیا سے بے غرض ہوتے ہیں، ایک سنیاسی ہیں، جو کچھ پنتھی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی آزاد خیال سنیاسیوں کا طبقہ، انہوں نے پُورے راجپوتانہ میں تن تنہا سیکڑوں سکول کھول رکھے ہیں اور دھرم شالائیں بنوا رکھی ہیں، انہوں نے جنگلوں میں ہسپتال کھولے ہیں، ہمالیہ کی چوٹیوں پر لوہے کے پُل بنوائے ہیں اور یہ شخص پیسہ کو اپنا ہاتھ تک نہیں لگاتے اور اپنے پاس کمبل کے سوا کوئی چیز نہیں رکھتے تھے اور اسی کمبل کی وجہ سے انہیں کمبلی والے سوامی کے نام سے شہرت ملی ہے، وہ گھر گھر سے مانگ کر روٹی کھاتے ہیں، میں نے کبھی

نہیں دیکھا کہ اُنہوں نے کسی ایک ہی گھر میں بیٹھ کر اپنا پُورا کھانا کھایا ہو، انہیں یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کا کھانا گھر والوں پر ٹیکس کی طرح بوجھ نہ بن جائے، ایسے ہی بہت سے سنیاسی ہیں اور یہ ان میں سے ایک ہیں، ذرا آپ ہی سوچئے کہ جب تک ہندوستان کی سرزمین پر یہ دیوتا زندہ ہیں اور براجمان ہیں اور اپنے لافانی خدائی اوصاف کے ساتھ لافانی دھرم کی حفاظت کر رہے ہیں، اس وقت تک کیا ہمارا پراچین دھرم فنا ہو سکتا ہے؟ دنیا میں کس میں اتنی ہمت ہے کہ اُسے زوال دکھاسکے؛

اس مُلک[1] میں بالعموم پادریوں کو بڑی اُونچی اُونچی تنخواہیں ملتی ہیں، تیس ہزار، چالیس ہزار، پچاس ہزار، یہاں تک کہ نوّے ہزار روپیہ سالانہ تک اور وہ اتوار کے دن محض دو گھنٹے کے لئے اُپدیش دیتے ہیں اور وہ بھی سال میں صرف چھ ماہ! ذرا دیکھئے کہ یہ لوگ اپنے دھرم کی خاطر لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں، لیکن بنگال کے نوجوان طبقہ کو یہ پڑھایا سکھایا جاتا ہے کہ کمبلی سوامی جیسے بے لوث و بے غرض اور دیوتا سمان آدمی تک کاہل الوجود خانہ بدوش ہیں؛ भद्भक्तानाञ्च ये भक्तास्तेमे भक्ततमा मताः— " جو لوگ میرے پرستاروں کے لئے اپنا جیون تج دیں بس انہیں کو میرا بہترین چیلہ مانو"

اب ایک انتہائی بے خبر بیراگی کا معاملہ لیجئے! یہ شخص بھی جب جنوبی ہند کے کسی گاؤں میں جاتا ہے تو وہ بھی اس بات کی بے انتہا کوشش کرتا ہے کہ تُلسی داس یا چیتنیہ چرت امرت، یا الوروں کے بارے میں جتنا کچھ بھی وہ جانتا ہے وہ سب کچھ دیہاتیوں کو بتا دے، کیا یہ کوئی اچھا اور نیکی کا کام کرتا ہے؟ جبکہ یہ سارا کام روٹی کے صرف ایک ٹکڑے اور کپڑے کی ایک دھجّی کے لئے ہو؟ قبل اس کے کہ ان پر بیرحمانہ تنقید کی جائے، میرے بھائی ذرا آپ بھی اپنی جگہ سوچئے کہ آپ اپنے غریب وطن والوں کے لئے کیا کرتے ہیں جن کے پیسہ کے ذریعہ آپ کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے، جن سے موُنہہ موڑ کر آپ اپنی پوزیشن بناتے ہیں اور اپنے اساتذہ کو یہ پڑھانے کے لئے پیسہ دیتے ہیں کہ باباجی، کاہل الوجود، خانہ بدوش اور بیکار محض ہوتے ہیں؛

آپ کے چند ابنائے وطن نے بنگال میں نکتہ چینی کا نیا سلسلہ شروع کیا ہے جس کو ان لوگوں نے "ہندو دھرم کے مطالعہ" کا گمراہ کُن کام دے رکھا ہے، بہر حال یوں ہی سہی، اس لئے کہ ہندو دھرم، جسے اب تک یہ لوگ مقامی رسوم و رواج کا مجموعہ قرار دیا کرتے تھے اب بنگال میں اُبھرنے لگا ہے ان کے خیال میں کھانے پینے کا مختلف طریقوں اور شادی کے رسوم و رواج کے مجموعہ کا نام دھرم تھا، اور بس!

---

[1] ریاستہائے متحدہ امریکہ۔

اس مختصر مقالہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس بڑے اور وسیع موضوع پر بحث کی جائے کہ ہندو دھرم کا وہ زاویۂ نظر کیا ہے جس کی تبلیغ، پرم ہنس شری رام کرشن کے چیلے سارے ملک میں کر رہے ہیں ست شاستروں کے مطابق ہے کہ نہیں ہے لیکن میں ان لوگوں کو چند اشارے ضرور دینا چاہوں گا جو ہمارے نکتہ چین ہیں، ہم پر اعتراض کرتے ہیں، تاکہ وہ ہماری حقیقی پوزیشن کو بہتر طریقہ پر سمجھ سکیں؛

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں یہ بات ہرگز نہ مانوں گا کہ ہندو دھرم کا صحیح تصور صرف کالیداس یا کرتیوش کی تصانیف ہی سے اخذ کیا جا سکتا ہے حالانکہ ان کے الفاظ امرت سمان ہیں اور جو انہیں سنتے ہیں وہ پنیہ کرتے ہیں، لیکن ہمیں ویدوں اور دارشنک پیشواؤں عظیم آچاریوں اور ان کے چیلوں کی طرف اپنی توجہ منعطف کرنی چاہیے جو پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں؛

میرے بھائیو! اگر آپ گوتم کے سوتروں سے ابتدا کریں اور اگر وتسیائن کی تفسیروں کی روشنی میں اتپاس کے متعلق ان کے نظریات کا مطالعہ فرمائیں اور نیز دوسرے مفسرین کے ساتھ میمانساؤں تک کا مطالعہ کر ڈالیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ

अलौकिकप्रत्यक्षम्

کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور اتپاس کون ہوتے ہیں اور یہ کہ آیا ہر شخص ایک اپنا ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا، مزید برآں آپ کو ایسے اپتاؤں کے الفاظ اور تعلیمات میں آپ کو ویدوں کے لافانی وجود کا سراغ مل جائے گا اگر آپ کو یجروید پر مہی دھر کی لکھی ہوئی شرح کو پڑھنے کا وقت ملے تو آپ کو اس بارہ میں اور زیادہ واضح روشنی مل جائے گی کہ وید چونکہ انسان کی باطنی زندگی کے قوانین کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ حیثیت رکھنے کی بنا پر لافانی ہیں؛

خلقت لافانی ہے، شرح لافانی ہے یہ عقیدہ نہ صرف ہندو دھرم کی اساس ہے بلکہ بودھوں اور جینیوں کے یہاں بھی سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے،

اب ہندوستان کے تمام فرقوں کی موٹے طور پر اس طرح درجہ بندی کی جا سکتی، گیان مارگ یا بھگتی مارگ! اگر آپ شنکر آچاریہ کے بشادیمک بھاشیہ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ گیان کے نربیکھشتا پر پوری طرح بحث کی گئی اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ برہم کا درجہ پانا اور موکش کا حصول کسی رسوم ورواج رنگ ونسل یا عقائد پر منحصر نہیں ہے یہ کسی بھی شخص کو جو چار قسم کی عبادت، سادھنا کرتا ہے، حاصل ہو سکتا ہے اور یہی سادھنائیں مکمل ترین اخلاقی کلچر کہلاتی ہیں؛

بھگتوں کے سلسلہ میں، بنگالی نکتہ چین بھی یہ بات خوب جانتے ہیں کہ ان کے پیشواؤں میں سے اکثر یہ قرار دیتے ہیں کہ موکش کے لئے، ذات، قوم، جنس یا آدمی کا درن تک ضروری نہیں ہے جو چیز ضروری ہے

وہ ہے بھگتی !

گیان اور بھگتی دونوں کی ہر جگہ تبلیغ و تدریس ہونی چاہیئے اور اس اعتبار سے کوئی مقتدر نہیں ہے جو موکش کے حصول کے لئے نسل، ذات، لنگ، قوم کی شرطیں عائد کرے دیاس کے سوتر پر شنکر، رامانج، اور مادھو آچاریہ کی تفسیریں دیکھئے अन्तरा चापि तु तद्दृष्टेः[1]

کا مطالعہ کیجئے جو اسی سچائی کی عکاسی کرتی ہیں۔

تمام منتروں کو دیکھ جائیے، یہاں تک کہ سمہتاؤں میں بھی آپ کو کہیں بھی موکش کے بارے میں محدود تصورات نہیں ملیں گے، مثلاً تحمل کو لے لیجئے، میری یادداشت اگر غلطی نہیں کرتی تو ہر جگہ یہاں تک کہ اتھروید کی سمہتیا تک میں چالیسویں باب کے تیسرے یا چوتھے منتر کی عبارت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے

न बुद्धि- भेदं जनयेदज्ञानां कर्मसंगिनाम्

یہی مفہوم ہر جگہ ملتا ہے کیا ہندوستان میں کوئی شخص ہوا ہے جسے اپنی مرضی کا اشٹ دیو منتخب کرنے، یا دھریہ اور لامذہب ہو جانے کی بنا پر کچلا گیا ہو، جب تک ایک شخص سماجی قواعد کی پابندی کرتا رہا ہے کیا اسے ان وجوہ کی بنا پر کچلا گیا ہے ؟ سوسائٹی ہر شخص کو جو اس کا کوئی قاعدہ توڑتا ہے سزا دے سکتی ہے لیکن کسی بھی آدمی پر یہاں تک کہ کمترین پر بھی کبھی موکش کے دروازے بند نہیں کئے گئے، یہ دو چیزیں آپ کو خلط ملط نہ کرنی چاہئیں مثال کے طور پر مالابار کے چنڈال کو اس گلی میں جس سے ایک اعلیٰ جاتی کا شخص گزرتا ہے راستہ چلنے کی اجازت نہیں دی جاتی لیکن یہی چنڈال جس گھڑی مسلمان یا عیسائی ہو جاتا ہے تو اسی گھڑی اسے ہر جگہ آنے جانے کی آزادی مل جاتی ہے، اور یہ دستور ایک ہندو حکمران کی سلطنت میں صدیوں سے رائج ہے، یہ حیرت ناک ہو سکتا ہے لیکن یہ دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری کو بھی ظاہر کرتا ہے اور کبھی کبھی تو انتہائی ناگوار حالات میں بھی یہ رواداری ظاہر ہوتی ہے ؛

ایک نظریہ جو ہندو مذاہب کو دنیا کے ہر دوسرے مذہب سے جدا کرتا ہے، ایک خیال جسے ظاہر کرنے کیلئے

---

[1] لیکن (درمیان میں کھڑے ہوئے لوگ) بھی (علم کے مستحق ہیں) برہدارینک اپنشد اور چھاندوگیہ اپنشدیں بار بار فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کسی خاص آشرم میں چاہے شامل نہ ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ "برہم ودیا" کو جاننے والا ہو۔

[2] گیتا میں بھگوان شری کرشن نے یہی اپدیش دیا ہے کہ کسی عالم اور فاضل کو کسی انجان کے ایمان اور عقیدہ کو متزلزل نہیں کرنا چاہیئے۔

سنسکرت زبان کے الفاظ کا سارا ذخیرہ ختم ہوگیا ہے کہ آدمی کو اس زندگی میں ایشور کو جاننا اور پہچاننا چاہیئے اور اس میں ادویت کا نصاب بہت ہی منطقی طریقہ پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ ایشور کو جاننا ایشور بن جانا ہے۔

اور اس کے ایک لازمی نتیجہ کے طور پر یہ وسیع النظر شاندار اور حوصلہ دینے والا نظریہ معرض وجود میں آیا کہ جو برہم کی معرفت رکھتا ہے وہ برہم ہو جاتا ہے، یہ نظریہ نہ محض اس بنا پر معرض وجود میں آیا کہ ویدوں کے رشیوں نے اس پر زور دیا تھا نہ محض اس بنا پر معرض وجود میں آیا کہ ودر اور دھرم بدھ نے اس پر اصرار کیا تھا بلکہ یہ نظریہ اس بنا پر معرض وجود میں آیا کہ دادو منتقی سلسلہ کے ایک تیاگی، سُنچل داس نے جرأت سے کام لیکر اپنی تصنیف وچار ساگر میں یہ اعلان کیا ہے جو شخص برہم کو جانتا ہے وہ برہم ہوتا ہے اس کے الفاظ دھیمن اور رہ بے خبری کی ظلمت سے باہر نکال دیتے ہیں، چاہے یہ الفاظ سنسکرت زبان کے ہوں چاہے کسی عام بولی کے ہوں،

لہٰذا ایشور بھگتی، برہم بھگتی، جیسا کہ ویدانتی کہتے ہیں یا برہم بن جانا جیسا کہ ادویتیہ کہتے ہیں، ویدوں میں جو دوسری تعلیمات ہیں وہ ہماری راہ ارتقار کی منزلیں بناتی ہیں، اور یہ بھگوان بھاسکر شنکر آچاریہ کی عظمت وشان کا مظہر ہے کہ انہوں نے اپنی ذہانت سے دیاس کے خیالات کی حیرت ناک تشریح کی ہے۔

حق وصداقت صرف برہم ہے، اور اس صداقت کی نسبت سے دوسرے تمام فرقے خواہ ہندوستان میں یا جہاں کہیں ہیں اسی برہم کے مختلف پرتو، اور مختلف مظاہر ہیں اور یہ سچے ہیں، فرض کر لیجئے ایک شخص سیدھا سورج کی جانب چلتا ہے، تو وہ اپنے سفر کے ہر قدم پر سورج کے نئے روپ سے دوچار ہوگا، ____ سائز، نظارہ اور ہر لمحہ روشنی نئی نئی ہوتی جائے گی، اس نے پہلے سورج کو ایک بڑی گیند کی شکل میں دیکھا تھا اور پھر اس کا حجم بڑھنے لگا، سورج کبھی بھی ایک گیند کی مانند جو اس نے دیکھی تھی چھوٹا نہیں تھا، اور نہ وہ ان سورجوں کی مانند جو اس نے اپنے سفر کے راستے میں یکے بعد دیگرے دیکھے تھے، اسی طرح یہ تمام مختلف فرقے ایک سچائی ہیں، ایک حقیقت ہیں، کچھ بہت نزدیک ہیں، کچھ اصل سورج سے جو ہمارا ہے بہت دور نہیں

एकमेवाद्वितीयम्—

وہ واحد سورج جس کا دوسرا مقابل نہیں ہے؛

اور وید ہی وہ حقیقی الہامی کتاب ہیں جن میں اس حقیقی وحدہٗ لاشریک ایشور کی آگہی دی گئی ہے اور اس کے علاوہ ایشور کے بارے میں جو دوسرے خیالات ہیں وہ سب اس تنگ نظری کے آئینہ دار ہیں،

چنانچہ سर्वलोकहितैषिणी یعنی ساری دنیا کا خیر خواہ!

شرتی اپنے چیلے کو پیار کے ہاتھ سے سہارا دے کر ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک لے جاتی ہے اس لئے کہ

ایشور تک پہنچنے کے سفر میں ہر منزل اور ہر درجہ سے گزرنا ضروری ہے، لیکن دُوسرے تمام مذاہب ان منزلوں میں سے کسی ایک یا دُوسری منزل کی نمائندگی، ایک غیر متعین شکل یا غیر ترقی پسندانہ انداز میں کرتے ہیں، اس لئے دنیا کے دُوسرے تمام مذاہب، بے نام، غیر محدود اور لافانی ویدک دھرم کے اندر شامل ہیں۔

اپنی سینکڑوں زندگیاں تلاشِ حق کے لئے وقف کر دیں اور صدیوں تک اپنے ذہن و فکر کے ایک ایک گوشہ اور ایک ایک کونہ کی خاک چھانتے چلے جایئے لیکن آپ کو لمبی کوشش کے باوجود ایک بھی ایسا کوئی نیا خیال نہیں پائیں گے جو رُوحانیت کے سرچشمہ میں پنہاں نہ تھا۔

جہاں تک نام نہاد ہندو اصنام پرستی کا تعلق ہے ـــــ پہلے جا کر ان کی شکلیں اور اقسام دیکھئے اور پھر یہ دیکھئے کہ پجاری حقیقت میں ان کی کہاں پُوجا کر رہے ہیں، آیا مندروں میں، مورتیوں میں یا ان مندروں کے اندر جو ان کے اجسام میں پوشیدہ ہیں، پہلے یقین کے ساتھ یہ جان لیجئے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ ـــــ ان میں نوّے فیصد پجاری، بالکل بے خبر اور جاہل ہیں ـــــ اور اس کے بعد، ویدانت کے فلسفہ کی روشنی میں اس کی وضاحت آپ ہی آپ ہو جائے گی؛

اس کے باوجود یہ کرم لازمی نہیں ہیں، دوسری جانب اپنی منوسمرتی کھولئے اور دیکھئے کہ وہ کس جگہ بڑے آدمی کو چوتھا آشرم اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے، اور آیا وہ اُسے اختیار کرتا ہے یا نہیں، اُسے تمام کرم چھوڑ دینا چاہیئے، ـــــ ہر جگہ اس پر زور دیا گیا ہے کہ یہ تمام کرم

ज्ञाने परिसमाप्यते

ـــــ گیان کی آخری منزل میں۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایک ہندو کسان، دُوسرے ممالک کے اشراف کی بہ نسبت مذہب کی زیادہ تعلیم رکھتا ہے، ایک دوست نے اعتراض کیا ہے کہ میں اپنے دھارمک خطبات میں یورپین فلسفہ کی اصطلاحات استعمال کرتا ہوں، میں سنسکرت کی اصطلاحات استعمال کرنے سے بہت خوش ہوں گا اور یہ میرے لئے نسبتاً آسان بھی ہوگا اس لئے کہ مذہبی خیالات کو کھینے والی، سنسکرت زبان سے بہتر دُوسری کشتی نہیں ہے لیکن میرا دوست یہ بات فراموش کر گیا کہ میں جہاں بھی خطبہ دیتا ہوں وہاں میرے سامعین مغربی عوام ہوتے ہیں، بے شک بعض ہندوستانی مشنری اور مبلّغ کہتے ہیں کہ ہندو اپنی سنسکرت کتابوں کے معنی بھول گئے ہیں اور یہ مشنری ہی ہیں جنہوں نے ان کے معنوں کو دوبارہ تلاش کیا ہے، لیکن ان مشنریوں کے ساتھ اتنا عرصہ رہنے کے باوجود اب تک ایک بھی ایسا مشنری نہیں پا سکا ہوں جو سنسکرت کی ایک سطر کے معنی بھی جانتا ہو ـــــ اور اس کے باوجود ان میں سے اکثر ویدوں پر تنقیدی مقالے پڑھتے ہیں اور ہندو دھرم کے تمام مقدس سرچشموں پر نکتہ چینی فرماتے ہیں؛

یہ صحیح نہیں ہے کہ میں کسی مذہب کا مخالف ہوں، یہ بھی اتنا ہی غلط ہے کہ میں ان عیسائی مشنریوں سے برافروختہ ہوں جو ہندوستان میں کام کر رہے ہیں لیکن میں ان طریقوں کے خلاف احتجاج کرتا ہوں جن طریقوں سے وہ امریکہ میں روپیہ اکٹھا کر رہے ہیں، بچوں کے سکولوں کی کتابوں میں ان تصویروں کا کیا مطلب ہے جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک ہندو ماں اپنے بچوں کو گنگا میں مگرمچھوں کے مُنہ کے سامنے پھینک رہی ہے، ماں تو کالی ہے لیکن بچوں کا رنگ گورا ہے تاکہ زیادہ ہمدردی پیدا ہو اور زیادہ روپیہ اکٹھا کیا جا سکے، کیا مطلب ہے ان تصویروں کا جن میں ایک مرد کو اپنی پتنی اپنے ہاتھ سے اس غرض کے تحت جلاتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ اس کی پتنی بھوت بن جائے اور وہ اپنے شوہر کے دشمنوں کو غارت کر ڈالے۔ کیا مطلب ہے ان تصویروں کا جن میں بڑی بڑی موٹر کاریں انسانوں کو کچلتے ہوئے دکھائی گئی ہیں۔ سال ہی کی بات ہے کہ اس ملک میں بچوں کے لئے ایک کتاب چھپی ہے جس میں یہاں کے شرفاء میں سے ایک شریف آدمی نے اپنے سفر کلکتہ کی کہانی بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے کلکتہ کی سڑکوں پر ایک موٹر جنونیوں پر سے گزرتے ہوئے دیکھی ہے، میں نے ان شرفاء میں سے ایک کو ممفس میں یہ پرچار کرتے سُنا ہے کہ ہندوستان کے ہر گاؤں میں ایک تالاب ہوتا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی ہڈیاں بھری پڑی ہوتی ہیں۔

یسوع مسیح کے ان ماننے والوں کے لئے ہندوؤں نے کیا کیا ہے کہ آج ہر عیسائی بچے کو یہ پڑھایا جا رہا ہے کہ وہ ہندوؤں کو وحشی اور درندے کے ناموں سے یاد کرے اور اس سرزمین پر دستیاب ہونے والی انتہائی خبیث مخلوق قرار دے، بچوں کے لئے سنڈے سکول ایجوکیشن کا نصاب صرف اس تعلیم پر مبنی ہے کہ وہ ہر اُس شخص سے نفرت کریں جو کہ عیسائی نہیں ہے اور خصوصیت سے ہندوؤں سے نفرت کریں تاکہ وہ اپنے بچپن ہی سے مشن کو چندہ دینا شروع کر دیں، مذہبی صداقت اور سچائی کے خاطر، لیکن اپنے بچوں کے اخلاقی معیار کی خاطر کم سے کم ایسی چیزیں تو عیسائی مشنریوں کو روا نہ رکھنا چاہئیں، کیا عجب ہے کہ ایسے بچے بڑھ کر انتہائی ظالم مرد اور انتہائی ستمگر عورتیں ثابت ہوں؟ ایک معلم لافانی جہنم کی سزا اور آگ کے شعلوں کی جتنی بھیانک تصویر کھینچے گا، کٹّر اور متعصب لوگوں کے مجمع میں اس کی پوزیشن اتنی ہی زیادہ بلند سمجھی جائے گی، میرے ایک دوست کے ہاں ایک لڑکی ملازم تھی جسے پاگل خانہ میں داخل کیا گیا ہے، اور وہ اس بنا پر پاگل ہو گئی کہ وہ ان محفلوں میں شرکت کرتی تھی جنہیں یہ لوگ احیاء و تجدد کی تبلیغ کی محفل قرار دیتے ہیں، جہنم کی خوفناک آگ کی جو خوراک اُس کو پلائی گئی اُس کی گرمی کو وہ برداشت ہی نہ کر سکی، اِن کتابوں کو مزید دیکھئے جو ہندو دھرم کے خلاف مدراس میں چھپی ہیں، اگر کوئی ہندو مسیحیت کے خلاف اِس طرح کی ایک سطر بھی لکھ دے تو یہ مشنری آگ بگولا ہو جائیں گے اور انتقام کا مطالبہ کرنے لگیں گے۔

سوامی وویکانند کے خطوط صفحہ 80

اے میرے وطن کے لوگو! اس مُلک میں رہتے ہوئے مجھے ایک برس سے زیادہ مُدّت ہو گئی ہے۔ میں نے یہاں کی سوسائٹی کے تقریباً ہر گوشہ کو دیکھا بھالا ہے۔ اور ہر چیز سے موازنہ کرنے کے بعد، مجھے کہنے دیجئے کہ نہ ہم ویسے ابلیس ہیں جیسا کہ عیسائی مشنری ساری دُنیا میں کہتے پھرتے ہیں نہ وہ ایسے فرشتے ہیں جیسا کہ وہ ہم پر ظاہر کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ بس عیسائی مشنریوں کے لیے یہی اچھا ہے کہ وہ بداخلاقیوں، ہندو شادی کے رسوم ورواج کی بُرائیوں اور بچپن کی شادی کی باتیں کرتے رہیں۔ بعض ممالک کی ایسی حقیقی تصویریں بھی ہو سکتی ہیں جن کی روشنی کے سامنے ہندو سوسائٹی کے متعلق مشنریوں کی تمام قیاسی تصویریں پھیکی پڑ جائیں لیکن زندگی میں میرا مشن یہ نہیں ہے کہ میں تنخواہ دار بدکلام بن جاؤں۔ میں ہرگز ہرگز ہندو سوسائٹی کی اکملیت کا دعویٰ نہیں کروں گا، جو نقص ہیں۔ صدیوں کی بدنصیبیوں نے جو خرابیاں پیدا کی ہیں۔ میں انھیں خوب جانتا ہوں۔ غیر ملکی دوستو! اگر آپ مدد کی خاطر پُرخلوص ہمدردی لے کر آئیں تو ایشور آپ کو اس کی توفیق دے، لیکن تباہی وبربادی کی خاطر نہ آیئے۔ لیکن اگر آپ کا بدکلام بننے سے اور موسم بے موسم، ایک کچلی ہوئی پس ماندہ قوم کے سر پر کیچڑ ڈالنے سے محض اتنا ہی مطلب ہے کہ آپ بزور اپنی قوم کی اخلاقی برتری مُسلّط کر دیں تو میں بڑی صفائی سے کہنا چاہوں گا کہ اگر اخلاقی برتری کا انصاف کے کسی بھی پیمانے سے موازنہ کیا جائے تو ساری دُنیا کی دوسری قوموں کے درمیان ہندوؤں ہی کا سر ایک بااخلاق قوم کی حیثیت سے سب سے زیادہ بلند رہے گا۔

ہندوستان میں دھرم کبھی متزلزل نہیں ہوا۔ کبھی کسی شخص کو اپنے من پسند اِشٹ دیوتا کی پرستش، اپنے فرقہ یا اپنے عقیدوں کے انتخاب سے نہیں روکا گیا اور اس سرزمین پر دھرم کی نشوونما جس طرح ہوئی دُنیا کے کسی مقام پر اس طرح نہیں ہوئی۔ دوسری جانب دھرم کے بے شمار رنگ اور طریقوں کو جاری رہنے کی اجازت دینے کے لئے ایک غیر متحرک مرکز کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور ہندوستان میں ایک ایسے غیر متحرک مرکز کے طور پر سوسائٹی کو چُن لیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سوسائٹی غیر متحرک اور جامد ہو کر رہ گئی، جبکہ آزادی ارتقا کی واحد ضمانت ہوتی ہے۔

اِس کے برعکس مغرب میں سوسائٹی اُتار چڑھاؤ اور تگ ودو کا ایک میدان بنی اور مرکزیت مذہب کو حاصل رہی۔ وشواش اور اعتقاد، یورپین مذہب کی اساس تھی اور اب بھی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اور ہر نئے نظریئے اور تصور کو خون کا دریا عبور کرنے سے پہلے کوئی فروغ حاصل نہیں ہو سکا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ایک شاندار سماجی تنظیم ہے جس کے ساتھ ایک ایسا دھرم ہے جو کبھی مادّی تصورات کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔

آج مغرب کا شعور اپنی خواہش و ضرورت کے سلسلہ میں بیدار ہو رہا ہے، اور آج مغرب کے علماء اور عام لوگوں کے ترقی یافتہ سکول کی بُنیاد یہ ہے کہ جسم و رُوح کی اصل وحقیقت کو سچائی کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے۔ سنسکرت فلسفہ کا ایک طالب علم بہر حال جانتا ہے کہ ہوا کدھر سے چل رہی ہے لیکن کوئی پروا نہیں۔ جب طاقت آتی ہے تو نئی زندگی بھی لاتی ہے۔

ہندوستان میں نیا ماحول ساتھ ہی ساتھ سماجی اداروں کی نئی ترتیب و ترکیب کا متواتر تقاضا کر رہا ہے، گزشتہ ۷۵ برس سے ہندوستان کی فضا میں مصلحین اور اصلاحی اداروں کا ایک غلغلہ ہے لیکن افسوس کہ اس میں سے ہر ایک ناکام ثابت ہوا، وہ واقفِ حقیقت نہیں ہیں وہ جانتے ہی نہیں کہ اصل راز کیا ہے، انہوں نے وہ عظیم تعلیم حاصل ہی نہیں کی جسے انھیں حاصل کرنا تھا، اپنے تلون اور اپنے مزاج کی عجلت کے سبب انہوں نے سماج کی تمام بُرائیوں کی ذمہ داری دھرم کے کاندھے پر عائد کر دی، اور ایک اس آدمی کی طرح جو اپنے دوست کے ماتھے پر بیٹھا ہوا مچھر مارنا چاہتا تھا، اپنے مُکّوں کی زبردست مار سے مچھر کو یوں مارنے کی کوشش کرنے لگے کہ مچھر اور آدمی دونوں کا بھُرتہ بن جائے لیکن خوش قسمتی سے اس معاملہ میں اُنہوں نے خود کو مضبوط چٹانوں سے ٹکرایا۔ جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی تھیں، اور اس طرح خود ہی پاش پاش ہو گئے، ان شریف اور بے لوث لوگوں پر ایشور اپنی کرپا کرے جنہوں نے غلط طریقے پر کوشش کی اور ناکام ہوئے، سوتے ہوئے لوگوں کو خواب سے بیدار کرنے کے لئے اصلاح کی خواہش وجذبہ کے تحت ایک جھٹکے کی ضرورت تھی، لیکن جو جھٹکے دیئے گئے وہ تخریبی تھے، تعمیری نہیں تھے۔ اور اس بنا پر یہ اصلاحی جھٹکے خود فانی تھے اور اپنے آپ فنا ہو گئے۔

ہمیں اس کے لئے نیک خواہشات اور شُبھ کامنائیں بھیجنی چاہئیں اور ان کے تجربات کا نفع اُٹھانا چاہئے اُنہوں نے یہ سبق نہیں پڑھا کہ جو کچھ ہے وہ باطن کے ارتقاء کا ظہور ہے وہ نہیں جانتے کہ ایک تخم ان تمام عناصر کو جو اسے آس پاس ہوتے ہیں ہضم کرتا ہے لیکن درخت کو اپنی فطرت کے تقاضوں کے مطابق جنم دیتا ہے۔ جب تک کہ پُوری ہندو نسل فنا نہ ہو جائے اور اسکی جگہ ایک نئی نسل اس سرزمین پر قبضہ نہ پالے اس وقت تک ایسی چیزیں نہیں ہو سکتیں مشرق کو آزما دیکھئے یا مغرب کو لیکن ہندوستان اس وقت تک یُورپ نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ ایک بار ہلاک نہ ہو جائے۔

اور کیا ہندوستان ہلاک ہو سکتا ہے؟

اور کیا یہ فنا ہو جائے گی؟ یہ بوڑھی ماں جو تمام شرافتوں کا پیکر ہے، اخلاق و رُوحانیت کا مجسمہ ہے۔ یہ سرزمین جسے رشیوں نے اپنے پوتر قدموں سے سرفراز کیا ہے اور جس سرزمین میں ایسے لوگ اب بھی آباد ہیں جن میں ایشور کے اوصاف کی جھلک دکھائی دیتی ہے، میرے بھائی میں یونان کے کسی فلسفی کا چراغ لے کر

آپ کے پیچھے پیچھے اس پوری دُنیا میں شہر شہر، گاؤں گاؤں جنگل جنگل صحرا صحرا چلنے کو تیار ہوں تاکہ دوسرے ملکوں میں بھی آپ ایسے ہی لوگ مجھے دکھا سکیں! کیا آپ دکھا سکیں گے؟ جنہوں نے کہا ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے' انہوں نے سچ ہی کہا ہے' ہندوستان میں آپ ایک آم کے درخت کے پاس جائیے' اس کے آس پاس زمین پر گری ہوئی بہت سی انبیوں میں سے ایک انبیہ اُٹھا لیجئے جو بالکل کچی ہو اور جسے پرندوں نے کاٹ کاٹ کر خراب کیا ہو اور زمین پر گرایا ہو اس انبیہ پر آپ دفتر کے دفتر لکھ ڈالیے لیکن اتنا کچھ لکھ کر بھی آپ "آم" کے بارے میں کچھ نہ لکھ سکیں گے' ایک ایسے آم کو جو پوری طرح پک گیا ہو اور ذائقہ دار رس سے بھرا ہوا ہو' جب آپ اُٹھائیں گے اور اسے دیکھیں گے تب ہی آپ جان سکیں گے کہ آم کسے کہتے ہیں اور آم کیا چیز ہوتا ہے؟

اسی طرح خدا رسیدہ انسان ہی یہ بتا سکتا ہے کہ ہندو دھرم کیا ہے؟ وہ ہی نسلی درخت کے اوصاف خصائص اور شکتی کو ظاہر کر سکتا ہے جو صدیوں سے کلچر کا پھل پیدا کر رہا ہے اور ہزاروں برس سے تمام بگولوں اور آندھیوں کے درمیان بغیر کسی تغیر کے پوری طاقت کے ساتھ کھڑا ہے'

کیا ہندوستان فنا ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہو گا تو ساری دُنیا سے روحانیت فنا ہو جائے گی' اخلاق کی رُوح فنا ہو جائے گی' مذہب سے ہمدردی و دلچسپی فنا ہو جائے گی' تمام آدرش فنا ہو جائیں گے اور اس کی جگہ حرص و ہوس اور عیش و نشاط دیوی اور دیوتا کی شکل میں جنم لے گا جس کا پجاری روپیہ فریب اور طاقت ہو گی' مقابلہ بازی اس کی پوجا کی رسم ہو گی اور انسان کی روح کی انہیں قربانی دی جایا کرے گی' ایسی بات تو کبھی ہو نہیں سکتی! طاقت دفاع طاقت جارحہ سے یقینی طور پر زیادہ اور عظیم ہوتی ہے، محبت کی طاقت' بے شک نفرت کی طاقت سے زیادہ اور عظیم ہوتی ہے' حق باطل سے کبھی دب نہیں سکتا' وہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوازم کا احیا محض حُب الوطنی و قوم پرستی کے جذبہ کا ایک کرشمہ ہے۔

پہلے ہمیں اس پورے عمل کا مطالعہ کرنا چاہیے جو ظاہری نگاہوں سے مخفی ہے'

کیا یہ حیرت ناک نہیں ہے کہ جب ماڈرن سائنسی تحقیقات و جستجو کے بھرپور حملہ میں مغرب کے تمام قدیم اور پائیدار مذہبی قلعے متزلزل ہو ہو کر زمیں بوس ہوئے جاتے ہیں، جب ماڈرن سائنس کی فولادی ضرب سے عوامی رسوم و رواج جن کی بنیاد عیسائیت کے اکثریتی ووٹ کے ذریعہ حاصل ہونے والے اجتہادی عقائد پر رکھی گئی تھی چور چور ہوئے جا رہے ہیں، جب مغرب کی دینی تعلیم اپنی فراست کے خاتمہ پر آگئی ہے اور ماڈرن خیالات کی بھرپور لہر کے اندر خود کو سموئے دیتی ہے' جبکہ جدید خیالات و نظریات کے دباؤ نے تمام مقدس

رکتابوں کے اوراق کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے، اور ان کتابوں کو کباڑ خانوں میں پھینک دیا گیا ہے، جب مغرب کے انسانوں نے چرچ سے اپنے ربط و تعلق کو منقطع کر لیا ہے اور وہ بے چینی و اضطراب کے ایک سمندر میں ڈوب گئے ہیں تو ان مذاہب کی ـــــ ویدہنددازم اور بُدھ ازم ـــــ کی تجدید ہو رہی ہے جن میں زندگی کا رس ہے اور جن کی بنیاد روشنی اور نور پر رکھی ہوئی ہے ؛

مغرب کے لامذہب اور بے چین دہریئے یا مادّہ پرست گیتا یا دھم پد ہی میں اپنی رُوح کے لئے سکون کی ایک گنجائش اور ایک جگہ پاتے ہیں ؛

حالات بدل گئے ہیں، اور ہندو جو کہ مایوسی کے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی نظروں سے اپنی گھروں پر چھائی ہوئی وہ آگ دیکھ رہے تھے جو بیگانوں کے ہاتھ کی بھڑکائی ہوئی تھی اب یہ دیکھ رہے ہیں کہ جب سے علوم جدید کی روشنی نے دُھواں چھانٹ دیا ہے صرف ان ہی کا وطن ایک شان کے ساتھ کھڑا ہے اور باقی سب کچھ یا تو غائب ہو گیا ہے یا منصوبہ کی بنیاد پر دنیا کے لوگ اپنے گھروں کی نئی تعمیر کر رہے ہیں۔ اس نے اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھ ڈالے ہیں، اور اُسے یہ پتہ چلا ہے کہ اس کی جڑوں کو جس کلہاڑی سے کاٹنے کی کوشش کی جا رہی تھی وہ ایک سرجن کا بے رحم نشتر ثابت ہوئی ہے۔ ऊर्ध्वमूलमधःशाखं अश्वत्थं प्राहुरव्ययम्

گیتا کے پندرھویں اُدھیائے کے اِس پہلے شلوک سے اسے حیات بخش پیغام مِلا۔

اسے پتہ چلا ہے کہ نہ تو اُسے اپنی مذہبی کتابوں میں چیر پھاڑ کرنے کی ضرورت ہے نہ اپنے مذہب کو بچانے کے لئے عقل و دانش کے کسی فریب سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ نہ ہی اُسے اپنی مذہبی کتابوں کی کمزوریوں کو کمزوریوں سے تعبیر کرنے کی احتیاج ہے، اِس لئے کہ ان کمزوریوں سے قدیم رشیوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ[1] ..... अरुन्धतीदर्शनन्याय। ـــ کے نظریئے کے تحت کمزوروں کی مدد کی جائے،

اُن قدیم رشیوں کا شکریہ جنہوں نے دھرم کا لازوال اور توسیع پذیر نظام دریافت کیا جس میں وہ سب کچھ سما

---

[1] جب ایک دُلہن بیاہ کر اپنے شوہر کے گھر میں آتی ہے تو شوہر اسے ایک بہت ہی چھوٹا سا ستارہ دکھاتا ہے جسے اروندھتی کہا جاتا ہے ایسا کرتے ہوئے وہ اس کی نظر سیدھی اُٹھاتا ہے اور سیدھی نظر اُٹھانے کے لئے وہ پوچھتا جاتا ہے کہ ستارہ کی سمت میں کیا چیز نزدیک دکھائی دے رہی ہے اور کیا چیز دُور نظر آرہی ہے مثال کے طور پر درخت کی شاخ! اس کے بعد وہ اس کی توجہ درخت کی شاخ کے پار نظر آنے والے بڑے روشن ستارے کی جانب منعطف کراتا ہے اور اس طرح وہ اصل ستارے تک اس کی نظر پہونچا دیتا ہے۔ اصل شئے تک بتدریج رہنمائی کرنا اور زینہ بہ زینہ آگے بڑھنا'' اروندھتی نیائے'' کہلاتا ہے۔

سکتا ہے جو مادیّت کی راہ میں دریافت ہو اور جس کے دامن میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کا انسان کو اب تک علم ہو سکا ہے۔ اس نے ان کی تجدید کی افادیّت سمجھ لی ہے۔ اور اُن کی نئی رُوپ دیکھا پالی ہے جو دریافتیں محدود اور مختصر نظام رکھنے والے ہر مذہب کے لیئے اس قدر رتباہ کُن ثابت ہوئی ہیں وہ دانش و خود شناسی کی سطح پر وہی دریافتیں ہیں جو اس کے آبا و اجداد نے صدیوں سے رُوحانیت اور خودی کی اعلیٰ سطح پر دریافت کی تھیں، گویا دریافت کی چیزوں کو عقل و دانش اور خود شناسی کی سطح پر دوبارہ دریافت کیا گیا ہے۔

لہٰذا اُسے کسی چیز کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی اُسے اُس کی ضرورت ہے کہ وہ کسی دوسری جگہ کوئی چیز تلاش کرے، اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اُسے لافانی ذخیرہ سے جو ورثہ میں ملا ہے اپنی ضرورت کے مطابق استعمال میں لائے اور یہ بات اُس نے شروع کر دی ہے اور یہ بات اب بڑھتی ہی جائے گی کیا اس تجدید کا حقیقی سبب یہ نہیں؟

بنگال کے نوجوانو! میں آپ سے خصُوصی طور پر اپیل کرتا ہوں :

بھائیو! ہم اپنی ندامت و شرمندگی کے وجوہ سے بے خبر نہیں ہیں، جن خرابیوں کی بنا پر بدلیشی اقوام ہندو قوم کے خلاف دشنام طرازی سے کام لیتی ہے وہ صرف ہم ہی سے تعلق رکھتی ہیں، ہم ہی ہندوستان کی دوسری نسلوں کے سروں پر بہت سی مصیبتیں لانے کی وجہ بنے ہیں لیکن ایشور کے فضل سے نہ صرف یہ کہ ہم ان برائیوں سے خود کو صاف کر لیں گے بلکہ پورے ہندوستان میں ان آدرشوں کو پھیلا دیں گے جن کی لافانی دھرم میں تعلیم دی گئی ہے۔

سب سے پہلے انہیں اس نشان کو مٹا دینا ہے جو فطرت ہمیشہ ہی ایک غلام کے ماتھے لگا دیتی ہے — یعنی حسد کا ٹیکہ! کسی سے حسد نہ کیجئے! لیکن دنیاؤں کے ہر شخص کے پاس اچھے اور نیک خیالات کا پیغام بھیجئے!

ہمارے دھرم میں صداقت کا جو مرکز ہے ہمیں اس پر کھڑے رہنا چاہیئے، یہ ہندوؤں، بودھوں اور جینیوں کا مشترک ورثہ ہے — انسان کی رُوح — منش کی آتما — جو غیر فانی ہے، ازلی و ابدی ہے، اور جس کی عظمتوں کے اظہار سے خود وید قاصر رہے ہیں، اور جس کی آفاقی قدرت کے سامنے یہ سورج، یہ چاند اور ستارے، ایک ذرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو، بلند تر دیوتاؤں سے لے کر ان کیڑوں تک جو ہمارے پاؤں کے نیچے کچل جاتے ہیں ایک ہی رُوح کارفرما ہے، فرق اگر ہے تو اس کی قدر میں ہے، اس کی اصل میں نہیں ہے۔

رُوح کی لافانی طاقت جب مادّے کو گردش میں لاتی ہے تو وہ مادیت کی ترقی کا ذریعہ بنتی ہے،

جب ذہن و فراست کے ارتقا کے لئے کام کرتی ہے تو آدمی کو خدا بنا دیتی ہے۔

پہلے ہمیں خود دیوتا بننا چاہیئے، پھر دوسروں کو دیوتا بنا دینا چاہیئے، "بنو اور بناؤ" یہ ہمارا آدرش ہونا چاہیئے، یہ مت کہیئے کہ آدمی گناہگار ہے، اُسے یہ بتائیے کہ وہ ایشور ہے، اگر شیطان ہو تو بھی ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم ہمیشہ خدا کو یاد رکھیں شیطان کو نہیں۔

اگر ایک کمرہ میں اندھیرا ہے تو اندھیرے کا احساس اندھیرے کو دُور نہیں کر سکتا، ضروری ہے کہ روشنی لائی جائے، ہمیں جاننا چاہیئے کہ جو کچھ منفیانہ ہے وہ سب تخریب ہے، وہ سب نکتہ چینی ہے، اور لازمی طور پر اُسے فنا ہی ہو جانا ہے لیکن جو تعمیر ہے، لافانی ہے وہ اثبات ہے، اقرار ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے ہمیں کہنے دیجئے "ہم ہیں" "خدا ہے" اور "ہم خدا ہے" "شِوہم" "شِوہم" اور پھر آگے کی طرف بڑھتے چلیئے، مادّہ کے ساتھ نہیں، رُوح کے ساتھ! مکان لامکان کا محکوم ہے، یہ لافانی صداقت ہے جس کی شردتیوں میں تعلیم دی گئی ہے، روشنی میں ہوتے ہوئے، اندھیرا خود بخود کافور ہو جاتا ہے۔ ویدانت کے شیر کو ڈکارنے دیجئے! لومڑیاں تو خود ہی اپنے بِلوں میں چھپ جائیں گی۔ خیالات کو پھینکیئے، نشر کیجئے اور انجام کی فکر نہ کیجئے! ہمیں کیمیاوی اجزا کو ملا دینا ہے، پھر کرسٹل بننے کا عمل تو از خود ہو جائے گا، رُوح کی طاقت کو بروے کار لایئے اور ہندوستان کے طول و عرض پر اس طاقت کو پھیلنے دیجئے، اور پھر جس چیز کو ضروری سمجھا جا رہا ہے۔ وہ خود بخود دستیاب ہو جائے گی۔

آپ کے اندر جو رُوحانیت، عرفان اور عشقِ الٰہی ہے اُسے بیدار کیجئے پھر دیکھئے ساری کائنات اس کے اِرد گرد قرینہ سے سج جائے گی۔ ویدوں میں اندر اور ورچن کی جو مثالیں دی گئی ہیں ان کو ہمیشہ یاد رکھیئے۔ دونوں کو اُن کے عرفان کو جگانے کی تعلیم و تدریس دی گئی تھی لیکن جو اُسر (ورچن) نفس پرست تھا۔ اُس نے جسم ہی کو اپنا معبود اور خدا بنا لیا۔ اندر چونکہ دیو تھا اِس لیئے وہ اِس نتیجہ پر پہنچا کہ عرفان سے مُراد اپنی رُوح اور اپنی آتما کی پہچان کرنا ہے۔ آپ اندر کی اولاد ہیں۔ آپ دیوؤں کی سنتان اور ان کی اولاد ہیں، خاک و مادّہ آپ کا معبود اور خدا نہیں ہو سکتا۔ جسم اور نفس آپ کا معبود اور خدا نہیں ہو سکتا۔

ہندوستان کو صحیح بنایا جائے گا لیکن جسم و نفس کی قوت سے نہیں، رُوح و عرفان کی طاقت سے تباہی کے جھنڈے گاڑ کر نہیں بلکہ امن و محبت کے پھریرے لہراتے ہوئے۔ سنیاسیوں کے مُنہ سے، نفس پرستوں کے زرق برق لباسوں سے نہیں۔ روپیہ کی طاقت سے نہیں بلکہ کشکول کی قوت سے۔ مت کہیئے کہ ہم کمزور و ناتواں ہیں۔ یہ رُوح تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے ان مٹھی بھر نوجوانوں کی طرف دیکھئے پرم ہنس شری رام کرشن کے قدموں سے چھونے کی بدولت تعمیرِ نو اور خدمتِ قوم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسی تعلیم کا اُپدیش آسام سے سندھ تک ہمالیہ کی

سر بفلک چوٹیوں سے راس کماری کے ساحلوں تک گیا ہے۔ یہ بیس بیس ہزار فٹ کی بلندیوں پر برف کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے، زندگی خطرہ میں ڈال کر تبت میں پہنچے ہیں۔ اور اس پُراسرار وادی میں انہوں نے ہی تعلیم پھیلائی ہے، تاکہ ان کے وطن و قوم کے لوگ شاداب و خوشحال زندگی بسر کریں، انہوں نے خود اُجاڑ دیا۔ دُوسرے بھر پیٹ روٹی کھائیں، اس لئے خود بھیک مانگ کر شکم پروری کرتے رہے دُوسرے خوشنما پوشاکیں زیب تن کر سکیں، اس لئے خود چمڑے پہنتے رہے۔ انہیں سخت اذیتیں دی گئیں۔ پولیس نے ان کا پیچھا کیا۔ انہیں جیلوں میں ڈال دیا۔ لیکن بالآخر حکومت کو جب یقین ہو گیا کہ یہ بے قصور اور معصوم ہیں تو انہیں رہا کر دیا۔

ان کی تعداد اب بیس ہے۔ ان کی تعداد بڑھا کر کل دو ہزار بنا دیجئے، بنگال کے جوانو! آپ کے وطنِ عزیز کو اسی چیز کی ضرورت ہے۔ ساری دنیا اُن کے قدموں کی آہٹ سننے کے لئے بیتاب ہے۔ آپکے اندر جو عرفان ہے اسے جگائیے۔ یہ عرفان جاگ اُٹھا تو آپ بھوک پیاس گرمی سردی، سب اذیتیں اور سب مشکلیں برداشت کر سکیں گے۔ سجے سجائے محلوں میں بیٹھ کر، زندگی کے مزے لوٹتے ہوئے تھوڑا بہت دھرم کا پرچار کرنا شائد دوسروں کو زیب دیتا ہو لیکن ہندوستان میں یہ بات نہیں چل سکتی۔ یہاں کی خاک و خمیر میں سچا عرفان بسا ہوا ہے۔ آپ کے دلوں میں کیا بسا ہوا ہے، یہ ہندوستان کی سرزمین فوراً بھانپ لے گی۔ آپ کو اس طریقۂ تبلیغ کو ترک کر دینا ہوگا اور بلند و عظیم بننا ہوگا۔ یاد رکھیئے، کوئی بھی بڑا کام قربانی دیئے بنا نہیں ہو سکتا اور تو اور خدا کو بھی اس خدائی کی تخلیق کے لئے اپنے آپ کو قربان کرنا پڑا۔ ویدوں میں بھی تو کہا گیا ہے کہ پرُش نے یہ دنیا پیدا کرنے کے لئے قربانی دی۔ آپ اپنے سُکھ اور آرام کو ترک کر دیجئے۔ اپنی خوشیوں اور راحتوں کو قربان کر دیجئے۔ اپنے نام و نمود کو، عزت و حشمت کو۔ نہیں نہیں اپنی زندگیوں کو قربان کر دیجئے، اور انسانی کڑیوں کو جوڑ جوڑ کر ایک ایسا پُل بنا دیجئے، جس پر سے لکھوکھا انسان چل کر اس بحرِ حیات سے پار جا سکیں نیکی و خوبی کی تمام قوتیں اکٹھی کر دیجئے۔ اس بات کا کوئی خیال نہ کیجئے کہ آپ کس پرچم اور کس جھنڈے کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ مت خیال کیجئے کہ آپ کے جھنڈے کا رنگ کیا ہے۔ ہرا ہے، نیلا ہے یا لال ہے، نہیں نہیں تو کہوں گا کہ سب رنگوں کو باہم ملا کر سفید رنگ بنا دیجئے، جو محبت و امن کا رنگ ہے۔ ہمارا کام ان فروعی باتوں میں اُلجھنے کا نہیں ہمارا مسلک کام کرنا ہے۔ ہم عمل و کردار کے غازی ہیں۔ ہمارے کام و فعل کا نتیجہ کیا نکلتا ہے اس کی فکر بھی نہ کیجئے "نتائج" اپنا دھیان خود رکھالینگے۔ اگر آپ کے خدا بننے کی راہ میں کوئی معاشرتی رسم و رواج اور شرع سدِ راہ بنتی ہے تو یہ آپ کی رُوح و آتما کی قوت کے سامنے دم توڑ دے گی اور آپ کے لئے راستہ استوار ہو جائے گا۔ مستقبل میں کیا ہوگا، مجھے اس کی فکر نہیں۔ اور نہ ہی مجھے اتنا ہوش اور وقت ہے کہ میں اس بات پر کوئی توجہ دوں۔ میرے سامنے تو ایک بات بالکل صاف عیاں ہے کہ ہماری قدیم مادرِ وطن ایک بار

بیدار ہوگئی ہے اور وہ اپنے تخت پر پھر سے رونق افروز ہے، نئی زندگی سے سجی ہوئی۔ نئی پہلے سے کہیں زیادہ تابانیوں سے جلوہ گر۔ رحمت وفضل، امن ومحبت کی زبان میں اس کے بارے میں ساری دنیا کو خبر کر دیجئے۔

محبت وخدمت میں آپ کا

وویکانند

(19)

امریکہ

1894

پیارے شوآنند[1]۔

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ شاید اسی اثنا میں آپ کو میرے دوسرے خطوط مل گئے ہوں گے اور آپ یہ جان گئے ہونگے کہ اب کوئی چیز امریکہ بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کثرت کسی بات کی ہو، اچھی نہیں ہوتی۔ اخباروں میں چرچا سے مجھے شہرت اور عزت ضرور ملی ہے۔ لیکن اس کا ردِ عمل یہاں کی نسبت ہندوستان میں زیادہ ہے۔ اخباروں میں بہت زیادہ شہرت ملنے کی وجہ سے اعلیٰ طبقے کے لوگوں کی نگاہ میں وہ عظمت نہیں رہتی۔ لوگ بہت زیادہ شہرت سے بیزار ہو جاتے ہیں۔

اب آپ کو ہندوستان میں جلسے منعقد کرنے کا پروگرام ہاتھ میں لینا چاہئے۔ آپ کو مجھے اس ملک میں کوئی شئے بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک روپیہ کا تعلق ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سب سے پہلے ماں — مقدس ماتا، شری شاردا دیوی کے لئے کوئی جگہ تعمیر کروں گا۔ کیونکہ عورتوں کا حق سب پر افضل ہوتا ہے۔ میں ماں کیلئے جگہ بنانے پر تقریباً سات ہزار روپیہ خرچ کر دوں گا۔ اگر اس کے لئے جگہ کا ابھی سے اہتمام کر لیا جائے تو مجھے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ اگر میں یہاں سے چلا بھی جاؤں، تو بھی مجھے ایک ہزار چھ سو روپیہ سالانہ ملتا رہے گا۔ یہ رقم میں جو مٹھ کے لئے گھر پر خرچ کرتا جاؤں گا اور اس طرح یہ بڑھتا چلا جائیگا۔ میں تو پہلے ہی آپ کو لکھ چکا ہوں کہ آپ جگہ کا بندوبست کرو۔

میں تو بہت پہلے ہندوستان واپس پہنچ جاؤں، لیکن ہندوستان میں روپیہ نہیں۔ یوں تو پرم ہنس رام کرشن کے نام کی پوجا کرنے والے ہزاروں ہیں۔ لیکن مجال ہے کوئی ایک پیسہ بھی دے۔ ایسا ہے ہندوستان۔ اس اثنا میں جہاں بھی رہنا ہو، محبت و پیار سے رہیں خواہ اس کیلئے کتنی ہی قیمت کیوں نہ چکانی پڑے۔ یہ دنیا اصولوں کی بہت کم پروا کرتی ہے۔ یہاں انسانوں کی قدر ہے، اصولوں کی نہیں۔ وہ جسے پسند کرتے ہیں

[1] آپ پرم ہنس سوامی رام کرشن کے شش تھے۔ آپ 1922 سے 1934 تک شری رام کرشن مٹھ اور مشن کے پردھان رہے سنیاس لینے سے پہلے ان کا شبھ نام تارک تھا۔

اسکی ہزار باتیں سن لیں گے۔ خواہ ایک بھی بات کام کی نہ ہو۔ لیکن جسے پسند نہیں کرتے، اسکی ایک بھی بات نہیں سنیںگے۔ خواہ اس کی سب باتیں کام کی ہوں۔ آپ کو یہ صورت حالات ملحوظ نگاہ رکھنی چاہئے اور اپنا وطیرہ ایسا ہی بنانا چاہیئے۔ رفتہ رفتہ سب کچھ واپس آجائیگا۔ مخدوم بننے کیلئے خادم بن جانا چاہئے۔ کامیابی کا یہی گُر ہے۔ آپ کے دل میں جو پیار اور محبّت ہے، وہ آپ کے الفاظ سے آشکار ہوکر رہیگا، خواہ آپ کے الفاظ ترش ہی کیوں نہ ہوں۔ زبان خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، لوگ الفاظ کی گہرائیوں میں چھپے پیار اور محبت کو محسوس کر ہی لیں گے اور آپ کی عزّت و توقیر کرنے لگیں گے۔

میرے پیارے بھائی! پرم ہنس رام کرشن ایشور کے اوتار تھے، اس بارے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم لوگوں پر پرم ہنس رام کرشن کی شخصیت کو ٹھونسنے کی بجائے انہیں بذات خود ان کی عظمت و حشمت کا معترف و مداح بننے دینگے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم لوگوں کو آزادی دیں کہ وہ خود یہ محسوس کریں کہ پرم ہنس کی تعلیم کیا تھی، ان کا اپدیش کیا تھا؟ ہم یہ سب باتیں ان پر نہیں ٹھونس سکتے۔ میرا نقطۂ نظر یہی ہے۔ اور آپ کے کام کے بارے میں یہی اعتراض ہے۔

ہم اعتراض کیوں کریں، لوگوں کو اپنے اپنے خیالات کا اظہار آزادانہ کرنے دیجئے۔ جب تک لوگ پرم ہنس رام کرشن کا اچھی طرح مطالعہ نہیں کر لیتے، ویدوں کی صحیح عظمت سے رُوشناس نہیں ہو سکتے۔ تبھی وہ جان سکتے ہیں کہ ویدانت کیا ہے۔ تبھی انہیں اس بات کا صحیح احساس ہوگا کہ بھاگوت اور دوسرے پورانوں کی صحیح قدر و قیمت کیا ہے۔ ان کی زندگی کیا ہے۔ بے پناہ روشنی اور نور پھیلانیوالی ایک شمع جس سے ہندوستان کی مذہبی ادراک اور روحانی شعور کی ایک ایک ڈگر، ایک ایک راہ منوّر ہو جاتی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی زندگی ویدوں اور ان کے مقصد و مطلب کی زندہ، جیتی جاگتی تفسیر تھی۔ اپنی زندگی میں وہ مادرِ وطن ہندوستان کی ساری قومی مذہبی زندگی جئے تھے۔ اور وہ ان سب اوتاروں سے بھی بڑے ہیں۔ کیا آپ اس بات کی گہرائی کا اندازہ لگا سکتے ہیں؟

ابھی تک آپ ماتا جی کی حیرت انگیز شخصیت کی عظمت و حشمت کو نہیں پا سکے۔ کوئی بھی ان کی عظمت اور اہمیت کو نہیں جان پایا۔ لیکن آہستہ آہستہ آپ جان جائیں گے۔ شکتی اور قوت نہ ہوتی تو دنیا میں یہ سلسلۂ نشو و نمو ختم ہو گیا ہوتا۔ وہ شکتی کا اوتار ہیں۔ لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ دوسرے تمام ملکوں کی نسبت ہمارا ملک کمزور ترین اور پسماندہ ترین ملک ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں شکتی کی عزّت و توقیر نہیں کی جاتی۔ ماتا جی کا جنم اس لئے ہوا ہے کہ وہ ہندوستان میں اسی شکتی کا پھر سنچار کریں۔ اور وہ ایسا سرچشمہ فیض و برکت بن جائیں، جس سے کتنی ہی گارگیاں اور مترییاں دنیا میں ظہور پذیر ہو سکیں۔

پیارے بھائی! آپ ابھی بہت کم سمجھتے ہیں لیکن آہستہ آہستہ آپ ان سب باتوں کو جان جائینگے۔ جب تک شکتی کی رحمتیں ہمارے ساتھ نہیں ہوتیں، ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ میں نے امریکہ اور یورپ میں آکر کیا دیکھا ہے؟ شکتی کی پُوجا۔ قوّت کی عبادت۔ لیکن وہ یہ پوجا اجنبی پن سے کرتے ہیں، وہ مفہوم کو سمجھے بغیر یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ اور پھر صرف نفس پرستی کی خاطر کرتے ہیں۔ بھوگ وِلاس کے لئے کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس شکتی کو ماں سمجھ کر اس کی پوجا اور پرستش شروع کر دیں تو خیال کیجئے، اس سے کس قدر حیرت انگیز نتائج نکلیں گے۔ خوبیاں اور رحمتیں تبھی نازل ہو سکیں گی جب اس شکتی کی عبادت و پوجا باطنی صفائی، طہارتِ قلب سے کی جائے۔ اسے ساتوک آتما اور ساتوک شکتی سمجھ کر کی جائے۔ روز بروز میں اب ان سب باتوں کو زیادہ بہتر سمجھنے لگا ہُوں۔ میری چشم باطن اب کُھلتی جا رہی ہے۔ اس میں روز بروز کشادگی اور وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں سب سے پہلے ماں کے لئے مٹھ بنانا ہے۔ پہلے ماں اور ماں کی بیٹیاں، پھر باپ اور باپ کے بیٹے ـــــ کیا آپ میری بات کی تہہ تک پہنچ گئے؟

میرے نزدیک تو باپ کی عزت و توقیر سے کئی گنا زیادہ، ہزار ہا گنا زیادہ ـــــ ماں کی عظمت و رحمت اور برکت عزیز ہے۔ ماں کی آشیرواد۔ اس کی رحمت و برکت، اس کی شخصیت، میرے نزدیک عزیز ترین ہے مجھے معاف کر دینا! میں یہاں ماں کے بارے میں قدرے متعصب سا واقع ہوا ہوں۔ ماں کی آشیرواد مل جائے، اس کی شفقت و رحمت شاملِ حال ہو جائے تو ماں کے بھوت، اس کی طاقتیں، کیا کچھ نہیں کر سکتیں؟

بھگوان شری کرشن سچ مچ ہوئے ہیں یا نہیں، یہ سوال اکثر کیا جاتا ہے۔ ہم اِس بارے میں یقین و وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ جہاں تک بدھ اور چیتنیہ جیسے اوتاروں کا تعلق ہے، وہ ایک سے ایک رنگ سے تھے۔ ان میں سے سب سے آخیر میں جلوہ گر ہوئے پرم ہنس رام کرشن جو تھوڑا عرصہ ہُوا آئے۔ وہ ایک مردِ کامل تھے۔ وہ علم گیان۔ محبت و بھگتی۔ تیاگ اور ایثار۔ پاکیزگی اور نفس کشی، ریاضت و عبادت اور خدمتِ خلق کے جذبات سے معمور تھے۔ ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا پھر میں ان کو کس سے مشابہت دُوں۔ اگر ان کی یہ قدر و قیمت نہ ہوتی تو ان کا جنم اکارت جاتا۔ میری سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ میں ان کا سیوک اور غلام ہوں زندگی بھر ان کا رہوں گا اور زندگی کے بعد مر کر بھی ان کا ہی رہوں گا۔ ان کا ایک ایک لفظ میرے لئے ویدوں اور ویدانت کے سب اپدیشوں اور لفظوں سے زیادہ وزنی اور قابلِ احترام ہے

ـــــ اوہ! میں تو ان کے غلاموں کا بھی غلام۔ ان کے نوکروں کا بھی چاکر ہوں۔ لیکن ذرا سا بھی تعصب دل میں رکھیں تو ان کے اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اور میں اس سے بگڑ جاتا ہوں۔ کہیں اچھا ہوا گر ہم ان

کے اصولوں کو گوشہ گمنامی میں رکھ دیں، پھر دیکھئے ان کی تعلیمات کیا کیا اثر دکھلاتی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا پرم ہنس رام کرشن شہرت کے غلام تھے؟ آپ کو بھولنا نہیں چاہئے کہ یہ ماہی گیر اور ان پڑھ لوگ تھے، جنہوں نے یسوع مسیح کو خدا کہا تھا لیکن پڑھے لکھوں نے انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا اور انہیں تختہ دار پر لٹکا دیا۔ بھگوان بدھ کو دکانداروں اور گوالے بہت عزت و احترام سے پوجتے تھے۔ لیکن پرم ہنس رام کرشن کو تو لوگوں نے ان کی زندگی میں ہی پوجنا شروع کر دیا تھا۔ اور انیسویں صدی کے اختتام پر یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے آفت کے پرکالوں اور خوب پڑھے لکھے عظیم لوگوں نے انہیں مجسم خدا — ایشور اوتار کہہ کر پوجنا شروع کر دیا تھا۔ तस्य दासदासदासोऽहम्-

اور پھر کرشن، بدھ اور عیسیٰ کے متعلق کتابوں میں کچھ کچھ باتیں درج ملتی ہیں۔ لیکن پرم ہنس رام کرشن کے بارے میں نہ جانے کیا کچھ لکھا گیا ہے اور کتنا کچھ لکھا گیا ہے۔ ان کی شخصیت اس قدر سحر انگیز تھی کہ ہم دن رات ان کی صحبت میں گذارنے کے بعد بھی یہ کہنے پر مجبور ہوتے تھے کہ وہ ایشور کے اوتار ہیں۔

بھائی! امریکہ آنے سے پہلے میں نے ماں کو لکھا تھا کہ مجھے آشیرواد دو۔ مجھ پر اپنی شفقت کا ہاتھ رکھو۔ مجھے دعائیں دو۔ ماں کی آشیرواد ملتے ہی میں ایک ہی جست میں سمندروں کو پھاندتا ہوا، امریکہ پہنچ گیا۔ دیکھا آپ نے ماں کی شکتی کا پرتاپ! اس غضبناک سردی میں، میں امریکہ میں جگہ جگہ جا کر لیکچر دے رہا ہوں، اپدیش کر رہا ہوں اور ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کر رہا ہوں۔ تاکہ ماں کے مٹھ کے لئے رقم فراہم کی جاسکے۔

نرنجن[1] ذرا گرم مزاج ہے لیکن ماں کے لئے اس کے دل میں بے پناہ عقیدت ہے۔ میں اس کی دوسری سب باتیں درگذر کر سکتا ہوں۔ وہ اس وقت بہت شاندار کام کر رہا ہے۔ میں اس کے کام سے خوب واقف ہوں۔ آپ نے بھی مدراسیوں کے ساتھ اشتراک عمل اور تعاون دے کر بہت اچھا کیا ہے۔ میرے بھائی، مجھے تو آپ سے بہت زیادہ توقعات ہیں۔ آپ کو سب طرح کے لوگوں کو اس مشترکہ کارِ عظیم کو انجام دینے کے لئے متحد اور منظم کرنا ہے۔ جب آپ ماں کے لئے زمین حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، مجھے لکھنا، میں اسی وقت سیدھا ہندوستان چلا آؤں گا۔ اس غرض کے لئے قطعہ زمین بہت بڑا ہونا چاہیئے۔ خواہ شروع میں یہاں مٹی اور گھاس پھونس کی جھونپڑی ہی کیوں نہ بنانی پڑے۔ لیکن میں آہستہ آہستہ یہاں شاندار عمارت بنوا دوں گا۔ اس بارے میں آپ بالکل کوئی فکر نہ کریں۔

عـ[1] - سوامی نرنجن آنند جو سوامی وویکانند کے گرو بھائی تھے۔

جہاں تک ملیریا کا تعلق ہے اُس کی بڑی وجہ پانی ہوتی ہے۔ پھر آپ شفاف اور صحت افزا پانی لینے کے لئے دو نئین نلکے کیوں نہیں لگوا لیتے یا پھر آپ پہلے پانی کو اُبال لیا کریں اور پھر اُسے فلٹر (FILTER) سے چھان لیا کریں۔ اس طرح پانی بے ضرر ہو جائے گا۔ کھانا وغیرہ سب اس پانی میں پکائیں۔ مہربانی کر کے پہلے دو ڈسٹر کمپنی کے بنائے ہوئے بیکٹیریا صاف کرنیوالے فلٹر خریدیئے اور اس پانی کو ہی پینے میں استعمال کیجئے۔ پھر کبھی آپ ملیریا کا نام تک نہیں سن پائیں گے۔

اور کیا کہوں؟ بس کام کرتے جایئے، کام کرتے جایئے، کام کرتے جایئے۔ یہ تو ابھی "آغازِ کار" ہے

ہمیشہ آپ کا

وویکانند

20

امریکہ

1895

میرے پیارے ششی[1]!

کل مجھے آپ کا خط ملا جس میں کچھ کچھ خبریں تھیں، لیکن تفصیل کسی بات کی نہیں تھی۔ میں پہلے سے رو بصحت ہوں۔ ایشور کی کرپا اور اس پروردگار کی رحمت کا صدقہ ہے کہ میں اس بار کڑاکے کی سردی کی زد سے بچا ہوا ہوں۔ توبہ! یہاں کس بلا کی سردی پڑتی ہے! لیکن یہ لوگ جدید سائنسی ترقی اور علم کی مدد سے سردی کا زور کم کر دیتے ہیں۔ ہر ایک مکان میں ایک تہہ خانہ ہوتا ہے جہاں دن رات بھاپ بنتی رہتی ہے جو ہر ایک کمرے کو گرم رکھتی ہے۔ لیکن اس کا ایک نقص یہ ہے کہ کمروں کے باہر جب درجہ حرارت درجہ انجماد سے تیس، چالیس درجے نیچے ہوتا ہے، کمروں کے اندر گرمی ہوتی ہے جس سے سردی کھا جانے کا احتمال رہتا ہے۔ اکثر امیر لوگ سردیوں میں یورپ چلے جاتے ہیں جو نسبتاً زیادہ گرم برِّ اعظم ہے۔

اب آیئے، میں آپ کو کچھ ہدایات دوں۔ یہ خط آپ کے لئے ہے۔ ہر روز ان ہدایات کو ایک بار پڑھ لیا کریں اور ان پر عمل کیا کریں۔ مجھے سارد اکا خط مل گیا ہے۔ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ لیکن اب ہمیں تنظیم کی ضرورت ہے۔ انہیں، بھائی تارک اور دوسروں کو پیار اور آشیرواد دیں۔ یہ ہدایت میں آپ کو اس لئے دے رہا ہوں کیونکہ آپ میں نظم و نسق کی طاقت ہے۔ ایشور نے مجھے آپ کی اس صلاحیت کے متعلق بتا دیا ہے۔ لیکن یہ صلاحیت ابھی پوری طرح ترقی نہیں کر پائی۔ اس مالک کی رحم و کرم کی بدولت

[1] یہ نام سنیاس لینے سے پہلے کا ہے۔ اپنے گورو دیو، سوامی وویکانند سے سنیاس لینے پر ان کا نام سوامی رام کرشن آنند رکھا گیا تھا۔

یہ بہت جلد ترقی کر جائے گی۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کسی صورتِ حالات میں بھی دماغی توازن سے محروم نہیں ہوتے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ دماغی صلاحیت تیز، ذی حس، اور وسیع ہو جائے۔

1۔ سب شاستر، سب اعلےٰ روحانی کتابیں یہی کہتی ہیں کہ اس دنیا میں تین طرح کی جو جو آفتیں اور مصیبتیں ہیں، وہ سب قدرتی نہیں ہیں۔ اسلئے انہیں دُور کیا جا سکتا ہے۔

2۔ بھگوان بدھ کی صورت میں جلوہ گر ہو کر ایشور نے فرمایا ہے کہ ہر قسم کا آدمی بھوتک دکھ، یعنی وہ آفت و مصیبت جو اس عالمِ سفلی کے جانداروں، دوسرے الفاظ میں انسانوں کی پیدا کردہ ہے وہ سب جاتی بھید کی پیدا وار ہے۔ اس سچائی کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ ہر قسم کی جاعتی تفریق، خواہ وہ پیدائش کی وجہ سے ہو یا اَمارت کی وجہ سے یا دَولت و حشمت کی وجہ سے، ہر آفت ہر مصیبت اور ہر رنج کے پیچھے کار فرما ہوتی ہے۔ کہیں آتما، روح، میں جنس، نسل، ورن[1]۔ آشرم[2] یا دوسری کسی قسم کی کوئی تمیز و تفریق نہیں ہوتی۔ جیسے کیچڑ سے کیچڑ کو دھویا نہیں جا سکتا اسی طرح ان جاتی بھیدوں۔ تفریقوں اور تقسیموں کی حائت و امداد سے یگانگت اور ایکتا پیدا نہیں کی جا سکتی۔

3۔ ایشور نے بھگوان کرشن کی صورت میں نورُ افشاں ہو کر فرمایا تھا کہ سب دکھوں کی وجہ جہالت یعنی اودیّا ہے۔ اور صرف نِشکام کرم، ایثار نفسی سے کیا گیا فعل و عمل ہی نفس کی آلودگیوں کو پاک کرتا ہے۔ انہتکرن کو شُدھ بناتا ہے۔ لیکن - किं कर्म किमकर्मेति, "لیکن عابد اور سالک بھی اس تذبذب میں مبتلا رہے ہیں کہ کونسا کرم ٹھیک ہے اور کونسا کرم، اکرم ہے۔" (گیتا)

4۔ صرف وہی کام۔ وہی کرم، وہی فعل جس سے روحانی ترقی ہو، کرم اور فعل ہے۔ وہ کام، وہ فعل جس سے مادّہ پرستی بڑھے اور نفس کو لُقمہ ملے، اکرم ہوتا ہے۔

5۔ اس لئے کرم اور اکرم کا فیصلہ تو انسان کے اپنی میلانِ طبع، اس کے ملک اور اس کی عمر اور وقت کی نسبت سے کیا جا سکتا ہے۔

6۔ قربانیاں وغیرہ دینے کے کام اور کرم صرف عہد گذشتہ کے لئے تھے، عصر جدید میں ان کا کوئی کام نہیں۔

7۔ جس تاریخ سے پرم ہنس رام کرشن کی صورت میں ایشور اس دنیا میں ظہور پذیر ہوئے، اسی تاریخ سے ست یگ، سنہری زمانہ شروع ہو گیا ہے۔

8۔ اس انسانی جامہ میں (پرم ہنس رام کرشن کے زمانہ میں) ہر قسم کی دہریت، ہر قسم کا ناستک پن، گیان (علم)

---

[1] ورن چار قسم کے ہیں۔ برہمن۔ کھشتری۔ ویش اور شودر

[2] آشرم یعنی زندگی کے چار مدارج حسب ذیل ہیں۔ برہمچریہ۔ گرہست۔ بان پرست اور سنیاس

کی تلوار سے کٹ کر فنا ہو جائیگا۔ اور ساری دنیا میں بھگتی اور پریم، عبادت و محبت کی صورت میں یگانگت اور ایکتا پیدا کی جائے گی۔ اور پھر اس عہد میں، اس اوتار کے زمانہ میں (جس — یعنی شہرت و عزت کی خواہش، فنا ہو گئی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ وہ افراد خوش نصیب اور رنجتا در ہیں جو پرم ہنس رام کرشن کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔ خواہ بھگوان ایسے انسان کو قبول کرے یا ٹھکرا دے، اس بات کا کوئی خیال نہیں کرنا چاہئے۔

9۔ مختلف طبقوں کی بنیاد رکھنے والے جتنے افراد عہد گذشتہ میں ہو چکے ہیں یا اس زمانہ میں ہوئے ہیں، انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ انہوں نے بہت اچھا کیا۔ لیکن انہیں بہتر کام کرنا چاہئے تھا، بہتر ہی کیوں، بہترین کام کرنا چاہئے تھا۔

10۔ اس لئے جو شخص جس مقام پر کھڑا ہے، ہمیں اُسے وہیں سے، اسی مقام سے سنبھالنا اور اٹھانا ہے۔ اور اسے اعلیٰ سے اعلیٰ اور ارفع سے ارفع خیالات کی طرف لے جانا ہے۔ اور ایسا کرتے ہوئے ہمیں اس کے ایمان و منتخب نظریات کو متزلزل نہیں کرنا۔ جہاں تک معاشرتی کیفیتوں کا تعلق ہے وہ جیسی ہیں، اچھی ہیں۔ لیکن انہیں بہتر بنانا ہو گا۔ بہترین بنانا ہو گا۔

11۔ اسی وجہ سے پرم ہنس رام کرشن کے اوتار میں عورت کو گورو مانا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے پرم ہنس نے کتنی ہی دیر تک عورتوں کا سا لباس زیب تن کر کے جنسی امتیاز سے اوپر اُٹھنے کی غرض سے عورتوں کے رجحانِ طبع اور ان کے لباس کو اختیار کر کے عبادت و ریاضت کی اور اسی وجہ سے پرم ہنس نے عورت کی ماتا کو خدا کی تخلیقی قوت کا نمائندہ کہا ہے۔

12۔ اس دنیا میں اس وقت تک کوئی بہتری اور کوئی اصلاح نہیں ہو سکتی، جب تک عورتوں کی حالت نہیں سنواری جاتی اور ان کو اوپر نہیں اُٹھایا جاتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ پرندہ ایک پر سے اُڑ سکے۔ اُڑنے کیلئے اُسے دونوں پروں کی ضرورت ہے۔

13۔ یہی وجہ ہے کہ میں سب سے پہلے عورتوں کے لئے مٹھ شروع کرنا چاہتا ہوں۔ اس مٹھ سے گارگی اور میتری ایسی دیویاں نکلیں گی۔ بلکہ ایسی عورتیں نکلیں گی جو گارگی اور میتری سے بھی کہیں زیادہ اعلیٰ اور اونچی منزلوں کو سر کر چکی ہوں۔

14۔ مکر و فریب سے کوئی کام انجام نہیں ہو سکتا۔ صرف محبت، حقیقت پسندی، اور بے پناہ ہمت و قوت سے ہی کارہائے نمایاں انجام دیئے جا سکتے ہیں۔ तत कुरु पौरुषम اسلئے اپنی قوت مردمی کو آشکار کرو۔

15۔ کسی شخص سے لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ آپ دوسروں کو اپنا پیغام دیں لیکن ان کے خیال

وجذبات کو نہ چھیڑئیے فتح سچائی اور راستی کی ہوتی ہے۔ کفر اور کذب کی نہیں सत्यमेव जयते नानृतम्

तदा किं विवादेन۔ پھر کیوں لڑیں جھگڑیں؟

.... اپنی خو کو بچوں کی طرح بے ریا بنا لیجئے لیکن اس میں سنجیدگی اور متانت پیدا کیجئے۔ سب سے مل جل کر رہئیے۔ ہر قسم کی خودی۔ خود ستائی ترک کر دیجئے اور کسی قسم کی تنگ نظری اور تعصب سے کام نہ لیں۔ بے سبب تکرار اور فضول بحث ومباحثہ بہت بڑا گناہ ہے۔

.... سارداکے خط سے مجھے پتہ چلا ہے کہ ن ..... گھوش نے مجھے یسوع مسیح سے مشابہت دی ہے۔ اور اسی قسم کی دوسری باتیں کی ہیں۔ ایسی باتیں ہمارے ملک، ہندوستان میں چاہے گھر گھر پہنچائی جائیں، لیکن اگر یہ باتیں چھپی ہوئی تحریر کی صورت میں یہاں بھیجی جائیں تو احتمال وخدشہ ہے کہ میری رسوائی اور بے عزتی نہ کر دی جائے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں کسی شخص کے ایمان وعقیدہ میں مُنتر راہ نہیں بننا چاہتا ـــــ کیا میں مشنری یا مبلغ ہوں؟ اگر کالی نے ابھی تک ایسی تحریریں یہاں نہ بھیجی ہوں تو اُسے کہئیے کہ ایسا نہ کرے۔ مجھے صرف خطبہ درکار ہے۔ وہ ایڈریس بھیج دیجئے جو پڑھا گیا ہو۔ لیکن روئداد کی تفصیلاً بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اب اس ملک کی بہت سی معزز خواتین اور مرد مجھے عزت وتکریم سے دیکھتے ہیں۔ عیسائی مشنریوں اور ان کے دوسرے ہم خیال لوگوں نے انتہائی کوشش کی کہ مجھے ذلت وناکامی ملے لیکن اپنی کوششوں کو اکارت اور بے سود دیکھ کر، اب وہ خاموش ہو گئے ہیں۔ ایسا ہونا ضروری تھا۔ کیوں کہ ہر کام کو بہت سی مشکلات میں سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔ حق وصداقت کا بول بالا اسی صورت میں ہوتا ہے اگر کوئی شخص اس پر امن وچین سے عمل کرے۔ میرے خلاف کسی مسٹر مڈسن نے جو کچھ کہا ہے مجھے اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں، دوسری بات یہ کہ جواب دینے کا مطلب ہوگا کہ میں اپنے آپ کو مسٹر مڈسن ایسے قماش کے لوگوں کی سطح پر گرا دوں۔ آپ کیا پاگل ہو؟ کیا میں اتنی دوری پر بیٹھا ایک مسٹر مڈسن سے لڑوں؟۔ ایشور کی کرپا اور مالک کا فیض وکرم ہے کہ یہ لوگ جو مسٹر مڈسن سے بہت بلند اور برتر ہیں میری باتیں توجہ وعقیدت سے سنتے ہیں۔ براہ کرم مجھے اس سلسلے میں مزید کاغذات نہ بھیجئے۔ ایسی باتیں ہندوستان میں ہونے دیجئے۔ ان سے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ ایشوری کام کے لئے، ادبی کام کے لئے، ایک وقت ایسے اخباری چرچا کی ضرورت تھی۔ لیکن اب اس کی کوئی ضرورت نہیں .... عزت وشہرت کے ہمر کاب یہ برائی بھی آتی ہے کہ آپ کوئی بات چھپا کر نہیں رکھ سکتے ...... کوئی بھی کام شروع کیجئے، پہلے پرم ہنس رام کرشن سے پرارتھنا اور دعا کیجئے۔ وہ آپ کی رہنمائی کریں گے اور جادۂ راستی میں آپ کی امداد بھی کریں گے۔ شروع میں ہمیں بڑے قطعۂ زمین کی ضرورت ہے۔ پھر عمارت بنے گی اور دوسری باتیں درکار ہوں گی۔ آہستہ آہستہ ہمارا

مٹھ بن کر رہے گا۔ اس میں آپ بالکل کوئی فکر و تشویش نہ کریں۔

کالی اور دوسروں نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ انہیں میرا پیار اور آشیرواد دیں۔ مدراس کے لوگوں کے ساتھ سلوک و اتحاد کے ساتھ کام کیجئے۔ اور آپ میں کوئی نہ کوئی کبھی کبھار جاتا رہے۔ عزت و شہرت، نام و نمود اور طاقت و اختیار کی ہر آرزو کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے دل سے نکال باہر کرو۔ جب تک میں زندہ و سلامت ہوں، پرم ہنس رام کرشن میرے ذریعہ، میری وساطت سے، کام کر رہے ہیں۔ اور جب تک آپ اس بات میں ایمان و اعتماد رکھتے ہیں، تب تک کوئی بُرائی یا خطرہ آپ کے سایہ کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔

رام کرشن پنتھی ـــــ (پرم ہنس رام کرشن کی بنگالی زبان میں منظوم سوانح حیات) جو اکشے نے مجھے بھیجی ہے، بہت اچھی تصنیف ہے۔ لیکن اس کی ابتدا میں شکتی ارادھنا اور شکتی پوجا نہیں، جو ایک بہت بڑا نقص ہے۔ انہیں کہیئے کہ اس کتاب کے اگلے ایڈیشن میں اصلاح کر لیں۔ ہمیں یہ بات ہر وقت ملحوظ نگاہ رکھنی چاہیئے کہ ہم دنیا کی نگاہوں کے سامنے کھڑے ہیں۔ اور لوگ ہمارے ہر قول و فعل کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھئے اور کام کرتے چلئے۔

اپنے مٹھ کے لئے قطعہ اراضی حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ اگر یہ قطعہ کلکتہ سے کچھ فاصلہ پر بھی ہو تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم جہاں کہیں مٹھ بنائیں گے، وہاں ایک انقلابی لہر دوڑ جائے گی۔ اور ایک ارتعاش سا پیدا ہو کر رہے گا۔ ماہم چودھری کے بارے میں مجھے سب کچھ جان کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ ایک معمولی سی جگہ مقدس گیا کا روپ دھارن کر گئی ہے۔ وہ کہاں ہے؟ مہربانی کر کے، اسے، شری یُت ہجوئے گوسوامی اور اپنے دوسرے دوستوں کو میرا آشیرواد اور پیار دیں۔

اپنے مخالف کو تسخیر کرنے کے لئے، انسان کو تلوار اور ڈھال چاہیئے۔ اس لئے بہت توجہ سے انگریزی اور سنسکرت سیکھئے۔ کالی کی انگریزی میں اب نکھار آتا جاتا ہے۔ لیکن سارادا کی انگریزی ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ سارادا سے کہئے کہ وہ لچھے دار انگریزی لکھنے کی عادت ڈالے۔ کسی غیر ملکی زبان میں لچھے دار انداز میں لکھنا بہت مشکل ہے۔ میں دل شکنی نہیں کرتا۔ بہت بہادر اور دل گردے والا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ سب نے کمال کر دیا ہے۔ بہادر لڑکو! آپ نے خوب کام کیا ہے۔ ابتدا بہت شاندار اور لاجواب ہے۔ اس طریقہ سے کام کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلئے۔ اگر آپ میں حسد کا مادّہ پیدا نہیں ہوتا تو آپ کو کسی بات سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ مسکرائیے، خوش باش رہئے۔ मद्भक्तानाञ्च माभेः
"جو میرے نام لیواؤں کی خدمت کرتے ہیں میرے ये भक्तास्ते मे भक्ततमा मताः

ہی نام لیوا ہیں۔" آپ سب کو تھوڑا بہت علم سیکھنا چاہیئے۔ میں سرِدست ہندوازم ــــ ہندو دھرم کے بارے میں کوئی کتاب نہیں لکھ رہا۔ لیکن میں اپنے خیالات قلمبند کرتا جا رہا ہوں۔ ہر مذہب ایک اظہار ہے ــــ ایک سچائی کو اظہار کرنے کی ایک زبان۔ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ اپنی زبان میں گفتگو کرنی چاہیئے۔ اس بات کو "دھن!" ۔ ۔ ۔ ۔ سمجھ گئے ہوں گے، یہ بہت اچھی بات ہے۔ مت خیال کیجئے کہ اگر میں یہاں اس ملک میں ہندو دھرم کے متعلق اپدیش کروں تو زیادہ لوگ میری طرف کھچے چلے آئیں گے۔ خیالات کے بارے میں ذراسی تنگ نظری سے یہ لوگ بیزار ہو جائیں گے۔ اصل بات ہے ــــ وہ مذہب اور وہ دھرم، جس کا اپدیش پرم ہنس رام کرشن نے دیا۔ ہندو اسے ہندو مت کہتے ہیں تو کہتے رہیں۔ لیکن دوسروں کو آزادی دیجئے کہ وہ اس مذہب اور دھرم کو جس نام سے چاہیں پکار سکیں۔ اس مذہب و دھرم کے پرچار کے لئے آپ کو خراماں خراماں آگے بڑھنا چاہیئے۔

"انسان کو سنبھل سنبھل کر سفر کرنا چاہیئے" دیناناتھ کو جو نیا نیا بھرتی ہوا ہے، آشیرواد دیں۔ میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ میں کچھ لکھ سکوں۔ ہر وقت لیکچر، لیکچر اور لیکچر۔ میرا تو پیغام یہی ہے، پاکیزگی صبر و تحمل اور شکر و استقلال ــــ آپ سے بہت سے افراد جو سُن سُنا کر پرم ہنس شری رام کرشن کی تعلیمات کی طرف کھچے آرہے ہیں، انہیں کہیئے کہ روپیہ پیسے سے آپ کی امداد کریں۔ اگر وہ آپ کی اس طرح امداد نہیں کرتے تو پھر آپ کس طرح چلائیں گے؟ یہ بات ان سب پر واضح کر دینے میں آپ کو شرم و حیا محسوس نہیں کرنی چاہیئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس ملک سے میری واپسی کو جلد سے جلد کروانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں نکالی گئی ہلکی سی آواز بھی وہاں ایک طوفان پیدا کر دے گی۔ اور پھر یہاں کے لوگ بہت امیر ہیں اور فراخ دلی سے دولت دیتے ہیں۔ لیکن اس کے خلاف میرے ملک کے لوگ نہ تو اتنے امیر ہیں اور نہ ہی ان کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ وہ شاہ خرچ ہوں۔

سب باتوں کو آپ آہستہ آہستہ سمجھ پائیں گے۔ کیا شری پرم ہنس رام کرشن محض ہندوستان کے نجات دہندہ تھے؟ اسی تنگ نظری اور متعصب فکری نے ہندوستان کو تباہی دکھائی اور جب تک اس تنگ نظری اور متعصب فکری کا قلع قمع نہیں کر دیا جاتا، تب تک ہندوستان کی فلاح و بہبود ناممکن رہے گی۔ میرے پاس روپیہ ہوتا تو میں آپ میں سے ہر ایک کو ساری دنیا میں بھیج دیتا۔ جب تک انسان اپنے تنگ و تاریک گوشہ سے باہر قدم نہیں رکھتا، اس کے دل و دماغ میں کوئی بڑا خیال نہیں آسکتا۔ وقت آئے گا، آپ میرے الفاظ کی صداقت کی تائید کرنے لگیں گے۔ اور پھر ہر بڑی کامیابی آہستہ آہستہ ظہور

پذیر ہوتی ہے۔ مالک کی یہی مرضی ہے۔ اس پروردگار کی یہی رضا ہے۔

آپ میں سے کوئی بھی مجھے دکش اور ہرشیش کے بارے میں کیوں نہیں لکھتا۔ میں شکرگذار ہونگا اگر آپ میں سے کوئی ان کا اتہ پتہ ڈھونڈ نکالے۔ سانیال اِس لئے افسردہ خاطر اور پژمردہ ہے کہ اس کا دل ابھی تک گنگا جل کی طرح نرمل اور صاف وشفاف نہیں ہوا۔ وہ ابھی خودغرضی سے اوپر نہیں اُٹھا۔ لیکن آہستہ آہستہ بے نفس اور بے غرض بن جائے گا۔ اس کے دل میں جو تھوڑا بہت کھوٹ ہے، اُسے ترک کر دے اور راست روی اختیار کرلے تو اس کی ساری پریشانی اور پژمردگی مٹ جائیگی۔ راکھل اور ہری کو خاص آشیرواد دیں۔ ان کا خوب خیال رکھیں۔ مت بھولئے کہ راکھل کو شری رام کرشن خاص شفقت اور محبت سے نوازا کرتے تھے۔ کبھی کسی سے مت ڈریئے۔ جب تک بھگوان کی کرپا ہمارے ساتھ ہے۔ اس کی رحمت ہمارے سر کے اُوپر ہے تب تک کس میں ہمت ہے جو ہمیں دبا سکے۔ چاہے جینا دوبھر ہو جائے، لیکن کبھی کسی سے خوف مت کھایئے۔ شیر جیسی ہمت وقوت کے ساتھ کام کرتے چلئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کا دل پھول کی طرح نرم ونازک رہنا چاہیئے۔ اس برس پرم ہنس رام کرشن کا میلہ اور جشن خاص اہتمام سے منائیے۔ اس مرتبہ کھانا کھلانے کا پروگرام بہت سیدھا سادا رکھیئے۔ سنگت میں آئے کسوروں میں پرشاد بانٹ دیجئے۔ اس سے کام چل جائے گا۔ شری رام کرشن کے سوانح حیات کو کو پڑھا جائے۔ ویدوں اور ویدانت ایسی مقدس کتابوں کو ایک ساتھ رکھیئے اور ان کے سامنے آرتی اُتاریئے پُرانے طرز کے دعوتی کارڈ جاری کرنے کا رواج ختم کردیں ——— आमन्त्रये भवन्तं साशीर्वादं

— भगवतो रामकृष्णस्य हुमानपुरःसरञ्च ——— "بھگوان شری رام کرشن کی آشیرواد اپنی محبت کے ساتھ ہم آپکو مدعو کرنے میں مسرت محسوس کرتے ہیں" ایسی ہی کوئی عبارت لکھیئے اور تب یہ بھی لکھ دیجئے کہ شری رام کرشن میلہ کے اخراجات پورے کرنے کیلئے اور مٹھ چلانے کیلئے آپ کو ان کی امداد کی ضرورت ہے۔ اور اگر وہ چاہیں تو براہِ کرم وہ رقم فلاں پتہ پر فلاں فلاں آدمی کو بھیج دیں۔ دعوت نامہ کے ساتھ ایک آدھ انگریزی کا صفحہ بھی شامل کردیں۔ لارڈ ——— رام کرشن، کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہمیشہ بھگوان رام کرشن لکھیئے۔ انگریزی میں بھی بھگوان رام کرشن لکھیئے اور اس کے ساتھ ایک دو سطریں انگریزی کی اور لکھ دیجئے۔

بھگوان شری رام کرشن کی برسی

مکرمی ومحترمی! ہم انتہائی مسرت کے ساتھ آپکو مدعو کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ مل کر ——— بھگوان رام کرشن پرم ہنس کی .... ویں برسی منائیے۔ اس عظیم تقریب کے انتظام اور عالم بازار مٹھ کو چلانے کیلئے روپے پیسے کی اشد ضرورت ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ مقصد اور عزم آپکی ہمدردی کا مستحق ہے تو ہم اس

کارِ عظیم کے لئے دِلی شکریہ کے ساتھ آپ کا چندہ وصُول کریں گے۔

آپ کا خیر اندیش

(نام)

اگر آپ کو ضرورت سے زیادہ روپیہ حاصل ہو جائے تو اس میں بہت تھوڑا خرچ کیجئے اور وافر روپیہ کو اپنے اخراجات پورا کرنے کیلئے جمع رکھیئے۔ بھگوان کو بھوگ لگانے کے نام پر ہر ایک شخص کو اتنی دیر تک منتظر رکھیئے کہ اس کی آنتیں لاحول پڑھنا شروع کر دیں اور تب جا کر اُسے بے مزہ سا نکما سا کھانا ملے۔ دو فلٹر بنوا لیجئے اور اس سے چھانا ہوا پانی ہی پینے کے لئے اور کھانا پکانے کیلئے استعمال کیجئے۔ یا پھر پانی کو استعمال کرنے سے پہلے اُبال لیجئے۔ ایسا کرنے سے آپ کو ملیریا کبھی نہیں ہوگا۔ ہر ایک کی صحت کا پورا پورا دھیان رکھیئے۔ آپ اگر زمین پر ٹاٹ بچھانا ترک کر دیں۔ دوسرے الفاظ میں اگر آپ کو ایسا کرنے کیلئے روپیہ مل جائے تو بہت اچھا رہے گا۔ گندے کپڑے بیماری کی بڑی وجہ ہے۔ جہاں تک کھانے کا تعلق ہے۔ میرا خیال ہے کہ میٹھے دُودھ چاول ۔۔۔ یا ئے ستا ٹھیک رہے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ سادھنا بھون ۔۔۔ عبادت کرنے والا کمرہ بہت سے افراد کے لئے بہت مفید ہے۔ لیکن راجسِک اور تامِسک بھوجن بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اِدھر اُدھر کے رواجوں اور رسموں کو ترک کر کے کہیں اچھا ہو کہ آپ گیتا کا تھوڑا بہت پاٹھ کریں۔ یا اُپنشد پڑھیں یا دوسری مقدس کتابوں کا مطالعہ کریں۔ میرے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس عروج پر مادّہ پرستی کم سے کم ہونی چاہئے اور روحانیت زیادہ سے زیادہ۔ کیا شری رام کرشن نے کسی ایک فرد کی خاطر یا کسی خاص قوم کے خاطر یا ساری دنیا کی خاطر اوتار لیا تھا؟ اگر انہوں نے اوتار ساری دنیا کے لئے لیا تھا، تب اب ان کی زندگی اور تعلیمات کو ایسی پہلو سے پیش کریں کہ ساری دنیا ان کو صحیح طور سے سمجھ سکے۔ ان کے زندگی کے متعلق لکھی گئی کسی کتاب سے آپ اپنے آپ کو وابستہ نہ کریں اور نہ ہی کسی مصنّف کی کتاب کی منظوری دیں۔ ایسی کتابیں جب تک ہمارے نام کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتیں، تب تک کوئی خطرہ یا نقصان پیدا نہیں کر سکتیں .... "سب کی سُن لیجئے، لیکن اپنے فیصلہ پر اٹل رہیں .... مہندر بابو کا ہزار ہزار شکریہ جو ہماری امداد کرتے ہیں۔ وہ بہت فراخدل انسان ہیں۔ .... جہاں تک سانیال کا تعلق ہے، اگر وہ اپنے کام کو توجہ اور یکسوئی سے کریں تو بہترین کام انجام دے سکتے ہیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شری رام کرشن کے بچوں کی خدمت کریں، بھائی تارک بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ شاباش؟ مرحبا!! اسی چیز کی ہمیں ضرورت ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ ستاروں کی طرح چمکیں اور دمکیں۔ گنگا دھر کیا کر رہا ہے۔ راجپوتانہ کے بعض زمیندار ان کی عزت کرتے ہیں اسے کہئے کہ ان سے بھکشا کے طور پر کچھ روپیہ حاصل کرے۔ میں اسے بھی مرد جانوں گا،

میں نے ابھی اکشئے کی کتاب پڑھی ہے۔ اسے میری طرف سے ہزار بار گلے سے لگائیے۔ اس کے قلم جواہر نگار کی صورت میں شری رام کرشن اپنے آپ کو پرگٹ کر رہے ہیں۔ وہ سچ ہی خوش نصیب ہے۔ اُسے چاہئے کہ وہ سب کے سامنے اپنی کتاب "پنتھی"، کو پڑھے۔ اسے برسی کے تقریب کے موقع پر سب کے سامنے پڑھنی چاہیئے۔ اگر یہ بہت لمبی ہو تو وہ اس میں سے کچھ حصّے پڑھ کر سنائے۔ مجھے تو اس کتاب میں ایک بھی بے محل یا غیر موزوں لفظ نہیں ملا۔ اس کتاب کو پڑھ کر مجھے جو خوشی ملی ہے میں اُسے لفظوں میں ادا نہیں کر سکتا۔ آپ سب کوشش کریں کہ اس کی زیادہ فروخت ہو۔ تب اکشئے سے کہیئے کہ وہ گاؤں گاؤں جا کر پرچار کرے۔ اکشئے! آپ کو شاباش! آپ نے کمال کر دیا۔ وہ اپنا کام خوب کر رہا ہے۔ گاؤں گاؤں جا کر سب میں شری رام کرشن کی تعلیمات کا پرچار کریں۔ اس سے زیادہ نیک بختی کا کیا کام ہو سکتا ہے؟ میں آپ سے کہتا ہوں کہ اکشئے اور اس کی کتاب سے عوام میں بجلی کی ایک رو دوڑ جانی چاہیئے۔ پیارے اکشئے! میرے بھائی، میں صدق دل سے آپ کو دعائیں دیتا رہتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ ایشور آپ کی زبان پر براجمان ہو اور آپ کی زبان پر سرسوتی بس جائے۔ جاؤ اور جگہ جگہ ان کی تعلیمات کا پرچار کرو۔ آپ کو بھی سنیاسی بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اکشئے بنگال کے عوام کا آئندہ ہادی اور مبلغ ہوگا۔ اکشئے کا بہت دھیان رکھیئے، اس کا ایمان، اس کا صدق رنگ لایا ہے۔ اس کی عقیدت ثمر ور ہوئی ہے۔

اکشئے سے کہیئے کہ وہ کتاب کے تیسرے حصّہ میں اعتقاد اور ایمان کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور لکھے۔

1۔ جو کچھ ویدوں اور ویدانت نے اور تمام اوتاروں نے ماضی میں کیا ہے، شری رام کرشن ان سب باتوں کو اپنی ایک واحد زندگی میں ان کو اپنے تجربہ میں لانے کے لئے زندہ رہے۔

2۔ جو کچھ ویدوں اور ویدانت میں لکھا ہے یا جو کچھ تمام اوتاروں نے کہا ہے اُسے اُس وقت تک سمجھا نہیں جا سکتا، جب تک پرم ہنس کی زندگی کو نہیں سمجھ لیا جاتا۔ کیونکہ وہ ان سب کی تعلیمات کی تفسیر تھے ان کی ذات سب کی وضاحت و تشریح تھی۔

3۔ جس دن ان کا جنم ہوا تھا، اسی دن سے ست یگ شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے تمام امتیازات مٹ جانے چاہئیں۔ اور چنڈال تک سب افراد کو اس سرمدی محبّت اور خدائی شفقت کا حصہ دار بننے کا حق ہے انسان کے درمیان جو تمیز و تفریق ہے۔ یہ مٹ جانی چاہئے۔ مرد اور عورت کے درمیان۔ امیر اور غریب میں، ان پڑھ اور تعلیم یافتہ میں، برہمن اور چنڈال میں جو فرق اور تمیز ہے وہ اُسے مٹانے کیلئے پیدا ہوئے تھے۔ وہ امن کے پیامبر تھے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان

جو اختلافات ہیں۔ وہ اب عہد ماضی کی باتیں بن کر رہ گئے ہیں۔

امتیازات کے متعلق جو لڑائی ہوا کرتی تھی اب دوسرے زمانے کی بات بن گئی ہے۔ اس ست یگ میں شری رام کرشن کی محبت کی لہر نے سب کو متحد کر دیا ہے۔

اسے کہیئے کہ وہ ان خیالات کو وضاحت دے کر اپنے اسلوب بیان میں اپنی کتاب میں شامل کرے۔

کوئی بھی ہو، مرد یا عورت، جو بھی شری رام کرشن کی پرستش کرے گا، وہ خواہ کسی قدر پست ارادہ کیوں نہ ہو وہ اسی وقت، وہیں اعلےٰ ترین، افضل ترین بن جائے گا۔ اور پھر ایک اور بات ہے۔ خدا کی مادریت اس اوتار میں سب سے زیادہ نمایاں تھی۔ شری رام کرشن اکثر عورتوں کا سا لباس پہنا کرتے تھے۔ اور وہ سچ مچ ہی ہماری ماں تھے۔ اور ہمیں ان کی طرح سب عورتوں کو اپنی ماں کی طرح جاننا اور سمجھنا چاہیئے۔

ہندوستان میں دو بہت بڑی خرابیاں ہیں۔ ایک ہے عورتوں کو لتاڑنا اور روندنا اور دوسری ہے غریبوں کو ذات پات کی پابندیوں میں پیسنا۔ وہ نہ صرف عورتوں کے نجات دہندہ تھے بلکہ عوام کے نجات دہندہ تھے، سچ تو یہ ہے کہ وہ سب کے، اعلےٰ اور ادنےٰ سب طبقوں کے سب لوگوں کے نجات دہندہ تھے۔ اکشے کو اپنا آرتی اور بھجن کا ہر جگہ پرچار کرنا چاہیئے۔ تاکہ برہمن یا چنڈال ہو۔ مرد ہو یا عورت۔ ہر ایک کو اُن کی پرستش اور پوجا کرنے کا حق مل جائے۔ جو بھی شخص ان کی پرستش صدق دل سے کریگا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے نصیب جاگ اُٹھیں گے۔

اسے کہیئے کہ اسی طرح کی باتیں لکھے کیسی بات کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں۔ مالک اسکے ساتھ ہے۔

آپ کا مخلص

وویکانند

نوٹ:۔ سانیال سے کہیئے کہ وہ مجھے ناردا اور شاندلیہ سوتر اور یوگ وششٹ، جس کا ترجمہ کلکتہ میں کیا گیا ہے، کا ایک ایک نسخہ بھیجے۔ میں یوگ وششٹ کا انگریزی ترجمہ چاہتا ہوں۔ بنگالی ترجمے کی مجھے ضرورت نہیں

21

54، ڈبلیو، 33 سٹریٹ۔ نیویارک

یکم فروری 1895

پیاری بہن! [1]

مجھے آپ کا خوبصورت خط ملا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھئی! کئی مرتبہ کام کی خاطر اچھے نظم وضبط کا اطلاق کرنا بہت اچھا رہتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ نظم وضبط اس حد تک کڑا ہو کہ ہم کریں کرائیں کچھ نہ اور صرف دوسروں کی محنت شاقہ کا ثمر کھائیں۔ آپ کی نکتہ چینی سے مجھے خوشی ہوئی ہے اور میں اس بارے میں کوئی رنج وافسوس نہیں کرتا۔ ابھی اگلے دن مس تھرسبی (Miss Thursby) کے مکان پر میری پریسبائی ٹیرین ـــــ عیسائی نوجوان سے گرما گرم بحث ہوگئی۔ اور جیسا دستور ہے یہ عیسائی پادری بہت برہم ہوگیا، غصّے سے لال پیلا ہوگیا اور گالیاں دینے پہ اُتر آیا۔ لیکن بعد ازاں مسز بُل Mrs. Bull نے اس کے لئے سرزنش کی کیوں کہ ایسی باتیں میرے کام میں سَدِّ راہ بن جاتی ہیں۔ یہی رائے آپ کی معلوم ہوتی ہے۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ آپ نے اس بارے میں ایسے وقت لکھا ہے، جب میں خود اس معاملہ پر بہت غور وفکر کر رہا تھا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے ایسی باتوں سے قطعاً کوئی رنج وافسوس نہیں، شاید اس سے افسردہ خاطر ہوگئی ہوں۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ دنیاوی بہتری کے لئے بھی خوش گفتار اور شیریں کلام ہونا بہت اچھا ہوتا ہے۔ میری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ میں میٹھا بولوں۔ لیکن جب حالات اس حد تک ابتر ہو جاتے ہیں کہ میرے دل کے اندر نہاں سچائی بھڑک اٹھتی ہے، تب میں رُک جاتا ہوں۔ میں عاجزی اور انکساری میں یقین نہیں رکھتا بلکہ سب افراد سے سب حالات میں سم درشٹی سے دیکھنے میں اعتماد رکھتا ہوں۔ یعنی حالات خود کچھ ہی کیوں نہ ہوں، میں سب کو ایک سی نظر سے دیکھنے کا قائل ہوں۔ عام انسان کا شیوہ حیات یہی ہونا چاہئے کہ وہ "ایشور، خدا" کی رضا و رغبت پر صبر وشکر کرے اور معاشرہ کے تقاضے پورے کرے۔ لیکن وہ انسان جو نور کی آل اولاد ہیں، جو اس جیو نرسے ایشور

---

[1] Miss Mary Hale.

[1] مس میری ہیل

امریکہ میں جب سوامی جی بے یار و مددگار شکاگو میں گھوم رہے تھے، تب انہیں ایک دن مسز جارج ڈبلیو ہیل نے اتفاق سے انہیں دیکھ لیا۔ وہ سوامی جی کو اپنے گھر لے آئیں، صدقدلی اور انتہائی گرمجوشی سے ان کی آؤ بھگت کی اور اس بات کا اہتمام کیا کہ سوامی جی مذاہب کی پارلیمنٹ میں شرکت کر سکیں۔ مس میری ہیل ان کی بیٹی تھیں

کے بچے ہیں وہ ایسا کبھی نہیں کرتے ۔ یہ ایک ابدی قانون ہے ۔ پہلے زمرہ کے لوگ ۔ یعنی عام انسان کیا کرتا ہے، اپنے آپ کو حالات کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے ۔ اور معاشرے کی آواز اور اس کے رسم و رواج کے مطابق اپنے آپ کو نبھا لیتا ہے اور اس کی بدولت معاشرے اور سماج سے، جو اس دنیا میں سب کچھ دینے والا ہے، سب کچھ حاصل کر لیتا ہے ۔ لیکن دوسری قسم کا انسان ان سب سے دُور اکیلا کھڑا ہوتا ہے اور سارے معاشرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے ۔ جو دنیا کو راہ دیتا ہے اور دنیا کی راہ پر چلتا ہے دنیا اس کی راہوں پر پھول بکھیرتی چلی جاتی ہے ۔ لیکن جو دنیا سے الگ رہتے ہیں، اور اپنے نظریات کو دنیا کے نظریات کے مطابق نہیں ڈھالتے، بلکہ اپنے اصُولوں پر قائم رہتے ہیں، دنیا ان کی راہوں پر کانٹے بکھیر دیتی ہے ۔ لیکن وہ جو پھولوں پر چلے تھے، جو معاشرے کے سانچے میں ڈھل گئے تھے، وہ جلد فنا ہو جاتے ہیں ۔ ان کا نام لینے والا تک کوئی نہیں رہتا ۔ لیکن جو حق و صداقت کے پجاری اور اصُول کے بندے تھے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں ۔

میں تو حق و صداقت کو اُس قوتِ بے حدو کنار ـــــ ایشوری تپسیا کو گھلانے والا، جلا دینے والا عنصر کہتا ہوں ۔ یہ جس پر پڑے گا، اُسے جلا کرے گا ۔ نرم و نازک شے کو فوراً اور سخت اور کڑی شے کو ذرا دیر میں، لیکن یہ جلائے گا ضرور ۔ اُسے گھلا کر رکھ دے گا ۔ یہ قانون قدرت ہے جو اٹل ہے ۔ نہ میں اُسے تبدیل کر سکتا ہوں اور نہ کوئی اور اس میں ترمیم کر سکتا ہے ۔ میری بہن مجھے افسوس ہے، بہت افسوس ہے کہ میں ہر کذب و کفر کو قبول کرنے کے لئے شیریں کلام یا چرب زبان نہیں بن سکتا ۔ میں اپنے آپ کو دنیا کے سانچے میں نہیں ڈھال سکتا ۔ میں نے ساری زندگی اسی اصول کی وجہ سے تکلیفیں اور اذیتیں اُٹھائی ہیں ۔ لیکن میں اصول پرستی اور حق و صداقت کا دامن نہیں چھوڑ سکتا ۔

میں نے کوششیں کر کے بھی دیکھ لیا ۔ لیکن نہیں، میں ایسا نہیں بن سکتا ۔ اب میں نے اپنے دل سے یہ اُمید نکال دی ہے کہ میں تبدیل ہو سکتا ہوں ۔ بھگوان، پرماتما، خدا عظیم ہے ۔ اکبر ہے وہ مجھے ریاکار اور کفر پرست بننے کی اجازت نہیں دے سکتا ۔ خواہ اس کے نتائج کچھ بھی کیوں نہ ہوں میں حالات اور نتائج کی پروا نہیں کروں گا اور ان سے ڈر کر حق پرستی کی اپنی ڈگر کو نہیں چھوڑوں گا ۔ ہیں وہ گرُ کیسے سیکھ لوں، جس سے میں سب کو خوش کر لوں اور سب کی خوشنودی کا حقدار بن جاؤں میں کیا کروں مجبُور ہوں ۔ معذور ہوں ۔ اور وہی کچھ بنا رہوں گا جو میں حقیقتاً ہوں ۔ اور کسی بھی قیمت پر اپنی خو نہیں بدلوں گا ۔ حُسن و شباب فنا ہو جاتے ہیں ۔ دولت اور زندگی مٹ جاتی ہے ۔ شہرت و عزت فنا ہو جاتی ہے ۔ حتیٰ کہ پہاڑ بھی ٹوٹ کر ریزہ ریزہ بن کر، خاک میں مل جاتے ہیں ۔ دوستی اور محبت

بھی فنا ہو جاتی ہے۔ دنیا کی ہر شے کو فنا ہونا ہے۔ یہ فنا ہو کر ہی رہتی ہے۔ صرف حق و صداقت باقی ہے اور لافنا ہے" اے حق و صداقت کے خدا! اے میرے ستیہ کے ایشور! صرف تم، میری رہبری اور رہنمائی کرنا۔ میں اب اتنا عمر رسیدہ ہو گیا ہوں کہ میں چاہوں بھی تو شیر و شکر کی طرح لذیذ اور میٹھا نہیں بن سکتا جو کچھ میں ہوں، مجھے وہی کچھ بنا رہنے دیجئے۔" ہر خوف و خطرہ سے بلند اُٹھ کر "جا بابو جی اور ابن الوقتی چھوڑ کر، سنیاسی! تم دوست و دشمن کی پروا نہ کرو۔ اُور جو دنیا کہتی ہے، اس کو خاطر میں نہ لاؤ اور صرف حق و صداقت کی پرستش کرو۔ اس سے چمٹے رہو۔ اس کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دو۔ اور اس وقت کے بعد اِس اور اُس دنیا کی پروا کرنی بند کر دو۔ اور جو کچھ ان دونوں دنیاؤں میں ہونا ہے، سب بے ثبات مسرّتوں اور ہر طرح کے کبر و غرور، ہر قسم کی خود نمائی اور خود ستائی کو ترک کر دو اور دعا کرو کہ حق و صداقت اور صرف حق و صداقت، تمہاری رہبری اور رہنمائی کرے۔،،

بہن! مجھے نہ دولت کی چاہ ہے۔ نہ امارت کی بھوک ہے۔ نہ شہرت کی ہوس ہے اور نہ عزّت و ناموس کی خواہش ہے۔ یہ سب کچھ میرے لئے ہیچ، بے قیمت اور بے کشش ہے۔ میں تو اپنے بھائی بہنوں کی بھلائی، اُن کی فلاح و بہبود کے لئے آیا ہوں۔ خدا کا فضل و کرم ہے کہ مجھے روپیہ پیدا کرنے اور روپیہ کمانے کے ڈھنگ نہیں آتے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس مادّی اور بے ثبات دنیا کی لذّتوں یا خوش نمائیوں کا دلدادہ اور پرستار کیسے بن جاؤں! اور میرے اندر جو حق و صداقت کا نور موجزن ہے، اس کی تعمیلِ اِرشاد نہ کروں؟ حق و صداقت کی آواز کو نہ سنوں۔ بہن! یہ دل اور نفس کمزور ہے اور بعض اوقات، کبھی کبھی خود کار مشین کی طرح بعض دنیاوی امداد پر بھروسہ کر بیٹھتا ہے اور اس پر اٹک جاتا ہے۔ لیکن میں بے خوف اور نڈر ہوں۔ میرا دھرم اور مذہب کہتا ہے کہ خوف و خطر کا احساس سب سے بڑا گناہ ہے۔

عیسائی پادری کے ساتھ میری آخری لڑائی اور اس کے بعد مسز بُل Mrs. Bull کے ساتھ جو تکرار ہوئی اس نے مجھے مَنُو کے ان الفاظ کے حقیقی معنی سمجھا دیئے ہیں جو مَنُو نے ایک سنیاسی سے کہے تھے۔ مَنُو نے کہا تھا "اکیلے رہو۔ اکیلے چلو" سب دوستیاں۔ سب یارانے۔ سب محبّتیں۔ سب دلداریاں صرف بندھن اور رکاوٹیں ہیں۔ کوئی بھی دوستی اور محبّت، بالخصوص عورتوں کی، سرے نہ چڑھ سکی۔ اور اس نے ہمیشہ دھوکا دیا۔ او! عظیم ترین سالکو، عابدو اور رشیو! آپ نے سچ ہی فرمایا تھا۔ جو آدمی کسی دوسری ذات پر تکیہ رکھتا ہے اور کسی دوسری ہستی پر بھروسہ رکھتا ہے وہ حقیقی معنوں میں حق و صداقت کے خدا کی صحیح خدمت نہیں کر سکتا۔ اے میری روح پھر ٹھہر، پھر ٹھہر! استقامت، سکون و اطمینان سے کام لے۔ اکیلی رہ، اکیلی چل، پروردگار تیرے ساتھ

رہے گا۔ زندگی کچھ بھی نہیں۔ موت بھی ایک چھلاوہ ہے۔ یہ سب چیزیں فانی ہیں، باقی ہے صرف خدا کا نام۔ اس لئے اے میری روح! خوف نہ کھا۔ ڈرمت! شامِ زندگی اب قریب قریب ہے۔ مجھے بہت جلد اپنے اصل گھر جانا ہے۔ میرے پاس اتنا وقت ہی باقی نہیں ہے کہ میں اپنے اطوار وسلیقوں کی مناسب تراش خراش کر سکوں اور انہیں سنوار سکوں۔ میرے پاس تو اب اتنا وقت بھی نہیں کہ میں اپنا سارا پیغام دنیا کو دے سکوں۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ بہت مہربان ہیں۔ میں آپ کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ اور دیکھنا! میرے ساتھ خفا نہ ہونا" میں تو آپ سب کو بچوں کی طرح سمجھتا ہوں۔

اے روح! خواب مت لے۔ مزید سپنے دیکھنے بند کر دے مجھے اپنا پیغام ایک لفظ میں دینا ہے۔ مجھے اتنی فرصت کہاں کہ میں میٹھے میٹھے الفاظ تلاش کرتا پھروں۔ شیریں کلام بننے کی ہر کوشش مجھے ریاکار بنا دیتی ہے۔ میں ظاہر کچھ، باطن کچھ، رکھنے والی زندگی سے ہزار بار مر جانا زیادہ پسند کروں گا۔ میں راہِ راست اور حق وصداقت پر چلوں اور اس بے وقوف دنیا کے، خواہ یہ دنیا میرے ملک میں ہو یا کسی دوسرے ملک میں، اشاروں پر رقص کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا۔ آپ اگر مسز بُل کی طرح ہی سمجھتی ہیں کہ مجھے ایک کام کرنا ہے۔ ایک کارِ عظیم انجام دینا ہے تو آپ غلطی پر ہیں۔ سراسر غلطی پر ہیں۔ اس زندگی میں یا اس کے بعد، مجھے کوئی کام نہیں کرنا۔ مجھے تو صرف ایک پیغام دینا ہے اور اس پیغام کو اپنے مخصوص انداز سے دوں گا۔ میں اس پیغام کو نہ ہندوانہ لباس دوں گا نہ عیسائیوں کے رنگ میں رنگوں گا اور نہ ہی اُسے تعصب کا کوئی جامہ پہننے دوں گا۔ میں اسے اپنا مخصوص پیغام سمجھتا ہوں اور اسے ایسا ہی رہنے دوں گا۔ مکتی اور آزادی — موکش — میرا مذہب ہے اور جو شئے بھی اس کے راستے میں رکاوٹ بنے سدِّراہ ثابت ہوگی، اسے میں دُور کر کے رہوں گا خواہ اس کے لئے مجھے دوسروں سے لڑنا پڑے یا خواہ دوسرے میرے ساتھ لڑنے پر اُتر آئیں۔

ہونہہ! میں ان پنڈتوں، پادریوں اور دھرم کے ٹھیکیداروں کو رام کرنے کی کوششیں کرتا پھروں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہن میرے الفاظ کے غلط معنی اخذ نہ کرنا۔ آپ سب بچے ہیں اور بچوں کا فرض ہے کہ اطاعت وانکساری سے دوسروں سے کچھ سیکھیں۔ ان کا شیوہ ہی ہے دوسروں سے کچھ سبق حاصل کرنا۔ آپ نے ابھی اس آبِ زمزم — آبِ کوثر — اس امرت کو نہیں چکھا جسے پی کر" دلیل ومنطق بیکار ہو جاتی ہے۔ موت حیاتِ جاوداں بن جاتی ہے۔ فانی، باقی بن جاتا ہے۔ دنیا ہیچ نظر آتی ہے۔ اور انسان سچ مچ خدا بن جاتا ہے۔"

اگر ممکن ہو سکے تو اس حماقت وجہالت سے، جسے لوگ دنیا کہتے ہیں، باہر نکل آؤ اور اپنے آپ کو آزاد

کرو۔ میں آپ کو اسی وقت دلیر، نڈر اور بہادر کہوں گا۔ ایسا نہیں کر سکتیں تو ان کفن بردوشوں اور عالی ہمتوں اور نڈر انسانوں کا خیر مقدم کرو۔ انہیں شاباش دو جو دنیا کے جھوٹے خداؤں سے ٹکر لیتے ہیں اس جھوٹے معاشرہ سے ٹکرا جاتے ہیں اور اسے زمین ریز کر دیتے ہیں۔ اور اس کی مکروہ ریاکاری کا دام تار تار کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اگر آپ یہ کام کبھی نہیں کر سکتیں؟ تو خاموشی اور تنہائی میں بیٹھ کر دعا مانگو کہ وہ کامیاب رہیں۔ لیکن انہیں کسی بھی صورت میں سراب اور چھلاوے کی طرف مت گھسیٹو! انہیں مکر و ریا کے پھندے میں پھسلانے کی کوشش مت کرو۔ اور شیریں کلام یا میٹھے مزاج کے بن کر ان کے ساتھ سودا بازی کرنے پر مجبور نہ کرو۔

مجھے اس دنیا۔ اس خواب، اس ہولناک سراب اور دھوکہ سے نفرت ہے جس میں گرجا گھر، مسجدیں اور مندر سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ جس میں مقدس کتابیں اور اس کے منہ بولے ٹھیکے دار اور محافظ سینہ تانے کھڑے ہیں۔ جس دنیا میں رہنے والوں کے منہ روشن لیکن دل تاریک ہیں۔ جہاں ایسے انسان بستے ہیں جو منہ سے حق و صداقت کے نعرے لگاتے ہیں۔ لیکن جن کے دل میں کفر و کذب بھرا پڑا ہے۔ اور جس میں لوگ مذہب کے نام پر مقدس دکانیں سجائے بیٹھے ہیں۔ کہاں وہ، کہاں میں! ہونہہ! بہن! کیا تم سنیاسی کو جانتی ہو! بھگوان وید کہتے ہیں کہ سنیاسی وہ ہے جو ویدوں کا سرتاج ہو" کیوں کہ وہ سب مندروں، مسجدوں، گرجا گھروں، مذہبوں، فرقوں، پیغمبروں اور مقدس کتابوں اور اس قسم کی دوسری تمام باتوں کے بندھنوں اور پابندیوں سے مطلقاً آزاد ہوتا ہے۔ مشنری ہوں، پادری ہوں، کوئی دوسرے ہوں میرے خلاف جس قدر چاہیں.. ہاؤ ہو مچالیں اور طعن و تشنیع کر لیں، میں انہیں اسی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں جس نقطۂ نظر سے بھرتری ہری نے کہا تھا "سنیاسی! تم اپنے راستہ پہ چلتے چلو۔ مت پروا کرو کہ دنیا کیا کہتی ہے۔ کوئی کہے گا پاگل جا رہا ہے۔ کچھ کہیں گے "یہ چنڈال کون ہے۔" کچھ آپ کو سادھو اور فقیر کہیں گے جتنے منہ اتنی باتیں! سنیاسی تم خاموش اپنی راہ چلتے رہو۔ اور دنیا کیا کہتی ہے اس کی پروا نہ کرو"، جانتے ہیں آپ کہ جب دنیا والے حملے کرتے ہیں تو بازار میں سے جاتا ہوا ہاتھی کیا کرتا ہے۔ ان لوگوں کی پروا نہیں کرتا۔ اور سیدھے اپنی راہ پر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ شروع سے ہی چلا آیا ہے کہ جب کسی عظیم روح نے ان کی آواز کو دند کر آگے بڑھنا چاہا۔ کتنے ہی لوگوں نے اس کے خلاف بھونکنا شروع کر دیا۔

میں اس وقت 54 ڈبلیو۔ 33 سٹریٹ میں لینڈز برگ Landsberg کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں۔ وہ ایک پاک و نیک روح ہے۔ ایشور اس پر اپنی رحمت کرے۔ کبھی کبھار میں سونے

کے لئے گورنسیز کے ہاں چلا جاتا ہوں۔

خدا آپ پر بار بار رحمت کرے۔ وہ آپ پر برکت کرے تاکہ آپ اس خرافات سے جسے دنیا کہتے ہیں، جلد سے جلد نکل سکیں۔ خدا کرے آپ اس طلسم ہوش رُبا ـــــ دنیا کے جال میں پھر نہ پھنس سکیں۔ شنکر بھگوان آپ پر کرپا کریں۔ اوما رحمت کرتی ہوئیں آپ پر حق و صداقت کے دروازے کھول دے تاکہ آپ کے دل میں سے ہر قسم کا وہم و گمان مٹ جائے۔

پیار اور آشیرواد سے آپ کا

(وویکانند)

(22)

امریکہ

6 رمئی 1895ء

پیارے آلاسنگھ!

آج صبح مجھے آپ کا تازہ ترین خط اور رامانج آچاریہ کے بھاشیہ کی پہلی جلد موصول ہوئی چند روز ہوئے مجھے آپ کا ایک اور خط ملا تھا۔ مجھے ایک خط سٹر مینتی ایر کا بھی ملا۔ میں یہاں ٹھیک ہوں اور حسب معمول اپنے کام میں لگا ہوا ہوں۔ آپ نے مسٹر لونڈ .Mr. Lund کا تذکرہ کیا ہے۔ میں واقف نہیں۔ یہ کون صاحب ہیں اور کہاں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی ایسے صاحب ہوں جو کہ گرجا گھروں کے اندر تقریریں کرتے ہوں کیوں کہ اگر وہ بڑے پلیٹ فارموں پر آتے تو ہمیں ان کے بارے میں ضرور جانکاری ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کچھ تقریریں اخبار میں چھپوالی ہوں اور ان کو ہندوستان بھیج دیا ہو اور وہاں عیسائی پادری ان سے فائدہ اُٹھا رہے ہوں۔ یہاں ہماری طرف سے کسی کی صفائی کا طلب کرنا امور عامہ میں نہیں ہے ورنہ اس صورت میں مجھے روزانہ ان میں سے سینکڑوں کا مقابلہ کرنا پڑتا۔ ہندوستان کی بابت یہاں غلط سلط باتیں اور افواہیں ہیں اور ڈاکٹر بیروز Dr. Barrows سمیت تمام قدامت پرست اور دوسرے لوگ پورے طور پر آگ لگانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ دوسرے درجہ میں ان ہندوستان کے مخالف رجعت پسند۔ مقرّروں میں سے ہر ایک میرے خلاف کیچڑ اچھالنے میں مصروف ہے۔ ان رجعت پسند مردوں اور عورتوں نے میرے خلاف جو ناپاک کہانیاں ایجاد کی ہیں اگر آپ ان کو سنیں تو حیران رہ جائیں۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک سنیاسی کو خود ساختہ مردوں اور عورتوں

کے کمینے اور بزدلانہ حملوں کے جواب میں اپنی صفائی پیش کرنی چاہئے؟ - یہاں میرے کچھ با اثر دوست ہیں جو جب چاہیں ان کا حساب بے باق کر سکتے ہیں۔ پھر میں ہندو دھرم کی صفائی میں اپنا وقت کیوں ضائع کروں؟ جب کہ ہندو خود خواب خرگوش میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں آپ تیس کروڑ لوگ خاص طور پر وہ لوگ جنکو اپنے علم و فضل پر ناز ہے وہاں کیا کر رہے ہیں آپ خود کیوں نہیں مقابلہ کرتے اور مجھے تبلیغ اور پرچار کیلئے کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ یہاں میں اجنبیوں کے درمیان دن رات جدوجہد کر رہا ہوں۔ ہندوستانی قوم نے کیا امداد بھیجی؟ - کیا حب الوطنی کے جذبے سے خالی ایسی کوئی اور قوم دنیا نے دیکھی ہے جس قدر ہندوستانی قوم ہے۔؟ اگر آپ امریکہ اور یورپ میں تبلیغ و اشاعت کیلئے ایک درجن پڑھے لکھے لوگوں کو چند برسوں کیلئے بھیج سکیں اور ان کے اخراجات برداشت کر سکیں تو یہ اخلاقی اور سیاسی دونوں اعتبار سے ہندوستان کی ایک ناقابلِ فراموش خدمت ہوگی۔ ہر ایک آدمی جو اخلاقی طور پر ہندوستان کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے ہندوستان کا سیاسی دوست بن سکتا ہے۔ یورپ میں بہت سے لوگ آپکو ایک ایسی غیر مہذب قوم سمجھتے ہیں جو نصف ننگی رہتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستانیوں کو غلام رکھ کر ہی مہذب بنایا جا سکتا ہے۔ اگر عیسائی مبلغین نے آپ تیس کروڑ لوگوں کو مرعوب اور بزدل بنا دیا ہے ـــــ آپ بزدل ـــــ اور آپ ایک لفظ کہنے کی جسارت نہیں رکھتے۔ اتنے فاصلہ پر دور دراز ملک کے اندر ایک شخص کیا کر سکتا ہے؟ اس کے باوجود میں نے جو کچھ کیا ہے آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

آپ اپنی صفائی میں بیانات امریکی اخبارات میں شائع کیوں نہیں کراتے؟ کیا چیز آپ کو ایسا کرنے سے روکتی ہے۔ آپ جسمانی اخلاقی اور روحانی طور پر بزدل نسل ہیں، آپ کے ساتھ جانوروں کا سلوک ہی مناسب ہے کیوں کہ آپ اپنے سامنے صرف دو نظریے رکھتے ہیں۔ ہوس اور دولت۔ آپ ایک سنیاسی کو کچھ کے لگا کر چاہتے ہیں کہ وہ مسلسل جدوجہد کی زندگی اختیار کرے اور آپ صاحب لوگوں یہاں تک کہ مشنریوں تک سے خوف زدہ ہیں۔ اور آپ بڑے کام کریں گے؟ - تف۔ آپ میں سے کوئی صفائی میں خوبصورت تحریریں کیوں نہیں لکھتا اور انہیں چھپنے کے لئے بوسٹن کی ارینا پبلشنگ کمپنی Arena Publishing Company of Boston کیوں نہیں بھیجتا۔ ارینا ایک ایسا رسالہ ہے جو بخوشی ان کو چھاپے گا اور شاید ان کا اچھا معاوضہ بھی ادا کرے گا۔ بس یہ معاملہ ختم ہوا۔ اس کو سوچئے جب آپ کو بے وقوف بننے کے لئے اکسایا جائے گا۔ سوچئے کہ اس وقت تک ہر ایک پاجی ہندو نے جو کہ مغربی ملکوں میں آیا ہے روپیہ کمانے اور اپنی تعریف کرانے کی غرض سے خود اپنے مذہب اور اپنے ملک پر نکتہ چینی کی ہے ـ آپ جانتے ہیں کہ میں یہاں شہرت اور نام حاصل کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں یہ چیزیں مجھ پر تھوپ دی

گئی ہیں۔ میں ہندوستان کو واپس کیوں جاؤں؟ کون میری امداد کرے گا؟ آپ بچے ہیں بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں آپ نہیں جانتے کیا ہے مدراس میں ایسے لوگ کہاں ہیں جوکہ مذہب کی اشاعت کے لئے دنیا کو چھوڑدیں گے۔ دنیا داری اور ایشور کا گیان وہاں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ میں ایک آدمی ہوں جس کے اندر اپنے دیش کے دفاع کی جسارت موجود ہے۔ میں نے ان کو ایسے خیالات دیئے ہیں جن کی وہ ایک ہندو سے ہرگز توقع نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں میرے بہت سے مخالف ہیں لیکن میں آپ کی طرح ان سے مرعوب نہیں ہوں اس ملک کے اندر ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو میرے دوست ہیں اور سینکڑوں ایسے ہیں جو مرتے دم تک میرا ساتھ نہیں چھوڑیں گے ہر سال ان کی تعداد بڑھے گی اور اگر میں ان کے ساتھ رہوں اور کام کروں تو زندگی اور مذہب کے بارے میں میرے خیالات کی نشوونما ہوگی۔ کیا آپ محسوس کرتے ہیں؟ Temple Universal عالمی مندر کے بارے میں جوکہ امریکہ کے اندر تعمیر کیا جانا تھا اب میرے سننے میں نہیں آتا۔ لیکن نیویارک میں میں نے ایک مضبوط بنیاد رکھ دی ہے جوکہ امریکی زندگی کا اہم ترین مرکز ہے۔ اور اسی طرح میرا کام جاری رہے گا۔ میں اپنے کئی شاگردوں کو گرمیوں کی چھٹیوں کے لئے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں تاکہ وہ اپنی یوگ بھگتی اور جنیتا کی تربیت پوری کر لیں پھر وہ اس قابل ہو جائیں کہ کام کو آگے میں امداد کر سکیں۔ اب میرے بچو کام کرو۔

چند ماہ کے اندر اندر میں اس پوزیشن میں ہو جاؤں گا کہ اخبار کے لئے کچھ رقم بھیج سکوں۔ ہندو بھکاریوں سے بھیک نہ مانگیئے میں خود اپنے دماغ اور اپنے طاقتور دائیں ہاتھ سے اس کام کو مکمل کروں گا۔ میں یہاں اور ہندوستان میں کسی آدمی کی امداد نہیں چاہتا۔ رام کرشن اوتار پر زیادہ دباؤ نہ ڈالیئے۔

اب میں آپ کو اپنی دریافت کے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔ تمام مذہب ویدانت میں موجود ہے یعنی فلسفہ ویدانت کے تین حصوں میں ہیں۔ دویت وششٹ ادویت اور ادویت۔ ایک کا درجہ دوسرے کے بعد آتا ہے انسان کے اندر روحانی ترقی کے تین دور تین درجے ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک ضروری ہے یہ مذہب کی فروعات ہے ویدانت کا تعلق بھارت کے مختلف گروپوں کے نظریات اور عقیدوں سے ہے یعنی ہندوازم سے دویت کے پہلے دور کا تعلق یورپ کے مختلف اخلاقی گروپوں کے نظریات یعنی عیسائیت سے اور سامی گروپوں کے نظریات کا اسلام سے ہے ادویت کا تعلق بدھ ازم کے ساتھ یوگ کے ادراک کی شکل میں ہے۔ اسی طرح مذہب کا مطلب ہے ویدانت۔ اس کا اطلاق مختلف ضرورتوں ماحول اور دوسرے حالات کے مطابق ہونا چاہیئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اگرچہ فلسفہ ایک ہی ہے شکت اور شیو وغیرہ

وغیرہ ہرایک کا اطلاق اس کی خاص شکل اور خاص طریق عبادت کے مطابق کیجئے۔ اب آپ اپنے رسالہ کے اندر ان تینوں طریقوں کے بارے میں یکے بعد دیگرے مضامین لکھیں جن میں بتائیں کہ ان طریقوں میں ہم آہنگی ہے اور یہ لازم و ملزوم ہیں کہیں ساتھ ہی بحیثیت مجموعی ان کی تقالیہی شکلیں مختلف ہیں۔ یعنی فلسفہ روحانی حصّہ کی اشاعت کیجئے اور یہ لوگوں پر چھوڑ دیجئے کہ جو شکل انہیں مناسب معلوم ہوتی ہو اختیار کریں۔ میری خواہش تھی کہ میں اس موضوع پر کتاب لکھوں اس لئے میں امانغ (بھاشیہ) کی تینوں جلدیں چاہتا تھا لیکن صرف ایک جلد ہی مجھے موصول ہوئی ہے۔

امریکہ میں اس عقیدہ کے ماننے والے کو ہر شخص بلا واسطہ ایشور کی معرفت کو روحانی دیھان کے ذریعہ حاصل کر سکتا ہے دوسروں سے بے تعلق ہیں اور اب وہ ہندوستان سے نفرت کرنے ہیں حقیر بانیں!۔ اور انگلینڈ کے سٹرڈی Sturdy نے جو کہ حال ہی میں بھارت گئے تھے اور وہاں میرے بھائی شوآنند سے ملے تھے مجھے خط لکھا ہے کہ میں انگلینڈ کب پہونچ رہا ہوں۔ میں نے اسے ایک عمدہ خط لکھا ہے۔ بابو اکشے کمار گھوش کا کیا حال ہے؟ بہت دنوں سے ان کا خط نہیں آیا۔ عیسائی مبلّغین اور دوسروں کو ان کا قرضہ چکا دیجئے۔ پیارے کچھ انتہائی قومی ادیبوں کو مقابلہ پر لائیے اور ہندوستان میں مذہب کی موجودہ نشاۃ ثانیہ کے بارے میں عمدہ مدلّل مضامین لکھئے جن کا لب و لہجہ بہترین ہو اور ان کو کچھ امریکی رسائل میں بھیجئے۔ میں ان میں سے ایک یا دو سے واقف ہوں۔ آپ جانتے ہیں۔ میں کچھ زیادہ اچھا مضمون نگار نہیں ہوں۔ میں در در جا کر بھیک مانگنے کا عادی نہیں ہوں خاموشی سے بیٹھ جاتا ہوں اور چیزیں میرے پاس آجاتی ہیں...... میرے بچّو اگر میں دنیادار بگلہ بھگت ہوتا تو یہاں منظم طریقہ پر ایک نہایت شاندار کامیابی حاصل کر سکتا تھا......

افسوس یہاں پر مذہب بس یہی ہے نام اور دولت۔ پادری ہو یا عام آدمی دولت اور ہوس میں مبتلا ہے میں یہاں انسانیت کا ایک نیا نظام قائم کرنا چاہتا ہوں، جو لوگ ایشور پر یقین رکھتے ہیں وہ دنیا میں کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتے یہ کام آہستہ بہت آہستہ آہستہ ہونا چاہیئے اس اثنا میں آپ اپنا کام جاری رکھیں اور میں اپنی کشتی کو آگے سیدھا کھیتا رہوں گا۔ رسالہ آتش بار نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس کا لب و لہجہ بہت اعلیٰ پرسکون اور مدلّل ہونا چاہیئے۔ عمدہ اور مسلسل لکھنے والے اصحاب کا تعاون حاصل کیجئے ... بے غرض بن جائیے رفتار کو تیز کیجئے اور کام جاری رکھیے ہم بڑے کام کر سکتے ہیں۔ خوف نہ کھایئے۔ ... ایک بات اور سب کے خادم بنئے اور دوسروں پر حکم چلانے کی ذرہ برابر بھی کوشش نہ کیجئے اس سے حسد بڑھے گا اور ہر چیز تباہ ہو جائے گی۔ کام جاری رکھئے۔ آپ نے حیرت انگیز طریقہ پر کام

کیا ہے ہم امداد کے لئے انتظار کرنا نہیں چاہتے۔ہم کام مکمل کریں گے۔میرے بچے بے غرض بنو۔وفادار اور صابر بنو۔میرے دوسرے دوستوں کا مقابلہ نہ کرو سب کے ساتھ محبت سے رہو سب کو میرا دلی پیار۔

دعائے برکت کیساتھ ہمیشہ تمہارا

وویکانند

(نوٹ) اگر تم خود ایک لیڈر بن کر آگے بڑھے تو کوئی تمہاری امداد کو نہیں بڑھے گا۔ اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو تو پہلے خودی کو ختم کردو۔

23

مئی (؟) 1895.

"جب نیکیاں گھٹتی ہیں اور گناہ اپنا سر اٹھاتے ہیں تو مذہب کی شان کو بحال کرنے کے لئے میں خود ظاہر ہوتا ہوں"

اے نیک دل مہاراجہ[1] ! یہ ہیں ایشور کے وہ الفاظ جو مقدس گیتا میں درج ہیں اور جو روحانی طاقت کے بہاؤ اور تیز رد (بھاٹا) کے بنیادی تصور کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

یہ تبدیلیاں قدرتی اعمال کی صورت میں جو کہ ان کے لئے مخصوص ہیں بار بار خود بخود ہوتی رہتی ہیں اور ہر ایک دوسری تبدیلی کی طرح کائنات کے کم و بیش ہر ایک ذرہ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ تاہم ان کے شدید اثرات ان ذروں پر پڑتے ہیں جن کے اندر ان اثرات کو قبول کرنے کی فطری صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

جیسا کہ ایک کائناتی شعور میں اولین کیفیت الگ الگ عناصر میں یک رنگی کی کیفیت ہے اس توازن میں ابتری اور تمام مسلسل جدوجہد اس کو پھر سے حاصل کرنے کے لئے جاری ہے جنہیں ہم مظاہر قدرت کہتے ہیں۔ان کی ترتیب کا نام یہ کائنات ہے۔مظاہر قدرت کی یہ کیفیت اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ اولین یکسانیت اور یک رنگی پیدا نہیں ہوجاتی۔بس مختصر الفاظ میں۔خود ہماری سرزمین پر رنگا رنگی اور اس کے ناگزیر جواب میں ایک رنگی کے لئے کشمکش اس وقت تک جاری رہے گی جب تک جاری رہے گی۔جب تک کہ اس دنیا میں بنی نوع انسان اس کے اخلاقی گرد یوں،

---

[1] یہ خط مہاراجہ کھیتڑی کے ۴ر مارچ 1895. کے خط کے جواب میں لکھا گیا۔ مہاراجہ کھیتری، جن کا اسم گرامی تھا مہاراجہ اجیت سنگھ، شری سوامی وویکانند کے پریمی اور شردھا بھگتوں میں سے تھے۔سوامی جی نے اپنا نام وویکانند' مہاراجہ کھیتڑی کے سجھاؤ پر ہی اختیار کیا تھا۔اس وقت آپ کبھی وودھیشانند اور کبھی سچدانند کے نام سے مشہور تھے۔

چھوٹی قوموں یہانتک کہ افراد کے درمیان ان کی نمایاں خصوصیتیں وجود میں آتی رہیں گی۔

اس لئے اس ناہموار تقسیم اور توازن کی دنیا میں ہر ایک قوم کی حیثیت ایک خاص قسم کی صلاحیت کا ذخیرہ کرنے اور اس کو تقسیم کرنے کی ایک برقی رو چھوڑنے والی مشین جیسی ہوتی ہے وہ خاص قسم کی صلاحیت اور طاقت دوسری تمام طاقتوں کے درمیان اس قوم کی نمایاں خصوصیت کے طور پر درخشندہ نظر آتی ہے۔ اور جیسے کہ انسانی فطرت کے کسی حصہ میں کوئی معاشرتی انقلاب دوسروں کو کم و بیش متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ اس قوم کی گہرائیوں کو متحرک کر دیتا ہے جس کی وہ خصوصیت ہوتا ہے اور جس کے اندر سے اس کا دھارا پھوٹتا ہے اسی طرح سے مذہبی دنیا کے اندر کسی بھی تغیر کے نتیجہ میں ہندوستان کے اندر عظیم تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ جو کہ ایک ایسی سرزمین ہے جہاں سے بار بار عظیم مذہبی انقلابات کے دھارے پھوٹتے رہے ہیں کیونکہ با ایں ہمہ ہندوستان مذہب کی سرزمین ہے۔

ہر ایک آدمی کہتا ہے کہ صرف حقیقت ہی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے نظریات سے آگاہی حاصل کر سکتا ہے ایک دنیادار آدمی کے لئے ہر وہ چیز جو کہ روپیہ اور دولت میں تبدیل ہو سکتی ہے حقیقت اور اصلیت ہے اور جو اس طرح تبدیل نہیں ہو سکتی وہ حقیقت نہیں ہے۔ ایک ایسے شخص کے لئے جو اپنے اندر جبر کے ساتھ حکومت کرنے کا جذبہ رکھتا ہے ہر وہ چیز ہی حقیقت ہے جو دوسرے انسانوں پر اس کی حکومت قائم کرنے کی خواہش کے پورا ہونے میں مدد دے۔ باقی چیزیں بے حقیقت ہیں۔ آدمی کو اس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ جس کی صدائے بازگشت زندگی میں اس کی محبوب شے کے لئے اس کے دل کی دھڑکنوں میں سنائی نہیں دیتی۔ وہ لوگ جن کی زندگی کا مقصد زندگی کی صلاحیتوں کے بدلے میں مال و دولت نام اور دوسری خوشیوں کا حصول ہوتا ہے۔ یا وہ لوگ جن کے نزدیک صف بند فوجی دستوں کے قدموں کی آواز ہی صرف طاقت کا مظاہرہ ہے اور وہ لوگ جن کے نزدیک احساسات میں مگن رہنا ہی زندگی کی روحانی مسرت ہے۔ انہیں ہندوستان صرف ایک بیابان صحرا معلوم ہو گا جس کے ہر ایک جھونکے کا مقصد زندگی کو ترقی دینا ہے جیسا کہ انہیں معلوم ہے لیکن ان لوگوں کے لئے کہ زندگی کے لئے جن کی پیاس دنیاوی احساسات سے پرے بہنے والے حیات ابدی کے چشمہ سے ہمیشہ کے لئے بجھ چکی ہے اور جن کی روحوں نے نام شہرت اور سونے کے پیالوں کو سانپ سمجھ کر نکال پھینک دیا ہے۔ جو اپنے سکون قلب کی انتہائی بلندیوں سے ان لوگوں کو انتہائی پیار اور محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو کہ اپنی غلامی کے سبب چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑتے اور حسد کرتے ہیں اور دھول سے اٹی ہوئی ملمع دار کھمبیوں کے لئے لڑائی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جن کے ماضی کے اچھے کاموں نے ان کی آنکھوں سے جہالت کے پردے ہٹا دیئے ہیں اور جو نام و نمود ہیچ خیال کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے خواہ یہ کوئی بھی ہوں مادر وطن اور روحانی خودی کی سرزمین ہندوستان انتہائی کشش رکھتا ہے اور ہر اس آدمی کے لئے روشنی کی ایک کرن ہے جو "اس" کا متلاشی ہے۔ جس کا وجود ہی صرف

اس ڈھلتی ہوئی دنیا میں ایک حقیقت ہے۔

بنی نوع انسان کی اکثریت صرف طاقت کو سمجھتی ہے اگر طاقت کو ان کے ادراک کے مطابق بنیادی شکل میں ان کے سامنے پیش کیا جائے ان کے نزدیک جنگ کا جوش و خروش ہی اس کی پوری طاقت اور بہاؤ کے ساتھ سب کچھ ہے زندگی ہے اور زندگی کا وہ اظہار موت ہے جو طوفان کی طرح سامنے کے تمام خس و خاشاک کو بہاتا ہوا نہیں آتا۔ اور ہندوستان جو مہاتمت کے کسی جذبہ اور امید کے تعبیر اور عوام کے اندر جذبہ حب الوطنی کے بغیر صدیوں سے فاتحین کے قبضہ میں رہا ہے انہیں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے یہ گلی سڑی ہڈیوں کی سرزمین اور بے روح متعفن عوام کی سرزمین ہو۔

یہ کہا جاتا ہے کہ طاقت ور ہی صرف زندہ رہتا ہے۔ تب پھر ایسا کیوں ہے کہ مشترکہ طور پر تسلیم شدہ نظریہ کے مطابق تمام نسلوں میں کمزور ترین یہ قوم انتہائی دہشت ناک سیہ بختوں کو جو شاذ ہی کسی نسل کو نصیب ہوئی ہوں گی برداشت کر سکی۔ یہاں تک کہ اس میں تنزل کی کوئی علامت بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ ایسا کیوں ہے ؛ جبکہ نام نہاد بہادری کی حامل بڑی بڑی طاقتوں اور سرگرم نسلوں کو ہر روز زوال آتا ہے اور لافانی (؟) ہندو ان سب سے زیادہ افزائش کی طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے ؛ بلاشبہ ان کو جو کہ دنیا کو ایک لمحے کے نوٹس پر خون کے طوفان میں بہا سکتے ہیں کامیابی ملتی ہے۔ ان لوگوں کی شان حقیقت میں بہت بڑی ہے کہ جو چند لاکھ عوام کا پیٹ بھرنے کے لئے دنیا کی آدھی آبادی کو بھوکوں رکھتے ہیں۔ لیکن کیا ان لوگوں کو فخر و افتخار حاصل نہیں ہے کہ جو کسی دوسرے کے منہ کا روٹی کا ٹکڑا چھینے بغیر، کروڑوں انسانوں کو امن میں اور خوش حال رکھتے ہیں ؟۔ کیا وہ طاقت نہیں ہے کہ جس نے دوسروں پر تشدد کئے بغیر سینکڑوں صدیوں تک بے شمار کروڑوں عوام کو ان کی منزل مقصود تک پہنچانے اور ان کی رہنمائی کرنے کا مظاہرہ کیا ؟۔

تمام قدیم نسلوں کی دیو مالاؤں میں بہادروں کے قصے ہمیں ملتے ہیں جن کی زندگی ان کے جسموں کے خاص حصوں میں ہوتی تھی۔ اور جب تک ان حصوں کو نہیں چھوا جاتا تھا وہ لافانی رہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہر ایک قوم زندگی کا ایک خاص مرکز رکھتی ہے اور جب تک وہ محفوظ رہتا ہے کوئی تکلیف اور کوئی سیہ بختی اسکو برباد نہیں کر پاتی۔

ہندوستان کی اہمیت مذہب میں ہے جب تک ہندو قوم اپنے پرکھوں کے ورثہ کو فراموش نہیں کرتی تب تک دنیا کی کوئی طاقت اس کو تباہ و برباد نہیں کر سکتی۔

آج ہر شخص ان لوگوں کو ملزم گردانتا ہے جو اپنے ماضی کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ماضی کیطرف

اس قدر دیکھنا ہی ہندوستان کی تمام مصیبتوں کی جڑ بنا ہے۔ میرے نزدیک اس کے برعکس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا الٹ صحیح ہے۔ جب تک ہندو قوم اپنے ماضی کو فراموش کئے رہی مخبوط الحواس بنی رہی اور جیسے ہی اس نے اپنے ماضی کی طرف دیکھنا شروع کیا ہر طرف سے اسے نئی زندگی ملی مستقبل کی تعمیر ماضی کی بنیادوں پر ہی ہوتی ہے۔ یہ ماضی مستقبل بن جائے گا۔ اس لئے ہندو جس قدر اپنے مذہب کا مطالعہ کریں گے اپنے مستقبل کو اسی قدر زیادہ درخشندہ پائیں گے اور جو کوئی ماضی کو ہر ایک دروازہ پر لانے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنی قوم کا عظیم محسن ہے۔ ہندوستان کا زوال اس لئے نہیں ہوا کہ اس کے قدیم قانون اور رسم و رواج برے تھے۔ بلکہ اس لئے ہوا کہ ہندوؤں کو انکے بنیادی عقائد پر عمل کرنےکی اجازت نہیں دی گئی۔

ہر ایک ناقد طالب علم جانتا ہے کہ ہندوستان کے سماجی قانون ہمیشہ زمانہ کے مطابق تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ اپنی ابتدا کے وقت یہ قانون ایک عظیم الشان منصوبہ کی مادّی شکل تھے۔ مگر ان کو آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ وسیع ہونا تھا۔ قدیم ہندوستان کے روشن ضمیروں نے اس حد تک اپنے وقت کے آگے سوچا کہ دنیا کو وہاں تک پہنچنے کے لئے صدیوں انتظار کرنا پڑا۔ اور ان کی دانش مندی کو سراہا۔ ہندوستان کے زوال کی صرف اور ایک وجہ یہ ہے کہ ان روشن ضمیروں کے وارثوں نے اس حیرت انگیز منصوبہ کے پورے دائرے کو سراہنے میں نا اہلی کا مظاہرہ کیا۔

قدیم ہندوستان اپنی دو اعلیٰ ذاتوں برہمنوں اور کشتریوں کے امنگ بھرے منصوبوں کیلئے صدیوں تک میدان جنگ بنا رہا ہے۔

ایک طرف پنڈتائی عوام پر راجاؤں کے بے قانون سماجی استبداد کی راہ میں رکاوٹ رہی جن کو راجہ اپنا چارہ سمجھتے تھے۔ دوسری طرف کشتریوں کی بے پناہ طاقت تھی جو کہ پنڈتائی کے روحانی استبداد اور مذہبی رسومات کی بڑھتی ہوئی تبدیلیوں کے خلاف کسی کامیابی کے ساتھ جدوجہد کر رہی تھی کہ پروہت جن کے اندر عوام کو ان کا پابند بنانے کے لئے لچک پیدا کر رہے تھے۔

اس کش مکش کا آغاز ہماری نسل کے ابتدائی دور میں ہوا۔ شروع سے آخر تک شرتیوں میں اس کا نمایاں طور پر پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ تھوڑے عرصہ کے لئے ٹھہراؤ اس وقت ہوا جب شری کرشن جی نے کشتریوں کی طاقت کے ایک فرقہ کی جنتا کی قیادت کرتے ہوئے مصالحت کی راہ دکھائی۔ گیتا کی تعلیمات اس کا نتیجہ ہیں جو کہ فلسفہ کا مذہب کی آزادی کا نچوڑ ہے۔ تاہم اسباب وہاں موجود تھے اور ان کے اثرات پڑنے ہی چاہتے تھے۔

دونوں ذاتوں کے غریبوں کا آقا بن جانے کی امنگ جاری رہی۔ جہالت موجود ہی تھی۔ کشمکش ایک بار پھر شدید

ہو گئی۔ اس دور کا جو ناقص ردیپ ہم تک پہنچا ہے اس میں اس عظیم ماضی کی کشمکش کی نبرد لانہ صدائے بازگشت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے لیکن اس کے نتیجہ میں کشتریوں کے لئے ایک فتح جنتا کے لئے ایک فتح اور آزادی کے لئے ایک فتح حاصل ہوئی —— رسومات زوال پذیر ہوئیں۔ بڑا حصہ ہمیشہ کے لئے۔ اسی معاشرتی انقلاب کو بدھ کی اصلاح کہا جاتا ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے اس کے نتیجہ میں رسومات سے آزادی ملی اور سیاسی نقطہ نظر سے کشتریوں نے پروہتائی کا تختہ الٹ دیا۔

یہ ایک اہم حقیقت ہے کہ دونوں عظیم ترین شخصیتیں جن کو قدیم ہندوستان نے جنم دیا۔ یعنی شری کرشن جی اور گوتم بودھ دونوں کشتری تھے۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں ایشور گیانیوں نے علم کے دروازے ذات پات اور جنس کی تمیز کے بغیر سب کھول دیئے۔

اپنی انتہائی اخلاقی طاقت کے باوجود بدھ ازم انتہائی بت شکن نہ تھا اور اس کی زیادہ تر طاقت کو منفی کوششوں پر صرف کیا گیا۔ اسلئے یہ جس سرزمین پر پیدا ہوا وہیں ختم ہو گیا۔ اگر کچھ باقی بچا تو اوہام پرستی اور رسم و رواج جو ان رسومات سے بھی زیادہ سخت تھیں جن کو یہ مٹانے آیا۔ اگرچہ جزوی طور پر یہ ویدوں کی جانوروں کی قربانیوں کو روکنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس نے دیش کو مندروں مورتیوں نشانیوں اور سنتوں کی ہڈیوں سے بھر دیا۔

سب سے زیادہ یہ کہ بدھ ازم نے آریوں منگولوں اور قدیم نسلوں کا جو سماج بنایا۔ اسکے نتیجہ میں غیر شعوری طور پر ایک قسم کی دہشت ناک ام اچارا پیدا ہو گئی۔ یہی خاص وجہ ہے جس وجہ سے شنکر آچاریہ اور انکے ساتھی سنیاسیوں نے بھگوان بدھ کی بگڑی ہوئی شکل کی تعلیم کو ہندوستان سے باہر نکال پھینکا۔

اس طرح زندگی کی بہتی رو جیسے سب سے بڑی سرحد، پرم آتما نے بھگوان بدھ کا جامہ اختیار کر کے حرکت اور جنبش دی تھی، جامد و ساکت ہو کر رہ گئی اور ہندوستان کی روحانیت کا یہ آب زم زم بھرا بحر بیکراں خشک ہو کر ایک بدبو بھرا جوہڑ بن گیا اور اسے صدیوں تک سوامی شنکر آچاریہ کی آمد کا انتظار کرنا پڑا۔ شری سوامی شنکر آچاریہ کے بعد سوامی رامانج اور مادھو آچاریہ تیزی سے ظہور میں آئے۔

اس وقت تک ہندوستان کی تاریخ ایک پورا نیا باب پلٹ چکی تھی۔ قدیم کشتری اور برہمن نابود ہو چکے تھے۔ ہمالیہ سے لے کر وندھیاچل تک پھیلی ہوئی سرزمین، آریوں کی وہ سرزمین جس کی خاک وخمیر نے کرشن اور بدھ پیدا کئے تھے، جو بڑے بڑے عارفوں، سالکوں، عابدوں، رشیوں اور برہم رشیوں کا گہوارہ اور مسکن تھی، خاموش ہو گئی۔ اور پھر برصغیر ہند کے پہلے سرے سے ایسی نسلوں سے جن کی زبان اور جن کی شکل وصورت مختلف تھی، ایسے خاندانوں سے جن کا دعویٰ تھا کہ وہ قدیم براہمنوں کی آل اولاد ہیں مخلوط اور بگڑے ہوئے بدھ ازم کے خلاف ردعمل کا طوفان جاگ اٹھا۔

آریہ ورت کے کشتریوں اور براہمنوں کا کیا بنا؟ وہ پورے طور پر غائب ہو گئے صرف جہاں تہاں بچے جن کی حیثیت آدھا تیتر آدھا بٹیر کی تھی۔ اور جن کا دعویٰ تھا کہ وہ کھشتری ہیں برہمن ہیں اور اپنی اس تمام تر

खودستائی کے باوجود تمام دنیا کو एतद्देशप्रसूतस्य सकाशादग्र

जन्मनः سے علم حاصل کرنا چاہیئے۔ ان کو موٹے جھوٹے کپڑے پہن کر تمامتر عاجزی کے ساتھ جنوب والوں کے قدموں میں علم کے لئے بیٹھنا پڑا۔ نتیجہ میں ہندوستان کے اندر ویدوں کا پھر دور آیا۔ ویدانت کی تجدید کچھ اس طرح سے ہوئی جیسی پہلے ہندوستان نے دیکھی تک نہ تھی یہانتک کہ گھر بار رکھنے والوں نے بھی آرنیکاؤں" کا مطالعہ شروع کردیا۔

بدھ ازم کی تحریک میں حقیقی لیڈرشپ کشتریوں کے پاس تھی۔ اور ان پر تمام عوام رعایا بدھ ہوگئی تھی اصلاح اور تبدیلیٔ مذہب کے جوش میں عوامی زبانوں کا انتہائی رواج ہوگیا تھا۔ سنسکرت نظرانداز ہوگئی اور کا ایک بہت بڑا طبقہ ویدک ادب اور سنسکرت کی تعلیم سے بے بہرہ ہوگیا تھا۔ پس جنوب سے جو اصلاح کی لہر اٹھی اس سے ایک خاص حد تک پروہتائی کو فائدہ پہنچا۔ صرف بچاری اس کا فائدہ اُٹھا سکے۔ ہندوستان کے باقی کروڑوں لوگوں کے لئے اس نے اور زیادہ زنجیریں پہنا دیں۔ جو انھوں نے پہلے کبھی نہیں پہنی تھیں۔

کھشتری ہمیشہ ہندوستان کی ریڑھ کی ہڈی رہے ہیں اور وہ علم وادب کے حامی رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً ملک کے اندر اوھام پرستی کو ختم کرنے کے لئے ان کی آوازیں بلند ہوتی رہی ہیں۔ اور ہندوستان کی تاریخ میں شروع سے آخر تک وہ پروہتائی کے جابرانہ نظام کے خلاف ایک پختہ رُکاوٹ بنے رہے ہیں۔ جب ان کی تعداد کا بڑا حصہ جہالت میں ڈوب گیا اور ایک دوسرے حصہ نے وسطِ ایشیا کی نسل کے ساتھ خون میں آمیزش کرلی۔ اور بھارت میں پروہتوں کی حکومت کے قیام کے لئے تلوار اٹھائی۔ اس کے صبر کا پیالہ لبریز ہوگیا اور بھارت کی زمین نیچے ڈوب گئی۔ یہ اس وقت تک پھر نہیں اُبھرے گی جب تک کہ کھشتری خود نہیں اُبھریں گے۔ جب تک وہ خود اپنی زنجیروں کے ساتھ ساتھ باقی لوگوں کی غلامی کی زنجیروں کو بھی کاٹ کر نہیں پھینک دیں گے۔ پروہتائی ہندوستان کے لئے زہر کا درجہ رکھتی ہے۔ کیا کوئی آدمی اپنے بھائی کو بے عزت کرکے خود باعزت رہ سکتا ہے؟

مہاراجہ جی! آپ کے بزرگوں نے تمام سچائیوں سے عظیم تر جو سچائی دریافت کی تھی اس کو جانیئے اور وہ یہ ہے کہ تمام کائنات ایک ہے۔ کیا کوئی شخص ایسا ہے جو دوسرے کو زخمی کردے اور خود محفوظ رہے۔ کھشتریوں اور برہمنوں کے درمیان جابرانہ حکومت کے لئے کشمکش کا نتیجہ خود انہیں بھگتنا پڑا اور کرم کے سخت گیر قانون کے نتیجہ میں وہ ایک ہزار سالہ غلامی اور زوال کا دور دیکھ چکے ہیں۔

آپ کے ایک بزرگ نے فرمایا تھا "اسی زندگی میں انہوں نے ایسے افراد کو بھی جیت لیا، جو سمتا بھاؤ والے

تھے، اور جنہیں لوگ ایشور کا اوتار کہا کرتے تھے ہم سب ان عظیم اقوال پر یقین رکھتے ہیں۔

تب کیا اس کے یہ الفاظ بے معنی اور مہمل ہیں۔ اگر نہیں اور ہم جانتے ہیں کہ یقیناً نہیں ہیں۔ تب بلا تفریق ذات پات نسل اور جنس۔ یہاں تک کہ بلا تفریق علمیت تمام مخلوق کے درمیان اس مساوات کے خلاف کوئی کوشش ایک خوفناک غلطی ہوگی۔ اور کوئی اس وقت تک بچایا نہیں جا سکتا جب تک کہ اس کو یکسانیت کے اس نظریہ کا گیان نہ ہو جائے۔

اسلئے نیک دل مہاراجہ! ویدانت کی تعلیم پر عمل کیجئے۔ اور بعض مُبصّروں نے کیا تفسیریں کی ہیں۔ اس پر نہ جایئے۔ بلکہ آپ اس کو جس طرح سمجھتے ہیں اسی طرح عمل کیجئے۔ سب سے بالاتر تمام چیزوں کے اندر یکسانیت اور مساوات کے اس اصول پر عمل کیجئے سب کے اندر ایک ہی ایشور کو دیکھئے۔

آزادی کا یہی طریقہ ہے۔ عدم مساوات کا نتیجہ غلامی ہے۔ کوئی آدمی اور کوئی قوم جسمانی مساوات کے بغیر جسمانی آزادی حاصل نہیں کر سکتی۔ نہ ہی ذہنی مساوات کے بجائے ذہنی آزادی حاصل کر سکتی ہے۔

جہالت عدم مساوات اور خواہشات انسانی مصائب کے یہ تین اسباب ہیں تینوں لازم و ملزم ہیں اور ان کے درمیان اتحاد ناگزیر ہے۔ ایک آدمی خود کو دوسرے آدمی سے یہاں تک کہ ایک جانور سے کیوں اونچا سمجھے؟ شروع سے آخر تک مساوات موجود ہے۔

त्वं स्त्री त्वं पुमानसि त्वं कुमार उत वा कुमारी ।

"تو آدمی ہے تو عورت ہے۔ تو نوجوان آدمی ہے تو نوجوان عورت ہے"

بہت سے لوگ کہیں گے: "یہ سنیاسیوں کے لئے ٹھیک ہے۔ لیکن ہم گھر بار والے ہیں۔" کوئی شک نہیں کہ ایک گھر بار والے شخص کے اور زیادہ فرائض ہوتے ہیں جن کو اسے ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس یکسانیت کو پورے طور پر حاصل نہیں کر سکتا تاہم یہ اس کا نظریہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ نظریہ تمام سماجوں تمام انسانیت تمام جانوروں اور تمام پراکرتی کا نظریہ ہے کہ یکسانیت اور مساوات کو حاصل کیا جائے۔ افسوس۔ وہ سوچتے ہیں کہ مساوات کو حاصل کرنے کا طریقہ عدم مساوات ہے گویا وہ غلط راستہ پر چل کر صحیح راستہ پر آ سکیں گے۔

یہ عدم مساوات تمام تکالیف کی جڑ ہے انسانیت پر ظلم ہے اور انسانی فطرت کیلئے زہر ہے یہ جسمانی ذہنی اور روحانی ہر قسم کی غلامی کا ذریعہ ہے

समं पश्यन् हि सर्वत्र समवस्थितमीश्वरम् ।
न हिनस्त्यात्मनात्मानं ततो याति परां गतिम् ॥

"یہ دیکھتے ہوئے کہ ہر جگہ اپشور موجود ہے وہ خودی کو خودی سے مجروح نہیں کرتا اور اس طرح اعلیٰ ترین منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔" اس قول میں صرف چند الفاظ ہیں۔ لیکن اس نجات کا عالمی راستہ پوشیدہ ہے۔

آپ راجپوت قدیم ہندوستان کی شان رہے ہیں۔ آپ کے تنزل سے قوم کو زوال آیا۔ اور ہندوستان کو اسی وقت اُٹھایا جا سکتا ہے جب کھشتریوں کے وارث برہمنوں کے وارثوں کے ساتھ تعاون کریں۔ صرف طاقت اور اقتدار کے لئے نہیں بلکہ کمزوروں کی امداد کرنے کے لئے جاہلوں کو علم سے روشناس کرنے کیلئے اور اپنے باپ دادا کی مقدس سرزمین کی گمشدہ شان کو واپس لانے کے لئے۔

اور کون کہہ سکتا ہے لیکن وقت سازگار رہے ؛ ایک بار پھر پہیہ گھوم رہا ہے۔ ایک بار پھر ہندوستان سے اُٹھنے والی لہریں حرکت میں ہیں۔ وہ دن دور نہیں ہے جب یہ دنیا کے آخری سرے تک پہنچ جائیں گی۔ ایک آواز اٹھ چکی ہے جس کی صدائے بازگشت ہر روز تقویت حاصل کر رہی ہے۔ اب تک جو آوازیں اٹھی ہیں۔ ان سے بھی زیادہ، طاقتور ایک اور آواز ہے۔ کیوں کہ اس میں سب آوازیں ملی ہیں۔ ایک بار پھر وہ آواز جو سرسوتی کے کنارے بلند کی گئی تھی۔ وہ آواز جس کی صدائے بازگشت ہمالیہ کی ایک چوٹی سے دوسری چوٹی تک گونجی اور جو کرشن جی، بدھ اور چیتنیہ کے ذریعہ میدانوں میں پہنچی ایک سیلاب کی طرح پھر اٹھ رہی ہے ایک بار پھر دروازے کھل گئے ہیں۔ روشنی حاصل کیجئے۔ دروازے ایک بار پھر زیادہ وسعت کے ساتھ کھل گئے ہیں۔

اور آپ میرے پیارے مہاراجہ صاحب! آپ ایک ایسی قوم کی شاخ ہیں جس کے افراد زندہ ستون ہیں، جن پر مذہب کی عمارت کھڑی ہے۔ اس کو بچانے والے امداد کرنے والے اور رام کرشن کے وارث آپ بدستور بےتعلق رہیں گے ؛ میں جانتا ہوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا پہلا ہاتھ ہوگا جو ایک بار پھر مذہب کی امداد کے لئے بڑھے گا اور راجہ اجیت سنگھ! جب میں آپ کے بارے میں سوچتا ہوں۔ ایک شخص جس کے اندر آپ کے گھرانے کے مشہور اچھے جو ہر بلا شرط انسانیت کے ساتھ محبت کرنے والے پاکیزہ کردار کے ساتھ جس پر ایک درویش اور صوفی بھی فخر کر سکتا ہے آ کر مل گئے ہیں۔ میں دھرم کی شاندار نشاۃ ثانیہ پر یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا جب کہ ایسے ہاتھ اس کی تعمیر نو کے لئے آمادہ ہیں۔

بھگوان رام کرشن کی آشیرواد ہمیشہ ہمیشہ آپ پر اور آپ کی رعایا پر بنی رہے تاکہ آپ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور حق و صداقت کی توسیع و اشاعت کے لئے تا دیر زندہ رہیں۔ اسی دعا کے ساتھ

آپ کا

وویکانند

24

1895.

پیارے ششی![1]

سارداجو کچھ کر رہے ہیں میں اس سے پوری طرح متفق ہوں۔ لیکن یہ یقین کرنا کہ رام کرشن پرم ہنس گورو کے روپ میں ایشور اوتار تھے یا ایسی ہی کوئی چیز تھے۔ وہ دنیا کی بھلائی کے لئے آئے اپنے نام کے نشو ونمائش کے لئے نہیں۔ آپ کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ چیلے اور مرید اس جنون میں کہ ان کے گورو کا نام قائم دائم رہے اس کی تعلیمات کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فرقہ بندی اور تنگ نظری بڑھتی ہے۔ آلانی چارفسکے بارے میں لکھا ہے لیکن وہ میرے ذہن میں نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں تفصیل کے ساتھ لکھئے اور میری طرف سے شکریہ کہہ دیجئے۔ بیکار کی باتوں کے لئے میرے پاس کوئی وقت نہیں ہے۔ رسمیات کو ترک کرنے کی کوشش کیجئے۔ رسمیات سنیاسیوں کے لئے نہیں ہوتیں اور ایک شخص کو اس وقت تک کام کرتے رہنا چاہیئے جب تک کہ اس کو عرفان حاصل نہ ہو۔ فرقہ بندی۔ پارٹی بنانے اور کنوئیں کا مینڈک بنے رہنے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں جو کچھ بھی کر سکتا ہوں .... میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں رام کرشن کیتھولک نظریات کی اشاعت کروں اور فرقہ پیدا کروں۔ صرف ایک قسم کے کام کو میں سمجھتا ہوں اور وہ ہے دوسروں کی بھلائی کرنا۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے بدی ہے اس لئے میں مہاتما بدھ کے آگے سر جھکاتا ہوں۔ میں تو ویدانت کا ماننے والا ہوں ست چت آنند۔ گن رکھنے والا ایشور...... ہی میرا ایشور ہے۔ خود میرے اندر جو باوقار شکل میں ایشور ہے مجھے ایسا ایشور دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ انسانی روپ میں ایشور وہی ہوتے ہیں جو کہ اس پرم پد کو حاصل کر لیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جو جیون مکت ہو جاتے ہیں وہ لوگ جنھوں نے اپنی اس زندگی میں نجات حاصل کر لی ہے۔ اوتاروں میں مجھے کوئی خاص چیز نظر نہیں آتی۔ برہما سے لے کر گھاس کی پتی تک ہر چیز کو زندگی میں ایک وقت کے اندر نجات حاصل کرنی ہے۔ اور ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم دوسروں کی اس منزل پہونچنے میں امداد کریں۔ یہی امداد مذہب کہلاتی ہے باقی سب لامذہبیت ہے۔ یہی امداد نیکی ہے باقی تمام بدی ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا۔ دوسرے قسم کے کام مثال کے طور پر ویدک اور تانترک کچھ مفید ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان پر انحصار کرنا محض زندگی ضائع کرنا ہے۔ لیکن وہ پاکیزگی جو کام کا مقصد ہے اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ دوسروں کی بھلائی کے لئے کام کیا جائے۔ اگرچہ قربانی وغیرہ قسم کے کاموں سے ایک شخص کو مسرت حاصل ہو سکتی ہے لیکن اس سے روح کی پاکیزگی

---

[1] سوامی رام کرشنانند

ممکن نہیں۔ ہر چیز خود تمام انسانوں کے اندر موجود ہے جو کہتا ہے کہ میں آزاد ہوں وہ آزاد رہے گا میرے نزدیک کسی کا یہ کہنا کہ وہ کچھ نہیں ہے ایک گناہ اور جہالت ہے۔ नायमात्मा बलहीनेन लभ्यः—

अस्ति ब्रह्म वदसि चेदस्ति, नास्ति ब्रह्म वदसि

चेन्नास्त्येव भविष्यति—

اگر آپ کہیں برہمن تو برہمن پیدا ہوں گے

اگر آپ کہیں کہ برہمن نہیں تو نہیں پیدا ہوں گے یہ واقعی ہو جائے گا۔ جو ہمیشہ خود کو کمزور خیال کرتا ہے وہ کبھی طاقتور نہیں بن سکتا لیکن جو شخص خود کو سمجھتا ہے کہ وہ شیر ہے निर्गच्छति जगज्जालात् पिञ्जरादिव केशरी । وہ دنیا کے جال سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح شیر اپنے پنجرے سے دوسرا نکتہ۔ یہ کوئی نئی سچائی نہیں ہے کہ رام کرشن تبلیغ کے لئے آئے اگرچہ ان کی بشارت کے نتیجہ میں پرانے نظریات پر روشنی پڑی۔ انکے اندر قدیم بھارت کے تمام پرانے نظریات حلول کر گئے تھے۔ واقعی شاستروں میں جو کچھ ہے وہ مجھے صرف انکی زندگی میں نظر آیا انکی زندگی پرانے شاستروں کا پورا خاکہ اور منصوبہ انہیں دیکھ کر میری سمجھ میں آیا۔

اس ملک کے اندر مشنری (پادری) اور دوسرے لوگ میرے خلاف کچھ زیادہ نہیں کر سکتے۔ ایشور کی دیا سے یہاں کے لوگ مجھے بہت پسند کرتے ہیں اور وہ ایک خاص قسم کے لوگوں کے بہکاوے میں نہیں آ سکتے۔ وہ ایک ایسے انداز میں میرے نظریات کو پسند کرتے ہیں کہ جس انداز میں میرے دیش واسی پسند نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خود غرض نہیں ہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ کہ ہے کہ جب عمل کا وقت آتا ہے تو وہ حسد کو ترک کر دیتے ہیں اور خود کفالتی کے تمام نظریات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی بات ہے جس نے انہیں عظیم بنایا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ زر علیہ السلام کی پوجا کر سکتے ہیں۔ ہر شے دولت سے تولی جاتی ہے۔ ہمارے ملک کے اندر لوگ مالی معاملات میں بہت آزاد ہیں۔ یہاں ایسا نہیں ہے۔ ہر گھر میں ایک لالچ ہے۔ یہی یہاں کا زیادہ تر مذہب ہے۔ لیکن جب وہ کوئی بدی کرتے ہیں تو پادریوں کے سامنے اپنے گناہ بخشواتے ہیں اور روپیہ کے ذریعہ جنت کا پروانہ حاصل کرتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں (پروہتائی) ہر ایک ملک کے اندر موجود ہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ آیا میں ہندوستان کو واپس جاؤں گا یا نہیں اور اگر جاؤں گا تو کب۔ مجھے وہاں بھی وہی جہاں گرد کی زندگی گذارنی ہے۔ جو یہاں گذار رہا ہوں۔ لیکن یہاں ہزاروں لوگ میری تقریروں کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور ان ہزاروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن کیا بالکل یہی بات آپ ہندوستان کے لئے کہہ سکتے ہیں۔ سارداجو کچھ کر رہے ہیں میں قطعی طور پر اس سے متفق ہوں۔ ان کا ہیرالد بار شکریہ۔ بمبئی اور مدراس میں میرے ایسے بہت سے آدمی ہیں جن کو میں دل سے چاہتا ہوں۔ وہ پڑھے لکھے ہیں اور ہر بات کو سمجھتے ہیں۔ مزید براں وہ نرم دل ہیں اور انسان دوستی کے جذبے

کی قدر کرتے ہیں۔ میں نے کوئی کتاب یا اس قسم کی کوئی چیز شائع نہیں کی ہے۔ میں صرف تقریریں کرنے جاتا ہوں۔ جب میں اپنے ماضی کے واقعات کا تجزیہ کرتا ہوں تو مجھے اپنے کاموں پر پشیمانی نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اسی بات کی اشاعت کے لئے میں نے ایک ملک سے دوسرے ملک تک کا دورہ کیا ہے۔ خواہ وہ بات کتنی ہی معمولی سہی، اور اس کے بدلے میں میں نے ان لوگوں کو جو کچھ بتایا ہے روٹی نہیں حصہ بٹایا ہے۔ اگر میں محسوس کرتا کہ میں نے کوئی کام نہیں کیا صرف اپنی کفالت کی ہے تو میں آج خودکشی کر چکا ہوتا۔ وہ لوگ جو خود کو دوسرے انسانوں کو تلقین کرنے کا اہل نہیں پاتے گورو کا بھیس کیوں بھرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دے کر روزی کیوں کماتے ہیں؟ کیا یہ ایک گناہ کبیرہ نہیں ہے۔

آپ کا

دویکانند

25

بھگوان رام کرشن کی جے ہو

1895.

ڈیر اکھل[1]

اب مجھے کافی اخبارات وغیرہ مل گئے ہیں اور تمہیں مزید بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تحریک کو ہندوستان کے اندر پھیلاؤ۔

ہر روز ایک سنسنی پیدا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے اس ہنگامہ سے فائدہ اٹھاؤ اور تحریک کو ہندوستان کے اندر عام کردو۔ تمام حلقوں میں خود کو پھیلاؤ۔ دوسرے الفاظ میں مختلف حصوں میں شاخیں وغیرہ کھولنے کی کوشش کرو۔ اس آواز کو بے اثر نہ رہنے دو۔ تمہیں مدراسیوں کے ساتھ اشتراک کرنا چاہئے اور ایسوسی ایشن وغیرہ قائم کرنی چاہئیں۔ میں نے سنا تھا میگزین (رسالہ) نکلنے والا ہے اس کا کیا رہا؟ آگے بڑھو کوئی جوانمردی کا کام کرو بھائی اگر تم نے مکتی حاصل نہ کی تو بات کیا ہوئی۔ کیا فائدہ اگر لوگ تم کو چند بار مورد الزام قرار دیں؟ ۔ کیا یہ کہاوت غلط ہے۔

---

[1] سوامی برہمانند

آپ پرم ہنس رام کرشن کے پرکھما اور شردمتی ششیہ تھے۔ اور شری رام کرشن مٹھ اور مشن کے پہلے پردھان تھے۔

मनसि वचसि काये पुण्यपीयूषपूर्णाः
त्रिभुवनमुपकारश्रेणिभिः प्रीणयन्तः ।
परगुणपरमाणुं पर्वतीकृत्य नित्यं
निजहृदि विकसन्तः सन्ति सन्तः कियन्तः ॥

"کچھ ایسے سادھو ہوتے ہیں جو اپنے مقدس خیالات الفاظ اور کاموں سے پوری دنیا کو مسرت بخشتے ہیں۔ اور مختلف فائدے پہنچاتے ہیں اور جو دوسروں کے دلوں میں نیکی کا احساس جگا کر خود اپنے دلوں کو اسقدر عظیم بنا لیتے ہیں جیسے وہ کوئی پہاڑ ہوں۔" (بھرتری ہری نیتی شتک)

کیا فائدہ اگر تم مکتی حاصل نہ کر سکے ؟ کیا بچوں جیسی باتیں کرتے ہو۔ ایشورہ! وہ کہتے ہیں کہ اگر سانپ بھی اپنے زہر سے انکار کرے تو اس کا زہر ختم ہو جاتا ہے۔ کیا یہ درست نہیں ہے۔ یہ کہنا کیا عاجزی کی بات ہوئی کہ میں کچھ نہیں جانتا میں کچھ بھی نہیں ہوں! یہ بے معنی ترک علایق ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں یہ عاجزی کا مضحکہ اڑانا ہے۔ اس قسم کے احساس کو ختم کرو۔ اگر تم نہیں جانتے ہو تو پھر دنیا میں کون جانتا ہے۔ اگر تم خود کو ناواقف کہتے ہو تو پھر اتنے لمبے عرصے کیا کرتے رہے ہو؟ یہ ایک معلم اخلاق کے الفاظ نہیں۔ ایک خانہ بدوش کی عاجزی سے ابکائی آتی ہے ہم ہر ایک کام کر سکتے ہیں اور ہر ایک کام کریں گے جو خوش قسمت ہے بہادری کے ساتھ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیگا بے کار بزدل بلیوں کی طرح گھروں میں گھسے رہیں گے۔ ایک سادھو نے لکھا ہے۔ جناب" آپ کے اندر کافی آب و تاب ہے اب گھر واپس آ جاؤ"۔ میں اسے ایک مرد کہوں گا جو ایک گھر تعمیر کرے اور مجھے کہے کہ آجاؤ۔ دس سال کے تجربہ نے مجھے، کافی عقلمند بنا دیا ہے۔ اب میں الفاظ سے بہلنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میرے ساتھ وہ رہے گا جس کے دل میں محبت اور جس کے دماغ میں حوصلہ ہے۔ میں اور دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اگرچہ ماتا کی کرپا سے میں اسوقت تنہا ایک لاکھ کے برابر ہوں اور بیس لاکھ کے برابر ہو جاؤں گا۔ میری ہندوستان کو واپسی کے سلسلہ میں کوئی یقینی، بات نہیں ہے۔ مجھے وہاں بھی گھوم پھر کر زندگی گذارنی ہے وہ میں یہاں بھی گذار رہا ہوں لیکن یہاں ایک شخص بڑھے لکھوں کے درمیان رہتا ہے اور وہاں بے وقوفوں کے درمیان رہتا ہو گا۔ دونوں جگہوں میں یہ فرق ہے کہ یہاں لوگ تنظیم کرتے ہیں۔ کام کرتے ہیں جب کہ ہمارے تمام کام سستی غلط قسم کے ترک علائق اور حسد وغیرہ کا مقابلہ کرتے ہوئے مٹی میں مل جاتے ہیں ———— مجھے بار بار بڑے بڑے خطوط لکھتا ہے۔ جن کا نصف میرے لئے خط رموزی کو پڑھنے کے برابر ہے۔ کیونکہ خبر کا بڑا حصہ کچھ اسی قسم کا ہوتا ہے۔ فلاں فلاں آدمی آپ کی برائی کر رہا تھا۔ میں اس کو برداشت نہ کر سکا اور میرا اس سے جھگڑا ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ میں بہت شکر گذار ہوں کہ اس نے میری حمایت

کی لیکن کچھ خاص قسم کے لوگ میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں اسکو سننے میں میرا کیا حرج ہے स्वल्पश्च
कालो वहवश्च विघ्ना "وقت کم ہے اور دشواریاں بہت۔"

ایک منظّم سماج مطلوب ہے۔ ششی کو انتظام سنبھالنے دو۔ سنیال روپیہ پیسہ کے معاملات اور خرید وفروخت کا کام سنبھال لے اور سرت سکریٹری کا کام کرے یعنی خطوط وغیرہ لکھے۔ ایک مستقل مرکز بنالو۔ جس قسم کی کوشش اب تم کر رہے ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیا تم میری بات سمجھ رہے ہو؟ میرے لئے اخبارات کا کافی بلند ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب تم کوئی دوسرا کام کرو۔ اگر تم ایک مٹھ بنالو تو میں سمجھوں گا کہ تم ایک شیر ہو ورنہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔ جب کام شروع کرو تو مدراس سے مشورہ کر لینا۔ مدراسیوں میں کام کرنے کی بڑی صلاحیت ہوتی ہے۔ اس سال رام کرشن اس درجہ شان کے ساتھ مناؤ کہ ریکارڈ قائم ہو جائے۔ پروپیگنڈہ جس قدر کم ہو اسی قدر زیادہ بہتر ہے اگر تم ایک ایک کو پرشاد تقسیم کر دو تو یہ کافی ہے۔

میں سوامی رام کرشن کے بارے میں انگریزی میں ایک بہت مختصر خاکہ لکھنے والا ہوں۔ اس کو میں تمہیں بھیج دوں گا۔ تم اس کو شائع کر لینا۔ اور بنگلہ میں ترجمہ کرا لینا۔ اور اُتسو کے موقع پر اس کو فروخت کرنا۔ لوگ ان کتابوں کو نہیں پڑھتے جو مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ کچھ کم سے کم قیمت رکھ دینا۔ اُتسو شان وشوکت کے ساتھ مناؤ۔

تمہارے ساتھ کام کرنے کے لئے ہر پہلو سے ذہین آدمی ہونے چاہئیں۔ جس گاؤں یا شہر میں جاؤ وہاں ایک اسیوسی ایشن کھولو۔ کیا تم نے اب تک دیہات کا جو دورہ کیا ہے وہ فضول نہیں ہے، ہمیں آہستہ آہستہ ہری سبھا اور اس قسم کی دوسری انجمنوں کو اثر میں لانا چاہئے۔ کیا بتاؤں میرے دل میں جو کچھ ہے میں تم سے وہ سب کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی مجھ سا ایک اور آدمی مجھے مل جائے! ایشور مجھے ہر چیز وقت پر مہیا کرے گا...... اگر کسی کے اندر طاقت ہے تو اس کو اس کا مظاہرہ عمل کے ذریعہ کرنا چاہئے۔ مکتی اور بھگتی کے اپنے خیالات کو چھوڑ دو۔ دنیا میں صرف ایک ہی طریقہ ہے परोपकाराय हि सतां जीवितं, परार्थं प्राज्ञ उत्सृजेत्।
"نیک آدمی صرف دوسروں کے لئے جیتا ہے۔ عقلمند آدمی کو دوسروں کے لئے قربانی کرنی چاہئے۔" میرا بھلا اسی وقت ہو سکتا ہے جب میں تمھارا بھلا چاہوں۔ کوئی اور دوسرا راستہ نہیں۔ کوئی راستہ خواہ وہ کچھ بھی ہو ——— تم ایشور ہو۔ میں ایشور ہوں۔ آدمی ایشور ہے یہی ایشور ہے جو کہ انسانیت میں ظاہر ہے اور اس دنیا میں ہر ایک کام کو انجام دے رہا ہے۔ کیا کوئی اور مختلف ایشور موجود ہے۔ جو کہ کسی جگہ کہیں بلندی پر بیٹھا ہو؟ - اس لئے کام کرو بملانے مجھے ششی (سانیال) کی لکھی ہوئی ایک کتاب بھیجی ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد بملا یہ سمجھی ہے کہ دنیا

کے تمام لوگ ناپاک ہیں اور فطرتاً وہ اس بات کے اہل نہیں کہ مذہب کی روشنی (حجت) حاصل کر سکیں۔ نیز یہ کہ ہندوستان کے مٹھی بھر برہمن ہی اس کا پورا پورا حق رکھتے ہیں اور پھر کہنا چاہئے ان میں بھی سنیال اور بملاچا مذاور سورج ہیں ـــ شاباش۔ فی الواقع یہی طاقت ور مذہب ہے! بنگال میں خاص طور پر اس قسم کا مذہب زیادہ آسانی کے ساتھ قابلِ عمل ہے۔ اس سے زیادہ کوئی اور آسان راستہ ہے ہی نہیں۔ زہد اور تمام تر روحانی قوت کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ یہ کہ میں ہی پوتر ہوں اور باقی سب لوگ اَپوتر ہیں! کس قدر درندہ صفت شیطانی اور خبیث مذہب ہے یہ۔ اگر امریکہ کے لوگ مذہب کے لئے ناموزوں ہیں اگر یہاں مذہب کا پرچار کرنا نامناسب ہے تو ان کی امداد کے خواہش مند کیوں ہو؟ ایسے مرض کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ اچھا تم ششی (مہانیال) سے کہو کہ وہ مالابار چلا جائے۔ وہاں راجہ اپنی رعیت کی زمینوں کو لیکر برہمنوں کے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔ وہاں ہر ایک گاؤں میں بڑی بڑی دھرم شالائیں ہیں جہاں شاندار کھانا کھلایا جاتا ہے ساتھ ہی کچھ دکشنا بھی دی جاتی ہے.... جب کسی کا مطلب نکلتا ہو تو غیر برہمن ذاتوں کے لوگوں کو چھونے میں کوئی حرج نہیں لیکن جب تم کسی غیر برہمن کو چھو لو تو نہانا واجب ہو جائے۔ کیونکہ غیر برہمن ذاتیں ناپاک ذاتیں ہیں دوسرے مواقع پر انہیں نہیں چھونا چاہئے۔ وہ لوگوں سے دان لیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی چلا کر کہتے ہیں مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ کیا ہی بڑا کارنامہ وہ انجام دے رہے ہیں۔ اگر وہ ہاتھوں کو پاک کرنے کے لئے مٹی سے ایک درجن بار نہ دھوئیں تو ان کی چودہ نسلیں یا شائد چوبیس نسلیں نرک میں جائیں گی۔ اس قسم کے پیچیدہ مسائل کے سلسلہ وہ پچھلے دو ہزار برسوں سے تاویلیں گھڑتے رہے ہیں۔ جب کہ ایک چوتھائی آبادی بھوکوں مر رہی ہے۔ ایک آٹھ سالہ لڑکی کی شادی ایک تیس سالہ آدمی کے ساتھ کر دی جاتی ہے۔ اور ماں باپ تو خوشیاں مناتے ہیں۔ اور اگر کوئی اس کے خلاف احتجاج کرتا ہے تو دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ہمارا مذہب بدلا جا رہا ہے۔ ان کا یہ کس قسم کا مذہب ہے جو اپنی لڑکیوں کو سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے ہی ماں بنتی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے نئی تاویلیں پیش کرتے ہیں۔ بہت سے مسلمانوں کے سر اس کا الزام تھوپتے ہیں۔ واقعی مسلمانوں کے سر الزام آتا ہے! گرہ سوتر کو پورا پڑھ جایئے اور دیکھئے کہ اس کے مطابق شادی کے لئے ایک لڑکی کی عمر کیا ہونی چاہئے اس میں بڑی وضاحت کے ساتھ درج ہے کہ لڑکی کی شادی بہت کم عمر میں کر دی جانی چاہئے۔ اور ویدک متو میدھ کے اندر اور بھی زیادہ بری باتیں درج ہیں جن کو برہمن بیان کرتے ہیں۔ اور تمام مُبَصّرین ان کو سچا تسلیم کرتے ہیں تم ان باتوں سے انکار کیسے کر سکتے ہو؟

ان سب باتوں کو بیان کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں بہت سی اچھی باتیں تھیں تو بہت سی بری باتیں بھی تھیں۔ اچھی باتوں کو اختیار کرنا چاہئے اور ہندوستان مستقبل کے ہندوستان کو ماضی کے ہندوستان کے مقابلہ میں زیادہ عظیم ہونا چاہئے۔ جس روز سوامی رام کرشن پیدا ہوئے اس روز سے ہندوستان کی جدید ترقی کا دور شروع ہوا ہندوستان کے سنہری دور کا آغاز ہوا۔ دل میں اس یقین کو لے کر کام کرو۔

ایک طرف تم رام کرشن کو کہتے ہو کہ وہ آدمی کے روپ میں ایشور تھے۔ اور دوسرے ہی سانس میں کہتے ہو کہ تم ناواقف ہو تو مجھے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہنا پڑتا ہے کہ تم بنیادی طور پر جھوٹے ہو۔ اگر رام کرشن پرم بچے ہیں تو تم بھی سچے ہو لیکن تم کو سچا ظاہر کرنا چاہئے۔ تمہارے اندر بھی شاندار اور شدید طاقت موجود ہے دنیا اس کے سامنے بہہ جائے گی۔ ایک معلم اخلاق صرف اپنے اندر کی طاقت سے کام لیتا ہے۔ جو لوگ ایشور پر یقین رکھتے ہیں بہادر ہوتے ہیں۔ وہ شدید طاقت کا مظاہرہ کریں گے۔ دنیا ان کے سامنے بہہ جائے گی۔ غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرو اور ان کی امداد کرو۔ آدمی ایشور ہے وہ نارائن ہے آتما کے اندر مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ نہ برہمن، اور کھشتری وغیرہ کی کوئی تمیز ہوتی ہے پیدا کرنے والے سے لے کر گھاس پھوس تک سب کچھ نارائن ہے۔ کیڑے طاقت کم ظاہر کرتے ہیں اور پیدا کرنے والا زیادہ ہر وہ کام جو ایک شخص کو اس کی طاقت کم ظاہر کرنے میں مدد دیتا ہے اچھا ہے جو اس کے برعکس اثر کرتا ہے برا ہے۔

اپنی مافوق البشری فطرت کو ظاہر کرنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے کہ دوسروں کو بھی انکی مافوق البشری فطرت کے اظہار میں مدد دی جائے۔

اگر فطرت میں نامساوات ہے تو بھی سب کے لئے مساوی مواقع ہونے چاہئیں۔ یا اگر کسی میں کم یا کسی میں زیادہ ہے تو جس میں کم ہے اس کو زیادہ موقع دیا جانا چاہئے۔

دوسرے الفاظ میں ایک برہمن کو ایک چنڈال کے مقابلہ میں تعلیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر ایک برہمن کے بچے کو ایک استاد کی ضرورت ہے تو چنڈال کے لڑکے کو دس ٹیچروں کی کیونکہ اس کو زیادہ امداد دی جانی چاہئے جس میں پیدائشی طور پر کلی ذہانت موجود نہیں ہے۔ جو آدمی بانس بریلی بھیجنے کو سوچتا ہے۔ وہ پاگل آدمی ہے۔ غریبوں مظلوموں اور جاہلوں کو اپنا ایشور بناؤ۔

تمہارے سامنے ایک خوفناک کھائی ہے احتیاط سے کام لو بہت سے اس میں گر جاتے ہیں اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ کھائی یہ ہے کہ موجودہ ہندو مذہب ویدوں میں نہیں ہے نہ پرانوں میں ہے نہ بھگتی میں اور نہ مکتی میں۔ مذہب رسوئی گھروں میں داخل ہو چکا ہے۔ ہندوؤں کا موجودہ مذہب نہ تو گیان کا راستہ ہے نہ دلیل کا۔ یہ "مت چھوؤ"، ہے۔ مجھے ہاتھ نہ لگاؤ! مجھ کو ہاتھ نہ لگاؤ! اس بات کی احتیاط رکھو کہ تمہاری جانیں اس سخت لامذہب مجھے مت چھوؤ،، میں ضائع نہ ہو جائیں۔ تعلیم یہ ہونی چاہئے - आत्मवत् सर्वभूतेषु "تمام دوسروں کو اپنی طرح سمجھو"۔ کیا یہ بات صرف کتابوں میں لکھے رہنے کے لئے ہی ہے؟ وہ لوگ مکتی کس طرح حاصل کر سکتے ہیں جو ایک بھوکے کے منہ میں روٹی کا ٹکڑا تک نہیں ڈال سکتے وہ لوگ دوسروں کو کس طرح پوتر کر سکتے ہیں۔ جو محض دوسرے

کے سانس ہی سے اپوتر ہو جاتے ہیں۔" مجھے ہاتھ نہ لگاؤ"، ایک قسم کی ذہنی بیماری ہے۔ ہوشیار رہو۔ تمام وسعت زندگی ہے اور تمام تنگی موت۔ تمام پیار و محبت ہے اور تمام خود غرضی تنگی۔ اس لئے پیار ہی زندگی کا ایک قانون ہے۔ جو محبت اور پیار کرتا ہے زندہ رہتا ہے جو خود غرض ہوتا ہے مرجاتا ہے اس لئے پیار کی خاطر پیار کرو۔ کیونکہ زندگی کا صرف یہی ایک قانون ہے بالکل اسی طرح کا جس طرح تم جینے کے لئے سانس لیتے ہو۔ بے غرض محبت کا یہی راز ہے بے غرض عمل کا یہی راز ہے اور باقی...... اگر تم ششی (سانیال) کو سمجھا سکتے ہو تو سمجھاؤ وہ بہت اچھا اور ذہین آدمی ہے لیکن اس کا دل بہت تنگ ہے۔ اس کے اندر دوسروں کی تکالیف کا احساس نہیں پیدا ہو سکتا۔ رحم ایشور ہے۔ ایشور کے روپ میں جو لوگ آئے ان میں بھگوان چیتنیہ سب سے عظیم تھے لیکن مقابلتاً ان کے اندر عمل کی کمی تھی رام کرشن کے ایشور میں، گیان ہے۔ قربانی ہے اور پیار لامحدود علم اور محدود پیار اور لامحدود عمل تمام مخلوق کے لئے لامحدود تڑپ.... تم ابھی انہیں سمجھ نہیں سکے श्रुत्वाप्येनं वेद न चैव कश्चित् یہاں تک کہ ان کے بارے میں لوگ سُن کر بھی بہت سے نہیں سمجھتے۔"، ہندو قوم نے جو کچھ صدیوں میں حاصل کیا وہ انھوں نے صرف اپنی ایک زندگی میں حاصل کر لیا۔ انکی زندگی تمام اقوام کے ویدوں کی زندہ شرح ہے۔ لوگ آہستہ آہستہ ہی انہیں پہچانیں گے۔ میرے پرانے رفیق جدوجہد۔ روشنی تک پہنچنے کیلئے جدوجہد۔ آگے بڑھو۔

تمہارا خدمت گزار
دویکانند

(26)

U. S. A.,
17 فروری 1896.

پیارے آلاسنگھ!

کام خوفناک حد تک سخت ہے۔ اور جس قدر یہ بڑھتا جائے گا سخت اور دشوار ہوتا جائے گا۔ مجھے لمبے عرصہ کے لئے آرام کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ تاہم ابھی انگلینڈ میں میرے سامنے بہت کام ہے۔
میرے بچے صبر سے کام لو۔ یہ کام تمہاری توقعات سے زیادہ بڑھ جائے گا ہر کام کو کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لئے سینکڑوں قسم کی دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جو لوگ جد وجہد کرتے ہیں ان کو جلد یا بدیر روشنی ملے گی۔
امریکی تہذیب کے اس مرکز نیویارک میں مجھے بیداری پیدا کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ لیکن یہ ایک خوفناک جدوجہد رہی ہے میں نے اس نیویارک اور انگلینڈ میں اپنے تمام تر علم اور گیان کو صَرف کر دیا ہے۔ اب معاملات ایسی شکل

اختیار کر گئے ہیں کہ وہ آگے بڑھتے رہیں گے۔

ہندو نظریات کو انگریزی میں پیش کرنا اور پھر خشک فلسفہ، پیچیدہ دیومالا اور عجیب و غریب حیرت انگیز نفسیات میں سے ایک ایسے مذہب کو پیش کرنا کہ جو آسان ہو، سادہ ہو اور مقبول ہو اور ساتھ ہی اعلیٰ ترین ذہنوں کی ضروریات کو پورا کر سکے ایک بہت مشکل کام ہے۔ اس کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس کے لئے کوشش کی ہو۔ روزمرہ کی زندگی میں ادویت کا خلاصہ زندہ اور شاعرانہ ہونا چاہیئے۔ ثقیل الفاظ کے سینے چیر کر بنیادی اخلاقی اصولوں کو واضح کیا جانا چاہیئے۔ حیران کن یوگی ازم کو سائنٹفک انداز میں قابل عمل فلسفہ کے طور پر پیش کیا جانا چاہیئے اور ان سب کو اس طرح پیش کرنا چاہیئے کہ ایک بچہ بھی سمجھ لے۔ یہی میری زندگی کا مقصد ہے۔ ایشور ہی جانتا ہے کہ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ ہمیں کام کرنے کا حق ہے۔ اس کے نتائج کو معلوم کرنے کا نہیں میرے بچے! یہ ایک بہت مشکل کام ہے بہت ہی مشکل۔ اس کام۔ کینچن (ہوس اور دولت) کے درمیان کوئی اپنے ہوش کو برقرار رکھے۔ اور خود اپنے نظریات پر مضبوطی سے قائم رہے۔ یہاں تک کہ چیلے گیان اور ویراگ کے نظریات پر یقین کے لئے آمادہ ہو جائیں میرے بچے! بہت ہی مشکل کام ہے۔ ایشور کا شکر ہے کہ پہلے ہی عظیم کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ میں پادریوں کو اور دوسروں کو الزام نہیں دیتا کہ انہوں نے مجھے نہیں سمجھا۔ انہوں نے ایسا آدمی مشکل ہی سے دیکھا ہوگا۔ جو روپیہ اور عورت کی ذرا بھی پروانہ کرتا ہو تو شروع میں وہ اس پر یقین ہی نہ کر سکے کہ یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ وہ کس طرح یقین کر سکتے تھے؟ تمہیں یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ یورپ کے لوگ پاکیزگی اور طہارت کے ایسے ہی نظریات رکھتے ہیں جیسے کہ ہندوستانی ان کے نزدیک نیکی اور ہمت ہم معنی ہیں۔ اب لوگ گروہ در گروہ میرے پاس آتے ہیں اور اب انہیں یقین آگیا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ جو اپنی تمام نفسانی خواہشات کو ختم کر ڈالتے ہیں اور جسمانی خواہشات پر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں۔ اور ان اصولوں کا احترام اب بڑھ رہا ہے۔ کامیابی اسی کو ملتی ہے جو انتظار کرتا ہے

تمہیں ہمیشہ ہمیشہ ایشور اپنی برکتیں دے۔

پیار کے ساتھ تمہارا

وویکانند

(27)

سوئٹزرلینڈ

۱۸ر اگست ۱۸۹۶ء

ڈیر گڈون[1]

میں اب آرام کر رہا ہوں۔ میں نے مختلف خطوط میں کرپانند[2] کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ مجھے اس کے

---

[1] جے جے گوڈون   [1] J. J. Goodwin.

[2] لیون لینڈسبرگ (تفصیل اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)   [2] Leon Landsberg.

متعلق دکھ ہے۔ اس کے دماغ میں کچھ خرابی ضرور ہے۔ آپ لوگوں میں سے کسی کو اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے نقصان پہونچانے کا تعلق ہے یہ دیوتاؤں یا شیطانوں کی طاقت سے باہر کی بات ہے۔ اس لئے فکر نہ کیجئے۔ یہ انتہائی غیر متزلزل محبت اور مکمل بے غرضی ہے جو کہ ہر چیز پر کامیابی اور فتح حاصل کرتی ہے ہم ویدانت پر یقین رکھنے والے ہر مشکل کے وقت خود سے یہ سوال کیا کرتے ہیں۔ مجھے یہ مشکل کیوں پیش آتی ہے؟ میں اس محبت کے ساتھ قابو کیوں نہیں پا سکتا؟ "

سوامی کا جس طرح سواگت ہوا اور جس طرح وہ کام کر رہے ہیں اس پر مجھے خوشی ہے۔ بڑے کاموں کیلئے لمبے عرصے کے لئے بڑی اور مسلسل کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر چند کوششیں ناکام ہو جائیں تو اس سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہئے۔ یہ چیز دل کی فطرت ہے کہ بہت سی ناکام ہوتی ہیں مصیبت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور شدید دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جب خود غرضی اور دوسری برائیوں کو روحانیت کی آگ روشن کر کے اندر سے نکالا جاتا ہے تو وہ، سخت جدوجہد کرتی ہیں۔ دنیا میں اچھائی کا راستہ بہت دشوار گذار اور خار زار ہوتا ہے۔ حیرت اس پر ہونی چاہئے کہ بہت سے کامیاب ہو جاتے ہیں حیرت اس بات پر نہیں ہونی چاہئے کہ بہت سے ناکام ہو جاتے ہیں۔ ایک ہزار لغزشیں زندگیاں لگتی ہیں جب کردار بنتا ہے۔

اب میں کافی تازگی محسوس کرتا ہوں۔ میں کھڑکی میں کھڑا ہو کر باہر کی طرف جھانکتا ہوں اور اپنے سامنے بڑے بڑے گلیشیر دیکھتا ہوں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ہمالیہ پر ہوں۔ میں بالکل پرسکون ہوں میرے اعصاب نے اب پھر طاقت حاصل کر لی ہے۔ اب اس قسم کی پریشانیوں کا جن کا تم ذکر کرتے ہو مجھے احساس نہیں ہوتا بچوں کے اس کھیل سے میں کب تک پریشان ہوتا رہوں گا۔ یہ تمام دنیا بچوں کا کھیل ہے۔ اس میں پرچار اور تعلیم دینا سب کچھ شامل ہے۔ اس کو سنیاسی جانو جو نہ نفرت کرتا ہے اور نہ خواہش رکھتا ہے۔ اور دنیا کے اس معمولی سی مٹی کے جوہڑ میں جس کے ساتھ تکلیف۔ بیماری اور موت لگی ہے خواہش کرنے کیلئے رکھا بھی کیا ہے صرف وہی خوش رہتا ہے جو کہ تمام خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔

مسٹر جے جے گڈون شری سوامی جی کے انگامر پرشتیہ تھے۔ یہ مسٹر گڈون تھے، جنہوں نے سوامی جی کے بیشتر لیکچروں کے نوٹ لئے تھے۔ مسٹر گڈون شری سوامی جی کے ساتھ امریکہ اور برطانیہ رہے اور پھر ان کے ہمرکاب ہندوستان آ گئے۔ جہاں ان کی وفات ہوئی۔ مسٹر لینڈزبرگ کا پورا نام تھا۔ ہرلیون لینڈزبرگ۔ یہ جنم سے روسی یہودی تھے جو نیو یارک کے سرکردہ اخبار کے سٹاف ممبر تھے۔ یہ شری سوامی جی کے شاشیہ تھے جنہوں نے سنیاس لے لیا تھا۔ شری سوامی جی نے ان کا نام رکھا تھا، کرپانند۔

یہاں آرام دوامی اور پرامن آرام ہے میں اس خوبصورت سرزمین کے نظارہ میں محو ہوں۔ ایک بار یہ جان لینے کے بعد کہ صرف آتما کا وجود ہے کسی اور چیز کا نہیں۔ کس کی خواہش کی جائے اور کسکے لئے کی جائے کیا تم جسم کی تکالیف سے چھٹکارا پا سکتے ہو۔

ایک اچھی دنیا ایک پرمسرت دنیا اور سماجی ترقی تمام اصطلاحات اسی طرح قابل فہم ہیں جس طرح گرم برف اور تاریک روشنی۔ اگر یہ اچھی ہوتی تو یہ دنیا نہ ہوتی۔ روح بے وقوفی سے کام لے کر محدود مادّہ میں لامحدود کے اظہار اور کثیف ذرّات میں ذہانت کے بارے میں سوچتی ہے لیکن آخرکار وہ اپنی غلطی محسوس کرتی ہے اور فرار کی کوشش کرتی ہے۔ یہ واپسی مذہب کا آغاز ہے اور اس کا طریقہ اپنے اندر خود کو کچلنا یعنی محبت ہے۔ محبت بیوی، بچہ یا کسی اور کے ساتھ نہیں۔ بلکہ اس معمولی خودی کے علاوہ ہر شے سے محبت، انسانی ترقی اور اسی قسم کی دوسری لمبی چوڑی باتیں سن کر نہ بہکو جو کہ تم امریکہ میں سنتے ہو۔ لغزش کے بغیر کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ ایک سماج میں ہر ایک قسم کی برائیاں موجود ہیں دوسری میں دوسری قسم کی۔ قرون وسطےٰ میں لٹیروں کی کثرت تھی۔ آج جعل ساز بہت ہیں۔ ایک زمانہ میں شادی شدہ زندگی کے بارے میں کم درجہ کے خیالات تھے۔ دوسرے زمانہ میں زیادہ عصمت فروشی۔ ایک دور میں زیادہ نفسیاتی تکلیف ہوئی ہے تو دوسرے میں ایک ہزار گنا زیادہ ذہنی ایسا ہی علم کے ساتھ ہے۔ کیا فطرت کے مشاہدہ اور اس کا نام رکھے جانے سے پہلے اس کے اندر کشش نہ تھی۔ ؟ تب یہ جاننے سے کہ وہ اس کے اندر موجود ہے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا تم ایک ریڈ انڈین سے زیادہ، خوش ہو ؟ ,

اگر کوئی قیمتی گیان ہے تو وہ یہ جاننا ہے کہ یہ سب کچھ وہم اور پھندہ ہے لیکن بہت کم بہت ہی کم اسکو جان پاتے ہیں۔ صرف آتما کو جانو اور دوسرے تمام الفاظ کو ترک کر دو۔ یہی گیان ہے جو کہ ہم اس دنیا کی ہنگامہ خیزی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ کام صرف یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو بیدار کیا جائے اٹھایا جائے کہ وہ اس وقت تک نہ رکے جب تک کہ منزل مقصود پر نہ پہنچ جائے۔ یہی تیاگ ہے اور اس کا مطلب سوائے مذہب کے اور کچھ نہیں ہے۔

ایشور انسانوں کے اجتماع کا نام ہے۔ تاہم وہ خود بالکل اسی طرح ایک فرد بھی ہے۔ جس طرح انسانی جسم ایک اکائی ہے۔ جس کا ہر ایک خلیہ ایک فرد ہے۔ ہستی یا اجتماع کا نام ایشور ہے۔ ویاشتی اور جزو روح جیو ہے۔ اس لئے ایشور کے وجود کا انحصار جیو پر ہے جس طرح خلیہ کا انحصار جسم پر ہے۔ ایشور اور ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ زندہ ہیں۔ جب تک ایک زندہ ہے دوسرا بھی رہے گا پھر چونکہ تمام اونچے میدانوں میں سوائے ہماری

زمین کے بُری کے مقابلہ میں نیکیوں کی افراط زیادہ ہے اسلئے ایشور کو تمام تر نیکی کہا جاتا ہے وہ ہر جگہ موجود ہے۔ یہ واضح صفات ہیں ان کو ثابت کرنے کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں ہے۔

برہم ان دونوں سے الگ ہے۔ اور ایک کیفیت میں ہے۔ صرف یہی ایک اکائی ہے جو بہت سی اکائیوں سے مل کر نہیں بنی ہے۔ یہ ایک اصول ہے جو سب کے اندر حلول کئے ہوئے ہے چاہے وہ خلیہ ہو یا ایشور اور اس کے بغیر کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ حقیقت جو کچھ ہے وہ یہی اصول اور برَاہمن ہے۔ جب میں یہ سوچتا ہوں کہ میں براہمن ہوں تب پھر میرا ہی وجود رہتا ہے۔ یہی بات اس وقت ہوگی جب آپ ایسا سوچیں۔ ہر ایک اس اصول کی تکمیل ہے۔

چند روز قبل میرے اندر کرپانند کو خط لکھنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ شائد وہ ناخوش تھا۔ اور میرے بارے میں سوچ رہا ہوگا۔ بس میں نے اس کو ایک محبت بھرا خط لکھا۔ آج امریکی خبروں سے مجھے معلوم ہوا کہ ایسا کیوں تھا۔ میں نے اس کو گلیشیرؔوں[1] کے قریب سے جمع کئے ہوئے پھول بھیجے۔ مس والڈو[2] سے کہئے کہ وہ اس کو کچھ روپیہ اور بہت بہت پیار بھیجے۔ پیار کبھی نہیں مرتا۔ بچے خواہ کچھ بھی کریں اور کیسے ہی ہوں، باپ کا پیار کبھی نہیں مرتا۔ وہ میرا بچہ ہے اور جب کہ وہ تکلیف میں ہے میری محبت اور امداد اسے حاصل ہے۔

دعاؤں کے ساتھ تمہارا

دویکانند

(28)

AIRLIE LODGE,
RIDGEWAY GARDENS,
WIMBLEDON, ENGLAND,
17 مارچ *1896.*

پیاری بہن[1]

دو ماہ تک سوئٹزرلینڈ میں گھومنے اور پھرنے اور آبشاروں کی سیر کرنے کے بعد آج انگلینڈ پہنچ گیا۔ اس سے

---

[1] برف کی چٹانیں glaciers.

[2] مس والڈو Miss Waldo

[1] مس میری ہیلے Miss Mary Hale.

مجھے ایک فائدہ ہوا اور وہ کہ میرا فضول دو پونڈ وزن بڑھ گیا۔ لیکن بچت اس میں بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ اس جسم میں خاکی جسم پیچھے چھوٹ جائے گا اور روح بے پناہ وسعتوں میں گم ہو جائے گی یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔ جلد ہی میرے اندر کم سے کم باقی دنیا کے ڈر کی شناخت کی تمام چیزیں یہاں تک کہ گوشت پوست بھی ختم ہو جائے گا۔

ہیرٹ Harriet کے خط میں اچھی خبر سن کر مجھے جو مسرت ہوئی اس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا میں نے آج اس کو خط لکھا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی شادی میں شرکت نہ کر سکوں گا۔ لیکن میری تمام دعاؤں اور خواہشات کے ساتھ وہاں موجود رہے گی۔ میں تو دوسری بہنوں اور تمہارے بارے میں اس قسم کی اطلاع کی توقع کر رہا تھا اس طرح میری خوشی مکمل ہو جاتی . . . . میری پیاری میری Mary میں تمہیں ایک سبق دوں گا جبکہ میں نے اپنی اس زندگی میں سیکھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس قدر تمہارے نظریات بلند ہوں گے اسی قدر تکلیف اٹھاؤ گی۔" کیوں کہ ایسی چیزوں کو ایک تصور اور نظریہ کی حیثیت سے اس دنیا میں حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ اس دنیا میں بھی وہ جو کہ اس دنیا میں مکمل ہونا چاہتا ہے پاگل ہے کیونکہ یہ ہو نہیں ہو سکتا۔

تم محدود کے اندر نا محدود کو کس طرح پا سکتی ہو۔ اس لئے میں تم کو بتاتا ہوں کہ ہیرٹ Harriet کی زندگی انتہائی خوش گوار اور پر سکون گذرے گی۔ کیونکہ وہ اس قدر جذباتی اور تصورات میں گم ہونے والی نہیں ہے کہ بیوقوف بن جائے۔ زندگی کو خوش گوار بنانے کے لئے وہ کافی عقل مند ہے۔ اور زندگی میں پیش آنے والے سخت مقامات سے گذرنے کے لئے جو کہ ہر ایک کی زندگی میں پیش آتے ہیں وہ کافی سوجھ بوجھ اور شرافت رکھتی ہے پس ہیرٹ میکنڈلی McKindley کے اندر یہ چیزیں بڑے درجہ میں موجود ہیں۔

تم میری Mary, ایک جیالے عظیم اور شاندار عرب کی طرح ہو۔ تم جسمانی اور ذہنی طور پر شاندار ملکہ ہو گی۔ تم ایک مستعد بہادر اور جانباز شوہر کے ساتھ ساتھ چمکو گی لیکن میری پیاری بہن تم ایک بدترین بیوی ثابت ہو گی۔ تم ہر روز کی دنیا کے ہمارے تن آسان عملی اور پاؤں گھسیٹ کر چلنے والے شوہروں کے لائق نہیں ہو۔

میری بہن! ہوشیار۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ کسی ناول کے مقابلہ میں حقیقی زندگی کے اندر رومان زیادہ ہے تاہم یہ شاید ہی ملتا ہے۔ اس لئے تمہیں میرا یہ مشورہ ہے کہ جب تک تم اپنے نظریات کو اونچائی سے نیچے لا کر زیادہ قابل عمل نہ بنا لو شادی نہ کرنا۔ اگر تم نے شادی کی تو نتیجہ میں تم دونوں کو تکلیف پہنچے گی۔ چند روز کے اندر اندر ہی تم ایک عام اچھے عمدہ نوجوان آدمی کے لئے اپنا احترام کھو دو گی۔ اور پھر زندگی ایک عذاب بن جائے گی۔ جہاں تک بہن ازبیلا Isabelle کا تعلق ہے اس کے جذبات بھی ایسے ہی ہیں جیسے تمہارے۔ صرف کنڈر گارڈن اس کو صبر اور برداشت کا ایک اچھا سبق پڑھا سکا ہے شائد وہ ایک اچھی بیوی بن سکتی ہے۔ دنیا میں دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں

ایک وہ جو قوی اعصاب رکھتے ہیں پُرسکون فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے تصورات کی دنیا میں گم نہ رہنے والے لیکن اس کے باوجود اچھے مہربان اور پیارے وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہ دنیا ایسی ہے کہ صرف وہی خوش رہنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو کشیدہ اعصاب کے مالک ہیں شدید تصوراتی ہیں گہرے جذبات رکھتے ہیں ایک لمحہ انتہائی بلندیوں پر ہوتے ہیں اور دوسرے ہی لمحہ ان بلندیوں سے نیچے اتر آتے ہیں ان کے لئے کوئی خوشی نہیں ہے۔ پہلی قسم کے لوگ ہمیشہ خوش رہتے ہیں یہانتک کہ انکی زندگی کی منشا خوشی ہوتی ہے دوسری قسم کے لوگ تکلیف اور رنج میں مبتلا رہتے ہیں لیکن صرف انہیں میں سے ذہین پیدا ہوئے ہیں۔ حال کی اس تھیوری میں کچھ حقیقت ہے کہ "ذہانت ایک قسم کا پاگل پن ہے۔"

اب اس کلاس کے لوگ اگر عظیم بننا چاہتے ہیں تو انہیں آخر تک جدوجہد کرنی چاہئے! اپنے آپ کو جنگ کے لئے صاف کر دینا چاہئے کوئی مزاحمت نہ ہو شادی نہ ہو بچے نہ ہوں کوئی نامناسب تعلق کسی سے نہ ہو سوائے ایک نظریہ کے اسی کے لئے مرنا اور جینا چاہیئے۔ میرا شمار اسی قسم کے لوگوں میں ہے میں نے ویدانت کا ایک تصور اپنا لیا ہے اور میں نے عمل کے لئے خود کو تیار کر لیا ہے۔ تم اور اِزبیلا Isabelle, اسی خمیر کی بنی ہو۔ لیکن میں کہوں گا کہ اگرچہ یہ مشکل ہے تم اپنی زندگی کو بے کار ضائع کر رہی ہو یا تو ایک نظریہ اختیار کرو خود کو تیار کرو اور زندگی اس کے لئے وقف کر دو یا عملی بن جاؤ اپنے نظریات کو بلندیوں سے نیچے اتار لو اور شادی کرلو اور خوش گوار زندگی گذارو۔ بھوگ یا یوگ یا تو اس زندگی کا لطف اٹھاؤ یا پھر ترکِ علائق کر کے یوگی بن جاؤ۔ کوئی بھی دونوں چیزوں کو ایک ساتھ حاصل نہیں کر سکتا۔ فیصلہ کرنے میں کوئی عجلت بھی نہیں کرنی چاہئے وہ جو بہت زیادہ جلد باز ہوتا ہے اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ایک کہاوت ہے۔ اب ایمانداری کے ساتھ فی الواقع اور ہمیشہ کے لئے جدوجہد کرنے کا عزم کرلو۔ کوئی چیز لو فلسفہ یا سائنس یا مذہب یا لٹریچر اور اپنی باقی زندگی کے لئے اس کو اپنا ایشور بنا لو۔ خوشی حاصل کرو یا عظمت حاصل کرو۔ مجھے تمھارے اور اِزبیلا Isabelle کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے تم نہ اِس مقصد کے لئے ہو نہ اُس مقصد کے لئے۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں جس طرح ہیریٹ Harriet نے اپنے لئے انتخاب کر لیا ہے۔ کھانا پینا، پہننا اور سوسائٹی کی بے ہودگی ایسی چیزیں نہیں ہیں جو کہ خاص طور پر تمہیں مسرت بخش سکیں۔ تمھارے اندر عظمت حاصل کرنے کی خواہش ہونی چاہئے۔ مجھے علم ہے کہ تم میرے ان سخت جملوں کو صحیح جذبہ کے ساتھ سمجھو گی۔ میں واقعی تمہیں پسند کرتا ہوں اور اپنی بہن سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ بہت پہلے میرا ارادہ تم سے یہ سب کہنے کا تھا میرے تجربہ میں جو کچھ ہے تمہیں بتا رہا ہوں ہیریٹ Harriett کے بارے میں خوشی کی خبر نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں تم سے یہ سب کچھ کہوں۔ مجھے یہ سنکر خوشی ہوگی کہ تم نے بھی شادی کر لی ہے اور مجھے یہ جان کر بھی اس قدر خوشی ہوگی جس قدر اس دنیا میں حاصل ہو سکتی ہے کہ تم بڑے کام کر رہی ہو۔

جرمنی میں پروفیسر ڈیوسن Deussen کے ساتھ میری ملاقات بہت خوش گوار رہی۔ مجھے امید ہے کہ تم نے ایک عظیم تر جرمن فلاسفر کی حیثیت سے ان کا نام ضرور سنا ہوگا وہ سنسکرت میں بات چیت کے بہت شوقین ہیں اور مغربی دنیا میں سنسکرت کے تنہا عالم ہیں جو سنسکرت میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ چونکہ وہ پریکٹس کرنا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے میرے ساتھ سنسکرت کے علاوہ کسی اور زبان میں کبھی بات نہیں کی۔

میں اپنے دوستوں میں یہاں آگیا ہوں کچھ ہفتوں تک کام کروں گا اور پھر سردیوں میں ہندوستان واپس چلا جاؤں گا۔

ہمیشہ تم سے محبت کرنے والا بھائی

وویکانند

29

14 گرے کوٹ گارڈنز[1]

ویسٹ منسٹر۔ لندن

پیارے آلاسنگا!

تین ہفتے ہوئے میں سوئٹزرلینڈ سے واپس آگیا ہوں لیکن اس سے قبل تمہیں خط نہیں لکھ سکا۔ میں نے تازہ ڈاک سے تمہارے نام پال ڈیوسن آف کیل Paul Deussen of Kiel. پر ایک مقالہ بھیجا ہے۔ رسالہ نکالنے کے متعلق سٹرڈی Sturdy کا فیصلہ درمیان ہی میں لٹکا ہوا ہے۔ جیسا کہ تم کو معلوم ہے میں نے سینٹ جارج کی جگہ چھوڑ دی ہے ہم نے 39 وکٹوریہ اسٹریٹ پر ایک لیکچر ہال حاصل کیا ہے۔ تمام ڈاک معرفت ای۔ ٹی سٹرڈی کے بھیجنا۔ ہمیشہ مجھے ملتی رہے گی۔ گرے کوٹ گارڈنز Grey Coat. Gardens پر کمرے صرف میری رہائش کے لئے ہیں۔ دوسرا کمرہ سوامی[2] نے صرف تین ناتھ کے لئے حاصل کیا ہے۔ لندن میں کام بڑھتا جا رہا ہے۔ ست سنگ کی کلاسیں بڑی ہو رہی ہیں۔ اور مجھے شک نہیں کہ اسی رفتار سے کلاسوں میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ انگریز لوگ وفادار اور پختہ ہیں۔ بہرحال جیسے ہی میں روانہ ہو گیا اس عمارت کا زیادہ حصہ منہدم ہو جائے گا بلکہ نہ کچھ ہو رہے گا۔ کوئی مضبوط آدمی کھڑا ہوگا اور اس کو پھر تعمیر کرائے گا۔ ایشور جانتا ہے کہ کس بات میں اچھائی ہے۔ امریکہ میں ویدانت اور یوگ کے پرچار کے لئے بیس آدمیوں کی ضرورت ہے۔ یہ پرچارک کہاں سے آئیں۔ اور

---

[1] 14 Grey Coat Gardens

[2] سوامی ابھیدانند

ان کو لانے کے لئے روپیہ کون دے ؟ اگر اچھی خاصی تعداد میں مضبوط اور اہل لوگ مل جائیں تو دس برسوں میں نصف امریکہ کو فتح کیا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگ ہیں کہاں ؛ ہم وہاں سب احمق ہیں خود غرض اور بزدل۔ رجعت پسند اور مذہبی جذبات کے بارے میں زبانی جمع خرچ کرنے والے۔ مدراسیوں میں کچھ پختگی ہے۔ لیکن ہر بے وقوف نے شادی کر رکھی ہے شادی ــ شادی ــ شادی ــ ! ــ پھر وہ طریقہ جس سے ہمارے آج کے لڑکے شادی کرتے ہیں ! تیاگی اور ویراگی کا گرہستی ہونا تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن مدراس میں اس وقت ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ لوگ ملیں۔

میرے بچے میں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ ملیں جن کے بازو لوہے کے ہوں اور اعصاب فولادی جن کے اندر لوہے اور فولاد کا دماغ حرکت کرتا ہو۔ بالکل اسی طرح جس طرح بجلی کے ساتھ خاص قسم کے تھپر گرا کرتے ہیں۔ طاقت آدمیت ۔کشتر ویریہ۔ برہم تیج ہمارے خوبصورت اور پُر امید بچے ــ ان میں ہر چیز موجود ہے بشرطیکہ انہیں شادی پر قربان نہ کیا جائے۔ اوہ ایشور میری آہ و زاری سن لے۔ مدراس اس وقت جاگے گا جب کم سے کم اس کے ایک سو سپوت تعلیم یافتہ مردوں کی صورت میں دنیا کو تیاگ کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور نفس کو کٹہروں میں بند کر دیں گے۔ اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں گشت کرتے ہوئے سچائی کی جنگ پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ہندوستان کے باہر چلنے والا ایک طوفان ہندوستان کے اندر چلنے والے ایک ہزار طوفانوں کے برابر ہے۔ ہاں ایشور چاہے گا تو ایسا ہوگا۔

مس ملر Miss Müller کی ذات وہ ہے جس نے روپیہ کی پیش کش کی ہے۔ میں نے وعدہ کر لیا ہے۔ میں نے اس کو تمہاری نئی تجویز کے بارے میں بتا دیا ہے وہ اس پر غور کر رہی ہے۔ اس اثنا میں میں چاہتا ہوں کہ اس کو کچھ کام دے دیا جائے۔ اس نے برہم ودیا اور اویکینڈ انڈیا *Awakened India*. کا ایجنٹ بننا منظور کر لیا ہے۔ کیا تم اس کو اس بارے میں لکھو گی۔ اس کا پتہ یہ ہے ــ ائیرلی لاج ریج وے گارڈن ومبلیڈن انگلینڈ Airlie Lodge, Ridgeway Gardens, Wimbledon, England. میں اس کے یہاں پچھلے تین چار ہفتے سے رہ رہا تھا۔ لیکن لندن کا کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک میں لندن میں نہ رہوں۔ مجھے افسوس ہے اس بات سے مس ملر کو کچھ دکھ پہنچا۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ اس کا پورا نام مس ہنریٹا ملر Miss Henrietta Müller. ہے میکس ملر Max Müller، بہت دوست ہو گیا ہے۔ آکسفورڈ میں میرے جلد ہی دو لیکچر ہونے والے ہیں۔

میں فلسفہ ویدانت پر کوئی بڑی چیز لکھنے میں مصروف ہوں۔ میں مختلف ویدوں سے کچھ ایسے حصے

جمع کرنے میں مصروف ہوں جن میں ویدانت کا کوئی نہ کوئی پہلو موجود ہو۔ تم کسی کو اس کام کے لئے تیار کرکے میری امداد کرسکتے ہو کہ وہ برہمنوں اپنشدوں اور پورانوں میں سے ایسے حوالے جمع کرے جن میں سب سے پہلے ادویت کا نظریہ پھر وششٹ ادویت کا اور دویت سے سمجھا گیا ہے۔ یہ بہت واضح ہونے چاہئیں اور ہر عبارت کے ساتھ کتاب کا نام اور اس کے باب کا نمبر لکھا ہونا چاہئے۔ مغربی ذہن سے کتاب کی صورت میں کوئی فلسفہ چھوڑے بغیر واپس چلے جانا غلط ہوگا۔

میسور میں تامل رسم الخط میں ایک کتاب شائع ہوئی تھی۔ جس میں تمام کے تمام ایک سو آٹھ اپنشد ہیں۔ میں نے اس کو پروفیسر ڈیوسن کی لائبریری میں دیکھا تھا۔ کیا یہ ناگری رسم الخط میں بھی چھپی ہے؟ اگر چھپی ہے تو مجھے ایک نسخہ بھیج دیجئے۔ اگر نہیں چھپی تو مجھے تامل ایڈیشن بھیج دیجئے۔ اور ساتھ ہی ایک کاغذ پر تامل حروف اور ان کے مراف دیوناگری لکھ بھیجئے تاکہ میں تامل حروف سیکھ لوں۔

مسٹر ستیاتم نے جن سے میں لانگے روز لندن میں ملا تھا مجھے بتایا کہ مدراس میں شائع ہونے والے اینگلو انڈین اخبار مدراس میل میں میری کتاب راج یوگ پر اچھا تبصرہ شائع ہوا ہے۔ امریکہ میں سرکردہ فزیالوجسٹ[1] میں نے سنا ہے میری پیش گوئیوں پر فریفتہ ہوگیا ہے۔ انگلینڈ میں اس کے ساتھ کچھ ایسے لوگ ہیں جو میری باتوں کو مضحکہ خیز کہتے ہیں۔ بہت اچھا ہے۔ میری پیش گوئیوں کا بہرحال اثر ہوا ہے۔ ان کا بڑا حصہ بے معنی رہے گا۔ لیکن ان میں کچھ اشارے ہیں جن کو ماہر عضویات نے اس سے بہتر نہیں سمجھا۔ کچھ بھی ہو میں نتائج سے پوری طرح مطمئن ہوں اگر وہ مجھے برا کہہ کر خوش ہوتے ہیں تو انہیں خوش ہو لینے دو لیکن انہیں کچھ نہ کچھ کہنے دو۔ یہی میرا مقصد ہے۔

تاہم انگلینڈ میں وہ شریف لوگ ہیں اور امریکہ کی طرح گندی باتیں نہیں کرتے۔ اور پھر جن انگریز پادریوں کو تم وہاں دیکھتے ہو وہ تقریباً سب کے سب قومی چرچ کے مخالف ہیں۔ وہ انگلینڈ کے شریف طبقہ سے تعلق نہیں رکھتے یہاں کے تمام شریف مذہبی لوگوں کا تعلق انگلش چرچ سے ہے۔ قومی چرچ کے مخالفوں کی یہاں کوئی آواز نہیں ہے نہ ان میں تعلیم ہے۔ جن لوگوں کے خلاف تم وقتاً فوقتاً مجھے ہوشیار کرتے رہتے ہو میں یہاں ان کی بالکل پروا نہیں کرتا مجھے امید ہے رام کے نائیڈو مدراس میں ہوں گے اور تم بخیر و عافیت ہوگے۔

میرے بہادر بچو! کوششوں کو جاری رکھو۔ ہم نے ابھی صرف آغاز کیا ہے۔ کبھی بددل نہ ہو۔ کبھی کافی نہ کہو۔ جیسے ہی کوئی مغربی دنیا میں آتا ہے۔ مختلف قوموں کو دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ باتیں کرکے نہیں بلکہ

---

[1] physiologist | [1] ماہر اجسام

عملی طور پر یہ دکھا کر کہ ہم ہندوستان میں کیا ہیں اور کیا نہیں ہیں۔ میں اس طریقے پر اچھے کام کر کے حاصل کر سکتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ کم سے کم دس لاکھ ہندو دنیا بھر میں سفر کریں

ہمیشہ تمھارا

وویکانند

(30)

معرفت ایم۔ این۔ بینرجی

دارجلنگ

24 اپریل 1897ء

ڈیر مادام[1]

طریق کار کے بارے میں آپ کے سوال کے جواب میں مجھے ایک اہم بات یہ کہنی ہے کہ کام کو اس پیمانے پر شروع کیا جانا چاہیئے، جس پیمانے پر اس کے نتائج مطلوب ہوں۔ مَیں نے مس مُلّر کی زبانی آپ کی وسیع النظری وفاداری اور پختہ کردار کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے اور آپ کے علم و فضل کا ثبوت ظاہر ہے۔ مَیں اسے خوش بختی سمجھتا ہوں کہ آپ نے یہ جاننے کی خواہش کی ہے کہ اس معمولی غیر اہم زندگی کا مقصد کیا ہے۔ اس مختصر خط میں جہاں تک ممکن ہو سکے گا، مَیں سمجھانے کی کوشش کروں گا لیکن سب سے پہلے مَیں آپ کے سامنے آپ کے غور و فکر کے لئے اپنے اعتقادات کا ذکر کروں گا۔

ہم ہمیشہ سے غلام رہے ہیں، یعنی یہ کہ ہندوستان کے عوام کو کبھی اس بات کا موقع نہیں ملا ہے کہ اندر کی روشنی جو انہیں ورثہ میں ملی ہے، اس کو ظاہر کر سکیں۔ پچھلی کچھ صدیوں میں مغربی طرز زندگی آزادی کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ ہندوستان میں ہر بات بادشاہ کی طرف سے ہوتی تھی یہاں تک کہ کیا کھانا چاہیئے اور کیا نہ کھانا چاہیئے، بادشاہ کی مرضی تھی۔ مغربی ملکوں میں لوگ اپنی مرضی کا فیصلہ خود کرتے ہیں۔

اب بادشاہ کو سماجی معاملات میں کسی مداخلت کا حق نہیں ہے۔ دوسری طرف ہندوستانی

---

[1] شریمتی سرلا گھوشال ایڈیٹر "بھارتی" جو بعد ازاں سرلا دیوی چودھرانی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ آپ وشو کوی شری رابندر ناتھ ٹیگور کی بھتیجی تھیں۔

عوام ابھی تک خود اعتمادی تو کیا خود پر بھی اعتماد نہیں کرتے۔ ابھی تک اپنے اندر اعتماد پیدا نہیں ہوا ہے جو کہ دیانت کی اصل بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی طریق کار بھی یعنی پہلے مقصد کو سوچ سمجھ کر متعین کرنا، پھر اس کے لئے تمام قوتوں کے ساتھ کام کرنا اس ملک کے اندر ابھی تک مفید ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم غیر ملکی اقتدار کے تحت اس قدر رجعت پسند دکھائی دیتے ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے تو عوام کی سطح پر کوئی بڑا کام کرنے کی کوشش بیکار ہے۔ جب سر ہی نہیں ہے تو درد سر بھی نہیں ہو سکتا۔ عوام کہاں ہیں ؟ علاوہ ازیں ہم طاقت سے اس قدر محروم ہیں کہ اگر کسی مسئلہ پر غور و فکر کریں تو تمام صلاحیتیں اس میں ہی ختم ہو جاتی ہیں اور عمل کرنے کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ میرے خیال میں بنگال میں اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کام کم باتیں بہت۔ دوسرے جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے، میں ہندوستان کے رہبروں سے کوئی توقع نہیں رکھتا۔ یہ بہتر ہے کہ نوجوانوں کے اندر کام کیا جائے، جن سے ہماری توقعات وابستہ ہیں۔ نوجوانوں میں صبر کے ساتھ پختگی کے ساتھ بغیر شور مچائے کام کیا جائے۔

اب کچھ کام کے متعلق ——— اس وقت سے جب سے کہ تعلیم اور کلچر اعلےٰ ذات سے لے کر نیچ ذات تک کے لوگوں میں پھیلنا شروع ہوا ہے اور مغربی ملکوں جیسی جدید تہذیب اور ہندوستان، مصر اور روم جیسی قدیم تہذیب کے درمیان فرق شروع ہوا ہے۔ میں صاف طور پر دیکھ رہا ہوں کہ قوموں نے اس وقت ترقی کی ہے جبکہ ان کے عوام کے اندر تعلیم پھیلی ہے اور ان کی صلاحیتیں جاگی ہیں۔ ہندوستان کی تباہی کا خاص سبب یہ رہا ہے کہ ملک کی تمام تعلیم، تمام ذہانت مٹھی بھر لوگوں کے پاس رہی ہے۔ اگر ہمیں پھر اٹھنا ہے تو ہمیں یہ کام اسی طریقہ پر انجام دینا ہوگا، یعنی اپنے عوام کے اندر تعلیم کو رواج دینا ہوگا۔ سماجی اصلاحات کے بارے میں نصف صدی سے بہت کچھ کام کیا جاتا رہا ہے۔ پچھلے دس برسوں میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں گھومنے پھرنے کے بعد میں نے محسوس کیا ہے کہ ملک کے اندر سماجی اصلاحات کے اداروں کی بھرمار ہے۔ لیکن میں نے کوئی ایک ادارہ بھی ایسا نہیں دیکھا جو عوام کے لئے سچے دل سے کام کر رہا ہو۔ مسلمان کتنے سپاہیوں کو ساتھ لے کر آئے ؟ کتنے انگریز یہاں ہیں ؟ ہندوستان کے علاوہ اور کس جگہ ایسے لاکھوں افراد ہو سکتے ہیں جو چھ[6] روپیہ کے لئے اپنے باپ دادا کا گلا کاٹ دیں ؟ سات سو سال کے دور حکومت میں چھ کروڑ مسلمان اور ایک سو برس کے دور حکومت میں دو کروڑ عیسائی ——— ایسا کیوں ہوا۔ ملک کے اندر سے اس کی خصوصیت کیوں ختم ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارے مختلف قسم کے دستکار اور صناع روز بروز کیوں کم ہوتے جا رہے ہیں، اور وہ یورپ کے دستکاروں کا مقابلہ کیوں نہیں کر پاتے۔ وہ کیا طاقت تھی کہ جس کی وجہ سے جرمن مزدوروں نے ایک بار پھر انگریز مزدوروں کے صدیوں سے

جمے ہوئے پاؤں اُکھاڑ دیئے۔

تعلیم، تعلیم اَور صرف تعلیم۔ مَیں یورپ کے مختلف شہروں میں گھوما ہُوں اور مَیں نے وہاں غریب لوگوں تک میں تعلیم اَور آسائش کو پایا ہے اَور جب پھر میرے ذہن میں اپنے غریب عوام کا نقشہ آتا ہے تو مَیں روتا ہُوں۔ یہ اختلاف اَور فرق کیوں پَیدا ہُوا؟ مجھے اِس سوال کا جواب صرف یہ مِلا کہ تعلیم۔ تعلیم کے ذریعہ ایک شخص کے اَندر اعتماد پَیدا ہوتا ہے اَور اعتماد کے ذریعہ خود پر اعتماد پَیدا ہوتا ہے اور اندر چھپا ہُوا برہم ہا اگ اُٹھتا ہے۔ جبکہ ہمارے اَندر برہمن بتدریج سوتا جا رہا ہے۔ نیویارک میں مَیں نے آئرلینڈ کے نوآبادکاروں کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ خراب خستہ بُرے حال اَور اپنے تمام اثاثہ کو گھروں پر چھوڑ کر آئے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ سوائے ایک لاٹھی اور اس کے سرے پر لٹکی ہوئی ایک گٹھڑی کے ان کے قدم لرز رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں خوف تھا۔ لیکن چھ ماہ کے اندر ہی نقشہ بدل گیا۔ اب وہ تن کر چلتا تھا وہ قطعی طور پر بدل چکا تھا۔ اس کے قدم لرزیدہ نہ تھے اور اس کی آنکھوں میں کسی قسم کا کوئی خوف نہ تھا۔ وجہ کیا تھی۔ ہمارا ویدانت کہتا ہے کہ وہ آئرِی (آئرلینڈ کا رہنے والا) اپنے مُلک کے اَندر حقیر اَور ذلیل تھا۔ پوری پراکرتی اس سے ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔ آئرِی تمہارے لئے کوئی توقع اُوپر اُٹھنے کی نہیں ہے۔ تم غلام پَیدا ہوئے ہو، اَور غلام ہی رہوگے۔ چونکہ پَیدائش ہی سے یہ بات اس نے سُنی۔ اس لئے وہ اسس پر یقین کرنے لگا۔ اس نے خود کو محسُوس کرلیا، وہ بہت ذلیل ہوگیا اور اس کے اَندر کا برہم سو گیا۔ لیکن جیسے ہی وہ امریکہ میں اُترا، ہر طرف سے اس نے یہ آواز سُنی۔ آئرِی، تم ایسے ہی اِنسان ہو جیسے ہم ہیں۔ یہ آدمی ہے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ میری اَور تمہاری طرح کا آدمی یہ سب کچھ کرسکتا ہے؟ آئرِی نے اَپنا سر اُٹھایا اور حقائق کو محسوس کیا، اس کے اندر کا برہم جاگ اُٹھا۔ فطرت نے خود آواز دی جاگو، اُٹھو وغیرہ وغیرہ" (کٹھ اُپنشد) (۲-iii-۱)۔

بالکل اسی طرح ہمارے بچّوں کو بھی بہت منفی تعلیم مِل رہی ہے۔ سکولوں میں بچّے کچھ نہیں سیکھتے لیکن ایسی تمام باتیں سیکھتے ہیں، جس کے نتیجہ میں خود ان کا عِلم ختم ہو رہا ہے۔ اور اس کا نتیجہ ہے شردھا (اعتقاد) کا خاتمہ۔ شردھا جو کہ ویدا اَور ویدانت کی بنیاد ہے۔ شردھا جس کے ذریعہ نچکیتا میں یم کا مقابلہ کرنے کی جرأت پَیدا ہوئی ہے جو اسے ٹوکتی ہے۔ شردھا جس کی وجہ سے یہ دُنیا حرکت میں ہے اور اس شردھا کا خاتمہ!

अज्ञश्चाश्रद्दधानश्च संशयात्मा विनश्यति ।

"جاہل آدمی وہ جس کے اَندر شردھا نہ ہو، اور وہ جو خودی پر بھروسہ نہ کرنا جانتا ہو، تباہ و برباد

---

138 صفحہ — سوامی ویویکانند کے خطوط

ہو جاتا ہے"۔ اس لئے کیا ہم تیاجی کے اس قدر قریب نہیں ؟ اب اس کا واحد علاج یہ ہے کہ تعلیم کو فروغ دیا جائے۔ سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے، وہ ہے خود کا گیان ۔ جیسا کہ اس لفظ سے ظاہر ہے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ بالوں میں بھبھوت مل کر، کمنڈل ہاتھ میں لے کر پہاڑوں کی گپھاؤں میں جایا جائے، تب میرا کیا مطلب ہے ؟ جس گیان کے ذریعہ دنیاوی وجود سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کیا اس گیان کے ذریعہ موکشش د مکتی حاصل نہیں کی جا سکتی ؟ یقینی طور پر حاصل کی جا سکتی ہے۔ آزادی سکون اور نفس کشی بہت اونچے نظریات ہیں۔ مگر स्वल्पमप्यस्य धर्मस्य त्रायते महतो भयात्

" اس دھرم کا ایک بہت ہی معمولی خیال انسان کو زندگی اور مرنے کے خوف سے بچاتا ہے"۔ تثلیث کا ماننے والا، وحدت وجود کا قائل، وحدت پرست شیو، وشنو شاکت یہاں تک کہ بدھ جین اور دوسرے بھی جو بھی ہندوستان کے اندر فرقے ہیں، وہ اس لحاظ سے سب ایک ہیں۔ اس جیوآتم (انفرادی روح) کے اندر لامحدود طاقت موجود ہے۔ ایک چیونٹی سے لیکر ایک مکمل انسان تک سب کے اندر ایک آتما ہے۔ فرق صرف اس آتما کے اظہار اور اس کی ظاہری شکل کا ہے۔

" جیسے کہ ایک کسان رکاوٹوں کو توڑ دیتا ہے (پانی کے بہاؤ میں)" (پتنجلی یوگ سوتر کیولیہ پد ۳) جیسے ہی مناسب موقع ملتا ہے، ٹھیک جگہ اور وقت ملتا ہے۔ یہ طاقت ویسے ہی ظاہر ہو جاتی ہے معمولی گھاس پھونس سے لیکر اعلیٰ ترین دیوتا تک میں ایک طاقت کارفرما ہے، خواہ وہ ظاہر ہے یا نہیں ہے ہمیں گھر گھر جا کر اسی طاقت کو جگانا ہے۔

دوسرے اس کے ساتھ ہی تعلیم کو پھیلایا جائے۔ آسانی کے ساتھ کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن اس پر عمل کس طرح کیا جائے ؟ ہمارے ملک کے اندر ہزاروں کی تعداد میں بے غرض اور نرم دل انسان دوست لوگ موجود ہیں جنہوں نے ترک علائق کر لیا ہے اور جو بغیر کسی معاوضہ کے جگہ جگہ گھوم کر مذہبی درس دیتے ہیں۔ پس کم سے کم ان میں سے نصف تعداد کو ٹیچر بننے کی ٹریننگ دی جا سکتی ہے جو کہ ہمارے مطلب کی تعلیم دے سکیں۔ اس مقصد کے لئے ہمیں سب سے پہلے ہر ایک راجدھانی میں ایک مرکز کی ضرورت ہے تاکہ ہم وہاں سے آہستہ آہستہ تمام ملک کے اندر پھیل سکیں۔ مدراس اور کلکتہ میں حال ہی میں دو مرکز شروع ہوئے ہیں اور امید ہے جلد ہی دوسرے مرکز بھی کھل جائیں گے، تب غریبوں کو زبانی طور پر تعلیم دی جائے گی۔ سکولوں کے لئے ابھی وقت نہیں ہے۔ ان مرکزوں میں آہستہ آہستہ زراعت اور صنعت کی تعلیم دی جائے گی اور مزید صنعت کاری کے لئے ورکشاپ کھولے جائیں گے۔ ان کارخانوں اور مرکزوں کی مصنوعات کو یورپ اور امریکہ میں فروخت کرکے اس سے جو رقم ملیگی۔ اس سے ادارے شروع کئے جائیں گے، جیسے کہ اس

وقت موجود ہیں۔ یہ ضروری ہوگا کہ عورتوں کے لئے بھی مردوں کی طرح کے مرکز شروع کیے جائیں۔ لیکن آپ جانتی ہیں اس ملک کے اندر یہ کام کس قدر دشوار ہے۔ پھر کاٹنے والے سانپ کو خود اپنا زہر نکال دینا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے ایسا ہی ہوگا۔ ان کاموں کے لئے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہے، وہ مغربی دنیا سے آئے گا، اور اسی وجہ سے امریکہ اور یورپ میں ہمارے دھرم کا پرچار ہونا چاہیئے۔ جدید سائینس نے عیسائیت جیسے مذاہب کی بنیاد ہی کھوکھلی کردی ہے۔ سب سے زیادہ آسائش اور آرام دہ زندگی مذہبی احساسات کو کچل دیتی ہے۔ یورپ اور امریکہ پُر اُمید نگاہوں کے ساتھ ہندوستان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ یہ توقع ہے کہ ہم مخالف میدانوں پر قبضہ کرلیں۔

مغرب میں عورتوں کی حکمرانی ہے اور طاقت ان کے پاس ہے۔ اگر آپ کی طرح ایک بہادر اور ذہین عورت ویدانت کو سمجھ لے تو اس کو پرچار کرنے کے لئے انگلینڈ چلے جانا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ ہر سال سینکڑوں مردوں اور عورتوں کو بھارت کی سرزمین کا مذہب اختیار کرنے کی سعادت حاصل ہوگی۔ ہمارے ملک سے صرف ایک عورت رامابائی گئی ہے۔ انگریزی، مغربی سائینس اور آرٹس میں اسکی معلومات محدود تھیں۔ اگر کوئی عورت تمہاری جیسی جائے تو انگلینڈ ساتھ ہوسکتا ہے۔ امریکہ کی تو بات ہی کیا ہے۔ اگر کوئی ہندوستانی لباس پہنے ہندوستانی عورت اس مذہب کا جو کہ ہندوستان کے رشیوں کے منہ سے نکلا پرچار کرے تو میں اپنی دوربین نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں کہ ایک لہر اٹھے گی۔ جس میں پوری مغربی دنیا نہا جائے گی۔ کیا میتری - لیلاوتی، ساوتری اور اهلیا بھارتی کی دھرتی پر کوئی ایسی عورت نہیں ہے کہ وہ اس کام کو انجام دے سکے ؟ ایشور جانتا ہے۔ انگلینڈ کو ہم فتح کرسکتے ہیں، اپنی روحانیت کے ذریعہ انگلینڈ پر ہم قبضہ کرسکتے ہیں۔

नान्यः पन्था विद्यतेऽयनाय ——

"مکتی کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے" ——— کیا جلسے کرنے اور جماعتیں بنانے سے مکتی حاصل ہو سکتی ہے ؟ ہمارے فاتحین کو اپنی روحانی طاقت کے ذریعہ دیوتا بننا چاہیئے۔ میں ایک عاجز بھکاری، ایک خانہ بدوش سادھو، میں بے یار و مددگار ہوں، تنہا ہوں، میں کیا کرسکتا ہوں، آپ کے پاس دولت ہے، علم اور ذہانت ہے۔ کیا آپ انگلینڈ، امریکہ اور یورپ کو فتح کرنے کے اس موقع کو ہاتھ سے کھو دیں گی؟ آج ہمارا یہ اصل منشا ہونا چاہیئے۔ اسی میں ملک کی خوشحالی کا راز پوشیدہ ہے۔ وسعت زندگی کی علامت ہے۔ ہمیں اپنے روحانی نظریات کو لیکر دنیا میں پھیل جانا چاہیئے۔ افسوس یہ جسم کمزور ہے۔ بنگالی ساخت کا جسم۔ اس محنت کے سبب کوئی خطرناک بیماری حملہ کرسکتی ہے لیکن امید اپنی جگہ قائم ہے۔

उत्पत्स्यतेऽस्ति मम कोऽपि समानधर्मा।

कालो ह्ययं निरवधिर्विपुला च पृथ्वी ॥ (भवभूतिः)

"کام کو مکمل کرنے کے لئے ایک مہربان ترین رُوح موجود ہے یا وہ لامحدود وقت اور دُنیا کی آبادی سے پیدا ہو گئی۔

سبزی خوری کے سلسلہ میں مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلی بات، میرے گُورُو دیو ایک سبزی خور تھے۔ لیکن اگر انہیں دیوی پر چڑھا ہُوا گوشت پیش کیا جاتا تھا تو وہ اسکو اُٹھا کر سر پر رکھ لیا کرتے تھے۔ کسی کی جان لینا بلاشبہ گناہ ہے۔ لیکن جب تک سبزیوں کی خوراک کو کیمسٹری کے عمل کے ذریعہ انسانی جسم کی ساخت کے لئے مناسب نہیں بنا لیا جاتا۔ سوائے گوشت خوری کے اُور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ جہاں تک موجودہ حالات میں ایک راجسک زندگی گذارنے کا تعلق ہے، سوائے گوشت کھانے کے اُور کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ دُرست ہے کہ اشوک مہاراج نے کروڑوں جانوروں کو تلوار کی دھار سے بچایا۔ لیکن کیا اس کا مطلب ایک ہزار سال کی غلامی نہیں، جو اس کے مقابلہ میں زیادہ خوفناک ہے۔

ایک شخص کی اپنی بیوی اور لڑکی کی آبرُو کی حفاظت کرنے اُور شیروں کے ہاتھوں سے اپنے بچّوں کے لقموں کو بچانے کی نااہلیت کے مقابلہ میں چند بکریوں کی جان لینا، ان میں سے کون سب سے زیادہ گُناہ ہے۔ وہ لوگ جو اپنی روزی محنت سے نہیں کماتے، گوشت نہیں کھاتے بلکہ سبزی خوری کو ان لوگوں پر مسلط کرتے ہیں، جو کہ رات دِن محنت کرتے روزی پیدا کرتے ہیں، ہماری قومی آزادی کے نقصان کی ایک وجہ ہیں۔ اچھی اور صحت بخش غذا کا کیا فائدہ ہے جاپان اس کی ایک مثال ہے۔ وشویشوری کرے، تمہارے دِل میں اُمنگ پیدا ہو ۔

وویکانند

(31)

الموڑہ

30 مئی 1897

پیارے جناب[1]

میں نے سنا ہے کچھ ناگزیر قسم کی خانگی مصیبت آپ پر آپڑی ہے۔ آپ جیسے دانشمند آدمی کا اس قسم کی تکلیف کیا بگاڑ

---

[1] بابُو پرامدا داس مترا کے نام سوامی وویکانند جی کا یہ آخری خط ہے۔ یہ وارانسی کے رہنے والے تھے جن کی نفس کشی، نثر انصاف اور پارسائی کے لئے سوامی وویکانند کے دِل میں بہت قدر رکھتی۔

سکتی ہے، تاہم آپسی روابط کی خوشبیوں پر اس دنیا میں جب اچانک غم اثر انداز نہ ہو جاتا ہے تو اس کا تذکرہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ تاہم غم کے وہ لمحات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں روحانیت کا ادراک بخوبی ہو جاتا ہے۔ گویا ایک لمحہ کے لئے بادل ہٹ جاتے ہیں اور سچائی کا سورج چمکنے لگتا ہے۔ کچھ لوگوں کے لئے نصف پابندی اور قید و بند ختم ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑی، پابندی پوزیشن کی ہوتی ہے۔ وقار کا خوف موت کے خوف سے بھی زیادہ قوی ہوتا ہے۔ تاہم اس پابندی میں بھی کسی نہ کسی حد تک کمی آجاتی ہے۔ گویا ایک لمحہ کے لئے روح کو محسوس ہوتا ہے کہ لوگوں کی باتوں کو سننے کے مقابلہ میں اندر موجود، ایشور کو سننا زیادہ بہتر ہے لیکن بادل پھر چھا جاتے ہیں اور حقیقت میں یہی مایا ہے۔

اگرچہ کافی عرصہ سے آپ کے ساتھ میری خط و کتابت نہیں ہے۔ تاہم دوسروں کے ذریعہ مجھے آپ کے بارے میں تقریباً سبھی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل آپ نے ازراہ نوازش مجھے لندن میں گیتا کے ترجمے کی ایک کاپی بھیجی تھی۔ سرورق پر آپکے ہاتھ کی صرف ایک سطر لکھی ہوئی تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ اس تحفہ کے ملنے سلسلے میں میں نے جو چند الفاظ آپ کو لکھے ان سے آپ کے ذہن میں یہ شبہہ پیدا ہو گیا کہ آپ کے لئے میرے دل میں محبت کم ہو گئی ہے۔

مہربان! ان شکوک اور شبہات کو بے بنیاد سمجھئے۔ میں نے آپ کو مختصر خط لکھا اس کی وجہ یہ تھی کہ گذشتہ چار پانچ برس کے اندر میں نے انگریزی گیتا کے سرورق پر صرف ایک سطر لکھی۔ میں سمجھا آپ کو زیادہ لکھنے کی فرصت نہ ہوگی تو زیادہ پڑھنے کی بھی فرصت نہ ہوگی۔ دوسرے مجھے معلوم ہوا کہ آپ ہندو مذہب کے گورے رنگ کے پنڈتوں کے خاص طور پر دوست ہیں اور بدمعاش سیاہ فام غلاموں کو برا بھلا کہا جا رہا ہے۔ اس وجہ سے مجھے کچھ ہچکچاہٹ تھی۔ تیسرے میں ایک ملیچھ شودر ہوں۔ میں ہر ایک کے ساتھ بیٹھ کر ہر چیز کھاتا ہوں اور اپنے وطن کے اندر اور وطن سے باہر کھلے عام کھاتا ہوں۔ اس کے علاوہ میرے نظریات میں کافی انقلاب آگیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں ہر شئے میں، ہر ایک شئے میں برہم ہے ۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن میں برہم خصوصی طور پر جلوہ گر ہے۔ اگر ان لوگوں ایشور کے نام سے پکارا جائے تو میں پیروی کرنے کو تیار ہوں ورنہ میرا دماغ اس بات کی طرف مائل نہیں کہ دماغی نظریات کو ایشور کے لئے بنیادی شرط کے طور پر اور اس قسم کی دوسری باتوں کو مان لوں۔

ایسا ایشور میں نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے کے لئے میں زندہ ہوں سمرتیاں اور پُران انسانوں کے لکھے ہوئے ہیں جن کی ذہانت محدود ہوئی ہے اور وہ تنگ عقلی اور غلطیوں اور طبقہ داریت اور عناد سے بھرے ہیں۔ ان کا صرف وہ حصہ جس میں روح کی وسعت اور پریم ہے قابل قبول ہے باقی قابل رد ہیں۔ اپنشد اور گیتا سچی کتابیں ہیں۔ رام، کرشن، بدھ، چیتنیہ، نانک، کبیر وغیرہ وغیرہ سچے اوتار ہیں کیونکہ ان کے دل اس قدر وسیع ہیں جس قدر آسمان

اورسب سے زیادہ رام کرشن۔ رامانج اور شنکر وغیرہ اس قدر تنگ دلی کی وجہ سے محض پنڈت دکھائی دیتے ہیں۔ وہ دل کہاں ہے جو دوسروں کو غمزدہ دیکھ کر روتا ہے؟ پنڈت کی خشک نظریہ پرستی —— اور یہ احساس کہ صرف وہی نجات حاصل کرنے کیلئے ہے لیکن جناب کیا یہ ممکن ہے؟ کیا ایسا کبھی ہوا ہے کیا ایسا کبھی ہو سکتا ہے۔ کیا ہم خود غرضی کو کسی نہ کسی صورت میں زندہ رکھ کر کوئی شے حاصل کر سکتے ہیں؟

ایک اور عظیم اختلاف۔ میرے دماغ میں یہ یقین روز بروز جڑ پکڑتا جا رہا ہے کہ ذات کا نظریہ نابرابری کا سب سے بڑا سبب ہے اور یہ مایا کی جڑ ہے۔ ہر ایک ذات خواہ وہ پیدائش کی بنیاد پر ہو یا غلامی کی بنیاد پر۔ کچھ درست مشورہ دیجیے۔ یہ درست ہے اسے دل میں رکھئے لیکن تجربات کی دنیا میں ذات پات کو برقرار رکھنا ضروری ہے ...... ایک کا نظریہ دل میں (کہنا چاہئے کوشش کی ایک بزدلانہ مجبوری کے ساتھ) اور باہر شیطانوں کا روزمرہ کا ناچ ظلم اور جبر۔ اسے غریب سے موت کا کاروبار کرنے والے اگر پیریاہ کافی زیادہ متمول ہو؛ اور وہ مذہب کا محافظ ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ مجھے اپنے مطالعہ کے نتیجہ میں پتہ چلا ہے کہ شودر مذہب کے اصولوں کے پابند نہیں ہیں۔ اگر شودر کھانے پینے اور ملک سے باہر جانے کے سلسلے کوئی امتیاز برتتا ہے تو وہ اس کے لئے بیکار ہے سوائے اس کے کہ اس صورت میں اس کی تمام محنت ضائع ہو جائے گی۔ میں ایک شودر ایک ملیچھ ہوں اسلئے مجھے ان تمام پریشانی کی ضرورت نہیں ہے میرے نزدیک ملیچھ کا کھانا اور پیریاہ کا کھانا برابر ہے۔ پنڈتوں نے جو کتابیں لکھی ہیں یہ پاگل پن ان میں ہے۔ جو کتابیں ایشور کی بھیجی ہوئی ہیں ان میں یہ باتیں نہیں ہیں۔ پنڈتوں کو ان کے بزرگوں کے بوئے درخت کا پھل کھانے دیجئے جبکہ میں ایشور کے فرمان پر عمل کروں گا۔ کیوں کہ میری بھلائی اسی میں ہے۔

ایک دوسری سچائی جس کا مجھے انبھو ہوا ہے یہ ہے کہ بے غرضانہ خدمت ہی صرف مذہب ہے باقی تمام چیزیں مثلاً رسمیات کو پورا کرنا پاگل پن ہے۔ نجات صرف اس کیلئے ہے جو دوسروں کے لئے تمام چیزوں کو ترک کر دیتا ہے۔ جبکہ وہ دوسرے لوگ جو کہ دن رات میری نجات میری نجات کہہ کر اپنے دماغوں پر زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں۔ وہ حال اور مستقبل دونوں میں اپنی بھی خوشحالی کو تباہ کرتے ہیں میں نے خود اپنی آنکھوں سے کئی بار یہ چیز دیکھی ہے ان تمام متعدد باتوں کی وجہ سے آپکو خط لکھنے کیلئے میرا دل نہیں چاہا۔ اگر ان تمام اختلافات کے باوجود آپ مجھ سے تعلق رکھنے کی گنجائش پائیں تو فی الواقع میرے لئے یہ بہت ہی مسرت کی بات ہوگی۔

تمہارا
وویکانند

32

اَلموڑہ

۱۱ جنوری 1897.

میرے پیارے شُدھانند[له]

مجھے تمہاری تازہ رپورٹ پاکر خوشی ہوئی۔ مجھے اس پر سوائے اس کے اور کوئی اعتراض نہیں ہے کہ ذرا واضح لکھا کرو۔

اب تک جو کام ہوا ہے میں اس سے بالکل مطمئن ہوں لیکن یہ کام آگے بڑھایا جانا چاہیئے۔ مجھے ابھی تک اس تجویز کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا جو اس سے قبل میں نے پیش کی تھی۔ کہ کیمیکل اور فزیکل آلات کا ایک سیٹ حاصل کیا جائے اور ایلیمنٹری ایکسپیریمینٹل کیمسٹری اور فزکس خاص طور پر علم عضویات کی کلاسیں شروع کی جائیں۔

اور ان سائنسی کتابوں کے بارے میں تجویز کا کیا ہوا جو بنگالی میں ترجمہ ہو چکی ہیں اور جن کو خریدا جانا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ تین مہنت ایک ساتھ منتخب ہونے چاہئیں۔ ایک کاروبار کے شعبہ کی ہدایت کے لئے۔ دوسرا تجربات کے لئے اور تیسرا تعلیم کے لئے۔

ڈائریکٹر تعلیم کو حاصل کرنے میں دشواری ہے۔ جہاں تک دوسرے دو حصوں کا تعلق ہے ان کے لئے برہمانند اور ترِیانند بالکل موزوں ہیں۔ مجھے یہ جان کر افسوس ہوا کہ آنے والوں میں صرف بابو لوگ آ رہے ہیں وہ کام کے نہیں ہیں ہمیں بہادر نوجوانوں کی ضرورت ہے جو کام کریں۔ روٹی کے بدلے میں کام کرنے والے بے وقوف نہ ہوں۔

برہمانند سے کہو کہ وہ ابھیدانند اور شاردانند دونوں کو لکھیں کہ وہ دونوں مٹھ کو باقاعدہ بلا ناغہ ہفتہ وار رپورٹ بھیجا کریں اور ساتھ ہی شائع ہونے والے اخبار سے بنگالی اخبار میں اور نوٹس بھیجیں۔ کیا جی سی گھوش کو اخبار کے لئے چیزیں مل رہی ہیں۔ لگن کے ساتھ کام کرو اور تیار رہو۔

ہولا میں اکھنڈانند حیرت انگیز طریقہ پر کام کر رہے ہیں لیکن طریق کار اچھا نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف ایک معمولی گاؤں کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اور صرف چاول تقسیم کر رہے ہیں میں نے نہیں سنا کہ انہوں نے اس امداد کے علاوہ کوئی پرچار بھی کیا ہے۔ ایک چھوٹے سے گاؤں پر اگر دنیا کی تمام دولت بھی صرف کر دی جائے تب بھی اس وقت تک جب تک کہ اس کے لوگوں کو اپنی مدد آپ کرنا نہ سکھایا جائے، کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا کام خاص طور پر اخلاقی اور ذہنی تعلیم دینا ہونا چاہیئے۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوا ہے۔ صرف اس قدر بھکاریوں کی امداد کی گئی ہے۔ برہمانند سے کہو کہ وہ اضلاع میں مرکز کھولیں تا کہ ان کے تحت ہمارے چھوٹے چھوٹے ذرائع کا

له آپ شری سوامی وویکانند کے سیوک اور شِشیہ تھے۔ بعد ازاں آپ شری رام کرشن مٹھ اور مشن کے سیکریٹری اور پھر 1936 میں صدر بنے۔

بڑا حصہ آجائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کام کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا کیونکہ وہ ابھی تک لوگوں کو اس بات پہ آمادہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں کہ وہ سوسائیٹیاں کھولیں جو کہ لوگوں کو تعلیم دیں۔ تاکہ وہ خود پر انحصار کرنا۔ کفایت کرنا سیکھیں اور اس طرح خود کو مستقبل کے قحط سے محفوظ رکھیں خیرات دلوں کو وسیع کرتی ہے۔ لیکن اس طریقہ پہ کام کرو۔

سب سے زیادہ آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک جھونپڑی حاصل کرو۔ اور اس کو گورو مہاراج کا مندر بنا دو غریب لوگ وہاں آئیں اور امداد حاصل کریں۔ ساتھ ہی پوجا بھی کریں۔ شام اور صبح کتھائیں ہوں۔ ان کے ذریعہ تم لوگوں کو وہ سب کچھ سکھا سکتے ہو جس کی تم تعلیم دینا چاہتے ہو۔ لوگ آہستہ آہستہ دلچسپی لینے لگیں گے۔ وہ مندر کا انتظام خود سنبھال لیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ چند برسوں کے اندر اندر جھونپڑی کا وہ مندر ایک بڑے ادارہ میں تبدیل ہو جائے۔ جو لوگ ریلیف کے کاموں کے لئے جانا چاہتے ہیں سب سے پہلے ہر ضلع میں مرکزی جگہوں کا انتخاب کریں۔ اور ان میں اس قسم کی جھونپڑیوں کے اندر شروع کریں جہاں سے ہمارا تمام کام ہوتا ہے۔

ایک انتہائی بے وقوف بھی اگر اس کے اندر لگن ہو تو کام پورا کر لیتا ہے۔ لیکن ذہین آدمی وہ ہے جو کہ ہر کام کو اس ایک کام میں تبدیل کر دے جو اس کا دل پسند ہے۔ کوئی کام چھوٹا نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں ہر شے برگد کے بیج کی مانند ہے جو اگرچہ معمولی دکھائی دیتا ہے لیکن اس کے اندر ایک عظیم تناور درخت چھپا ہوتا ہے۔ وہ در اصل ذہین ہے جو اس چیز کو دیکھتا ہے اور ہر ایک کام کو سچے معنوں میں عظیم بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

مزید برآں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ دھوکہ باز ان لوگوں کی خوراک ہضم نہ کر جائیں جو اس کے مستحق ہیں ہندوستان میں کاہل لوگوں اور مطلبی لوگوں کی افراط ہے وہ بھوک سے کبھی نہیں مرتے۔ انہیں کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ برہمانند سے کہو کہ جو لوگ ریلیف کا کام کر رہے ہیں وہ ان سب کو یہ ہدایت لکھیں انہیں روپیہ کو اس طرح خرچ نہیں کرنا چاہیئے جس کا کوئی فائدہ نہ پہنچے ہم چاہتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کام اچھا ہو اور مستقل پیمانے پر ہو۔

اب تم کو خود نئی نئی باتیں سوچنی چاہئیں۔ ورنہ جیسے ہی میری آنکھیں بند ہو جائیں گی، یہ ہر چیز پارہ پارہ ہو جائے گی مثال کے طور پر تم اس بات پر غور کرنے کے لئے ایک میٹنگ بلاؤ۔ کہ ہمارے پاس جو چھوٹے چھوٹے ذرائع موجود ہیں انہیں ہم کس طرح کام میں لائیں کہ ان کے بہترین امکانی نتائج نکلیں میٹنگ سے قبل چند دنوں کی مہلت دو۔ اور ہر ایک کو کچھ نہ کچھ تجویز کرنے دو۔ اس پر بحث کرنے دو۔ ان پر اعتراضات کرنے دو۔ اور پھر مجھے ایک رپورٹ بنا کر بھیجو۔

آخر میں تمہیں ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ میں اپنے بچوں کی بہ نسبت اپنے بھائیوں سے زیادہ توقعات رکھتا ہوں میں جس قدر عظیم ہو سکتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے اس سے ہزار گنا زیادہ عظیم ہوں۔ تم میں سے ہر ایک کو ایک دیو ہونا چاہیئے ایک دیو۔ یہ میری خواہش ہے کاز اور مقصد کے لئے وفاداری تیاری اور محنت۔ اگر تمہارے پاس یہ

تینوں خصوصیتیں ہیں تو کوئی چیز تمہارا راستہ نہیں روک سکتی۔

پیار اور دعاؤں کے ساتھ تمہارا

وِویکانند

(33)

الموڑہ
29 رجنوری 1897ء

مائی ڈیر مس نوبل[1]

سٹرڈے (Sturdy) کا خط مجھے کل ملا جس میں مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ آپ نے ہندوستان آنے اور چیزوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا عزم کر لیا ہے۔ میں نے کل ہی اس خط کا جواب دے دیا لیکن آپ کے پروگراموں کے بارے میں مس ملر Miss Müller سے جو کچھ مجھے معلوم ہوا اس کے پیش نظر میں نے یہ ضروری سمجھا کہ میں آپ کو براہ راست خط لکھوں۔

مجھے صاف صاف کہنے دیجئے کہ میں اب یقین کرتا ہوں کہ ہندوستان کے لئے کام میں مجھے آپ کا مستقبل عظیم نظر آ رہا ہے۔ مرد کی ضرورت نہیں ہے لیکن عورت کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی عورت جو حقیقت میں شیرنی ہو اور جو ہندوستانیوں خاص طور پر عورتوں کے لئے کام کرے۔

ہندوستان میں ابھی کوئی بڑی عورت پیدا نہیں ہوئی اسے ایسی عظیم عورتوں کی خدمات حاصل کرنیکے لئے دوسری قوموں سے لینا چاہیئے۔ آپکی تعلیم خلوص پاکیزگی انتہائی پیار عزم اور سب سے زیادہ آپکے اندر آئرستانی خون ان سب کی وجہ سے آپ ایک ایسی عورت ہیں جو ہندوستان کو درکار ہیں۔

تاہم مشکلات بہت ہیں۔ آپ کو یہاں کی مشکلات تکالیف اوہام پرستی اور غلامی کے بارے میں احساس نہ ہوگا۔ آپ ایسے لوگوں کے درمیان ہوں گی جو نصف ننگے رہتے ہیں۔ عورت اور مرد سب ذات پات میں ملوث ہیں۔ علیحدگی پسند ہیں یا سفید

---

[1] Margaret E. Noble or Sister Nivedita.

[1] مس مارگریٹ ای نوبل، شری سوامی وویکانند جی کی انگریز شسیۂ تھیں۔ آپ نے اپنے آپ کو اپنے ست گورو شری وویکانند کے مشن اور ہندوستان کی خدمت کے لئے وقف کر دیا، شری سوامی جی نے ان کا نام بدل کر نویدیتا ——— ارپن ہو چکی ——— وقف ہو چکی ——— رکھ دیا تھا۔

چمڑی والوں سے بچتے ہیں بلکہ ان سے نفرت کرتے ہیں انتہائی نفرت۔ دوسری طرف سفید فام لوگ آپ کو کمزور خیال کریں گے اور آپ کی ہر ایک نقل و حرکت کو شبہ کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

پھر آب و ہوا بھی خوفناک حد تک گرم ہے۔ ہمارے یہاں سردیوں کا موسم آپ کے گرمیوں جیسے موسم کی طرح ہوتا ہے اور جنوب میں ہمیشہ تیز ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔

شہروں سے باہر کسی جگہ پہ یورپین کو آرام نہیں ملے گا۔ اگر ان تمام باتوں کے باوجود آپ کام شروع کرنا چاہیں تو آپ کا خیر مقدم کیا جائے گا ہزار بار خیر مقدم۔ جہاں تک میرا تعلق ہے یہاں یہ اور کہیں میں کوئی چیز نہیں ہوں لیکن میرا جو بھی تھوڑا بہت اثر ہے، اس کو میں آپ کے لئے وقف کر دوں گا۔

میدانِ کارمیں کودنے سے قبل آپ اچھی طرح سوچ لیں۔ اگر آپ اس مہم میں ناکام ہو گئیں، مایوس ہو گئیں تو میں مرتے دم تک آپ کا ساتھ دوں گا خواہ آپ ہندوستان میں رہیں یا نہ رہیں، خواہ آپ ویدانت کی پیروی کریں یا نہ کریں ہاتھی کی سونڈ جب باہر نکل آتی ہے تو پھر واپس نہیں جاتی۔ یہ ایک مرد کا وعدہ ہے جو وعدے سے نہیں پھرتا۔ میں آپ سے اس کا وعدہ کرتا ہوں۔ میں پھر آپ کو تنبیہ کرتا ہوں۔ آپ کو خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہئے مس ملر یا کسی اور کی ہدایات میں کام نہیں کرنا چاہئے۔ مس ملر اپنے طریقہ پر ایک اچھی عورت ہے لیکن بد قسمتی سے بچپن ہی سے اس کے دماغ میں یہ بات گھس گئی ہے کہ وہ پیدائشی طور پر لیڈر رہے۔ اور دنیا میں کام کرنے کے لئے سوائے روپیہ کے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نظریہ کا اظہار اس نے بار بار کیا ہے۔ اور آپ کو اس کے ساتھ چند روز گزارنا مشکل ہو جائے گا۔ اب اس کا ارادہ اپنے لئے اور آپ کے لئے اور دوسرے ان انگریزوں اور امریکنوں کے لئے جو کام کرنے کے لئے ہندوستان آنا چاہیں کلکتہ میں مکان لینے کا ہے۔

یہ اس کی مہربانی اور عنایت ہے۔ لیکن وہ اپنے پروگرام کو دو وجوہات کی بنا پر پورا نہیں کر پائے گی ایک اس کا غصہ اور بداخلاقی اور دوسرا اس کا متلون مزاج ہونا۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انکے ساتھ دور کی دوستی بہت عمدہ رہتی ہے۔ وہ آدمی جو خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے ہر طرح ٹھیک رہتا ہے۔

مسز سیویئر Mrs. Sevier نہایت شریف خاتون ہیں۔ بہت بھلی اور بہت مہربان— انگریزوں کے اندر سیویئر کنبہ ہی ایسا ہے جو کہ قبائل سے نفرت نہیں کرتا۔ سٹرڈے Sturdy آنے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ مسٹر اور مسز سیویئر ہی ایسے دو افراد ہیں جو ہماری سرپرستی کو نہیں آئے۔ لیکن ابھی انکا کوئی قطعی پروگرام نہیں ہے۔ جب آپ یہاں آئیں تو آپ انہیں اپنے ساتھ کام میں لگا سکتی ہیں۔ وہ آپ کو اور آپ ان کے لئے مفید ثابت ہوں گی۔ لیکن آخر کار یہ بہت ضروری ہے کہ آپ خود اپنے بھروسہ پر کام کریں۔

مجھے پتہ چلا ہے کہ امریکہ سے دو دوست بوسٹن کی مسز اولے بل Mrs. Ole Bull اور مسز

میک لیوڈ Miss MacLeod, اس سال موسم خزاں میں ہندوستان آنے والے ہیں۔ آپ مس میک لیوڈ سے لندن میں مل چکی ہیں۔ وہ امریکی خاتون جو پارسی لباس پہنتی ہے۔ مسز اولے بل ہوائی جہاز کے ذریعہ روانہ ہونے کو ہیں امریکہ میں وہ مجھ پر بہت مہربان رہی تھیں۔

چونکہ وہ یورپ کے راستہ ہی آرہے ہیں۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ آپ ان کی پارٹی میں شامل ہوسکتی ہیں۔

میں اس بات سے خوش ہوں کہ مجھے سٹرڈے Sturdy کا آخرکار کافی عرصہ بعد ایک نوٹ ملا لیکن یہ اس قدر خشک اور روکھا پھیکا ہے کہ معلوم ہوتا ہے وہ لندن میں کام کے ختم ہو جانے سے مایوس ہو گئے ہیں۔

آپ کا

وویکانند

(34)

مری

11 اکتوبر 1897

مائی ڈیر راکھل [1]

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ پچھلے دس برسوں سے جب کہ کشمیر میں کام شروع ہوا تھا میں ناقابل مزاحمت ہیجان میں کام کرتا رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی جسمانی یا ذہنی بیماری ہو۔ اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں مزید کام کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ میں تم سب کے ساتھ بہت سخت رہا ہوں۔ لیکن میں جانتا تھا کہ تم میری تمام کمزوریوں کو برداشت کرلوگے۔ مٹھ میں اور کوئی ایسا نہیں ہے جو ایسا کرسکے۔ میں تمہارے لئے روز بروز سخت ہوتا رہا ہوں۔ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ یہ سب پچھلے کرموں کا نتیجہ ہے۔ میرے بار بار آنے کا فائدہ کیا ہے۔ میں اس میں یقین نہیں رکھتا۔ یہ سب کرم ہیں۔ ماں کا کام جو کچھ میرے ذریعہ سے مکمل ہونا تھا اس نے مجھ سے وہ کام کرایا اور اب اس نے مجھے میرے جسم اور دماغ کو کمزور کرکے مجھ کو الگ کردیا۔ جو کچھ وہ چاہے گی وہی ہوگا۔

اب میں اس تمام کام سے ریٹائر ہو رہا ہوں۔ ایک دو روز کے اندر میں ہر چیز کو چھوڑ دوں گا اور تنہا

---

[1] سوامی برہمانند سنیاس لینے سے پہلے ان کا شبھ نام تھا راکھل۔ آپ شری پرم ہنس رام کرشن کے شردمتی شیشیہ اور سیوک تھے۔ آپ رام کرشن مٹھ اور مشن کے پہلے صدر تھے۔ اور ۱۸۹۹ سے ۱۹۲۲ تک اسی ممتاز عہدہ پر جلوہ افروز رہے۔

گھومنے کو نکل جاؤں گا۔ میں اپنی باقی ماندہ زندگی کو کسی نہ کسی جگہ خاموشی کے ساتھ گذار دوں گا۔ اگر تم سب مجھے معاف کر سکتے ہو تو معاف کر دو یا نہ کرو جیسی تمہاری مرضی مسز بل نے کافی روپیہ دیا ہے۔ اسے شہرت پر بہت زیادہ یقین ہے (سوامی سارداننند) شرت کے مشورہ پر مٹھ کا کام کرتے رہو۔ یا جو تم چاہو کرو۔ لیکن میں ہمیشہ ایک ہیرو کی زندگی گذارتا رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا کام بجلی کی تیزی کے ساتھ پھیلے اور وہ اس قدر مضبوط ہو جیسے پتھر۔ اسی طرح میں مر جاؤں گا۔ اس لئے مہربانی کرکے میرے کام کو میرے لئے کرتے رہو۔ اس میں کامیابی اور ناکامی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ میں لڑائی میں پیچھے نہیں ہٹا کیا اب پیچھے ہٹوں گا؟ ہر کام میں کامیابی یا ناکامی ہوتی ہے۔ لیکن میں اِس یقین پر مجبور ہوں کہ جو بزدل ہوتا ہے وہ مرنے کے بعد پھر ایک کیڑے مکوڑے کی صورت میں پیدا ہوگا کروڑوں برس کی زندگی کے باوجود ایک بزدل مکتی حاصل نہیں کر سکتا۔ اچھا۔ کیا میں کرم در (کیڑہ مکوڑہ) پیدا ہوگیا؟ .... میری نگاہوں میں یہ دنیا محض ایک کھیل ہے۔ کیا ایک شخص کو یہ سوچنے میں کہ اس کام میں فائدہ ہوگا یا نقصان عزت ملے گی یا ذلت۔ چھ ماہ صرف منصوبہ بنانے میں گذار دینے چاہئیں؟ میں ایک عملی آدمی ہوں۔ صرف مشورے پر مشورے دیئے جا رہے ہیں۔ یہ یہ کہتا ہے اور وہ وہ کہتا ہے۔ وہ دھمکی دیتا ہے اور یہ خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ زندگی اس قدر میٹھی نہیں ہے کہ میں اس خوف احتیاط اور خطرہ کے درمیان زیادہ طویل زندگی بسر کروں۔ روپیہ پیسہ زندگی دوست رشتہ دار آدمی کی محبت اور خود اپنی شخصیت، اگر کوئی شخص کام کرنا چاہتا ہے تو اسے ان سب کو چھوڑنا ہوگا۔ اگر کوئی شخص اس قدر خوفزدہ ہے تب اس کو وہی حاصل ہوگا جو گورو دیو نے کہا ہے "کوا سوچتا ہے کہ وہ خود بہت بہادر ہے لیکن....... ! جناب اس کو وہی ملے گا!۔ آخر روپیہ پیسہ دولت مٹھوں اداروں تقریروں بد چاروں کے پیچھے مقصد کیا ہے؟ صرف زندگی کا ایک ہی مقصد ہے "تعلیم" ورنہ عورتوں مردوں زمین اور دولت کا فائدہ کیا ہے۔

مجھے اس بارے میں کوئی پریشانی نہیں کہ روپیہ کا اتنا نقصان ہوا۔ یا کسی اور چیز کا اس قدر نقصان ہوا نہ میں پریشان ہوں گا جب میں کٹھرے کے تیروں سے لڑنے پر آؤں گا تو لڑوں گا۔ میں اتنا پوری طرح سمجھتا ہوں۔ اور میں اس آدمی اس ہیرو، اس ایشور کو بھی پورے طور پر سمجھتا ہوں جو کہتا ہے "پرواہ نہ کرو خوف نہ کھاؤ۔ اے بہادر آدمی میں تیرے ساتھ ہوں"۔ ایسے دیوتا کو میں لاکھوں بار پرنام کرتا ہوں۔ ان کی موجودگی سے دنیا میں پاکیزگی بڑھتی ہے۔ وہ دنیا کے نجات دہندہ ہیں۔ اور وہ دوسرے لوگ جو ہمیشہ روتے ہیں — اوہ آگے مت بڑھو۔ وہاں خطرہ ہے۔ وہاں وہ خطرہ ہے وہ ہمیشہ خوف سے لرزتے رہتے ہیں۔ لیکن دیوی ماں کی مہربانی سے میری روح طاقت ور ہے۔ یہاں تک کہ انتہائی ضعفِ معدہ بھی مجھے بزدل نہیں بنا سکتا

بزدلوں کو میں کیا مشورہ دوں ؟ مجھے ان کے سلسلہ میں کچھ نہیں کہنا ہے لیکن یہ میری خواہش ضرور ہے کہ مجھے ان بہادر روحوں کے قدموں میں جگہ ملے جنھوں نے عظیم کام کئے خواہ وہ ان میں کامیاب ہوئیں یا نا کام ان بہادروں کے قدموں میں جگہ ملے جنہوں نے خود سے یا فخر و غرور کی وجہ سے کبھی احکامات کی خلاف ورزی نہیں میں دیوی ماں کا بچہ ہوں جو تمام طاقت اور قوت کا سرچشمہ ہے۔ میرے نزدیک بے غرتی کی خوشامد للو تپو کرنا۔ خوشامد کرنا بے غرتی کے برابر ہے نرک اسی کا نام ہے۔ اوہ دنیا کی ماتا، اور میرے گورو دیو کون مسلسل کہے گا۔ "یہ بہادر ہے"۔ میری پراتھنا ہے کہ میں ایک کائر کی موت مروں - یہ میری پرارتھنا ہے اور بھائی "उत्पत्स्यतेऽस्ति मम कोऽपि समानधर्मा" یقینی طور پر یہاں کوئی میرے برابر پیدا ہوا ہے یا پیدا ہوگا"۔ کوئی نہ کوئی یقینی طور پر اُٹھے گا۔ شری رام کرشن کے ان ہزاروں بھگتوں میں سے جو کہ مجھے سمجھنے کی کوشش کرے گا۔

او بہادر جاگ جا۔ اُور مت سو۔ موت نے تمہارا پہلے ہی سے احاطہ کر رکھا ہے۔ پھر بھی خوف نہ کھاؤ۔ میں جد وجہد سے کبھی نہیں بھاگا۔ کیا اب میں جد وجہد سے فرار حاصل کروں ؟ شکست بہادروں کا زیور ہے لڑائی کے بغیر شکست نہیں ہوتی ... او ماتا۔ او ماتا ! .... ایک شخص کے اندر خرافات بکنے کی کبھی ہمت صلاحیت نہیں ہوتی۔ پھر بھی وہ خود کو اہم سمجھتا ہے۔ "ہم ہر چیز کو جانتے ہیں"۔ .... اب میں ریٹائر ہو رہا ہوں ہر چیز کو میں تمھارے کنٹرول میں چھوڑ رہا ہوں۔ اگر ماں نے مجھے پھر کچھ ایسے آدمی دیئے جن کے دل میں حوصلہ ہو۔ جن کے ہاتھوں میں طاقت ہو اور جن کی آنکھوں میں آگ بھری ہو۔ ماتا کے سچے بچے۔ اگر وہ مجھے ایک بھی ایسا آدمی مہیا کر دے تب میں پھر کام کروں گا۔ تب میں واپس آجاؤں گا - ماں کی مرضی ہے اب یہ ختم ہو۔ میں شدید عجلت میں ہوں۔ میں طوفانی کی رفتار سے کام کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایسے لوگوں کو چاہتا ہوں جو بے خوف دل رکھتے ہوں۔

میں ۔ غریب سردار (سوامی تری گوناتیتانند) پر بہت غصہ کیا ہے۔ کیا کیا جائے ؟ .... مجھے تنبیہہ کرنی ہی چاہئے تھی۔ لیکن مجھے ہمیشہ بہت کافی شکایت رہی ہے .... ہلکے سانسوں کی وجہ سے قریب قریب دم گھٹ رہا ہے۔ کھڑے کھڑے میں نے اس کے لئے ایک مضمون لکھا ہے ..... یہ سب اچھا ہے ورنہ ترکِ علائق کس طرح ہو سکتا ہے ؟.... کیا ماں مجھے آخر میں دلی تعلق کی موت دے گی ؟ میں نے تم سب کی بہت دل آزاری کی ہے۔ جو کچھ چاہتے ہو کرو ۔

میری دعا ہے تم سب کے دلوں میں گن جاگ جائے۔ ماں تمہارے دلوں میں طاقت پیدا کر دے अभयं प्रतिष्ठां جو بلا خوف ہے ــــ ماتا تم سب کو بے خوف بنائے ۔" یہ میں نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے۔ جو خود اپنے

بارے میں محتاط رہتا ہے وہ ہر قدم پر خطروں سے دوچار رہتا ہے۔ جو اپنی عزت اور وقار کی کمی کا خوف اپنے اوپر لادے رہتا ہے صرف بے عزتی حاصل کرتا ہے۔ جس کو عبث نقصان کا خوف رہتا ہے وہ ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے۔ ایشور کرے تم سب بھلائی کے کام کرتے رہو۔

بہت پیار سے تمہارا

وویکانند

35

امری تکہ

17۔ جولائی۔ 1898.

مائی ڈیئر راکھل[1]

مجھے تمہارے خط سے تمام خبریں مل گئیں۔ ۔ سارودا کے بارے میں تم نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ بنگالی میں رسالہ کو کامیاب بنانا مشکل ہے۔ لیکن اگر تم سب گھر گھر جاکر خریدار بناؤ۔ تو یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں جو تمہاری مرضی میں آئے وہ کرو۔ غریب سارودا ایک بار مایوس ہو چکا ہے کیا نقصان ہے اگر ایسے بے غرض اور محنتی آدمی پر اگر ہمیں ایک ہزار روپیہ صرف کرنے پڑ گئے۔ "راج یوگ" کی چھپائی کے بارے میں کیا رہا۔ آخری حل یہ ہے کہ تم اس کو روپن کے حوالے کر دو۔ لیکن کچھ خاص شرطوں پر فروخت سے جو منافع ہو۔ اس میں حصہ ملے روپے پیسے کے معاملات میں میں نے تمہیں پہلے جو مشورہ دیا تھا وہ آخری ہے۔ اخراجات کے بارے میں تم جو کچھ بہتر سمجھتے ہو وہ کرو۔ دوسروں کی امداد کے متعلق مجھے بخوبی احساس ہے کہ میری پالیسی غلط ہے اور تمہاری پالیسی درست۔ اگر تم ایک ساتھ زیادہ امداد کرو گے تو لوگ احسان مند ہونے کے بجائے یہ کہیں گے کہ انہیں ایک بے وقوف مل گیا ہے۔ مجھے ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ خیرات سے خیرات حاصل کرنے والوں کا اخلاق خراب ہوتا ہے۔ دوسرے ہمیں اس بات کا کوئی حق نہیں ہے کہ جس مقصد کے لئے ہم نے روپیہ جمع کیا ہے۔ ہم اس روپیہ کو اس مقصد کے علاوہ کسی اور مقصد پر خرچ کریں۔ اگر تم مسز بل (Mrs. Bull) کے نام تسبیح معرفت چیف جسٹس کشمیر ریشی بر مکھو بادھیائے کی معرفت بھیجو گے تو اسے مل جائے گی مسٹر مترا اور چیف جسٹس ان کی ہر ممکن خاطر تواضع کر رہے ہیں۔ ابھی تک کشمیر میں ہمیں زمین کا کوئی پلاٹ نہیں ملا ہے۔ اگر تم سردیوں کا موسم یہاں گذارو۔ تو تمہاری صحت یقینی طور پر بن جائے گی۔ اگر مکان اچھا ہو۔ اور کافی گرم کپڑے اور ایندھن ہو تو برف پوش جگہ پر رہنے میں لطف آتا ہے۔ ساتھ ہی برفیلی آب و ہوا سے پیٹ کی تمام تکلیفیں ختم ہو جاتی ہیں یہ بہت کارگر علاج ہے۔

---

[1] سوامی برہمانند

یوگن کو اپنے ساتھ لاؤ۔ کیونکہ یہاں کی زمین پتھریلی نہیں ہے بلکہ یہاں کی مٹی بنگال جیسی ہے۔

اگر اخبار کو الموڑہ سے نکالا جائے تو کام آگے بڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ غریب سیویئر (Sevier) کچھ امداد کر سکتا ہے اور مقامی آدمیوں کو کچھ کام مل سکتا ہے عمدہ انتظام میں ہر آدمی کو اس کے مقصد کا کام مل جاتا ہے ہمیں کلکتہ میں نویدیتا گرلز سکول کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے اپنی تمام طاقت لگا دینی چاہیئے سارسے سہارے کو کشمیر میں بلانا ابھی دور کی بات ہے۔ کیونکہ یہاں پر ایک کالج کے قیام میں ابھی مدت لگے گی۔ لیکن انہوں نے لکھا ہے کہ کلکتہ میں ایک کالج کھولنا ممکن ہے جس کے وہ پرنسپل ہوں اور جس کا ابتدائی سرمایہ ایک ہزار روپیہ ہو۔

میں نے سنا ہے کہ تم سب اس تجویز کے حامی ہو۔ اس سلسلہ میں تم جو کچھ بھی بہتر سمجھتے ہو وہ کرو۔ میری صحت بالکل ٹھیک ہے۔ میں رات کو گاہ بگاہ اٹھ بیٹھتا ہوں۔ پھر کبھی میں دن میں دو بار چاول۔ آلو۔ چینی اور جو کچھ مجھے مل جاتا ہے کھا لیتا ہوں۔ دوائیں بیکار ہیں ایک ایسے آدمی پر جو اپنے اندر کے براہمن کو جان گیا ہو دوائیں اثر نہیں کرتیں۔ میں ہر چیز کو برداشت کروں گا تم فکر نہ کرو۔

لیڈیز یہاں ٹھیک ٹھاک ہیں اور تمہیں سلام کہتی ہیں۔ شوانند کے دو خط ملے۔ مجھے اس کے آسٹریلوی چیلے کا کوئی خط نہیں ملا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ کلکتے میں اب پلیگ کی بالکل ختم ہو گئی ہے۔

پیار کے ساتھ تمہارا

وویکانند

36

بیلور مٹھ

16-اپریل 1899.

ڈیئر میڈم[1]!

آپ کا خط ملا۔ بڑی مسرت ہوئی۔ اگر میرے یا میرے شاگردوں کے کسی مخصوص عقیدہ کی قربانی سے بہت سے ایسے پاک شریف اور وفادار لوگ مل سکتے ہیں جو ہمیں ہمارے مقصد میں امداد دیں تو یقین رکھیئے ہم اپنے مخصوص نظریہ کی قربانی میں کوئی پس و پیش نہیں کریں گے اور کوئی آنسو نہیں بہائیں گے۔ آپ ہمارے عمل سے اس کی تصدیق کر سکیں گی۔ لیکن میں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا کہ جو اس طریقہ پر ہمارا ساتھ دے سکے۔ صرف چند لوگ اس کو تفریحی مشغلہ سمجھ کر آگے بڑھنے کی خواہش رکھتے ہیں اور بس۔ اگر گورو پوجا کو ترک کرنے

---

[1] شریمتی سرلا گھوشال ایڈیٹر رسالہ "بھارتی"

کے لیے نہ کہنے سے ہمارے ملک اور انسانیت کا بھلا ہوتا ہے تو ہم کبھی بھی بڑے گناہ پر آمادہ ہیں اور عیسائیوں کی لعنت بدی کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن انسان کا مطالبہ کرتے کرتے میرے بال پک گئے ہیں۔ یہ دنیا بڑی آزمائش کی جگہ ہے اور میں کافی طویل عرصہ یونانی فلاسفر کی قندیل ہاتھ میں لیے گھوما پھرا ہوں۔ مجھے وہ گیت یاد آتا ہے جو میرے گرو گنگنایا کرتے تھے۔

وہ جو کہ ایک حسب دل پسند آدمی ہے اپنی نگاہوں سے خود کو دھوکا دیتا ہے فی الواقع ایسا آدمی کم ملتا ہے۔ وہ ایسا آدمی ہے جس کے اندر جمالیاتی ادراک ہوتا ہے۔ اس کا راستہ دوسروں سے الگ ہے۔

میری طرف سے یہ بہت کافی ہے، مہربان یقین کیجیے اس میں ایک لفظ بھی مبالغہ کا نہیں ہے اور آپ کو ایسا ہی ملے گا۔

لیکن مجھے ان وفادار لوگوں کے بارے میں جو صرف اسی صورت میں ہمارا ساتھ دیں گے کہ ہم گورو گوپال کو ترک کر دیں پھر شبہ ہوتا ہے۔ محترمہ اگر وہ جیسا کہ ظاہر کرتے ہیں فی الواقع ملک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو محض یہ گورو گوپال ان کے راستہ کی رکاوٹ کیسے بن سکتی ہے۔

یہ پرجوش دریا جو اپنی بے پناہ موجوں کے ساتھ رواں ہے جو اپنے ساتھ پہاڑوں اور پہاڑیوں کو بہا لیجانا چاہتا ہے کیا صرف گورو گوپال کی وجہ سے واپس ہمالیہ کی طرف لوٹ جائے گا! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ اس قسم کی وفاداری کا کوئی بڑا نتیجہ نکلے گا۔ کیا اس سے کوئی بھلائی ہو گی؟ آپ ہی کہیں میں اس بارے میں اور کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ ایک پیاسا آدمی پانی کے اوصاف کا اس درجہ اندازہ کرے۔ ایک بھوکا آدمی جو مرنے کے قریب ہو سامنے رکھے ہوئے کھانے کو دیکھ کر سوچتا رہے اور اس سے منہ موڑ لے! لوگوں کے سوچنے اور سمجھنے کا ڈھنگ نرالا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میں سوچتا ہوں کہ اس قسم کے لوگوں کو شوکیس میں رکھا جانا چاہیئے۔ یہ حقیقی کام سے جس قدر دور رکھے جائیں اسی قدر بہتر ہے۔

محبت ذات برادری کو نہیں دیکھتی۔ نہ ہی بھوکا آدمی یہ دیکھتا ہے کہ کھانا تازہ ہے یا باسی۔

میں بس یہی جانتا ہوں۔ لیکن ہو سکتا ہے میں غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ اگر گورو گوپال جیسی معمولی بات، کسی شخص کے لیے ایک ایسا پتھر ہے جس کے لگنے سے اس کی موت ہو جائے تو یہ زیادہ اچھا ہے کہ ہم اس کو اس تکلیف دہ صورت حال سے نجات دلا دیں۔

تاہم آپ سے ان نکات پر تفصیل کے ساتھ بات کرنے کی مجھے بڑی آرزو ہے۔

ان امور پر بات چیت کرنے کے لیے اب تک مجھے بیماری مصیبتوں اور موت سے چھٹکارا حاصل رہا ہے اور مجھے امید ہے چھٹکارا حاصل رہے گا۔

422

ایشور کرے اس نئے سال میں آپ کی تمام تمنائیں بر آئیں۔

آپ کا مخلص

وویکانند

(37)

کیلی فورنیا

21 فروری 1900ء

میرے پیارے اکھنڈ انند[1]

تمہارا خط پاکر اور تفصیلی حالات معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی۔ علم اور دانشمندی اضافی دولت ہیں۔ جو بظاہر چمکتی نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ دل ہے جو تمام طاقتوں کا کرشمہ ہے۔ علم، طاقت اور عمل سکھنے والی آتما دل ہی میں ہوتی ہے دماغ میں نہیں۔

शतं चैका च हृदयस्य नाड्यः—

"دل کی توانائی ایک سو ایک ہوتی ہے" وغیرہ۔ توانائی کا خاص مرکز دل کے قریب ہوتا ہے۔ جہاں آتما اپنا ظہور کر سکتی ہے۔ جتنا زیادہ دل لگا کر کام کرو گے اتنی ہی کامیابی حاصل ہوگی۔ ایسے لوگ چند ہیں جو دماغ کی زبان کو سمجھتے ہیں۔ لیکن خالق سے لے کر گھاس کی ایک پتی تک اس زبان کو سمجھتی ہے جو دل بولتا ہے۔ لیکن پھر ہمارے ملک میں یہ صورت ان کی بھی جو مر چکے ہیں۔ نئے لوگوں کے پیدا ہونے میں وقت لگے گا لیکن اگر تمہارے اندر بے پناہ صبر اور برداشت کی قوت ہے تو تمہیں کامیابی ملے گی۔ اس میں شک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

انگریز افسران کو الزام کس طرح دیا جا سکتا ہے؟ کیا ایسا خاندان جس کے فطری بے رحمانہ پن کے بارے میں تم نے لکھا ہے ایک ہی ہے یا بہت سے ہیں؟ ہمارے ملک کے اندر اس قسم کی کہانیاں بکھری پڑی ہیں تب بھی خود غرضی جو ہمارے ملک میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ خالص گناہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ وحشیانہ خود غرضی صدیوں کے ظلم اور دباؤ کا نتیجہ ہے۔ یہ اصل خود غرضی نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسی ناامیدی ہے جس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ کامیابی کے بارے میں سوچنا اس کا پہلا علاج ہوگا۔ صرف اسی وجہ سے انگریز افسران چاروں طرف دیکھ رہے ہیں۔ وہ اس کی ابتدا پر اعتقاد کس طرح رکھ سکتے ہیں؟ لیکن مجھے بتاؤ۔ کیا وہ کسی ہونے والے حقیقی کام کے ساتھ ہمدردی ظاہر نہیں کرتے؟ قحط، سیلاب، بیماری، پلیگ کے اس زمانہ میں مجھے بتاؤ کہ کانگریسی کہاں ہیں؟ کیا صرف یہ کہنا کافی ہے کہ "گورنمنٹ ہمارے حوالے کر دو"۔ اور ان کی سنتا کون ہے؟ اگر کوئی آدمی کام کرتا ہے تو اس کو کچھ مانگنے کے لئے منہ کھولنے کا حق ہے۔ اگر تمہاری طرح دو ہزار آدمی اضلاع میں کام کرتے

---

[1] سنیاس لینے سے پہلے ان کا نام گنگا دھر تھا۔ آپ شری پرم ہنس رام کرشن کے ایک شسیہ تھے۔ اور وہ آپ کو گنگا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ آپ 1934ء سے 1937ء تک شری رام کرشن مٹھ اور مشن کے پریذیڈنٹ تھے۔

स्वकार्यमुद्धरेत् प्राज्ञः :—

ہیں تو کیا انگریز سیاسی صلاح و مشورے میں تم کو نظرانداز کر سکتے ہیں؟

"عقلمند آدمی کو اپنا مقصد حاصل کرنا چاہیئے"۔ .... کو مرکز کھولنے کی اجازت نہیں ملی۔ لیکن اس سے کیا ہوا۔ کیا کشن گڈھ نے اس کی اجازت نہیں دی تھی؟ اس کو چاہیئے کہ وہ خاموشی کے ساتھ کام کرے کسی سے کچھ کہنے اور کسی سے جھگڑا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جو کوئی دیوی ماں کے اس کام میں امداد کرے گا اس پر دیوی ماں مہربان ہوگی۔ اور جو کوئی مخالفت کرے گا — अकारणाविष्कृतवैरदारुणः — اس کی دشمنی سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ وہ خود اپنے مستقبل پر کلہاڑا مار لے گا۔ शनैः पन्थाः وغیرہ وغیرہ۔

— سب وقت پر ہوتا ہے — کم کم (تھوڑا تھوڑا) مل کر زیادہ ہوتا ہے۔ جب ایک عظیم کام کیا جا رہا ہو جب ایک سڑک کی تعمیر کی بنیاد رکھی جا رہی ہو۔ اور جب انسان سے بالا صلاحیتوں کی ضرورت ہو' ایک دو آدمی ہوتے ہیں جو خاموشی کے ساتھ کام کرتے ہیں تمام رکاوٹوں اور مشکلات سے گذر جاتے ہیں۔ جب ہزاروں لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے تو گھنٹے بجتے ہیں اور تمام ملک تعریف کے گن گانے لگتا ہے۔ تب کام کی ایک مشین قائم ہو جاتی ہے۔ اور اس پر ایک لڑکا تک کام کر سکتا ہے۔ اور یہاں تک کہ ایک بے وقوف بھی اس کو جوش کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اسے سمجھو کہ ایسا فائدہ ایک یا دو گاؤں کو پہنچے یتیم خانہ کے بیس یتیموں کو پہنچے۔ دس بیس مزدوروں کو پہنچے۔ یہ کافی ہیں۔ یہ سب مل کر دوہری توانائی بن جائیں گے اور کبھی تباہ نہیں ہوں گے۔ وقت آئے گا جب ان سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔

اب ہمیں نصف درجن شیروں کی ضرورت ہے۔ تب سینکڑوں کی تعداد میں گیدڑ تک بہترین کام انجام دینے لگیں گے۔

اگر یتیم لڑکیاں پناہ کے لئے تمہارے پاس آئیں تو تمہیں ان کو سب سے پہلے اپنانا چاہیئے۔ ورنہ عیسائی مشنری انہیں اپنے دام میں پھنسا لیں گے۔ کوئی حرج نہیں اگر تمہارے پاس ان کے لئے بہتر انتظام نہیں۔ دیوی ماں کی برکت سے ان کا انتظام ہو جائے گا۔ جب تم ایک گھوڑا لے لو۔ تو چابک کی پرواہ نہ کرو۔ جن پر تم اپنا ہاتھ رکھ سکتے ہو۔ انہیں رکھ لو۔ وقت آنے پر ہر کام درست ہو جائے گا ہر کوشش کی راہ میں بہت سی دشواریاں آتی ہیں لیکن آخر میں راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ لیوپین افسر کو میری طرف سے بہت بہت شکریہ کہہ دو۔ وہاں ایک ہیرو ہے۔ بہادر ترین بالا

بہت خوب! جیسا کہ تم نے لکھا ہے بھاگل پور میں مرکز کھولنے کا خیال بلاشک اچھا خیال ہے۔ طالب علموں و ایسے ہی دوسرے لوگوں کو روشنی دو۔ لیکن ہمارا مشن یتیموں۔ بیماروں۔ جاہل کاشتکاروں اور غریب مزدوروں کے لئے ہے۔ کسانوں اور مزدوروں کو محبت کے ساتھ جیتا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد یہی لوگ ہوں گے جو تھوڑی رقم جمع کریں گے اور گاؤں میں مشن کھولیں گے۔ اور آہستہ آہستہ ان میں سے ہی قابل معلم نکل آئیں گے۔

کچھ کسان لڑکیوں اور لڑکوں کو ابتدائی تعلیم دو۔ اور ان کے دماغوں کے اندر مختلف نظریات کو بٹھاؤ۔ اس کے بعد ہر گاؤں کے کسان روپیہ جمع کریں گے۔ اور اپنے گاؤں میں ان میں سے ایک کو رکھیں گے

उद्धरेदात्मनात्मानम्

خود اپنی کوشش سے صرف ایک کو اٹھانا چاہیئے۔ اس سے ہر میدان میں بھلائی ہوگی۔ ہمیں خود اپنی مدد کرنے کے لئے ان کی مدد کرنی چاہیئے . . . . یہ کہ وہ تمہیں تمہاری روزی مہیا کر رہے ہیں۔ یہ حقیقی کام ہے جس لمحہ وہ خود اپنی حالت کو سمجھنے لگیں گے۔ امداد اور ترقی کی ضرورت کو محسوس کرنے لگیں گے تب جانیئے کہ تمہارا کام اثر کر رہا ہے۔ اور صحیح ہو رہا ہے۔ کسان اور مزدور طبقہ اس وقت بری حالت میں ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ روپے پیسے والے لوگ ان کی امداد کریں تا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو پھر حاصل کر لیں اور کچھ نہیں پھر مزدوروں اور کسانوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ خود اپنے مسائل حل کریں۔ انہیں سمجھیں اور ان کا حل تلاش کریں تب پھر ہمیں یہ احتیاط لازم ہے کہ غریب کسانوں۔ مزدوروں اور دولتمند لوگوں کے درمیان کشمکش نہ ہو۔ یاد رکھو دولتمندوں کو برا بھلا نہ کہو۔— स्वकार्यमुद्धरेत्प्राज्ञः "دانشمند اپنا مقصد خود حاصل کر لیتے ہیں"۔

گورو کی فتح۔ دنیا کی ماں کی فتح۔ خوف کس بات کا موافق اور علاج اور اس کا استعمال خود سامنے آئے گا۔ اچھے ہوں یا برے میں نتائج کی پروا نہیں کرتا۔ مجھے خوشی ہوگی اگر تم صرف کام کر سکو نہ بانی جمع خرچ۔ خاکے تجویزیں۔ اصول یہ سب چیزیں اس عمر میں مجھے زہر لگتی ہیں۔ اس بات کو یقین جان لو۔ کہ جو کام کرے گا وہ میرے سر کا تاج ہوگا۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ شور نہ کرو۔ اس میں وقت برباد ہوتا ہے۔ زندگی کی صلاحیتیں برباد ہوتی ہیں انسانیت کے کام کو ایک قدم اور آگے بڑھاؤ۔ माभैः — خوف کو دور رکھو۔ بہادر! وہاں فی الواقع ایک ہیرو ہے! گورو تمہارے دل کو طاقت دیں۔ اور دیوی ماں تمہاری رہبری کرے۔

پیار کے ساتھ تمہارا
وویکانند

38

سان فرانسسکو

26۔مئی 1900

پیاری نویدیتا!

تمام آشیرواد آپ کے لئے۔ کبھی بھی ہمت نہ ہاریئے، دل نہ چھوڑیئے۔ سری واہیگورو! سری واہیگورو! آپ تو کشتریوں کے خون سے بنی ہیں پھر یہ شکست خوردگی کیوں؟ جانتی ہیں کہ ہمارا زرد لبادہ اور سنیاسی لباس میدانِ کارزار میں کفن باندھنے کے مترادف ہے۔ ہمارا منتہائے مقصود کامیابی، فتح و نصرت نہیں بلکہ مقصدِ حیات کے لئے مر مٹ جانا ہی ہے۔ سری واہیگورو! یہ سیاہ و تاریک آنچل تو موت کے آنچل ہیں۔ جو ساری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ لیکن میں تو قادر اور مالک ہوں۔

میں اس کی گرفت سے باہر ہوں میں ہاتھ اٹھاتا ہوں اور دیکھ لو یہ آنچل فنا ہو جاتے ہیں یہ سراسر وہم و خوف ہے لیکن میں تو بے خوف اور نڈر ہوں۔ بے خوفی اور نڈرتا میں لاثانی ہوں۔ میں تو مقدر کا مالک ہوں اور فنا و بقا پر قادر ہوں میری ایگو! میری بچی! ہمت باندھیے اور اپنے آپ کو دولت یا کسی دوسری شے کے ہاتھوں بکنے نہ دو۔ ہم بالضرور فتحیاب اور کامیاب ہوں گے۔

وویکانند

39

المیڈا۔ کیلی فورنیا
18 اپریل 1900.

مائی ڈیئر جوئی[1]

مجھے ابھی تمہارا اور مسز بل (Mrs. Bull's) کا خیر مقدمی خط ملا۔ میں اس کو لندن بھیج رہا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ مسز لیگیٹ (Mrs. Leggett) کی صحت بہتر ہو رہی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مسٹر لیگیٹ نے صدارت سے استعفٰی دے دیا۔ میں نے اس لئے خاموشی اختیار کی کہ کوئی اور ہنگامہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ تم میرے طریقوں کو جانتی ہو۔ میں انتہائی سخت ہوں۔ اور جب ایک بار مجھے غصہ آتا ہے تو میں ایک .... کو کافی پریشان کر ڈالتا ہوں۔

میں نے اس کو صرف یہ لکھا ہے کہ مسز بل (Mrs. Bull) کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر بالکل غلط ہے۔ کام ہمیشہ دشوار ہوتا ہے۔ جوئی میرے لئے دعا کرو کہ میرا کام ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔ اور میری تمام روح ماں کے ساتھ جا ملے۔ اپنے کام کو وہ ہی جانتی ہے۔ ذہنی طور پر میں بالکل تندرست ہوں۔ میری روح میرے جسم کے مقابلہ میں اور زیادہ بہتر ہے۔ لڑائیاں جیتی جاتی ہیں، ہاری جاتی ہیں۔ میں نے اپنا بستر سمیٹ لیا ہے۔ اور اب عظیم نجات دہندہ کا انتظار کر رہا ہوں۔

شو او شو! میری کشتی کو دوسرے کنارے لگا دو۔

بہر حال جوئی۔ میں ہی صرف وہ بچہ ہوں جس نے دکشنیشور میں برگد کے درخت کے نیچے رام کرشن کے حیرت انگیز الفاظ پوری سرمستی کے ساتھ سنے ہیں۔ وہ میری سچی فطرت ہے عمل، سرگرمیاں اور اچھے کام سب اوپر سے ہوئے ہیں۔ اب میں اس آواز کو پھر سن رہا ہوں۔ وہی آواز میری روح کو گرما رہی ہے، رشتے ٹوٹ رہے ہیں، پیار مر رہا ہے۔ کام پھیکا ہوتا جا رہا

---

[1] مس جوسی فائن میکلوڈ Miss Josephine MacLeod. آپ نیویارک کی رہنے والی تھیں۔ آپ امریکہ میں سوامی وویکانند جی کی چیدہ ترین چیلی تھیں۔ انہوں نے بہت سے طریقوں سے سوامی جی اور ان کے کام میں امداد دی۔

ہے۔ اب صرف گورو کی آواز مجھے بلا رہی ہے۔ میں آیا۔ گورو میں آیا۔ میرے پیارے گورو میں آ رہا ہوں۔

ہاں میں آ رہا ہوں۔ نروان میرے سامنے ہے۔ اکثر میں نے شانتی کے ایک لامحدود سمندر کا احساس کیا ہے جس میں سانس کی آواز تک بھی سنائی نہیں دیتی۔

میں خوش ہوں کہ میں پیدا ہوا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ مجھے اتنی تکلیفیں پہنچیں۔ میں خوش ہوں کہ میں نے غلطیاں کیں۔ میں خوش ہوں کہ شانتی کی طرف جا رہا ہوں۔ مجھے کوئی قید نہیں، میں نے سب بندھن کاٹ دیئے ہیں۔ خواہ یہ جسم ختم ہو جائے اور مجھے رہا کر دے یا میں آزادی حاصل کر لوں۔ بوڑھا آدمی جا چکا ہمیشہ کے لئے جا چکا۔ اب وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔ وہ گورو ہدایت کرنے والا وہ پرچارک ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا۔ لڑکا۔ طالب علم اور خادم پیچھے باقی رہ گیا ہے۔

تم سمجھتی ہو کہ میں ہ . . . . . . کے ساتھ بے جا دخل اندازی نہیں چاہتا۔ جوئی میں کون ہوں کہ کسی کے معاملات میں دخل دوں؟ بہت عرصہ ہوا میں نے لیڈر بننا چھوڑ دیا۔ مجھے اپنی آواز بلند کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس سال کے شروع سے اب تک میں نے ہندوستان میں کسی کو کوئی ہدایت نہیں کی۔ تم یہ جانتی ہو۔ میں اس بات کے لئے مشکور ہوں کہ تم اور سر بل ماضی میں میرے ساتھ ہمدرد رہی ہو۔ تم پر ہمیشہ برکتیں نازل ہوں۔ میری زندگی کے انتہائی پیارے لمحات وہ تھے جب میں بہ رہا تھا۔ اب میں پھر بہہ رہا ہوں۔ چمکیلا اور گرم سورج سامنے ہے اور چاروں طرف ہرے بھرے درخت اور گھاس۔ اور گرمی میں ہر چیز خاموش ہے۔ پُرسکون ہے۔ اور میں نڈھال گرم دریا کے درمیان بہہ رہا ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھ اور پاؤں کو حرکت نہیں دی۔ کیونکہ اس طرح شاندار سکون اور شانتی اور سناٹے ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ وہ سناٹا جس سے تمہیں یقین ہوا کہ یہ سب ایک دھوکہ ہے۔

میرے کام کے پیچھے میری خواہش تھی۔ میرے پیار کے پیچھے شخصیت تھی۔ میری پاکیزگی کے پیچھے خوف تھا۔ میری قیادت کے پیچھے طاقت حاصل کرنے کی خواہش تھی۔ اب وہ سب ختم ہو گئے ہیں اور میں بہہ رہا ہوں۔ میں آیا ماں میں آیا۔ بے آواز، اجنبی اور حیرت انگیز۔ زمین پہ جہاں کہیں میں بہہ رہا ہوں۔ مجھے اپنی شفقت بھری آغوش میں اٹھا لے، میں آ رہا ہوں۔ ایک تماشائی بن کر، اداکار بن کر نہیں۔

اور یہ کیفیت اس قدر پُرسکون ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرے خیالات دور، بہت دور، کہیں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اٹھ کر آ رہے ہیں۔ ہر چیز پہ سناٹا ہے۔ خوشگوار سناٹا، بالکل ایسا سناٹا، جیسا کہ ایک شخص کو نیند کے وقت کچھ دیر کے لئے محسوس ہوتا ہے۔ جب چیزیں دکھائی دیتی ہیں لیکن سایہ کی طرح محسوس ہوتی ہیں کسی خوف کسی محبت کسی جذبہ کے بغیر سناٹا اور شانتی جو ایک شخص کو مجسموں اور تصویروں کے درمیان تنہائی کا احساس دلاتا ہے۔

دنیا نہ تو خوبصورت ہے نہ بدصورت۔ یہ ایک ایسی سنسنی ہے جس سے کسی کے جذبات نہیں بھڑکتے۔ او جوئی! اس کی رحمتیں اور برکتیں . . . . . ! ہر چیز اچھی اور خوبصورت ہے۔ کیونکہ سب چیزیں اپنے، میرے لئے ہیں،

ادم تت ست ــــــ

مجھے اُمید ہے کہ پیرس اور لندن میں تمہیں بڑی باتیں معلوم ہوں گی تازہ خوشی ملے گی دل اور دماغ تازہ ہوگا۔

تمہارے اور مسٹر بل کے ساتھ ہمیشہ محبت کرنے والا

تمہارا ــــــ

وویکانند

(40)

1921 ویسٹ 21 سٹریٹ[1]

لاس انجیلز۔ ۱۷۔ جون ۱۹۰۰ء

مائی ڈیر میری[2]

یہ ٹھیک ہے کہ میں اب کافی بہتر ہوں۔ لیکن بالکل تندرست نہیں ہوں۔ روح کی قدرتی بناوٹ ایک ہے جو سب کے اندر ہے۔ جس کو تکلیف پہنچتی ہے۔ یہ نہ کبھی ہے اور نہ کوئی دوسری چیز۔

کسی مذہب میں کالی پوجا ضروری قدم نہیں ہے۔ مذہب جو کچھ ہے وہ اپنشد کے اندر ہے۔ کالی پوجا میری خاص عبادت ہے۔ تم نے مجھے اس کی تلقین کرتے ہوا کبھی نہ دیکھا ہوگا میں صرف اسی کی تلقین کرتا ہوں۔ جو دنیا کے فائدے کے لئے ہے۔ اگر کوئی پیچیدہ طریقہ ہے جس کا اطلاق صرف مجھ پر ہوتا ہے تو اسے میں راز میں رکھتا ہوں اور بس کالی پوجا کیا ہے؟ میں تمہیں اس کی تفصیل نہیں بتاؤں گا جیسا کہ میں نے کبھی کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

اگر تم یہ سوچتی ہو کہ مسٹر جے۔ سی بوس اور ان کی بیوی کو ہندوؤں نے نظر انداز کر دیا ہے تو تمہیں غلط فہمی ہے انگریز حکمران اس کو ایک کونے میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ہندوؤں میں کوئی اس قسم کی تبدیلی ہو۔ اس لئے انہوں نے اس کے لئے مشکلات کھڑی کر دیں۔ اور وہ اسی لئے کہیں اور جانا چاہتا ہے۔

انگریزیت سے مُراد ایسے لوگوں سے ہے جو کہ اپنے برتاؤ اور اپنے طور و طریق سے یہ جتانا چاہتے ہیں۔ کہ غریب اور نچلے قسم کے ہندوؤں سے انہیں شرم آتی ہے۔ میں اپنی قوم، اپنی پیدائش اور اپنی نسل پر شرمندہ نہیں ہوں ایسے لوگوں کو ہندو پسند نہیں کرتے۔ مجھے اس میں کوئی تعجب نہیں ہے۔

رسومات اور علامتوں وغیرہ کی ہمارے مذہب میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو کہ اپنشدوں کا ایک پاک اور سادہ اصول ہے۔ بہت سے لوگ رسومات وغیرہ کے بارے میں سوچتے ہیں۔ انہیں مذہب کے بارے میں سمجھاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض

---

[1] 1921 West 21 Street, .

[2] مس میری ہیلے Miss Mary Hale.

نہیں ہے۔

مذہب ایک ایسی چیز ہے جس کا انحصار کسی کتاب یا معلم یا پیغمبر یا نجات دہندہ پر نہیں ہے۔ نہ ہی مذہب ہمیں ان کا اور دوسری زندگیوں کا غلام بناتا ہے۔ اس معنی میں اپنشدوں کا ادویت ازم ہی ایک مذہب ہے۔ لیکن کتابوں، معلموں، پیغمبروں اور رسم و روایات کی بھی اپنی جگہ ہے۔ وہ بہت سوں کی امداد کرتے ہیں جیسے کہ کالی پوجا مجھے سیکولر کام میں مدد دیتی ہے ان کا سوا گت ہے۔

تاہم گورو کا نظریہ مختلف نظریہ ہے۔ یہ طاقت جسمانی صلاحیت اور علم کے "ریسیور" اور "ٹرانسمیشن" کے درمیان احساس کا نام ہے۔ ہر قوم جسمانی طور پر اور ذہنی طور پر الگ ہوتی ہے۔ ہر ایک دوسروں سے مسلسل نظریات کو لے رہی ہے اور ان کو اپنی قسم کے مطابق ڈھال رہی ہے یعنی اپنے قومی خطوط کے مطابق اپنا رہی ہے کسی بھی ذریعہ کی ہر ایک تعلیم، ہر ایک ملک کے نظریات کے موافق ہوتی ہے۔ صرف انہیں قومیا لیا جانا چاہیئے یعنی ان کی شکل ایسی ہونی چاہیئے جو وہ اس ملک کے دوسرے مظاہر کے مطابق ہو۔

ترک علائق ہمیشہ نسل کا تصور رہا ہے۔ دوسری قومیں صرف یہ نہیں جانتیں کہ فطرت نے انہیں غیر شعوری طور پر کس مقصد سے بنایا ہے۔ ہر زمانہ میں ایک ہی مقصد کار فرما رہا ہے۔ اور جو کہ اس وقت ختم ہوگا جب زمین اور سورج تباہ ہو جائیں گے۔ اور لامحدود دنیاؤں میں سے کسی ایک دنیا میں کوئی بھی اس درجہ پر نہیں ہوتی ہے کہ ہم سے رابطہ قائم کر سکے! وہ پیدا ہوتے ہیں، ایک جیسی زندگی گذارتے ہیں اور یکساں موت مرجاتے ہیں۔ بڑھتا ہوا مقصد! بچیو! خوابوں کی دنیا میں رہو! تم بچیو۔

میں جلد ہی شکاگو آرہا ہوں اور امید ہے وہاں چند روز رہوں گا۔ بتاؤ کیا مسز ایڈمس (Mrs. Adams) میرے لئے ایک کلاس کا انتظام میری واپسی پر کر سکیں گی؟

تاہم میں مختلف مقامات پر کوشش کروں گا۔ "میری" میں اس قدر خوش خیال ہو چلا ہوں کہ اگر میرے پر ہوں تو میں ہمالیہ پر اڑنے لگوں۔

اپنی پوری زندگی میں نے اس دنیا کے لئے کام کیا ہے۔ اور اس دنیا نے میرے جسم کا ایک پونڈ گوشت لئے بغیر روٹی کا ایک ٹکڑا نہیں دیا ہے۔

اگر مجھے روزانہ روٹی کا ایک ٹکڑا مل جائے تو میں ریٹائر ہو جاؤں۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔ جیسے جیسے میں بوڑھا ہو رہا ہوں یہ بڑھتا ہوا مقصد تمام شیطانی باطن کو ظاہر کر رہا ہے۔

تمہارا

وویکانند

اگر کبھی کسی انسان نے دنیا کی چیزوں کی بے ثباتی اور بیہودگی دیکھی ہے تو مَیں نے دیکھی ہے۔ یہ دنیا سراسر مکر وفریب، درندہ سیرت لاشوں ہے۔ جو کوئی اس کی امداد کی سوچتا ہے، احمق ہے۔ لیکن ہمیں اچھا یا بُرا کام کرتے ہوئے ہمیں اپنی زندگی کی اس قید کو بھگتنا ہی ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مَیں نے یہ بھگتان بھگت لیا ہے۔ مَیں نے اب ہندوستان یا دوسری کسی سرزمین کے متعلق سوچ اور فکر چھوڑ دی ہے۔ مَیں اب بے غرض اور بے تعلق ہوں اور اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہوں۔

"وہ جس نے سب سے پہلے ویدوں کے ذریعہ اپنے آپ کو آشکار کیا۔ وہ جو ہر دل میں جلوہ گر ہے مَیں اب اس کی شرن اور پناہ لیتا ہوں۔ وہی مجھے تمام بندھنوں اور قیدوں سے رہائی اور نجات دلائیں۔"

"و"

(41)

بیلور مٹھ،

6 مئی 1901

پیاری کرسٹائن[1]!

مَیں سب کام موج میں کرتا ہوں، جیسی موج، ویسا کام۔ آج کچھ لکھنے کی موج آئی ہوئی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے قلم اٹھا کر تمہیں چند سطریں لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔ مَیں نرود حِس مانا جاتا ہوں۔ مَیں بہت فکر کرتا ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے، پیاری کرسٹائن تم بھی اس معاملہ میں میرے سے کم نہیں۔ ہمارے شاعروں میں سے ایک نے کہا ہے "پربت اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں، اُڑ سکتے ہیں آگ بھی برف کی طرح سرد ہو سکتی ہے لیکن عظیم انسان کا دل کبھی نہیں بدل سکتا"۔ مَیں حقیر ہوں، بہت حقیر، لیکن مَیں جانتا ہوں کہ تم عظیم انسان ہو، مَیں صدق دل سے آپ پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ مَیں تمہارے ہر رشتے کے بارے میں فکر مند ہو سکتا ہوں۔ مَیں نے تمہیں ماں کے اپرن کر دیا ہے۔ ماں ہی تمہاری پناہ ہے۔ وہی تمہاری رہبر ہے۔ کوئی کبھی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کوئی بھی تمہیں ایک لحظہ کے لئے دبا کر نہیں رکھ سکتا۔ مَیں بخوبی جانتا ہوں۔

رَبّی پیار کے ساتھ تمہارا

وویکانند

---

[1] Miss Greenstidel ان کا پورا نام تھا مس گرین سٹائیڈل۔ آپ امریکہ کے شہر ڈیٹراٹ کے رہنے والی تھیں۔ آپ سوامی وویکانند کی چیلی تھیں۔ انہیں اپنے گورودیو اور ہندوستان سے والہانہ عقیدت تھی۔ آپ نے کچھ عرصہ کلکتہ میں سسٹر نویدیتا کے لڑکیوں کے سکول میں بھی کام کیا۔



SWAMI VIVEKANANDA'S PALM

سوامی وویکانند جی کی ہست ریکھا



پرم ہنس شری سوامی رام کرشن جی

جو

شری سوامی وویکانندجی

کے

گورو دیو تھے۔

42

معرفت بابو پریہ ناتھ مکرجی
دیوگھر ودیاناتھ
23 دسمبر 1900

پیاری ماں[1]

مجھے آپ کا خط پاکر بڑی خوشی ہوئی۔ جو کچھ آپ نے سمجھا ہے وہ بالکل درست ہے
स ईशोऽनिर्वचनीय ہے "ایشور ناقابل بیان پیار کے ساتھ بعینہٖ ویسا ہی ہے یہ نارد نے ایشور کی جو प्रेमस्वरूपः
یہ خصوصیت بیان کی ہے اپنی پوری زندگی میں اس پر میرا یقین رہا ہے اور اس یقین میں یہ صفت ظاہر ہوتی رہی ہے
بہت سے افراد کے مجموعہ کا نام سمشٹی ہے اور ہر ایک نارد ویاشٹی ہوتا ہے (ایک جزو) آپ اور میں ہر ایک ویاشٹی
ہیں۔ اور سماج سمشٹی آپ ہیں۔ ایک چڑیا۔ ایک کیڑا، ایک جانور، ایک درخت، زمین، ایک سیارہ ایک ستارہ، یہ
سب ویاشٹی ہیں جب کہ یہ دنیا اور کائنات سمشٹی ہے جس کو وراٹ کہتے ہیں۔ ویدانت میں ہرنیہ گربھ اور ایشور، اور
پورانوں میں برہما وشنو دیوی وغیرہ وغیرہ۔ آیا ویاشٹی کو انفرادی آزادی ہے یا نہیں ہے اور اگر ہے تو اس کی حد
کیا ہے۔ اور آیا ویاشٹی کو سمشٹی کے لئے اپنی تمام خواہشات اور اپنی تمام خوشی کو قربان کر دینا چاہئے یا نہیں۔ یہ مسائل
ہیں جو ہمیشہ سماج کے سامنے رہے ہیں۔ ہر جگہ ہر سماج ان مسائل کا حل تلاش کرنے میں مصروف ہے یہ مسائل مغرب
کی جدید سوسائٹی میں بڑی بڑی لہروں کی طرح دوڑ رہے ہیں۔ وہ اصول جو سماجی برتری کے لئے انفرادی،
آزادی کی قربانی چاہتا ہے سوشلزم کہلاتا ہے۔ جب کہ وہ اصول جو انفرادی آزادی کی وکالت کرتا ہے انفرادی
پن کہلاتا ہے۔ جسے انگریزی میں individualism. کہتے ہیں۔

نظم و نسق یا قاعدۂ اخلاق کی رو سے فرد کو معاشرہ کے تحت رکھنے کے ابدی اصول کے کیا نتائج نکلتے ہیں، ہمارا ملک اس کی شاندار مثال ہے۔ اس ملک میں آدمی شاستروں کے حکم کے مطابق پیدا ہوتے ہیں۔ وہ تمام زندگی انہیں اصولوں کے مطابق کھاتے پیتے ہیں شادیاں کرتے ہیں اور اسی طریقہ پر خاص تقریبات کرتے ہیں مختصر الفاظ میں یہاں تک کہ ان کی موت بھی شاستروں کے اصولوں کے مطابق ہوتی ہے۔ ایک عظیم عمدہ نکتہ کے سوا اس ڈسپلن میں تمام تر خرابیاں ہیں۔ عمدہ نکتہ یہ ہے کہ آدمی دو تین باتیں بخوبی کر سکتا ہے۔ بہت معمولی کوشش کے ساتھ یہ دو تین کام وہ نسلوں سے کرتا آ رہا ہے۔ اس ملک کا باورچی مزے دار چاول اور سالن، ایٹوں

[1] شریمتی مرینالنی باسو جو دور پرے سے سوامی جی کی رشتہ دار اور شِشیہ تھیں۔

اور چند لکڑیوں سے ہر کہیں تیار کر لیتا ہے۔ ایک سادہ کرگھے سے جو ایک روپیہ کا آتا ہے اور ایک فٹ کا گڑھا کھود کر بیس روپے فی گز کا کمخواب تیار کرتا ہے۔ ممکن ہے ایک بیٹھی ہوئی چٹائی۔ سرسوں کے تیل کا دیا اور ضروری سامان سے حیرت انگیز قسم کی قیمتی چیزیں اس ملک کے اندر ہی تیار ہوتی ہیں۔ شوہر کا ایک بدصورت اور بدہئیت بیوی کے ساتھ صبر آزما تعلق اور ایک بیوی کا ایک ناکارہ اور پاجی قسم کے شوہر کے ساتھ زندگی بھر ساتھ دینا اس ملک کے اندر ہی ممکن ہے۔ یہ ہے اس کا شاندار پہلو

لیکن لوگ یہ تمام باتیں ایک مُردہ مشین کی طرح کرتے ہیں۔ یہاں کوئی ذہنی سرگرمی نہیں ہے۔ دلوں میں سلجھاؤ نہیں ہے زندگی میں کوئی ارتعاش نہیں ہے امیدوں اور توقعات کا بہاؤ نہیں ہے یہاں آرزؤں میں ہیجان نہیں ہے نہ زیادہ خوشی محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی گہرا غم۔ یہاں ذہین موجدوں میں حرکت نہیں۔ کوئی عمدہ کام کرنے کی خواہش نہیں۔ نئی چیزوں کی تعریف نہیں۔ اس روح پر چھائے ہوئے بادل کبھی نہیں ہٹتے۔ صبح کے وقت طلوع خورشید کا خوبصورت نظارہ ان کے دلوں کو مسرت نہیں بخشتا دماغ کے اندر یہ بات کبھی آتی ہی نہیں کہ اس سے اچھے حالات بھی ہو سکتے ہیں جہاں کہیں آتی ہے اس کا تعین نہیں ہوتا۔ یقین ہوتا ہے تو کوشش نہیں ہوتی اور اگر کوشش بھی ہوتی ہے تو جوش نہیں ہوتا۔ اگر اصولوں کے مطابق زندگی گزارنی بہترین بات ہے۔ اگر نسلوں سے چلے آرہے اصولوں اور ضابطوں کے مطابق جینا ہی نیکی ہے۔ تو کیا چاہئے ایک درخت زیادہ صالح ہے۔ کوئی زیادہ بڑا بھگت ہے ایک مقدس سادھو یا ایک ریل گاڑی کیا کبھی پتھر کو فطری قانون کی خلاف ورزی کرتے کس نے دیکھا ہے۔ کس نے دیکھا ہے کہ ایک مویشی چوری کرتا ہے؟

بڑا اسٹیمر اور ایک طاقت ور ریلوے انجن۔ دونوں ذہانت نہیں رکھتے۔ وہ حرکت کرتے ہیں اور زور لگتے ہیں۔ ان کے اندر ذہانت نہیں ہے اور ایک معمولی کیڑا ریلوے لائن سے اپنی زندگی بچانے کے لئے حرکت کرکے دور ہٹتا ہے۔ وہ ذہین کیوں ہے مشین کے اندر خواہش کے اظہار کی طاقت نہیں ہے۔ قانون کی خلاف ورزی کے لئے اس کے اندر کبھی کوئی خواہش پیدا نہیں ہوئی۔ کیڑا قانون کی خلاف ورزی کرنا چاہتا ہے۔ قانون کے خلاف سر اٹھاتا ہے۔ خواہ وہ کامیاب ہو یا نہ ہو۔ اس لئے وہ ذہین ہے جتنی خوشی زیادہ، جیو کا درجہ اتنا ہی اونچا، اور اسی نسبت سے یہ رضا کامیابی سے ظاہر اور آشکارہ ہوتی ہے۔ ایشور کی رضا مکمل طور پر کامیاب ہے اس لئے وہ اعلےٰ ترین ہے تعلیم کیا ہے؟ کیا یہ کتابیں پڑھنے کا نام ہے؟ نہیں۔ کیا یہ رنگا رنگ قسم کا علم ہے؟ یہ بھی نہیں۔ تعلیم وہ ہے جس کے ذریعہ خواہش کی لہروں اور اس کے اظہار کو قابو کیا جاتا ہے جو مفید بن جاتا ہے۔ اب سوچئے یہ تعلیم کیا ہے؟ جس کے ذریعہ خواہش کو نسلوں سے طاقت کے ذریعہ دبایا جا رہا ہے۔ تقریباً ختم کر دیا جاتا ہے۔ کیا وہ تعلیم ہے جس کی وجہ

سے پرانے نظریات ایک ایک کرکے غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ نئے نظریات کی توخیر بات ہی کیا ہے۔ کیا وہ تعلیم ہے جو آدمی کو آہستہ آہستہ مشین بنا رہی ہے۔ میری رائے میں ایک شخص کا رآمد خواہش اور ذہانت کے نتیجہ میں گمراہ ہو جانا زیادہ اچھا ہے بہ نسبت ایک بے شعور کے جس سے غیر ارادی طور پر افعال سرزد ہوتے ہوں۔ پھر کیا وہ سوسائٹی کہلائی جا سکتی ہے جو ایسے آدمیوں سے بنی ہو جو کہ مٹی کے بتلوں کی طرح ہیں۔ بے جان سنگریزوں اور کنکروں کے ڈھیر کی طرح ہیں؟۔ ایسی سوسائٹی کس طرح اچھی طرح چل سکتی ہے؟ کیا اچھائی ممکن ہے۔ تب سینکڑوں برس تک غلام رہنے کے باوجود ہم روئے زمین پر ایک عظیم قوم رہے ہوتے۔ ہندوستان کی یہ مٹی اس کے باوجود کہ بے قوفوں کو پیدا کرتی رہی ہے علم کا ابدی سرچشمہ رہی ہوتی۔

کیا یہ ایثار نہیں ہے تب نیکی کیا ہے؟۔ کیا بہت سے دوسروں کے لئے اپنی خوشی کو قربان کرنا خوشحالی کو قربان کرنا انتہائی نیک کام نہیں ہے؟ یقینی طور پر لیکن جیسا کہ بنگلہ کہاوت ہے؟ کیا مسلنے اور رگڑنے سے خوبصورتی پیدا ہو سکتی ہے؟ "کیا کوششوں اور زبردستی سے محبت کو جنم دیا جا سکتا ہے؟ ایک فقیر کے تیاگ میں شان کی کیا بات ہے؟ کیا شعوری طاقت سے محروم شخص شعور پر قابو پائے تو اس میں بات کیا ہے؟ خواہشات سے محروم، دل سے محروم اور نظریات سے محروم آدمی کا ایثار کیا ہے؟ سوسائٹی کو کیا چیز بناتی ہے اس احساس سے محروم آدمی کی قربانی کیا ہے؟ ایک عورت اگر مجبور ہو کر ستی ہوتی ہے تو اس سے اس کے پتی ورتا ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ ادہام پرستی کا سبق دے کر لوگ کیوں نیک کام کرتے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ تم جس قدر جلد ہو سکے لوگوں کی بیڑیوں کو کاٹ کر آزاد کر دو۔۔۔ کیا دھول دھول سے صاف ہو سکتی ہے؟ کیا غلامی غلامی سے دور ہو سکتی ہے۔ کوئی ایسی مثال ہے؟ جب تم سوسائٹی کے لئے اپنی تمام خواہشات اور خوشی کو قربان کر دو گی تم بدھ ہو جاؤ گی۔ یعنی تم آزاد ہو جاؤ گی یہ ابھی بہت دور ہے۔ پھر کیا تم سوچتی ہو کہ اس کا طریقہ دباؤ اور ظلم ہے؟۔۔۔ اوہ۔۔۔ ہماری بیواؤں کی نفس کشی کی کیا بات ہے؟ ۔۔۔ اوہ۔ بچہ کی شادی کیا بھلی معلوم ہوتی ہے؟ کیا ایسا کوئی دوسرا رواج ممکن ہے؟ کیا ایسی شادی میں بیوی اور شوہر کے درمیان محبت ہو سکتی ہے؟ یہ باتیں ہیں جو آج کل جاری ہیں۔ لیکن ان لوگوں کے لئے جو کہ صورت حال کے ذمہ دار ہیں ان کے لئے نفس کشی کی ضرورت نہیں ہے! کیا دوسروں کی خدمت سے زیادہ بڑی کوئی اور نیکی ہے؟ لیکن یہ برہمنوں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔۔۔ تم دوسرے لوگ اس کو کرو۔۔۔ سچائی یہ ہے کہ اس ملک میں والدین اور رشتہ دار اپنے بچوں اور دوسروں کے بہترین مفادات کو قربان کر سکتے ہیں تاکہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں تاکہ سوسائٹی کے ساتھ سمجھوتہ کرنے سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ اور نسلوں سے جو سبق دماغوں میں بسا ہوا ہے اس نے اس کو قطعی طور پر انسان بنا دیا ہے۔ صرف وہی نفس کشی کر سکتا ہے جو بہادر ہے۔ بزدل

---

* سوامی وویکانند کے خطوط صفحہ 164

کوڑے کے خوف سے ایک ہاتھ سے آنکھ بند کرکے دوسرے ہاتھ سے دیتا ہے۔ ایسے تحائف سے فائدہ کیا؟ یہ کہنا کہ پوری کائنات کے ساتھ محبت کرو ایک دور کی بات ہے محبت کی پرورش پودے کی طرح کرنی چاہئے اور اس کی حفاظت کی جانی چاہئے۔ اگر کوئی شخص بے غرض ہو کر ایک مقصد سے محبت کرے تو وہ بتدریج کائنات کے ساتھ محبت کرنے کی توقع رکھ سکتا ہے۔ اگر ایک خاص اِشٹ دیو کے ساتھ خلوص پیدا ہو جائے تو ایشور کے ساتھ خلوص بتدریج ممکن ہے۔

اس لئے جب کوئی ایک فرد کے لئے نفس کشی کے قابل ہو جائے تب اسے پوری سوسائٹی کے لئے نفس کشی کی بات کرنی چاہئے اس سے پہلے نہیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو ایک خواہش کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور اس عمل تک پہنچتا ہے جو بے خواہش ہوتا ہے۔ کیا خواہش کو ترک کرنا ممکن ہے؟ کیا آغاز ہی میں خواہش موجود نہیں ہوتی۔ اور اسکا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ اگر اندھیرا نہیں ہے تو روشنی کا کوئی مطلب ہو سکتا ہے؟

پہلے خواہش کے ساتھ تعلق کے ساتھ پوجا ہونی چاہئے۔ معمولی پوجا شروع کیجئے۔ تب بڑی پوجا خود بخود ہونے لگے گی۔

ماتا تشویش نہ کیجئے۔ یہ ایک تناور درخت کے خلاف ہے کہ تیز ہوا اس پر وار کرے۔" پھونکنے سے آگ اچھی جلتی ہے"۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب دل کے اندر گداز پیدا ہوتا ہے جب روشنی دکھائی دینی بند ہو جاتی ہے جب کوئی توقع اور ہمت باقی نہیں رہتی اس وقت اس عظیم روحانی طوفان کے درمیان مبہم کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص عیش و آرام میں زندگی گذارتا ہو۔ گلاب کے پھولوں کی سیج پر سوتا ہو جس نے کبھی آنسو نہ بہایا ہو۔ جو بڑا بن گیا ہو کیا اسکے اندر کبھی برہم جاگا ہے؟ آپ رونے سے کیوں ڈرتی ہیں روئیے۔ رونے سے آنکھیں صاف ہو جاتی ہیں روشنی بڑھتی ہے پھر ہر قسم کی مایوسی کا احساس آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے۔ ہر جگہ اور ہر چیز میں برہم کے لامحدود نظاروں کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے۔ تب اِنسان کہہ اُٹھتا ہے

समं पश्यन् हि सर्वत्र समवस्थितमीश्वरम् ।
न हिनस्त्यात्मनात्मानं ततो याति परां गतिम् ॥

"سچ مچ یہ دیکھ کر کہ ایک ہی ایشور ہر جگہ موجود ہے انسان اپنی خودی کو اپنے ہاتھوں سے مجروح نہیں کرتا اور اس طرح اعلیٰ ترین منزل پر پہنچ جاتا ہے"۔

ہمیشہ آپ کا خیر خواہ

وویکانند

قوّتِ باطن

ہر زمانہ میں دنیا بھر میں فوق الفرۃ (فطرت کی قوتوں سے بالاتر) قوتوں پر یقین کیا جاتا رہا ہے۔ ہم میں سے سب نے غیر معمولی واقعات سُنے ہیں اور ہم میں سے بہت سوں کو ان کے ذاتی تجربے بھی ہو رہے ہیں۔ اصل موضوع پر آنے سے پہلے آپ کو چند ایسے حقائق بتانا چاہتا ہوں کہ جو میرے ذاتی تجربہ میں آئے۔ ایک بار میں نے ایک ایسے آدمی کے بارے میں سُنا جس کے پاس اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں کچھ لیکر جاتا تھا تو وہ فوراً اُن کے جوابات بتا دیتا تھا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ وہ پیشگوئیاں بھی کرتا ہے۔ مجھے اشتیاق ہو گیا اور میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ اس سے ملنے کے لئے گیا۔ ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں اس سے پوچھنے کے لئے کچھ سوالات تھے کوئی غلطی نہ ہو، اس لئے ہم نے اپنے سوالات کو لکھا اور کاغذ کے پُرزوں کو اپنی جیبوں کے اندر رکھ لیا۔ جیسے ہی اس شخص نے ہم میں سے ایک کو دیکھا، اس نے سوالات کا جواب دینا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اس شخص نے کاغذ پر کچھ لکھا اور اس کی پُڑیا بنا کر مجھے دیا اور کہا کہ میں اس کے پیچھے اپنے دستخط کر دوں۔ اس نے کہا اس کو دیکھے بغیر جیب کے اندر رکھ لیجئے، جب تک میں نہ کہوں اسے جیب سے نہ نکالئے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اس نے جیسی بات کہہ کر الگ الگ لکھ لکھ کر دیا۔ پھر اس نے ہمیں بتایا کہ مستقبل میں ہمیں کیا واقعات پیش آ سکتے۔ پھر اس نے ہم میں سے ہر ایک سے کہا کہ ہم کسی بھی زبان کا کوئی جملہ سوچیں۔ میں نے سنسکرت کا ایک طویل جملہ سوچا۔ وہ اس زبان سے قطعی طور پر ناواقف تھا۔

"آپ کاغذ کو اپنی جیب سے نکال لیجئے"، اس نے کہا۔ اس کاغذ پر سنسکرت کا وہ جُملہ

لکھا ہؤا تھا ۔ اس نے ایک گھنٹہ پہلے اسی کاغذ پر یہی جملہ لکھ دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی لکھا تھا کہ مَیں نے جو کچھ لکھا ہے ، یہ آدمی یہی جملہ سوچے گا ۔ یہ بات بالکل دُرست نکلی ۔ ہم میں سے ایک دُوسرے شخص کو بھی کچھ لکھ کر کاغذ دیا گیا تھا کہ وہ اپنی جیب میں اس پر دستخط کر کے رکھ لے ۔ اس سے بھی کہا گیا کہ وہ کوئی جملہ سوچے ۔ اس نے عربی زبان میں ایک جملہ سوچا ۔ اُس زبان کو اس شخص کے لئے جاننے کا بھی کوئی امکان نہیں تھا ۔ یہ قرآن کی ایک آیت تھی اور تیسرے دوست نے دیکھا کہ وہ آیت اس کاغذ پر لکھی ہوئی ہے ۔

ہم میں سے ایک دُوسرا شخص ڈاکٹر تھا ۔ اس نے ایک جرمن میڈیکل کتاب سے ایک جملہ سوچا تھا ۔ وہ جملہ کاغذ پر لکھا ہؤا تھا ۔

کئی روز بعد مَیں اس شخص کے پاس پھر گیا ، یہ سوچ کر کہ شاید پہلے کچھ غلطی ہو گئی ہو ۔ مَیں اپنے کچھ دُوسرے دوستوں کو بھی ساتھ لے گیا اور اس موقعہ پر بھی اس نے حیرت ناک طریقہ پر کامیابی حاصل کی ۔

ایک بار مَیں ہندوستان کے شہر حیدر آباد میں مقیم تھا ، وہاں مجھے ایک براہمن کے بارے میں بتایا گیا کہ جو بہت سی چیزیں عالمِ غیب سے پیش کر دیا کرتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ ان چیزوں کو کہاں سے لاتا ہے ۔

یہ آدمی وہاں کاروبار کرتا تھا اور باعزت تھا ۔ مَیں نے اس سے کہا کہ وہ مجھے اپنی کچھ کرامات دِکھائے ۔ اتفاق سے اس شخص کو بخار آ رہا تھا اور ہندوستان میں یہ عام روایت ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو ، اور کوئی بزرگ اور متبرک آدمی اس کے سر پر ہاتھ رکھ دے تو وہ اچھا ہو جاتا ہے ۔ یہ برہمن میرے پاس آیا اور کہنے لگا ۔ جناب آپ میرے سر پر ہاتھ پھیر دیجئے تاکہ مَیں اچھا ہو جاؤں ۔ مَیں نے جواب دیا بہت اچھا لیکن تمہیں مجھے اپنی کرامات دِکھانی ہوں گی ۔ اس نے وعدہ کر لیا ۔ مَیں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر دیا جیسا کہ اس کی خواہش تھی ، اور بعد میں اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ۔ وہ صرف ایک دھوتی باندھے ہوئے تھا ۔ ہم نے اس کے جسم سے تمام کپڑے اُتروا لئے تھے ۔ میرے پاس ایک کمبل تھا ۔ جو مَیں نے اسے دے دیا کہ وہ اوڑھ لے ، کیونکہ سردیوں کے دِن تھے ۔ ہم نے اس کو ایک طرف کونے میں بٹھا دیا ۔ پچیس آدمیوں کی نگاہیں اس کے اُوپر پڑ رہی تھیں اور اس نے کہا اب آپ جو چاہتے ہیں لکھ دیجئے ۔ ہم نے ایسے پھلوں کے نام لکھے جو اس ملک میں کہیں پیدا نہیں ہوتے ۔ انگور کے خوشے ، سنگترے وغیرہ وغیرہ ، اور ہم نے کاغذ کے ان ٹکڑوں کو اس کے حوالے کر دیا اور اس نے

اپنے کمبل کے اندر سے انگور کے خوشے، سنگترے اور دوسرے پھل نکالنے شروع کر دیئے۔ اتنی مقدار میں کہ ان کا اگر وزن کیا جاتا تو وہ اس آدمی سے دو گنے وزن کے ہوتے۔ اس نے ہم سے کہا کہ ہم ان پھلوں کو کھائیں۔ ہم میں سے کچھ کو اس خیال سے کہ ان پر کہیں مسمریزم کا اثر نہ ہو، کھانے میں پس و پیش تھا۔ اس شخص نے ان پھلوں کو خود کھانا شروع کر دیا۔ پس ہم میں سے ہر ایک نے ان کو کھایا۔ وہ بالکل ٹھیک تھے۔ اس نے آخر میں گلاب کے پھولوں کا ایک گچھا پیش کیا۔ ہر ایک پھول بالکل مکمل تھا، پتیوں پر شبنم کے قطرے لرز رہے تھے۔ کوئی پتی نہ تو مسلی ہوئی تھی اور نہ ٹوٹی ہوئی۔ جب میں نے اس شخص سے کہا کہ وہ کس طرح یہ سب کرتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ یہ ہاتھ کی شعبدہ بازی ہے۔

یہ جو کچھ بھی تھا یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف ہاتھ کی شعبدہ بازی ہی ہو۔ اتنی ساری مقدار میں یہ تمام چیزیں اس نے کہاں سے حاصل کیں؟

میں نے اس قسم کی بہت سی باتیں دیکھی ہیں۔ اگر آپ ہندوستان کا گشت کریں تو آپ کو مختلف مقامات پر اس قسم کی بہت سی ایسی باتیں دیکھ سکتے ہیں، جو حیرت ناک ہوں گی۔ کوئی شک نہیں کہ یہ ایک بڑا دھوکہ ہے لیکن پھر جب آپ کوئی فراڈ دیکھتے ہیں تو آپ کو یہ بھی کہنا پڑے گا کہ یہ فراڈ ایک مصنوعی چیز ہے، کہیں نہ کہیں کوئی سچائی ہونی چاہیئے۔ جسکو نقل کیا جا رہا ہے۔ اگر کوئی اصل نہ ہو تو آپ اسکی نقل نہیں کر سکتے۔ نقل کسی مکمل حقیقت کا عکس ہوتی ہے۔

ہزاروں برس پہلے ہندوستان کے اندر زمانہ قدیم میں اس قسم کی باتیں آج کے مقابلہ میں زیادہ دیکھنے میں آئی تھیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب کسی ملک کے اندر آبادی بڑھ جاتی ہے تو وہاں جسمانی طاقت گھٹ جاتی ہے۔ ایک وسیع ملک کے اندر جہاں آبادی کم ہو شاید جسمانی طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ ان حقائق کو ہندوؤں نے جو کہ تجزیہ پسند ہیں اپنے سامنے رکھا اور تحقیقات کی۔ اور وہ کچھ خاص قابلِ ذکر نتائج تک پہنچ گئے۔ یعنی اس کو انہوں نے ایک علم بنا لیا۔ انہوں نے پتہ لگایا کہ یہ تمام غیر معمولی طاقتیں بھی فطری ہیں۔ فطرت کی قوتوں اور زیادہ کوئی نہیں ہے۔ یہ چیزیں بھی قانون قدرت کے مطابق بالکل ایسی ہی ہیں جیسے اور طبعیاتی مظاہر۔ یہ فطرت کی پریشان خیالی نہیں ہے کہ ایک شخص ایسی قوتوں کے ساتھ جنم لے۔ ان قوتوں کا بتدریج مطالعہ کیا جا سکتا ہے، ان پر عمل کیا جا سکتا ہے اور ان کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ علم "راج لوگ" کا علم کہلاتا ہے۔ ہزاروں اشخاص ہیں، جو اس کا عمل اور اس کا مطالعہ کرتے ہیں اور آج یہ پوری قوم کے لئے روزانہ پوجا کا ایک جزو بن چکا ہے۔

جس نتیجہ پر وہ پہنچے۔ یہ ہے کہ یہ تمام غیر معمولی قوتیں انسان کے باطن کے اندر چھپی ہیں۔ یہ باطن عالمگیر رُوح کا ایک حصّہ ہے۔ ہر ایک باطن کا تعلق دوسرے باطن سے ہے اور ہر ایک باطن وہ چاہے جہاں کیوں نہ ہو پوری دنیا کے ساتھ اس کا حقیقی رابطہ قائم رہتا ہے۔

کیا آپ نے کبھی یہ عجیب و غریب بات دیکھی ہے جسکو اشراق خیالات کہا جاتا ہے۔ یہاں ایک

آدمی کوئی بات سوچتا ہے ٹھیک وہی بات کسی آدمی کے دماغ میں کسی اور جگہ آتی ہے۔ اتفاقیہ طور پر نہیں۔ بلکہ بتدریج ایک آدمی ایک خیال کو دور بیٹھے دوسرے آدمی کے ذہن تک پہنچاتا ہے اور یہ دوسرا آدمی جانتا ہے کہ ایک خیال آرہا ہے اور وہ اس کو بالکل ایسا ہی موصول کرلیتا ہے جیسا کہ اس کو بھیجا گیا تھا۔ فاصلہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خیال جاتا ہے اور دوسرے آدمی تک پہنچتا ہے اور وہ اس کو سمجھ لیتا ہے۔ اگر میرا باطن یہاں کوئی الگ تھلگ شے ہوتا اور اگر آپ کا باطن وہاں کوئی الگ تھلگ شے ہوتا تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ دونوں میں رابطہ قائم نہ ہونے کی صورت میں میرا خیال آپ تک پہنچ پاتا۔ معمولی حالتوں میں میرا خیال آپ تک براہِ راست نہیں پہنچا۔ بلکہ میرا خیال ایک نہایت لطیف ارتعاش میں تحلیل ہوجاتا ہے اور یہ لطیف ارتعاش آپ کے دماغ تک پہنچا ہے اور وہ پھر آپ کے اپنے خیال میں تحلیل ہوجاتا ہے۔ یہ عمل صرف خیالات کا تحلیل ہونا ہے۔ یہاں بھی خیال تحلیل ہوتا ہے اور وہاں بھی۔ یہ ایک جاری عمل ہے۔ لیکن ٹیلی پیتھی میں ایسی کوئی بات نہیں، یہ عمل براہِ راست ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باطن کا تسلسل قائم ہے، جیسا کہ یوگی کہتے ہیں۔ باطن عالم گیر ہے۔ آپ کا باطن میرا باطن یہ سب چھوٹے چھوٹے باطن ایک عالمگیر باطن کی جزوئیات ہیں۔ سمندر کی چھوٹی لہریں ہیں اور اسی تسلسل کی وجہ سے ہم اپنے خیالات کو دوسروں تک براہِ راست پہنچاتے ہیں۔

آپ دیکھتے ہیں ہمارے اردگرد کیا پیش آرہا ہے۔ دنیا ایک مؤثر قوت ہے۔ ہماری صلاحیت کا ایک جسموں کو محفوظ رکھنے میں صرف ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہماری صلاحیت اور قوت رات دن دوسروں کو متاثر کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ ہمارے جسم، ہماری نیکی، حسنِ سیرت، ہماری ذہانت، ہماری روحانیت یہ تمام چیزیں مسلسل دوسروں پر اثر ڈال رہی ہیں اور اسی طرح ہم دوسروں کا اثر قبول کر رہے ہیں۔ ہمارے اردگرد یہ عمل جاری ہے۔ اب ایک بنیادی مثال کو لیجئے۔ ایک آدمی آتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ بہت فاضل ہے۔ اسکی تقریر بہت شگفتہ ہے اور وہ آپ کے ساتھ ایک گھنٹہ تک بات چیت کرتا ہے لیکن آپ کوئی اثر اس سے نہیں لیتے۔ ایک اور آدمی آتا ہے، وہ چند جملے کہتا ہے ٹوٹے پھوٹے شاید قواعد کے اعتبار سے بھی غلط لیکن وہ ایک مکمل تاثر چھوڑ جاتا ہے۔ آپ میں سے بہت سوں نے یہ بات دیکھی ہوگی۔ پس یہ اس بات کی شہادت ہے کہ خالی الفاظ اپنا اثر نہیں چھوڑ سکتے۔ الفاظ ہی نہیں بلکہ خیالات بھی ذہن کو متاثر کرنے میں اپنا تہائی حصّہ ادا کرتے ہیں۔ آدمی دو تہائی اثر ڈالتا ہے۔ جسے آپ آدمی کی کشش کہتے ہیں وہ آپ کو متاثر کرتی ہے۔

ہمارے خاندانوں میں بڑے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کامیاب ہوتے ہیں اور کچھ ناکام کیوں؟

ہم اپنی ناکامیوں میں دُوسروں کی شکایت کرتے ہیں جس لمحہ میں ناکام ہوتا ہُوں مَیں کہنے لگتا ہُوں کہ فلاں فلاں اس ناکامی کا سبب ہے۔ ناکامی میں ایک شخص خود اپنے قصُور کا اعتراف کرنا نہیں چاہتا نہ اپنی کمزوریوں کا اظہار کرتا ہے۔ ہر شخص خود کو بے قصُور ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دُوسروں پر اور دُوسری چیزوں پر الزام لگانے لگتا ہے۔ یہاں تک قسمت کو کوسنے لگ جاتا ہے۔ جب خاندانوں کے بڑوں کو ناکامی ہو تو انہیں خود سے سوال کرنا چاہیئے کہ دُوسرے لوگ اپنے خاندانوں کو بخوبی کس طرح چلا رہے ہیں اور دوسرے کیوں نہیں چلا پاتے۔ تب آپ کو پتہ لگے گا کہ فرق آدمی کی شخصیت اس کی موجودگی اور خود رسی میں ہوتا ہے۔

انسانیت کے عظیم رہنماؤں کی طرف آیئے۔ آپ کو ہمیشہ یہی بات ملے گی کہ یہ انسان کی اپنی شخصیت ہوتی ہے جو اثر ڈالتی ہے۔ اب ماضی کے تمام بڑے بڑے مصنّفوں اور بڑے بڑے مفکروں کو لیجیئے۔ انہوں نے کتنے خیالات کو سوچا؟ انسانیت کے ماضی کے رہنماؤں کی تحریروں کو لیجیئے جو وہ ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ ان کی ہر ایک کتاب کو لیجیئے اور ان کو جانچیئے۔ ان دُنیا میں اب تک سوچے گئے نئے اور اصلی حقیقی خیالات صرف مٹھی بھر ہیں۔ ان کی کتابوں میں ان خیالات کو پڑھیئے جو وہ چھوڑ گئے ہیں۔ وہ مُصنّف ہمیں دیو پیکر محسوس نہیں ہوں گے۔ اگرچہ جس زمانہ میں وہ ہوئے اس زمانہ کے لوگوں کے لئے ان کی حیثیت یہی تھی۔ انہیں ایسا کس نے بنایا؟ صرف ان خیالات سے نہیں جن کو انہوں نے سوچا۔ نہ ان کتابوں نے جن کو انہوں نے لکھا، نہ ان تقریروں نے جو انہوں نے کیں، وہ کچھ اور شے تھی۔ ان کی شخصیت، جو اَب موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ مَیں نے کہا، دو تہائی آدمی کی شخصیت ہوتی ہے اور اس کی ذہانت، اس کے الفاظ ایک تہائی۔ آدمی کی شخصیت ہی اصل آدمی ہے، جو کہ ہمارے اندر سرایت کرتی ہے۔ ہمارے عمل ہیں لیکن اثرات، اگر آدمی ہیں تو اس کے اعمال بھی۔ صرف اثرات باقی رہ جاتے ہیں

ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا مقصد اس قسم کا آدمی بنانا ہونا چاہیئے لیکن اس کے برعکس ہم ہمیشہ باہر سے پالش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب اُندر کچھ بھی موجود نہیں ہے تو باہر پالش کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ ہر قسم کی تربیّت کا مقصد یہ ہے کہ انسان ترقی کرے، وہ انسان جو اپنا اثر ڈالتا ہے جادُو چلاتا ہے۔ جب ایسا آدمی تیار ہو جاتا ہے تو وہ ہر کام انجام دے سکتا ہے، جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ ایسی شخصیت کسی شے میں پیدا کر دیکھیئے، خود بخود کام کرنے لگے گی۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے علم طبعیات جس سے ہم واقف نہیں اس کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ ہم اپنے کیمیکل اور فزیکل علم کے ذریعہ اس کی وضاحت کس طرح کر سکتے ہیں؟ اس کے اندر کتنی آکسیجن ہے۔ کتنی ہائیڈروجن کتنی کاربن اس کے جسم میں موجود تھی molecules

اُور کتنے حلیہ ہیں اس بات سے اس عجیب و غریب شخصیت کا تجزیہ کس طرح ہو سکتا ہے اور پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ایک حقیقت ہے اُور نہ صرف یہ کہ یہ حقیقی آدمی ہے اور یہ وہ آدمی ہے جو کہ زندہ رہتا ہے، حرکت کرتا ہے اور عمل کرتا ہے۔ یہ وہ آدمی ہے جو کہ اثر پیدا کرتا ہے، اپنے ہم جنسوں کو حرکت میں لاتا ہے اُور گزر جاتا ہے، اُور اس کے کام ذہانت اور اس کی کتابیں باقی رہ جاتی ہیں۔ اسے سوچئے۔ مذہب کے بڑے پیغمبروں کے ساتھ بڑے فلسفیوں کا موازنہ کیجئے۔ فلسفی شکل ہی سے دُوسرے کے باطن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے عظیم قیمتی کتابیں لکھی ہیں۔ دُوسری طرف مذہبی پیشوا اپنی زندگی ہی میں ملکوں کو متاثر کرتے ہیں۔ فرق شخصیّت کا ہوتا ہے۔ فلاسفروں کے اندر ایک پھُس پھُسی شخصیت ہوتی ہے، جو اثر ڈالتی ہے، جبکہ مذہبی پیشواؤں میں یہ شخصیت عظیم ہوتی ہے۔ پہلی ہماری ذہانت پر اثر انداز ہوتی ہے اور دوسری ہماری رُوح پر۔ پہلی صورت میں یہ صرف ایک کیمیکل تجربہ ہے۔ کچھ کیمیکل عناصر کو یکجا کیجئے۔ وہ بتدریج مل سکتے ہیں اُور مناسب حالات میں جن سے روشنی کی ایک کرن پھوٹ سکتی ہے۔ یہ تجربہ ناکام بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری صورت میں یہ ایک بیٹری جیسی ہوگی، جس کی روشنی تیزی کے ساتھ پھیل جائے گی اور دُوسروں کو مستور کر دے گی۔

یوگ سائینس کا دعوےٰ ہے کہ اس نے کچھ ایسے اصولوں کا پتہ چلایا ہے کہ جو اس شخصیت کو ترقّی دیتے ہیں۔ یہ عظیم قابلِ عمل چیزوں میں سے ایک ہے اُور تمام تر علم کی کُنجی۔ اس کا اطلاق ایک گرہست کی زندگی پر ایک غریب کی زندگی پر وہ ایک امیر تاجر اُور رُوحانی آدمی ہر ایک کی زندگی پر ہوتا ہے۔ شخصیّت کو طاقت ور بنانا ایک بڑا کام ہے۔ طبیعاتی اصُولوں کے پیچھے کچھ عمدہ اصول ہوتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایک طبیعی دنیا ایک ذہنی دنیا، ایک رُوحانی دُنیا حقیقتیں ہیں جو کچھ بھی ہے ایک ہے۔ کہنا چاہیئے کہ ایک طرح سے یہ زندگی کو گھٹاتا ہے۔ زندگی کا موٹا حِصہ یہ گھٹتا ہے اور باریک سے باریک بن جاتا ہے، وہ ایک ہی ہے، جیسے ہم رُوح کہتے ہیں اور جسم کثیف اور موٹی چیز ہے اُور بالکل ایسا ہی جیسا کہ عالمِ اصغر (یعنی کہ ایک انسان اِس حیثیت سے کہ وہ ہی کل کائنات کا خلاصہ ہے) عالم اکسیر میں بھی موجود ہے۔ ہماری یہ کائنات بالکل اسی طرح کی ہے۔ یہ کثیف بیرونی موٹائی ہے۔ یہ باریک سے باریک تر اُور لطیف سے لطیف ترین گھٹتی ہے یہاں تک کہ ایشور بن جاتی ہے۔

ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ باریک چیزیں جو عظیم طاقت ہوتی ہے موٹی چیز میں نہیں

ہوتی۔ ہم دیکھتے ہیں ایک آدمی بوجھا اُٹھاتا ہے۔ ہم اس کے جسم کی مچھلیوں (اعصاب) کو اُبھرا ہوُا دیکھتے ہیں۔ ہمیں اس کے جسم پر مشقت کی علامتیں نظر آتی ہیں اور ہم سوچتے ہیں کہ مچھلیوں ہی میں بڑی طاقت ہوتی ہے لیکن یہ باریک نسیں ہوتی ہیں، جو ان تک طاقت پہنچاتی ہیں۔ اگر ان تک پہنچنے والی ایک نس کاٹ دیجئے۔ یہ اپنا کام کرنا چھوڑ دیں گی۔ یہ باریک نسیں اور بھی زیادہ نسوں سے طاقت لیتی ہیں اور وہ اور بھی زیادہ باریک نسوں سے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پس طاقت کا اصل سرچشمہ لطیف شے ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم موٹی شے میں حرکت کو دیکھ سکتے ہیں اور باریک میں جو حرکت ہوتی ہے اسے ہم نہیں دیکھ پاتے۔ جب ایک موٹی چیز حرکت کرتی ہے۔ ہم اسے پکڑ سکتے ہیں اور ہمیں قدرتی طور پر ہم موٹی چیزوں کی نقل و حرکت کو شناخت کر سکتے ہیں لیکن تمام طاقت اصلیت میں باریک میں ہوتی ہے۔ ہم باریک چیزوں میں حرکت کو نہیں دیکھ پاتے۔ شاید اس لئے اس لطیف شے میں یہ حرکت اس قدر شدید ہوتی ہے کہ ہم اس کا ادراک اور احساس نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر کسی علم، کسی تحقیقات سے ان باریک قوتوں پر جو کہ اظہار کا سبب ہیں کنٹرول حاصل کر لیں تو اظہار خود کنٹرول میں آجائے گا۔ ایک جھیل کی تہ سے بُلبلا اُبھرتا ہے، ہم اسے تہ میں نہیں دیکھ سکتے۔ ہم اسے اسی وقت دیکھتے ہیں جب وہ سطح پر آکر پھٹتا ہے۔ اسی طرح ہم کو خیالات کا ادراک اسی وقت ہوتا ہے۔ جب وہ بڑھ جاتے ہیں یا عمل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہم برابر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے خیالات اور اپنے اعمال پر قابو نہیں ہے لیکن ہم قابو کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ اگر ہم باریک حرکات پر قابو پالیں۔ اگر ہم خیال پر اس وقت قابو پالیں جب وہ بن رہا ہو۔ اس پر مکمل خیال بننے اور اس کے عمل تشکل اختیار کرنے سے قبل ہی قابو حاصل کر لیں، تو تمام پر قابو حاصل کرنا ہمارے لئے ممکن ہو جائے گا۔ اب اگر کوئی ایسا طریقہ ہے، جس سے ہم ان باریک اسباب اور باریک طاقتوں کی تحقیقات کر سکتے ہیں، ان کو سمجھ سکتے ہیں اور ان پر قابو پا سکتے ہیں تو صرف اسی صورت میں ہمارے لئے خود پر قابو پانا ممکن ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مذہب نے ہمیشہ پاکیزگی اور اخلاقیات پر زور دیا ہے۔ ایک پاک اور با اخلاق شخص ہی خود پر قابو حاصل کر سکتا ہے۔ اور تمام دماغ ایک ہی دماغ کے حصے ہیں۔ وہ جو ایک آدمی کو جانتا ہے یقینی طور پر کائنات کے ہر آدمی سے واقف ہے۔ وہ جو اپنے دماغ کو جانتا ہے اور اس پر قابو پایا ہوُا ہے، وہ ہر ایک دماغ پر قابو پانے کا راز جانتا ہے اور اس کے قبضہ میں ہر ایک دماغ کی طاقت ہے۔

بڑی حد تک ہماری طبعی کمزوریاں اور بُرائیاں دُور ہو سکتی ہیں۔ اگر ہم باریک جُزوئیات پر قابو حاصل کر لیں۔ بڑی حد تک غموں سے نجات مل سکتی ہے مگر ہم باریک حرکات کو قابُو میں لے آئیں اور بڑی ناکامیوں سے بچ سکتے ہیں، اگر ہم ان باریک قوتوں کو فتح کر لیں۔ جہاں تک معاشرہ کی افادیت کا تعلق ہے، یہ سمجھ کی بات ہے اور کچھ اُونچی چیز ہے۔

اب مَیں آپ کے سامنے ایک تھیوری رکھوں گا، جس کے بارے میں فی الحال کوئی دلیل نہیں دُوں گا۔ محض نتیجہ آپ کے سامنے پیش کروں گا ——— کہ ایک آدمی اپنے بچپن میں ان مختلف ادوار سے گُزرتا ہے جن سے اس کی نسل گُزرتی ہے۔ نسل کو اس میں ہزاروں برس لگتے ہیں۔ جبکہ بچہ کو چند برس۔ بچّہ پُرانے زمانہ کے غیر مہذب آدمی کی طرح ہوتا ہے جو ایک کیڑے مکوڑے کو اپنے پاؤں تلے کچل دیتا ہے۔ بچّہ کی حیثیت اسکی نسل کے ابتدائی آدمی جیسی ہوتی ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑھتا ہے، اسکو مختلف ادوار سے گزرنا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی نسل کے ارتقا تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ بہت تیزی اور پُھرتی کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ اب پُوری انسانیت کو ایک نسل کی حیثیت سے لیجئے یا تمام جانداروں، آدمیوں اور کم درجہ کے حیوانات کو ایک ساتھ لیجئے، یہ سب ایک منصبہ کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ ہم اسے اکملیت کہہ سکتے ہیں کچھ ایسے مرد اور عورتیں پیدا ہوتی ہیں جو کہ قبل از وقت ہی انسانیت کی تمام تر ترقی کو عمل میں لے آتی ہیں وہ زمانوں تک بار بار پیدا ہونے کا انتظار نہیں کرتیں، جبکہ پُوری نسل انسانی نجات حاصل کر سکے گی۔ وہ تیزی کے ساتھ اپنی زندگی کی مُدت ہی میں تیزی کے ساتھ ان ادوار سے گُزر جاتے ہیں، اور ہم جانتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہم اس عمل کو تیزی کے ساتھ اُسی وقت ختم کر سکتے ہیں جبکہ ہم اپنے لئے سچّے ہوں۔ اگر کچھ ایسے لوگوں کو جن کی کوئی تہذیب نہ ہو، ایک جزیرہ کے اندر چھوڑ دیا جائے اور انہیں کافی خوراک مہیا کر دی جائے۔ کپڑا اور دیگر سامان اور ان کے لئے پناہ گاہوں کا انتظام کر دیا جائے تو وہ درجہ بدرجہ آگے بڑھتے رہیں گے اور تہذیب کی اعلیٰ سطح پر پہونچ جائیں گے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس ترقی کو اضافی ذرائع اختیار کر کے تیزی کے ساتھ لایا جا سکتا ہے۔ ہم درختوں کو بڑھنے میں مدد دیتے ہیں، کیا نہیں دیتے؟ اگر ہم انکے بڑھنے کو قدرت پر ہی چھوڑ دیں تو انہیں بڑھنے میں زیادہ وقت لگیگا۔ ہماری کوششوں سے وہ جلدی بڑھ جاتے ہیں، دُوسری صورت میں انہیں زیادہ وقت لگتا ہے۔ ہم مصنوعی ذرائع سے چیزوں کو تیزی کے ساتھ بڑھانے اور ترقی دینے کا کام ہمیشہ کرتے ہیں۔ ہم ایک نسل کی حیثیت سے بھی ایسا ہی کر سکتے ہیں۔ دُوسرے ملکوں میں اوتارکیوں بھیجے جاتے ہیں؟ کیوں کہ ان ذرائع کے نتیجہ میں ہم نسلوں کو زیادہ تیزی سے ترقی دے سکتے ہیں۔ اب کیا افراد کی ترقی میں تیز رفتاری پیدا نہیں کر سکتے؟ ہم ایسا کر

سکتے ہیں۔کیا ہم تیز رفتاری کی کوئی حد مقرر کر سکتے ہیں۔ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایک آدمی اپنی زندگی میں نمو پا سکتا ہے۔آپ آسانی کے ساتھ یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ ایک آدمی اِتنا کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں حالات اس کے اندر حیرت انگیز تیز رفتاری پیدا کر سکتے ہیں۔تب نجات حاصل کرنے تک کے لئے کوئی حد لگائی جاسکتی ہے ؟ پس اس کا نتیجہ کیا نکلے گا ؟ یہ کہ مکمّل اِنسان۔کہنا چاہیئے ایک اس قسم کا اِنسان جو لاکھوں برس بعد اس نسل میں آتا ہے، وہ انسان آج آسکتا ہے۔اور یہی بات ہے جس کو لوگ کہتے ہیں یہ کہ تمام بڑے بڑے رِشی مُنی اور پیغمبر ایسے اِنسان ہیں۔وہ اپنی زندگی ہی میں اکملیّت تک پہنچ گئے۔

تاریخ عالم کے ہر دَور میں اور ہر زمانہ میں ایسے اِنسان آتے رہے ہیں بالکل حال ہی میں ایک ایسا اِنسان آیا تھا جو تمام بنی نوعِ اِنسان کی زندگی جیسا اور اپنی زندگی ہی میں اکملیّت پر پہنچ گیا۔نمو کی اس تیز رفتاری میں بھی کچھ اصُولوں کی پابندی ضروری ہے۔فرض کیجئے کہ ہم ان اصُولوں کی تحقیق کر سکتے ہیں اور ان کے رازوں کو جان سکتے ہیں اور اپنی ضرورتوں پر ان کا اطلاق کر سکتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم ترقّی اور نمو پاجائیں گے۔ہم اس زندگی ہی میں اپنے نمو اور اپنی ترقّی میں تیز رفتاری پیدا کر کے مکمّل بن سکتے ہیں یہ ہماری زندگی کا بلند ترین جزو ہے اور اس اکملیّت اور اس حقیقی مقصد کا راز باطن کا مطالعہ کرنے کے علم اور اس کی صلاحیتوں میں پوشیدہ ہے۔دُوسروں کی مالی امداد کرنے اور مادی امداد دینا اور انہیں یہ بتانا کہ انہیں اپنی روزمرّہ کی زندگی کس طرح گزارنی چاہیئے، محض جزوئیات ہیں۔

اس علم کی افادیت ایک مکمّل انسان پیدا کرنا ہے جو زمانوں تک اپنے اکمل ہونے کا انتظار نہ کرتا رہے۔طبیعاتی دُنیا کے ہاتھوں کا کھلونا نہ بنے جس طرح سمندر میں اس کی لہریں جہاز کے تختہ کو اِدھر سے اُدھر لے جاتی ہیں۔اس علم کا تقاضہ ہے کہ آپ طاقت ور بنیں۔نیچر کے ہاتھوں میں کام کو چھوڑنے کے بجائے خود اپنے ہاتھ میں لیں اور اس چند روزہ زندگی کے بعد کے لیے بھی کچھ حاصل کریں۔یہ ایک عظیم نظریہ ہے۔

آدمی علم، طاقت اور خوشحالی کے اعتبار سے ترقّی کر رہا ہے۔ہم ایک نسل کی حیثیت سے برابر آگے بڑھ رہے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بات دُرست ہے۔قطعی طور پر یہ دُرست کیا۔افراد کے معاملہ میں بھی یہ بات دُرست ہے ؟ جی ہاں، بڑی حد تک دُرست۔لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے۔آپ کی نزدیک اس کی حد کیا ہے ؟ مَیں صرف چند فُٹ کے فاصلہ کی چیز دیکھ سکتا ہوں لیکن مَیں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا ہے جو آنکھیں بند کر کے یہ دیکھ سکتا تھا کہ برابر کے کمرہ میں کیا ہو رہا ہے۔اگر آپ اس پر یقین نہیں کر سکتے تو شاید تین ہفتہ کے اندر اندر وہ آدمی آپ کو اس بات کا یقین دِلا سکتا ہے اور آپ بھی خود ایسا ہی کر سکتے

ہیں۔ ایسا کرنا ہر آدمی کو سکھایا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ صرف پانچ منٹ میں یہ جاننا سیکھ سکتے ہیں کہ دُوسرے شخص کا دماغ کیا سوچ رہا ہے۔ ان حقائق کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے۔

اَب اگر یہ باتیں دُرست ہیں، ہم کس جگہ ایک حد قائم کرسکتے ہیں؟ اگر ایک آدمی کمرہ کے دُوسرے کونہ میں بیٹھے ہُوئے دُوسرے شخص کا ذہن پڑھ سکتا ہے تو وہ دُوسرے کمرہ میں بیٹھے ہُوئے یا کسی بھی جگہ موجود شخص کا ذہن کیوں نہیں پڑھ سکتا۔ "کیوں نہیں"۔ نہیں کہہ سکتے۔ ہمیں یہ بھی نہیں کہنا چاہیئے کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایسا کس طرح ہوتا ہے، ہم واقف نہیں۔ مادی سائنس دانوں کو یہ بات نہیں کہنی چاہیئے کہ اس قسم کی باتیں ممکن نہیں ہیں۔ وہ صرف یہ کہہ سکتے ہیں۔ "ہم واقف نہیں ہیں"۔ سائینس کا کام یہ ہے کہ حقائق جمع کیئے جائیں، ان کا تجزیہ کیا جائے، اصول مرتب کیئے جائیں اَور سچائی بیان کردی جائے اَور بس۔ لیکن حقائق کی تردید شروع کردیں تو یہ سائینس کس طرح ہوسکتی ہے؟

آدمی کتنی طاقت حاصل کرسکتا ہے، اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہندوستانی ذہن کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ جس چیز سے اس کی دلچسپی بڑھی، وہ اسی میں گُم ہوگیا اَور دُوسری چیزوں کی طرف اس نے توجہ نہیں دی۔ آپ جانتے ہیں کہ کتنے علم کا سرچشمہ ہندوستان ہے۔ علم حساب وہاں شروع ہُوا۔ آپ آج بھی ایک، دو، تین وغیرہ سے صفر تک گنتے ہیں۔ یہ سنسکرت کے اعداد و شمار ہیں آپ الجبرا سے واقف ہیں اس کی ابتدا بھی ہندوستان ہی میں ہوئی اور اس کششِ ثقل کو نیوٹن کی پیدائش سے ہزاروں برس پہلے ہندوستانی جانتے تھے۔

آپ اس خصوصیّت کو دیکھتے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کے ایک خاص دَور میں آدمی اور اس کے ذہن کے اس موضوع میں اسکی تمام تر دلچسپیاں گُم ہوگئیں اور یہ بہت مرغوب رہا۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ مقاصد کے حصول کا آسان ترین راستہ تھا۔

اَب ـــــ ہندوستانی ذہن اس قدر زیر اثر آگیا کہ یہ ذہن اصولِ قدرت کے مطابق ہر بات اور ہر کام کرسکتا تھا۔ اس کی طاقتیں مطالعہ کا بہت بڑا ذریعہ بن گئیں۔ جادُو منتر اور ایسی ہی دوسری طاقتیں غیر معمولی طاقتیں نہیں تھیں بلکہ ایک باقاعدہ پڑھی جانے والی سائینس تھی، جیساکہ اس سے قبل انہوں نے فزیکل علوم کا پڑھا تھا۔ ان باتوں پر ایسے اعتقاد کا اثر نسل پر اس طرح پڑا کہ طبیعاتی علوم تقریباً ختم ہوگئے۔ یہ ایک چیز تھی جو ان کے سامنے آئی۔ مختلف طبقوں کے یوگیوں نے ہر قسم کے تجربات شروع کردیئے۔ کچھ نے روشنی پر تجربات شروع کیئے۔ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مختلف قسم کی روشنیاں جسم کے اندر کیا تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔ ان لوگوں نے ایک خاص رنگ کے کپڑے پہنے، ایک

ایک خاص رنگ کے کمرہ میں رہے اور ایک خاص رنگ کا کھانا کھایا۔ ہر قسم کے تجربات اس طریقہ پر کیئے گئے۔ دُوسروں نے کان بند کرکے اور کان کھول کر آواز پر تجربات کیئے اور باقی دُوسروں نے خوشبوؤں اور اس قسم کی چیزوں پر تجربات کیئے۔

تمام تر مقصد یہ تھا کہ چیزوں کے باریک حصّوں تک پہنچنے کے لیئے بنیاد بنائی جائے، اور حقیقت میں ان میں سے کچھ نے شاندار طاقتوں کا مظاہرہ کیا۔ ان میں سے بہت سے ہوا میں تیرنے اور ہوا میں اُڑنے کی کوشش کر رہے تھے میں آپ کو ایک اہم کہانی سُناتا ہُوں جو مجھے مغرب کے ایک سکالر نے سُنائی۔ یہ کہانی اس کو لنکا کے گورنر نے سُنائی تھی جس نے خود تماشہ دیکھا تھا۔ لکڑیوں کو آر پار جوڑ کر ایک سٹول بنایا گیا اور اس پر ایک لڑکی کو بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد سٹول میں سے ایک ایک کرکے تمام لکڑیاں نکال لی گئیں اور لڑکی ہوا میں بیٹھی رہی۔ گورنر نے خیال کیا کہ یہ کوئی چال ہے۔ پس اس نے غصّہ میں آکر اپنی تلوار نکال لی اور اس کو لڑکی کے نیچے کے حصّہ میں چلایا مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اب یہ بات کیا تھی ؟ یہ کوئی جادُو یا کوئی غیر معمولی چیز نہیں تھی۔ یہ خصوصیت ہے۔ ہندوستان میں آپ سے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہنُدؤں کیلئے یہ ایک معمولی بات ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے وقت ہندو کیا کہتے ہیں ؟ اوہ ہمارا ایک یوگی آئے گا اور تمام دشمنوں کو مار بھگائے گا! یہ ہندو نسل کا انتہائی اعتقاد ہے۔ ہاتھ یا تلوار میں کیا طاقت ہے؟ تمام طاقت رُوح میں ہے۔

اگر یہ بات دُرست ہے تو باطن کو اپنی انتہائی بلندیوں تک پہنچنے کی کوشش کرنے کے لیئے یہ ترغیب کافی ہے لیکن جیسا کہ اور دُوسرے علوم کا معاملہ ہے کوئی عظیم کامیابی حاصل کرنا مشکل ہے۔ پھر بھی یہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ طاقتیں اور قوتیں آسانی کے ساتھ حاصل کی جا سکتی ہیں۔ آپ کو اپنی قسمت بنانے میں کتنا عرصہ لگ سکتا ہے۔ اس بات کو سوچیئے۔ آپ کو الیکٹریکل سائینس یا انجینئرنگ جاننے میں کتنی مُدت لگ سکتی ہے ؟ یہ پہلی بات ہے۔ پھر اس کے بعد آپ کو اپنی پُوری زندگی کام آنا ہوتا ہے۔

لیکن زیادہ تر علوم کا تعلق ایسی چیزوں کے ساتھ ہے جو حرکت میں نہیں آتی یا متبدّل نہیں۔ آپ کرسی کا تجربہ کر سکتے ہیں۔ کرسی آپ تک اُڑ کر نہیں پہنچ سکتی لیکن اس سائینس کا تعلق دماغ اور ذہن سے ہے جو حرکت میں رہتا ہے۔ اس لمحہ جب آپ اس کا مطالعہ کرنا چاہیں، یہ منتشر ہو جاتا ہے۔ دُوسرے ہی لمحہ یہ پھر اسی حالت میں آجاتا ہے۔ شاید یہ ہر وقت تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اسی تبدیلی کے درمیان اس کا مطالعہ کرنا اس کو سمجھنا اور اس پر قابو حاصل کر لینا ہوتا ہے کس قدر

دُشوار ترین سائینس ہے یہ۔ اس کے لئے مسلسل تربیّت کی ضرورت ہے۔ لوگ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ مَیں انہیں عمل سبق کیوں نہیں دیتا۔ کیوں؟ یہ مذاق نہیں ہے۔ مَیں پلیٹ فارم پر آتا ہُوں آپ کے سامنے تقریر کرتا ہُوں اُور آپ گھر پہنچ کر سوچتے ہیں یہ بے فائدہ تھا۔ تب آپ کہتے ہیں، یہ سب حماقت ہے۔ کیونکہ آپ اس کو حماقت کہنا چاہتے ہیں۔ مَیں اس علم کے بارے میں بہت کم جانتا ہوں لیکن میں نے اِتنا ہی جاننے کے لئے اپنی عُمر کے تیس برس کام کیا ہے، مَیں نے اِسکو سیکھنے میں تیس برس لگائے ہیں، تیس سال تک اَن تھک جد وجہد کی ہے کبھی کبھی مَیں نے چوبیس گھنٹہ کے اَندر بیس گھنٹہ کام کیا ہے۔ کبھی کبھی رات میں مَیں صرف ایک گھنٹہ کے لئے سویا ہوں۔ کبھی کبھی تمام رات ریاضت کی ہے کبھی مَیں ایسی جگہوں پر رہا ہُوں، جہاں سانس کی آواز تک بھی مشکل ہی سے آتی تھی کبھی مَیں غاروں میں، گپھاؤں میں رہا ہُوں۔ سوچیئے ایسے، اور اس کے باوجود میں بہت کم جانتا ہُوں، بلکہ جانتا ہی نہیں ہُوں مَیں نے اس علم کے پردہ کا ایک کونا صرف چھُوا ہے لیکن مَیں یہ جانتا ہُوں یہ ایک سچا وسیع اور حیرت انگیز علم ہے۔

اب آپ میں سے اگر کوئی ایسا شخص ہے جو کہ واقعی اس عِلم کا مطالعہ کرنا چاہے تو اسے اسی عزم رسی بلکہ اس سے زیادہ حوصلہ کے ساتھ مطالعہ کا آغاز کرنا ہوگا۔ جس کی تجارت کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔

اُور تجارت کے لئے کس قدر توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس میں کس قدر دبا کر کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے! اگر باپ، ماں، بیوی یا بچہ مر جاتا ہے تو بھی تجارت کو بند نہیں کیا جاتا، اگر دِل ٹوٹ جائے تو بھی ہم اپنے کاروبار کی جگہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ہے کاروبار۔ اُور ہم خیال کرتے ہیں کہ یہ دُرست ہے، یہ ٹھیک ہے۔

اس سائینس کے لئے کسی بھی کاروبار کے مقابلہ میں زیادہ توجہ درکار ہے، کاروبار میں بہت سے لوگ کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس میں کم۔ کیونکہ اس کا زیادہ انحصار مطالعہ کرنے والے شخص کی خاص صلاحیت پر ہوتا ہے۔ جس طرح کاروبار میں سب کی قسمتیں نہیں بن جاتیں لیکن کچھ نہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس علم میں بھی ایک شخص ایک جھلک ضرور دیکھ سکتا ہے، جس سے اس کو یقین ہو جائیگا۔ کہ یہ سچ ہے اُور یہ یقین ہو جائیگا۔ ایسے لوگ بھی گزُرے ہیں، جنہوں نے پُوری طرح اس علم کو حاصل کیا، اور اس پر عبُور پایا تھا۔

یہ اس علم کا ایک خاکہ ہے۔ اس علم کی اپنی ایک الگ حیثیت اُور ایک الگ روشنی ہے

اُور یہ کسی بھی دُوسرے علم کو چیلنج کر سکتا ہے۔ اس شعبہ میں دُوسرے شعبوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ نیم حکیم، جادُوگر، دھوکہ باز رہے ہیں، کیوں ؟ وجہ ایک ہی ہے یعنی کاروبار جس قدر زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ اسی قدر اس میں زیادہ نیم حکیم اُور دھوکہ باز ہوں گے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ کاروبار ٹھیک اور اچھا نہیں ہے۔ ایک بات اور ——— یہ اچھا ہے کہ ذہین افراد تمام دلائل کو سُنیں اور حیرت انگیز واقعات کو سُن کر ذہنی اطمینان حاصل کریں لیکن اگر آپ میں سے کوئی اس کے علاوہ بھی کچھ جاننا چاہتا ہے تو صرف لیکچروں سے کام نہیں ہوگا۔ وہ لیکچروں کے ذریعہ نہیں پڑھایا جا سکتا۔ کیونکہ یہ زندگی ہے اُور زندگی کو زندگی تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ اگر آپ میں سے کوئی ایسا ہے جو اس کو حاصل کرنے کا اِرادہ رکھتا ہے تو مجھے اس کی مدد کر کے خوشی حاصل ہوگی۔





ہندوستان کی عورت[1]

ایتوار کی ایک صبح سویرے، مَیں ایڈیٹر کی فرمائش پُوری کرنے کی خاطر سوامی وویکانند کی خدمت میں حاضر ہُوا، اور ان سے عرض کی کہ وہ ہندوستان کی عورت کے درجہ اور اس کے مستقبل کے موضوع میں اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں۔

"آؤ ہم سیر کو چلیں، راہ چلتے چلتے ہُوا خوری بھی ہو جائے گی اور ساتھ ساتھ مَیں آپ کے سوال کے متعلق بھی کچھ کہتا جاؤں گا۔" سوامی جی نے فرمایا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم دُنیا کے حسین ترین قدرتی نظاروں کی طرف رواں تھے۔ راستہ بہت سہاؤنا تھا۔ کہیں کہیں سُورج کی سُنہری کرنوں سے راستہ چمک چمک رہا تھا اور کہیں کہیں خوبصورت درختوں کی ڈالیوں اور شاخوں نے آگے بڑھ کر راستہ کو نرم و نازک اور شگفتہ آنچلوں سے چھپا لینے کی کوشش کی ہوئی تھی۔ یہ راستہ کبھی ان چھوٹے چھوٹے گاؤں میں لے جاتا تھا، جہاں مٹی اور گھاس پھوس کے چند جھونپڑیاں کھڑی تھیں اور ان کے باہر خوش طبع بچے کھیل کُود میں مصروف تھے اور کبھی کبھی اس رونق اور چہل پہل سے دُور ہم ایک ایسے خاموش مگر خوبصورت نظاروں میں گھِر جاتے تھے کہ قدرت کی رعنائیوں کو دیکھ دیکھ کر محوِ حیرت ہو جاتے تھے۔ فصل سے لہلہاتے کھیتوں سے پرے اُونچے اُونچے درخت نیلے آسمانوں کی بلندیوں کو چُھو رہے تھے اور ان سے کچھ دُور گاؤں کی لڑکیاں ہاتھوں میں درانتیاں لئے، چارے کے لئے مکّی کا غلّہ گھر میں ڈالنے کے

---

[1] رسالہ "پرابُدھ بھارت" دسمبر 1898 سے ماخوذ

خراماں خراماں، گیت گاتی ہوئیں فصل کاٹنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھیں۔ان کے قدموں میں ایک رقص تھا اُور آنکھوں میں مسرت کی چمک۔کبھی یہ راستہ ہمیں سیبوں سے لدے درختوں کے باغ میں لے جاتے اُور کبھی ہم کھُلی چٹانوں پر چل رہے ہوتے تھے۔جن سے وہ برف پوش چوٹیاں صاف نظر آتی تھیں۔جو نیلے آسمان کے پس منظر میں ہلکے نیلے رنگ کے بادلوں کے سرکتے آنچلوں میں بہت خوبصورت اُور دلکش نظر آتی تھیں۔

ان نظاروں میں کھوئے ہوئے نامعلوم ہم کب تک یونہی چلتے چلے گئے کہ میرے رفیق سفر۔شری سوامی جی ـــــ نے آغاز گفتگو کرتے ہوئے کہا "آریوں اور سامیوں (عراقی، آرمینی، حبشی، شامی اور عرب نسلوں کے لوگوں) میں عورت کے متعلق خیالات ایک دوسرے کے بالکل خلاف ہیں، اور ان میں زمین و آسمان کا بُعد ہے۔سامیوں میں عورت کی موجودگی تک کو لعنت تصوّر کیا جاتا ہے، عورت کی ذات کو عبادت و ریاضت کے لئے سدِ راہ اُور خطرناک تصوّر کیا جاتا ہے۔عورت بہت سی مذہبی فریضے تک اُدا نہیں کرسکتی، جیساکہ ان لوگوں میں رواج ہے گوشت کھانے کے لئے جانور ذبح کرتے ہیں۔لیکن عورت کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس پر مذہبی پابندی ہے۔لیکن آریوں میں کوئی مذہبی فریضہ اس وقت تک مکمل نہیں کہلا سکتا۔جب تک کہ عورت مرد کے ساتھ نہ ہو......"

مَیں نے بات کاٹتے ہوئے ایک انوکھے اُور حیران کُن سوال سے سوامی جی کو چونکا دیا۔" لیکن کیا سوامی جی ہندو دھرم، آریہ دھرم نہیں ہے؟"

سوامی جی نے فرمایا۔عصرِ جدید کا ہندو دھرم زیادہ تر پورانوں کا ہندو دھرم ہے یعنی بُدھ کے وقت کے بعد کی پیدا وار ہے۔سوامی دیانند سرسوتی نے لکھا ہے کہ اگرچہ گھر میں یگیہ کے ہون کنڈ میں آگ جلانے کے لئے عورت کا ساتھ ہونا ضروری ہے لیکن اسے شالگرام شیلا وغیرہ کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے کیونکہ یہ رسم و رواج پورانوں کے آخری دُور میں شروع ہُوا تھا، پہلے نہ تھا۔"

مَیں پھر قطع کلام ہوگیا۔مَیں نے کہا۔شائد یہی وجہ ہے کہ آپ ہم میں عورت کے غیر مساوی درجہ اُور اس کی کمتری کا سبب بُدھ مت کو ٹھہراتے ہیں۔"

سوامی جی بولے " جہاں کہیں یہ احساس کمتری ہے، وہاں لازمی طور پر اسکی وجہ بُدھ مت کی تعلیم تھی لیکن عورت کی کمتری اور اس کے غیر مساوی درجہ کے بارے میں آپ کو مغربی نکتہ چینیوں کی ہمنوائی کرتے ہوئے یہ تصوّر نہیں کرلینا چاہیئے کہ ہمارے ہاں عورت کا درجہ کمتر ہے اور ہم اسے مساوی درجہ یا حقوق نہیں دینا چاہتے۔نہیں، حق تو یہ ہے کہ حالات نے ہمیں کتنی ہی صدیوں سے عورت کے بارے میں اپنے

نظریات میں تبدیلی کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور ہم حملہ آوروں کی پیہم یلغاروں اور جارحانہ کارروائیوں کی وجہ ان کی حفاظت کے بارے میں زیادہ چوکنے اور فکرمند رہنے لگے۔ اور اس طرح عورتوں کے متعلق ہم نے ایسے رسم و رواج بنا لئے، جن میں اس کی حفاظت کا سوال مقدّم ترین تھا۔ مردوں کے احساسِ برتری یا عورتوں کے احساس کمتری کا ذکر کیوں؟ ہمیں اپنے رسم و رواجوں کو اس زاویہ نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔"

" تو کیا آپ سوامی جی! عورت کو ہم ہندوؤں میں جو موجودہ مقام حاصل ہے، اس سے مطمئن ہیں؟"

" ہرگز نہیں"۔ سوامی جی بولے " لیکن ہمیں اس صورتِ حال میں مداخلت کرنے کا صرف اتنا ہی حق حاصل ہے کہ تعلیم کو فروغ دیں۔ ہمیں عورتوں کو ایسی تعلیم و تربیّت دینی چاہیئے کہ وہ اپنے مسائل کو خود حل کرنے کی صلاحیّت اور قابلیّت حاصل کر لیں۔ لیکن ہمیں کسی صورت میں حق حاصل نہیں کہ عورتوں کے نام پر، اُن کی فلاح و بہبود کے نام پر من مانی کرتے رہیں۔ ہمیں صرف انہیں تعلیم دینی چاہیئے اور انہیں آزادی دینی چاہیئے کہ وہ اپنے معاملات کو جس طرح چاہیں، حل کریں، اور میرا یقین ہے کہ ہندوستان کی عورتیں دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک کی عورتوں کی طرح اس قابل ہیں کہ وہ معاملات کو خوش اسلوبی سے حل کر سکیں ....."

"لیکن اس بُرے اثر کو کس طرح زائل کیا جائے، جو آپ کے خیال میں بدھ مت کی پیداوار ہے؟"

"یہ بُرا اثر" سوامی جی نے فرمایا " ایمان و اعتقاد کے ضعف و زوال نے پیدا کیا۔ جو بھی تحریک اُبھرتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے، اپنی مخصوص خوبیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لیکن جب زوال آتا ہے تو یہی خوبیاں اس کی سب سے بڑی کمزوریاں اور خامیاں بن جاتی ہیں۔ بھگوان بدھ جو انسانوں میں سب سے اعلیٰ اور ارفع انسان تھے —— ایک لاجواب ناظم اور منتظم تھے۔ انہوں نے اپنی تحریک کی بدولت ساری دنیا میں ایک انقلاب سا برپا کر دیا۔ لیکن ان کا مت —— گوشہ نشینی، رہبانیت اور خانقاہی —— زندگی کی تعلیم دینے والا مت تھا۔ اس سے قدرتاً یہ خرابی نکلی کہ سادھو کے لباس تک کو مقدّس اور متبرک کہا جانے لگا۔ یہی نہیں، انہوں نے پہلی مرتبہ اسے تارک، الدنیا گوشہ نشینوں اور راہبوں کے مل جل کر رہنے کی زندگی کا آغاز کیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ عورتوں کا درجہ حقیر اور کمتر ہو گیا۔ کیونکہ راہبہ عورتوں پر بھی کسی بھکشو کے حکم و فرمان کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ اس نظام کی بدولت فوری اثر یہ ہوا کہ بدھ مت کی سالمیّت حاصل ہو گئی، لیکن اس نظام کی جو دور رس نتائج تھے، انہوں نے عورتوں میں احساس کمتری پیدا کر دیا۔"

لیکن کیا ویدوں میں سنیاس آشرم کو نہیں مانا، ویدوں میں بھی سنیاس بننے کی تلقین کی گئی ہے۔ پھر بھگوان بدھ نے کونسی بات ایسی کی، جس سے یہ خرابی پیدا ہوئی؟"

" بلاشبہ ویدوں میں سنیاس دھرم کو مانا گیا ہے۔ لیکن وید اس بارے میں مرد اور عورت

میں کوئی تمیز و امتیاز رَوا نہیں رکھتے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ راجہ جنک کے دربار میں جب یاگیہ ولکیہ پہنچے تھے تو ان پر جرح کس نے کی تھی؟ جرح کرنے والوں میں ممتاز کون تھا؟ ایک عورت جس کا نام تھا واچا کاؤنی، یعنی جو فنِ فطانت میں لاجواب ہو۔ اُسے اُس زمانہ میں برہم ویدنی کہا جاتا تھا۔ اس نے یاگیہ ولکیہ سے مناظرہ کرتے ہوئے کہا تھا "جو سوالات مَیں آپ سے پُوچھنے والی ہُوں، وہ سوالات ایسے ہی ہیں جیسے کسی ماہر تیر انداز کے ہاتھ میں دو تیر ہوں"۔ اِس جرح اور مناظرہ میں کہیں بھی اس کی جنس کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا۔ کیسی آزادی تھی عورتوں کو۔ جب مردوں اور عورتوں میں کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ اور پھر زمانہ قدیم میں رشیوں کے جنگلوں میں بنائے گئے آشرموں کو ہی دیکھ لیجئے۔ لڑکوں اور لڑکیوں میں کِس قدر مساوات تھی؟ سنسکرت کے ڈرامے دیکھئے۔ شکنتلا کی کہانی پڑھیئے اور دیکھئے کہ کیا انگریز مصنّف Tennyson's Princess کا ڈرامہ "شہزادی" ہمیں کچھ سکھا سکتا ہے؟"

"سوامی جی! آپ زمانہ قدیم کی عظمتوں کو بے نقاب کرنے میں ثانی نہیں رکھتے۔ آپ نے کِس خوبی اور کمال سے ماضی کی شان کبریائی کو کِس اچھوتے انداز سے پیش کی ہے؟"

سوامی جی بولے "غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مَیں نے دُنیا کے دونوں رُخ دیکھے ہیں، اور میرا وِشواس ہے کہ وہ نسل اور وہ دھرم جس نے سیتا جیسی دیوی پَیدا کی تھی یا سیتا جیسی دیوی کا خواب دیکھا تھا اور دنیا کو اس کا تصوّر بتایا تھا۔ وہ نسل اور وہ دھرم عورت کے متعلق اِس قدر تعظیم و تکریم رکھتا ہے کہ کرۂ ارض پر اس کی مثال نہیں مِل سکتی۔ مغربی ممالک میں عورتوں پر محض قانونی دفعات کی رُو سے ایسی پابندیاں عائد ہیں جن کا ہم نے کبھی تصوّر تک نہیں کیا۔ بلا شبہ ہمارے نظام کی منفرد عظمتیں اور خوبیاں ہیں اور ویسی ہی اس کی خامیاں ہیں۔ لیکن کونسا مذہب اور نظام ہے جو ان سے پاک وصاف ہو۔ دُنیا کا ہر نظام خُوبیوں سے ہی پُر نہیں، اس میں خرابیاں بھی ہیں۔ ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ سارے کُرہ ارض پر عام کوشش یہی ہے کہ محبّت و نرم دِلی، شفقت اور راست روی سے پیش آیا جائے اور قومی رسم و رَواج اسی جذبہ اور اسی رجحان کے ذرائع اور وسائل ہیں۔ جہاں تک ہمارے نظام کی خوبیوں اور عظمتوں کا تعلق ہے۔ مُجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں، کہ ہمارے ہندوستانی رواج دُنیا کے رواجوں سے کہیں بہتر اور اعلےٰ ہیں اور سب پر فوقیّت رکھنے والے ہیں"۔

"تب کیا سوامی جی! اس سے یہ مطلب اخذ کیا جائے کہ ہندوستانی عورتوں کے سامنے کوئی مسئلہ اور مشکل نہیں؟" مَیں نے سوال کیا۔

سوامی جی نے فرمایا۔ "کیوں نہیں، ہندوستانی عورتوں کے سامنے بہت سے سوالات ہیں کٹھن

اُور مشکل مسائل۔ لیکن ایسا کوئی بھی مسئلہ نہیں، ایسی کوئی بھی شکل نہیں جسے تعلیم جیسے جادوئی لفظ سے حل نہ کیا جا سکے۔ لیکن مشکل ہے کہ تعلیم کے متعلق ہمارا تصوّر ابھی خام ہے اُور ہم تعلیم کے متعلق بے نقص نظام کا تصوّر نہیں سوچ سکتے۔"

"لیکن اس اعلےٰ تعلیم کی آپ کیسے تصریح و صراحت کرتے ہیں؟" سوامی جی سے میرا سوال تھا ——— سوامی جی ہنس کر کہنے لگے:"مَیں تو کسی بھی چیز کی تصریح و صراحت نہیں کرتا۔ تاہم تعلیم کو لیاقت اُور قوّتِ دماغی کی نشو و نما اور ترقّی تو قرار دیا جا سکتا۔ لیکن اسے بہت سے الفاظ کا ذخیرہ جمع کرنے کا نام نہیں دیا جا سکتا یا پھر اسے ایک فرد کو اس طرح تربیّت دینا کہا جا سکتا ہَے کہ وہ راستی اور مستعدی سے سوچ سکے۔ ایسی تعلیم و تربیّت دینے سے ہی ہم سنگسمترا، لیلا، اہلیہ بائی اُور میراں بائی کی مریادا اُور نشان کو اُونچا کرنے والی عورتیں بنا سکتے ہیں اُور بے خوف عورتوں کے متعلق ہندوستان کی ضرورت کو پُورا کر سکتے ہیں۔ صرف ایسی عورتیں ہی قومی ہیرو اُور مشاہیر پیدا کر سکتی ہیں۔ کیونکہ وہ بے غرض، مجسّمہ اخلاق، پیکرِ محبّت و ایمان اور ایک ایسی قوّت رکھنے والی ہوں گی، جو قوّت صرف ایشور کے چرن کملوں کو چھُونے سے ہی مل سکتی ہَے۔"

"دُوسرے الفاظ میں آپ کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم میں مذہب و دھرم کا عنصر ہونا چاہیئے؟" مَیں نے سوامی جی سے دریافت کیا۔

"مَیں تو مذہب و ایمان کو تعلیم کا مرکزی نکتہ، اس کی جان، اس کی رُوحِ رواں تصوّر کرتا ہُوں۔" سوامی جی نے فرمایا۔ "لیکن یہ یاد رہے کہ مذہب اُور دھرم سے میری مُراد اس مذہب و دھرم سے نہیں جو مَیں اُور آپ اپنے دماغوں میں لیئے پھرتے ہیں یا اس کے متعلق میرے یا آپ کے ذہنوں میں جو خیالات ہیں، مَیں انہیں مذہب و ایمان نہیں کہتا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اُستاد کو زندگی کے دُوسرے شعبوں کی طرح تعلیم کے بارے میں طالبہ کو وہیں سے آگے لے جانا چاہیئے، جہاں پر وہ کھڑی ہو۔ کم سے کم مزاحمت سے اسے اپنی مخصوص طرزِ فکر کے مطابق ترقی کرنے میں مدد دینی چاہیئے۔"

"لیکن" مَیں نے سوال کیا۔ "سوامی جی! یقینی طور پر برہمچریہ کو جسے ہمارے دھرم میں جو عظمت و اہمیّت ماں اُور بیوی سے چھین کر ایسے افراد کو دی گئی ہے، جو ان تعلقات سے بے نیاز رہیں ——— عورت کے درجہ پر براہِ راست حملہ کے مترادف ہَے۔"

سوامی جی فرمانے لگے "لیکن آپ کو بھُولنا نہیں چاہیئے کہ اگر ہمارے دھرم نے مَرد کے لیئے برہمچریہ کو افضل ترین قرار دیا ہے تو یہی مرتبہ، تعظیم و تکریم برہمچریہ عورتوں کے بارے میں دی گئی ہے۔

اور پھر آپ کا سوال بتاتا ہے کہ آپ کے ذہن میں تذبذب ہے۔ ہندو دھرم اِنسانی رُوح ـــــ آتما کے لئے ایک فرض اور صرف ایک فرض کی نشان دہی کرتا ہے اور یہ فرض ہے۔ اس بے ثبات دنیا میں ثبات تلاش کرنا۔ اس فانی دُنیا میں باقی کی جستجو کرنا۔ کفر و کذب میں حق و صداقت کو ڈھونڈنا۔ یہ مقصد حیات کیسے حاصل کیا جائے؟ اس بارے میں کسی نے بھی کوئی ناطق اور قطعی راستہ تجویز نہیں کیا۔ شادی شُدہ ہو یا غیر شادی شُدہ، بھلا ہو یا بُرا، پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ، جاہل ہو یا دانش ور کسی پر کوئی روک یا پابندی نہیں۔ ہر وہ فرد جو اس منزل اور نصب العینِ حیات کی طرف جادہ پیما ہے، برحق ہے۔ راست رو ہے۔

یہی وہ بڑا فرق ہے جو بُدھ مت اور ہندو دھرم میں ہے۔ کیونکہ بُدھ دھرم کی سب سے بڑی ہدایت یہ ہے کہ اس خارجی دُنیا کے بے ثبات کو سمجھ لو، اور یہ کام صرف ایک مخصوص طریقۂ زندگی اپنانے سے یعنی تارک الدنیا بننے یا راہبانہ زندگی گزارنے سے ہی ممکن ہے۔ کیا آپ کو یاد ہے، مہابھارت کی وہ کتھا جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک نوجوان یوگی جو اپنے طیش و رنج کی آگ سے کوّے اور بگلے کو جلا کر راکھ کر دینے کی کرامت حاصل کر چکا تھا؟ کیا آپ کو یاد ہے کہ یہ نوجوان سادھو شہر میں گیا اور وہاں پہلے اس نے ایک ایسی بیوی کو دیکھا، جو اپنے بیمار پتی کی سیوا کر رہی تھی اور پھر ایک قصاب کو دیکھا جس کا نام وِدّھ تھا۔ ان دونوں نے اپنے اپنے فرض کو تندہی اور صدق دِلی سے بجالانے کے راستہ پر چل کر ایشور کو پالیا تھا؟"

"سوامی جی! اس مُلک کی عورتوں کو آپ کوئی سندیش دینا پسند کریں گے؟"

سوامی جی نے فرمایا "اس مُلک کی صرف عورتوں سے ہی کیوں؟ مَیں جو کچھ انہیں کہنا چاہتا ہُوں وہی کچھ مَیں مردوں سے کہوں گا۔ ہندوستان میں صدق و یقین رکھیئے۔ ہندوستانی اعتقاد اور ایمان پر بھروسہ رکھیئے۔ مضبوط بنیئے، ہمیشہ پُر اُمید رہیئے، ہمیشہ غیرت و شرم رکھیئے اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھیئے کہ اگر آپ کسی سے کچھ سیکھنا چاہتے ہیں تو یاد رکھیئے کہ دنیا کے دُوسرے لوگوں کی نسبت ہندو آپ کو بے حساب علم و فضل دے سکتے ہیں۔

Vivekananda

سوامی جی کے دستخط

حضرت محمدؐ

بھگوان کرشن کی قدیم تعلیم بھگوان بدھ حضرت عیسٰیؑ اور حضرت محمدؐ کی تعلیم میں ہم آہنگ ہے۔ تینوں میں سے ہرایک نے ایک نظریہ کا آغاز کیا۔ اور اس کو انتہا تک پہنچایا۔ بھگوان کرشن تمام دوسرے پیغمبروں سے بہت پہلے آئے (تاہم ہم کہہ سکتے ہیں) بھگوان کرشن نے پرانے نظریات کو اپنا کر اُن میں امتزاج پیدا کیا اگرچہ اُن کی تعلیم قدیم تعلیم ہے۔ اُن کی تعلیم کچھ عرصے کے لئے بدھ مت کی بڑھتی ہوئی لہروں میں ڈوب گئی تھی۔ آج یہ ہندوستان کے لئے خاص تعلیم ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو اِس شام میں حضرت محمدؐ کے بارے میں کچھ کہوں گا اور بتاؤں گا کہ عرب کے اُس عظیم پیغمبر نے کیا خاص کام انجام دیا۔

حضرت محمدؐ نے جوانی کے عالم میں (بظاہر) مذہب سے زیادہ رابطہ نہیں رکھا۔ وہ روپیہ کمانے والے دھندے کی طرف راغب تھے اُن کو ایک بہترین نوجوان سمجھا جاتا تھا۔ اور بے حد خوب صورت تھے۔ ایک مالدار بیوہ تھی جو اُن سے محبت کرنے لگی اور اُن کی شادی ہوگئی۔ جب حضرت محمدؐ دُنیا کے بڑے حصّے کے شہنشاہ بن گئے اور ایران اور روما کی سلطنتیں اُن کے قدموں پر آپڑیں تو ایک روز اُن سے پوچھا گیا۔ آپ کو اپنی کون سی بیوی محبوب ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا پہلی کیونکہ وہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائی'۔

عورتیں اعتقاد رکھتی ہیں وہ آزادی حاصِل کرتی ہیں ہر چیز حاصِل کرتی ہیں اس خصوصیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں جو عورتوں کی ہے۔

گناہوں، بُت پرستی، پتھروں کی پوجا او ہام پرستی اور انسانوں کی قربانی کے رواج کو دیکھ کر حضرت محمدؐ کا دل بہت تکلیف محسُوس کرتا تھا یہودیوں پر عیسائی غالب آچکے تھے دُوسری طرف عیسائیوں کا خود یہودی قوم

سے بھی بُرا حال تھا۔

ہم ہمیشہ بہت عجلت سے کام لیتے ہیں (لیکن) اگر کوئی بڑا کام سرانجام پاتا ہے تو اس کے لئے بڑی تیاریاں کرنی پڑتی ہیں، رات دن بہت زیادہ عبادت کرنے کے بعد حضرت محمدؐ نے اپنے نصب العین اور تصورات کا آغاز کیا۔ جبرئیل ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کو بتایا کہ وہ سچائی کے پیغمبر ہیں جبرئیل نے ان سے کہا حضرت عیسٰی حضرت موسٰی اور دوسرے تمام پیغمبروں کی تعلیمات منسوخ ہوگئیں اب وہ اپنی تعلیم کا آغاز کریں۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ عیسائی حضرت عیسٰی کے نام پر سیاسیات کا پرچار کر رہے ہیں اور فارس کے لوگ تشفویت کا شکار ہیں حضرت محمدؐ نے کہا — ہمارا خُدا صرف ایک ہے۔ وہ کائنات کا خالق ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔

خُدا — خُدا ہے۔ اس میں کوئی فلسفہ نہیں کوئی پیچیدہ فلسفۂ اخلاق نہیں — نہیں ہے کوئی سوائے اللہ کے اور محمدؐ اس کے رسُول ہیں —— حضرت محمدؐ نے مکہ کے گلی کوچوں میں تبلیغ شروع کر دی۔ مکہ والوں نے ان کو سزا دی اور وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ شہر چلے گئے اور جب قریش کی جارحانہ سرگرمیاں بند نہیں ہوئیں تو مجبوری کے عالم میں ان کے خلاف جنگ کرنی پڑی۔ اور تمام نسل کو متحد کر لیا خدا کے نام پر، جو کہ عظیم ترین فاتح طاقت ہے دنیا کو (اسلام) کے طوفان میں ڈبو دیا۔

آپ — لوگ بہت تنگ نظر ہیں اور اتنے اوہام پرست اور حاسد ہیں، —— یہ تمام پیغمبر خدا ہی کی طرف سے آئے ورنہ وہ اس قدر عظیم کیسے ہو سکتے تھے، آپ خامیوں کو دیکھتے ہیں ہم میں سے ہر ایک کی اپنی خامیاں ہیں۔ کون خامی نہیں رکھتا۔ میں یہودیوں میں بہت سی خامیاں گِنا سکتا ہوں، گناہ گار ہمیشہ خامیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ مکھیاں آتی ہیں اور فاسد مادہ کو چوستی ہیں لیکن شہد کی مکھیاں آتی ہیں اور پھولوں سے شہد چوستی ہیں مکھیوں کا راستہ اختیار نہ کیجئے بلکہ شہد کی مکھیوں کا راستہ اختیار کیجئے۔

بعد میں حضرت محمدؐ نے کئی شادیاں کیں۔ عظیم شخصیتوں میں سے ہر ایک دو سو بیویاں رکھ سکتی ہے — آپ کی طرح "دیوؤں" کو میں ایک بیوی کے ساتھ شادی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ عظیم روحوں کے کیرکٹر بہت عجیب و غریب ہوتے ہیں ان کے بارے میں کوئی احتساب نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت عیسٰے حضرت محمدؐ کے بارے میں احتساب کر سکتے ہیں آپ اور میں کون؟ معمولی بچے — ہم ان عظیم رُوحوں کے بارے میں کیا سمجھتے ہیں؟ اسلام عوام کے لئے ربّی پیغام کی حیثیت سے آیا۔ پہلی تعلیم یہ تھی — مذہب صرف ایک ہے اور وہ ہے محبت نسل، رنگ اور کسی بھی چیز کا کوئی امتیاز نہیں، اسی مذہب محبت اسلام اختیار کرو —— یہ عظیم تعلیم بالکل سادہ اور ذی فہم تھی؟ ایک خدا پر ایمان لاؤ جو زمین اور آسمان کا خالق ہے، ہر شئے کو اس نے پیدا کیا۔ ایمان خود ہی دلیل ہے زیادہ نہ کرو۔

یہ انسانی جسم کائنات کا عظیم ترین جسم ہے اور انسان عظیم ترین مخلوق انسان کی حیثیت تمام جانداروں اور فرشتوں سے بلند ہے یہاں تک کہ دیوتاؤں کو بھی پھر انسانوں کے جسم میں آ کر اور نجات حاصل کرنا پڑتا ہے انسان ہی نجات حاصل کرتا ہے دیوتا نہیں، یہودیوں اور مسلمانوں کے مطابق خدا نے فرشتوں کو پہلے بنایا پھر انسانوں کو۔ آدمی کو بنانے کے بعد خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو سجدہ کریں سب نے ایسا ہی کیا کہ سوائے ایک ابلیس کے۔ اور وہ خدا کی طرف سے شیطان قرار پایا اس مثال کے پیچھے ایک عظیم سچائی ہے، یہ کہ یہ انسانی پیدائش ہی عظیم پیدائش ہے۔ دنیا میں دو قسم کی نسلیں ہیں، ربانی اور الہامی۔ ربانی کہتے ہیں کہ وہ روح اور آتما ہیں۔ الہامی کہتے ہیں کہ وہ جسم ہیں، پرانے ہندوستانی فلسفہ والوں نے اس پر زور دیا ہے کہ جسم کوئی شے نہیں ہے انسان اپنے پرانے جسم کو چھوڑ کر نئے میں چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پرانا جسم بھی نئے جسم میں تبدیل ہوتا رہتا ہے (گیتا (۲۲،۱۱) جہاں تک میرا تعلق ہے میرے علم اور میرے مشاہدہ نے مجھے بتایا ہے کہ دوسرا راستہ صحیح ہے۔ میں ہمیشہ مسلمانوں اور عیسائیوں کا ہم خیال رہا ہوں جو جسم کو اہمیت دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے کچھ خاص فرقوں کے لوگ زندگی بھر اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ان کا بڑا عظیم الشان مقبرہ ان کی موت کے بعد بنے۔ میں ان میں ایسے فرقوں کو جانتا ہوں جن کے ہاں جیسے ہی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے لئے مقبرہ تیار ہونے لگتا ہے وہ اس کام کو اہم ترین کام تصور کرتے ہیں۔ جتنا بڑا اور خوب صورت مقبرہ ہوگا اتنا ہی وہ اچھا آدمی سمجھا جائے گا۔

ان کی مسجدیں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے گرجا گھروں کی طرح سادہ ہوتی ہیں نہ کوئی مصوری نہ رنگ و برش کی کرامت۔ کونے میں ایک منبر اور اس پر قرآن حکیم رکھا ہوا ہے۔ لوگ صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں نہ کوئی پجاری نہ پادری اور نہ بشپ، جو بھی عبادت کرتا ہے اس کو صف میں کھڑا ہونا پڑے گا؛

یہ پرانے لوگ خدا کے پیغمبر تھے میں ان کے سامنے سر نیاز خم کرتا ہوں، میں انہیں پوجتا ہوں ان کے قدموں کی خاک لیتا ہوں لیکن وہ مر چکے ہیں ہم زندہ ہیں ہمیں آگے بڑھنا چاہیئے، مذہب حضرت عیسٰے یا حضرت محمد کی تقلید نہیں ہے اگرچہ اتباع بھی عمدہ چیز ہے لیکن یہی سب کچھ نہیں۔ عیسٰے کے مقلد نہ بنئے بلکہ عیسٰی بنئے۔ آپ بھی اس قدر عظیم ہیں جس قدر عیسٰے اور بدھ تھے یا کوئی اور مہاپرش ہو سکتا ہے۔ اگر ہم نہیں ہیں تو ہمیں ایسا بننے کے لئے جدوجہد کرنی چاہیئے اور ہم ایسے ہو سکتے ہیں۔ میں بالکل عیسٰی جیسا نہیں ہو سکتا۔ یہ غیر ضروری ہے کہ میں ایک یہودی پیدا ہوں۔

سب سے بڑا مذہب یہ ہے کہ آپ اپنی ضمیر کے سامنے سچے ہوں۔ اپنے پر اعتقاد رکھیں اگر آپ کا وجود نہیں ہے خدا کا یا کسی اور کا وجود کس طرح ہو سکتا ہے آپ جہاں کہیں بھی ہیں یہ ذہن ہی ہے جس کے ذریعہ قادر مطلق تک کا ادراک

ہوتا ہے۔ میں خدا کو دیکھتا ہوں اس لئے اس کا وجود ہے اگر میں خدا کے بارے میں سوچ نہیں سکتا (میرے لئے) خدا کا وجود نہیں۔ ہماری انسانی ترقی کا یہی عظیم سفر ہے

یہ عظیم رُوحیں راستے کی روشن نشانیاں اور علامتیں ہیں بس اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہ کہتے ہیں "بھائیو آگے بڑھو" مگر ہم بھی ثابت قدم ہیں ہم نہیں چاہتے کہ حرکت کریں یا آگے بڑھیں، ہم سوچنا نہیں چاہتے ہم چاہتے ہیں کہ دُوسرے ہمارے لئے سوچیں، ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے پیغمبروں نے اپنا مشن مکمل کرلیا وہ ایک مقصد حیات لے کر آئے تھے، اس مقصدِ حیات کو پا گئے۔ انہوں نے ہم سے کہا۔ کھڑے ہو جاؤ اور کچھ کرکے دکھاؤ لیکن صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ہم اس پیغام سے چمٹے ہوئے ہیں سوئے ہوئے ہیں ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

اعتقاد ایمان اور اصول کی بات کرنا آسان ہے لیکن ایک حُسن اخلاق کی تعمیر کرنا اور خیالات کے طوفان پر قابو پانا بہت مشکل ہے۔ ہم نکمے بن جاتے ہیں بگلا بھگت بن جاتے ہیں اور صرف گفتار کے غازی بنا رہنا چاہیئے۔ مذہب کوئی ضابطہ اور اصول نہیں ہے یہ ایک عمل ہے بس۔ ضابطے اور اصول عمل کے لئے ہوتے ہیں۔ عمل سے ہمیں طاقت ملتی ہے اور آخر کار بندھنوں کو توڑ کر آزاد ہو جاتے ہیں اصول صرف عمل پریشرم کے لئے مفید ہے پریشرم کے ذریعہ رُوح کی تکمیل ہوتی ہے جب آپ کہتے ہیں کہ میں ایمان لایا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیئے آپ کاہل، بے حس، پژمردہ بن کر رہ جائیں اور آگے بڑھنے کی آرزو کا گلا گھونٹ دیں۔

"جب کبھی نیکیوں میں کمی آتی ہے اور بدی کی کثرت ہو جاتی ہے تو میں انسانی شکل اختیار کرلیتا ہوں، بھلائی کی نجات کے لئے بدی کی تباہی کے لئے اور رُوحانیت قائم کرنے کے لئے ہر دور میں آتا ہوں۔"

گیتا کے مندرجہ بالا الفاظ کے مصداق ہیں روشنی کے عظیم پیغمبر۔ وہ ہمارے عظیم اُستاد اور معلّم ہیں ہمارے بڑے بھائی ہیں لیکن ہمیں خود اپنے راستہ پر چلنا چاہیئے اور اپنی محنت سے جادہ پیمائیاں کرنی ہیں۔

ہم ہندو نہ صرف تمام مذاہب کے لئے روادار ہیں بلکہ انہیں تسلیم کرتے ہیں مسلمانوں کی مسجدوں میں نماز پڑھ لیتے ہیں زرتشتوں کی آگ کے سامنے بیٹھ کر پوجا کرلیتے ہیں اور صلیب عیسیٰ کے سامنے گھٹنوں کے بل جُھک جاتے ہیں۔

[حضرت محمدؐ اور اسلام کے متعلق سوامی جی کے خیالات کی بہترین آئینہ داری اور عکاسی اُن کا وہ خط کرتا ہے جو انہوں نے اپنے ایک عقیدت مند نینی تال کے رہنے والے جناب محمد سرفراز حسین کے نام الموڑہ سے 10 جون 1898ء کو لکھا تھا۔ خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)]

میرے پیارے!

مَیں نے آپ کے خط کو بہت زیادہ پسند کیا۔ اور مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ خدا خاموشی سے ہماری مادرِ وطن کے لیے لاجواب اور حیرتناک باتیں کر رہا ہے۔

ہم اسے ویدانت کہیں یا کسی دوسرے نام سے موسوم کریں لیکن حق و صداقت یہی ہے کہ ادویت ازم مذہب اور تخیل و تصوّر کا حرفِ آخر ہے۔ صرف ادویت ازم کے طفیل ہر کوئی شخص تمام مذاہب، تمام عقیدوں اور تمام مت متانتروں کو محبت کے ساتھ دیکھ سکتا ہے۔ میرا تو عقیدہ ہے کہ مستقبل کے روشن ضمیر بنی نوعِ انسان کا یہی مذہب ہوگا۔ دوسری نسلوں کی بہ نسبت ہندو اس فیصلہ پر دوسروں سے کہیں جلدی پہنچنے کا فخر و افتخار حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ وہ یہودیوں اور عربوں سے کہیں زیادہ قدیم باشندے ہیں۔ لیکن عملی ادویت ازم کو جو ساری کائنات کو اپنی رُوح اور اپنی جان کی طرح عزیز و پیاری جاننے کی تعلیم دیتا ہے، ہندوؤں نے کبھی فروغ نہ دیا۔

اس کے برخلاف میرا مشاہدہ تو یہ ہے کہ اگر کبھی کسی مذہب نے قابلِ قدر طریقہ سے پیار اور محبت کو دستورِ حیات بنایا اور دوسروں کو پیار سے دیکھا تو یہ مذہب، اسلام ہے اور صرف اسلام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مَیں پختہ طور پر اس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ عملی اسلام کی امداد کے بنا ویدانت کی سب تھیوریاں خواہ وہ کتنی ہی شاندار اور لطیف کیوں نہ ہوں، بیشتر انسانوں کے لئے سراسر غیر مفید ہیں۔ ہم تو بنی نوعِ انسان کو ایک ایسے مقام تک لے جانا چاہتے ہیں جس جگہ نہ وید ہیں، نہ بائبل ہے، نہ قرآن ہے۔ لیکن اس جگہ پہنچنے کے لئے ہمیں ویدوں، بائبل اور قرآن میں یگانگت پیدا کرنی ہوگی۔ دُنیا کو یہ تعلیم دی جانی چاہیئے کہ تمام مذاہب اور تمام عقیدے دراصل اسی مذہب اور ایمان کی مختلف تفسیریں اور صُورتیں ہیں۔ اور یہ مذہب اور ایمان ہے کہ خُدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ سب کا مقصد تو صرف اسے پانا ہے اور اُسے پانے کے لئے جونسا راستہ جسے پسند آتا ہے، اختیار کر لے کیونکہ سب مذہبوں کی منزل وہی ایک ہے۔

ہمیں اپنی مادرِ وطن کے لئے دونوں عظیم نظریات، ہندو دھرم اور اسلام، کا اتصال اور دونوں کا اتحاد ضروری ہے میرے نزدیک ہندو دھرم کا ویدانت دماغ ہے اور اسلام جسم ہے۔ ہندوستان کا شاندار مستقبل ان دونوں کے اتصال میں مضمر ہے

مَیں اپنے تصوّر کی آنکھ سے اس درخشندہ ہندوستان کو دیکھ رہا ہوں جو ویدانتی دماغ اور اسلام کے جسم کی بدولت کشمکش اور طوائف الملوکی سے اوپر اُٹھ رہا ہے اور لاجواب شان و شوکت اور ناقابلِ تسخیر طاقت کا مالک ہوگا۔

مَیں تو ہر وقت یہی دُعا مانگتا ہوں کہ خُدا آپ کو بنی نوعِ انسان، خاص طور پر ہماری غریب مُفلس مادرِ وطن کی خدمت کے لئے شاندار ذریعہ بنائیں۔

محبت و شفقت کے ساتھ آپ کا

وویکانند

بُدھ مت اور ویدانت

ویدانت کا فلسفہ بدھ دھرم کا ہی سنگِ بنیاد نہیں، بلکہ ہندوستان کی ہر ایک دوسری شے کی بنیاد ہے۔ لیکن مکتبِ جدید کی جس فکر و نظر کو ہم اَدویتا مت کہتے ہیں۔ وہ بھی بُدھ مت سے بہت مشابہت رکھتا ہے اور اس میں ایسی بہت سی باتیں ہیں جنکی بودھوں نے پرچم کشائی کی۔ بلاشبہ ہندو، بالخصوص پُرانے، دقیانوسی ہندو، اس حقیقت کا اعتراف نہیں کریں گے کیونکہ ان کے نزدیک بودھ ملحد اور ناستک ہیں۔ یعنی ان کا مذہب پر کوئی اعتقاد نہیں لیکن اب اس بات کی واضح کوشش کی جا رہی ہے کہ اس سارے عقیدہ اور فلسفہ میں ایسی لچک پیدا کر دی جائے کہ اس میں سب ملحدین یعنی فلسفہ مذہب کو نہ ماننے والوں کو بھی شامل کیا جا سکے۔

ویدانت کا کبھی بات پر بھی بُدھ مت سے تصادم نہیں ہوتا۔ ویدانت کا نظریہ یہ ہے کہ سب میں یگانگت اور اتحاد پیدا کیا جائے۔ بالخصوص شمالی ہندوستان کے بودھوں کے ساتھ ہمارا کسی بات پر کوئی اختلاف نہیں، لیکن جہاں تک برمی یا سیامی بودھوں یا دُوسرے جنوبی بودھوں کا تعلق ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک حسی دنیا کا وجود ہے۔ پھر بھلا اس کے پیچھے بے حس دنیا کا خیال پیش کیوں کیا جاتا ہے ؟ اس کے متعلق ویدانت کا کہنا ہے کہ یہ دعوےٰ غلط ہے۔ ویدانت کبھی یہ دعوےٰ نہیں کرتا کہ کوئی دنیا مظہر ہے یا کوئی دنیا اس کے پرتو ہے۔ ویدانت کہتا ہے کہ دُنیا تو ایک ہی ہے۔ اگر اسے حواسِ خمسہ سے دیکھا جائے تو یہ دنیا حسی بن کر رہ جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود یہ دنیا حقیقتاً ایک مظہر اور پرتو رہیگی جو آدمی رسی دیکھ رہا ہے وہ سانپ نہیں دیکھتا، اور جو اسے سانپ سمجھتا ہے وہ اسے

رسّی نہیں سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ یہ رسّی ہوگی یا سانپ ہوگا۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ یہ سانپ بھی ہو اور رسّی بھی ہو۔ ہمارے متعلق بودھوں کا یہ بیان کہ ہم دو دنیاؤں میں اعتقاد رکھتے ہیں، سراسر غلط ہے۔ وہ اگر چاہیں تو اس دنیا کو حقیقی اور حواس خمسہ سے محسوس ہونے والی حسی دنیا کہہ سکتے ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کسی دوسرے شخص کو اس دنیا کو محض ایک مظہر اور محض ایک پرتو کہنے کا کوئی حق نہیں۔

بدھ مت والے دراصل اس حواس خمسہ سے پرے کسی شئے کے بابت کچھ سوچتے ہی نہیں۔ ان کی نظر و فکر صرف حواس خمسہ کے دائرہ کے اندر محدود رہتی ہے۔ مظاہر قدرت اور حواس خمسہ کا تعلق ہی ارادہ و عزم سے ہے اور یہ ارادہ و منشا کا ہی سبب ہے کہ ہم رنگ و بو کی اس قدر وسیع و عریض دنیا کو دیکھ رہے ہیں لیکن ویدانت کا جدید فلسفہ اس پر مطمئن نہیں۔ ہم کہتے ہیں، کچھ تو ہے جس سے ارادہ بنا منشا بنا۔ ارادہ مختلف اجزاء کے مرکّب کا نام ہے۔ یہ منفرد حیثیت نہیں رکھتا۔ ارادہ کی کیفیت یہی ہے اور جب تک کوئی خارجی وجہ یا سبب نہ ہو، ارادہ پیدا نہیں ہوتا۔ من میں ارتعاش پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس دنیا کی پیدائش کے متعلق بھی ہمارا نظریہ یہی ہے۔ محض ارادہ سے یہ دنیا پیدا ہوگئی، یہ کیسے ممکن ہے؟ ایسا کس طرح ہوسکتا ہے؟ کیا آپ نے کسی خارجی تاثر کے بنا کبھی مرضی اور ارادہ کی حرکت کو دیکھا ہے؟ ارادہ کسی بیرونی، خارجی ارتعاش کے بنا پیدا نہیں ہوگا۔ من کی حرکت محض کسی خارجی شئے کا ردّ عمل ہے۔ جدید فلسفہ دان اسے اعصابی ہیجان اور اعصابی ارتعاش کا نام دیتے ہیں۔ مرضی اور ارادہ کیا ہے؟ دماغی ردّ عمل، ذہنی ردّ عمل۔ جسے سانکھیہ درشن میں بدھی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس ردّ عمل سے پہلے عمل ہونا لازمی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عمل خارجی تاثر کا محتاج ہوتا ہے۔ خارجی تاثر ہی ظاہر کرتا ہے کہ خارجی دنیا موجود تھی۔ جب یہ خارجی دنیا ہی نہ ہوگی، تب یہ مرضی اور ارادہ پیدا نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود آپ ہیں کہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا ارادہ اور مرضی کی پیداوار ہے۔ مرضی اور ارادہ کون پیدا کرتا ہے؟ ارادہ اور بیرونی دنیا لازم ملزوم ہیں۔ ارادہ اسی ارتعاش کا پیدا کردہ ہے، جس نے اس دنیا کو پیدا کیا۔ لیکن فلسفہ کو یہیں نہیں رکنا ہوگا۔ مرضی اور ارادہ بالکل نجی اور ذاتی ہوتا ہے، اسلئے ہم ہرگز ہرگز جرمن فلاسفر شوپن ہاور کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتے۔ ارادہ خارجی اور داخلی اثرات کے مرکّب کا نام ہے۔ مگر کوئی شخص حواس خمسہ سے محروم پیدا ہو، تو ظاہر ہے کہ اس کا کوئی ارادہ نہیں ہوگا۔ ارادہ کسی بیرونی اور خارجی تاثر کا مرہونِ منت ہے اور دماغ اندر سے طاقت حاصل کرتا ہے۔ اس لئے یہ مرکب جزو ہے۔ بالکل اسی طرح کا مرکب جس طرح یہ دیوار۔ یہ بھی مختلف اجزاء سے مل کر بنی ہے۔ اسی طرح ارادہ کئی اجزاء کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ہم ارادہ کی تھیوری کے متعلق ان جرمن فلاسفروں سے اتفاق نہیں کرسکتے۔

ارادہ تو خود کسی کا مظہر ہے - یہ مطلق اور کامل کیسے ہو سکتا ہے ؟ یہ تو ذہنی ارتعاش کا ایک عکس ہے ایک اُبھار ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے عقب میں کوئی ایسی شے ضرور ہے جو ارادہ نہیں - بالکل ارادہ کی صورت میں نمودار اور ظاہر ہو رہا ہے - اس بات کو میں اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں ۔لیکن میں یہ کیسے باور کر لوں کہ ہر شے میں ایک ارادہ کارفرما ہے اور یہ سارا یسارا ارادہ کا ہے، کیونکہ یہ بات ہم پر اچھی طرح سے آشکار ہے کہ ارادہ اس کائنات سے الگ تھلگ ہے جس وقت وہ شے جو آزاد ہے مطلق ہے، ارادہ کی صورت اختیار کرتی ہے تو صرف وقت، جگہ، وجہ اور عمل کی بدولت - لیکن اس کی دوسری طرف جرمن فلاسفر کانٹ (KANT) کے نظریہ کو لیں - اگر وقت، جگہ، وجہ اور عمل میں بھی ارادہ کارفرما ہے تو پھر یہ مطلق، کامل اور آزاد کیسے ہو سکتا ہے ؟

ہم اگر خیالوں کے تانے بانے کو سمیٹ لیں، تبھی ہمیں یہ پتہ چل سکتا ہے کہ ہم خیالوں سے بہت پرے ہیں۔ ہم اس نتیجہ پر سلبی اور منفی صفت تک پہنچے ہیں جب اس مظہر کو منفی کیا جائے گا تو جو کچھ باقی بچے گا، وہ ہوگا۔ جسے نہ ادا کیا جا سکتا ہے، نہ دیکھا یا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کو ظاہر کیا جا سکتا ہے - کیونکہ ادا اور ظاہر کرنا بھی تو ایک ارادہ ہے ؛

ہمارا شعور جو کچھ بھی محسوس کرتا ہے یا ہمارے دماغ میں جو کچھ بھی تصوّر اُبھرتا ہے، اس کے اندر ہم دو طاقتوں کو کارفرما دیکھتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے خلاف کام کر رہی ہیں جس کے نتیجہ میں ان ملے جُلے مظاہر کا کھیل جاری ہے، جنہیں ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں یا اپنے دماغوں میں محسوس کرتے ہیں۔ بیرونی سطح پر ان دونوں متضاد طاقتوں کا عمل خود کو کشش اور کراہت، ترغیب اور گریز کی حیثیت ظاہر کرتا ہے اور اندرونی طور پر یہ محبّت، نفرت اور اچھائی بُرائی کو ظاہر کرتا ہے - ہم کچھ چیزوں سے کراہت محسوس کرتے ہیں اور دوسری چیزوں میں کشش پاتے ہیں - ایک شخص ہمیں پسند کرتا ہے اور دوسرا کراہت - کئی بار اپنی زندگی میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ بغیر کسی خاص وجہ کے ہم کچھ لوگوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور دوسرے اوقات میں بالکل اسی دوسرے لوگ ہم سے کراہت کرتے ہیں - یہ بات سب کے لئے یکساں ہے اور جس قدر عمل کا میدان جس قدر اونچا ہوتا ہے - ان دونوں متضاد طاقتوں کے اثرات اسی قدر زیادہ نمایاں اور قوی الاثر ہوتے ہیں - مذہب انسانی سوچ اور انسانی زندگی کا ایک اونچا میدان ہے اور اسمیں ہم ان دونوں طاقتوں کو نمایاں طور پر کام کرتے ہوئے پاتے ہیں - اگر انسانیت انتہائی طبیعت سے روشناس ہوتی ہے تو وہ مذہب کی وجہ سے، اگر انسانیت ظالمانہ قسم کی تفریات سے دوچار ہوئی ہے تو وہ بھی مذہب کی وجہ سے - دنیا نے امن کا انتہائی

شریفانہ لفظ مذہب کے میدان ہی کے آدمیوں سے سُنا ہے اور اگر دنیا نے تلخ ترین ملامت کے الفاظ سُنے ہیں تو وہ بھی مذہبی آدمیوں سے جس مذہب کا مقصد جس قدر اعلیٰ اور اس کی تنظیم جتنی عمدہ ہوتی ہے اُتنی ہی قابلِ تذکرہ اس کی سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ کسی اِنسانی مقصد نے دنیا میں اس قدر خون نہیں بہایا جس قدر مذہب نے۔ اسی کے ساتھ مذہب ہی کی وجہ سے اس قدر ہاسپتال اور غریب خانے نظر آتے ہیں۔ مذہب نے جس قدر پرواہ انسانیت اور چھوٹے چھوٹے جانوروں کی کی ہے اتنی کسی نے نہیں کی۔ کوئی شے ہمیں اس قدر ظالم نہیں بناتی جس قدر مذہب بناتا ہے، کوئی شے ہمیں اس قدر نرم نہیں بناتی جس قدر مذہب۔ ماضی میں ایسا ہوتا رہا ہے اور غالباً مستقبل میں بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اس ہنگامہ اور شور و غُل اس ہلڑ اور جدوجہد اور مذہب و فرقہ واریت کی اس نفرت اور حسد کے درمیان ہی وقتاً فوقتاً امن اور مفاہمت کے حق میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک قوی الاثر آوازیں بلند ہوتی رہی ہیں۔ کیا ایسا کبھی ہوسکتا ہے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ اس عظیم مذہبی کشمکش کے میدان میں اٹوٹ مفاہمت کا دَور دَورہ ہو۔ اس صدی کے آخری حصہ میں دُنیا نے مفاہمت کے اس سوال کو اپنایا۔ سوسائٹی کے لئے مختلف منصوبے تجویز کئے جا رہے ہیں اور ان پر عمل کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ کام کس قدر دشوار ہے۔ لوگوں کو معلوم ہے کہ زندگی کی جدوجہد کے جذبہ اور آدمی کے اندر اعصاب کے کھنچاؤ کی شدت میں اعتدال پیدا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اَب اگر زندگی کی جسمانی سطح پر امن اور مفاہمت و خیرسگالی لانا اس قدر مشکل ہے جو کہ زندگی کی باہری لوئی اور اوپری سطح ہے تو آدمی کی اندرونی فطرت پر امن اور مفاہمت کی حکمرانی قائم کرنا اس سے ہزار درجہ مشکل کام ہے۔ فی الحال میں آپ سے کہوں گا کہ الفاظ کے گورکھ دھندے سے باہر رہ کر سوچئے۔ ہم بچپن ہی سے محبت، امن، جرأت، مساوات اور عالمی بھائی چارہ کے الفاظ سُنتے آئے ہیں۔ لیکن یہ ہمارے نزدیک محض الفاظ ہیں جن کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ طوطے کی طرح ہم ان الفاظ کو رٹتے ہیں اور رٹے ایسا کرنا قدرتی بات ہوگئی ہے۔ ہم اس کے لئے مجبور ہیں۔ جن عظیم رُوحوں نے اپنے دِلوں میں سب سے پہلے ان نظریات کو سوچا، ان الفاظ کو تراشا اس وقت بہت سے ان الفاظ کے معنوں کو سمجھتے تھے۔ بعد میں ناواقف عوام نے ان الفاظ سے کھیلنے کے لئے ان کو اپنا لیا اور مذہب کو محض ایک کھیل سمجھ لیا۔ ایک ایسی چیز سمجھا جس پر عمل نہیں ہوتا۔ یہ "میرے باپ کا مذہب"۔ "ہمارے قوم کا مذہب"۔ "آپ کے ملک کا مذہب" اور اسی طرح کا

ہونا چاہیئے۔ تاہم مذاہب کے مابین اس مفاہمت کے سوال پر غور کریں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک مذہب کے تین حصّے ہوتے ہیں۔ میری مراد ہر ایک عظیم اور تسلیم شدہ مذہب سے ہے۔ پہلا حصّہ فلسفہ کا ہوتا ہے جس کے اندر اس مذہب کا پورا دائرہ موجود ہوتا ہے جس میں اس کے بنیادی اصولوں، اس کی منزل مقصود اور اس تک پہنچنے کے ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ دوسرا حصّہ دینیات کا ہوتا ہے جس پر فلسفہ کی بنیاد ہوتی ہے۔ اس میں بزرگان دینی یا روحانی پیشواؤں کی سوانح وغیرہ شامل ہوتی ہیں یہ فلسفہ کا خلاصہ ہوتا ہے جو روحانی انسانوں اور آدمیوں کی تصوراتی زندگیوں میں کم و بیش موجود ہوتا ہے اس کی حیثیت بھی زیادہ ٹھوس ہے، اس کا تعلق رسومات، تقریبات پھولوں، خوشبویات اور بہت سی دوسری چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے جو کہ شعور کو اپیل کرتی ہیں۔ ان مذہبی رسومات شامل ہیں۔

آپ دیکھیں گے کہ تمام بڑے بڑے مذاہب میں یہ تین باتیں موجود ہیں۔ ایک پر زیادہ زور دیتے ہیں اور کچھ دوسری پر اور کچھ تیسری بات پر۔ آیئے پہلے ہم پہلے حصّہ یعنی فلسفہ کا جائزہ لیں کیا کوئی ایک عالمی فلسفہ موجود ہے۔ ابھی تک نہیں۔ ہر مذہب اپنے ساتھ خود اپنے اصولوں کو لاتا ہے اور اس کا اصرار ہوتا ہے کہ صرف وہی اصول سچے ہیں اور وہ صرف اسی قدر نہیں کرتا بلکہ اس کے نزدیک۔ اگر کوئی شخص ان اصولوں پر ایمان نہیں لاتا تو وہ خوفناک جگہ جائے گا۔ کچھ دوسروں کو اپنے اصولوں پر چلانے کے لیئے تلوار کا استعمال تک کرتے ہیں۔ وہ اسے شرارت کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ دماغ کی ایک خاص بیماری کی وجہ سے جس کو تعصب کہتے ہیں، کرتے ہیں۔ یہ بہت خلوص رکھتے ہیں۔ یہ متعصب لوگ بنی نوع انسان کے انتہائی پُرخلوص لوگ ہوتے ہیں لیکن یہ اسی قدر غیر ذمہ دار ہوتے ہیں، جس طرح دُنیا کے دوسرے دیوانے۔ تعصب کی یہ بیماری دُنیا کی تمام بیماریوں میں بہت سے زیادہ مہلک ہوتی ہے۔ انسانی فطرت کی تمام شرارتیں اس کے ذریعہ ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ غصّہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ اعصاب میں انتہائی کھچاؤ بڑھ جاتا ہے، اور آدمی شیر کی طرح ہو جاتا ہے۔

کیا یہاں دیو مالائی یکسانیت ہے؟ کوئی دیو مالاتی مفاہمت ہے؟ کوئی ایسی دیو مالا ہے جس کو تمام مذاہب یکساں طور پر تسلیم کرتے ہوں۔ یقینی طور پر نہیں۔ ہر ایک مذہب کی اپنی الگ دیو مالا ہے۔ صرف ان میں سے ہر ایک کا دعوٰے یہ ہے کہ میری کہانیاں صرف میری نہیں ہیں۔ آیئے، اس سوال کو مثالوں کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرا مقصد محض مثالیں پیش کرنا ہے، کسی مذہب پر نکتہ چینی کرنا نہیں ہے۔ عیسائیوں کا ایمان ہے کہ خدا رُوح القدس کی شکل میں زمین پر اُترا۔ ایک عیسائی کے نزدیک یہ ایک تاریخ ہے دیو مالا نہیں۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ ایشور گائے کے رُوپ میں

ظاہر ہوا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ یہ محض ایک دیو مالا ہے، تاریخ نہیں ہے اور یہ کہ یہ توہم پرستی ہے۔ یہودیوں کا کہنا ہے کہ اگر ایک بکس پر کسی کی شکل کی مورتی بنائی جائے اور اس کے دونوں طرف ایک ایک ذرا دیر بنایا جائے اور اس کو عبادت گاہ میں رکھ دیا جائے تو یہ توریت کے مولفین کے لئے قابلِ تعظیم ہو جائے گا۔ لیکن اگر ایک خوبصورت مرد یا عورت کا مجسمہ بنایا جائے تو وہ کہیں گے، یہ ایک خوف ناک مورتی ہے اسے توڑ دو۔" دیو مالاؤں میں یہ ہے ہماری یکسانیت"۔ اگر ایک شخص کھڑا ہو جائے اور یہ کہے کہ میرے پیغمبر نے ایسے ایسے حیرت انگیز کام انجام دیئے تو دوسرے یہ کہیں گے کہ یہ صرف توہم پرستی ہے لیکن اس کے ساتھ وہ کہیں گے کہ ان کے پیغمبر نے ان سے بھی زیادہ حیرت انگیز کمالات دکھائے ہیں اور ان کو وہ تاریخی بتائیں گے۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے، دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جو دیو مالا اور تاریخ میں نازک فرق بتا سکے۔ یہ تمام کہانیاں خواہ ان کا تعلق کسی مذہب سے ہو، حقیقت میں دیو مالائی ہیں۔ انہیں وقتاً فوقتاً تاریخ کے ساتھ گڈ مڈ کیا جاتا رہا ہے۔

اب رسومات کو لیجئے۔ ایک خاص طبقہ ایک خاص قسم کی رسومات رکھتا ہے اور انہیں مقدس سمجھتا ہے جبکہ وہ دوسرے فرقوں کی رسومات کو توہم پرستی سے تعبیر کرتا ہے۔ اگر ایک فرقہ ایک خاص قسم کے نشان کی پوجا کرتا ہے۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے اوہ یہ عقیدہ خوف ناک ہے۔ مثال کے طور پر ایک عام قسم کے نشان کو لیجئے۔ لنگ کا نشان یقینی طور پر ایک جنسی نشان ہے لیکن بتدریج اس کے اس پہلو کو فراموش کر دیا گیا اور اب یہ خالق کا نشان ہے۔ جو قومیں اس کو اپنا نشان سمجھتی ہیں، اس کو کبھی لنگ کی حیثیت نہیں دیتیں۔ یہ صرف ایک نشان ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ لیکن ایک دوسری نسل کے آدمی کو اس کے اندر سوائے لنگ کے اور کچھ نظر نہیں آتا اور وہ اس کی مذمت شروع کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ایسی بات کر سکتا ہے جو کہ ان نام نہاد لنگ کے پوجاریوں کے نزدیک زیادہ خوف ناک ہوتی ہے۔ میں مثال کے طور پر دو باتیں کہوں گا۔ عیسائیوں کے لئے لنگ پوجا خوفناک ہے اور ہندوؤں کے نزدیک عیسائیوں کی وہ رسم جو باطنی اور ظاہری افضال الٰہی کی کی ظاہری علامت مانی جاتی ہے۔ (Sacrament.) وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو قتل کرکے اس کی اچھی خوبیوں کو حاصل کرنے کی غرض سے اس کا گوشت کھانے اور خون پینے کی یہ رسم مردم خوری ہے۔ یہ ایسی رسم ہے جو قدیم زمانہ کے قبائل میں تھی۔ اگر کوئی آدمی بہادر ہے تو وہ اسکو قتل کرکے اس کا دل چبا جاتے ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح ان کے اندر حوصلہ بڑھے گا اور اس آدمی کے اندر جو بہادری تھی وہ ان میں آجائے گی۔ یہاں تک کہ سرجون لبوک جیسے خدا

پرست عیسائی نے اسکو تسلیم کیا ہے اُور ان کا کہنا ہے کہ عیسائیوں کی اس رسم میں قبائلیوں کا نظریہ موجود ہے۔ تاہم عیسائی اس رسم کے آغاز کے سلسلہ میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کے لئے جو دلیل ہے - وہ کبھی ان کے ذہن میں نہیں آئی ۔ ان کے نزدیک یہ ایک متبرک رسم ہے اور اس کے علاوہ وہ کچھ اور جاننا نہیں چاہتے۔ پس رسُومات مذہبی میں بھی کوئی یکساں علامت اُور نشان نہیں ہے جس کو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہو، اُور منظور کیا جاتا ہو۔ تب کوئی عالمیت کہاں ہے؟ تاہم اس کا وجود ہے اور آپ نے دیکھنا یہ ہے، ہے کیا؟

ہم سب عالمی بھائی چارہ کی باتیں سُنتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ کس طرح اس نظریہ کی تبلیغ کے لئے سوسائٹیاں کام کرتی ہیں۔ مجھے ایک پُرانی کہانی یاد ہے ۔ ہندوستان میں شراب پینے کو بُرا سمجھا جاتا ہے۔ دو بھائی تھے ۔ ایک رات انہوں نے خفیہ طور پر شراب پینی چاہی ۔ ان کا چچا جو کہ ایک فراست پرست آدمی تھے ۔ ان کے قریب کے کمرہ میں سویا ہوا تھا ۔ پس انہوں نے شراب پینے سے قبل ایک دُوسرے سے کہا ہمیں بہت خاموش رہنا چاہیئے، ورنہ چچا کی آنکھ کُھل جائے گی ۔ جب وہ شراب پی رہے تھے وہ دونوں ایک دُوسرے سے کہتے رہے ۔ خاموش، چچا جاگ پڑیں گے ۔ ہر ایک دُوسرے پر غالب آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب آوازیں تیز ہوگئیں چچا کی آنکھ کُھل گئی - وہ ان کے کمرہ میں آیا اور اسے اصل معاملہ کا پتہ چل گیا۔ ہم عالمی بھائی چارہ کے لئے ان دونوں شرابیوں کی طرح چلاتے ہیں "ہم سب ایک ہیں ۔ لہذا ہمیں ایک فرقہ بنانا چاہیئے"۔ اور جیسے ہی آپ ایک فرقہ بنا لیتے ہیں، آپ مساوات کے خلاف پروٹسٹ کرنے لگتے ہیں اور مساوات ختم ہو جاتی ہے ۔ مُسلمان عالمی بھائی چارہ کی بات کرتے ہیں لیکن حقیقت میں اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے - وہ شخص جو مسلمان نہیں ہے ، بھائی چارہ میں کیوں داخل نہیں کیا جاتا ہے ۔ زیادہ امکان ہے کہ اس کا گلا کاٹ دیا جائے ۔ عیسائی عالمی بھائی چارہ کی بات کرتے ہیں ۔ لیکن اگر کوئی شخص عیسائی نہیں ہے تو اس کو ایک ایسی جگہ جانا پڑے گا جہاں اس کو بُری طرح سے بھُون دیا جائے گا ۔

اُور پھر بھی اس دُنیا میں مساوات اُور عالمی بھائی چارہ کی تلاش جاری رکھے ہُوئے ہیں ۔ جب آپ دُنیا میں اس قسم کی بات سُنیں تو میں آپ سے کہوں گا کہ تھوڑا صبر کریں، احتیاط سے کام لیں ۔ کیونکہ اس قسم کی تمام باتوں کے پیچھے خود غرضی چھپی ہوئی ہے ۔ سردیوں میں کبھی کبھی بجلی کی چمک گرج کے ساتھ بادل اُٹھتے ہیں ۔ یہ زور زور سے گڑگڑاتے ہیں لیکن کبھی برستے نہیں ۔

لیکن برسات کے موسم میں بادل گرجتے نہیں اور دُنیا کو پانی میں ڈبو دیتے ہیں۔ پس جو لوگ واقعی ورکرز ہیں اور واقعی دِل کے ساتھ انسان کے لئے عالمی بھائی چارہ کے خواہاں ہیں - وہ زیادہ باتیں نہیں کرتے - وہ عالمی بھائی چارہ کے لئے چھوٹے فرقے نہیں بناتے لیکن ان کے اعمال، ان کی حرکات اور ان کی پوری زندگی سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں انسان کیلئے عالمی بھائی چارہ کے جذبات رکھتے ہیں اور انہیں سب کے ساتھ محبّت اور ہمدردی ہے -

جہاں تک ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب کے معاملہ میں کوئی ہمہ گیری فیچر تلاش کرنا مشکل ہے اور پھر بھی ہم جانتے ہیں کہ اس کا وجود ہے - ہم سب انسان ہیں - لیکن کیا ہم سب مساوی حیثیّت رکھتے ہیں ؟ یقینی طور پر نہیں - کون کہتا ہے کہ ہم سب برابر ہیں، صرف دیوانے ہی ایسی بات کہہ سکتے ہیں کیا ہم دماغوں کے اعتبار سے ، طاقت کے اعتبار سے ، اپنے جسموں کے اعتبار سے ، سب برابر ہیں؟ ایک آدمی دُوسرے سے طاقت ور ہے ، ایک آدمی دُوسرے کے مقابلہ میں زیادہ عقلمند ہے - اگر ہم برابر ہیں تو پھر یہ مساوات کیوں ہے ؟ کس نے اسکو بنایا ؟ ہم نے - کیونکہ ہمارے اندر کوئی زیادہ عقلمند ہے کوئی کم - کوئی جسمانی طور پر زیادہ طاقت ور ہے اور کوئی کم - اس سے ہمارے اندر فرق پیدا ہونا لازمی ہے - پھر بھی ہم جانتے ہیں کہ مساوات اور برابری کا اصول ہمارے دلوں کو لگتا ہے - ہم سب انسان ہیں، لیکن ہم میں سے کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں - یہاں ایک سیاہ فام آدمی ہے اور وہاں ایک سفید فام آدمی - سب آدمی ہیں اور سب کا تعلق ایک انسانیّت سے ہے - ہماری شکلیں مختلف ہیں - مجھے ایک جیسی شکل کے دو آدمی بھی نظر نہیں آتے - پھر بھی ہم سب اِنسان ہیں یہ ایک اِنسانیّت کہاں ہے ؟ مَیں ایک مرد یا ایک عورت کو دیکھتا ہوں سیاہ فام یا خوبصورت ! پر مَیں ان تمام چیزوں میں اِنسانیّت کا ایک جوہر دیکھتا ہوں جو سب میں مشترک ہے - ہو سکتا ہے کہ جب مَیں اس کو پکڑوں ، اس کا ادراک کرنے اور اسکو حقیقی ادب دینے کی کوشش کروں ، مَیں اسکو پا نہ سکوں - تاہم مَیں یقین کے ساتھ جانتا ہُوں کہ یہ سب کے اندر موجود ہے - اسی کی ذات کے ذریعہ مَیں آپ کو ایک مرد یا ایک عورت کی حیثیت سے دیکھتا ہوں - پس یہی عالمی مذہب ہے جو فرد اور ایشور کی شکل میں دنیا کے سبھی مختلف مذاہب کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے - اس کا وجود اَبدی ہے - میں وُہ رشتہ حیات ہوں جو ان تمام موتیوں کے اندر پرویا ہُوا ہوں" اور ہر ایک موتی ایک مذہب اور اس کا ایک فرقہ ہے - ایسے موتی مختلف ہیں اور ایشور ان سب کے اندر رشتۂ حیات ہے جو صرف انسانوں کی اکثریت کو کلی طور پر اس کا ادراک نہیں ہے -

تنوع اور رنگارنگی میں یکسانیت، کائنات یا دُنیا کا منصوبہ ہے۔ ہم سب آدمی ہیں اور پھر بھی ہم سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ انسانیت کے جزو کے طور پر میں آپ کے ساتھ ہوں لیکن ذاتی طور میں آپ سے مختلف ہوں۔ ایک مرد کی حیثیت سے آپ ایک عورت سے مختلف ہیں۔ ایک انسان کی حیثیت سے آپ اور ایک عورت یکساں ہیں۔ ایک آدمی کی حیثیت سے آپ ایک مویشی سے مختلف ہیں لیکن جاندار کی حیثیت سے مرد عورت، جانور، پودا سب ایک ہیں اور زندگی اور وجود کی حیثیت سے آپ پوری کائنات کے ساتھ ایک نہیں اور ایشور کائنات کا وجود ہے جو کائنات میں قطعی اور آخری وحدت ہے، اس میں ہم سب ایک ہیں۔ ساتھ ہی ظاہر میں یہ تفریق باقی رہے گی۔ ہمارے کاموں میں ہماری صلاحیتوں میں، جیسا کہ وہ خارجی طور پر ظاہر ہیں۔ یہ تفریق ہمیشہ رہنی چاہیئے۔ اس کے بعد محسوس کریں گے کہ اگر عالمی مذہب کے نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ اصولوں کے ایک مجموعہ کو پوری انسانیت تسلیم کرے تو یہ قطعی طور پر ناممکن ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔ جب تمام شکلیں ایک جیسی ہو جائیں گی۔ پھر اگر ہم یہ توقع کریں کہ ایک عالمی میتھالوجی (دینیات) ہو گی۔ تو یہ بھی ناممکن ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ نہ ہی دنیا میں عالمی مذہبی رسومات ہو سکتی ہیں۔ اس قسم کی حالت کبھی ظہور میں نہیں آئے گی، اگر کبھی ایسا ہو بھی گیا تو دنیا تباہ ہو جائے گی۔ کیونکہ تنوع اور رنگارنگی زندگی کا پہلا اصول ہے۔ کیا چیز ہمیں منظم انسان بناتی ہے؟ تفریق۔ مکمل توازن ہمارے لئے تباہی ہوگا۔ فرض کیجیئے۔ اس کرہ میں آگ کی ایک خاص مقدار ہے، جس کی خاصیت مساوی اور مکمل پھیلاؤ ہے۔ آگ کو اس طرح پھیلا دیجئے۔ نتیجہ میں وہ آگ کسی عملی مقصد کے لئے کام نہ آ سکے گی۔ اس کائنات میں کیا شئے حرکت کو ممکن بناتی ہے؟ عدم توازن یک رنگی کا اتحاد ہو سکتا ہے جبکہ یہ کائنات تباہ ہو جائے، ورنہ یہ بات ناممکن ہے۔ صرف یہ نہیں، ایسا ہونا خطرناک بھی ہے۔ ہمیں یہ خواہش نہیں کرنی چاہیئے کہ ہم سب ایک طرح سوچیں، بالکل اس طرح جس طرح میوزیم میں Egyptian Mummies. ایک دُوسرے کو تاکا کرتی ہیں۔ ہمارے اندر یہ فرق، یہ تفریق اور یہ عدم توازن ہی ہے، جو ہماری ترقی کی اصل رُوح ہے۔ یہ رُوح ہمیشہ باقی رہنی چاہیئے۔

تب عالمی مذہب کے نظریہ سے میری مُراد کیا ہے۔ میری مُراد یہ نہیں ہے کہ تمام دُنیا کسی ایک عالمی مائتھالوجی (دینیات) کسی ایک عالمی فلسفہ یا کسی ایک عالمی مذہبی طریقہ کو مانے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ دُنیا کا کام سلسلہ در سلسلہ جاری رہنا چاہیئے، نہ سمجھ میں آنے والی مشینوں کا یہ مجموعہ انتہائی پیچیدہ اور انتہائی حیرت انگیز ہے، تب ہم کیا کریں؟ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دُنیا اپنا کام صفائی

کے ساتھ جاری رکھ سکے۔ہم اِنتشار کو کم کر سکتے ہیں۔بہتیوں میں گرییس لگا سکتے ہیں جیساکہ یہ ہے۔ کِس طرح ؟ تنوع اُور رنگا رنگی کی فطری ضرورت کو تسلیم کرکے، بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے اپنی خاص فطرت سے وحدت کو تسلیم کیا ہے۔ہمیں رنگا رنگی کو بھی تسلیم کر لینا چاہیئے۔ہمیں جاننا چاہیئے کہ سچائی کو سینکڑوں ہزاروں طریقہ پر بیان کیا جا سکتا ہے اُور جہاں تک ہر ایک طریقہ کا تعلق ہے وہ سچا ہے۔ہمیں جاننا چاہیئے کہ ایک ہی چیز کو سینکڑوں نقطۂ ہائے نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔پھر بھی وہ ایک ہی چیز رہے گی۔مثال کے طور پر سُورج کو لیجئے۔فرض کیجئے کہ ایک شخص زمین پر کھڑا ہؤا نکلتے ہوئے سُورج کو دیکھتا ہے، وہ اسے ایک بڑی گیند نظر آتا ہے۔فرض کیجئے کہ وہ آدمی سُورج کی طرف بڑھنا شروع کر دے، اس کے پاس ایک کیمرہ ہو،جس سے وہ ہر منزل پر سُورج کا فوٹو لیتا ہؤا چلے۔یہانتک کہ وہ سُورج تک پہنچ جائے۔ہر ایک منزل پر لیا گیا فوٹو، دُوسری منزلوں پر لیئے گئے فوٹو سے مختلف نظر آئے گا۔حقیقت میں جب وہ واپس آئے گا تو اس کے پاس بہت سے مختلف سُورجوں کے مختلف سے فوٹو ہوں گے جیساکہ دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اس آدمی نے اپنے سفر کے دوران مختلف منازل پر ایک ہی سُورج کے مختلف فوٹو لیئے ہیں۔بالکل یہی بات خدا کے لئے ہے۔ اعلےٰ ترین فلسفہ ہو یا کم درجہ کا۔انتہائی لطیف مذہبی رسُومات ہوں یا انتہائی پرلے درجہ کی مادہ پرستی۔انتہائی مہذب مائیتھالوجی ہو یا انتہا لوئی۔ان سب کے ذریعہ ہر ایک فرقہ، ہر ایک روح، ہر ایک قدم اور ہر ایک مذہب، شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر، خدا اُور ایشور تک پہنچنے کے لئے جد وجہد کر رہا ہے۔آدمی سچائی کا جو بھی گیان رکھتا ہے یہ ایشور کا گیان ہے، اُور اس کے علاوہ اُور کچھ نہیں ہے۔فرض کیجئے کہ ہم ہاتھوں میں برتن لے کر ایک جھیل پر پانی لینے کے لئے جائیں ایک کے پاس ایک پیالہ ہے، دُوسرے کے پاس جگ، ایک اُور کے پاس بالٹی ہے۔وغیرہ وغیرہ۔ہم سب پانی بھرتے ہیں۔ہر ایک حالت میں پانی اُسی شکل میں آئے گا جس شکل کا وہ برتن ہے۔جس نے پیالہ میں پانی بھرا ہے اس کے ساتھ پانی پیالہ کی شکل میں ہوگا، جو جگ میں پانی لایا ہے، اس کے پاس پانی جگ کی شکل میں ہوگا اور اسی طرح دُوسروں کے پاس ہوگا لیکن ہر کسی میں برتنوں کے اندر پانی اُور صرف پانی ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔بس یہی صورت مذہب کے معاملہ میں ہے۔ہمارے دماغ ان برتنوں کی طرح ہیں اُور ہم میں سے ہر ایک ایشور تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں ہے۔ایشور پانی کی طرح ہے، جو کہ ان برتنوں میں بھرا ہؤا ہے۔ایشور کا نظارہ برتنوں کی شکل میں دیکھنے میں آتا ہے لیکن حد صرف ایک ہے۔ہر کہیں میں وہ ایشور ہے۔یہی نجات کل کے عقیدہ کی پہچان ہے جو ہم حاصل کر سکتے ہیں۔

جہاں تک مجبوری کا سوال ہے، یہ بات بالکل دُرست ہے۔ لیکن کیا کوئی ایسا طریقہ ہے کہ مذاہب کے درمیان عملی طور پر یہ مفاہمت پیدا کی جا سکے؟ ہمیں معلوم ہے کہ یہ پہچان کہ مذاہب کے تمام مختلف نظریات سچے ہیں، بہت پُرانی ہے۔ ہندوستان میں اسکندریہ میں، یورپ میں، جاپان میں، چین میں، تبت میں اور آخر میں امریکہ میں تمام مذاہب کے درمیان رشتہ محبت پیدا کرنے اور تمام مذاہب کی ایک ملی جلی نسل بنانے کی سینکڑوں کوششیں کی گئی ہیں، وہ سب ناکام ہوگئیں، کیونکہ انہوں نے کوئی عملی منصوبہ اختیار نہیں کیا۔ بہت سے تسلیم کرتے ہیں کہ دُنیا کے تمام مذاہب سچے ہیں لیکن وہ ان کو ایک دُوسرے کے قریب لانے کا کوئی عملی راستہ نہیں دکھاتے جس سے کہ اس ہم رنگی میں ہر ایک مذہب اپنی اپنی حیثیت کو الگ برقرار رکھ سکے۔ منصوبہ وہی کامیاب ہو سکتا ہے، جو کسی آدمی یا کسی مذہب کی انفرادیت کو مجروح اور ختم نہ کرے۔ اس کے ساتھ وہ دوسروں کے ساتھ اتحاد عمل کر سکے۔ لیکن ابتک مذاہب کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے کے جن منصوبوں کو آزمایا گیا ہے ان میں مذہب کے مختلف اصُولوں کو لے کر اُنہیں چنا۔ اصولوں میں محدود کرنے اور عمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے نتیجہ میں مزید نئے فرقے لڑائیاں، کشمکش پیدا ہوئی اور ایک دُوسرے کو دھکا دینے کی کوشش کی گئی۔

میرے پاس اپنا ایک چھوٹا سا منصوبہ ہے، مَیں نہیں جانتا کہ اس پر عمل ہو سکے گا یا نہیں، اور مَیں اسکو آپ کے سامنے غور و فکر کے لئے پیش کرتا ہوں۔ میرا منصوبہ کیا ہے؟ سب سے پہلے میں انسانوں سے کہوں گا کہ وہ اس ضابطہ عمل کو تسلیم کر لیں۔ کسی چیز کو تباہ نہ کیجئے۔ وہ مصلحین جو بت شکن بن کر آئے، انہوں نے دُنیا کی کوئی خدمت نہیں کی، کسی چیز کو نہ چھیڑیئے اور نہ تباہ کیجئے۔ اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو امداد کریں اور اگر امداد نہیں کر سکتے تو اپنے ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑے ہو جائیے اور دیکھتے رہیئے کہ کیا ہو رہا ہے، اگر آپ کسی کی امداد نہیں کر سکتے تو کسی کو تکلیف بھی نہ پہنچائیں۔ کسی آدمی کے بارے میں اس کے اعتقاد کے بارے میں کوئی لفظ نہ کہیں۔ دُوسری بات مَیں یہ کہوں گا کہ آدمی جہاں ہے اس سے وہیں بات کیجئے اور وہیں اسے زندگی دیجئے۔ اگر یہ دُرست ہے کہ ایشور تمام مذاہب کا مرکز ہے اور ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے مذہب پر چلتے ہوئے اس کی جانب بڑھ رہا ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ تمام اپنے مرکز پر پہنچیں گے اور مرکز پر پہنچکر تمام اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔ جب تک مرکز پر نہیں پہنچتے، اُس وقت تک اختلافات رہتے ہیں۔ یہ اختلافات بھی مرکز ہی کی طرف جھکتے ہیں۔ ایک شخص اپنی فطرت کے مطابق ان خطوط (لائینوں) میں

سے کسی دُنیا کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے اور دُوسرا دُوسرے کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں تو یقینی طور پر ہم مرکز پر پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ تمام راستے مرکزی کی طرف جاتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک فطری طور پر خود اپنی فطرت کی طرف بڑھ رہا ہے، ترقی کر رہا ہے، ہر ایک کے لئے وہ وقت آئے گا جب وہ سچائی کو جان لے گا کیونکہ آخر کا آدمی ہی تو خود جانتا ہے۔ مَیں اور آپ کر کیا سکتے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ ایک بچّہ کو پڑھا لیتے ہیں؟ آپ نہیں پڑھا سکتے۔ بچّہ خود اپنے آپ کو پڑھاتا ہے۔ آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ اس کو مواقع مہیّا کریں اور اس کے راستے کی دُشواریوں کو دُور کریں۔ ایک پودا بڑھتا ہے۔ کیا آپ اور پودے کو بڑھا سکتے ہیں؟ آپ کی ڈیوٹی یہ ہے کہ آپ اس کے اِرد گرد حصار قائم کر دیں اور یہ دیکھیں کہ کوئی جانور اس کو کھا تو نہیں جاتا۔ بس آپ کا فرض ختم ہو گیا۔ پودا خود بڑھتا جائیگا۔ یہی بات ہر آدمی کی رُوحانی ترقی پر صادق آتی ہے۔ کوئی آپ کو رُوحانی آدمی نہیں بنا سکتا۔ آپ کو خود پڑھانا ہے۔ آپ کی ترقی اَندر کی طرف سے ہوگی۔

باہر کا اُستاد کیا کر سکتا ہے؟ وہ تھوڑی بہت دُشواریاں اور رکاوٹیں دُور کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے آپ اگر کچھ کر سکتے ہیں تو مدد کریں، تباہ نہ کریں۔ ان تمام خیالات کو ترک کر دیجیے کہ آپ کسی آدمی کو رُوحانی بنا سکتے ہیں، یہ ناممکن ہے! آپ کے لئے صرف آپ کی رُوح اُستاد ہے اور کوئی دُوسرا نہیں۔ اس بات کو تسلیم کر لیجیے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ سوسائٹی میں ہم بہت سی مختلف فطرتیں دیکھتے ہیں۔ یہاں لاکھوں قسم کے رجحانات اور میلانات ہیں۔ ان سب کا مکمل ادراک ناممکن ہے۔ لیکن ہمارے عملی مقصد کے لئے یہ کافی ہے کہ انہیں چار اقسام میں تسلیم کر دیں۔ پہلی — سرگرم آدمی یعنی مزدور۔ وہ کام کرنا چاہتا ہے، اس کے اعصاب اور پٹھوں میں شدید صلاحیت موجود ہے۔ وہ اسپتال تعمیر کرتا ہے، رفاہِ عام کا کام کرتا ہے، سڑکیں بناتا ہے، منصوبے بناتا ہے اور تنظیم کرتا ہے۔ ایک آدمی جذباتی ہوتا ہے جو کہ ایک انتہائی درجہ تک خوبصورتی اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، وہ خوبصورتی کے بارے میں سوچتا ہے اور قدرت کے جمالیاتی رُخ سے محظوظ ہوتا ہے، وہ محبّت اور محبّت کی دیوی کی طرف میلان رکھتا ہے۔ وہ صدق دِلی کے ساتھ ہر دَور کی عظیم رُوحوں، مذہبی پیغمبروں اور برہم رشیوں کی شکل میں آئے ہوئے ایشور کے اوتاروں کے ساتھ محبّت کرتا ہے۔ وہ اسی بات کو نہیں دیکھتا کہ عیسیٰ اور بودھ کے وجود کی کچھ حقیقت ہے یا نہیں، اس کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ حضرت عیسیٰ کا اپدیش تاریخی پہاڑی پر کس تاریخ میں ہوا، اور نہ ہی وہ اس بات کی پرواہ کرتا ہے کہ کرشن جی کس وقت پیدا ہوئے

وہ ان شخصیتوں کو چاہتا ہے، ان قابل محبّت شخصیتوں کو چاہتا ہے۔ یہ محبّت کرنے والے جذباتی آدمی کی نیچر (فطرت) ہے۔ اس کے بعد عارف ہیں جو خود اپنے دماغوں کا تجزیہ کرتے ہیں اور جاننا چاہتے ہیں کہ دُوسروں کے دماغ کس طرح کام کرتے ہیں وُہ کیا عناصر ہیں جو اندر کام کر رہے ہیں اور انہیں کس طرح جانا جائے، ان کا تجزیہ کیا جائے اور کس طرح ان پر قابو حاصل کیا جائے۔ پھر اس کے بعد فلاسفر ہیں جو کہ ہر شئے کا وزن کرنا چاہتے ہیں اور یہاں تک کہ اپنی ذہانت کو تمام فلسفہ انسانی کی حدوں سے بھی آگے استعمال کرتے ہیں۔ اب ایک مذہب کو جس کا منشا انسانیت کے ایک بڑے حصّے کو مطمئن کرنا ہے۔ ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ ہر قسم کے ان دماغوں کو غذا مہیا کر سکے اور جہاں یہ صلاحیت ناقص ہوتی ہے۔ تمام موجود طبقے اور فرقے متعصب بن جاتے ہیں۔ فرض کیجیئے آپ ایک فرقہ میں جائیں جو کہ محبّت اور قومی احساس کی تلقین کرتا ہے۔ وہ گاتے ہیں، روتے ہیں اور محبّت کا پرچار کرتے ہیں لیکن جیسے ہی آپ یہ کہیں کہ میرے دوست یہ سب ٹھیک ہے لیکن مَیں اس معمولی دلیل اور فلسفہ سے بھی زیادہ طاقتور کوئی چیز چاہتا ہوں مَیں چیزوں کو قدم بقدم اور بتدریج سمجھنا چاہتا ہوں۔ تب وہ آپ سے کہیں گے باہر نکل جاؤ۔ یہی نہیں بلکہ اگر وہ ایسا کر سکے تو آپ کو کسی اور دُوسری جگہ بھیج دیں گے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ فرقہ صرف جذبات پرست لوگوں ہی کی امداد کر سکتا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ دوسروں کی امداد نہیں کر سکتے بلکہ دوسروں کو تباہ کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اس میں انتہائی گناہ کا پہلو یہ ہے کہ وہ دوسروں کی امداد ہی نہیں کریں گے بلکہ ان کے خلوص پر بھی یقین نہیں کریں گے۔ ایک اور مثال لیجیئے۔ ایسے فلاسفر ہیں جو کہ ہندوستان اور مشرق کی فہم و فراست اور دانشوری کی بات کرتے ہیں اور بڑی بڑی نفسیاتی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں لیکن اگر میری طرح کوئی معمولی آدمی ان کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتا سکتے ہیں جو مجھے روحانی بنا دے؟ سب سے پہلے وہ آپ پر مسکرائیں گے اور کہیں گے۔ "اوہ آپ اپنے دلائل میں ابھی ہم سے بہت پیچھے ہیں۔ آپ رُوحانیت کے بارے میں کیا سمجھتے ہیں؟" یہ بڑے بڑے فلاسفروں کا حال ہے۔ وہ آپ کو صرف دروازہ دکھا سکتے ہیں۔ باطنیوں کا ایک طبقہ ہے، جو کہ زندگی کے مختلف میدانوں (شعبوں) کے بارے میں مختلف قسم کی باتیں کہتا ہے۔ باطن کے مختلف حالتوں کا بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ باطن کی قوّت کیا کچھ کر سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر آپ ایک معمولی آدمی ہیں اور ان سے یہ کہیں کہ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں جو مَیں انجام دے سکوں۔ مَیں نے قیاس

پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔ کیا آپ مجھے کوئی ایسی چیز دے سکتے ہیں، جو مجھے زیب دے۔ وہ مسکرا
پڑیں گے اور کہیں گے، اس بے وقوف کو دیکھو، وہ کچھ نہیں جانتا۔ اس کا وجود بیکار ہے ——
اور دنیا میں ہر جگہ یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ میں ان تمام مختلف فرقوں کے انتہا پسند ترجمانوں کو
پکڑ کر انہیں ایک ایک کمرہ کے اندر بند کر کے ان کی خوبصورت تحقیر آمیز مسکراہٹوں کی تصویر
لینا پسند کروں گا۔

یہ ہے مذہب اور چیزوں کی موجودہ حالت اور کیفیت۔ میں جس چیز کی تبلیغ کرنا چاہتا ہوں
ہوں۔ وہ ایک مذہب ہے جو تمام انسانوں کے لئے قابل ہو گا۔ یہ مساوی طور پر فلسفیانہ یکسا
طور پر جذباتی، یکساں طور پر عارفانہ اور یکساں طور پر قابلِ عمل ہونا چاہیئے۔ اگر کالجوں کے پروفیسر
سائنس دان ماہرین فزکس آئیں اور بحث کریں، تو وہ جس قدر چاہیں بحث کر سکتے ہیں۔ ایک نکتہ
ایسا آئے گا کہ جس کے بعد وہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ دلائل ہی ان کے کام نہیں آ سکتے۔ وہ
کہیں گے کہ یہ ایشور جاننے کے تصورات توہم پرستی ہیں انہیں ترک کر دو۔ میں جواب دوں گا
"مسٹر فلاسفر۔ تمہارا یہ جسم ایک بہت بڑی توہم پرستی ہے۔ اسکو چھوڑ دیجئے اور رات کا کھانا کھانے
کے لئے گھر نہ جائیے، اپنے فلسفہ کی کرسی پر نہ بیٹھئے۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو خاموش ہو کر بیٹھ
جائیے"، کیونکہ مذہب کے اندر یہ بتانے کی صلاحیت ہونی چاہیئے کہ فلسفہ کا ادراک کس طرح ہونا
ہے۔ ہمیں بتانا ہے کہ یہ تمام دنیا ایک ہے اور یہ کہ اس کائنات میں صرف ایک وجود ہے۔ اسی طرح
سے اگر ایک باطنی آتا ہے ہمیں اس کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ ذہنی تجزیہ کا علم اس تک پہنچانے
کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور اس کے سامنے اس کا عملی مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر جذباتی
لوگ آئیں تو ہمیں ان کے ساتھ ایشور کے نام پر بیٹھنا چاہیئے، گھل مل جانا چاہیئے۔" اگر کوئی محنتی
مزدور آتا ہے تو ہمیں اس کے ساتھ مل کر اپنی سب طاقت کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیئے اور امتزاج
ایک عالمی مذہب تک قریبی رسائی کا نصب العین ہو گا۔ ایشور کرے کہ تمام آدمی اسی طرح کے
ہوں کہ ان کے دماغوں میں فلسفہ باطنی جذبات اور کام کے یہ تمام عناصر پوری طرح رچے لئے ہوں
یہ ہے نصب العین ایک مکمل آدمی کے بارے میں میرا نصب العین اور تصور۔ ہر وہ شخص جس میں
ان میں سے دو یا تین قسم کے عناصر موجود ہیں، میں اس کو متعصب خیال کرتا ہوں اور یہ دنیا اس قسم کے
متعصب آدمیوں سے بھری پڑی ہے۔ انہیں صرف ایک راستہ کا علم ہے، جس پر وہ چلتے ہیں، کوئی
اور دوسرا راستہ ان کے نزدیک خطرناک اور خوفناک ہے۔ ان چاروں عناصر میں ...... توازن کا

پیدا ہوجانا مذہب کے بارے میں میرا تصور ہے اور یہ مذہب ہمارے ہندوستان میں ہوگا۔ ملاپ (Yoga
union) کے ذریعہ حاصل کیا ہے۔ مزدور کے لئے یہ آدمیوں اور پوری انسانیت کا وصل ہے۔ ایک
باطنی کے لئے یہ کم اور اعلیٰ درجہ کی خودی کے درمیان علامت اتحاد ہے اور ایک فلسفی کے لئے یہ تمام کائنات
کا ملاپ ہے۔ یہی مطلب یوگ کا ہے، یہ ایک سنسکرت لفظ ہے اور یوگ کی یہ چار قسمیں سنسکرت میں
مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ جو آدمی اس قسم کے ملاپ کا متلاشی ہوتا ہے اُسے یوگی کہتے ہیں۔ مزدور
کرم یوگی کہلاتا ہے۔ جو باطنیت کے ذریعہ تلاش کرتا ہے وہ راج یوگی کہا جاتا ہے اور وہ فلسفہ کے
ذریعہ اتحاد کا متلاشی ہوتا ہے، گیان یوگی کہلاتا ہے۔ پس یوگی کے اسی لفظ کا اطلاق تمام پر ہوتا ہے۔

اب سب سے پہلے میں راج یوگ کے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔ راج یوگ کیا ہے، باطن پر
قابو پانا کیا ہے؟ اس ملک میں آپ یوگ کے اس لفظ کے ساتھ تمام کی قسم کی شرارتیں وابستہ سمجھتے
ہیں۔ میں ڈرتا ہوں اسی لئے میں ابتداء ہی میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس لفظ کا اس قسم کی
باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان یوگیوں میں سے کوئی بھی ہوشمندی کو ہاتھ سے نہیں جانے
دیتا۔ ان میں سے کوئی آپ سے نہیں کہتا کہ آپ دھوکہ میں آجائیں یا اپنی عقل و خرد کو پروہتوں کے
حوالے کر دیں خواہ وہ کسی قسم کے ہوں۔ نہ ہی ان میں سے آپ سے کوئی یہ کہتا ہے کہ آپ کو اپنی اطاعت
کسی قوا الانسانی (انسانی ادراک سے بالاتر) پیغامبر کے لئے مخصوص کر دینی چاہیئے۔ ان میں
سے ہر ایک آپ سے یہ کہتا ہے کہ آپ خود اپنی ہوشمندی اور دلیل کی طرف مائل ہوں اور آپ اس پر
اپنی گرفت کو مضبوط رکھیں۔ ہر قسم کے جانداروں میں ہمیں علم یا گیان حاصل کرنے کے تین ذریعے ملتے
ہیں۔ پہلا ذریعہ عقل حیوانی ہے جو آپ کو جانوروں میں نمایاں ملے گا۔ یہ علم کا کمترین ذریعہ ہے۔ علم کا
ذریعہ کیا ہے؟ دلائل سے بحث کرنا، ہوشمندی سے کام لینا۔ یہ آپ کو انسان کے اندر نمایاں ملتا
ہے۔ اب پہلی جگہ پر عقل حیوانی ایک ناقص ذریعہ ہے۔ جانوروں میں اس کے عمل کا میدان بہت
محدود ہے اور ان حدود کے اندر ہی عقل حیوانی کام کرتی ہے۔ اگر آپ آدمی کو لیں آپ دیکھیں گے
کہ دلیل کے معاملہ میں یہ انتہائی ترقی یافتہ ہے۔ یہاں عمل کا دائرہ بھی وسیع تر ہو گیا ہے۔ تاہم یہ
دلیل ہوشمندی بھی ناکافی ہے۔ دلیل کچھ دور تک کام آتی ہے اس کے بعد ختم ہو جاتی ہے، یہ مزید آگے
نہیں جاتی۔ اگر آپ اسے آگے دھکا دینے کی کوشش کریں تو نتیجہ مایوس اُلجھن کی صورت نکلے گا۔
دلیل خود بے دلیل ہو کر رہ جائیگی۔ ایک دائرہ کے اندر منطق دلیل بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر مادہ
اور طاقت کو لیں جو ہمارے ادراک کی بنیادیں ہیں۔ مادہ کیا ہے؟ وہ جس کے اوپر طاقت کام کرتی

ہے۔ اور طاقت ؟ جو مادہ کے اُوپر کام کرتی ہے۔ آپ پیچیدگی کو دیکھتے ہیں۔ منطقی لوگ تلون کہتے ہیں۔ ایک نظریہ کا انحصار دُوسرے پر ہے اور دُوسرے کا دوسرے پر۔ دلیل کے سامنے طاقت ورُ رکاوٹ ہوتی ہے جس کے بعد دلائل کام نہیں آتے۔ اس کے باوجود ہمیشہ دلائل سے ذات تامحدود کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ کائنات، یہ دنیا جیسے ہمارا شعور کرتا ہے اور دماغ سوچتا ہے صرف ایک ذرّہ ہے، ذات تامحدود کا ایک ذرّہ۔ شعور اور آگہی کی سطح پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی حدود تنگ ہیں۔ اس تک ہمارا شعور اور آگہی اور ہمارے دلائل کام آتے ہیں، اس سے آگے نہیں۔ اس لئے ہمیں اور آگے لے جانے کے لئے کوئی اور ذریعہ ہونا چاہیئے اور اس ذریعہ کا نام القایا الہام۔ پس عقل حیوانی۔ دلائل اور الہام علم حاصل کرنے کے یہ تین ذرائع ہیں۔ عقل حیوانی کا تعلق جانوروں سے ہے، دلائل کا تعلق آدمی سے اور الہام کا تعلق ایشور کے بھگتوں سے —— لیکن مجموعی طور پر انسانوں کے اندر علم کے ان تمام تینوں ذرائع کے احساسات کم و بیش ترقی یافتہ حالت میں پائے جاتے ہیں۔ ان تینوں ذہنی ذرائع کو اُسی وقت اختیار کیا جا سکتا ہے، جب ان کے احساسات (جراثیم) بھی موجود ہوں —— اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک ذریعہ دوسرے کی ترقی یافتہ شکل ہے اور اس لئے اس کی تردید نہیں کرتا۔ یہ دلیل ہے جو کہ الہام کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اس لئے الہام سے دلیل رد نہیں نہیں ہوتی بلکہ وہ اسس کی تکمیل کرتا ہے۔ جن چیزوں کو دلائل سے نہیں سمجھا جا سکتا وہ الہام سے سمجھ میں آجاتی ہیں اور ان سے دلیل کی تردید نہیں ہوتی۔ بوڑھا آدمی بچّہ کو ردّ نہیں کرتا بلکہ اس کی پرورش کرتا ہے۔ اِسس لئے آپ کو ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ کم درجہ کے ذریعہ کو اعلیٰ درجہ کا ذریعہ سمجھنے کی غلطی بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ کئی بار دنیا میں عقل حیوانی کو الہام کے طور پر پیش کر دیا جاتا ہے اور اس کے بعد پیغمبرانہ صلاحیتوں کا دعوےٰ پیش کیا جاتا ہے۔ ایک بے وقوف اور نیم پاگل خیال کرتا ہے کہ اس کے دماغ میں جو الجھن ہے وہ الہام ہے اور وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی پیروی کریں۔ دنیا میں جو انتہائی متضاد غیر معتدل اور بے ہودہ نصیحتیں کی گئیں وہ انہیں پراگندہ دیوانہ ذہنوں کی پیداوار ہیں جنہوں نے الہام کی زبان سمجھنے کی کوشش کی۔

سچّی تعلیم کا پہلا امتحان یہ ہونا چاہیئے کہ تعلیم دلیل کو ردّ نہ کرے اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان تمام یوگوں کی یہی بنیاد ہے۔ ہم راج یوگ کو وصلِ خدا کا نفسیاتی یوگ اور نفسیاتی ذریعہ سمجھ سکتے ہیں۔ یہ ایک وسیع موضوع ہے اور میں آپ کو اسس یوگ کے مرکزی خیال کے بارے میں بتاؤں گا۔ ہم علم حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ رکھتے ہیں۔ کم درجہ کے آدمی سے لے کر اعلیٰ ترین یوگی تک اسی طریقہ کو اختیار کرتا ہے اور یہ طریقہ ہے خیالات کو مجتمع کرنے کا، ہمہ تن متوجہ ہو جانے کا۔ کیمسٹ جو اپنی لیبارٹری میں کام کرتا

ہے۔ اپنے دماغ کی تمام صلاحیتوں کو ایک مرکز پر لے آتا ہے' انہیں ایک نقطہ کے اندر لے آتا ہے اور ان کو عناصر پر لگا دیتا ہے جن عناصر کا تجزیہ کرتا ہے۔ اسی طرح اسے علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک منجم بھی اپنے دماغ کی تمام طاقت کو ایک مرکز پر جمع کرتا ہے اور اس کو ایک مرکز کے اندر لے آتا ہے پھر دُوربین کے ذریعہ اس کو ستاروں کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور اس طرح وہ ستاروں اور خلا کے نظام کا راز معلوم کرتا ہے۔ ہر صورت میں خواہ کوئی پروفیسر ہو یا طالب علم یا کوئی آدمی، جو جاننا چاہتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ مجھ سے سُن رہے ہیں اگر میرے الفاظ سے آپ کی دل چسپی بڑھے تو آپ ان کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں گے۔ تب آپ اس طرح ہمہ تن متوجہ ہو جانے کی وجہ سے گھنٹہ بجنے کی آواز بھی نہ سُن پائیں گے جس قدر آپ میری طرف زیادہ متوجہ ہوں گے اُسی قدر میری باتوں کو زیادہ سمجھ سکیں گے اور جس قدر زیادہ میں اپنے پیار اور صلاحیت کو ایک مرکز پر لے آؤں گا اُسی قدر اچھے طریقہ پر میں ان باتوں پر اظہار کر سکوں گا جو آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ جتنا زیادہ آپ ہمہ تن متوجہ ہوں گے اُتنا ہی زیادہ علم حاصل کر سکیں گے۔ کیونکہ علم حاصل کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے یہاں تک کہ اگر پالش کرنے والا بھی تمام توجہ کو لگا دے تو وہ زیادہ اچھی پالش کر سکے گا۔ باورچی زیادہ توجہ کے ساتھ زیادہ اچھا کھانا تیار کر سکے گا۔ کاروبار ہو یا ایشور کی پوجا یا کوئی اور کوئی جس قدر زیادہ توجہ دے کر کریں گے اسی قدر اچھی طرح انجام پائے گا۔ یہ ایک گھنٹی ہے، ایک دستک ہے جو قدرت کے دروازے کھول دیتی ہے اور ان سے روشنی کا سیلاب بہنے لگتا ہے۔ ہمہ تن متوجہ ہو جانے کی یہ طاقت ہی علم کے خزانہ کی کنجی ہے۔ راج یوگ کا تعلق زیادہ تر اسی سے ہے۔ اپنے جسموں کی موجودہ حالت میں ہم بہت زیادہ منتشر خیال ہیں اور ہماری صلاحیتیں سینکڑوں قسم کی چیزوں پر صرف ہوتی ہیں۔ جیسے ہی مَیں اپنے خیالات کو یکجا کرتا ہوں اور علم کے کسی ایک مقصد کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ ویسے ہی ہزاروں قسم کے خیالات ذہن میں پَیدا ہونے لگتے ہیں اور انتشار پیدا کرتے ہیں۔ ان کو کس طرح روکا جائے اور ذہن کو کس طرح روکا جائے۔ راج یوگ میں مطالعہ کا موضوع یہی ہے۔

اب کرم یوگ، کام کے ذریعہ ایشور تک رسائی پانے کو لیجیے۔ یہ ظاہر ہے کہ سوسائٹی میں ایسے بہت سے لوگ ہوتے ہوتے ہیں جو بظاہر کسی نہ کسی سرگرمی کے لئے پَیدا ہوتے ہیں۔ جن کے دماغ صرف خیال کی سطح پر مجتمع نہیں ہو سکتے اور جو صرف ایک ہی نظریہ رکھتے ہیں۔ ٹھوس کام کرنا واضح اور حقیقی کام۔ ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی کام میں لگا ہُوا ہے لیکن اکثریت اپنی صلاحیتوں کے ایک بڑے حصّہ کو ضائع کر دیتی ہے۔ کیونکہ ہم کام کے "راز" سے واقف نہیں ہیں۔ کرم یوگ

اس راز کی وضاحت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ کہاں اور کس طرح کام کرنا چاہیئے۔ ہم انہی صلاحیتوں کے بڑے حصّہ کو اپنے سامنے درپیش کام میں کس طرح لگائیں کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔ لیکن اس راز کے ساتھ ہی ہمیں کام کے خلاف ایک بڑے اعتراض پر غور کرنا ہے۔ یعنی یہ تکلیف پہنچانا ہے۔ تمام تکالیف اور دُکھ تعلق کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مَیں بنی نوع انسان کی بھلائی کیلئے کام کرنا کرنا چاہتا ہُوں۔ یہ بہت عام ہے کہ جن لوگوں کی مَیں نے امداد کی ہے، وہ مشکور نہیں ہوں گے، میرے خلاف ہو جائیں گے اور اس کے نتیجہ میں مجھے تکلیف پہنچے گی۔ تکلیف کا یہ ڈر انسان کو کام سے روکتا ہے اور یہ انسان کے کام ایک بڑے حصّہ اور اس کی صلاحیت کے ایک بڑے حصّہ کو ضائع کر دیتا ہے۔ کرم یوگ ہمیں بتاتا ہے کہ کام کو صرف کام کے لیئے کسی طرح کرنا چاہیئے۔ بغیر کسی تعلق کے اور یہ جانے ہوئے کہ اس سے کس کو فائدہ پہنچے گا اور کیوں۔ کرم یوگی کام کرتا ہے، کیونکہ یہ اس کی فطرت میں شامل ہے۔ کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ کام کرنا اچھا ہے۔ اس کے بعد اس کا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں اس کی پوزیشن ایک دینے والے کی ہے۔ وہ بدلے میں کوئی چیز پانے کی کبھی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے کہ وہ دے رہا ہے، وہ بدلہ نہیں چاہے گا، اس لیئے وہ تکلیف سے محفوظ رہتا ہے۔ "حصول" کے ردِّ عمل کے نتیجہ میں جو بھی تکلیف اور دُکھ پیدا ہوتا ہے، وہ اس سے بچا رہتا ہے۔

پھر اس کے بعد بھگتی یوگ ہے، جس کا تعلق جذباتی فطرت رکھنے والوں اور پریمیوں سے ہے، وہ ایشور سے پریم کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ ہر قسم کی مذہبی رسومات، پھول، عطریات، خوبصورت عمارتوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں پر انحصار کرتا ہے اور انہیں استعمال کرتا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ غلطی پر ہیں؟ مَیں آپ کو ایک حقیقت بتانا چاہتا ہوں اور اچھا ہے کہ آپ خاص طور پر اس مُلک کے اندر اس کو یاد رکھیں۔ دُنیا میں جس قدر عظیم مذہبی رہنما ہوئے ہیں، وہ ان مذہبی فرقوں سے ہوتے ہیں، جو کہ بہت ہی بیش قیمت مائیتھالوجی اور رسُومات مذہبی کے حامل ہیں۔ ان تمام فرقوں نے جنہوں نے مذہبی رسومات کے بغیر ایشور کی پوجا کی، ہر اس چیز کو بے رحمی کے ساتھ کچل دیا ہے کہ جو مذہب میں خوبصورت اور برتر ہوتی ہے۔ ان کا مذہب تشدّد ہوتا ہے۔ ایک خشک سی چیز۔ دُنیا کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے۔ اس لیئے ان مذہبی رسُومات اور دینیات سے انکار نہ کیجیئے۔ لوگوں کو انہیں ادا کرنے دیجئے۔ جو لوگ انہیں ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ادا کریں۔ ان کو دیکھ کر گندی سی تحقیر آمیز مسکراہٹ کا مظاہرہ نہ کیجیئے اور یہ نہ کہیئے "وہ بے وقوف ہیں"۔ وہ ان رسُومات کو ادا کرتے ہیں تو کرنے دیجیئے۔ اس پر بس نہیں۔ مَیں نے اپنی زندگی میں جو عظیم ترین شخصیتیں

دیکھیں ہیں۔ روحانیت میں انتہائی ترقی یافتہ اور حیرت انگیز شخصیتیں وہ انہی مذہبی رسومات کے ضبط کے ذریعہ ظہور میں آئیں۔ مَیں اپنے کو اس قابل نہیں پاتا کہ ان کے قدموں میں بھی جگہ پاؤں۔ مَیں اور ان پر نکتہ چینی! مَیں کس طرح جان سکتا ہوں کہ یہ خیالات ان کے دماغ میں کس طرح کام کرتے ہیں اور ان میں سے کس کو مجھے قبول کرنا چاہیئے اور اسکو رد کرنا چاہیئے۔ ہم کافی معلومات نہ ہونے پر بھی دنیا میں ہر چیز پر نکتہ چینی کے عادی ہیں۔ لوگ جیسی بھی مذہبی رسومات پر چلنا چاہتے ہیں انہیں چلنے دیجئے۔ آپ یہ بات ذہن میں ضرور رکھیں کہ جو لوگ جذباتی فطرت رکھتے ہیں، وہ سچائی کی تصریحات کے خلاصہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایشور ان کے لئے ایک واضح چیز ہے اور صرف یہی ایک حقیقت ہے۔ وہ اسے محسوس کرتے ہیں، اسے سُنتے ہیں اور اسے دیکھتے ہیں اور اس سے پریم کرتے ہیں۔ ان کے پاس ان کا ایشور رہنے دیجئے۔ آپ کا اعتدال پسند ان کے لئے بے وقوف ہے، جو ایک خوبصورت مجسمے کو دیکھتا ہے اور یہ جاننے کے لئے کہ وہ کس چیز کا ہؤا ہے، اس کو توڑنا چاہتا ہے۔ بھگتی یوگ سکھاتا ہے کہ بغیر کسی درپردہ مقصد کے کس طرح پریم کیا جائے۔ وہ سکھاتا ہے کہ ایشور اور اچھائی کے ساتھ پریم کیا جائے۔ حقیقت کو جانے، بچے حاصل کرنے، دولت یا اور اسی قسم کی چیز حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ پریم کرنا اچھا ہے۔ یہ انہیں سکھاتا ہے کہ پریم ہی پریم کا بہترین صلہ ہے۔ ایشور خود پریم ہے، وہ سکھاتا ہے کہ ایشور کو جو کہ خالق ہے، ہر جگہ موجود ہے، سروپاپی ہے اور سب کا حکمران ہے، ہر قسم کا خراج عقیدت پیش کیا جائے۔ جہاں کہیں پریم ہے وہاں وہ موجود ہے، جہاں شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لیتا ہے تو وہ اس بوسہ میں موجود ہوتا ہے، جہاں ماں اپنے بچے کو پیار کرتی ہے تو وہ وہاں اس پیار میں موجود ہوتا ہے، جب دو دوست ہاتھ ملاتے ہیں تو وہ جو کہ پریم کا دیوتا ہے اس حیثیت سے موجود ہوتا ہے، جب کوئی بڑا آدمی پریم کرتا ہے اور انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہے تو وہ وہاں ہوتا ہے اور اپنے پریم کا فیض انسانیت تک آزادی کے ساتھ پہنچاتا ہے، وہ ہر جگہ آشکارا ہے۔ یہ بھگتی یوگ کی تعلیم ہے۔

آخر میں جننا یوگی فلاسفر اور مفکر کو لیجئے۔ یہ وہ ہے جو کہ مرئی یا دیکھی جانے والی چیزوں سے آگے جانا چاہتا ہے۔ یہ وہ آدمی ہے جو کہ اس دنیا کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مطمئن نہیں ہے۔ اس کا نظریہ روزمرہ کے معمول یعنی کھانے پینے، سونے جاگنے وغیرہ سے آگے جانے کا ہے۔ ہزاروں کتابوں کی پڑھائی بھی اسے مطمئن نہیں کرے گی۔ تمام علوم بھی اس کو مطمئن نہیں

کر سکتے۔ ان سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ اس چھوٹی سی دنیا کے بارے میں جان جائے گا۔ پھر اور کیا چیز اس کو اطمینان بخش سکتی ہے؟ اسے دُنیا کے لاکھوں کروڑوں نظامِ تک مطمئن نہیں کرسکتے یہ اس کے نزدیک بحرِ حیات کے ایک قطرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی رُوح ان تمام چیزوں سے آگے جانا چاہتی ہے۔ حقیقت کو دیکھ کر جیسی کہ وہ ہے اس کو محسوس کر کے اس کو دیکھ کر اور حقیقت بن کر اور عالمی مخلوق کے ساتھ پیوستہ ہو کر مخلوق کے دِل میں اُتر جانا چاہتی ہے۔ یہ کہنا کہ ایشور ماں ہے، باپ ہے۔ اس کائنات کا خالق ہے۔ اس کا محافظ ہے، فلاسفر کے نزدیک اس کے اظہار کے لئے ناکافی ہے۔ اس کے نزدیک اس کی زِندگی کی زِندگی ہے، اس کی رُوح کی رُوح ہے، وہ خود ایشور ہے، کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ایشور نہیں ہے۔ فلسفہ کی طاقتور ضربوں سے اس کے تمام فانی حصّے پامال ہو جائیں گے، بہہ جائیں گے اور آخر میں فی الواقع جو باقی بچے گا وہی ایشور ہے۔

ایک ہی درخت پر دو پرندے بیٹھے ہیں، ایک سب سے اُوپر کی شاخ پر اور دُوسرا نیچے۔ جو پرندہ اوپر کی شاخ پر بیٹھا ہے۔ پُرسکون، خاموش اور پُرشکوہ اپنی شانِ کبریائی میں گم۔ جو نچلی شاخ پر بیٹھا ہے کبھی میٹھے کبھی تلخ پھل کھا رہا ہے۔ ایک شاخ سے دُوسری شاخ پر۔ کبھی خوش اور کبھی ناخوش۔ ایک وقت کے بعد نیچے بیٹھا ہوا پرندہ ایک انتہائی کڑوا پھل کھا لیتا ہے۔ اور اسے کراہت معلوم ہوتی ہے۔ وہ اُوپر کی طرف دیکھتا ہے جہاں اسے دوسرا پرندہ بیٹھا نظر آتا ہے۔ ایک حیران کن سنہری پر و بال والا پرندہ جو نہ میٹھے پھل کھاتا ہے نہ کڑوے، جو نہ خوش نظر آتا ہے نہ تکلیف میں لیکن پُرسکون ہے۔ صرف اپنے پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اپنے سوا وہ کسی طرف نہیں دیکھتا۔ نیچے بیٹھے پرندہ یہ کیفیت دیکھتا ہے لیکن جلد ہی بھول جاتا ہے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد وہ پھر کڑوا پھل کھا لیتا ہے اور تکلیف محسوس کرنے لگتا ہے، وہ پھر اُوپر دیکھتا ہے اور اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک بار وہ پھر بھول جاتا ہے اور ایک وقت کے بعد وہ پھر اوپر دیکھتا ہے۔ ایسا بار بار ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس خوبصورت پرندہ کے نزدیک پہنچ جاتا ہے اور روشنی کے اس عکس کو دیکھتا ہے جو کہ اس کے بال و پر سے نکل کر خود اس کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ وہ کچھ تبدیلی محسوس کرتا ہے اور غائب ہوتا ہوا جاتا ہے۔ وہ اُور زیادہ قریب آتا ہے، اس کی ہر چیز فنا ہو جاتی ہے اور آخر کار اس حیرت انگیز تبدیلی کو وہ سمجھ لیتا ہے۔ نیچے بیٹھا ہوا پرندہ صرف اوپر بیٹھے ہوئے پرندہ کا ایک عکس اور ایک

سایہ ہے۔ وہ خود تمام اَوقات میں اُوپر بیٹھے ہُوئے پرندہ کی ذات مطلق ہے۔ یہ میٹھے اور کڑوے پھل کھانا۔ یہ نیچے بیٹھا ہُوا چھوٹا سا پرندہ روتا ہُوا ہنستا ہُوا محض ایک خواب ہے۔ حقیقی پرندہ اُوپر ہے۔ خاموش پُرسکون، باوقار اور شان کبریائی میں سرشار، رنج والم سے ماورا اُوپر کا پرندہ ایشور ہے۔ اس کائنات کا آقا مالک اور نیچے کا پرندہ انسانی رُوح جو اس دُنیا کے کڑوے اور میٹھے پھل کھاتا ہے۔ اب اور تب رُوح پر ایک کاری ضرب لگتی ہے۔ ایک وقت کے لئے وہ نامعلوم ایشور کی طرف چلی جاتی ہے اور ایک روشنی کا سیلاب آتا ہے۔ وہ سوچتی ہے کہ یہ دُنیا محض ایک تماشہ ہے۔ تاہم پھر اس کا شعور اسے نیچے لے آتا ہے اور پہلے کی طرح وہ اس دُنیا کے میٹھے اور کڑوے پھل کھانا شروع کر دیتی ہے۔ پھر ایک سخت ضرب لگتی ہے اور اس کے دل میں خدا کی روشنی بھر جاتی ہے۔ پس اس طرح بتدریج وہ ایشور کی طرف لوٹتی ہے اور جیسے جیسے وہ قریب پہنچتی ہے خود کو فنا ہوتا ہُوا محسوس کرتی ہے۔ جب وہ کافی قریب آجاتی ہے تو وہ دیکھتی ہے کہ ایشور کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے تب وہ بدلی ہوتی ہے۔" وہ جیسے مَیں نے تم سے بیان کیا کہ وہ اسی کائنات کی زندگی ہے، ذرّہ میں اس کا وجود ہے۔ چاندوں اور سُورجوں میں اس کا جادہ ہے، وہی ہماری اپنی زندگی کی بنیاد ہے۔ ہماری رُوح کی رُوح ہے۔ من رتو کا کوئی سوال نہیں ہے"۔ یہ جننا یوگ کی تعلیم ہے، یہ آدمی کو بتاتا ہے کہ وہ ہی ایشور ہے۔ وہ آدمی کو مخلوق کے اصلی اتحاد کو دکھاتا ہے۔ یہ کہ ہم میں سے ہر ایک خود ہی ایشور ہے۔ جو زمین پر ظاہر ہو گیا ہے۔ ہم سب ایک معمولی کیڑے سے لیکر خلوہیم پاؤں تلے مسل دیتے ہیں۔ اعلےٰ ترین مخلوق تک خلوہیم حیرت کے ساتھ دیکھتے ہیں اور مرعوب ہو جاتے ہیں۔ سب ایک ہی ایشور کا مظہر ہیں۔

آخر میں مَیں یہ کہوں گا کہ یہ بات انتہائی اہم اور لازمی ہے کہ ان تمام یوگوں پر عمل کیا جائے۔ ان کے متعلق صرف تھیوریاں کام نہیں آسکتیں۔ سب سے پہلے ہمیں انہیں سُننا ہے پھر ان کے بارے میں غور کرنا ہے۔ ہمیں دلائل سے کام لے کر انہیں اپنے ذہنوں میں بٹھانا ہے اور ہمیں ثالث بن کر ان کو محسوس کرنا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہماری پوری زندگی بن جائیں۔ مذہب زیادہ عرصہ تک تھیوریوں کا پلندہ نہیں رہیگا نہ ہی ذہنی غلامی رہیگا۔ یہ ہمارے وجود کے اندر داخل ہو جائے گا۔ آج ہم ذہنی اور عقل منظوری کے ذریعہ بہت سی بیوقوفیاں کر جاتے ہیں اور ہر روز اپنے ارادوں کو تبدیل کر دیتے ہیں لیکن سچا مذہب کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ مذہب ایک احساس ایک ادارک ہے۔ کوئی بات کوئی اصول یا کوئی تھیوری نہیں ہے خواہ وہ کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو۔ یہ ہونا اور ہو جانا ہے۔ سُننا یا قبول کرنا نہیں ہے۔ یہ پوری رُوح کا اس میں تبدیل ہو جانا ہے جس پر وہ یقین رکھتی ہے۔ جو مذہب ہے ❊